DUE DATE

Cl. No .... *Acc. No.* ....

Late Fine Ordinary Books **25 Paise** per day. Text Book **Re. 1/-** per day. Over Night Book **Re. 1/-** per day.

جامے است جہان نمائے ہر صفحہ درین

۱۳۲۷ھ

النّاظر

فی - تاریخی - تمدنی - اخلاقی - معاشرتی - ادبی - مضامین کا

(ماہوار رسالہ)

۱۹ر — یکم جنوری سنہ ۱۹۱۱ء — جلد ۴

ناظر پریس متصل پل آہنی مین طبع ہو کر

دفتر رسالۂ الناظر فلاورملز لکھنؤ سے شائع ہوا

فہرست مضامین

الناظر

نمبر ۱۹ جلد ۴ — یکم جنوری سنہ ۱۹۱۱ع

الکلام
مولفہ مولانا شبلی پر
تنقیدی نظر

(نمبر ۶)

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو
نفی حکمت مکن از بہر دل عامے چند

ایک طویل مضمون کا، جو باوجود اختصار کی امکانی کوشش کے، سو صفحات
میں ... ختم ہوا ... [illegible] ... الکلام ...

پائے جاتے ہین، وغیرہ وغیرہ، لیکن سخت نا انصافی، بلکہ صریح ظلم ہوگا، اگر ہمارا ریویو یہین پر ختم ہو جائے۔

ناقدین پر یہ ایک عام الزام ہے کہ انکی نگاہ ہمیشہ عیوب و نقایص پر پڑتی ہے، اور وہ مصنف کی صرف غلطیون و فروگذاشتون کو پبلک مین ظاہر کر دینا اپنا فرض خیال کرتے ہین۔ اور سچ یہ ہے کہ یہ الزام بالکل بے بنیاد نہین ہے۔ ملک مین جن تحریرون کو تنقید کہا جاتا ہے، وہ عموماً دو طرح کی ہوتی ہین اگر تنقید نگار مصنف کا ہم خیال یا دوست ہے، تو سرے سے مداحی کے گلدستے پیش کرنا شروع کر دیتا ہے، اور اگر اسکے معایب کے متعلق کوئی لفظ زبان سے نکالتا بھی ہے، تو اسقدر ضعیف اور دھیمی آواز مین کہ مدح سرائی کے ہنگامہ خیز غلغلہ مین یہ صدا کسی کے کان تک نہ پہونچے۔ برعکس اس کے اگر ناقد کو کسی وجہ سے مصنف سے مخالفت ہے۔ تو تصنیف زیر تنقید ہر قسم کے اعتراضات کی ہدف بن جاتی ہے، اسکی جزدی فروگذاشتون کو نہایت اہمیت دی جاتی ہے، اور قدم قدم پر اوسکی مخالفت کی جاتی ہے۔ لیکن یہ دونون طریقے سخت معیوب و ناپسندیدہ ہین، اور ایسی تحریرون کو تنقید کے نام سے یاد کرنا۔ واقعیت پر ظلم کرنا ہے۔ ایک نقاد کو، درحقیقت، افراط و تفریط سے علیحدہ ہوکر کامل دیانت داری و راست بازی کے ساتھ، بجائے خود، ہر ایک مسئلہ پر غور کرنا چاہیئے، اور اُسکا فرض ہے کہ جس آزادی کے ساتھ وہ ادنیٰ سے ادنیٰ نقایص کی پردہ دری کرتا ہے، اسی فیاضی کے ساتھ خفیف سی خفیف خوبیون کا بھی اعتراف کرے۔

اسی اصول کی بنا پر، جب ہم الکلام پر نظر ڈالتے ہین، تو صاف نظر آتا ہے کہ اگرچہ اس آفتاب ہمہ ... [illegible] ... کے لحاظ سے فضائے

مذہب کا کوئی ستارہ مشکل سے اُسکا مقابلہ کرسکتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مثل مولانا شبلی کی دیگر تصانیف کے، اس تالیف سے کسی محققانہ تلاش اور غیر معمولی تفحص کا اظہار نہین ہوتا، یہ بھی مسلّم ہے کہ اسکے بعض استدلالات نہایت ضعیف و غیر تشفی بخش ہین، اس سے بھی انکار نہین ہوسکتا کہ اس مین اکثر کلیہ غلط معلومات کی بنا پر قایم کیے گئے ہین، باانہمہ یہ امر کسی طرح نظر انداز نہین کیا جاسکتا کہ قدیم تعلیم کے پیدا کیے ہوے علماء مذہب مین مولانا شبلی پہلے شخص ہین جنھون نے عقل و نقل مین تطبیق دینے کا بیڑا اُٹھایا، اور الکلام کے ذریعہ سے ایک حد تک، اگرچہ وہ حد نہایت ہی قلیل ہی، اور ایک حد معین کے آگے کسی انسانی کوشش سے تطبیق ہو بھی نہین سکتی، اس مقصد کو پورا کردیا۔ ہم اس سے ناواقف نہین کہ اُردو زبان مین اور بعض علما نے بھی مذہب اور علوم جدیدہ کی مطابقت پر کتابین تصنیف کی ہین، یا عربی اور انگریزی سے ترجمہ کی ہین، اور بعض اُن مین سے الکلام سے پیشتر کی ہین، لیکن انصاف یہ ہی کہ باستثنا سرسید کی تصانیف کے اُن مین سے اکثر کو الکلام کے مقابلہ مین لانا ہی اپنی بدمذاقی کا کافی ثبوت دینا ہے۔ مگر چونکہ کسی چیز کی خوبی بغیر دوسری چیزون سے موازنہ و مقابلہ کیے نہین معلوم ہوسکتی، اسلیے ہم الکلام کی خصوصیات کو دکھاتے ہوئے، جا بجا اُنکا مقابلہ اسکی ہم موضوع تصانیف سے کرتے جائینگے۔

ذیل مین ہم چند اُن خصوصیات کا ذکر کرتے ہین، جو الکلام کو اس فن کی دوسری کتابون سے، علانیہ طور سے، ممتاز کرتی ہین۔

(۱) کتب کلامیہ کے مصنفون کی نظر چونکہ عموماً تحقیق حق پر نہین ہوتی، اسلیے وہ اپنے فرقہ کی ہر طریقہ سے جا و بیجا حمایت کرنا، اور فریق مخالف کی ایک ایک بات پر رد و قدح کرنا اپنا فرض خیال کرتے ہین۔ اس مجادلانہ انداز بیان کا یہ نتیجہ ہوتا ہی کہ مصنف کو اپنے فریق کے ادنی سے ادنی بزرگ ... معتقدات کی تاویل کرنا پڑتی ہی، اور جب معقول

دلایل سے کام نہین چلتا، تو چارناچار سینہ زوریون سے اپنے دعوی کو بہ جبر تسلیم کرانا چاہتا ہی۔ لیکن مولانا کی تصانیف عموماً اس عیب سی بری ہین۔ وہ کسی موقع پر ایک خاص فرقہ کی وکالت ہر پہلو سے فرض نہین خیال کرتے، بلکہ جس مقام پر اپنے فریق کی کمزوری دیکھتے ہین۔ عموماً اسکا بلا تامل اعتراف کر لیتے ہین۔ مثال کے لیے ہم اسوقت صرف ایک مسئلہ کو لیتے ہین، اہل مذاہب کی نزدیک علم کلام کے مباحث کا ایک اہم اور لازمی جزو، وجود روح ہی، اور تقریباً ہر متکلم اسکو فرض سمجھتا ہی کہ جسطرح بن پڑے، روح کی ہستی کو عقلی و علمی شہادت کی بنا پر ثابت کرے لیکن مولانا کے نزدیک چونکہ وجود روح پر کوئی عقلی استدلال نہین قایم ہو سکتا، اسلئے الکلام مین انھون نے سرے سی اس موضوع پر قلم ہی نہین اٹھایا، بلکہ ایک دوسری تصنیف مین، جو در اصل سلسلۂ کلامیہ ہی کا ایک حصہ ہی۔ صراحت کے ساتھ، اس مسئلہ کی تائید مین عقلی شہادت کے ناکافی ہونیکا ان الفاظ مین اعتراف کیا ہی:۔

"اصل یہ ہے کہ روح کا وجود ایک وجدانی امر ہی۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ ادراک و تعقل محض مادہ کا کام نہین۔ مادہ ایک بحس، بیجان، اور لا یعقل چیز ہی۔ دقیق خیالات اور علوم و فنون مادہ سی انجام نہین پا سکتے، بلکہ کوئی اور جوہر لطیف ہی، جس سے یہ کرشمہ سرزد ہوتے ہین، اور اسیکا نام روح ہی لیکن یہ استدلال وجدانی ہی۔ اگر کوئی منکر انکار پر آمادہ ہو اور کہے کہ تم نے جو کچھ کہا، وہ عین دعوی کا اعادہ ہی، دلیل نہین۔ ممکن ہی کہ مادہ ہی ایک خاص ترکیب پا کر ان نیرنگیون کا مظہر ہو، کلون سی جو عجیب و غریب حرکتین ظاہر ہوتی ہین، ارغنون سی جو دلکش اور موثر نغمہ پیدا ہوتے ہین، ان مین روح کا کون سا شائبہ شامل ہی؟، تو ہم دلیل سے اسکی زبان نہین بند کر سکتے۔ یہی سبب تھا کہ امام صاحب نے روح کے ثبوت مین کوئی منطقی دلیل نہین پیش کی" [الغزالی صفحہ ۱۰۰، ۱۰۱]

پنجاب کی ایک گورنمنٹ پنشنر، کوئی منشی عطا محمد صاحب ہین، جنھون نے "مختلف بزرگانِ دین کی کتابون سے اخذ کر کے" ایک کتاب محض "متشککین فی الاسلام" کے تزلزلِ عقاید

کو رفع کرنے کی غرض سے لکھی ہی' اور جس مین اپنے نزدیک اُنھون نے "صرف وہی عقلی دلایل درج کیے ہین، جو علوم جدیدہ کی مقابلہ مین استحکام رکھتے ہین یہان ہمارے نے اپنی کتاب کے تقریباً دو درجن صفحہ، وجود روح کی بحث کے نذر کیے ہین[۵] لیکن کاش یہ کم مایہ متکلمین، کم از کم اتنی ہی نصفت شعاری و فراخ دلی اختیار کرین، جتنی کہ مولانا شبلی کی تصانیف مین پائی جاتی ہی!!

(۲) عموماً متکلمین کی ایک خاص غرض یہ ہوتی ہی کہ اپنی مذہبی جماعت کے افراد مین اضافہ کرین، اور اگر کسی اور ذریعہ سے قوت و استحکام نہ بہم پہونچ سکے، تو کم از کم کثرت تعداد ہی کی بنا پر فخر کا موقع حاصل کرین۔ اس غرض کو حاصل کرنے کے لیے اُنھین چار و ناچار ایسی تدابیر اختیار کرنا پڑتی ہین جن کا اثر خواہ کچھ اور رہو یا نہ ہو، لیکن عوام اُن سے مرعوب ضرور ہو جائین۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ عوام الناس خشک منطقی استدلالات سے چندان متاثر نہین ہوتے، اُنکو گرویدہ کرنے کے لیے سب سے چلتا ہوا جادو خطابیات کا ہی۔ پس یہی وجہ ہی، کہ علماء مذہب اپنی تصانیف مین عموماً خطابی جوش و خروش کو منطقی "جیدگی پر مقدم رکھتے ہین اور علم کلام کی کتابون کی طویل فہرست مین بہ مشکل چند ایسی تصانیف ملینگی، جو اس عام عیب سے مستثنیٰ ہون۔ دیگر مصنفین کا تو کیا ذکر ہی، خود فرید وجدی، جسکا مرتبہ علمی حیثیت سے اسوقت دنیاے اسلام مین غالباً کسی دوسرے سے کم درجہ پر نہین سمجھا جاتا، اس جرم کا بہت بڑا مرتکب ہی الحدیقۃ الفکریہ، تطبیق الدیانۃ الاسلامیۃ، الاقدام الی سایر الاقوام، غرض اسکا کوئی رسالہ دیکھو، اس خصوصیت کی مثالین نمایان طور سے بہ کثرت ملینگی، اور اسکے رسالہ المرأۃ المسلمۃ مین تو وہ حد اعتدال سے اسقدر متجاوز ہو گئی ہین، کہ پڑھنے والا نقش حیرت بن جاتا ہی۔

بعض اوقات یہ خطابی دلایل ایسی مضحکہ خیز صورت اختیار کر لیتے ہین، کہ متین سا

---

[۵] ادلۃ الکرام فی اثبات عقاید الاسلام، صفحہ ۱۴۵ - ۱۶۷۔

متین شخص بھی بہ مشکل اپنی ہنسی ضبط کر سکتا ہے۔ مثال کے لیے ہم ذیل مین اس تصنیف[1] کا ایک اقتباس درج کرتے ہین جسکا مصنف اپنے بیان کے بموجب "سائنس کی انتہائی تعلیم" سے ایک درجہ زاید مسایل سائنس سے واقف ہی[1]۔ یہ "ماہر سائنس" وجود باری پر یون استدلال کرتا ہے:-

"تمکو کوئی شک وجود صانع پر نہ ہونا چاہیئے، اگرچہ کچھ لوگ اسکی مخالفت بھی کرین، کیونکہ ایک بہت بڑا گروہ انسان کا اوس کے وجود کا مقر ہے۔ کسی جلسہ مین یا کوئی کمیٹی مین تمھین شریک ہونے کا اتفاق ہوا ہوگا، اور وہان اختلاف بھی پیش آیا ہوگا۔ اُسکے دفع کرنیکی فکر بجز[ع] اسکے نہین ہی۔ کہ غلبہ آرا پر فیصلہ کیا جاے، اسی طرح سے اس مسئلہ مین بھی تمکو اصول قایم کرنا چاہیئے۔

تم کہہ سکتے ہو کہ زیادہ تر کم عقل اور جاہل لوگ ہوتے ہین، عقلمند کا گروہ بہت کم ہوتا ہی تو چاہیئے کہ پیروی تھوڑے گروہ کی کیجاوے، کیونکہ وہی عاقل ہونگے۔ مگر یہ کہنا تمھارا کوئی باور نکرے گا، اس وجہ سے کہ حکما کا مسلمہ قاعدہ اسکے خلاف ہے۔ کسی کی راے اس طرف نہ جائیگی کہ جس طرف ہزارون آدمی ہون، اُس قول کو چھوڑ کر جس طرف تھوڑے آدمی ہون، اسکو تسلیم کرین[2]"

یہ ایک نمونہ ہی۔ اس قسم کی مثالین، نہایت کثرت کی ساتھ، ان متکلمین و مدعیان سائنس دانی کی تحریرون مین ملتی ہین۔ لیکن اگر اس کلیہ مین کوئی استثنا ہو سکتا ہی تو اوسکی مستحق سب سے زیادہ مولانا شبلی کی کتاب الکلام ہی۔ یہ سچ ہی کہ مولانا نے بھی جا بجا خطابیات سی کام لیا ہی، لیکن صرف اسی حد تک کہ تحریر مین انشا پردازانہ رنگ قایم رہی وہ خطابی جلوون کو منطقی دلایل کا قایم مقام نہین بناتے، بلکہ علی العموم ان سے محض لطف لٹریچر پیدا کرنا چاہتے ہین۔ اور دو ایک مقام پر، جہان وہ حد اعتدال سے

[1] "سائنس وکلام" جلد اول صفحہ ۴، مصنفہ مولانا عبد الباری، [2] "سائنس وکلام" جلد ۱ صفحہ ۱۰۴ - ۱۰۵

[ع] شکل یا صورت چاہیے۔ اڈیٹر

نکل گئے ہین، وہان اُن کا فلسفہ، شاعری کا لطف دیتا ہی، لیکن اُنکے حریف علمائے کلام کا فلسفہ تو شاعری بھی نہین رہتا، بلکہ جاہلونکا گرویدہ کرنے والا ایک ادنیٰ درجہ کا افسانہ رہ جاتا ہی۔

(۳) عام انسانی طبایع کا خاصہ ہی، کہ جن مسایل یا معتقدات کی بنا جذبات پر ہوتی ہی، اُنپر کسی قسم کا اعتراض سنکر سخت اشتعال پیدا ہوتا ہی، اور اشتعال کی حالت مین انسان نہایت دشواری سے اپنے قولے اور نفس پر قابو و ضبط رکھ سکتا ہی۔ یہی وجہ ہی کہ مذہب پر بھی، جسکی بنیاد من حیث الاکثر جذبات ہی پر قایم ہی، اعتراض سُنکر پرجوش پابندان مذہب دوران تقریر مین از خود رفتہ ہو جاتے ہین، اور تقریر کا تو کیا ذکر ہی، تحریر تک مین اسکا اثر بہت کافی طور سی پایا جاتا ہی، چنانچہ مذہبی مناظرون اور علم کلام کی جسقدر کتابین ملک مین شایع ہوئی ہین، وہ تقریبًا سب لعن طعن، سب و شتم سے لبریز ہین۔ ادنیٰ درجہ کی مصنفین تو ایک طرف، خود اُن مصنفین کا قلم، جو دیگر حیثیات سی نہایت ممتاز ہین، اس میدان مین اگر تہذیب و متانت کی دایرہ سی نکل جاتا ہی۔ یہان تک کہ فرید وجدی کی تصانیف بھی، جو الکلام کی تمام یورپین معلومات کا ماخذ ہین، اس عیب سے خالی نہین، بلکہ اُن مین بہ کثرت ایسے مقامات ملتے ہین، جہان اُس ذی اپنی مخالفین کو "جاہل" "متمرد" "انتہائی مجنون" "غبی" "غیر مہذب" نا ملایم الفاظ سے یاد کیا ہے، اور ایک مقام پر تو وہ یہان تک بڑھ گیا ہی کہ وہ اپنی مخالفین کو یہ صلاح دیتا ہی کہ

"در و دیوار کی قوت جذب و دفع سے اپنے خبط کا علاج کرو" [۱]

لیکن رمثل سرسید کی تصانیف کے) الکلام، اس الزام سی بالکل بری ہی۔ تمام کتاب مین ایک لفظ بھی ایسا نہین ملتا جو متانت کی خلاف ہو، یا جس سی کسی فریق کی دل آزاری و دلشکنی ہوتی ہو۔ نہ کسی مقام پر طعن و تشنیع ہی، اور نہ کہین توہین و تحقیر کے الفاظ ہین۔ بلکہ برعکس اسکے، جہان کہین اپنی مخالفین کا ذکر کیا ہی، اسی پیرایہ مین کیا ہے جس مین کہ

[۱] المرأۃ المسلمہ، فصل پنجم۔

اپنی موافقین کا۔ مذکورۂ بالاخصوصیات کی علاوہ، جنکا تعلق بالتخصیص علم کلام اور اس فن کی کتابون کی ساتھ ہی، ایک اور قابل الذکر خوبی، جو مولانا شبلی کی تمام تصانیف مین مشترک ہی، انکا دلاویز طرز بیان ہی، اور علم کلام جیسی خشک مضمون مین اس دلاویزی کا نمایان طور سی نظر آنا، اور بھی قابل ستایش ہی۔ علم کلام کی عام کتابون کا یہ حال ہی کہ ان کے مصنفین نے اُن مین خواہ مخواہ اغلاق و تعقید پیدا کر رکھی ہی، یہ خلاف اسکے الکلام کا کوئی صفحہ کھولو، اسقدر دلچسپی ہوگی کہ بجاے کسی خشک علمی تصنیف کی، یہ معلوم ہوگا کہ کوئی دلچسپ افسانہ پڑھ رہی ہو۔ ممکن ہی کوئی شخص، جہان تک مضمون کو تعلق ہی، الکلام کے تمام استدلالات کو غلط و بادر ہوا تصور کری لیکن بڑے سے بڑا مخالف بھی اسکی دلفریب طرز ادا کی داد دیے بغیر نہین رہ سکتا۔

جدید علم کلام کی اساتذہ مین دو شخص ایسے ہین، جنکی وسعت نظر، قوت استدلال، اور عالمانہ تحقیق کا غلغلہ تمام دنیاے اسلام مین ہی۔ ایک سرسید، دوسرے فرید وجدی، دیکھنا یہ ہی کہ الکلام کو ان دونون کی تصانیف سی کیا نسبت ہی؟ جیسا کہ خود مولانا شبلی کو مسلم ہی (اور ہم بھی اسکو ایک سی زاید بار لکھ چکے ہین) الکلام کی یوروپین معلومات کا ماخذ، فرید وجدی ہی کی تصانیف ہین، لیکن مولانا کے اس اعتراف سے یہ ہرگز لازم نہین آتا کہ الکلام اپنے ماخذ سے کم درجہ پر بھی ہی۔ برعکس اسکے جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات مین دکھا چکے ہین، الکلام مین ایک سی زاید ایسی خصوصیات موجود ہین، جنکے لحاظ سی اسکو فرید وجدی کی تصانیف پر علانیہ ترجیح حاصل ہی۔ بلکہ ہمارا ذاتی خیال تو یہ ہے، کہ الکلام مین جو نقایص نظر آتے ہین، انکے بہت بڑے حصہ کا ذمہ دار فرید وجدی ہی، اور اگر مولانا شبلی، بجاے فرید وجدی پر اعتماد کرنے کے، اپنا ماخذ کوئی زیادہ مستند تصنیف قرار دیتی ہین، تو یقیناً الکلام بھی اسی قدر قابل قدر ہوتی، جتنی کہ مولانا کی دیگر اعلیٰ تصانیف۔

اب رہے سرسید۔ اس مین شبہہ نہین کہ ہندوستان مین آج جسقدر اسلامی تحریکات نظر آرہی ہین ان سب کی محرک اول سرسید ہی کی ذات ہے۔ اور اگر سرسید کی پراثر تحریرون سے ملک مین بیداری نہ پھیل جاتی، تو آج نہ دارالعلوم ندوہ کا وجود ہوتا، اور نہ مولانا شبلی کو الکلام لکھنے کی تحریک ہوتی، اس لیے سرسید کی مذہبی تصانیف، اور الکلام مین موازنہ کرتے وقت، ابتدا اور ایجاد کا ترجیحی حق اول الذکر کو حاصل ہی۔ لیکن اگر اولیت سے قطع نظر کر کے یہ دریافت کرو، کہ وہ کون سی خوبی سرسید کی تصانیف مین ہی، جو الکلام مین نہین پائی جاتی؟ وہ کون سے گلہاے مضامین، اول الذکر کے گلشن تصنیف مین ہین، جن سے آخر الذکر کا دامن خالی ہی؟ تو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ کوئی نہین۔ پس سرسید کی تصانیف کو بھی، بجز شرف اولیت کے اور کوئی ترجیح الکلام پر نہین ؎

قیس کو فضل تقدم ہی، وگرنہ یان کیا
سر شوریدہ نہین، یا جگر چاک نہین

لیکن علمی مسایل مین اولیت کا امتیاز بھی کچھ کم وقیع نہین ہوتا۔

حال مین ایک کتاب "اثبات واجب الوجود" پر مسٹر آرم اسٹرانگ کی کتاب "گاڈ اینڈ سول" (God and Soul) سے مع حذف و اضافہ کے ترجمہ ہوئی ہے۔ لایق۔ اور نیک نیت مترجم نے اپنے دیباچہ مین اگرچہ نہایت معتدل الفاظ مین کتاب کو پبلک سے روشناس کیا ہے، لیکن انکی توقعات سے بہت زیادہ، ریویو نگارون نے اس کتاب کی مدح وستایش کے سرٹیفکٹ انکو عطا کیے، اور سخت حیرت ہی کہ مولانا شبلی جیسا صاحب مذاق ناقد بھی ان ریویو نگارون کا ہم آہنگ ہے۔ بلاشبہ، اثبات واجب الوجود، اردو اور عربی کی عام جدید کتب کلامیہ کی نسبت بہت زیادہ شایستہ اور بہت زیادہ مدلل ہی،

لیکن مصنف نے چند مقامات پر، جو خصوصیت کے ساتھ اہم ہین، استدلال مین غلطی کرنے کے علاوہ ۔ ایک سے زاید غلط بیانیون سے کام لیا ہے ۔ مثلاً ایک موقع پر اُس نے علت کی یہ تعریف مِل کی جانب منسوب کر دی ہے کہ

"بس علت وہی ہے جو معلول سے پہلے آئے"

اور پھر اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اکثر باتون مین محض تقدیم وتاخیر کا تعلق، علت ومعلول کے مفہوم پر صادق نہین آتا، جمعہ ہمیشہ شنبہ سے پہلے آتا ہے، مگر جمعہ علت اور شنبہ معلول نہین، سورج ہمیشہ تاریکی کے بعد نکلتا ہے، مگر یہ کوئی نہین کہتا کہ طلوع آفتاب کی وجہ ظلمت شب ہے[۵۱] ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مِل ہرگز اس تعریف کی صحت کا مدعی نہین ۔ مِل کے طرز تحریر کو وہ لوگ اچھی طرح سمجھ سکتے ہین، جنھون نے امام رازی کی تصانیف کا مطالعہ کیا ہے ۔ امام صاحب کی طرح، مِل کی عادت ہے کہ وہ اپنی تحریر مین موافق ومخالف ہر قسم کے اقوال نقل کر دیتا ہے، اس کے بعد رد و قدح کر کے ایک صحیح نتیجہ پر پہونچتا ہے ۔ علت کی تعریف جو اوپر نقل ہوئی، مِل کی منطق مین موجود ضرور ہے، لیکن خود مِل اُس پر وہی اعتراض نقل کر چکا ہے، جسکو آرم اسٹرانگ صاحب بیان کر رہے ہین، اور اعتراض ہی نہین، بلکہ اس تعریف کو مردود بھی قرار دے چکا ہے ۔ مِل کے نزدیک، علت کی صحیح تعریف یہ ہے[۵۲]

"ان تمام شرایط کا مجموعہ، جن پر کوئی واقعہ منحصر ہو"

یہ اور اسی قسم کی اور بد احتیاطیون کا یہ نتیجہ ہے، کہ آرم اسٹرانگ صاحب کی کتاب کو یورپ کے علمی حلقہ مین اس کی عشر عشیر وقعت بھی نہین حاصل،

۵۱ دیکھو کاڈاینڈ سول" طبع سوم صفحہ ۴۶، اور "اثبات واجب الوجود" صفحہ ۱۳۱

۵۲ مِل کی "سسٹم آف لاجک" حصہ سوم، باب پنجم

جتنے اسکے ہندوستانی ریویو نگار سمجھ رہے ہین[1]

اثبات واجب الوجود سے الکلام کا موازنہ کرتے ہوے، ایک ترجیحی خصوصیت آخرالذکر کی، جو بالکل بدیہی ہے، اسکی جامعیت ہے۔ اول الذکر نے، جیساکہ اسکے عنوان سے ظاہر ہے، صرف ایک مسئلہ کو لیکر اُسے خوب پھیلایا ہے؛ بخلاف اسکے آخرالذکر تصنیف مین مذہب، اور مذہب اسلام کے خصوصًا، تمام اصولی مسائل کو علوم جدیدہ سے تطبیق دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن اس سے قطع نظر کرکے، جس قدر دلنشین طرز استدلال الکلام کا ہے اثبات واجب الوجود مین اسکا پتہ تک نہین۔

الکلام کی روشن وتاریک دونون رُخ، جہانتک ریویو کے حدود کے اندر دکھائے جاسکتے تھے، ہم کافی طورسے دکھاچکے۔ لیکن ہمکو یقین ہے کہ پبلک جس نتیجہ پر پہونچیگی (اور جس نتیجہ پر واقعۃً بھی پہونچنا چاہیے) وہ یہ ہے کہ ہمارے میزان خیال مین الکلام کے معائب کا پلہ، اسکے محاسن کے پلہ سے بہت زیادہ بھاری ہے، اگرچہ آخرالذکر بھی خالی الوزن نہین کہا جاسکتا۔

خاتمہ پر ہمکو ایک خطرناک غلط فہمی کا رفع کردینا ضروری ہے، جو ممکن ہے کہ اس تنقید سے کسی کے ذہن مین پیدا ہو۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص اسکے مطالعہ سے یہ نتیجہ نکالے، کہ راقم تنقید کو مصنف الکلام کی لٹریری عظمت و وقعت سے انکار ہے[2]

[1] انھے بگڑے ہوئوں" کی سخت ناواقفیت ہو، اگر وہ یہ خیال کرین کہ "یورپ کے تمام ذخیرۂ معلومات مین الحاد ہی الحاد" ہو۔ لیکن یہ بھی لحاظ رکھنا ضروری ہو کہ یورپ کا کوئی صاحب مذاق" اثبات واجب الوجود" کو "شاذ کتابوں کی فہرست" مین شامل نہ کریگا۔ وجود باری کے اثبات پر انگریزی زبان مین، پروفیسر فلنٹ، کیمپل فریزر، ہیرس، اور ڈاکٹر مارٹینو، کی تصانیف موجود ہین، جو آرمسٹرانگ صاحب کی کتاب سے بہت زیادہ وسیع اور بہت زیادہ عالمانہ ہین۔

[2] نہ صرف ممکن ہو، بلکہ واقعۃً بعض ذہن اس غلط فہمی مین مبتلا ہوگئے۔ چنانچہ نومبر کے الناظر مین ایک صاحب نے اسکا اظہار بھی کردیا ہو۔

لیکن اگر کوئی اس نتیجہ پر پہونچا ہو، تو اسکو یقین کر لینا چاہیے کہ اسکا قیاس سر تا سر غلط اور قطعًا بے بنیاد ہے۔ راقم تنقید، اپنی ابتدائی زندگی مین جسقدر مولانا شبلی کی تصانیف سے فیضیاب ہوا ہے، اتنا کسی دوسرے سے نہین، اور آج بھی تحقیقاتی حیثیت سے اُسپر مولانا کا جو بار احسان ہو، وہ باستثنا ایک انگریزی فلاسفر کے، تمام دنیا مین کسی دوسرے مصنف کے احسانات سے کم درجہ پر نہین۔ لیکن عقیدت، ارادت، اور احسان مندی کی تمام قوتون سے زیادہ زبردست طاقت صداقت پرستی کی ہے، اور اسی ایک طاقت نے راقم تنقید کو اس فرض کی انجام دہی پر مجبور کیا، خوشی کے ساتھ نہین، بلکہ اس افسوسناک خیال کے ساتھ، کہ اسکو اُس شخص کی تردید مین قلم اُٹھانا پڑتا ہو، جسکی مخالفت کو وہ ہرگز پسند نہین کرتا۔ اور اصل تو یہ ہو کہ اس آزاد خیالی کی تعلیم بھی، جسکے بغیر اس مضمون کا لکھا جانا ممکن نہ تھا، ابتدائر راقم تنقید کو خود اسی مصنف کے مضامین و تصانیف کے مطالعہ سے حاصل ہوئی، جسکی ایک تصنیف پر وہ آج یہ تنقید لکھ رہا ہے۔

درحقیقت، مولانا شبلی کی حیرت انگیز وسعت نظر، زبان دانی، تاریخی تحقیقات، اور ادبی معلومات سے کوئی شخص انکار نہین کر سکتا۔ اردو لٹریچر پر اُنکے جو گرانبہا احسانات ہین، اُنکی منت پذیری کس شخص پر فرض نہین؟ ہندوستان کی علمی سطح کے ملبند کرنے مین جو کوششین اُنھون نے کی ہین، ان سے زیادہ اور کون کر سکتا ہو؟ اردو لٹریچر کی تاریخ مین اُنکا نام جلی حروف مین ثبت رہیگا، اور آیندہ نسلین انکو بطور اردو علم ادب کے ایک نامور محسن کے یاد رکھین گی۔ ممکن ہو کہ موجودہ نسل کی ایک جماعت، ذاتی کدورتون کی بنا پر، اسکو یقین نہ کرے، لیکن حقیقت یہ ہو، کہ آج اُردو دان پبلک کا ہر صحیح المذاق فرد، مولانا شبلی کے مسلم الثبوت کمالات و علمی خدمات کا معترف ہو، اور ہمارے ایوان ادب کے در و دیوار زبان حال سے اپنی احسان مندی و منت پذیری کا اظہار کر رہے ہین ؎

منت خاک در ت بر بصر نیست کہ نیست	عاشق روے تو صاحب نظرے نیست کہ نیست

راقم ایک طالبعلم

عالم خیال

اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء کے "ادیب" مین ایک تصویر محو خیال عورت کی شایع ہوئی تھی، وہ قابل اڈیٹر نے نوٹ دیا تھا کہ اس تصویر کے متعلق نظم بھی حاصل کیگئی تھی، لیکن اُردو مین زوجہ اور شوہر کے جذبات نہین ہین، آخر وہ نظم عاشقانہ ہوگئی، اس سبب سے چھاپنے کے قابل نہین رہی، اور نہین چھاپی جاتی ہی" اس مین شک نہین کہ اُردو شاعری کا سرمایہ ایسے جذبات سے خالی ہی، کیونکہ اوسکے شعرا زیادہ تر فارسی شاعرون کے نقش قدم پر چلے ہین، اور یہاں شاعرین فطری حالتین بکثرت اور بہت ہی دلکش ہین، مگر اُردو مین ایسی نظمین ہو نہین سکتین یہ غلط خیال ہی، اُردو زبان الفاظ اور ترکیب ادا مین محتاج نہین ہی اور یہ اوسکا قصور نہین ہی، کہ اُسکے شعرا جذبات فطری کی مرقع کشی کیجانب کیون بکثرت متوجہ نہین ہوئے۔ مندرجہ ذیل نظم جو اُردو مین پہلی اور جذبات شاعری کے لحاظ سے بے مثل ہی جناب شوق کے زور قلم اور خداداد قابلیت کا نتیجہ ہی، وہ اس امر کا بین ثبوت کہ اگر [illegible] شعرا چاہین تو اُردو مین بھی نیچرل جذبات کے مرقع کھینچ سکتے ہین، ہان قادر الکلامی شرط ہی،

اڈیٹر

ایک عورت، کا شوہر پردیس میں ہی، وہ اُسکی یاد میں محو، عالم خیال میں اپنے خیال سے باتیں کر رہی ہی،

آج او مرے خیال، تو کہاں کہاں گیا
دل بھی تیرے ساتھ تھا، تو جہاں جہاں گیا

تو نے رُخ جدھر کیا، دل کا رُخ اُدھر پھرا
تو پھرا جو پاس سے، دل بھر آیا، سر پھرا

جب سے "وہ" جدا ہوے، تب سے اُنکا دھیان ہے
اُن سے مجھکو اُنس ہی، اُن میں میری جان ہے

جا کے پھر مری خبر، کیوں نہ لی ستم کیا
میری یاد، میری چاہ، کیوں نکی اہم کیا

مجھسے کیوں خفا ہیں وہ، پھر گئی نظر تو کیوں
دل نہیں ادھر تو کیوں، رُخ نہیں ادھر تو کیوں

میرے رُخ سے دور ہی، وہ نگاہ اب کہاں
اُن کا پیار اب کہاں، اُن کی چاہ اب کہاں

میں وہی ہوں یا نہیں، وہ وہی ہیں یا نہیں
اُنکے دل کی حالتیں، وہ رہی ہیں یا نہیں

ستا [illegible] اور [illegible] ہوں، دکھیں
حُسن یہ انھیں کا ہی، اور وہ دیکھتے نہیں

ساتھ والیوں کے ساتھ، جھولنے کو جاؤں کیا
پینگ آئیں جائینگے، اور ہلیگا دل مرا
کُھل پڑیگی خود بخود، چاہ ہر صدا کیساتھ
کرتی ہیں جگر کا خوں، ہنسیں جو ساتھ ہیں
اور بھی لگائی آگ، ساون نے بھولکر
یہ شباب کی اُمنگ، اب کسے دکھاؤں میں
لال یہ کہاں رہا، زرد ہو کے رہ گیا
جسم وہ نہیں رہا، اس میں کس نہیں ہو اب
ہونک بنکے رات دن، چوستا ہی غم لہو
کاجل اور مسی کا لطف جب نہیں "وہی" تو کیا
آرسی کو پھینک دوں، مُنہ لگا کے کیا کروں
زیور اب پہن چکی، جی سے یہ اُتر چکا
کس سے ناز اب کروں، میرے ناز اُٹھائے کون
کس سے اپنے دل کا بھید اب میں کُھلکے کہہ سکوں
مانگتی جو کوئی چیز "اُن" سے مسکرا کے، میں
دل میں اب لگی ہے آگ، دیگی وہ لے گئے
یا تو مجھ سے چھین لے، اُنکی یاد، اے خدا

دل وہاں ہو وہ جہاں بیدلی سے گاؤں گیا
ملکے کیا میں گاؤنگی، کیا ہلیگا دل مرا
مُنہ سے باہر آئیگی، آہ ہر صدا کے ساتھ
وہ لگا رہی ہیں آگ، جنکے لال ہاتھ ہیں
پیڑ پر مری نظر، پھر پڑے نہ بھولکر
رُخ کا لال لال رنگ، اب کسے دکھاؤں میں
رنگ اب کہاں ہے رنگ، گرد ہو کے رہ گیا
ہونٹھ وہ نہیں رہے، ان میں رس نہیں ہے اب
زرد ہو گیا بدن، رہ گیا ہے کم لہو
آئینے میں خود ہی ہیں، دیکھتی رہی تو کیا
بن سنور کے کیا کروں، پان کھا کے کیا کروں
جائے بھاڑ میں سنگار، دل اب اس سے بھر گیا
روٹھنے کو روٹھ لوں، لیکن اب منائے کون
کسکے ساتھ بے جھجک، اب میں ملکے رہ سکوں
ہنستے اُنکو دیکھ کے "وہ" ہنستی اُنکو پاکے، میں
اب ہنسی کا مُنہ کہاں، سب ہنسی وہ لے گئے
یا تو اُنکو لاکے کر مجھکو شاد، اے خدا

یا تو کر بیٹھیں مجھے، ہوش میں نہ آؤں میں
یا تو اپنے ہوش میں، اُنکو دیکھ پاؤں میں

کام کچھ نہ کر سکا، او خیال، جا کے تو
مجھسے کچھ نہ کہہ سکا، اُنکا حال، آکے تو

تو نے میرے دل کا درد، اُن سے کچھ کہا بھی تھا
اُن سے ہلکے تجھکو یاد، میرا غم رہا بھی تھا

کیا میں تجھسے پوچھ اُٹھی، تو پیامبر نہیں
تجھ میں گو رسائی ہے، گفتگو مگر نہیں

گفتگو نہ ہو تو خیر، دل پہ تیرا بس تو ہے
دل کی دل کو دے خبر، ہاں، یہ دسترس تو ہے

پھر کے "اُن" کے دل کے گرد، گھیرنا ضرور تھا
اُنکے دل کو میری سمت، پھیرنا ضرور تھا

اُنکے دل میں کر کے راہ، کیوں نہ اُنہیں کی جگہ
تو تو تھا مرا خیال، کیوں نہ لی مری جگہ

اُنکے دل میں میری جا، شاید اب نہیں رہی
چھن گئی مری جگہ، اور میں نہیں رہی

شاید اور کوئی شکل، کھُپ گئی نگاہ میں
کوئی روک ہو گئی، اس طرف کی راہ میں

توبہ! ہو کے بدگماں، بیٹھنے کی خطا ضرور
جا ہیں وہ کہیں رہیں، اُن میں ہے وفا ضرور

کاش او خیال تو، اب نہ آئے میرے پاس
کاش اُنکی یاد تو، اب نہ لائے میرے پاس

یا مری نظر کو لے، اور اُن کے پاس جا
مجھسے تو جگر کو لے، اور اُن کے پاس جا

دیکھ لے نظر اُنھیں، دیکھ لیں جگر کو وہ
آئے مجھ پہ کچھ ترس، آئیں اپنے گھر کو وہ

گھر کا نام خاک لوں، بنکے یہ بگڑ چکا
اس پہ اوس پڑ چکی، مٹ چکا، اُجڑ چکا

چھت ٹپکتی ہے، تو اُنہہ، کون اُسکی لے خبر
سو رہی ہوں میں ادھر، رو رہی ہے وہ اُدھر

رنگ خاک میں ملا، خاک رنگ پر چڑھی
رنگ اُسی قدر گھٹا، خاک جس قدر بڑھی

میں ہی خاک میں ملی، گھر کی فکر خاک ہو
"اُن" کا ذکر چھوڑ کر، گھر کا ذکر خاک ہو

وہ پلنگ انھیں کا ہی، اُس پہ جا بجے تو کون | خود ہی آکے وہ رہیں، جا کے یہ کہے تو کون
اُٹھ گیا ہی خاک میں، گرد ہو گیا پلنگ | آئیں وہ تو مجھ سے لیں، اور اک نیا پلنگ
ذکر کیا پلنگ کا، یہ ذرا سی چیز ہے | مجھکو اپنی جان تک، اُن سے کب عزیز ہے
راہ اُنکی روک لوں، اب جو اُن کو پاؤں میں | پُتلیوں میں دوں جگہ، سامنے بٹھاؤں میں
بال اپنے کھولکر، اُن پہ جال ڈال دوں | جب ذرا قدم چلیں، اُن پہ بال ڈال دوں
اَین! یہ بولتا ہی کون، درد جسکے دل میں ہے | گرم آتی ہے ہوا، آگ اسکے دل میں ہے
کوئی آکے پیڑ پر، کہہ رہا ہے "پی کہاں"، | پی کہیں ہیں، میں کہیں، کیا کہوں ہی جی کہاں
جی رہی ہوں میں، مگر جی ملا ہے "پی" کے ساتھ | پاس ہوں کہ دور ہوں، ہیں وہ میرے جی کے ساتھ
آئی اُن کی سمت سے، اور بو بھی لائی تو | آج او ہوا ضرور، اُن کو چھو کے آئی تو
اُن سے ملکے آئی ہی، آ، تری بلائیں لوں | تو نے خوش کیا مجھے، لے، تجھے دعائیں دوں
جا کے اُن کے پاس پھر، تو جو اُن کو لا سکے | درد دل کا جا سکے، چین دل کو آ سکے
او دل اور کیا کروں، تیرے درد کا علاج | خط میں لکھکے بھیج دوں، تجھکو اُنکے پاس آج
شرط ہی کہ میرے پاس، پھر پلٹ کے آئے تو | اپنے خون کی قسم، دیکھ، اُن کو لائے تو
یوں نہ آئیں تو میں لوں، **شوق** کی کشش سے کام | کھنچکے آئیں اس طرح، تو نہ لیں اُدھر کا نام

احمد علی، شوق، قدوائی

عجائبات فلک

انسان کو جس قدر عجیب و غریب باتین علم ہیئت کے مشاہدون سے معلوم ہوتی ہین شاید اتنی اور کسی علم سے نہین معلوم ہوتین۔ آسمان کا وسیع میدان خلاق آفاق کی قدرت کے نہایت ہی شاندار کرشمے دکھاتا ہے۔ آدمی انھین دیکھکر محو حیرت ہو جاتا ہے اور اسے اپنی اس جرأت پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ باوجود اپنی اس بے بضاعتی اور کم سرمائگی کے کیونکر اسرار کائنات کے سمجھنے اور چیستان عالم کے حل کرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اگر کسی طاقتور دوربین سے آسمان پر نظر ڈالی جائے تو بہت سے چھوٹے چھوٹے بادل کے سے ٹکڑے ادھر اُدھر فضاے محیط مین پھیلے ہوے نظر آتے ہین۔ ان بدنما غبارون کا اگر زیادہ طاقتور دوربینون سے مشاہدہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت مین وہ ہزارون لاکھون تارون کے گچھے ہین، جو بُعد مسافت کیوجہ سے روئی کے گالون کی طرح پھیلے ہوے دکھائی دیتے ہین۔ یہ گچھے اتنے چھوٹے ہین کہ کمطاقتور سے طاقتور دوربین کے ذریعے سے بھی انکے تارے بالکل آپس مین ملے جُلے معلوم ہوتے ہین۔ پہلے تو بہت دنون تک لوگ یہی سمجھتے رہے کہ یہ مجموعے بھی کہکشان ہی کی طرح کے ہین۔ اور ان مین بھی ایسے ہی نظامات ہین جیسے ہمارا نظام شمسی ہے۔ یعنی اسکے روشن ستارون کے گرد اور بہت سے تاریک اور بے نور کُرے گردش کر رہے ہین۔ جیسے ہماری زمین۔ اور اسکے ساتھ کے سیارے کرہ آفتاب کے گرد چکر لگاتے ہین۔ مگر جدید تحقیقات سے اس خیال کی تردید ہوگئی ہے اور اب بہت سے قیاسات سے ہمکو یہ ماننا پڑا ہے کہ حقیقت مین یہ گچھے دوسرے نظامات سے بالکل جداگانہ اور انوکھی قسم کے ہین۔ بہ ہیئت مجموعی یہ گچھے گول کُرے سے معلوم ہوتے ہین۔ اور انکے مرکز کنارون کی نسبت بہت زیادہ روشن معلوم

ہوتے ہین - مگر انکا کوئی حصہ بھی تاریک نہین ہوتا - اس سے یہ قیاس کیا جاتا ہو کہ یہ گچھے فی الواقع بے شمار چھوٹے چھوٹے سورجون کے مجموعے ہین جو نسبتہً ایک دوسرے کے پاس پاس ہین اور سب ملکر گول حلقون کی صورت اختیار کیے ہوئے ہین -

پہلے یہ سمجھا جاتا تھا کہ ان چمکدار ستارون مین بھی آپس مین قریب قریب اتنا ہی فاصلہ ہوگا - جسقدر مثلاً نظام شمسی کے مختلف سیارون مین ہے - مگر اب یہ خیال بھی غلط معلوم ہوتا ہے - اگر ہمارے سامنے کوئی کروی چیز ہو تو خواہ اسکا حجم کتنا ہی بڑا کیون نہو - تاہم یہ اندازہ آسانی سے ہوسکتا ہے کہ اس چیز کے دونون آمنے سامنے کے کنارون کا باہمی فاصلہ کس قدر ہے - اس سے یہ مراد نہین کہ ہم حقیقت مین اسکے دونون کنارون کا واقعی فاصلہ ناپ سکتے ہین - نہین - بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہمکو یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ اسکے دونون کنارون کے باہمی فاصلے کو اس فاصلے سے کیا نسبت ہے جو اس چیز کو بہ ہئیت مجموعی خود ہماری آنکھ سے ہو - توضیح کے لیے یہ سمجھیے کہ اگر ہم ایک ایسا گیند لین جسکا محور ایک انچ کا ہو اور اُسے اپنی آنکھ سے ایک گز دور رکھ لین تو ہم جانتے ہین کہ اس گیند کا ایک کنارہ دوسرے مقابل کے کنارے کی نسبت ہماری آنکھ سے اس مسافت کے چھتیسوین حصے کے برابر زیادہ قریب ہے جو ہماری آنکھ اور گیند کے درمیان ہو - تو اب اگر فرض کیجیے کہ ہمسے بہت دور ایک بڑا غبارہ ہے - کہ جب ہم اس گیند کو اپنی آنکھ سے ایک گز کے فاصلے پر اس غبارے کی سیدھ مین رکھ دیتے ہین تو وہ غبارہ بالکل نظر سے چھپ جاتا ہے - تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یقیناً اس غبارے کا محور یعنی اسکے دو متقابل کنارون کا میانی فاصلہ ہماری آنکھ اور غبارے کی درمیانی مسافت کا چھتیسوان حصہ ہوگا - یہ درست ہے کہ ہمنے

جو کچھ معلوم کیا ہے وہ محض ایک نسبتی امر ہے۔ اور حقیقت مین ہمکو نہ اپنے اور غبارے کا باہمی فاصلہ معلوم ہوا ہے۔ نہ غبارے کے محور کا طول۔ تاہم ہمکو جو کچھ معلوم ہوا ہے۔ وہ بھی ایک کام کی بات ہی۔ اور اس سے بہت سے مفید نتیجے اخذ ہو سکتے ہین۔ اور جو کیفیت غبارے کی ہے۔ وہی ہر ایک کروی چیز کی ہے۔ خواہ وہ چاند ہو سورج ہو۔ ستارہ ہو۔ یا ستارون کا گچھا ہو۔ یہ نسبت یقیناً ہر ایک صورت مین صادق آئے گی۔

اب اگرچہ علماے ہیئت ابھی تک عام طور پر ستارون اور خاص کران تارونکے گچھون کا واقعی فاصلہ دریافت نہین کر سکے۔ تاہم چونکہ وہ انکا ظاہری حجم ناپ سکتے ہین۔ جو چشم ظاہر بین کو نظر آتا ہے۔ اس لیے وہ اندازاً ان گچھون کے مختلف تارونکا باہمی فاصلہ بھی بتا سکتے ہین۔ ہان یہ مجھے یہین کہدینا چاہیے کہ ناظرین کہین میری گیند کی مثال سے دھوکے مین پڑکر ان گچھون کا ظاہری حجم اس گیند کے برابر نہ سمجھ بیٹھین۔ کیونکہ یہ اس سے کہین چھوٹے معلوم ہوتے ہین۔ یہان تک کہ ایک گز کے فاصلے پر اگر پن کا ناکہ۔ یا رائی کا دانہ بھی رکھ دیا جاے تو وہ ان کو نظر سے چھپا لیگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان عظیم الشان اور عجیب وغریب گچھون کے دو بعید ترین کنارون کا فاصلہ اس مسافت کے مقابلے مین بہت ہی کم ہوگا۔ جو ہمکو ان سے جدا کیے ہوئے ہے۔ اور پھر جب ہم ان کثیر التعداد اور بیشمار تارون کو دیکھتے ہین۔ جو ان انتہائی کنارون کے درمیان مین بکھرے ہوئے ہین۔ تو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ تارے اور بھی زیادہ پاس پاس ہین۔ منجمون نے مختلف قرائن اور قیاسات سے آخر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ان گچھون کے تارون کی باہمی مسافت کسی طرح اس فاصلے کے دس لاکھوین حصے سے زیادہ نہین ہو سکتی۔ جو ہمارے آفتاب اور انکے درمیان مین حائل ہے۔

لیکن ان گچھون مین بہت سے تارے ایسے بھی ہین ۔ جو اوسط طاقت کی دوربین سے صاف نظر آنے لگتے ہین اس لیے ہکو مان لینا چاہیے کہ یہ تارے کم سے کم بیسوین درجے کے ستارون کے برابر تو ضرور روشن ہین یعنی بالفاظ دیگر اسکا یہ مطلب ہے کہ اگر اول درجے کے روشن ستارون کو انکے موجودہ فاصلے سے بیس گنا زیادہ فاصلے پر لیجائین ۔ تو دونون کی روشنی برابر معلوم ہو ۔ اسیلیے اگر ہم بفرض کسی خیالی جہاز مین بیٹھکر فضاے محیط مین اُڑین اور اُڑتے اُڑتے ان مین سے کسی گچھے کے اس قدر قریب پہونچ جائین کہ ہمارا انکا فاصلہ انکے موجودہ فاصلے کا صرف بیسوان حصہ رہجاے ۔ تو ہکو اسکے زیادہ چمکدار تارے اتنے ہی روشن معلوم ہون ۔ جسقدر یہان سے اول درجے کے تارے روشن نظر آتے ہین ۔ لیکن اس قرب کے باوجود بھی ہم ان تارون کے باہمی فاصلے سے پچاس ہزار گنا زیادہ دور ہون گے ۔ کیونکہ ہم کہہ ہی چکے ہین کہ ان تارون کا باہمی فاصلہ ہمارے اور انکے فاصلے کے دس لاکھوین حصے سے زیادہ نہین ہے ۔ خیر ۔ تو اگر ہم اپنے خیالی جہاز پر برابر اڑے چلے جائین ۔ اور ان گچھونکے اور بھی زیادہ قریب ہوتے ہوتے آخر مین ان کے مرکز مین جا پہونچین ۔ تو پھر کیا ہو؟

اسکا جواب بہت آسان ہے ۔ فرض کیجیے کہ ہم ایک مجموعے کے بیچون بیچ اسکے دو سب سے زیادہ چمکدار تارون کے درمیان مین پہونچ گئے ۔ اب ظاہر ہے کہ ہمارا فاصلہ ان دونون تارون مین سے ہر ایک سے اس فاصلے کا ایک لاکھوان حصہ ہوگا جو ہمارے اور انکے درمیان اُس وقت تھا جبکہ وہ دونون تارے اول درجے کے ستارون کی برابر روشن نظر آتے تھے ۔ کیونکہ اسوقت ہم انسے انکی باہمی مسافت کی نسبت پچاس ہزار گنا دور تھے ۔ اور اب ہم

ان دونون کے بیچ مین آئے ہین - اب قیاس کیجیے کہ یہان سے ہمکو ان مین سے ہر ایک تارا کس قدر روشن معلوم ہوگا ہمارے اول درجے کے روشن ستارون مثلاً الدبران - ویگا وغیرہ سے ایک لاکھ گنا زیادہ روشن نہین بلکہ ایک لاکھ در ایک لاکھ یعنی دس ارب گنا زیادہ روشن نظر آئے گا - کیونکہ ناظرین جانتے ہین کہ کمیت نور بعد کے مربع کے متناسب ہوا کرتی ہے - بالفاظ دیگر یون کہیئے کہ گو یہ تارا ہمارے آفتاب کے برابر تو روشن نہ ہوگا - مگر پھر بھی اس قدر روشن ضرور ہوگا کہ اس ایک اکیلے کی روشنی سے اچھا خاصہ دن ہوجاے -

مگر یہی نہین - ابھی تک تو ہم صرف ایک دو تارون کو لے رہے تھے - حالانکہ وہان ایک دو کیا ہزار دو ہزار کا بھی شمار نہین ہے - اس گچھے مین لاکھون تارے ہین - جن مین سے ہر ایک اگر اس قدر روشن نہین ہے - تو کچھ بہت کم بھی نہین ہے - اور جن مین سے ایک ایک کی روشنی شب تار کو صبح صادق بنا دینے کے لیے کافی ہے - اس لیے ظاہر ہے کہ اگر کوئی زمین وہان ہو جہان ہمنے اپنے آپ کو تصور کیا ہے - تو اسپر کبھی بھی رات ہونا ممکن نہین ہے - یہ ممکن ہے کہ دن کے مختلف درجے ہون - جو حصۂ زمین قریب ترین سورج کے رُخ ہوگا - وہان سب سے زیادہ دن ہوگا - اور جو اسکے مقابل مین ہوگا وہان سب سے کم دن - مگر ہر وقت اور ہر کہین دن ہی ہوگا - اور دن بھی اسقدر روشن کہ اسکا تاریک سے تاریک حصہ ہمارے روشن سے روشن دن کی دوپہر سے زیادہ روشن ہوگا -

یہ ایک ایسی کیفیت ہوگی جسکا ہم کسی طرح تصور بھی نہین کر سکتے - کیونکہ ہماری زمین پر اسکی کوئی دھندلی سی مثال بھی نہین ملتی - پھر ہم یہ بھی نہین کہہ سکتے کہ یہ دور دراز کے تارون کے گچھے صرف بھیس اور بےجان کرہ ہاے آتشین ہی

ہین اور کچھ نہین۔ کیونکہ ہم جانتے ہین کہ یہ ننھے ننھے سے ٹمٹماتے ہوئے تارے حقیقت مین کائنات کی نہایت ہی عظیم الشان رکن ہین۔ ہم یہ بھی سمجھتے ہین کہ ان مین سے ہر ایک تارا روشنی اور جسامت مین کسی طرح ہمارے آفتاب تابان سے کم نہین ہے۔ اور پھر ہمکو یہ بھی معلوم ہے کہ ان اجرام نور کی تعداد ہزار در ہزار ہے۔ کیا ان سب باتون کو جانتے ہوے بھی ہم یہ خیال کر سکتے ہین کہ یہ غیر محدود مادہ یہ لاانتہا طاقت یونہی عمر مفلسان کی طرح فضول اور رائگان جا رہی ہے۔ کیا یہ ہزارون لاکھون روشن آفتاب اور نوری ستارے بھی گور غریبان کے چراغ بالین کی طرح عبث اور بیکار ٹمٹما رہے ہین۔ یہ تو کسی طرح سمجھ مین نہین آتا۔ اس لیے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان آفتابون کے گھیرون کے اندر بھی بڑی بڑی زمینین۔ بڑی بڑی دنیا ئین ہون گی۔ جہان ممکن ہی نہین بلکہ قرین قیاس ہے کہ آثار حیات کا بھی وجود ہے اور احتمال ہے کہ ہماری طرح دیگر ذی عقل حیوانات بھی رہتے ہون۔ مگر یہ یقینی بات ہے کہ ان دنیاؤن کا حال بالکل وہی ہوگا جو ہم اوپر بیان کر آئے ہین۔ وہان ہمیشہ دن ہوگا۔ یا یہ کہئے کہ نہ کبھی دن ہوگا۔ نہ کبھی رات۔ اور کوئی موسم بھی نہ ہونگے۔ وہان کی حرارت دائمی اور وہان کی روشنی غیر مقطوع ہوگی۔ اور جہان تک ہم قیاس کر سکتے ہین۔ وہان کے باشندون کو اس سے بھی بحث نہ ہوگی کہ آیا انکی زمینین کسی خاص آفتاب کے گرد باقاعدہ مدورون مین گردش کرتی ہین۔ یا کبھی ایک آفتاب کے گرد اور کبھی دوسرے آفتاب کے گرد چکر لگانے لگتی ہین۔ اور یونہی ہر روز اپنے آفتاب بدلتی رہتی ہین۔ جیسا کہ بعض اُن دُمدار تارون کی بابت کہا جاتا ہے جو کبھی بھولے بھٹکے فضاے محیط مین سیر کرتے ہوے ہمارے آفتاب کے پاس آجاتے ہین۔ اور گئے وقت کی طرح جہان سے وہ ایک بار گزر گئے ہین۔ وہان پھر ابدالآباد تک نہین آتے۔

ظاہر ہے کہ ہم ان عجیب وغریب دنیا والون کی طرز بود و باش کا کیا تصور کر سکتے ہین - اسپر رائے زنی کرنا تضیع اوقات اور نادانی ہے - ہم کسی طرح بھی یہ نہین سمجھ سکتے کہ ان لوگون کو کس قسم کے حواس دیے گیے ہین - اور ان کی شکل صورت - قدقامت کیسے ہون گے - جن سے وہ ایسی حالت مین رہتے ہین - جو یقیناً ہمارے لیے سخت تکلیف دہ ہو - لیکن ہم ان سرزمینون کی عجیب وغریب حالت کا کچھ یونہی سا تصور کر سکتے ہین - حقیقت مین یون سمجھنا چاہیے کہ وہان کی حالت بالکل ایسی ہی ہوگی - جیسی اگر کبھی کسی تارون بھری رات مین جتنے تارے نظر آتے ہین وہ یکایک اتنے زیادہ روشن ہوجائین کہ ان مین سے ہر ایک سورج کے قریب قریب معلوم ہونےلگے تو ہماری زمین کی ہو - اور پھر اس طوفان نور مین ان آفتاب بیکر ستارون کا بے تہا گردشین کرتے ہوے ہر وقت چارون طرف ڈوبنا اور ہر وقت چارون طرف سے طلوع ہونا ایک ایسا عجیب و حیرت ناک تماشا ہو جو یہان چشم تصور نے بھی نہین دیکھا - مگر وہان کا ہر شخص ہر وقت دیکھتا ہو گا - مگر برخلاف اسکے وہ صبح وشام کے دلکش منظرون - شفق کے خوشنما رنگون اور سائے کے عجیب وغریب صورتون سے بھی بالکل ناآشنا ہوگا -

اسکے علاوہ وہان والون کی ایک اور بھی خصوصیت ہوگی جو دلچسپ ہی نہین بلکہ سبق آموز بھی ہے - یہ تو تسلیم نہ کرنے کی کوئی وجہ نہین ہے کہ وہان کے باشندون مین ایسے آدمی نہ ہون جنھون نے ماہیت کائنات اور انتظام عالم کے سمجھنے کی کوششین نہ کی ہون - یہ بھی قیاس کرلینا چاہیے کہ شروع شروع مین انکو بھی اپنے کا انتظام سمجھنے مین ہمارے منجمون کی طرح بہت سی دقتین پیش آئی ہون گی - وہ مدتون تک اپنی زمین کو تمام نظامون کا مرکز اور ساری مخلوقات کا خلاصہ سمجھتے رہے ہون گے - اور شاید بہت غور و فکر کے بعد صحیح نتائج پر پہونچے ہونگے -

اور ان کو اپنے بظاہر چھوٹے چھوٹے سورجون کی اصلی جسامتون اور اپنی بظاہر ساکن زمین کی گوناگون گردشون کا اندازہ ہوا ہوگا -

مگر یہان ان کی معلومات کا دائرہ یقیناً ختم ہوگیا ہوگا - کیونکہ ان کی سرزمین کی بےانتہا روشنی اور ان کے کثیر التعداد آفتابون کی دائمی چمک نے باقی تمام نظامات کائنات و سیارات عالم کو ان کی نظر سے چھپا رکھا، اور بعینہ جس طرح ہماری زمین پر دن کے وقت ایک آفتاب کی روشنی سے تمام ستارے غائب ہوجاتے ہین اسی طرح وہان کے دائمی دن مین کبھی بھی کوئی بیرونی ستارہ نظر نہ آتا ہوگا - ان کی بے انتہا روشنی ہی نے گنبد نور بنکر ان نظرون کو محدود کردیا ہوگا - اور ان کے ہزارون سورجون کی تابش نے ان کو ان کرورہا کرور تارون کی چمک سے بے بہرہ کر رکھا ہوگا جو ہمارے آسمانون پر رات بھر جگمگاتے رہتے ہین - غرض ہم سمجھ سکتے ہین کہ گو جس عالم مین وہ لوگ رہتے ہین وہ خود نہایت ہی شاندار - روشن اور عجیب وغریب ہے - مگر اس کی ان بے انتہا نظامات کے سامنے کیا ہستی ہے - جن کو ہم اپنی کالی رات کے بھیانک پردے مین دیکھتے ہین - اور جنکے ہجوم مین ان کے سے سیکڑون ہزارون عالمون کا ڈھونڈھے بھی پتہ نہین لگتا -

غرض یون ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ گو روشنی بہت سے عجیب وغریب تماشے دکھاتی ہے - لیکن ساتھ ہی اسکے ان سے بہت زیادہ نظارے چھپا بھی دیتی ہے ہم ان تارون کے گچھون کے رہنے والون کی حالت کا تصور کرسکتے ہین کہ وہ اپنی نہایت روشن دنیا اور اپنے دائمی دن اور ہر وقت ڈوبتے اور ہر وقت نکلتے ہوئے سورجون کے عالم مین کیسے خوش ہونگے - اور اگر کوئی ان کے سامنے کالی رات اور خوفناک اندھیرے کا ذکر کرے اور کسی طرح وہ اسکا مفہوم بھی سمجھ سکین تو وہ اس سے کسقدر گھبرائین - اور اپنے آپ کو ہم سے کس قدر زیادہ

حدہ حالت مین سمجھین۔ مگر ہم جانتے ہین کہ ان کی یہ روشنی ہی ان کی نظرون سے ان نہایت ہی شاندار مناظر اور نظامات کائنات کو چھپائے ہوئے ہے۔ جو ہر وقت ہمارے پیش نظر رہتے ہین۔ بعینہ یہی حالت اہل فلسفہ و سائنس کی بھی ہے۔ وہ بھی اپنی عقل رسا کی روشنی پر ناز کرتے ہین۔ اور کسی ایسی بات کو تسلیم نہین کرنا چاہتے جو ان کے علم و قیاس کے دائرے سے باہر ہے۔ لیکن بالکل ممکن ہے کہ ان کی یہ روشنی عقل ہی بہت سی ایسی عجیب سچائیون کو چھپائے ہوئے ہو۔ جو عقل کی رسائی سے پرے اور علم کی دسترس سے باہر ہون۔ روشنی اچھی چیز ہے۔ عقل بھی اچھی چیز ہے مگر یہ سمجھنا غلطی ہے کہ جو کچھ نظر آتا ہے وہ روشنی ہی کی کثرت سے نظر آتا ہے۔ اور جو کچھ معلوم ہوتا ہے۔ وہ عقل ہی کی رسائی سے معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت مین رات بھی اپنے پردے مین ایسے ایسے حیرت خیز اور تعجب انگیز نظام چھپائے ہوئے ہے جو نظام شمسی سے بدرجہا زیادہ بڑے اور بدارج زیادہ عجیب اور شاندار ہین۔ اور جو دن کی روشنی مین کبھی بھی نظر نہین آتے اور کوئی وجہ نہین کہ روشنی کی طرح عقل اور علم بھی بہت سی صداقتون اور بہت سی سچائیون کو کیون چھپائے ہوئے نہ ہون۔

محمد انوار الحق

رباعیات مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی

معبود کسے، تیرے سوا کہتے ہین
ہان فرق یہ ہے، نام جدا کہتے ہین
بس، وہ کہتا ہے اُسیکو دہری
ہم اپنے یہان، جسکو خدا کہتے ہین

وہ ولولۂ بادہ پرستی نہ رہا
کچھ دیر بھی، خمخانۂ ہستی نہ رہا
اک شعبدہ تھی، جام کی گردش ساقی
جب بند ہوئی آنکھ، تو کچھ بھی نہ رہا

شہرت و ناموری

یہ ایک مشہور جملہ ہے کہ انسان مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہی، اوسکو اپنی زندگی کے کار آمد بنانے کے لئے ضروری ہو کہ وہ اپنے ہم جنسون سے رعایت اور ہمدردی کا خواہان ہو وحشیانہ زندگی کے منازل طے کر کے جب انسان تہذیب و تمدن کے راستون مین قدم رکھتا ہی تو اوسوقت ایک ابتدائی نظام تمدن یا ہئیت اجتماعیہ قائم ہوتی ہی، اور ہر فرد مختلف انسانی ضروریات کے لحاظ سے مختلف کام اور پیشے اختیار کرتا ہی۔ کوئی کپڑا بنتا ہی، کوئی سلائی کرتا ہی، کوئی اناج بوتا ہی، کوئی سوداگر بنتا ہی، غرض ہر شخص اپنی پسند کے مطابق اپنے آرام اور سوسائٹی یا تمام ابنائے جنس کے فائدہ کو مدنظر رکھکر کوئی کام یا پیشہ اختیار کرتا ہی۔ ہر شخص چونکہ اپنی ضروریات زندگی کے مہیا کرنے کا تنہا انتظام نہین کر سکتا اسلئے ضرورت لاحق ہوتی ہی کہ باہم تقسیم عمل ہو جائے اور ہر شخص اپنے خاص کام سے دوسرون کی مدد کرے اس طریقہ سے کل جماعت کی کار برآری ہوتی ہی اور سب آرام پاتے ہین۔

اسی ہئیت اجتماعیہ کے قیام و ترقی کے لئے دنیۂ انفرادی آرام و فائدہ کے لحاظ سے یہ امر لازمی ہی کہ سوسائٹی کا ہر فرد ایک قسم کا اعتبار پیدا کرے اور اوسکو قائم رکھے، ورنہ ہئیت اجتماعیہ کے دوسرے ارکین اوسکو چھوڑ دینگے، اوس سے نفرت کرینگے اور اوسکو اپنی جماعت سے علٰحدہ کرنیکی کوشش کرینگے۔

ابتدائی نظام تمدن مین مختلف حالات اور مختلف وجوہ سے جو ترقیان ہوتی رہتی ہین اوسکی وجہ سے طرح طرح کے مشاہدے پیش نظر ہوتے ہین۔ آب وہوا، مرز و بوم اور دوسرے قدرتی و مصنوعی اسباب سے اثر پذیر ہو کر کسی ملک مین مذہبی حکومت قائم ہوتی ہی، کسی جگہ جمہوری سلطنت کی بنیاد پڑتی ہی اور کہین شخصی حکومت کا پرچم اقبال لہراتا ہی۔ طرز حکومت کے مختلف مدارج کی بنا پر مختلف جماعت ہائے انسانی باعتبار اپنے حالات و کیفیات کے تمدن و تہذیب کے

مختلف مراتب سے منسوب ہوتی ہین۔

تہذیب وشائستگی کے مختلف مراتب طے کرکے انسان ابتدائی ہئیت اجتماعیہ کے محدود دائرہ سے باہر نکلتا اور ایک وسیع حلقہ یا ایک بڑی جماعت مین داخل ہوتا ہی تو بجائے اسکے کہ اوسکو ایک چھوٹی برادری مین اعتبار قائم کرنیکی ضرورت ہواوسی ایک بڑی جماعت اور برادری مین اعتبار قائم کرنا پڑتا ہے وہ حیثیت جو ابتدائی ہئیت اجتماعیہ مین قائم رکھنا ہوتی تھی ایک اعلی درجہ کی سوسائیٹی ایک وسیع حلقہ اور ایک بڑے دائرہ مین وسیع پیمانہ پر اوسکو حاصل کرنا پڑتی ہی، انسان کی یہی خواہش کہ اوس کا اعتبار بڑھے، اوسکی ذات سے اوسکے ہم جنسون کو مزید فائدہ پہونچے اور وہ اوسکی خوبیون نیکیون اور رفاہ عام کے کامون کو قدر کی نگاہ سے دیکھین اور اوسکے احسانات کا اعتراف کرین اعتبار کی حد سے گذر کر شہرت وناموری کے نام سے موسوم ہوجاتی ہے۔

یہ شہرت وناموری اپنے درجہ اور اپنی سوسائیٹی کے اعتبار سے ایک جولاہا، ایک درزی، ایک کاشتکار اور ایک سوداگر بھی حاصل کرتا ہی اور اپنے طبقہ اور جماعت مین ایک اعلے درجہ کا مہذب ومتمدن شخص بھی یعنی جس سوسائیٹی مین انسان نقل وحرکت کرتا ہی، جس مذہب کے سایہ مین وہ نشو ونما پاتا اور جسکے زیر اثر رہنے مین وہ اپنی دنیوی واخروی نجات سمجھتا ہی، جس ملک مین پیدا ہوا ہی جہان اوسکو جینا مرنا ہی، جس گورنمنٹ کے حلقۂ سیاست کا وہ پابند ہی، جس حکومت کے تحت اور جس قانون کی اطاعت مین رہکر وہ مطمئن، آزاد اور خوش رہنا چاہتا ہی اوس سوسائیٹی کے افراد، اوس مذہب کے پیرودن، اوس ملک کے باشندون، اوس گورنمنٹ کے افسرون کی نظرون مین اعتبار رکھنا، عزت پانا اور شہرت وناموری حاصل کرنا اوسکے لئے گویا لازمہ حیات ہی، خصوصاً اوس شخص کے لئے جو اپنی سوسائیٹی اپنی قوم، اپنے ملک اور اپنی گورمنٹ کو ترقی اور تہذیب کے اعلی مدارج کی طرف لیجانا چاہتا جو اسبات کا آرزومند ہو کہ وہ اصول تمدن اور وہ طریق معاشرت دنیا کے سامنے پیش کرے

جو اوسکے ملک، قوم یا گورنمنٹ کے لئے مفید ہو جسکی یہ خواہش ہو کہ اپنے خیالات، اپنے جذبات اور اپنی رایون کا اظہار کرکے دوسرون مین وہی خیالات اور جذبات پیدا کرے اور اونکی رایون کو بدل دے کہ قوم اور گورنمنٹ کی اصلاح ہو، یہ امر ناگزیر ہو کہ وہ شہرت اور ناموری کے میدان کا چست و چالاک شہسوار بنے اور فضائے عظمت و بزرگی وسیع سطح پر تیرِ درخشان بنکر چمکے، کیونکہ عزت و اعتبار کی سند اور عظمت و وقار کے پرتلے بغیر اوسکو ہر دروازہ پر دھتا بتائی جائیگی، وہ ہر جلسہ مین نامعلوم رہے گا، ہر طبقہ مین بے مایہ معلوم ہوگا اور ہر شعبہ زندگی مین ناکام رہیگا اور اوسکی آواز نقارخانہ مین طوطی کی آواز ہوگی جسکی کہین شنوائی نہین ہوتی ۔

اب اس کے دوسرے پہلو پر نظر ڈالئے۔ ایک شخص ایمانداری، دیانت، راستبازی عدل، محبت اور ایثار کی تصویر مجسم بنا ہوا ہو، کوئی فعل اوس کا ایسا نہین ہوتا جو اصول مذہب کے خلاف، سوسائیٹی کی روش کے مخالف یا حکومت کے حدود قانونی سے باہر ہو، ہر شخص سے محبت اور خلوص کا برتاؤ رکھتا ہو، ہر شخص سے اخلاص سے پیش آتا ہو، معاملہ کا سچا اور وعدہ کا پکا ہو، جھوٹ، دغا اور بے ایمانی اوس سے کوسون دور ہو، قوم، ملک اور گورنمنٹ کی بہی خواہی کی ہر وقت فکر رکھتا ہو، ملک کا مخلص خادم، قوم کا سچا جان نثار اور گورنمنٹ کا ثابت قدم وفادار ہو اور قومی محبت مین ایسا سرشار ہو کہ ذاتی مفاد کو قومی فائدے کے سامنے ہمیشہ پس پشت ڈالدیتا ہو۔ ایسا شخص ہر جگہ عزت پاتا ہو، گورنمنٹ کی نظر و نمین معتمد و موقر، ملک مین قابل پرستش اور اہل مذہب کے خیال مین مقدس و بزرگ سمجھا جائیگا، جہان جائیگا اوسکی آؤبھگت ہوگی، جس مجلس مین داخل ہوگا اوسکی تعظیم ہوگی، بڑے بڑے مغرورون کی گردنین اوسکے اوصاف حمیدہ کے سامنے جھک جائینگی، اوسکے اخلاق اوسکے ایثار اور اوسکی خالص نیت کا ایسا رعب ہوگا کہ دشمن کو بھی اوسکی تعریف و توصیف بظاہر یا دل ناخواستہ لیکن بباطن اعتراف ضمیر سے مجبور ہو کر کرنا پڑیگی، یہ شخص جہان جائیگا،

جو طریقۂ معاشرت اختیار کریگا، تمدن کے جس شعبہ مین داخل ہوگا کامیاب رہے گا اوسکی شہرت و ناموری ایسی ہوگی کہ بڑے بڑے تاجدار اوسکی آرزو کرین گے، بڑے بڑے دولتمند اوس پر جان دینگے، اوسکی شہرت پائیدار اوسکی عزت مستقل اور اوس کا نام ابدالآباد تک قائم رہے گا، آیندہ نسلین اوس کا نام عزت سے لین گی، اوسکے نقش قدم پر چلنا اپنے لئے باعث فخر اور موجب نجات سمجھین گے، غرضکہ اوسکی زندگی ایک نامور، کامیاب، آزاد اور مطمئن زندگی کا بے مثل نمونہ ہوگی۔

شہرت و ناموری یا عزت و اعتبار (خواہ جس نام سے اوسے پکار لے) ہر ایسے شخص کا لازمی حصہ ہے جو سوسائیٹی، ملک، قوم یا گورنمنٹ کی خدمت کرنا چاہتا ہے اور راحت اور اطمینان کی زندگی بسر کرنے کا خواہان ہے، جو شخص خدمت کرے گا اوسی کی شہرت اور ناموری ہوگی۔

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

جو شخص کسی حیثیت سے اور کسی حد تک مشہور و معروف ہوگا ضرور اوس نے اوس حیثیت سے اور ایک حد تک اپنے ابنائے جنس کی کسی طبقہ کی خدمت کی ہوگی یا اوسوقت کرتا ہوگا۔

شخصی سلطنت کے دربار مین شہرت و ناموری کے حلقہ بگوش جس قدر و منزلت کی نظر سے دیکھے جاتے ہین اوس کا تو ذکر نہین لیکن واقعہ نفس الامری یہ ہے کہ جمہوری حکومت کے اصول پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اوسکی بارگاہ مین بھی اون کا کم مرتبہ حاصل نہین ہے کیونکہ نیابت کے اصول کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ بات پوری طرح واضح ہوجاتی ہے کہ جو شخص زیادہ خدمت کرے زیادہ مستحق اعزاز اور زیادہ ممتاز اور نام آور ہو قوم کا پیشوا، ملک کا لیڈر اور گورنمنٹ کا مشیر و وزیر سب وہی ہوگا۔

شہرت و ناموری کا خیال دنیا کے ہر حصہ میں مختلف حیثیتون مین ہمیشہ سے پایا جاتا ہے

اور اگر جائز و مستحسن حدود کے اندر رہے تو انسان کی ترقی اور تہذیب کا سب سے بڑا معاون ہے۔ جن جماعتون مین یہ خیال دب جاتا ہے یا ناجائز اور مذموم طریقہ سے رواج پذیر ہوتا ہے اون پر کم حوصلگی، مردہ دلی، اور افسردگی طاری رہتی ہے اور وہ انحطاط و تنزل کی حالتین مبتلا ہو جاتی ہین اور بالآخر اس درجہ متبذل اور بے مایہ ہو جاتی ہین کہ وحشی اور نیم وحشی کا خطاب پاتی ہین اور جن جماعتون مین یہ خیال اعلی درجہ پر پایا جاتا، اور مستحسن حدود مین رہتا ہے وہ روز بروز نشو و نما پاتی ہین، تہذیب و تمدن کے مدارج طے کرتی ہین اور نئی نئی اُمنگون، نئی نئی تجویزون، نئی نئی ایجادون اور نئے نئے خیالات سے ترقی کی راہ کو پاک وصاف بنا دیتی ہین۔

جو جماعتین انحطاط و تنزل کی حالت مین ہوتی ہین یا جو شخصی حکومت کے زیر سایہ پشتہا پشت سے رہتی چلی آئی ہین، جنکے ارمان مر چکے، حوصلے پست ہو چکے اور اخلاق بگڑ چکے ہین اون مین ذی اقتدار اور دولتمند اشخاص کا ایک گروہ قوم کا خون چوسنے کے لئے پیدا ہو جاتا ہے جو خدمت کرنے والون اور اصلی عزت و شہرت کے مستحقین کو اونکے پایہ و مرتبہ سے محروم کرنیکی کوشش کرتا ہے، زر و مال کی مدد اور اپنے معاونین کے زور سے جنکی معاش کا وسیلہ خود وہی گروہ ہوتا ہے چند روزہ شہرت حاصل کر لیتا ہے اور قومی مجلسون پر قبضہ کر کے گورنمنٹ مین پیش پیش دکھائی دیتا ہے، خصوصاً جب اوس جماعت کے بہی خواہ اور اوس قوم کے خادم اوسکو انجماد کی حالت سے حرکت کی طرف رغبت دلاتے اور وحشیانہ اور جبری شخصیت کے خیالات سے تہذیب و جمہوریت کی طرف مائل کرتے ہین تو یہ گروہ مع اپنے حوالی موالی اشخاص کے جنمین خود کوئی ذاتی وصف نہین ہوتا اون پاک نفوس کی مخالفت سے عزت و نام حاصل کرتا دکھائی دیتا ہے لیکن اوس کو جلد نیچا دیکھنا پڑتا ہے اور ملمع کی قلعی اوڑ جاتی ہے، اوس کا کھوٹا پن ظاہر ہو جاتا ہے اور بالآخر یہ فرقہ ذلیل و خوار ہو جاتا ہے اس ہنگامی اور وقتی دور قدر و منزلت کے ختم ہوتے ہی جب اصلی خدمت کرنے والے

اور حقیقی مستحق عزت بزرگ اپنی اصلی جگہہ پر پہونچتے اور اپنے حقیقی مرتبہ پر فائز ہوجاتے ہین تو اون کو اپنے مفید خیالات کی اشاعت کا موقع ملتا ہی اور وہ اپنی نیک رایون اور سودمند خدمتون سے سوسایٹی، ملک، قوم اور گورنمنٹ کی کایا پلٹ دیتے ہین، پھر ہر جگہہ اونھین کا دورہ دورہ ہوتا ہی، ریاکار اور محض مال و زر اور جاہ و حشم کی مدد سے نام و نمود حاصل کرنیوالے اوسکی گرد کو بھی نہین پاتے پس انسانی ہمدردی اور قوم، ملک اور گورنمنٹ کی خدمت کو شہرت و ناموری کا زینہ بنانا چاہئیے کہ اصلی عزت اور حقیقی عظمت کی صراط مستقیم یہی ہی۔

ایسے نیک اغراض اور ایسی مبارک خواہش رکھنے والون کی شہرت و ناموری بجائے خود ایک محمود صفت ہی اور جائز مقابلہ کی وجہ سے قومی ترقی کا بہت بڑا ذریعہ۔ لیکن دولت و ثروت کی مدد سے جو شہرت و ناموری حاصل کی جائے اور خدمت ابنائے جنس جب پس پشت ڈالدی جائے تو یہ خود ایک مذموم جذبہ بنکر ناجائز مسابقت کی بنا پر قوم کو زوال و انحطاط کے آخری زینہ پر پہونچانیوالی ہوتی ہی۔

دونون قسم کی شہرت اور ناموری چاہنے والون کی جانچ کا معیار یہ ہی کہ طبقۂ اول الذکر اصلی قومی خدمت کو چندروزہ قدر و عزت پر ترجیح دیتا اور قومی و ملکی مفاد کے مقابلہ مین ذاتی اغراض کی ذرہ برابر پروا نہین کرتا، لیکن آخر الذکر گروہ اسی قلیل المدت مرتبہ و منزلت کو حقیقی ملکی و قومی خدمات پر مقدم رکھتا اور ذاتی عزت و جاہ کے مقابلہ مین قومی و ملکی مفاد کو خواب نادیدہ کی طرح فراموش کر دیتا ہی، پس ہمارا فرض یہ ہی کہ ہم کام کرنے والون اور نام و نمود چاہنے والون مین امتیاز کرین اور ہوشیاری، دور اندیشی اور دیانت داری کے ساتھہ اندازہ کرکے خادم القوم مخدومھم کو بیچ کر دکھائین اور بام شہرت پر چڑھنے مین اوسکی ہمراہی نہون بلکہ اوسکی مدد بھی کرین اور جب تک مذکورالصدر معیار پر کسی کو جانچ نہ لین قومی و ملکی کام اوس کے سپرد نکرین کیونکہ محض لفاظی یا دولت و ثروت یا با اقتدار لوگون مین رسوخ رکھنے کی وجہ سے کسی شخص کو قومی و ملکی کام سپرد کر دینا اپنے آپ کو ہلاکت مین

ڈالنا اور اپنے قومی نظام کا شیرازہ بکھیرنا ہی۔

ہمین چاہیئے کہ ہر شخص کو قوم کی خدمت کرنے اور ابنائے جنس کے ساتھ ہمدردی کا موقع دین، جو اپنے آپ کو سچا خادم ثابت کرے، جو خلوص کے ساتھ اپنی خدمات انجام دے اور جو انجام فرائض مین اپنے آپ کو قوم کا جوابدہ اور ملک کا ذمہ دار ثابت کرے اوسکے مرتبہ اور خدمات کے لحاظ سے اوسکی عزت کی جائے اور قومی و ملکی کامون مین اوسے حصہ دیا جائے اور جو شخص ہماری اصلی خدمت نکرے، اپنا پورا استحقاق ثابت نکرے، اپنے آپ کو قوم کا ایک فرد نہ سمجھے، قوم کے سامنے نیک و بد کا ذمہ دار اور بھلائی برائی کا جوابدہ نہ بنے، وہ قعر گمنامی مین پڑا رہے اور قومی و ملکی معاملات کی ہوا نہ پائے تو مناسب اور خیر و برکت کا موجب ہوگا۔

نذیر احمد (علیگ)

مین کیا ہون؟

مین تم سے کیا بتاؤن؟ ہاے اہل دل مین کیا ہون؟ ۔۔۔ اک نقطۂ محبت یا مرکز وفا ہون
سب چھیڑتے ہین مجھکو خاموش ہون مگر مین ۔۔۔ ہون نغمہ ہائے پنہان یا ساز بے صدا ہون
ہون اعتبار ہستی اندازہ گیر مستی ۔۔۔ مخمور اک شرابی مغرور اک گدا ہون
مدت ہوئی کہ ہون مین دلدادۂ مشائخ ۔۔۔ یا فرش خانقہ ہون یا نقش بوریا ہون
سجدے کیے ہین مینے برسون صنم کدے مین ۔۔۔ دل سے بتون کا بندہ ظاہر مین باخدا ہون
ہے ظرف میرا عالی مستغنی تمول ۔۔۔ گنجینۂ سلاطین یا خوان اغنیا ہون

مانند کاہ مجھ تک کھنچتے ہین دل سبھون کے
ہون مادہ کشش کا جذاب کہربا ہون

محفل مین اہل دل کی ہون نغمۂ طرب زا
مجلس مین اہل غم کی مین درد آشنا ہون

کرتا ہون باخبر مین منزل سے بیخودونکو
اس قافلہ مین گویا آوازۂ درا ہون

سرسبز ہون بظاہر باطن مین خون ہی دل
مین اس چمن مین گویا نیرنگی حنا ہون

ہر نسخۂ محبت مین نے کیا مرتب
اکسیر اہل دل ہون اک جز کیمیا ہون

گوشت خاک ہون مین سبکی نگہ مین لیکن
اک مخزن جواہر یا معدن طلا ہون

اک بیوفا پہ مائل مدت سے ہی مرا دل
پیہم ترانہ سنج روحی لک الفدا ہون

یہ انتقال پیکر ہے صورت تغیر
مین ورنہ درحقیقت سرمایۂ بقا ہون

ہون قلزم قدم کا مشہور اک شناور
گو دہلۂ جہان مین اک موجۂ فنا ہون

اجزائے دل سی میرے خلقت ہوئی تونکی
کہتا ہے مجھ مجھی سے ہر شوخ مین خدا ہون

تھا پتھرونسے مجھکو شغل صنم تراشی
دیوانگی مین بھی مین بیکار کب رہا ہون

بالاختصار سن لو یہ سرگذشت میری
اٹھتا ہی جو دلون مین وہ درد جانگزا ہون

رگ رگ مین ایک نشتر ٹوٹا ہوا پڑا ہے
جتنی مصیبتین ہین ادن سبکی انتہا ہون

اوسکی نظر ہی سطحی میری نظر ہی غائر
ناصح کی دوستی کو کس طرح مین نباہون

مرزا محمد ہادی عزیز

نہین حاصل ہی تو حاصل کرو،

حاصل کرنے کے طریقے فلسفیانہ دلیلون اور دلچسپ مثالون سے ایسی خوبی کے ساتھ بیان کئے گئے ہین جنکو دل اور عقل بہت آسانی سے قبول کرلین،

رسالہ اس امر پر بحث کرتے کرتے کہ انسان جس خیال پر اپنے دل و دماغ کو استقلال کیساتھ جمادے اوس مین کامیابی ضرور ہوتی ہی اور جب دل و دماغ پر قابو حاصل کرنے کی طاقت انسان کی فطرت مین موجود ہی تو اوس طاقت سے کام لیکر دل و دماغ کو نیک خیالات کی جانب مصروف کرنا چاہیئے، یہ نتیجہ نکالتا ہی،

"تمہاری زندگی عارضی خوشیون اور ذاتی خواہشون کے حاصل کرنے کے لئے نہین ہی بلکہ نہایت اعلی نشا پورا کرنے، نہایت عالی مدعا حاصل کرنے اور اپنے ابنائے نوع کے واسطے زیادہ سے زیادہ مفید اور بہ کار آمد ہونے کے واسطے ہی"

اخلاق کی تعلیم اس سے بڑھکر اور نہین ہوسکتی، اگر انسان اپنی زندگی کا مقصد یہی قرار دے لے اور اوسکو ضرور قرار دینا چاہیئے، تو حسن اخلاق کے اثر سے باہمی ہمدردی کا جوش بنی نوع انسان کو اتحاد اور اوصاف کے ایک ہی دائرے مین مجتمع کردے،

ایسے ہی اخلاقی مطالب اور اون مطالب کے مفید نتائج سے اس رسالے کی نسبت یہ رائے قائم ہوتی ہی کہ اپنے چھوٹے سے صندوقچے مین بہت قیمتی جواہر بھرے ہوئے ہی، یہ بالکل صحیح ہی کہ،

"خیال مین بھی اپنے مثل پیدا کرنے کی طاقت ہی، خواہ ہمکو اوس کا علم ہو یا نہ ہو، انسانی دماغ کی قوت آخذہ کا قانون جو یہ کہتا ہے کہ مثل مثل کو پیدا کرتا ہے اور شبیہ شبیہ کو کھینچتی ہے، وہ کائنات کا ایک عالمگیر قانون ہے اور انسانی زندگی کے ہر لمحے مین اپنا کام کئے جاتا ہی،

قوت خیال جس پر زندگی کی بھلائیون اور برائیون کا انحصار ہی اور جسکے صرف کرنیکا

انتہا فطرت یا یہ کہیئے کہ قدرت نے خود انسان ہی کو دیا ہی اوسکا فلسفہ جو وسعت مطالب کی حد نہین رکھتا، رسالے کے اس جملہ مین بھرا ہوا ہی،

مین کہتا ہون کہ قوت خیال ایسی زبردست ہی جو صرف مثل ہی کا مثل نہین پیدا کرتی بلکہ جس شے کا وجود سوا وہم کے اور کچھ نہ ہو، اوس کو بھی مجسم بنا دیتی ہی، خوف کوئی جسم نہین رکھتا صرف ایک حس باطنی ہی لیکن جب یہ حس حرکت مین آتی ہی تو جو وہم اس کا محرک ہوتا ہی اوسی کو قوت خیال جسم کا جامہ پہنا دیتی ہی، اسی قوت خیال کی نسبت کہا گیا ہی کہ واہمہ خلاق ہی، خلاق کے معنی ہین پیدا کرنے والا نہ کہ مصور، غالباً اصل مصنف اور حضرت مترجم کا مطلب "مثل کا مثل" پیدا کرنے سے یہی ہو کہ خوف کی حس باطنی وہم کی رو سے جس شکل کو پیدا کر لیتی ہی، مثلاً لکڑی سے آسیب کی شکل کو یا فاسفورس سے غول کی شکل کو، اگرچہ یہ شکلین بالکل فرضی ہین لیکن قوت خیال ان کو تمام اعضا سے مجسم کر کے خوف کی نگاہون کے سامنے پیش کر دیتی ہی، اور یون مثل کا مثل پیدا کرنے کی صورت پیدا ہو گئی،

رسالے کا آخری حصہ منشاے حیات کے اُن بلند نتائج سے متعلق ہی جن سے

"یہ فائدہ ہوگا کہ ہم اپنی غایت الآمال کو زیادہ اعلی اور ارفع بنا سکینگے، یہ فائدہ ہوگا کہ ہم ہمیشہ اپنے اور اپنے خالق کے باہمی تعلقات کو سمجھ کر حقوق عبودیت کو زیادہ اچھی طرح ادا کر سکینگے"

اب مین اس ریویو کو ختم کرنا چاہتا ہون اسلئے کہ رسالے کے اصل مقصد کو مینے اوسی کے جملون نیز اپنے الفاظ سے اس قدر ظاہر کر دیا ہی کہ ارباب فہم اس امر کا اندازہ کر سکین کہ زندگی کو با اوصاف بنانے، اخلاق کو درست کرنے اور خدا کے ساتھ بندے کو اپنے تعلقات عبودیت مستحکم کر کے حیات مابعد الموت مین راحت ابدی حاصل کرنے کے لئے "قوت خیال" کس قدر مفید ہی،

میری رائے مین یہ رسالہ ایسا اچھا ہی جسکی اخلاقی ہدایتون کو لوگ اپنے دماغون مین

لیکر پڑھی لکھی عورتون اور بچون کو اسکا سبق دین، زیادہ تر مستحق اسکی تعلیم کے وہ نوخیز ہین جنکی حالت مثل پودون کے ابتدا ہی سے درستی اور راستی پر لانے کے قابل ہوتی ہی،

اس رسالے کے مترجم حضرت مفتی محمد انوار الحق صاحب - ایم - اے - منشی فاضل انڈر چیف سکرٹری دسکرٹری صیغۂ تعلیم بھوپال ہین، اردو فصیح اور سلیس، چھاپا نفیس، اور کاغذ عمدہ سفید ہی، قیمت فی جلد ۴ ر، تاج محل بھوپال کا پتا لکھکر حضرت مترجم سے طلب کیا جائے

راقم احمد علی شوق قدوائی

کورٹ نمبر (۳)

(سلسلہ کے لئے نمبر ۱۶ اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء کا الناظر ملاحظہ ہو)

آفت زدون کی حالت ایسی ہتیار ویسے، سب سے بڑھکر یہ کہ فن جنگ سے ناواقف، اتنا بڑا لشکر لائے اور اوسکا لڑانا نہ جانا، آگے کی صفین دشمن سے لڑ رہی ہین اور پیچھے والے تماشا دیکھ رہے ہین، ان کے ہجوم وکشاکش سے لڑنے والون کا بھی ہاتھ رکتا ہی، اونہین یہ نہ معلوم تھا کہ تمام لشکر کا زور ایک ہی دفعہ دشمن پر کیونکر ڈالتے ہین، اون کے خیال مین یہ نہ آیا کہ لشکر کو پھیلا دین اور حریف کو چارون طرف سے گھیر کر مارین، اون کو یہ تدبیر نہ سوجھی کہ ایک ایک سوار سے ہزار ہزار نیزہ دار اور ایک ایک سرباز سے سو سو تیر انداز مقابلہ کرین، یا ایک ایک توپ کا توڑنا ایک ایک افسر کے ذمے کر دین، اونھون نے یہ بھی نہ کیا کہ جنگ کو متصل جاری رکھین، اور دشمن کو کھانے پینے سونے دم لینے کی مہلت نہ دین، پھر بھی چار ساعت تک بڑی مردانگی سے لڑتے رہے، اون پر آگ برسائی اور توپون اور بندوقون کے منہ پر سے نہ ہٹے، اور ابھی نہ ہٹتے اگر سپاہ سالار اور فوج کے دوسرے سردار باہم تکرار نہ کر بیٹھتے، اس نے اوس کو بودا کہا اوس نے اس پر الزام دھرا، قریب تھا کہ آپس ہی مین تلوار چل جائے، انجام اس جھگڑے کا یہ ہوا کہ بڑے بڑے رئوسا اپنی اپنی فوج لیکر

علیحدہ ہو گئے، جب آدھی سپاہ رہ گئی، تو ہسپانیہ کے لشکر نے بھی میدان جنگ سے مراجعت کی، لیکن یورپ والون مین کوئی ایسا نہ تھا جو زخمی نہ ہوا ہو، اور پچاس گورے یا اس سے کچھ کم و بیش خاک و خون مین آلودہ ہو گئے، کورٹز نے کشتون کو چھپا چھپا کر دفن کیا، اور چھپانے مین بڑا اہتمام کیا، اوسے ڈر تھا کہین یہ بات نہ مشہور ہو جائے کہ ہم لوگ مرتے بھی ہین، ہندو وُن کا سپہ سالار ایسا بے وقوف نہ تھا کہ آدمی کو جنات یا دیوزاد سمجھے یا مرنے والون مین اون کو شمار نہ کرے، اب بے وقوفی اوسنے کی تو یہ کی کہ اوس وقت جنگ موقوف کر دی، یہ نہ سمجھا کہ ساری قوم مین ایسا جوش و خروش اور مرنے اور جان دینے پر ایسی آمادگی و طیاری ہمیشہ پیدا نہین ہوتی، اب جو یہ لوگ منتشر ہوے تو پھر اونکا سمٹنا دشوار ہو گیا، ہر ایک یہی کہتا ہو کہ اندلس والون سے صلح کر لینا اور راستہ دیدینا مناسب ہی، یہ لوگ دیوزاد ہین نہ کاٹے کٹینگے نہ مارے مرینگے، پنڈت اون کے بڑے لال بجھکڑ نکلے، اونھون نے سوچ بچار کر عجیب بات نکالی کہ تمھارا یہ خیال تو غلط ہی کہ یہ لوگ دیوزاد ہین، لیکن پاتا ہون کہ یہ لوگ سورج کی اولاد ہین، اون کو ان پر غلبہ پانا محال ہی کہ آفتاب ان کی پشت پر رہتا ہی، رات کے وقت آفتاب کی آنکھ بچا کر شب خون مارو تو فتح ہو گی، انشاء اللہ خان کہتے ہین کسی نے پنڈت سے کھٹملون کی شکایت کی تو اوسنے کہا ؎

ایک اون کا پوت تھا کھٹمل ادسکی اولاد ہین یہ سب کھٹمل

کلمبس نے دھوکے مین ان لوگون کو ہندو ہندو کہنا شروع کیا تھا، لیجئے وہ سچ مچ ہندو ہی نکلے، پنڈتون کا کہنا پتھر کی لکیر ہو گیا، ؎

مسی ملتے ہین لعل میگون پر پھر کمر باندھتے ہین شب خون پر

شب دیجور گئی شب یلدا آئی، تشویش و غم کی رات تو بہ دانا بت مین گزر چکی ہی، ابھی بہت زیادہ عرصہ نہین ہونے پایا کہ شب خون کی ساعت آپہونچی، دس ہزار مردان آزمودہ کار برچھے سنبھالے، تلوارین تھوا سے، تیر و کمان سے لیس ہو کر، کھیتون مین چھپتے ہوئے، درختون کی آڑ لیکر ٹرتے ہوئے آل آفتاب کے قریب جا پہنچے، عقل کی خوبی، شبخون مارنے چلے تو چاندنی رات

مین، اندلس والے ایک آفت کے پرکالے بھلا وہ کب غافل ہوتے ہین اوس ملک کو لوگون کا بدگمان وکثیر الحذر ہونا ضرب المثل ہی، جس روز سے جہاز پرسے اوترے اور بت پرستون کو خدا پرست بنانے پر کمر باندھی ایک رات چین سے نہین سوئے، ع

کبھی آشنائے تہ بغل سرمرغ قبلہ نما نہین

مرغابیون کی طرح ایک آنکھ بند ایک کھلی، ایک نیند لے رہا ہی ایک کھڑا ہوا پہرہ دے رہا ہی، پہلو مین ہتھیار دھرے ہین گھوڑے کسے ہوے تیار رہین، کورٹز نے ایک پہاڑی پر قیام کیا تھا اوس پر سے دیکھا کہ بھٹون کے کھیت کے اوسطرف چاندنی نے کھیت کیا ہی، اور ایک سیاہی سی پھیلتی چلی آتی ہی، وہ اس پہیلی کو بوجھ گیا کہ ؎

راجہ کے باغ مین دوشالہ اوڑھے کھڑی ہی
ہری ہے، من بھری ہے

فوراً سب کو جگا دیا کہ بندوقین بھر رکھین اور توپین پھڑ پر چڑھا دین، مگر خبردار کوئی دم نہ مارے سانس نہ لے، ناگاہ وہ سیاہی کمرکوہ سے آکر لپٹی، اور مار سیاہ کی طرح بل کھا کر پہاڑی پر چڑھنے لگی، ابھی یہ اژدہا سورج کے بچون کو نگلنے چلا آرہا تھا کہ بجلی سی چمکی اور اولے پڑنے لگے، اوپر کی مار اور اتنے قریب سے، آدمی کی کیا بساط ہی ہاتھی بھی ہوتا تو اولٹ جاتا، اتنی لڑائیان ہوئین یہ کبھی بھاگے نہ تھے، اب کے بھاگے اور بے حواس ہو کر بھاگے، یہ فتح بھی سینٹ جیگو کے نام پر ہوئی اور بڑی نامور وبہادر قوم پر غلبہ پایا، شور مچ گیا کہ یہ لوگ نہ رات کو سوتے ہین نہ دن کو مرتے ہین، بھلا انسان ضعیف البنیان اور ملائکہ آسمان سے کیا مقابلہ، اب جو وہ کہین قبول کرنا چاہیے لیکن پھر رئیس فوج نے سمجھایا، کہ دیوانے ہو کیسے ملائکہ کہان کے دیوزاد، دو دن کھانے کو نہ پائینگے تو بے موت مرجائینگے تمھین یقین نہ آئے تو میری طرف سے سفیر بن کر جاؤ اور اون لوگون مین رہ کر اچھی طرح اون کے حالات کو دریافت کر آؤ،

غرض سفارت روانہ ہوئی، کورٹز اون کے آنے کی شان اور سفید چادر کے نشان سے سمجھ گیا کہ صلح کے طالب ہین، اونسے بمدارات پیش آیا اور تمام اہل اندلس کو اس صلح کی بے انتہا خوشی

ہوئی، ہوا ایک دن گزرے ہونگے کہ مریناان لوگون سے کچھ کھٹک گئی، کورٹز سے اوس نے اپنا شبہہ بیان کیا، کچھ لوگ اس سفارت کے جاچکے تھے اور کوئی پچاس آدمی ابھی تک باقی تھے، کہ کورٹز نے کئی شخصون کو باندھ کر الگ الگ اونکا اظہار لیا، حال کھل گیا کہ ہندوون کا سپہ سالار پھرلڑنے کے لیے تیار ہی اوران لوگون کو جاسوسی کے لئے بھیجا ہی تا کہ ہماری قوت وضعف کا اندازہ کرے، اس نے اون سب کے ہاتھ کٹوا ڈالے اور کہا جاؤ اپنے رئیس سے کہدو کہ جب تمھارا جی چاہے آؤ ہم ہر وقت تیار ہین، اس واقعہ سے ان کی ایک اور کرامات جاہلون کے ذہن نشین ہوگئی، کہ یہ لوگ دل کی بات کو اور غیب کے حال کو جانتے ہین ہم ہرگز ان سے نہ لڑینگے، ماٰلکار سب نے کورٹز کی اطاعت اختیار کرلی اور یہ کہا کہ جس طرح ہم جنگ مین ثابت قدم ہے دیکھ لینا اسی طرح صلح مین بھی اُستوار رہین گے،

اس صلح سے اندلس والون کی جان مین جان آگئی اور فتح مکسکو کی بنا قائم ہوئی، اگرایک دفعہ لڑائی اور ہوئی تو سب کا کام تمام ہو چکا تھا، ہر وقت کا دھڑکا ہر دم کا کھٹکا، دن کو اضطراب رات تو بے خوابی، ہاتھ پاؤن شل ہوش وحواس مختل، جینے سے بیزار ہو گئے تھے، اسی اثنا مین ایک اور غضب ہی ہی، ٹلاسکالا مین جب یہ لڑرہے تھے تو مونٹی زوما بہت ہی خوش تھا کہ میرے سر سے بلا ٹلی جب دیکھا کہ اس دشمن صعب پر فتحیاب ہو گئے، تو اوس نے مبارکباد تو کہلا بھیجی مگر دم ہی نکل گیا، سمجھ گیا اس قوم کے ہاتھون اسی ملک کی بربادی بھی ایکدن لکھی ہے۔

ٹلاسکالا کی فصیل مین داخل ہوئے تین ہفتے گزرے تھے کہ لڑائی بھی ختم ہوگئی اور صلح کے عہد وپیمان بھی ہو گئے، یہان کے لوگ بڑے جری تھے انکی جرأت کو ان کا فاتح خود تسلیم کرتا ہی، صلح کے بعد عہد وپیمان مین بھی بڑے ثابت قدم نکلے اور ہمیشہ دل سے اندلس والون کے ہوا خواہ رہے، مقام معاف سے دس کوس کے فاصلہ پر شہر ٹلاسکالا واقع تھا، اہل شہر نے فاتحون کو خاص شہر مین مہمان بلایا توپون کے کھینچنے کا انتظام خود میزبانون نے کیا، راہ مین جتنی بستیان ملین وہان کے زن ومرد گلاب کے پھولون کا ہار خیر مقدم مین ان کو پہناتے تھے اور گھوڑون کی

گلے مین باندھتے تھے، ستمبر ۱۵۱۹ء کی تیئیسوین تاریخ اندلس والے ٹلاسکالا مین داخل ہوئے، راہ مین ہجوم عام اور کوٹھون پر نظارگیون کا اژدحام اس کثرت سے تھا کہ راستہ نہ ملتا تھا، سکانون پر بندھن وار بندھے ہوے تھے، اون لوگون کے خوشی کے نعرے اور باجونکی آوازین کر مہمانون کا دل دھڑکنے لگا اور بہت خوف طاری ہوا لیکن مرینا نے اونکا اطمینان کر دیا، اکثر عمارتین اس شہر کی سنگین استرکاری کی مصفا بنی ہوئی تھین کہ خود کورٹز نے یہان کی عمارتون کو شہر غرناطہ کے ایوانات کا ہمسر لکھا ہی، جابجا امیرون کے یہان ہر روز دعوتین اور جلسے ہوا کرتے تھے، محلون مین زن و مرد یک جا رہتے تھے دل سے دل ملنے لگے اس پر وہان کے لوگون نے ارتباط بڑہانے کے لیے یہ تجویز پیش کی کہ باہم دگر شادیان ہو جانا چاہیئے، اندلس والے مذہب کے بڑے پابند تھے دوسرے یہ کہ غیر کفو سے شادی کرنا رسوائی و ذلت کا باعث سمجھتے تھے اور اس وصف مین یورپ کی سب قومین ممتاز ہین کہ غیر کفو سے کسی قسم کا تعلق رکھنا اون کے نزدیک خلاف شان ہے اور شرفا کے لیے باعث ننگ ہی، ان لوگون نے یہ عذر کیا کہ جب تک ہمارا مذہب نہ قبول کرین ہم شادی نہین کر سکتے، غرضکہ مذہب کی بحث چھڑ گئی، ایک راہب جو ان لوگون کے ساتھ تھا اوس نے پیکر مریم و مسیح کو عبادت کے لئے پیش کیا وہ لوگ بخوشی اس بات پر راضی ہو گئے کہ اس بت کو بھی اپنے بت خانہ مین رکھین گے، لیکن واعظ نے کہا کہ تمھارے سب بت جھوٹے خدا ہین، ان سب کو پہلے توڑ ڈالو، یہ سن کر ان لوگون نے کہا کہ ہماری قوم ہرگز اس بات پر رضامند نہوگی، یقین مانو جب تک خون کی ندیان نہ بہ جائین کوئی ہمارے بتون کو نہین توڑ سکتا، جب یہ سنا تو زیادہ اصرار اس باب مین مناسب نہ جانا سب خاموش ہو رہے بالفعل مذہبی جھگڑون کو ملتوی رکھا، چند امیرزادیان اپنی خوشی سے عیسائی ہو گئین اور کورٹز کے نوجوان افسرون سے اون کے ساتھ شادی کر لی، ۶

رام ہی نے بیٹا دیا دہ بھی مسلمان کا

اس فتح کی دہوم اور صلح کی خبرین دور دور پہنچین، ٹلاسکالا کی جرأت و شجاعت مانی ہوئی

بات تھی، اندلسیون کے ساتھ اوسکا شریک ہوجانا ایسا امرِ عظیم تھا جس نے تمام ملک مکسیکو مین ہل چل ڈال دی، ریاست تیزکوکو کا ایک شہزادہ لشکر سمیت کورٹز کا شریک اور مونٹی زوما کی اطاعت سے منحرف ہوگیا اور اس ناخلف کی شرکت سے بھی کورٹز کی بڑی تقویت ہوگئی،

یہ حیرت خیز مضمون تاریخ مین مذکور ہی کہ جب یہ پیدا ہوا تھا تو منجمون نے زائچہ دیکھ کر راجہ سے کہا تھا کہ اس بچہ کو قتل کرنا چاہیئے اس کے ہاتھ سے ملک و قوم پر تباہی آنے والی ہی، راجہ مذہب کا پکا تھا اوس نے جواب دیا کہ مجھے یقین ہی کو کٹزل کی اولاد مشرق سے آنے والی ہی، اون کے تسلط کا زمانہ قریب آگیا ہی اگر یہ لڑکا جوان ہوکر اون کا شریک و معین ہو جائے تو مشیت ایزدی سے کیا چارہ ہی، یہ لڑکا بچپن سے کینہ توز و کینہ کش تھا جوان ہوکر بڑا دلیر و صف شکن نکلا میدان جنگ مین اس نے بڑے بڑے کارنمایان کئے، باپ کے مرنے کے بعد چاہتا تھا کہ بڑے بھائی سے گدی چھین لے لیکن مونٹی زوما کی حمایت اور کمک سے اس کا بس نہ چل سکا پھر بھی کچھ کوہستانی ملک اس کے قبضہ مین آہی گیا اس لئے اونہین پہاڑون مین بڑی فوج تیار کرلی تھی اور وقت کا منتظر تھا، اسی اثنا مین اندلسیون کی چڑھائی اور ٹلاسکالا کی تباہی اور آخر مین صلح کا مفصل حال اوس نے سنا اور یہ ننگ خاندان غیرون سے مل کر اپنے بزرگون کا ملک و مال تباہ کرنے پر آمادہ ہوگیا، کورٹز کے پاس اپنا سفیر بھیجا اور مونٹی زوما کی عداوت کا اظہار کیا، کورٹز نے اوس کی شرکت کو غنیمت سمجھا اور اوسکی حمایت کا وعدہ کرلیا، اس بدخواہ قوم نے منجمون کی پیشین گوئی کو پورا کرکے چھوڑا، قوم ازٹیک کے تباہ کرنے اور دار السلطنت مکسیکو کو اوجاڑنے مین وہ کورٹز کا دست راست رہا، ؎

کرتے نہین زبان کو خبر دل کے راز سے   لیتے نہین ہین نام چھری کا شکار مین

ابھی یہ لوگ ٹلاسکالا ہی مین مقیم تھے کہ مونٹی زوما کا سفیر پھر پہنچا، سونے کی ایک منقش چادر اور نفیس نفیس تھان اور کچھ طاقے اوس نے بطور ہدیہ بھیجے تھے اور کہلا بھیجا تھا کہ تم لوگ اگر مجھ سے ملنا ضرور سمجھتے ہو تو خیر آؤ لیکن شہر چلولا کی راہ سے آنا وہان تمھاری دعوت کا انتظام

ہوگا مگر اپنے ساتھ ہمارے دشمنوں میں سے ٹلاسکالا کے لوگوں کو یا ٹوٹونک والوں کو ہماری سرحد میں لے کر نہ آنا،

کورٹز نے روانگی کا سامان کر دیا یہاں کے بہت سے لوگ ساتھ چلنے اور رفاقت کرنے پر آمادہ ہوگئے اس نے اون مین سے چھ ہزار جوان انتخاب کر کے ساتھ لئے اور تین ہفتے عیش و عشرت کرنے کے بعد دستوں سے رخصت ہو کر چلولا کی طرف رخ کیا، ٹلاسکالا سے دس کوس کے فاصلہ پر یہ شہر واقع ہی، بنارس کیطرح زمانہ قدیم سے پنڈتوں کا گھر اور تیرتھ کا مقام ہی، یون تو جہان تک نظر کام کرتی ہے برج ہی برج دکھائی دیتے ہین خود کورٹز نے چار سو برج گنے لیکن سب سے بڑا مندر عجیب و غریب عمارت ہی کہ اونسٹھ گز بلند اور چار سو چوہتر گز اوسکے قاعدہ کا دور ہی جس مین چوالیس ایکڑ زمین آگئی ہی، یہ عمارت اہرام مصر سے بہت مشابہ ہی جسکی چوٹی پر کوئٹزل کی مورت اور ایک عالی شان قربانگاہ ہی، شہر کی سڑکین نہایت مصفا اور باہم دگر متوازی ہین،

ٹلاسکالا کے لوگون مین اور چولولا والون مین سخت منافرت تھی اس وجہ سے حسب رائے کورٹز سب ہندوؤن نے بیرون شہر مقام کیا اور یورپ والے فقط شہر کے اندر داخل ہوے، اعیان شہر نے بڑے تپاک سے استقبال اور بڑی دہوم سے دعوتین کین، لیکن تھوڑے ہی دنون مین اونکا طرز بدل گیا اور کورٹز کو بدگمانی پیدا ہونے لگی مرینا اس کی جاسوس تھی اور بڑی خوش مزاج ملنسار عورت تھی وہان کی ایک رانی کو اس سے بہت محبت ہوگئی تھی اوسنے مرینا سے اصرار کیا کہ تم میرے گھر مین چل کر رہو ان غیر ملکیون کے ساتھ اس شہر مین تمھارا رہنا اچھا نہین، مرینا یہ سن کر کھٹک گئی جھٹ اندلس والون کی شکایت شروع کی کہ کچھ اور کھلے اور رانی دھوکے مین آگئی اوس نے بیان کر دیا کہ اہل شہر ان غیر لوگون سے بہت ناراض ہین سب ہجوم کر کے ان کے مارنے کی فکر مین ہین مکسیکو کے راجہ نے بھی بیس ہزار مردان کارزار اس کام کے لئے بھیجے ہین وہ سب بیرون شہر چھپے ہوے ہین، ۔

جو دل سے ڈرتے ڈرتے ایک حرف شوق نکلا تھا وہ اوسکے سامنے آیا زبان پر داستان ہوکر

یہ سن کر مہنا ہول کھاتی ہوئی کوشنے کے پاس پہنچی اور سب حال اوس سے بیان کر دیا، کوار ٹر تحقیق کے درپے ہوا دو پنڈتوں کو بلا کر بہت سا جواہر وزر، وزیور جو مونٹی زوما نے بھیجا تھا رشوت مین دیا اور مفصل حال دریافت کیا معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ دغا کرنے والے ہین، اس نے جھوٹھ موٹ خبر اڑا دی کہ کل ہی صبح کو ہم لوگ یہان سے روانہ ہو جائین گے اور رات بھر مین قتل عام کا انتظام کر لیا، جانتا تھا بیرون شہر ایک لشکر سفاکون کا موجود ہی جو قرنون سے قوم ازٹیک کے خون کے پیاسے ہو رہے ہین ذرا اشارہ پاتے ہی شہر مین گھس پڑینگے اور خاطر خواہ دلکا بخار نکال لینگے اور برسون کا قصاص لے لینگے، اون سے کہلا بھیجا کہ سب تیار رہین اور جس وقت توپ کی آواز سنین فوراً شہر مین گھس آئین اور قتل و غارت مین کوئی دقیقہ نہ اوٹھا رکھین، یہ سنتے ہی میزبانون کے لئے چھریان تیز ہونے لگین اور تلوار دہم باڑھ رکھی جانے لگی، ٹلاسکا والون مین وہ رات عید قربان کی رات تھی، تیغ آزمائی کا شوق مین ان لوگون کو نیند نہ آئی، لذت انتقام رہ رہ کے دل مین گدگدی کرتی تھی اور بستر راحت پر سے اوٹھا بٹھاتی تھی، دو برس جن ظالمون کے حصار مین گزرے اور نمک کھانے سے محروم رہے صبح کو سر میدان اون پر ہاتھ صاف کرنے کا اور قصاص لینے کا موقع ہی، ؎

اوسکو پھر تیغ آزمائی کا ہے شوق کیا ہوا اگر زخم میرے بھر چلے

چلولا کی گلیون مین تباہی و بربادی کی ہوا چل رہی ہی بازارون مین اوداسی برس رہی ہی، رات ہی سے سناٹا نظر آ رہا ہی برجون پر بوم شوم الرحیل الرحیل پکار رہا ہی فرشتہ عذاب کا اندھیری رات مین الیس الصبح بقریب کی آواز دے رہا ہی، ایسے صبح ہو گئی آفتاب نکل آیا ؎

ظلمت نے کیا فرار چمکی جو کرن بھاگا آذر گشسپ سے آہرمن

خنجر کھینچے کوہ سے نکلا بیژن نیزہ لئے باختر سے پہنچا سہراب

اہل شہر مہمانون کو رخصت کرنے آئے احاطہ مین ایک ہجوم ہو گیا، کوہ ترشنہ دلی کی طرح

مخاطب ہوکر پہلے تیغ زبان سے کام لیا شکایت کے اور الزام کے وار کئے اوس کے بعد گوردن کو اشارہ کر دیا، تین چار بندوقین ایک ہی دفعہ چل گئین پھر صحن مین گھوڑے دوڑا دوڑا کر اون سب کو تلوار سے چونگ کرنا اور ٹاپون کے نیچے کچلنا شروع کیا، جو لوگ پھاٹک کی طرف بھاگ کر گئے وہان پہرہ والون نے اون کا کام تمام کر دیا، باہر سے جو لوگ اپنے ابنائے جنس کی چیخ پکار سن کر کمک کو پہنچے وہ پھاٹک کے سامنے آتے ہی توپ کا نشانہ ہو گئے، احاطہ کے اندر بسمل پر بسمل اور کشتون پر کشتے پھڑک رہے تھے، باہر والون کی خبر لینے کے لئے اندلسیون نے اپنے مقام سے حرکت کی، جو لوگ راہون مین ملے اون کو بندوقون اور تلوارون مین دھر لیا جو کوٹھون پر سے حملہ کر رہے تھے اون کے گھرون مین آگ لگا لگا کر محلے کے محلے اوجاڑ دئے یہ آفت تو ناف شہر مین برپا تھی، دوسری طرف سے ٹلاسکالا والے قتل عام کرتے چلے آرہے تھے، دونون گروہون نے ملکرموت کا بازار گرم کر دیا گھرون مین گھس گھس کر نفائس مال و نفوس رجال کو تلف و تاراج کیا، اس کشت و خون مین جو لوگ مارے گئے تین ہزار سے چھ ہزار تک کا تخمینہ اونکا کیا گیا ہی،

آخر بعض رؤسائے شہر و سفرائے مونٹی زوما کی سفارش سے کورٹز نے امان دے دی لوٹ مار موقوف ہوئی، ٹلاسکالا والون نے بہت سے لوگ اسیر کئے تھے کہ ان کو بیچ ڈالینگے اور چلولا کے پنجرون مین بہت سے اجل گرفتہ پہلے سے قید تھے کہ قربانی کئے جائینگے ان سبکو کورٹز نے رہا کر دیا، اسکے بعد بڑی دھوم سے دوشیزہ طفل شیر خوار کو گود مین لئے ہوئے بڑے مندر کے ایک حجرہ مین جلوہ گر ہوئے اوسکے سامنے سب عیسائی جمع ہوکر فتح کا سجدہ شکر بجا لائے، اس واقعہ کی خبر سن کر قرب و جوار کی ریاستون نے سفارتین روانہ کین اور فرمانبرداری بادشاہ اندلس کو قبول کیا، مونٹی زوما کے پاس سے پھر سفیر آئے اور زر و زیور کے علاوہ پندرہ ہزار پشمینہ لباس بھی اوس نے پیش کئے اور اس سازش مین اپنی شرکت کا انکار اور برات کا اظہار کیا، کورٹز نے بظاہر اوسکے عذر کو قبول کر لیا مگر دل مین سمجھ گیا کہ راجہ پر رعب بیٹھ گیا،

اس شہر مین پندرہ دن مقام کر کے یہ لوگ مکسیکو کی طرف روانہ ہوے، راہ مین جتنی ریاستین ملتی جاتی تھین سب کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ ظالم سونے کے بہت خواہشمند ہین ہر جگہ سے ہدایا کے ساتھ سونا ہی بکثرت آیا، اور مونٹی زوما کے ظلم و جبر کا شکوہ عموماً ہر شخص کی زبان پر تھا کہ ہمارے نوجوانون کو لشکر مین اور عورتون کو حرم مین بظلم داخل کرتا ہے، یہ خبرین سن سن کر کورٹز کی ہمت اور بھی بڑھتی جاتی تھی، بہت چڑھائیان اور کوہ آتش افشان راستہ مین پڑے یہ ساری مصیبتین جھیل کر مع خیل و لشکر پار اوتر گیا، راجہ نے ایک سفیر اور بہت کچھ زر و جواہر روانہ کیا تھا کہ پہاڑون پر چڑھنے کے پہلے ہی غنیم کے لشکر مین پہنچ جائے اور یہ کہلا بھیجا کہ اگر تم لوگ یہین سے واپس چلے جاؤ تو اس وقت بھی زر کثیر دونگا اور آیندہ بھی تمھارے بادشاہ کو سالانہ خراج بھیجا کرونگا، لیکن یہ سفیر جب تک پہنچے پہنچے سارا لشکر پہاڑون کے اس پار اُتر چکا تھا، راجہ کو جب معلوم ہوا کہ پہاڑون کی راہ کاٹ کر گورون کی فوج وادی مکسیکو مین پہنچ گئی تو بہت ہراسان ہوا، کھانا پینا چھوڑ دیا، ہر وقت دعا و وظائف مین مشغول رہنے لگا، جب خبر آئی کہ بہت قریب پہنچ، تو شاہزادہ کاکاما امیر تیزکوکو کو استقبال کے لئے بھیجا، یہ شخص ہوادار پر سوار تھا، کورٹز کو دیکھکر اوتر پڑا اور جھک کر سلام کیا، کورٹز کو اس شخص مین شاہزادگی و امارت اخلاق و مروت اور ناز و نعمت کی ایسی شان نظر آئی کہ حیران ہو گیا، تعظیم کی گلے ملا، اوس نے تین دانے گوہر شاہوار کے بطور ہدیہ دئے اس نے ایک ترشے ہوے شیشہ کا ہار اوسے پہنا کر رخصت کیا، لوگون کو ان پردیسیون کے دیکھنے کا ایسا اشتیاق تھا کہ چارون طرف سے ہجوم کئے ہوئے تھے، اور بعض بعض لوگ صفون کے اندر چلے چلے آتے تھے، اس پر اہل لشکر کو طرح طرح کی بدگمانی ہوتی تھی، کہ ایسا نہو کوئی افسر پر حملہ کر بیٹھے یا میگزین مین آگ لگا دے، اتنی شک مین کوئی پندرہ بیس ہندوون کو گولی مار مار کر گرا دیا،

حُسن کامِل

صوفیہ کے حُسن سیرت پر لکھے کچھ مین نے بند
یعنی ایسی نیک، ایسی دلکش، ایسی دلربا
لوگ اون کو پڑھ کے بولے شعر تو ہین دلپسند
لیکن ان مین حسن صورت کا مرقع ہے کھچا
مین نے نقشہ کھینچا پھر رنگینئے الفاظ سے
اوسکی پیاری شکل کا، اس مین بھی نکلی ایک فیہ
کیونکہ مین نے حسن کامل تھا کیا ثابت اوسے
خلق کہتی ہے کہ یہ ہے اوسکی سیرت کی شبیہہ
آہ اوس معشوق کو کیونکر نہ چاہے دل مرا
جو حسین ہو، نازنین ہو، باوفا ہو، نیک ہو
اوس بتِ کافر کی حق یہ ہے پرستش ہو سدا
حُسن سیرت، حُسن صورت جس مین یہ ہر ایک ہو

نادر علیخان نادر کاکوروی

(ترجمہ نظم انگریزی)

شعاعِ اُمّید

آہ یہ اندازِ فصلِ برشکالی آہ آہ آسمان پر گھٹائیں کالی کالی آہ آہ
آہ یہ رونق گلستان کی یہ منظر باغ کا پھولوں کے پژمردہ چہروں پر بحالی آہ آہ
تازگی بخشِ مشام روح موجِ بوئے گل انبساط افزا شرابِ پرتگالی آہ آہ
عشوہ گر جادو نظر یہ آہ کمسن مالنین اور کفِ نازک پہ یہ پھولوں کی ڈالی آہ آہ
نونہالانِ چمن کی آہ یہ آرائشین یہ ادائین جا نفزا یہ دھج نرالی آہ آہ
پُر تبسّم آہ سوسن کے مسی آلودہ لب اور سُنبل کی وہ زلفین کالی کالی آہ آہ
سبزۂ نوخیز کی یہ آہ جامہ زیبیان دوشِ گل پر چادرِ رنگین وضع شالی آہ آہ
یہ سہانی رات یہ تارون بھری سقفِ فلک نور کی یہ چاند کے ہاتھوں مین تھالی آہ آہ
آہ جوش افزا یہ موسم یہ سمان برسات کا اُس تغافل کیش سے پہلو یہ خالی آہ آہ

کیا لُبھائیگی مجھے دلکش فضا برسات کی
زخم کرتی ہے مرے دل کے ہوا برسات کی

یاد کب ہے آہ اب طرز غزلخوانی مجھے اس سے بس معذور سمجھین مرغ بستانی مجھے
پھول ہنسکر کیا ہنسا ئینگے بھلا مجھ زار کو یاد آتی ہے کسی کی چینِ پیشانی مجھے
آرزوِ سیرِ چمن کی آہ کس دل سے کرون ایک ظالم نے بنا رکھا ہے زندانی مجھے
اب بھی جی بھرتا نہین ہر آہ یہ بیدردیان اے فلک تا کے رکھیگا وقفِ حیرانی مجھے

آگئے دن کی کا وشین اب کا تن تیغ جیا چھوڑ دین
صدمۂ فرقت گھلا کر کر چکا پانی مجھے

زندگی پر میری ہے محو تحیر اک جہان
دے رہے ہین لوگ الزام گرانجانی مجھے

موت کا احسان لون میری بلا کو کیا غرض
پھونکدیگی کوہ کانی سوز پنہانی مجھے

آس باقی ہے جو تن مین سانس باقی ہے ابھی
ورنہ کچھ کم تھے نہ یہ صدمات روحانی مجھے

اُن کو آ لینے دے پھر تو بھی نکلنا جان زار
ہو نہ وقت واپسین حاصل پشیمانی مجھے

سانس مین نے اپنی رکھی ہے لگا اُمید پر
ہے مثل دنیا بھی قایم ہے صدا اُمید پر

سید محمد فاروق شاہپوری

غزل

جشن جم کا ماجرا باد صبا سے پوچھ لے
کیا ہوا تخت سلیمانی ہوا سے پوچھ لے

داور حشر، آرزوون کا نکلنا تو کجا
جان بھی مشکل سے نکلی ہے قضا سے پوچھ لے

ہر قدم پر آتی ہے شہر خموشان سے صدا
خاک مین ہم مل گئے ہین نقش پا سے پوچھ لے

پوچھتا کیا ہے کسی سے، دلکی دل کو ہے خبر
سارا حال اس ساغر گیتی نما سے پوچھ لے

زال دنیا کے فریب و مکر سے غافل ہے تو
بے وفائی اس کی مردان خدا سے پوچھ لے

کشتۂ تیغ تغافل کی نہین تجھکو خبر
مین بتاؤن تجھکو تو اپنی ادا سے پوچھ لے

لوٹنا دل کا بھی ظالم دیکھنے کی سیر ہے
آنکھ اوٹھانے کیلئے شرم و حیا سے پوچھ لے

اے جنون لے چل کسی جنگل مین ہے جوش بہار
راہ کھلی بن کی اس کالی گھٹا سے پوچھ لے

سودا ہون سے پریشانی کا میری ہو ثبوت — گر تجھے باور نہین زلف دوتا سے پوچھ لے
ہے زبان شمع خاموشی مین بھی صرف سخن — بزم ہستی کی خبر اہل فنا سے پوچھ لے
جس ہنر سے خود ہو عاری سیکھ لے استاد سے — راستہ جو بھول جائے رہنما سے پوچھ لے

پھر شکیبائی کا دعوی ہو چلا ہے نظم کو
پھر مزاج اگر ذرا ناز و ادا سے پوچھ لے

علی حیدر طبا طبائی نظم لکھنوی

غزل

ادا و شرم پر نازان ہو نظر دل مین نہان ہو کر — ستم کرتے ہو در پردہ شریک آسمان ہو کر
رگ و پے مین سمایا عشق ربط جسم و جان ہو کر — رہی یہ آگ میرے تن مین مغز استخوان ہو کر
سمجھتے ہو تماشا دیکھنا اس داغ سوزان کا — کیا اک حشر برپا جس نے سینہ مین نہان ہو کر
جنون کے جوش مین کیا اہل ہین جیب و دامن کی — عجب کیا جامۂ اصلی بھی اترے دھجیان ہو کر
ہوئے بیباک اب تم ورنہ طفلی مین یہ عالم تھا — جھجک جاتے تھے اپنے سایہ سے خود بدگمان ہو کر
شب مہتاب مین فرقت زدے تیرے نکل آئین — عجب کیا رخنہ ہستی پڑے پڑنے ہو کتان ہو کر
صیاد آسمان نے مجھکو آخر گھیر کر مارا — لگائے ہر طرف سے تیر ظالم نے کمان ہو کر

غزل اس رنگ کی ایک اور بھی لکھنا پڑی مرزا
نہین رکتی طبیعت اہل معنی کی روان ہو کر

مقام عشق بہت قائل ہوئے ہم لامکان ہو کر — ولہ — کسی پردہ نشین کے گھر پہ پہونچے لامکان ہو کر

لگائے تیر دلپر تیرے ابرو نے کمان ہوکر کلیجہ پر پڑین نیچی نگاہین برچھیان ہوکر
تیری باتونکو دُہراتی ہو فرقت مین زبان میری یہ میرے مُنہ مین گویا رہتی ہی تیری زبان ہوکر
یہی انجام ہم آغاز الفت مین سمجھتے تھے رہے گی یہ بلا آخر عذاب جاودان ہوکر
کوئی اس آفتاب حشر کو دیکھے تو کیا دیکھے شعاع حسن مانع ہی نگاہ پاسبان ہوکر
حیا کی شوخیون سے اُٹھتے اُٹھتے جھک گئین نظرین مری قسمت سے اونکے تیر بھی آئے کمان ہوکر
ترے ہر لفظ پر شوخی سے اُس نے نکتہ چینی کی غزل کیسی کہی تھی تو نے مرزا نکتہ دان ہوکر

مرزا محمد ہادی مرزا لکھنوی

خیرات

ایک بے کار آدمی بازار مین ملتا ہی، تم اوسکو نکل کا ایک سکہ دیتے ہو، وہ دو پیسہ مین روٹی کھاتا ہی اور بقیہ دو پیسہ کی افیون لیکر گھولتا ہی اور ایک درخت کے سایہ مین افیون پی کر غین ہوجاتا ہی، دوسرے دن وہ یہ خیال کرکے کہ کام کم ہی تو ہو نکل کے سکے دینے والے تو بہت ہین، بھیک مانگنے کی ضرورت نہین کیونکہ لوگ اتنے نرم دل ہین کہ اوسکی حالت پر خود رحم کرینگے اور اوسکو ضرورت بھر کے پیسے مل جائین گے، اب بتاؤ کہ تمنے اوس شخص کے ساتھ کیا بھلائی کی؟

دروازہ پر دستک کی آواز سنکر تم دروازہ کھولتے ہو، ایک عورت گود مین بچہ لئے کھڑی ہی، اور رو رو کر بیان کرتی ہی کہ مین بیوہ ہون، یہ دودھ پیتا بچہ بے دودھ کے تڑپتا ہی، گھر پر دو چھوٹی چھوٹی لڑکیان فاقہ کر رہی ہین، تم یہ دردناک حالت سُنکر ایک دونی جیب سے نکالکر اوسکے ہاتھ دھرتے ہو، اب اگر وہ کوئی اوباش عورت نہین ہی تو وہ دو آنے مین دونون وقت کے کھانے کا سامان کریگی اور دوسری شام کو پھر دونی کی تلاش مین نکلے گی، پھر بھلا تمہاری دونی مین کیا برکت ہوئی،

تمھاری گلی مین معجزہ آل نبی پڑھتے ہوئے دو آدمی نکلتے ہین تم اون کو ایک پیسہ دیکر مکان کے اندر چلے جاتے ہو، نتیجہ کیا ہوتا ہے، وہ دوسری گلیون مین اس طرح گاتے ہوئے پھرتے ہین، تمھارا پیسہ اونکے کس کام آیا،

خیرات دینے کا خیال ہر شخص کو ہوتا ہے مگر یہ کوئی نہین جانتا کہ خیرات ہے کیا، ہماری نظر سے علم الاقتصاد کی ایک چھوٹی سی کتاب گذری جس کا نام تھا "کیا چیز دکھائی دیتی ہے اور کیا چیز نہین دکھائی دیتی" ہمارے نزدیک خیرات کے اون طریقون پر جو مذکور الصدر صورتون مین بیان ہوئین کتاب مذکور کا عنوان پوری طرح صادق آتا ہے،

پہلی صورت مین بظاہر یہ تو دکھائی دیتا ہے کہ ایک شخص کی روٹی کا سامان ہوا جاتا ہے لیکن یہ نہین دکھائی دیتا کہ اوسکے بعد بھی وہ کسی کام کے قابل رہتا ہے بلکہ وہ ایسے مقامات کے قریب سے بھی نہین گذرتا جہان کام مل سکتا ہو کیونکہ وہان نکل کے سکے مفت نہین ملتے عجب نہین کہ رات کو شراب پی کر وہ بدمستی کے پاداش مین حوالات مین بند رہا ہو اور دہین مفت کی روٹیان توڑی ہون، ایسی صورت مین تم نے صرف اوسکو خراب ہی نہین کیا بلکہ تمھاری جیب پر دوطرف سے بار پڑا، بحیثیت ٹکس دہندہ اور سخت خراب کنندہ کے، یہ دکھائی نہین دیتا اگرچہ واقعی ایسا نہین ہوتا ہے، اگر وہ خیرات کا مستحق ہے تو تمھاری رقم ٹکس مین اوسکا حصہ نہونا چاہیئے، اور اگر وہ اس رقم کا حصہ دار ہو سکتا ہے تو ہماری فیاضی سے اوسکو کچھ نہ ملنا چاہیئے، لیکن بحالت موجودہ وہ دونون مین شریک ہوتا ہے،

دوسری صورت مین یہ دکھائی دیتا ہے کہ ایک بیوہ عورت، اوسکا شیرخوار بچہ اور ننھی ننھی لڑکیان فاقون سے تنگ ہین اور تمھاری فیاضانہ خیرات سے اونکو فاقہ کشی کی تکلیف سے نجات ملجائیگی، یہ اچھی بات ہے لیکن دوسرے دن اونکی حالت بدستور ابتر رہتی ہے، اوس عورت کے دل مین کام کرنے کا خیال ہرگز نہین پیدا ہوتا، نہ لڑکیان کام مین لگائی جاتی ہین، نہ اسباب کی کوشش کی جاتی ہے کہ اونکے خوشحال اقربا دست اعانت دراز کرین،

چند روز اسی طرح پر بھیک مانگ کر وہ زندگی بسر کر لیجاتے ہین اور نرم دل لوگ یکے بعد دیگرے اپنی اپنی فیاضیان دکھا کر بیٹھ رہتے ہین، یہ بدنصیب لوگ فاقہ کشی کرتے کرتے لقمۂ موت کا شکار ہو جاتے ہین اور اونکی تجہیز و تکفین کا بار پھر انہین نیک لوگون پر پڑتا ہی، جس سے اونکو اور صدمہ ہوتا ہی مگر افسوس کہ یہی نہین دکھائی دیتا،

تیسری صورت مین تم معجزہ آل نبی پڑھنے والے فقیرون سے ملتے ہو، اونکو محتاج جانکر تم خیرات دیتے ہو اور گویا اونکی حاجت روائی اور مشکلکشائی کرتے ہو، یہانتک تو ٹھیک تھا، چند روز تک وہ تم ایسے فیاضون کی فیاضی سے بسر اوقات کرتے ہین مگر جاڑون کی شدت مین ہوا لگ جانے سے بیمار پڑ جاتے ہین اور باہر نکلنے کے قابل نہین رہتے اوس وقت اونکی امداد کی کوئی صورت نہین نکلتی اور یہ کسی کو نہین دکھائی دیتا،

حاشا! مین خیرات کو مسدود کرنے کا خواہان نہین اور نہ فقیر کو بھیک دینے کی مدد کرنا چاہتا ہون بلکہ مین صرف یہ چاہتا ہون کہ لوگ اس بات پر غور کرین کہ اصلی خیرات کیا ہی اور محض خود غرضانہ خیرات کسے کہتے ہین، اصل خیرات کا مقصد یہ ہی کہ جس کسی کو خیرات دیجائے اوس کا نفع مد نظر رکھا جائے نہ کہ خیرات دینے والے کی فیاضانہ خواہشات کا پورا کرنا، اگر تم اپنی فیاضانہ خواہشات کو اس طرح پورا کرتے ہو کہ دوسرے دیانت داری کی ساتھ محنت و کوشش کرنے سے باز رہین اور اون مین فضول خرچی، کاہلی اور بدکرداریان بڑہین تو یقیناً ہماری فیاضی اس سے زیادہ وقعت نہین رکھتی کہ ڈھول کے اندر پول کھی جائے بلکہ حقیقت یہ ہی کہ وہ اوس زہر کی میٹھی گولی کے مانند ہی جو کھانے مین خوش ذائقہ مگر نتیجہ اوس کا ہلاکت ہو، کسی شخص نے کیا خوب کہا ہی کہ "جو شخص کام نکرے وہ روزی کا بھی مستحق نہین ہی"

میرے یہ جملے کسی قدر تلخ معلوم ہوتے ہونگے لیکن مین بلا خوف تردید کہہ سکتا ہون کہ انھین بظاہر تلخکام جملون مین بعض نہایت مفید اصول مضمر ہین جو ہم مین سے بہتون کے پیش نظر ہوتے رہتے ہین مگر افسوس ہی کہ ہمارے ملک کے اکثر بڑے بڑے اہل الرائے بھی اون پر

عمل درآمد نہین کرتے، میرے خیال مین اگر بجائے سخت نقصان پہونچانیکے افراد و ہیئت اجتماعیہ دونون کو تھوڑا سا فائدہ پہونچانا بھی مقصود ہی تو باضابطہ خیراتی کمیٹیان اور خیرات فنڈ قائم کرنا چاہیے ہین، ابتک جو طریقہ خیرات جاری تھا اس کا بہت دنون تجربہ کیا گیا ہی اور یہ تجربہ برابر غیر مفید اور ناکامیاب ثابت ہوا، اسمین شک نہین کہ یہ طریقۂ خیرات مذہب نے سکھایا ہی مگر مین معاف کیا جاؤن اگر مین یہ کہون کہ یہ خالص مذہبی طریقہ نہین ہی بلکہ یہ عیش پرست تمدن کا سکھایا ہوا طرز ہی، اس طریقہ مین بجائے اسکے کہ محتاج کا انسداد اور رفعیہ ہو محتاج کی پرورش کرکے امارت کی شان دکھائی جاتی ہی اور فیاضی کی شہرت پوری کی جاتی ہی، محتاج کی اعانت اسطرحپر ہوتی ہی لیکن اوسکو اپنی مدد آپ کرنے کا زرین اصول کبھی نہین سکھایا جاتا، اوسے یہ نہین بتایا جاتا کہ وہ غربت سے واقعی طور پر نجات پائے، بعض فقیر دولتمند بھی ہوتے جاتے ہین مگر آہ وہ دولتمندی کی حالت مین بھی فقیر ہی رہتے ہین، اور یہ حالت اس درجہ ہیئت اجتماعیہ کے لئے خطرناک ہوگئی ہی کہ بہی خواہان ملک اوسکے انسداد کے لئے قانونی مدد کی ضرورت محسوس کرنے لگے ہین، اور جذبات کے اس غیر مفید بلکہ مضرت رسان رو کو روکنے کی کوشش کر رہے ہین، جذبات! ہان جذبات ہی کی مدد سے انسان بڑے اور عمدہ کام کر سکتا ہی، لیکن اگر یہ منظور ہی کہ ملک و قوم کو ایسے جذبون سے نقصان نہ پہونچے اور کوئی فائدہ مترتب ہو تو مثل شعلہ دود اور برق کے اون کی اعتدالی صورت قائم رکھنا چاہیئے،

اصلی خیرات عمدہ طریقہ اور ٹھیک مقصد یا صحیح اصول کا اگر پورا اندازہ کرلیا جائے تو اوس سے نہ صرف فیاضی کی مزید ترغیب ہوگی بلکہ ہم بہت سی فضول خرچی اور خوش عقیدتی کی مضرت رسان غلطیون سے محفوظ رہین گے،

میرے خیال مین اصلی خیرات اور عاقلانہ بھیک دینے کے صحیح مقاصد اور طریقون کے ٹھیک ٹھیک اصول قائم کرنے مین کوئی دشواری نہ ہوگی، پہلا مقصد خیرات کا انسانی

مدد کرنا ہی، دوسرا مقصد اوسکو اپنی مدد آپ کرنے مین اعانت دینا ہی، تیسرا مقصد یہ ہی کہ اوسکے دوستون اور اعزا پر جنکو اوسکی مدد کرنا چاہیئے تم تمام امکانی دباؤ ڈالو، چوتھا مقصد یہ ہی کہ اوسکی مدد اس طرح پر کیجائے کہ اوسکی خود توقیری اور آزادی کا خیال کم نہو، اور پانچوان مقصد یہ ہی کہ اوسکی مدد اس طور پر کی جائے کہ وہ اپنی مصیبتون کا مقابلہ کرسکے اور اون سے عہدہ برآ ہوسکے، اور آخری مقصد یہ ہی کہ تمھاری کوششین ہمیشہ موثر اور دیرپا نتائج پیدا کرنے مین صرف ہونا چاہیئے ہین،

یہ تو ہمارے مقاصد ہین اب طریقے بھی سن لو، سب سے پہلا اور ضروری کام یہ ہی کہ ہر چھوٹی بڑی بستی مین ایک یا متعدد خیراتی انجمنین قائم ہونا چاہیئے ہین، جہان پہلے سے ایسی انجمنین کام کررہی ہین وہان صرف اتنی کوشش کرنا ہوگی کہ اون کا دائرۂ اثر زیادہ وسیع ہو، یہ انجمنین اپنے اپنے حلقہ کی خیراتی رقوم کی ذمہ وار ہون، یعنی اوس حلقہ مین جو لوگ کسی قسم کی خیرات دین وہ اوس انجمن کے دفتر مین بھیجین اور جسقدر خیرات کی جائے وہ اوسی کے ذریعہ سے ہو، اوسکے بعد جب کسی شخص کے سامنے کوئی قابل امداد آدمی آئے تو اوسکو چاہیئے کہ وہ اپنے حلقہ کی خیراتی انجمن مین اوسکو بھیجدے تاکہ انجمن کے کارکن پہلے اوس کی حاجتون کا صحیح اندازہ کرین اور پھر حسب ضرورت امداد دین،

اس طرح کی انجمنین اگر قائم ہوجائین اور فیاض اور مستعد لوگ پوری اعانت کرین تو ملک کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوسکتی ہین، ملک بھر مین اور ہر ہر بستی مین جس قدر خیراتی روپیہ صرف ہورہا ہی اگر وہ یکجا ہوجایا کرے تو اوسکی مجموعی تعداد نہایت کافی ہوگی اور بعض فیاض لوگون پر جو مزید بار اسوقت پڑتے ہین وہ اوس سے سبکدوش ہوجائین گے، اور ساتھ ہی اوسکے عمدہ اور باضابطہ انتظام کی صورت مین نہایت معقول اور کافی امداد حاجتمندونکی ہوسکتی ہی، ملک بھر مین جتنے یتیم اور مفلس لڑکے ہین اونکی امداد کی سردست کوئی صورت نہین ہی جسکا نتیجہ یہ ہی کہ قوم مین محتاجون اور بیکارون کی روز بروز کثرت ہوتی جاتی ہی لیکن

اگر اس طرح کی انجمن قائم ہو جائین تو ایسے لڑکون کے لیے صنعتی مدارس کھولے جا سکتے ہین جنکے ذریعہ سے ملکی صنعت و حرفت کو بھی فروغ ہوگا اور قوم کا ایک بڑا گروہ باکار ہو کر خوشحالی کی طرف قدم بڑہا سکتا ہی جس سے ساری قوم کا فائدہ متصور ہی،

اس صورت مین یہ ضرور ہی کہ مستعد اور محب قوم اشخاص کو تھوڑی سی ذاتی توجہ صرف کرنا ہوگی، اور یہی چیز ہی جسکی بحالت موجودہ قوم مین کمی معلوم ہوتی ہی، لیکن جس حالت تغیر و کشاکش مین ہماری قوم ہی اوس کا اندازہ کرنے کے بعد مین کچھ زیادہ شکایت اور ناامیدی کا موقع نہین رہتا، ہمین کوشش کرتے رہنا چاہیئے اور ایک وقت آئیگا کہ ہمین بہت سے مخلص قوم کے خدمت گذار بھی میسر آجائین گے ہماری اور تمام قومی تحریکات بھی نہایت اچھے پیمانہ پر کام کرنے لگین گی، (باقی آیندہ)

راقم فقیر

لیڈیز کانفرنس

اس بارہ مین ہم اپنے خیالات ظاہر کر چکے ہین، ۱۲ر جولائی کے روزانہ پیسہ اخبار مین کسی خاتون نے ایک طویل مضمون لیڈیز کانفرنس کے متعلق لکھا تھا، چونکہ اوس مضمون کے دیکھنے سے ہمین یہ معلوم ہوا کہ معزز خاتون نے لیڈیز کانفرنس کی مخالفت محض اوس تلخ تجربہ کی بنا پر کی ہی جو انجمن خاتونان ہمدرد اسلام لاہور کے چلانے مین اونکو ہوا تھا اور نیز یہ کہ وہ ابھی تک یہ نہین سمجھ سکین تھین کہ کانفرنس قائم کیسے ہوگی اور چلیگی اسلیئے ہمین ضروری معلوم ہوا کہ ہم اوس مضمون کا جواب لکھ کر شایع کرین تاکہ عام طور پر جو غلط فہمی پھیلنے کا اندیشہ تھا اوس سے یہ تحریر نقصان نہ اوٹھائے اور ساتھ ہی اوسکے پبلک کو ایک حد تک اون عملی تجاویز سے واقف ہونے کا موقع ملے جو عموماً حامیان کانفرنس کے پیش نظر ہی، ہم نے اوس مضمون مین اپنے حدود و عادت سے قدم آگے رکھکر یہ بھی لکھدیا تھا کہ جن بزرگون کو کانفرنس کے متعلق

کسی طرح کے شکوک ہون وہ ہمکو لکھین تاکہ ہم اونکی تشفی کرنیکی کوشش کرین،

تہذیب نسوان کے کئی نمبرون مین مولوی سید ممتاز علی کے قلم سے نکلے ہوئے مضامین لیڈیز کانفرنس کے عنوان پر نکلے ہین، شریف بی بی مین ہمارے کرمفرما سید محمد فاروق صاحب نے ایک مضمون لکھا ہے، اُن کے جوابات آئندہ کسی موقع پر لکھے جائین گے، سردست ہم اون خدشات کو رفع کرنا ضروری جانتے ہین جو نظم اُردو کے مسلم الثبوت اُستاد اور الناظر کے معزز قدردان و معاون جناب منشی احمد علی شوق، قدوائی نے اپنے مضمون مطبوعۂ الناظر بابت ماہ ستمبر مین ظاہر کئے ہین،

"بیگمات جو کانفرنس مین شرکت کرنے کے لئے جائین گی اون کے لئے سفر کرنا نہایت دشوار ہوگا، مصارف کی زیادتی کے لحاظ اور نیز اس خیال سے کہ بغیر محرم ساتھی کے وہ سفر نہین کرسکتین"،

مشکلات اور دشواریون کے بغیر تو کوئی قومی کام انجام پذیر ہو ہی نہین سکتا، نہین بلکہ دنیا کا کوئی کام مشکلات سے خالی نہین، جو لوگ اب ایجوکیشنل کانفرنس مین شریک ہوتے ہین یا جو مخدرات آیندہ لیڈیز کانفرنس مین شریک ہون اون کے متعلق یہ تو پہلے ہی سمجھ لینا چاہیئے کہ اونہین مصارف سفر برداشت کرنیکی قابلیت ہے اور اون کے دل فیاضی سیرچشمی اور قومی سے درد بھرے ہوئے ہین، اگر یہ نہین ہے تو ہمارے پاس ایسے ذرائع ہرگز موجود نہین ہین کہ ہم اونکو شرکت کانفرنس کے لئے مجبور کرسکین، رہا محرم کے ساتھ سفر کرنیکا مسئلہ تو ہم بصد ادب یہ دریافت کرنیکی جرأت کرینگے کہ بحالت موجودہ سفر کرنے والی خواتین مین سے فیصدی کتنی ایسی ہین جو محرم ساتھی کے ہمراہ سفر کرتی ہین، ایسی صورت مین کہ ہمارے ہان اسلامی پردہ کا رواج نہین اور محرمات کی فہرست نہایت طویل ہے، محرم کا تذکرہ کرنا عبث ہے،

اودھ کے قصبات و دیہات ہندوستان مین اسلامی شرافت کا مرکز سمجھے جاتے ہین، اور سچ یہ ہے کہ مشرقی تہذیب اور قدیم تمدن کا نمونہ مسلمانون مین اگر کہین نظر آتا ہے تو یہاں سے

دیہات وقصبات کے شریف خاندانون ہی مین لیکن یہان بھی محرمات کی فہرست شب ہجر کیطرح طولانی رکھی گئی ہی، آئے دن ہم دیکھتے ہین اور غالباً اس سے کسی کو انکار نہین ہوسکتا کہ کثرت سے سفر کرنے والی خواتین غیر محرم ساتھیون کے ہمراہ سفر کیا کرتی ہین، پس جبکہ ذاتی اغراض کے حصول کے لئے بغیر محرم کے سفر کرنا جائز سمجھا جاتا ہی تو کوئی وجہ نہین معلوم ہوتی کہ قومی اور ملکی ضروریات کے لئے ایسا سفر افضل و اولیٰ نہ سمجھا جائے، ہم تسلیم کرتے ہین کہ ہمارا یہ طرز عمل اون حضرات کے لئے جواب نہین ہوسکتا جنکے ہان پردہ شرعی کا پورا پورا اتباع کیا جاتا ہی لیکن بحالت موجودہ ہندوستان مین ایسے حضرات کی تعداد کسقدر ہی،

اسوا اسکے اگر بفرض محال ہم یہ مان لین کہ ہماری خواتین کو بغیر محرم ساتھیون کے سفر کرکے کانفرنس کی شرکت نکرنا چاہیئے تو اون مخدرات کے اجتماع مین تو کوئی ہرج نہین ہوسکتا جنکے باپ بھائی، شوہر یا بیٹے کانفرنس کی شرکت کرنے آئے ہون یا اون مستورات کی یکجائی مین تو کوئی صرفہ یا دشواری نہین جو کانفرنس کے مقام انعقاد کی رہنے والی ہون،

۲۔ "کانفرنس مین اس کا انتظام نہو سکے گا کہ کوئی غیر شریف عورت شریک نہو سکے جس سے شریف زادیون کے اخلاق اور اونکی طرز معاشرت پر برا اثر پڑنے کا اندیشہ ہو"

یہ کہنا کہ کانفرنس مین شریف زادیان اور امیرزادیان ہی شریک ہون اسلام کی ایک بڑی خصوصیت کو زائل کردینا ہی جسنے کل مومنین اخوۃً لکھکر امیر وغریب، شریف و رذیل عالم و جاہل، بادشاہ و گدا کو ایک سطح پر کردیا تھا، کیا شعار اسلام جائز رکھے گا کہ اگر کوئی بدقماش اور بدوضع شخص مسجد مین نماز پڑھنے کی غرض سے پہونچ جائے تو وہ حضرات جو نیکی اور ایمانداری کی مکمل مجسم ہونے کا دعویٰ رکھتے ہین در مسجد سے اوسکی جھلک دیکھ کر اولٹے پاؤن واپس جاتے ہین، ہمارے الفاظ کا مفہوم غلط نہ سمجھا جائے اور یہ معنی نہ لئے جائین کہ ہم نماز اور لیڈیز کانفرنس کو ایک ہی درجہ پر لانا چاہتے ہین لیکن جس دل سے ہم کانفرنس کی حمایت کررہے ہین اور اسکو قوم کے لئے ضروری جانتے ہین وہ ہمین اسبات کے باور کرنے پر مجبور کرتا ہی کہ لیڈیز کانفرنس یا

اوسی قبیل کی دوسری قومی تحریکات اوس بڑے شجر کی مختلف شاخین ہین جو نور ایمان اور قانون شریعت کے مجموعہ کی صورت مین ہمارے سرون پر سایہ فگن ہے، او احکام شرعی ہون خواہ قومی فرائض ہمارے خیال مین دونون باہمدگر چولی دامن کا ساتھ رکھتے ہین،

اس حیثیت سے گذر کر اگر عام تمدنی حالت پر نظر کیجائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ لیڈیز کانفرنس کی شرکت کرنیوالی خواتین پر کسی طرح کا شک کرنا نہ صرف ظنوا المومنین خیرا کے اصول کے خلاف ہے بلکہ اسوجہ سے نہایت نامناسب بھی ہے کہ جو بی بیان کانفرنس کی شرکت کی غرض سے دور دراز مقامات کا سفر کر کے جمع ہونگی وہ یقیناً وہی ہون گی جو قوم کا درد دلمین رکھتین ہین، قومی ضروریات کو محسوس کرتی اور قومی خدمت انجام دینا چاہتی ہون گی، ان نفوس قدسیہ کی عظمت و وقعت کرنے کے بجائے اگر ہم تفتیش و تحقیقات کا محکمہ قائم کر کے اونکی شرافت نسبی اور نجابت خاندانی وغیرہ کی جانچ شروع کرینگے تو ہوشمند اور ذی شعور اصحاب ہمارا مضحکہ اوڑائے بغیر نہین رہ سکتے اور ہم "محتسب را درون خانہ چہ کار" کے پرمعنی مثل کے پورے پورے مصداق بنین گے،

انفرادی حیثیت سے اگر قوم کے تمام ایسے ارکین کی پرائویٹ زندگی پر ہم مطلع ہون جنکے ذات سے آج ملک و قوم کو بہت فائدے پہونچ رہے ہین اور طرح طرح کی تعلیمی تمدنی اور مذہبی انسٹیٹیوشنز کے چلانے مین مدد کر رہے ہین اور اخلاقی یا مذہبی ضابطہ کی میزان پر اون کے اعمال و کردار وزن کرین تو ہمین مجبوراً اس امر کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ اون مین سے اکثر حضرات مقیاس عمل پر پورے نہین اوترتے، تو کیا اپنی کمزوریون کی بدولت یہ بزرگ اوس عزت کے مستحق نرہین گے جو اونکی خدمات قومی کی وجہ سے ہمارے دلون مین راسخ ہوجاتی ہے یا کانفرنسون اور مجلسون مین اونکو شریک نکرنا کسی حال مین مستحسن اور حق بجانب کہا جاسکتا ہے؟ یہ تلخ جملے ہین مگر حقیقت اور سچائی کی اگر کوئی وقعت اور قیمت ہے تو ان پر پورا التفات کیا جائیگا ہم ایسے حضرات کی مثالین بتا سکتے ہین جو اپنے اخلاق کی پستی کی وجہ سے بھی اوسی قدر

ممتاز ہین جتنے اپنے تبحر علمی اور خدمات قومی کے لحاظ سے لیکن اونکی پرائویٹ زندگی کے حالات پر خاک ڈالکر آج ساری قوم اونکی تعریف و توصیف کے راگ الاپ رہی ہی اور اون کے قومی خدمات کے کارنامون کی داستانین بیان کرکرکے عظمت و توقیر کا بیش قرار خراج پیش کررہی ہی اسی قدر مراعات ہم اوس فرقۂ نسوان کے برگشتہ بخت طبقہ کے لئے بہی چاہتے ہین جو باوجود شریف نہونیکے قوم کی خاطر دور دراز مقامات کا سفر کرکے معاملات قومی کے عقدہ کشائی ہین، مدد دینے کے لئے طیار ہو، اور اگر آپ اس قدر. رواداری کے متحمل نہین تو پھر ہماری ناچیز رائے مین نہ اپنے لڑکون کو اسکولون مین جانے کی اجازت دیجئے اور نہ خود کسی مجمع یا جلسہ مین شریک ہوجیے کیونکہ ہم دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتے ہین کہ استثنائی حالتون سے قطع نظر کرکے کوئی پبلک اسکول اور کوئی عام جلسہ ایسا نہین جسمین شریک ہونے والے سب کے سب شریف اور خوش اخلاق ہون،

خدانخواستہ رذالت یا بداخلاقی کے ہم وکیل نہین ہین اور اوس دن کو ملک کیلئے سب سے بہتر اور مبارک ترین جانین گے جب یہ کہا جاسکے کہ ہماری قوم کے تمام یا بیشتر واکثر افراد شرافت اور خوش اخلاقی کا نمونہ ہین لیکن جبتک. صورت حالات اسکے بالکل برعکس ہی ہم اون شریف اور نیک اطوار بھائیون سے جو قومی معاملات مین دلچسپی رکھتے ہین اونکی اون ہمشیرزادر کم مایہ بہنون کے لئے مناسب رواداری کی التجا کرینگے جنکی شرافت اور خوش اطواری کی اگرچہ تحقیق نہین کیگئی ہی لیکن جو قومی درد کیوجہ سے شرکت کانفرنس کے لئے آمادہ وطیار رہین،

اس مضمون کے خاتمہ پر موجودہ رفتار تمدن اور ملک کی حالت پر نظر کرکے انگریزی تعلیم کی حمایت مین لکھا گیا ہی کہ اگر یہی بیل ونہار رہے تو ایک دن یہ مشدنی ہی. اگر تمدنی ہی تو اوسکی تخم ریزی ہونی چاہئے ورنہ فصل بگڑ جائیگی اور بجائے پھلون کے خاک پہ نکلنی پڑیگی"۔

کیا یہی جملے لیڈیز کانفرنس کے متعلق عرض کرنیکی ہم جرأت کرسکتے ہین؟ ہاںسے

خیال مین اس سے تو انکار نہونا چاہئے خصوصاً جبکہ عورتون کی تعلیم اتنی ضروری چیز ہو کہ انگریزی پڑھانے کی صلاح دی جاتی ہو،

واقعہ یہ ہو کہ ہمارے ملک مین قدامت پرستی اور سہل انکاری کی وجہ سے تمام قومی کام ابتر و ناقص رہتے ہین قدامت پرستی کی وجہ سے یون کہ ہمین اپنی ضروریات کا احساس بہت دیر مین ہوتا ہو اور جو لوگ کسیقدر پیشتر احساس کرتے ہین اونکو سخت بے اعتنائی اور مخالفت کا سامنا ہوتا ہو اور سہل انکاری کی بنا پر اس طرح کہ جب ضروریات زمانہ محسوس کرلیجاتے ہین تب بھی حصول مدعا کی کوشش مین نہایت سستی اور لاپروائی کی جاتی ہو، چنانچہ اسی لیڈیز کانفرنس کے بارہ مین ہمین معلوم ہو کہ اس مسئلہ سے اتفاق کرنے والون بلکہ اوسکے حامیون کی تعداد اب اتنی کافی ہو کہ کارروائی شروع کیجاسکتی ہو لیکن ہر شخص بجائے خود سکوت کے عالم مین اس امر کا انتظار کر رہا ہو کہ دوسرا ابتدا کرے اور انگریزی مثل کے مطابق "بلّی کے گھنٹی باندہنے والا" نظر نہین آتا،

اے ہمدردان فرقہ نسوان اور اے حامیان لیڈیز کانفرنس! اگر آپ حقیقت مین کانفرنس کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہین اگر آپ اس بدنصیب فرقہ پر واقعی ترس کہاتے ہین، اگر آپ اپنے جسم مین ایک احساس کرنیوالا دل اور اوس دل مین ذرہ برابر بھی قوم کا درد رکھتے ہین، اگر آپ کو کسی قسم کی اعانت کرنے کی اہلیت حاصل ہو تو اوٹھئے اور اس مبارک تجویز کو عملی صورت مین لانے کے لئے اپنا دست امداد بڑھائیے، اور ہمین پوری توقع ہو کہ آپ کی ادنیٰ توجہ سے یہ گاڑی چلنے لگے گی اور خواتین ہند کی بہبودی اور فلاح کا مرکزی چشمہ آب حیات کی ساقی گری شروع کریگا، ورنہ جس قدر دیر کی جائیگی دفعتہً قیمتی وقت لوٹ کر نہ آنے والا وقت، ضایع ہوگا اور اس قومی نقصان کی ذمہ دار آپ سے وطن دوست اور محب قوم حضرات کی خاموشی اور سرد مہری ہوگی،

ایڈیٹر

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس کے برمن کی بنائی ہوئی فصلی بخار اور طحال کی دوا

دوا بمصیبت بیس برس سے ہندوستان میں استعمال کیجاتی ہے۔ اگر آپ بخار میں مبتلا ہون اور سب قسم کے علاج کرکے تھک گئے ہون تو اس مجرب دوا کو ایک مرتبہ منگا کر ضرور استعمال کیجئے۔ اس دوا مین چند فائدے لاجواب ہین۔ یہ ملیریا کے کیڑون کو مار دیتی ہے اسلیے اسکی چار پانچ خوراک پیتے ہی بخار آنا بند ہو جاتا ہے اور یہ خون کو گاڑھا کرتی اور اسکی خرابیون کو مٹاتی اور تلی کو گلا دیتی ہے

قیمت بڑی شیشی چودہ آنہ ۱۴ محصولڈاک ۶ دو شیشی تک آٹھ آنہ ۸ قیمت چھوٹی شیشی آٹھ آنہ ۸ محصولڈاک ۵ دو شیشی تک چھ آنہ ۶

جناب دہن راج گوپال بھائی ہیڈ ماسٹر مرہٹی اسکول بیلاگاؤن کالیا برار سے لکھتے ہین کہ آپکی بخار کی دوا مین اپنے دوستون اور طالب علمون کو دو برس سے دے رہا ہون بڑی خوشی کی بات ہے کہ کہین بھی یہ ناکامیاب نہین ہوئی اسکی ہی تعجب خیز صفت ہے مفصلات کی غریب آدمیون کے لیے آپنے گویا آبحیات بنایا ہے جناب پنڈت شیام لال ہیڈ ماسٹر اسکول منڈور ضلع باندہ سے لکھتے ہین۔ چار شیشی جو آپکی بھیجی ہوئی دوا آئی اس سے بہت مریض [illegible] ہوئے جناب بابو لچھمن پرشاد اسسٹنٹ ماسٹر سکندہ راؤ علی گڈہ سے لکھتے ہین کہ آپکی دوا سے بہت فائدہ ہوا جناب بلدیو پرشاد مدرس کناسی ضلع فرخ آباد سے لکھتے ہین دو شیشی تاپ تلی کی آپکے یہان سے منگوائی تھین اس سے دونون مریض اچھے ہو گئے جو قریب مرگ تھے۔ دوا سے جان بچ گئی آپکو مریض دعا دیتے ہین۔ جناب شیودت پرشاد ہیڈ ماسٹر اسکول ہردی نگر سے لکھتے ہین بخار جاڑے کی دوا جو مین نے منگوائی اپنے مریض کو جو تین تین مہینے سے مبتلا تھے۔ دو تین خوراک دوا کھانے سے فائدہ نظر آیا اور سات خوراک مین مریض مرض سے نجات پا گئے۔ اسمین شک نہین کہ یہ دوا بخار کے دفع کرنے مین قابل تعریف ہے۔ آپ ایسی نیکی کرنے والے کا ازبسکہ شکر گزار ہون جناب کالی رام نند برہمن بھرون ضلع مندسور سے لکھتے ہین آپنے جو فصلی بخار کی دوا بھیجی بہت فائدہ مند ہے۔ ہم کہان تک تعریف کرین جناب رام پرشاد انسپکٹر آفس مرزا پور سے لکھتے ہین مین آپکا ازبسکہ شکر ادا کرتا ہون کہ میرا دو سال کا چوتھیا بخار تھا وہ صرف دو دیوم مین جاتا رہا۔

المشتہر

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ - ۶ تاراچند راسٹریٹ کلکتہ

فیض رسان ابنی الناظر پریس مین منشی سخاوت علی نے چھپوا کر شایع کیا

جامے است جہان نمائے ہر صفحہ درین

۱۳۲۷ھ

النّاظر

فلسفی ۔ تاریخی ۔ تمدنی ۔ اخلاقی ۔ معاشرتی ۔ ادبی ۔ مضامین کا

(ماہوار رسالہ)

نمبر ۲   یکم فروری سنہ ۱۹۱۱ع   جلد ۴

الناظر پریس متصل پل آہنی مین طبع ہوکر
دفتر رسالہ النّاظر فلاور ملز لکھنؤ سے شائع ہوا
[illegible]

یہ سب دوائین حکیم ... کے مجربات سے ہین

دواخانہ مجربات جڑی بوٹی لکھنؤ

کی

ادویہ اپنے سریع الاثر اور کثیر المنفعت ہونیکی وجہ سے ہر حصۂ ملک مین مشہور ہین

عرق ممیرہ - امراض چشم کے واسطے اکسیر الخاصیت - مانع نزول ماء - جاذب رطوبات جالی - مقوی بصر - ہر طرح کی شکایات متعلقہ بصارت کا قطعی علاج اور ہر عمر کے آدمی کو یکسان مفید ہی - حالت صحت مین بھی اسکا استعمال بیحد فائدہ دیتا ہی - قیمت فی تولہ عمار

سفوف سامری - مقوی معدہ و اعصاب و دماغ و مولد خون صالح ہی - مثانہ اور گردہ کی بیماریون مین مفید ثابت ہوا ہے اور سرفہ کہنہ ضیق النفس اور اختلاج قلب کا دافع (خوراک ۲ رتی سے ۲ ماشہ تک) قیمت فی تولہ للعہ

حبوب بخار - تپ فصلی کے واسطے اکسیر کا کام کرتی ہین - بخار کی حالت مین بھی استعمال ہوسکتی ہین (خوراک ایک گولی) فی ڈبیہ جسمین ۱۲ گولیان ہوتی ہین ۴ر ۳۰ گولیان ۸ر

حبوب تپ کہنہ و سرفہ کہنہ - یہ ایک نہایت بیمثل چیز ہے - مگر اسکے استعمال کیوقت سخت پرہیز کی ضرورت ہے کیسی ہی عرصہ تپ ہو گیارہ دن مین اکسیر کا کام کرتی ہے اور ایک عجیب قوت پیدا کر دیتی ہے (خوراک ایک گولی) گیارہ گولیان ایک ڈبیہ مین فی ڈبیہ عہ

حبوب نادرہ - بواسیر کو مفید - دافع قبض - مصفی خون - اخلاط فاسد کی دافع چندروز کے استعمال سے بہت فائدہ ہوسکتا ہی - پیچم صاحب کی گولیان اور اس قسم کی سب ادویات کو مات کرتی ہی (ایک گولی سے پانچ گولی تک خوراک ہی) فی ڈبیہ ۳۲ گیولیان قیمت عمر

روغن حیات نادر الوجود چیز ہی - دافع قبض - مفرح - مقوی معدہ

مقوی گردہ و مثانہ۔ مقوی اعصاب۔ مقوی دماغ۔ مولد خون صالح
مقوی جگر۔ دافع سلسل بول۔ عام طور پر تمام اعضاے رئیسہ کو تقویت دیتا ہے
۲ قطرہ سے ۴ ماشہ تک انتہاے مقدار ہے قیمت فی تولہ صہ/

روغن بواسیر۔ بواسیر خونی و بادی دونون کے حق مین اکسیر۔ مسے پھولے ہوے ہون لگاتے ہی فوراً مرجھا جائین گے اور مرض دفع ہو جاے گا
قیمت فی تولہ عہ/

روغن دافع امراض گوش ایک قطرہ ڈالنا چاہیے۔ کان کے تمام امراض دانہ اور درد کے واسطے نہایت مفید ہے۔ اکسیر کی خاصیت رکھتا ہے
قیمت ایک تولہ عہ/ دو تولہ عہ/ تین تولہ عہ/ پانچ تولہ سے/

ان چند ادویات کے علاوہ کارخانہ مین صدہا قسم کے اعلی سے اعلی مجربات تیار رہتے ہین۔ اور چونکہ اکثر ادویہ مریض کی حالت پر لحاظ کر کے تجویز کی جاتی ہین۔ لہذا جو صاحب خط و کتابت کے ذریعہ سے اپنے مفصل حالات سے مطلع فرمائین گے مرض اُنکا چاہیے کیسا ہی سخت اور کٹھن کیون نہ ہو ہم دعوے کے ساتھ اُن کو اپنے مجربات سے فائدہ پہونچانیکے واسطے تیار ہین۔ نمونہ کے طور پر معمولاً جملہ ادویہ صرف ار ٹکٹ آنے پر روانہ کی جاسکتی ہین۔

ترکیب استعمال و پرہیز ہر دوا کے ہمراہ روانہ ہوگی محصول ڈاک و وی پی ہر صورت مین ذمہ خریدار رہے گا۔

پروپرائٹر جناب منشی محمد احتشام علی صاحب رئیس و مالک کارخانہ آمیس فلاور اینڈ آئیل ملز لکھنؤ۔

جملہ فرمایشات۔ منیجر دواخانہ مجربات جڑی بوٹی۔ لکھنؤ کے پتہ سے آنا چاہئین

فہرست مضامین

الناظر

نمبر ۲ جلد ۴ یکم فروری ۱۹۱۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہز ہائنس سر آغا خان اور محمڈن یونیورسٹی

ذیل کے قطعۂ فارسی مین ناظم باکمال وادیب بیمثال جناب خواجہ عزیز الدین صاحب عزیز مدظلہٗ نے (جنکی مُسلم الثبوت اُستادانہ سخنوری و قادر الکلامی پر ہماری لکھنو کو ناز ہے) اپنے سچے اسلامی خلوص اور قومی ہمدردی کے کیفیات کو ظاہر کیا ہے نواب وقار الملک کی صر ہمت فرمانے اور ہز ہائنس سر آغا خان بہادر بالقابہ کے ایکلاکھ روپیے کے گران قدر عطیہ کے وعدے کے ساتھ (ملک معظم کے ہندوستان مین تاج پوشی کی یادگار مین) اسی سال کے اندر محمڈن یونیورسٹی کے معرض خیال سے عالم امکان مین آنے کے بدیہی علامات کے ہویدا ہونے سے جناب عزیز کے شاعرانہ جذبات کو دفعتاً جو حرکت پیدا ہوئی ہے وہ اس قطعہ سے بخوبی پائی جاتی ہے

ایڈیٹر

قطعۂ فارسی خواجہ عزیز الدین عزیز

بنامیزد درین عہد ہمایون — کہ باشد دین و دولت روز افزون
فلک را گرچراغان از نجوم است — جہان روشن ز انوار علوم است
ز شان عہد ہای طالب قلم کن — نواے علم در عالم علم کن
علی گڑھ را بگو بر خویش مے بال — کہ یونیورسٹی خواہد شد امسال
شود ماہ درخشان مہر تابان — کند روشن سواد ہر دبستان
وقار الملک افزود اقتدارش — باین وقر و وقار ست افتخارش
بصحت باد یا رب او ہم آغوش — کہ کس نتوان گرفت این بار بر دوش
سر آغا خان ہز ہائنس ذو القدر — کہ گیتی را ہم او صدر است و ہم بدر
ز فیض او علی گڑھ علم گر شد — محک بہر عیار سیم و زر شد
کمر بست و دری از فیض بکشاد — تو گوئی خشت این بنیاد بنہاد
ز جیب خاص خود بخشید یک لک — نزد یک مے تواند داد ہر یک
ز ہر خرمن ستاند دانۂ چند — ز ہر میخانہ پیمانۂ چند
کند ہر گلشنی گلدستہ پیشش — دہد ہر نخل خرما خستۂ خویش
امانت از گدا تا شاہ باید — ضیا بخشش از سہا تا ماہ شاید
اگر مینا ے آغا خان فرستد — گہر ہر بحر و زر ہر کان فرستد
توان گفتن بقوم اکملت الیوم — گر بیدار گردد قوم از نوم

ہز ہائنس سر سلطان محمد خان شاہ آغا خان

اور

مجوزہ یونیورسٹی مسلمانان ہند

سیرای دل اِ گلشنِ جاوید کی ہونے کو ہے
رونمائی شاہدِ امید کی ہونے کو ہے

خندہ زن ہی مہر گردون پر چراغ اسلام کا
بادۂ اطہر سے ہی لبریز ایاغ اسلام کا

پھر نسیم علم سوئے لالہ زار آنے کو ہی
گلشنِ اسلام مین تازہ بہار آنے کو ہی

شامِ غم کچھ جا چکی ہی، جا رہی ہی، جائیگی
صبحِ عشرت کوئی دم مین مسکراتی آئیگی

ہوگا روشن علم و فن سے آفتاب اسلام کا
چھوٹ جائیگا گہن سے آفتاب اسلام کا

پھر عروجِ قوم کے سامان بدست آنیکو ہین
تشنگانِ خستہ دل سیراب ہو جانیکو ہین

خضرِ رہ کو پا لیا اوسکے سہارے آرہے
پھر پھرا کے آب حیوان کے کنارے آرہے

دردمندِ قوم آغا خان فخرِ روزگار
جسکا دم ہی گلشنِ اسلام کی صبح بہار

کیا مسلمانون کی ہمدردی کا دم بھرتے ہین آپ
ناخدائی کشتیٔ اسلام کی کرتے ہین آپ

ہر رگ و پے مین بھری ہمدردیٔ اسلام ہے
خدمتِ قومی سمجھتے ہین کہ اپنا کام ہی

سچ تو یہ ہی بے سہارون کا سہارا آپ ہین
ہم مسلمانون کی قسمت کا ستارا آپ ہین

قوم کے خادم بھی ہین مخدوم بھی سرتاج بھی
کشورِ دلہائے عالم پر ہین کرتے راج بھی

ہوگا یونیورسٹی کالج علیگڈھ کا ضرور
ایک لاکھ آمادہ ہین دینے کو چندہ خود حضور

آپ یاور ہین تو بے کھٹکے نکلجائیگا کام
قوم کا کالج بنے گا ایک دن دار السلام

آفتابِ فیض جسمین جلوہ گر ہو جائے گا — علم سے روشن مسلمانون کا گھر ہو جائیگا
سامنے آجائیگا علم و ہنر کا آفتاب — تیرگی جہل کا اُٹھ جائے گا آخر حجاب
گر اجازت ہو تو آنکھون سے لگا لے سنگِ در — خادم مدحت سرا آشفتہ دل آشفتہ سر
آپ پر روشن ہی وہ تشش خان حیرانی مین ہی — عالم آئینہ قلب پاک سلطانی مین ہے
بادۂ شوقِ قدمبوسی سے بیحد چور ہی — دل سے ہی نزدیک ظاہر مین جگر کچھ دور ہی

دعاگو احقر محمد افتخار علی جگر

علمی چیلنج

ذیل کی چند منطقی شکلین جو خاکسار نے ثبوتِ واجب الوجود ثبوتِ روح اور بقائے روح وغیرہ وغیرہ پر ترتیب دی ہین اس غرض سے نذر ناظرین کرتا ہون کہ اگر صاحب تنقید الکلام یا جنابِ شوق صاحبِ محاکمہ مندرجۂ رسالہ الناظر بابتہ نومبر ۱۹۱۰ء انمین سے کسی کی تردید یا تغلیط فرما سکین تو خاکسار تنقید اور محاکمہ کو معقول اور اپنی تردید نمبر ا و ۲ و ۳ و ۴ مندرجۂ رسالہ ہاے الناظر سنہ ۱۹۱۰ء کو پایۂ فن سے گرا ہوا اور غیر قابل توجہ اربابِ بصیرت سمجھے گا اور اپنی ہیچ میرزی کا اعلان کر دے گا اس چیلنج کو ذاتیات سے کوئی علاقہ نہین صاحب تنقید نے چونکہ تنقید الکلام کے حدود سے گذر کر اسلام کے عقائد حقہ پر معاذ اللہ حملے کرنا شیوہ کر لیا ہی جس سے اکثر ناظرین مغالطہ مین پڑ سکتے اسلیے ہر مسلمان پر واجب ہی کہ براہین قاطعہ سے اُسکی تنقیص کرنے تا سیہ روے شود ہر کہ درو غش باشد، واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

وہو ہذا

ا- وجود واجب الوجود کا ثبوت،

۱. روح کے وجود کا ثبوت،
۲. روح کی ماہیت کا جاننا فطرت انسانی سے خارج ہو،
۴. روح کی بقا کا ثبوت،
۵. روح کے مادی یا غیر مادی ہونے کا تصفیہ،
اول واجب الوجود کا ثبوت، } منطقی شکال سے

شکل اول

(۱) ہر چیز مرتب، مستمر النظام ہے اور اس ترتیب اور نظام سے ارادہ کئے ہوئے نتائج پیدا ہوتے ہیں، وہ کسی صاحب ارادہ کی پیدا کی ہوئی چیز ہے،
(۲) عالم مرتب، مستمر النظام ہے اور اس ترتیب اور نظام سے جو اس میں ہے ارادہ کئے ہوئے نتائج پیدا ہوتے ہیں،
(۳) اسلئے عالم کسی صاحب ارادہ کا پیدا کیا ہوا ہے،

شکل دوم

(۱) ارادہ صفت ذی حیات ہے،
(۲) عالم کسی صاحب ارادہ کا پیدا کیا ہوا ہے،
(۳) اسلئے عالم کا پیدا کرنے والا ذی حیات ہے مردہ نہیں ہے،

شکل سوم

(۱) عالم کا پیدا کرنے والا ذی حیات اور صاحب ارادہ ہے، دیکھو شکل اول و دوم کے نتائج
(۲) مادہ ذی حیات نہیں ہے نہ صاحب ارادہ،
(۳) اسلئے مادہ عالم کا پیدا کرنے والا نہیں ہے،

۲ روح کے وجود کا ثبوت

(۱) جو اثر عناصر کی ترکیب کیمیاوی سے پیدا ہوتا ہی وہ اُس وجود کے لیے امر طبعی ہوتا ہی

(۲) جب تک وہ ترکیب عناصر اُس وجود مین باقی رہتی ہی وہی اثر پیدا ہوتا رہتا ہی
اور اُس اثر کا نہ پیدا ہوتے رہنا محال ہی-

(۳) اسلیے اس وجود کے اختیار مین یہ امر نہین ہی کہ جبتک وہ ترکیب عناصر
اُس وجود مین باقی رہے اُس اثر کو کبھی ظاہر ہونے دے اور کبھی ظاہر
ہونے نہ دے۔

مثال شکل اوّل

(۱) مقناطیس مین ترکیب کیمیاوی عناصر ہی جذب آہن کا اثر پیدا ہوا ہی یہ اثر
مقناطیس کا طبعی امر ہی-

(۲) جب تک مقناطیس مین عناصر کی یہ ترکیب کیمیاوی باقی رہیگی یہ اثر جذب آہن
کا پیدا ہوتا رہیگا اور اس اثر کا پیدا نہ ہوتے رہنا محال ہی-

(۳) اسلیے مقناطیس کے وجود کے اختیار مین یہ امر نہین ہی کہ جب تک عناصر کی وہ
کیمیاوی ترکیب اُسمین باقی رہے اس اثر جذب آہن کو کبھی ظاہر ہونے دے
اور کبھی ظاہر ہونے ندے-

مثال شکل دوم

(۱) حیوان مین ارادہ اور اختیار ہی کہ جس کام کو چاہے کرے چاہے نکرے-

(۲) کیمیاوی ترکیب عناصر سے جو اثر پیدا ہوتا ہی اس وجود کے اختیار مین یہ نہین ہوتا
کہ کبھی اس اثر کو ظاہر ہونے دے اور کبھی ظاہر نہ ہونے دے (دیکھو شکل اوّل کا نتیجہ)

(۳) اسلیئے حیوان مین جو ارادہ اور اختیار ہی وہ کیمیاوی ترکیب عناصر کا نتیجہ نہین ہوسکتا کیونکہ اگر اُسکا نتیجہ ہوتا تو لازم آتا ہی کہ کیمیاوی ترکیب مین یہ اختیار بھی ہو کہ کبھی وہ اُس نتیجہ کو ظاہر ہونے دے اور کبھی اُس نتیجہ کو ظاہر ہونے نہ دے جو محال ہی (دیکھو شکل اول کا نتیجہ)

مثال ۲ شکل دوم

(۱) زید عمرو کے مارنے کو لٹھ اُٹھاتا ہی اور پھر اُسیوقت بلا کسی خارجی اثر کے اُس لٹھ کو رکھدیتا ہی اور عمرو کا مارنا ترک کردیتا ہی۔

(۲) زید کا لٹھ اُٹھانا عمرو کے مارنے کے لیے اور پھر اُسیوقت لٹھ کا رکھدینا ترک ارادہ سے یہ دو متضاد افعال زید کے اختیار سے ہین۔

(۳) اسلیئے زید کے ہر دو متضاد افعال عناصر کی کسی ترکیب کیمیاوی کا اثر نہین ہین کیونکہ اگر اس ترکیب کا یہ اثر ہوگا تو لازم آتا ہی کہ اُس ترکیب کو اس امر کا اختیار ہو کہ کبھی اپنے اثر کو ظاہر ہونے دے اور کبھی اس اثر کو ظاہر نہ ہونے دے لیکن یہ محال ہی (دیکھو شکل اوّل کا نتیجہ)

مثال (۱) شکل سوم

(۱) حیوان مین بعض افعال، دوست دشمن کا تمیز کرنا، اشیاء کی شناخت خیال وغیرہ یعنی تعقل موجود ہی۔

(۲) عناصر کی کسی ترکیب کیمیاوی کا اُصول ابتک اس بات پر قائم نہین ہوا کہ یہ تعقل عناصر کی کسی ترکیب کیمیاوی کا نتیجہ ہی۔

(۳) اسلیے لازمی طور پر حیوان مین کوئی ایسی شی موجود ہی جو ان نتائج یعنی تعقل کا باعث

ہی اور جو کچھ وہ شئی ہو وہی روح ہی،

مثال (۱) شکل سوم

(۱) حیوان کی آنکھ کے سامنے شعاع مین جو چیزین ہون اُنکے عکس کا طبقات چشم پر منقش ہونا عناصر کی کیمیاوی ترکیب اور طبقات کا اثر ہی،

(۲) لیکن ان اشیا کی شناخت۔ دوست و دشمن مین تمیز۔ ان اشیا کا بھلا برا لگنا عناصر کی ترکیب کیمیاوی کا کوئی اصول اسپر دال نہین ہی،

(۳) اسلیئے لازمی طور پر یقین کیا جاتا ہی کہ حیوان مین کوئی اور شئی موجود ہی جو ان نتائج کا باعث ہی اور جو کچھ وہ شئی ہو وہی روح ہی،

(۴) روح کی ماہیت کا جاننا فطرتِ انسانی سے خارج ہی،

شکل چہارم

(۱) فطرتِ انسانی کسی چیز کی موجودگی کو ثابت کر سکتی ہی؛

(۲) لیکن کسی شئی کی ماہیت کا جاننا خواہ وہ چیز کیسی ہی عام ہو انسانی فطرت سے خارج ہی،

(۳) اسلیئے فطرت انسانی نے حیوان مین روح کی موجودگی تو ثابت کر دی لیکن روح کی ماہیت کا جاننا اسکی فطرت سے خارج ہی۔

(۴) روح کی بقا کا ثبوت.

شکل پنجم

(۱) حیوان مین ہمکو روح کا وجود ثابت ہوا ہی (دیکھو شکل سوم کا نتیجہ)

(۲) لیکن کسی اور وجود کا ثبوت نہین ہوا جسکے ساتھ روح اسطرح سے وابستہ ہو کہ اگر وہ نہو تو روح بھی نہو،

(۳) اسلیے روح جوہر قایم بالذات ہی

شکل ششم

(۱) ہمارا تجربہ اور مشاہدہ ہو کہ کوئی جوہر قایم بالذات کبھی فنا نہین ہوتا

(۲) روح جوہر قایم بالذات ہی (دیکھو شکل پنجم کا نتیجہ)

(۳) اسلیے روح کبھی فنا نہین ہوگی

(۵) روح مادی ہی یا غیر مادی

جس قدر اقسام مادہ کے ہمکو معلوم ہین روح ان اقسام مادہ سے نہین ہی لیکن اگر روح کسی ایسی قسم کے مادہ سے ہو جو ہمکو معلوم نہین ہی تو اُسکا مادی ہونا اسلام کے کسی مسئلہ کی صداقت پر حرف نہین لاتا

راقم عطا محمد امرتسری

مناظرۂ دلچسپ

اخلاق و عشق دونون ہین ننگ شاعری کے
دونون مین بحث ہی یہ ہی کون کس سے بہتر

گستاخ ایک انمین اور دوسرا مہذب
اک رند نوجوان اک پیر خجستہ منظر

ہی ایک سوز دل سے مانند شعلہ سرکش
اور اک سر تواضع رکھے ہوئے زمین پر

دونون کو ہی یہی کد دونون کو ہی یہ کاوش
ثابت ہون خلق مین ہم اک دوسرے سے بہتر

بولا یہ عشق آخر سُن اہی وفا کے پُتلے
دل کونسا ہی ایسا جسمین نہین مرا گھر

عابد ہو یا کہ زاہد راہب ہو یا کہ تائب
ہر ایک پوجتا ہی میرے ہی در کا پتھر

اقلیم پر دلون کے مین حکمران رہونگا
بندہ مرا رہیگا سلطان ہو یا گدا اگر

مین جس طرح کہونگا کرنا پڑیگا ویسا
درویش بے نوا ہو یا کوئی صاحب زر

مین جس کلام مین هون رنگین و دلنشین ہے — گلدستۂ سخن مین میرے هین سب گل تر
عشاق ہی نہین هین میرے ثناگر و نہین — میرا ہی تذکرہ ہی معشوقون کی زبان پر
لکھتے هین ورد میرا عشاق دل مین اپنے — پڑھتے هین میرا کلمہ معشوق ماہ پیکر
یہ عندلیب خوشگو کرتی ہی مدح کسکی — کیون محو ہو رہی ہی سنئے تو کان دھرکر
گر میرے تذکرہ مین لذت نہین ہی حاصل — کیون زہر عشق آخر پڑھتے هین لوگ گھرگھر
اس ملک عاشقی کے سلطان بنے ہوئے هین — فرہاد و قیس و وامق میرا ہی جام پیکر
خوبی کلام مین ہی میرے سبب سے ورنہ — بڑھیون کی سی نصیحت بے لطف ہی سراسر
نظمین ہزارہا هین ضمین مری صفت ہی — دیوان بھرے ہوئے هین میری ثنا مین یکسر
سب شاعران نامی رنگین بیان و خوشگو — میرے ہی مدح خوان تھے اور لکھ گئے هین دفتر
اخلاق نے کہا تب سن مجھسے وصف اپنا — او ہیچیا او نادان او کافر و فسون گر
آوارہ ہو گئے هین تیرے سبب سے لاکھون — تاراج ہو گئے هین اکثر بھرے پرے گھر
پی پی کے خون جگر کا عشاق مر گئے هین — کھا کھا کے زہر سوئے معشوق ماہ پیکر
دیکھا بھی گر کسی نے صبح قضا کو دیکھا — کاٹی بھی رات ساری تو کروٹین بدلکر
کیسے جوان رعنا جو تھے جہان مین یکتا — دنیا سے اٹھ گئے هین مردے کی شکل بنکر
میرا تو اس جہان مین برباد کن ہی تو ہی — قابو مین دل نہ رکھا تیرا چلا جو منتر
بولا یہ عشق سنکر او ستادہا تھہ لانا — لو تمنے اب تو مانا کیسا ہون مین فسونگر
بولا یہ خلق ہنسکر او سادہ لوح جاہل — ہی تجھکو فخر اسپر جو عیب ہی سراسر

ابلیس کی طرح سے پھندے مین گر پھنسا یا
نازان ہی سہ نادان لاحول پڑھ حذر کر

تیرے مقابلہ مین تو کیا ٹھہر سکیگا
تجھ مین بناوٹین ہین مجھ مین ہی رنگ نیچر

تو کاروان ظلمت مین منزل ہدایت
تو غول مین خضر ہون تو راہزن مین رہبر

مین بد کو نیک کر دون تو نیک کو کرے بد
مین ہون سبیل عرفان تو راہ فتنہ و شر

میرے ہی دم سے ساری خوبی کلام مین ہے
ہی لفظ لفظ میرا تیغ بیان کا جوہر

ابتر پڑے ہوئے تھے اوراق نظم سارے
شیرازۂ سخن کو باندھا ہے مین نے آکر

میرا لوائے شاہی قایم سدا رہیگا
ہو آسمان کو گردش یا ہو زمین کو چکر

لیٹی ہوئی ہے دولت میرے قدم سے بیشک
پیرو رہے جو میرا بے زر بھی ہو تونگر

اس بحر شاعری مین طوفان بپا ہوا تھا
کشتیٔ نظم کا مین آخر بنا ہون لنگر

ہون رہبر عشق مین بھی تو غور کر جو نادان
چمکا دیا ہی تجھکو منظر مرا دکھا کر

بس رنگ شاعری مین شامل مجھے کیا ہی
وہ نظم ہو گئی ہے سرمایۂ سخنور

یورپ کے شاعرون نے کی میری قدردانی
ملٹن ہون یا ٹنیسن ورجل ہون یا کہ ہومر

سودا و میر و غالب، ناسخ، اسیر، آتش
اور مصحفی و قائم سب ہین مرے ثنا گر

صائب ہون یا کہ سعدی حافظ ہون یا کہ عرفی
فردوسی اور جامی خاقانی اور سنجر

ہر اک ہی مجھپہ مائل ہر اک ہی میرا طالب
ہر اک ہی میرا خواہان ان سبکا ہون مین یاور

راقم مرزا محمد بہادر یاور خیرآبادی ؞

اُردو کا علم ادب

لفظ "ادب" اپنے کثیر معانی کے لحاظ سے عربی زبان مین بہت سے علوم پر حاوی ہے لیکن روزمرہ کے بول چال مین اسکا مفہوم نثر اور نظم ہی تک رواج پا گیا، گویا ایک وسیع احاطہ گرا کر تنگ صحن کے گرد دیوارین کھینچی گئی ہین، یہان مین اُس صحن کو اور بھی گھٹا کے صرف قلم کا میدان بنائے دیتا ہون، یعنی اسوقت جو کچھ مجھے لکھنا ہے یہ صرف اُردو کے علم ادب تک محدود ہوگا۔

انگریزی علم ادب کے پھیلنے سے پہلے اُردو کے خزانے مین کچھ ایسے ہی سکے تھے جو آجکل کھوٹے سمجھے جاتے ہین، یا تو وہ نثر کے اعتبار سے فسانۂ عجائب اور سروش سخن وغیرہ کی شکلون مین ڈھلے ہوے تھے، یا نظم کے اعتبار سے دیوانون، مثنویون اور واسوختون کی شکلون مین، یہ سوال کہ ایک مدت تک اُردو اسقدر تنگ حلقے مین کیون سمٹی رہی، صرف اسیقدر جواب کا محتاج ہے کہ اُس زمانے کا مذاق ہی ایسا تھا، جو شاعرانہ خیالات کو اپنی بغل مین دبائے ہوے فطرت یا اور بہ کارآمد نظمون کے میدانون کی جانب بڑھنے ہی نہین دیتا تھا، شاعری کی تمام اُمنگین عشق اور حُسن کی جھوٹی تعریفون ہی تک رہجاتی تھین، اور اُنکے اثر سے جو حالتین عاشق اور معشوق کی دکھائی جاتی تھین، وہ اکثر غلط اور فطرت کی سچی حالتون سے دور ہوتی تھین، زلف کو سانپ، آنکھ کو نرگس، کمر اور دہن کو ندارد، قد کو گھٹا کے بوٹا اور بڑھا کے سرو یا تاڑ کہدینا گویا شاعری کے کمال کا ایک بلند درجہ تھا، اکثر مضامین حیات و ممات کے ایسے ہی نظر آئینگے جنکو واقفیت سے کچھ لگاؤ نہین، زندہ ہین مگر مرگئے، مرگئے مگر بول رہے ہین، خدا سے بے ادبی، پیمبرون سے گستاخی، شیخ، زاہد اور واعظ پر بدزبانیون کی بوچھار، تہذیب کے خلاف اعضا اور حرکات

پر کھلم کھلا گفتگو مین' یا اور مثل انکے اور بہت سے مضامین ایسے ہی ملینگے' جنسے سوا اسکے اور کوئی نتیجہ نہین نکل سکتا تھا' کہ نوخیز دن کی طبیعتون مین برائیون کا رنگ بھرین' مردون اور عورتون کے دلون مین بداخلاقی کے ولولے پیدا کرین' اور اُردو کے کتبخانون میں طلماری کے انبار لگائین' ایسا خراب مذاق کچھ اسقدر غالب آگیا تھا کہ اُسنے نہ تو عشق اور حسن کے سچے جذبات کو اُردو کی سرزمین پر قدم رکھنے دیا' نہ فطرت کی کارسائیون کے چہرون کو خیالات کی آنکھین دیکھنے پائین۔

نثر اگر نثر' اور نظم اگر نظم ہی' تو بیشک دلفریب چیز ہی' آج نثر اور نظم نے اپنا مذاق بدل کے جو رنگ اختیار کیا ہی' یہ ضرور آنکھون مین کھپتا جاتا ہی' لیکن ستم یہ ہی کہ ایک دو نئے خوش رنگ لباس سے اسکو سنوارتے ہین' تو ہزارون پُرانے میلے لباس اسکی صورت کو بگاڑتے ہین' برسات مین حشرالارض کی بھی اتنی کثرت شاید نہوتی جتنی آجکل شاعرون کی ہی' غزل سرائی کا میدان اسقدر وسیع ہوگیا ہی کہ جسنے تک ملائی وہ شاعر بنگیا' نہ الفاظ کی صحت سے غرض نہ قافیے اور ردیف سے مطلب' ہزارہا اشعار مین سے دو چار بھی پُراثر اور دلچسپ نظر نہین آتے' وہی زلف و کمر کے مضامین اُلٹ پلٹ کے لائے جاتے ہین' جنکو دیکھتے دیکھتے جی اُکتا گیا ہی' نہ جدت' نہ جذبات فطرت' آخر سالہا سال کوئی ایک آموختہ کہان تک سنتا رہے' ستم پر ستم یہ ہی کہ تہذیب کا زمانہ لیکن خلاف تہذیب مضامین اور الفاظ سے آج بھی اشعار نہین بچائے جاتے' مگر یہ یاد رہے کہ پُرانے سکّے منسوخ ہو رہے ہین' اب وہ چلینگے تو سب کے ساتھ۔

مین اس بات کو تسلیم کرتا ہون کہ طبیعت کی موزونی فطری ہی' عبدالواسع جبلی غرجستانی ایک نادان لڑکا تھا جو اونٹ چرا رہا تھا' وہ اپنی دُھن مین "اشتر صراحی گردنا' پنبہ تو خواہی خُکدنا"

اس قسم کے موزون الفاظ بک رہا تھا، اتفاق سے بادشاہِ وقت کا گذر ہوا، سُنکے اور فطری موزون طبع پاکے اُسکو اُسکے باپ سے مانگ لیا، تعلیم اور تربیت سے وہ ایسا زبردست شاعر اور قصیدہ گو ہوا جسکی تقلید اُسکے خاص رنگ مین کسی سے نہ ہو سکی، اس قصے سے میرا مطلب یہ ہی کہ موزونی فطرتی ہی لیکن صحت اور کمال کسبی، سب ہنر کے طریقے مختلف ہین، کسی طریقے سے اکتساب ہو، لیکن اگر علم کو علم اور فن کو فن بنانا ہی تو بغیر کسب کے ممکن نہین، خود رو شاعر کی وہی حالت ہوگی جو خود رو درخت کی ہوتی ہی، جو کج پیدا ہو، اور تربیت کے نہونے سے ہمیشہ کج رہے۔

انگریزی مذاق نہ بڑھے یہ ممکن نہین، یہ ایسا پُر زور دریا ہی، جو سیلاب سے اپنے راستے کے خس و خاشاک کو بہاتے جائیگا، اور کسی کے روکے نہ رُکیگا، خس و خاشاک سے میرا مطلب اُن ایشیائی مذاقون سے ہی، جنکو تعلیم یافتہ اور مہذب طبیعتین ناپسند کر چلی ہین، انگریزی علم ادب فطری کششون سے دلون کو بھی کھینچتا ہی، اور اکثر بہ کار آمد بھی ہی، یہ وجوہ بھی ہین کہ وہ دلچسپ ہو رہا ہی، انگریزی کی تعلیم رزق کا ذریعہ بنگئی ہی، اگر ممکن ہو تو بچے کے پیدا ہوتے ہی اُسکی گھُٹی مین انگریزی ڈالی جاے، ایسی حالت مین یہ مشکل ہی کہ علماً تو لوگ یورپ کا مذاق حاصل کرین، اور عملاً ایشیا کا مذاق اختیار کرین، جسکی شاعری زیادہ تر ایسے خیالات سے بھری ہوئی ہی جنکو نہ عقل قبول کرتی ہی، نہ تہذیب پسند کرتی ہی۔

مہمل غزلون کا طوفان جیسا آج برپا ہی، ایسا تو پچھلے زمانے مین بھی شاید نہ ہوا ہو، بات یہ ہی کہ پریس کی کثرت، گلدستون، اور رسالون مین مفت چھپنے کا سامان موجود، تشہیر مین آسانی، اب بھی اگر شاعری نہ پھیلے تو اُسکی کم بختی ہی، غزلون کا کیا حال ہی؟ اس سوال کا جواب مین دیتا تو ہون، لیکن غزل گو طبقہ بُرا مان کے مجھے اُلٹی سیدھی سناوے، تو کچھ

تعجب نہین، مین خوشی سے اُسکی سُننے کو تیار رہون، مگر وہ میری سُن لے، آجکل کی غزلون کے اشعار گندے تالاب کی مچھلیون سے مشابہ ہین، جنھین دیکھ کے جی متلائے، ہر کلیئے کے لیے استثنا لازمی ہی لہٰذا

(۱) انگریزی مین جو نثر کی کتابین یا نظمین تہذیب کے خلاف ہین، وہ اخلاقی اوصاف کی فہرست سے کاٹ دیجائین۔

(۲) اُردو مین جو کتابین اور نظمین، تاریخی، اخلاقی، نیز اور مختلف علمی مذاقون کے ساتھ داخل ہو چکین، یا داخل ہو رہی ہین، وہ خوبیونکی فہرست مین درج کرلیجائین

(۳) بہ کارآمد اور فطری ادا اُن کو دیکھیئے، نظیر اکبرآبادی، میرانیس، مرزا دبیر، اور اُنکے پیرون کی نظمین، بے شبہ، سُنہرے حرفون سے لکھنے کے قابل ہین،

اور نئے مذاق کو لیلیے جو رنگ غزلون کا پنڈت بشن نرائن در، اور پنڈت برج نرائن چکبست نے اختیار کیا ہی اُسکے لحاظ سے اختیار کرنے والے بڑی عزت کے مستحق اور اُنکی غزلین بہت قدر کے قابل ہین، ان دونون نے تغزل کے جسم سے بداخلاقی اور بے تہذیبی کا بدنما لباس اُتار کے اُسکو شائستگی کا بیا خوش نما لباس پہنا دیا ہی۔

کارلائل کا یہ قول کہ جس قوم مین زبردست شاعر پیدا نہو، وہ کبھی ترقی نہین کرسکتی، ہماری قوم کے ان غزل گو شاعرون پر صادق نہین آتا، یہ تو اخلاق کو بگاڑکر تہذیب کو مٹاکر بیجے جذبات کو چھوٹی لفاظیون سے دباکر قوم کو تنزل کی جانب لیئے جارہے ہین، اگر یہ قیامت تک زلفون کے سانپون سے اپنے دلون کو ڈسایا کرین، کمر کو ٹٹولتے رہین، اور شیخ کی داڑھی کے بال نوچتے پھرین، تو سوا اسکے کہ مہمل خیالات کا ذخیرہ بڑھتا جائے، اور اخلاقی خرابیون سے

قوم مین یہ اطواریان ترقی کرتی جائین، نہ تو وہ خود شاعری کی دنیا مین کامیاب اور اصلاح قوم کی قلمرو مین نیک نام ہو سکتے ہین نہ قوم اور قوم کے علم ادب کو سوا نقصانون کے اچھے کوئی فائدے کی چیز حاصل ہو سکتی ہی ایسی تصنیفات کے مجموعے کو اندرائن کا پیڑ کہنا چاہیے جسکے کڑوے پھل سوا بُرائیون کے کوئی خوبی رکھتے ہی نہین۔

شاعری اصل مین کیا چیز ہی؟ فارسی اور اُردو کے شعرا سے تو اس سوال کا جواب شاید نہ ملسکے، البتہ یورپ کے ملٹن وغیرہ کی تصنیفات مین ضرور ملجائیگا، فارسی اور اُردو زبانون کے شاعرون مین سے تم ایک کا نام بھی نہ بتا سکوگے، جسنے شاعری کے اصل موضوع پر محققانہ بحث کی ہو، اگر کوئی کچھ کہہ گیا، تو وہ بھی ذم کا پہلو لئے ہوے جیسا یہ شعر ہی۔

در شعر مپیچ و در فن او ٭ چون اکذب اوست احسن او

ذم تو ہی لیکن بات سچی کہی، فارسی شاعری کا مذاق یہی تھا، اور اُسکے شعرا کذب ہی کو اس فن کا ماحصل قرار دئے ہوے تھے،

اب دیکھو، کارلائل جس فن کو قوم کے عروج کا ذریعہ بتا رہا ہی فارس کا اُستاد اُسی کو بُرا کہکر اُسکے حاصل کرنے سے روک رہا ہی ایسی حالت مین علم ادب کا فلسفہ ایشیائی شاعری کے مذاق کی نسبت کیا فیصلہ کر سکتا ہی، اسکا جواب تم خود ہی دے لو، اور اُردو کی شاعری جسنے فارسی شاعری کی تقلید مین اُسکے ہر نقش قدم کو اپنی رفتار کے واسطے موزون قرار دے لیا ہی اسکی نسبت یہ تصفیہ کرو، کہ زمانے کی چال ڈھال، اور قوم کی ضرورتون کو دیکھتے اس کی چال اور اسکی غزل سرائی کی حالت زیبا ہی یا نازیبا۔

فطری اداؤن اور جھوٹی لفاظیون کا موازنہ مدنظر ہو، تو سنسکرت مین بالمیک کی رامائن اور فارسی مین مُلّا مسیح کی رامائن کو دیکھو، مُلّا نے صبح بھی کہی، برسات بھی کہی، بہار بھی کہی،

لیکن سو الفاظیون اور خلاف فطرت تعریفون کے کچھ بھی سبزی کا لطف نہ دکھا سکے، اگر تم کالیداس کی برسات سے مُلا کی برسات کو ملاؤ تو مُلا کی شاعری پر ایسا پانی پڑتا ہی کہ وہ خاک کے نقش کی طرح خود ہی مٹی جاتی ہی۔

ملٹن اُس نظم کو تعریف کے قابل قرار دیتا ہی جسکے خیالات نازک اور الفاظ سیدھے سادے ہون، اور وہ اپنے جذبات سے دلون پر اثر کرتی ہو، بیشک یہ بہت ہی معقول اور سچی تعریف ہی، اور کارلائل کا مقصود ایسی ہی شاعری سے ہی جو اصلاح کے پیرائے مین اپنے جذبات سے قوم کے دلون پر اثر کا جادو ڈالکر اُسے کھینچتی ہوئی ترقی کیطرف لیجائے، اب تمھین انصاف کرو کہ کیا آجکل کے غزل سراؤن کی غزلون مین ایسی خوبیان پائی جاتی ہین، وہ تو اوصاف سے اسیطرح خالی نظر آتی ہین، جس طرح عقل سے دیوانے کا دماغ ہان، عیوب جتنے چاہو، اون مین سے چن لو۔

غزل گویون کے میدان سے ذرا ہٹکر تم نئی شاعری اور فطری مذاق کے اختیار کرنیوالون کو دیکھو تو انمین اکثر ایسے ملینگے جو اصول عقلی کے اعتبار سے اچھے راستے پر آئے لیکن اصول علمی کے اعتبار سے بھکے ہوے جا رہے ہین، فن سے بے پروا نہ اغلاط کا فہم نہ زبان کی صحت کا لحاظ یہ ایسی روش ہی جو علم کو جہل کے غار مین گرا رہی ہی، اسی ضمن مین وہ گروہ بھی داخل سمجھا جائے جو زبان کو نہین جانتا مگر جانتا ہی کہ مین خوب جانتا ہون، اس جہل مرکب کا علاج ملک کے وہی ذی فہم کر سکتے ہین، جو علم کو علم اور فن کو فن سمجھے ہوے ہین۔

احمد علی، شوق، قدوائی

شاہان اودھ کی بے تعصبی

دہلی کے بادشاہون مین تو تاریخی طومار نے کسی کو متعصب اور کسی کو منصف مزاج ہونے کا افتخار دیدیا حالانکہ عموماً بادشاہ متعصب نہین ہوتے، اونکو رعایا کی آبادی اور ملک کی آمدنی سے مطلب ہوتا ہے، عملہ کو کسی ملکی ضرورت سے بڑہا دینے اور گھٹا دینے پر متعصب اور غیر متعصب کا لقب دیدینا بڑی تنگ خیالی ہی۔

اسیطرح ہمارے اودہ کے تمام بادشاہ ہمیشہ سے غیر متعصب اور صلح کل واقع ہوئے تھے، اونکی فیاضیان عام تھین اونکے سلوک ہر قوم کے ساتھ یکسان تھے، وہ سب قریب قریب دوسری قومون کے حق مین اکبر سے کچھ کم نہ تھے لیکن افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہو کہ اونکے تاریخی واقعات پر ایسا گہرا پردہ پڑا ہوا ہی جس سے اونکی خوبیون کا دریافت کرنا مشکل ہے۔

تمثیلاً اسوقت ہم راجہ درشن سنگھ معروف بہ راجہ غالب جنگ کے حالات پیش کرتے ہین۔

راجہ غالب جنگ، حیدر آباد کے رہنے والے ایک معمولی حیثیت کے آدمی تھے، عہد نواب یمین الدولہ سعادت علی خان مبارز جنگ مین گردش روزگار سے تباہ اور برباد ہوکر لکھنو مین وارد ہوئے، ایک روز صبح کو ہندوون کی رسم کے مطابق گومتی پر اشنان کرنے گئے بعد غسل کے رمنہ کی سیر کرتے ہوئے جارہے تھے کہ بادشاہ کی سواری برآمد ہوئی غربت اور بیکسی کے آثار انکے چہرہ سے روشن تھے حضور نے اپنی ایک خواص سے اشارہ کیا کہ اس مسافر کو اپنے ہمراہ لیتے آؤ، در دولت پر انکا سلام ہوا، حضور نے

دریافت فرمایا کہ تم ملازمت کی غرض سے لکھنؤ آئے ہو یا سیاحت کے لیئے عرض کیا تلاش روزگار۔ سرکار نے جیب خاص سے تیس روپیہ مہینہ بغیر شرط خدمت کے مقرر فرمایا۔ بندوق کی نشانہ اندازی سیکھنے کے واسطے ایک قدر انداز مقرر ہوا جب اچھے نشانہ لگا دینے والون مین انکا شمار ہونے لگا تو بادشاہ نے از راہ پرورش دو سو تیس روپیہ ماہوار مقرر فرما دیا اور کچھ خدمتین تفویض فرما دین غرض اسی طرح بتدریج ترقی ہوتی رہی۔

اس مدت مین بادشاہ کا انتقال ہوگیا اور ۱۲۴۳ئہ مین مرشد زادۂ آفاق نواب غازی الدین حیدر خان بہادر مسند نشین ہوتے، نواب معتمد الدولہ مختار الملک سید محمد خان بہادر ضیغم جنگ عرف آغا میر وزیر ہوئے، یہ بھی مقربان خاص مین ہو گئے اور ہر وقت بادشاہ کی خدمت مین حاضر ہونے کا موقع ملنے لگا، ایکروز بادشاہ اور وزیر مین خلوت کی باتین ہو رہی تھین لاعلمی سے یہ بھی چلے گئے اور خلوت دیکھتے ہی فوراً اولٹے پاؤن واپس چلے۔ لوٹتے وقت حضور کی نگاہ پڑ گئی جلدی مین نام تو یاد نرہا فرمایا راجہ کیون چلے گئے۔ انکو خوف معلوم ہوا کہ ایسا نہو یہ کلمہ بادشاہ نے طنز سے کہا ہو لیکن وحشت کھاتے ہوے نہایت ادب سے ہاتھ باندھے ہوے خدمت مین حاضر ہوے۔ ارشاد ہوا جاؤ تمکو ہمنے راجہ کر دیا۔ انھین نے نذر پیش کی اور دست بستہ عرض کیا کہ حضور ہم تین دوست آوارہ وطن ہوکر لکھنؤ مین وارد ہوئے تھے مروت سے بعید ہے کہ ایسے وقت مین اونکو بھولجاؤن بختاور سنگھ اور شیو دین سنگھ کی بھی عزت افزائی فرمائی جاوے آخر بادشاہ نے انکی خاطر سے اونکو بھی خطاب راجہ کا مرحمت

فرمایا اور جاگیر عطا فرمائی اس عرصہ مین وزیر اعظم سے انسے ان بن ہوگئی اور بہت سی افترا بندیون کے بعد یہ قید کرکے فیض آباد کے جیلخانہ مین بھیجدیے گیے۔

اس عرصہ مین بادشاہ نے انتقال کیا اور ابوالنصر قطب الدین سلیمان جاہ حضرت نصیر الدین حیدر تخت نشین ہوے، نواب منتظم الدولہ حکیم مہدی علیخان وزیر ہوے تو ظفر الدولہ منتظم الملک کپتان فتح علیخان بہادر ہیبت جنگ نے محض خداترسی اور غمخواری سے انکی شفارش کی۔ خالص ہمدردی کا یہ اثر ہوا کہ بادشاہ نے انکو قید سے چھڑا کر دیوان خانہ کا میرمنشی کردیا، تھوڑے دنون مین انھون نے ایسا تقرب حاصل کرلیا کہ ایکدم کو بادشاہ نظر سے غائب نہونے دیتے تھے، اب اعزاز و اکرام روز بروز زیادہ ہونے لگا اور ترقی پر ترقی ہونے لگی۔

ایک عمارت کے بنوانے پر یہ مقرر ہوے ہرکاری تخمینہ سے دو لاکھ روپیہ بچاکر شاہی خزانہ مین داخل کیا، بادشاہ کو معلوم ہوا تو خفا ہوکر ارشاد کیا کہ یہ بات ہمارے خلاف ہے، اپنا روپیہ فوراً خزانہ سے لیجاؤ، ہم ہرگز نہین لے سکتے، وہ تم اپنے گھر لیجاؤ، راجہ نے عرض کی کہ حضور مین مسکین سوا‏ے در دولت کے گھر نہین رکھتا مگر حکم عالی بجا لاونگا ایسی ایسی کارگذاریون سے غالب جنگ کا خطاب ملا اور سرکار سے کرسی عنایت ہوئی آخر انکے زیادہ رسوخ نے انھین محسود خلایق بنادیا اور دربار والون نے سازش کرکے بادشاہ کا مزاج انکی طرف سے منغص کردیا اور یہ قید ہوکر شاہگڈھ مین بھیجدے گئے

جب نصیر الدین حیدر بادشاہ کا انتقال ہوگیا تو ابوالفتح معین الدین سلطان الزمان محمد علی شاہ تخت نشین ہوئے انکو عمارت کا بہت شوق تھا اور تعمیر کی واقف کاری

کی شہرت غالب جنگ کی گوش زد ہو چکی تھی، سرکار نے حکم رہائی نافذ فرمایا لیکن اہل دربار نے اس جملہ کو تال دیا، آخر قسمت کی مددگاری سے حضور مین پیش ہوے، پیشتر سے بھی زیادہ عزت ہوئی، کلید برداروں کی نظامت اور مفسدین کی سرکوبی کی خدمت عطا ہوئی اور اطراف اودہ کا انتظام سپرد ہوا، دو پلٹنین ایک ذوالفقار صفدری، دوسری حسام حیدری حوالہ ہوئین، پانچسو سوار ہندی اور انگریزی کی افسری، ۲۱ توپین ہمراہی مین ملین، بلرامپور اور نانپارہ کی سرکشی اوسوقت قابل درگذر نہ تھی، حالانکہ یہ گھاٹیان بہت سخت نہین، راہ مین شیرون کے جنگل ایسے حائل تھے کہ پرندہ کا گذر وہان دشوار تھا، انھون نے چشم زدن مین محاصرہ کرلیا اور جھرگ لگا دیا، ان فتحمندیون کے صلہ مین چودہ پارچہ کا خلعت ہوا۔

آخر ستر برس کی عمر مین حضرت ظل سبحانی نے شب سہ شنبہ ۱۲۵۸ھ کو طرف فردوس برین کے نہضت فرمائی، سنہری برج مین غسل دیا گیا، حسین آباد کے امام باڑہ مین صدر بارہ دری مین مدفون ہوے، بعد ازان ثریا جاہ محمد امجد علی شاہ نے جلوس فرمایا تو غالب جنگ کو وہی اعزاز حاصل تھا، پرچہ لگا کہ قلعہ چھترپت کی رانی جو علاقہ ٹھرہا کے نام سے مشہور تھا ڈاکہ زنی کرنے لگی، مسافرون کو لوٹ لیتی تھی رعیت ستمگاری سے نالان تھی، صفدرگنج سے دس میل تک راستہ بند ہوگیا تھا قصبہ کنتھور کے سادات سخت نالان ہین، بادشاہ نے پانچ پلٹنین تیس توپین پانچسو سوار راجہ کے ہمراہ کیے اور اوسکی سرکوبی کے واسطے روانہ کیا، اوسنے یہ خبر سنکر قصد کیا کہ صفدرگنج مین مقابلہ کرے لیکن فوج شاہی نے اتنی مہلت نہ دی اور قلعہ کو گھیر لیا کئی روز تک بڑی خونریز جنگ رہی آخر اوسکے اعوان و انصار سب بھاگ کھڑے ہوے محض

رانی قلعہ مین رہگئی اور دو چار نمک حلال ملازم باقی رہگئے تب رانی نے فوجیون کا دل بڑھانے کو کہا ہان! ایک حملہ زبردست کرو اب دشمن کو مار لیا ہے، فوج کے سپاہی تو بندوقین چلانے مین مصروف ہوئے، وہ آپ نابدان کے راستہ سے بھاگ کھڑی ہوئی، جب فوج نے یہ حال دیکھا اُسنے بھی پشت قلعہ سے نکلکر جنگل کی راہ لی، جب قلعہ خالی ہوگیا تو فوج شاہی قلعہ مین گئی اور فتح و فیروزی کے ساتھ بہت سا اسباب جنگ اور مال وخزانہ بیت المال شاہی مین داخل ہوا، راجہ کو خلعت ہوا۔

ظل سبحانی دموی مزاج تھے اور ابتدا سے مرض آتشک مین مبتلا تھے حکیم مرزا محمد علی مرتعش ہر ہفتہ مین تنقیہ خاص و عام کرتے تھے، بلکہ بادشاہ سے اکثر کہتے تھے، کہ اگر کوئی طبیب اخراج خون مین تامل کرے گا ہرگز مزاج قابل اصلاح نرہے گا، جب حکیم مرزا محمد علی بقضائے طبع فوت ہوئے حکیم مسیح الدولہ نے احتیاج فصد مین تامل کیا اسلیے کثرت خون فاسد سے تحریک عارضہ مزمنہ ہوکر عارضۂ سرطان پیدا ہوا حتے کہ متواتر فصد دن کے لینے سے بادشاہ کا حال غیر ہوگیا اور سرطان باطن کی طرف رجوع ہوا۔ آخر دوشنبہ کے دن ۱۸۴۷ء کو انتقال فرمایا، نیڈوخان کی چھاونی مین دفن ہوے،

انکے بعد حضرت سلطان عالم واجد علی شاہ تخت نشین ہوے، اُنکے عہد مین غالب جنگ کی عزت روز افزون ہوتی گئی، جب نواب گورنر جنرل بہادر کی تشریف آوری کی خبر رزیڈنٹ بہادر نے دی تو بادشاہ نے کانپور تک استقبال کا ارادہ کیا، غالب جنگ کو حکم ہوا کہ راستہ کا انتظام بہت عمدہ اور ستھرا ہونا

چاہیے اور کانپور مین گنگا کے کنارے خیمۂ شاہی باشان وشوکت نصب ہو،
اوسکے سامنے ایک باغ نہایت لطیف ہو جسمین ہر قسم کے پھولون کے درخت،
میوہ دار شجر اور چارون طرف سبزہ اگایا جاے، سبزہ کے چارون طرف
پانی کی نالیان ہون تمام ماکول ومشروب لایق صاحبان عالیشان کے اور
لشکر کے واسطے سامان رسد موجود رہے۔

حسب فرمان شاہی راجہ فوراً کانپور تشریف لے گئے اور دریا کے کنارے
چمن بندی ہونے لگی۔ ریحان وسنبل کے انبار لگا دیے گئے۔ نہرون کے کنارے
کنارے سبزہ خودرو کیا لہلہاتا تھا گویا معشوقون کے رخسار پر سبزہ خط نمایان تھا۔
باغ کی تیاری کے بعد خیمہ مین چارون طرف موقع مناسب پر قدآدم تصویرین لگائی
گئین، تمام فرنیچر انگریزی ساز وسامان سے سجا گیا۔ تمام بازار آراستہ کیے گئے،
لکھنؤ سے اسقدر سامان رسد گیا کہ اوس ہنگامہ مین روپیہ کا تین سیر گھی، ایک من
کا چنا، تین پیسے سیر آٹا بکنے لگا اس بازار کا نام اردو بازار رکھا گیا ایک طرف خوانچہ
والون کا غل حلوائی۔ نان بائی، ترکاری فروش، تنبولی، بزاز، غرضکہ ضرورت کی
ہر شے مہیا تھی، بارگاہ سلطانی مین عمدہ رونق تھی غرض کانپور بالکل لکھنؤ بن گیا تھا جب
سب سامان درست ہو گیا، تو بادشاہ کو اطلاع دی گئی، بادشاہ بنفس نفیس لکھنؤ سے
تشریف لاے، خیمہ مین فروکش ہوئے غالب جنگ کا انتظام اور سب سامان دیکھکر
بادشاہ سلامت بہت خوش ہوئے، گورنر جنرل بہادر سے بڑے لطف کی ملاقات ہوئی
صاحب بہادر کے ہمراہ راجہ بھی لکھنؤ گئے، راستہ مین رسد کا انتظام اور سامان بھی
بہت معقول تھا۔

آخر بمقتضائے کل نفس ذائقۃ الموت راجہ کا پیام اجل آگیا، ایک چھوٹا سا دانہ ماتھے پر نکلا جسمین بہت سوزش رہی تیسرے دن منہ دہونے مین دانہ پھوٹ گیا اوس سے جو مواد نکلا وہ زرد زرد پانی تھا، جہان جہان وہ پانی لگ گیا دانے نکل آئے، تمام چہرہ مشابہ ہوگیا جراحون نے بہت کچھ علاج کیا کچھ سودمند نہوا۔ ازقضا سکنگبین صفرا افزود روغن بادام خشکی مے نمود آخر انتقال کیا اور دو لاکھ روپیہ چھوڑ گئے۔

ناظرین ملاحظہ کرین کہ ایک غریب الوطن مسافر کے ساتھ جو نہ شہر کا باشندہ تھا نہ ہمقوم تھا، نہ کوئی وسیلہ اور سفارش رکھتا تھا یہ شاہی فیاضیان تھین اسی طرح شاہی دربار مین غیر قومون کے لوگ ہزارون پرورش پاتے اور بادشاہ ہر مذہب کے آدمی کیساتھ یکسان سلوک کرتے تھے، چنانچہ راجہ ٹکیت رائے، مہاراجہ میوہ رام، راجہ بختاور سنگھ، مشیر الدولہ مہاراجہ بالکرشن جسارت جنگ، راجہ کندن لعل، راجہ امرت لال، عوض بیگی راجہ بینی بہادر وغیرہ سب شاہی فیاضیون کے نمونے تھے، اسیطرح شاہان اودہ کی اولوالعزمیان روز روشن کی طرح منور ہین۔

شاہان اودہ اگر مذہبی تعصب رکھتے ہوتے تو رعیت تباہ اور برباد ہو جاتی حالانکہ واجد علی شاہ آخری شاہ اودہ کے عہد مین سولہ لاکھ کی آبادی خاص لکھنؤ کی تھی، اصل یہ ہے کہ بادشاہون کے مزاج مین عموماً تعصب نہین ہوتا غلطی سے لوگ محض کسی عہد یر اپنی طبیعت کے موافق اونپر تعصب کا الزام لگا دیتے ہین ورنہ غور سے دیکھا جائے تو نہ عالمگیر متعصب تھا نہ اکبر دہریہ اپنے اپنے عہد کی پالیسی تھی۔ دونون پر تعصب اور دہریت کے الزام محض بے بنیاد ہین، بادشاہون کی نیت کا حال رعیت کی سرسبزی

سے معلوم ہوتا ہے اگلی سرسبزیاں دیکھنے کے بعد ہرگز یہ نہیں کیا جا سکتا کہ تعصب اور ناانصافی کے وجود کے ساتھ یہ سلاطین اتنے بڑے حصہ ملک پر اس اطمینان سے حکمرانی کرتے تھے۔

خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی

نیند

چین جنکو ہی، تجھے او نیند انھیں سے اُنس ہی
شب کی بیداری کو ہاں چشمِ حزیں سے اُنس ہی

غمزدوں کی رات کٹتی چین سے، آرام سے
اُنکی آنکھوں میں جگہ کرتی اگر تو شام سے

تو نہ آئے پاس اور کھینچیں وہ آہیں رات بھر
تو ترس کھائے نہ اُن پر، وہ کراہیں رات بھر

تجھکو الفت صرف انھیں لوگوں سے ہی جو شاد ہوں
گھر وہی مدِ نظر تجھکو ہیں، جو آباد ہوں

تو سُلاکر خستگی کو دور کرتی ہے ضرور
دل کو اپنے فیض سے مسرور کرتی ہی ضرور

خوش نصیبوں کو ہوئی تجھ سی ہم آغوشی نصیب
بے نصیبوں کو ہوئی تیری فراموشی نصیب

آنسوؤں کے جوش سے شاید بہت ڈرتی ہی تو
اشک ریز آنکھوں کی جانب رخ نہیں کرتی ہی تو

یا قدم رکھتی نہیں تو آنسوؤں کو پا کے شور
یا قدم جمتے نہیں، غالب ہی تجھپر اُنکا زور

یا یہ سمجھی تو کہ آنکھیں اُنکی سو سکتی نہیں
اُن میں پانی بھر گیا ہی، بند ہو سکتی نہیں

تجھ سے بے پروا ہی یا اُن بدنصیبوں کا خیال
بٹ گیا ہی غم کی فکروں میں غریبوں کا خیال

لاکھ بٹ جائے خیال، آئے جو تو چین آ ہی جائے
شوق کو بھی یہ تمنا ہی کہ تجھکو پا ہی جائے

احمد علی شوق، قدوائی۔

مسدس

ماں کی مامتا

کلیجہ مرا منھ کو کیون آ رہا ہے ۔ دھڑکتا ہے دل، جی بھی گھبرا رہا ہے
مسرت کے گھر کو الم ڈھا رہا ہے ۔ جگر کو کوئی ہاے تڑپا رہا ہے
یکایک جو دل ہو مکدر تو کیون ہو ۔ طبیعت ہی آپے سے باہر تو کیون ہو
نہ معلوم کیون کر اُٹھا درد پہلو ۔ کہ اب میرے دل پر نہین میرا قابو
روان ہین برابر جو آنکھون سے آنسو ۔ خدا جانے یہ کر دیا کس نے جادو
دماغ اب ہی مختل تو ہی درد سر مین ۔ اُٹھا کرتی ہی ٹیس ہر دم جگر مین

مرا ایک فرزند تھا نیک اختر ۔ اجل نے کیا وار افسوس اوس پر
جدائی مین اُسکے ہون آپے سے باہر ۔ نہین مانتا دل بغیر اوسکے دم بھر
کمائی مری عمر بھر کی لٹی ہے ۔ بڑی دولت افسوس گھر کی لٹی ہی
علالت تھی گویا نشانی قضا کی ۔ نہ پائی شفا گو دعا کی دوا کی
مرض مین ترقی برابر ہوا کی ۔ گئی سعی بیکار مجھ بے نوا کی
ستم مجھپہ ٹوٹا ہے سارے جہان کا ۔ لہو غم سے بسکر کلیجا ہے مان کا

مرا حوصلہ کچھ نکلنے نہ پایا ۔ مرا نخل اُمید سب پھلنے نہ پایا
مرا ننھا بچا سنبھلنے نہ پایا ۔ وہ گھٹنون کے بھل بھی تو چلنے نہ پایا

اجل نے اُسے کھا لیا مار ڈالا — مرے سر غم و رنج کا بار ڈالا
مری آرزو، میرا ارمان تھا یہہ — مری دلفریبی کا سامان تھا یہہ
مگر کچھ دنون ہی کا مہمان تھا یہہ — ہوا جب سے پیدا پریشان تھا یہہ
بمشکل اسے مین نے پالا تھا یارب — مرے گھر کا یہی اوجالا تھا یارب
مقدر ہی افسوس بگڑا ہوا ہے — کہ قسمت مین آزار سہنا بدا ہے
یہ دُکھیا مصیبت مین گو مبتلا ہے — مگر موت آتی نہین کیا بلا ہے
فلک کی ستائی ہون اور بینوا ہین — رہونگی اجل سے بھی محروم کیا مین
مرے قلب کو صبر و تسکین نہین ہے — کہ مجھسے جدا اب مرا نازنین ہے
بغل مین تھا کل، آج زیر زمین ہے — اُسی غم مین مصروف جان حزین ہے
بلا مین پھنسی ہون الم مین گھری ہون — کرم کر خدایا کہ غم مین گھری ہون
مین بیکس ہون بیبس ہون آفت کی ماری — رہا کرتے ہین اشک آنکھون سے جاری
ترقی پہ ہے ہر گھڑی بے قراری — ہوا کاٹنا عمر کا غم سے بھاری
نہین قلب مین تاب ضبط فغان کی — مری زندگی مجھپہ بیحد گران ہی
وہ بیفکریان میری محوی ہوئین کیا — کہ آرام مجھکو میسر تھے ہر جا
پہونچنے نہ پاتی تھی تکلیف و ایذا — طلب مال کی تھی نہ دولت کی پروا
مزے سے بسر ہوتی تھی زندگانی — فراہم تھے اسباب لطف "جوانی"

محمد حسین محوی لکھنوی

سوالات علمیہ کے متعلق کچھ اور عرض

اگست سن رواں کے النّاظر مین ان جوابات معروضۂ راقم پر جو جون کے النّاظر مین جو سوالات علمیہ مندرجہ النّاظر بابت ماہ مئی لکھے گئے تھے۔ عرض مکرر کے عنوان سے معترضانہ اور ناقدانہ نظر ڈالی گئی ہے۔

کشاکش روزگار و گردش لیل و نہار نے اتنی فرصت نہ دی جو اس عرض مکرر کے متعلق کچھ اور عرض کرتا حالانکہ جناب اڈیٹر نے ستمبر و اکتوبر مین برابر میرے جواب الجواب کیلیے تکلیف انتظار اٹھائی، بہرحال سلسلہ اس تعویق کیلیے جو محض اتفاقًا اور بحالت مجبوری ہوئی بصد خجالت خواستگار معافی ہے

اسمین شک نہین کہ جوابات زیر بحث جس نکتہ خیال سے بہ سبیل ایجاز لکھے گئے تھے، اور فلسفیانہ بحث کے لیے دوسرے اہل قلم حضرات کی خدمت مین تحریک کی گئی تھی وہ جوابات ہرگز جناب سائل کی تسلی کیلیے کافی نہین ہو سکتے، اور نہ خاکسار مجیب کا یہ دعوے ہے بلا اینہمہ جناب سائل نے چونکہ جوابات معروضہ پر توجہ خاص مبذول فرما کر بہت سے مزید بحث طلب پہلو نکالے ہین۔ اسلیے ان کے متعلق بھی کچھ عرض کیا جاتا ہے اور بعض شکوک کے ازالہ کی بھی کوشش کیجاتی ہے۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

عقل کے متعلق بحث کرتے ہوئے زندگی کی بحث کو مقدم رکھنا۔ اسلیے ضروری ہے کہ امور عقلی کے ظہور و امتیاز، کے لیے زندگی، لازمی، اور لابدی ہے یعنے امور عقلی کے صدور، و ظہور، اور اُن کے احساس و امتیاز کے لیے ایسی حالت کا ہونا ضروری ہے، جسمین قوت ارادہ، حرکت اور حس، موجود ہون، اور طبی اعتبار، سے اس بحث کا کسی حد تک موزون ہونا تو خود جناب سائل کو بھی مسلم ہے۔

حیوانی۔ انسانی۔ نباتاتی۔ جماداتی۔ علوی اور سفلی۔ زندگیونکی تفصیل کے لیے جو ارادتًا قلم انداز کی گئی تھی، شکریہ ادا کیا جاتا ہی۔ اگرچہ اس تفصیل کا نفس مضمون اور امور تنقیح طلب سے بالبداہت کوئی تعلق نہین، زندگی کے مختلف مدارج و اسباب کو مدنظر رکھکر تمدنی۔ اور اخلاقی۔ حالتون پر نظر ڈالیئے اور اسکی ہزارون قسمین بنائیے مگر ان سب مین مابہ الاشتراک کیا ہوگا۔؟ وہی زندگی جسکی بحث مقدم رکھی گئی، اور جسکے ساتھ امور عقلی کے ظہور و صدور اور احساس و امتیاز وابستہ سمجھا گیا، اسجگہ اسقدر اور تشریح کردینا بھی ضروری ہی کہ امور عقلی کا ظہور صدور افعال مین مضمر ہی۔ اور عقل یا بےعقلی محض تجربات کا نتیجہ ہین۔ اور فی نفسہا کسی مادی وجود کی قید سے بری ہین۔ (یعنی انکا وجود محض اعتباری ہی) اور حرکت اور زندگی سے جو افعال صادر ہوے انکو بلحاظ نتائج و تاثیرات کے عقل یا بےعقلی کا سرٹیفکٹ دیدیا گیا، اور صدور افعال زندگی اور محض زندگی کا کرشمہ ہے۔

اب مجاز وحقیقت پر نظر ڈالی جائے، اور استعارہ و اصلیت مین مابہ الافتراق قائم کیا جائے تو جس قسم کی زندگی ہوگی، اسی قسم کے احشائے ثلاثہ بھی ہونگے، اگر زندگی بقید جسم مادۂ کثیف ہے تو احشائے لازمۂ حیات بھی ویسے ہی ہونگے اور اگر وہ خیالی اور ذہنی ہے تو یہ بھی مثالی اور فرضی ہونگے، لیکن سخت تعجب ہے کہ امور اخلاقی و منزلی اور حالات تمدنی سائنس۔ اور فلسفہ کی بحث مین کیون پیش کیے گیے!! علوی اور سفلی زندگی کا سائنس و تجربات سے کیا تعلق ہی کیا یہ تقسیم محض اعتبارات تجربہ پر مبنی ہین؟ سائنس اگر کسی چیز کا ثبوت دے سکتا ہی (یہ شہادتِ تجربات صحیحہ) تو وہ محض زندگی ہی مجیب بلا خوف تردید اس امر کا علی الاعلان دعویٰ کرتا ہے کہ یہ تقسیم اعتباری اور

محض اعتباری ہی اکہیں علوی اور سفلی کی اصطلاحین لوئڑ اور ہائر اینیمیٹ کے لیے وضع نہین کی گئین۔

الحاصل پہلے زندگی کی بحث مقدم ہے اور پھر اسکی مختلف حالتون پر نظر کرکے حیوانی نباتاتی وجماداتی، اور علوی وسفلی، وغیرہ اقسام مین اسکو تقسیم کرنا اعتبارات قویہ قیاسات یقینیہ۔ وقرائن صحیحہ کے ماتحت ہی۔ چونکہ یہ ایک علحدہ بحث ہی اسلیے یہان اسکو قلم انداز کیا جاتا ہے تاکہ خلط مبحث نہو، البتہ اسقدر عرض کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جسطرح مذکورالصدر خیالی یا حقیقی زندگیان دراصل زندگی ہی کی بحث مین شامل ہین اسیطرح احشاے ثلاثہ بھی جو لازمۂ حیات ہین فی الحقیقت اصلیت افعال کے لحاظ سے ہر جگہ یکسان ہین کیونکہ لزوم کا ملزوم سے علیحدہ ہونا محال ہے، اور اختلافِ کیفیات منافی موجود نہین بلکہ دلیل وجوب ہی:

معلوم نہین کہ پھیپھڑے موجودہ بحث سے کیون خارج سمجھے گئے۔ صرف محاورہ زبان کی پیروی سے ایسا کرنا سائنٹفک، اور فلسفیانہ تجربات ومشاہدات کے راستے مین ایک ثقیل اور قابل اعتراض روک پیدا کرنا ہی، محاورہ زبان مین تو دل اور دماغ کے ایک ہی معنی ہین پھر کیا یہ درحقیقت دونون ایک ہی شے ہین؟ نہین نہین ہرگز نہین پھیپھڑونکو احشاے لازمہ حیات مین شمار کرنے سے کوئی استبعاد عقلی تو لازم آتا نہین، البتہ محاورۂ زبان ومفہوم مزعوم عوام کے ضرور خلاف ہی، مگر فلسفیونکو تجربات عینی واعتبارات یقینی کی بنا پر راے قائم کرنا چاہیے یا مفہوم مزعوم عوام کا تبع ومطیع ہونا چاہیے۔ فلسفیون سی تو جہانتک پوچھا گیا ہی وہ بھی کہتے ہین کہ ہم تجربات صحیحہ اور قیاساتِ قویہ کو اپنے تخیلات کا سنگ بنیاد سمجھتے ہین اور محسوسات ومشہودات یقینی سے استخراج نتایج واستنباط مسائل کے لیے واقعہ

حقہ کی تلاش وتفہیم کو اصول اولین قرار دیتے ہین۔ فتدبر

فلسفی دنیا نے دل اور دماغ کو مانا تو اسیطرح ہی جسطرح اہل تحقیق اور ارباب تشریح نے اس کی تعریف کی ہے اور اہل فلسفہ کو یہ تاب ومجال بھی نہین کہ وہ تحقیقات صحیحہ وتجربات عینی کے خلاف کوئی رائے قایم کرسکین ہان اپنے خیال کی ترنگ مین دل ودماغ کا مفہوم محاورۂ زبان کی پیروی سے الگ قرار دیدین تو وہ قابل اعتبار نہین کیونکہ خلاف تجربہ ہے، اور فلسفہ کو تو ہنوز ایسی بہت سی منازلِ تحقیق طے کرنا باقی ہین، اس لیے اس کا فیصلہ کوئی ناطق فیصلہ نہین ہوسکتا، اگر فلسفی دنیا مین دل ودماغ سے وہ دل اور دماغ مراد نہین جو ایک پہلو اور کاسہ سر مین ہین تو یقیناً فلسفی دنیا مین زندگی سے بھی کوئی اور ہی زندگی مراد ہے فلسفی اگرچہ محسوسات ومشہودات سے نتایج اخذ کرتے ہین اور واقعات صحیحہ وتجارب ثقہ کی بنا پر خیالات کا سلسلہ قایم کرتے ہین اور اونکے رشتۂ خیال کی گرہ اولین شواہد یقینی کے درمیانی سوراخ مین پھنسی ہوتی ہے لیکن فلسفہ چونکہ بلند خیالی کی گود مین پرورش پاتا ہے۔ اور واہمہ کی دایہ کا دودھ پیتا ہے، اسلیئے تخیل کی بلند پروازی اور واہمہ کی خیال آفرینی اسے حقیقت سے بہت دور مقامات تک پہونچا دیتی ہین اور اکثر اوقات وہ جادۂ مستقیم سے بھی بھٹک جاتا ہی فلسفہ کی گردن ہمیشہ کے لیے اہل تحقیق وارباب تشریح کی زیر بار منت ہے اور فلسفی ان احسانات بیکران کے بارسے کبھی سبکدوش نہین ہوسکتے جو اہل تحقیق ہمیشہ ان پر کرتے رہتے ہین، فلاسفہ ماضی وحال کے اختلافات کو جانے دیجئے اسی زمانہ کے ہم عصر فلاسفرونکا اختلاف اکثر مناظرون سے گزر کر مجادلون اور مکابرون تک پہونچا ہے، پھر اگر تحقیقات وتجارب صحیحہ رہنمائی نہ کرین تو فلسفی کبھی کسی صحیح نتیجہ پر نہ پہونچ سکین۔

اہل مذہب نے ضرور دل کو ایسی شئے مانا ہے جو محشرستانِ خیال، وگزر گاہ ربِ ذوالجلال ہی، مگر اس سے وہی قوت دماغی مراد ہے جسے بقول جناب ایک فلسفی دل و دماغ کہتے ہین، چونکہ مذہب کو عامۃ الناس کو سمجھانا مقصود ہے اسلیئے مفہوم عام کی پیروی کی گئی، دل قلب ۔ حرز ۔ من ۔ جی ۔ سر ۔ دماغ ۔ جگر ۔ کلیجا ۔ دل گردہ ۔ دل و جگر ۔ سینہ ۔ پہلو ۔ بر وغیرہ الفاظ کا مفہوم محاورہ زبان کے مطابق کچھ اور ہے اور انکی اصلیت کچھ اور۔

اُن نتائج کے لحاظ سے جو ذہن مین کسی سانحہ یا واقعہ کے اثر سے پیدا ہوتے ہین قلب پہ ایک خاص کیفیت کا طاری ہونا اور اس تغیر یا کیفیت کا حرکات دل کے تیز ہوجانے سے فوراً محسوس ہوجانا، ان تمام حالات کو دل سے منسوب کرنیکا موجب ہی، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تینون اعضا پر اثر مترتب ہوتے ہین اور ان مین سب سے پہلے نظام عصبی کو خبر ہوجاتی ہی وہان سے دل اور شش کو احکام بھیجے جاتے ہین، مثلاً کسی شخص کو بیٹھے بٹھائے خلاف توقع ایک تار آجائے تو اُسکے دل کی حرکات مین ایک خاص تغیر پیدا ہوجائیگا اور جوف سینہ مین دل کی حرکات کا زور زور سے واقع ہونا فوراً محسوس ہوجائیگا، لیکن ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہی کہ سانس مین بھی ایک خاص قسم کی تبدیلی واقع ہو اور سر مین ایک چکر سا آجاے، یہ روز مرہ کے مشاہدات ہین، ان پر غور کرلینا بہت کافی ہی علاوہ ازین دل مین ایک خاص قسم کا نظام عصبی ہی جسکی قوت حاسہ بدرجہ غائت مدرک ہی، مگر حقیقت یہ ہے کہ دل یا اور اس قسم کے باقی تمام اعضا خواہ کتنے ہی ذکی الحس ہون من کل الوجوہ احکام دماغ کے تابع و زیر فرمان ہین، جب تک دماغ سے کوئی حکم نہ آسکے تمام اعضا جوارح بیکار رہتے ہین حتیٰ کہ خود دل اور سینہ کی حرکات کے لیے دماغ ہی سے احکام نافذ ہوتے ہین اور انھیں کے منشا کے مطابق یہ معرض وقوع مین آتی ہین۔

اگر فلسفیانہ یا شاعرانہ تخئیل ہی کی پیروی کرنا ہے تو دل و دماغ کے علاوہ اور بہت سے ایسے مقام جسم انسان مین ماننے پڑینگے جو محسوسات فطری اور جذبات انسانی کا مرکز قرار دیے گئے ہین حالانکہ وہ درحقیقت ایسے نہین۔ ملاحظہ ہون مثالین ؎

خون ناب جگر ہے روان آنسوؤن کے ساتھ — سارا جہان آہ مرا رازدان ہے آب

دل سے آتا ہی جگر مین تو جگر سے دل مین — آج اُٹھا ہی ذرا اور دہلنے کے لیئے

سرد ہو کوئی کسی کا ہو کلیجا ٹھنڈا — ہم تو جل جل کے مرین دل ہو تمھارا ٹھنڈا

پہلو مین دل مین سینہ مین پتلی مین آنکھ مین — ایسا کوئی مقام نہین تم جہان نہ ہو

خط کو ہمارے پڑھنا ذرا دیکھ بھال کے — کاغذ پہ رکھدیا ہے کلیجا نکال کے

دل مین اک درد اٹھا آنکھ مین آنسو بھر آئے — بیٹھے بیٹھے ہمین کیا جانئے کیا یاد آیا

دل و جگر مین ہی تازہ بہار زخمون کی — ہمارے سینہ مین کیا خوب رنگ لائی چوٹ

آتے ہین خیال و نہین نگاہون مین دلو نہین — اور ہم سے یہ کہتے ہین کہ ہم پردہ نشین ہین

اب سوالات مکرر کا جواب عرض کیا جاتا ہے

سوالات مکرر "(الف) سب انسانون کے دماغ ایک ہی وسعت اور ایک ہی پیمانے کے ہین یا (ب) انمین کچھ فرق ہی"

بصورت اول بحالت صحت دماغ و ادائگی افعال بصحت تمام کیون فرق و امتیاز پایا جاتا ہے۔

بحالت ثانی۔ افعال۔ طریق ادائے افعال اور عقول مین بھی فرق ہوگا۔ اور بمطابق سوال (حرف ط) عقل واحد نہ رہیگی۔ ملخصاً

دوسرا استحالہ یہ ہے کہ بعض دماغ صحیح تسلیم کرکے ہم مان لین کہ اونکے افعال بصحت تمام سرزد ہوتے ہین پھر بھی ان افعال مین بہت کچھ فرق پایا جاتا ہے جس سے بادی النظر مین یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ ساختین مختلف اور نرالے ڈھنگ کی ہین اور اسکے ساتھ ہی تسلیم وجود اختلاف سے یہ بھی ماننا پڑیگا کہ یا تو وہی ایک سلسلہ افعال بصحت تمام پورا اور راو انھین ہوا یا در اصل عقل اور ہی کسی قوت کا نام ہے ہم دیکھتے ہین کہ بعض وقت ایک دیوانہ اور مخبوط الحواس بھی جسکے دماغ مین طبی قاعدہ ونکی پابندی سے نقص اور خلل پایا جاتا ہے بعض کام خوش اسلوبی سے انجام دیتا اور بعض خیالات کا عقلمندی سے اظہار کرتا ہے ...... حالانکہ ایسے لوگون کا دماغ صحیح اور تندرست نہین ہوتا اور اس صورت مین سلسلہ افعال کی جہت سے ہم عقل کا اطلاق اسیوقت کرسکینگے جبکہ دماغ صحیح وتندرست ہو اور افعال بصحت تمام عمل پذیر ہوتے ہون"

الجواب

اصول ساخت کے لحاظ سے کل دماغ یکسان ہین۔ مدارج تکمیل مین اختلاف ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ ہر شخص پر واقعات متعلقہ۔ طریق تمدن۔ خوراک۔ لباس۔ آب وہوا۔ تربیت حادثات اور حالات گردوپیش کا اثر مختلف ہوا کرتا ہے اسلیے ہر شخص کی دماغی تربیت بھی کسیقدر مختلف ہوتی ہے یہی وجہ طریق صدور افعال کے اختلاف کی ہے ایک ہی کارخانہ کے دس ہارمونیم جنکے پرزے پرزے مین مشابہت تامہ ہو دس آدمیونکو دیدئے جائین اور پھر چھ مہینے کے بعد انکا معائنہ کیا جائے ممکن نہین کہ ان سب کی ظاہری وباطنی صورت مین اختلاف نہ ہو یعنے ہر شخص کے طریق استعمال کا ان پر جداگانہ اثر ہوگا۔ کسی اسکول مین جاکر ایک ہی جماعت کے طلبا کی کتابونکا مقابلہ کرین ہر ایک کے طریق حفاظت کا اسپر جدا جدا اثر نمایان ہوگا۔ ایک ہی شے کو اختلاف استعمال نے دوسری مشابہ

شئے سے مختلف بنا دیا! اور یہ اختلاف استعمال اختلاف عقول کا نتیجہ نہیں بلکہ اختلاف حالات کا ہے اور اختلاف حالات ایک اور انتظام کے ماتحت اور کسی دوسری زنجیر کی کڑی ہے۔

اب رہا مدارج تکمیل سو اس کے لیے صرف اپنے ذاتی حالات پر غور کر لینا کافی ہوگا بچپن مین ہماری عقلی حالت کچھ اور تھی اب جوانی مین اور ہے اور زندہ ہین تو انشاء اللہ العزیز بڑھاپے مین یقیناً اور سے اور ہو جائیگی۔ بعض باتین عالم طفولیت کا دل پسند مشغلہ تھین اب جوانی مین ان سے سخت نفرت ہے اور خدا جانے بڑھاپے مین طبیعت کیا پلٹا کھائے اور مزاج کیا رنگ لائے۔ آہ سہ

جو بچپن تھا تو ہر اک سے دعا لیتے تھے جینے کی مگر سیکھے ہین مرنا مہوشون پر ہم جوان ہوکر

ہم وہی، سر وہی، دل وہی، دماغ وہی اگر مختلف حالتون کے اثر نے ہمین سے ایک ہی معاملے مین محبت، نفرت، اور خوشی و غم کے تباین و تفاوت کرشمے دکھا دے، کہین ہم سے عقل کا ساتھ کسی وقت بھی نہین چھوٹا، اور عقل نے رفاقت سے منہ نہ موڑا۔

بچپن مین بھی بھوک کا علاج خورا ک سردی گرمی کا انتظام کپڑے، اور خوشی کا انصرام دل پسند اشیا سے ہوتا تھا۔ جوانی مین بھی یہی کچھ شعار طبع رہا اور غالباً بڑھاپے مین بھی ایسا ہی ہوگا۔ اختلاف جو ہے وہ صرف صدور افعال، اور طریق حصول مین ہی، اور وہ اور حالتون کے ماتحت ہے جسکا ذکر قبل ازین ہو چکا ہی جب ایک ہی انسان کے ادائے افعال کے طریق مین مختلف حالتون کی وجہ سے اسقدر اختلاف ہو تو مختلف انسانون مین دماغی مشابہت کے باوجود اختلاف ہو جانا کوئی امر مستبعد نہین ہو سکتا۔

یہ تو تندرستون کے تکمیل مدارج کا حال ہی۔ ماؤف دماغون کا بھی یہی حال ہے

مجانین کا کسیوقت کسی کام کو خوش اسلوبی سے کرنا ہمارے بیان کے منافی نہیں یہ کہیں کہا گیا ہو کہ دماغ کے کسی ایک خاص حصے مین عقلی افعال کے مرکز محدود ہین۔ یہ مرکز تو دماغ کے کل مقامات مین کم و بیش موجود ہین۔ اور مجانین وغیرہ کے دماغونکا بھی کوئی نہ کوئی حصہ آخر صحیح ہوتا ہی۔ جو کام اسکے تندرست حصہ کے احکام کے مطابق سرانجام پاتے ہین وہ صحیح اور مطابق عقل ہوتے ہین۔ یہ بات مجانین کی حالت کو بنظر امعان دیکھنے سے بخوبی سمجھ مین آسکتی ہی۔ کبھی لیونے ٹک آسائلم مین جاکر دیکھین تمام دیوانے مختلف قسم کے خبطون مین مبتلا ہوتے ہین۔ یہ اختلاف دماغ مین بھی بعض حصص زیادہ قوے اور زیادہ چست ہوتے ہین۔ اسیطرح ناقص دماغون مین بھی بعض حصص زیادہ ماؤف ہوتے ہین اور بعض کم۔

اعتراض بجواب سوال حرف ج۔۔۔۔۔ مادے باعتبار جداگانہ تشخص اور نوعیت کے ایک ہی شخصیت اور ایک ہی نوع رکھتے ہین، گو مادون کی تعداد مین بحث ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ بحث نہین کی جاسکتی کہ ایک ہی نوع مین سے کوئی مادہ کامل ہی اور کوئی ناقص اور خود قدرت نے ہی یہ نقص و کمال رکھا ہی۔ نہ کوئی مادہ بہ اعتبار مادہ کے بہ تقید نوع خود اعلی ہی اور نہ کوئی ناقص۔ بہ اعتبار نوعیت جداگانہ مادے ایک ہی حیثیت رکھتے ہین خواہ ان سے انسانی دماغ بنایا جاوے خواہ حیوانی۔۔۔۔۔۔۔ ہان یہ ضرور کہا جائیگا کہ کسی خلقت مین مادہ کی مقدار کچھ ہوتی ہی اور کسی مین کچھ سو یہ ایک دوسری بات ہی سوال یہ ہی کہ

"انسانی اور حیوانی عقل مین کیا فرق ہی"

اگر جواب اس سوال کا نقص و کمال مادہ پر لحاظ کرکے دیا جاسکتا ہے۔ تو پھر یہ کہنا پڑیگا کہ جو دماغ اعلی مادّہ سے بنا ہوتا ہی۔ اسکی عقل بھی اعلی ہوتی ہی۔ اور جو ناقص

ہو گی نتیجہ یہ نکلا کہ عقلین خلقتاً ہی مختلف اور متفاوت ہین۔ اور یہ صورت جواب سوال حرف ط کے ابتدائی جز کے منافی ہی۔

الجواب

مادے کی بحث مین جو بات مین عرض کرنا چاہتا ہون وہ یہ ہی کہ گو مادے بہ تقید نوع ایسی ہی حالت مین ہون کہ باعتبار جداگانہ تشخص و نوعیت کے انکے نقص و کمال مین کوئی بحث نہ ہو سکے۔ لیکن وہ ضرور ایسی حالت مین ہین جو ترقی پذیر و یا تغیر پسند ہے اور یہی خاصیت اسبات کا کافی ثبوت ہی کہ ہر مادے کو مدارج تکمیل طے کرنا باقی ہوتے ہین۔ اگر اس باب مساعدت نہ کرین تو زوال پذیر ہونا ہوتا ہی۔ اگر یہ بات نہو تو تمام امیدین خاک مین ملجائین ترقی کے ولولے اور نمو کی امنگین اس دنیا و مافیہا کے ذرے ذرے مین مملو ہین مادے کی اس خاصیت سے انکار کرنا ایک ایسی بداہت سے انکار کرنا ہے جسکا ثبوت ہم خود ہین۔ اور دنیا و مافیہا کا ذرہ ذرہ اس کا شاہد ناطق ہی۔

اب رہا مقدار کا سوال ہان یہ ضرور صحیح ہی کہ ہر شے کی ابتدائی حالت مین تمام اثر مادے کی مقدار پر منحصر ہین اور یہی فرق مقدار ہی ایک کو کامل" اور دوسرے کو ناقص بنا دیتا ہے مگر یہ صرف اسکی تغیر پسند خاصیت کا خاصہ ہے کہ مرور زمانہ و دیگر حالات کے اثر سے ہم اُسمین ترقی یا تنزل کی علامت صریح مشاہدہ کرتے ہین۔ مثلاً دودھ مین چکنائی مکھن سے کم ہے۔ اور مکھن مین گھی سے کم ہے پس بلحاظ چکنائی کے گھی اعلی اور دودھ اسفل ہی یہی حال انسانی اور حیوانی دماغ کا ہے۔ بعض مادونکی مقدار انسانی دماغ مین زیادہ ہے اور حیوانی مین کم ہین یا اسکے برعکس اور یہ اسی

کمی بیشی ہی کا اثر ہے کہ مختلف مقدار مادہ کے امتزاج سے مختلف کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہی بات، انسانی دماغ کی تفضیلت کا موجب ہے۔ اسکی تشریح مزید کے لیے دماغ کی تشریح کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ الغرض انسانی عقل، اعلیٰ، اور حیوانی عقل ادنیٰ ہے۔ باقی امور کا جواب پہلے آچکا ہے۔

اعتراض بہ جواب سوال حرف د

(کلام سائل) یہ ثابت کیا گیا ہے کہ "انسانی عقل کا مستقر دماغ ہے" اسمین پہلا سوال در سوال یہ ہوگا۔

کہ "طبی دماغ یا فلسفی دماغ"

اگر فلسفی دماغ ہے تو وہ یا تو اس طبی دماغ کے کسی خاص جوف یا ذاویہ مین مستقر ہوگا یا محض خیالی بصورت اولیٰ یہ سوال پیدا ہوگا کہ طبی دماغ کے کس حصے مین اس طاقت زیر بحث (عقل) کا مستقر ہے، ملخصاً

الجواب

عام انسانی عقل کا مستقر بیشک دماغ ہی ہے، اور یہی دماغ ہے جو ہمارے کاسۂ سر مین ہے، جسے طبی دماغ کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے فلسفی دماغ کا صحیح ٹھکانا تو مشکل ہے کیونکہ وہ فلسفیانہ تخیل کی الجھن مین پھنسا ہوا ہے، اور ان خیالات پر تاریکی کا پردہ سیاہ حائل ہے۔ ہان اتنا عرض کیا جا سکتا ہے کہ اسی طبی دماغ مین تمام قسم کے محسوسات، قوی حاسہ، ومدرکات، کے مرکز واقع ہین۔ انکی تفصیل دیکھنا ہو تو اے ناٹومی، فزیالوجی، اور میڈیسن مین برین وٹرونس سسٹم کے متعلق بیان ملاحظہ فرما لیجیے جاوین۔

تعجب ہے کہ جو ادلہ باہرہ تجربات صحیحہ اور شواہد عینی و یقینی پر مبنی ہون اول تو انھین دو چار دلیلین کہہ کے کم وزن کیا گیا ہے۔ پھر ان سے انکار بھی نہین ہو سکتا اور ساتھ ہی انھین سکہ دلائل ماننے سے احتراز کیا گیا ہے۔ یہ تحریر اس قابل ہے کہ جناب سائل مخلی بالطبع ہو کر اسپر مزید غور اور نظر ثانی فرمادین انکے متعلق جو چار اعتراض پیش کیے گئے ہین انکا جواب کئی بار آچکا ہے۔ ضرورت اعادہ نہین۔

راقم پھر گذارش کرتا ہے کہ جوابات مندرجہ الناظر ماہ جون کو دوبارہ مطالعہ فرمایا جاوے خصوصاً (جواب (ہ) کو۔

اعتراض بجواب سوال حرف ط

اگر یہ مان لیا جائے کہ عقل کا مستقر کوئی عضو مثلاً دماغ ہے تو کیا بدیہی طور پر اسکا مشاہدہ کسی جوف یا حصۂ دماغ مین کیا اور کرایا جا سکتا ہے؟...... سائنس کسی ایسے وجود کا قائل نہین ہے جسکا تجربہ گواہ نہ ہو اور چشم دید شہادت نہو... وجود ہستی عقل کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے وہ یا تو آثار ہین، یا قرائن، یا قیاسات اور وہ بھی ایسے دھندلے کہ جن مین بجائے خود زمین آسمان کا فرق ہے اور سچ پوچھو تو انکی دنیا ہی ایک دوسرے سے الگ ہے،

الجواب

ہان اسکا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی کے لیے مردس سسٹم کا مطالعہ کرنا ضروری ہے تجربہ کی بات تجربہ کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر شوق تجربہ ہو تو راقم کو اطلاع دیجائے تاکہ اسکے متعلق ضروری امور گذارش کیے جائین۔

فلسفہ کی بحث کرتے کرتے سائنس کو مدار تحقیق ٹھہرا دیا گیا ہے۔ بہرحال مقام شکر ہے

کر فیصلہ کی آسانی نکل آئی۔ مگر اس مقام پر یہ یاد رکھنا اشد ضروری ہی کہ ابھی سائنس نے تجربات کا کورس ختم نہین کیا۔ اور ابھی تو ہنوز روز اول کا سا مضمون ہی تاہم اگر آپ کو تجربات کا شوق ہو تو سائنس مدد کرنے کو طیار ہے۔ لیکن.......... کتنی باتین ہین جو محض تجربات کی بنا پر مانی جاتی ہین اور کتنی ہین جو آثار، اور قرائن و قیاسات کے اثر سے ؟ دنیا مین جسقدر باتین ہم مان رہے ہین اسکی تصدیق صرف شواہد پر مبنی ہے، ہم کبھی ہر ایک بات کے لیے منطقی دلائل اور طبعی تجربات سے ثبوت نہین مانگ سکتے۔ اور تو اور خود حرکت کا وجود محض اعتباری ہی جو مدار حیات اور ثبوتِ زندگی ہے۔ زید اپنے باپ کا بیٹا ہے کسطرح مانا ؟ کیا سائنس کے تجربے سے کسی عینی شہادت سے ؟ نہین بلکہ قرائن و قیاسات، اور آثار و اعتبارات سے، یہ اسلیے عرض کیا گیا ہی کہ سائنس و فلسفہ کے متعلق افراط کا پہلو نہ اختیار کیا جاوے بلکہ اعتدلال کو مد نظر رکھکر تحقیق کیجاوے۔

(اعتراض بجواب حرف ف)

اس اعتراض مین کوئی خاص امر قابل جواب نہین۔ مثنوی کا شعر بلا ضرورت لکھا گیا ہی۔ لہذا ابیزادی کل اناء تیر شحِ بما فیہ بصد ادب عطاے تو بہ لقاے تو کہکر واپس کیا جاتا ہی سننے کی تکلیف گوارا فرمائی جاوے۔

پاے استدلالیان چوبین بود ۔۔۔ پاے چوبین سخت بے تمکین بود

اعتراض بجواب سوال حرف ح

اگر عقل کا کوئی مرکز ہے تو ضرور ہے کہ بے عقلی کا بھی کوئی مرکز ہو

الجواب

اب صرف اسیقدر عرض کردینا کافی معلوم ہوتا ہے کہ جسطرح بینائی، شنوائی، شامہ
لامسہ اور ذائقہ کے لیے مرکز اور عضو موجود ہین اور انکی ضد کے لیے کوئی مخصوص عضو
جسم انسان مین ہنوز دریافت نہین ہوا اسیطرح عقل کے مرکز جو دریافت ہوئے
ہین انمین کی خرابی بے عقلی پیدا کردیتی ہی اور تجربہ اسکا شاہد ہے۔
بعض دفعہ کا ذکر نہ کیجیے گا بعض دفعہ تو بہت کچھ ہو جاتا ہی بحث اصول سی ہے نہ
بعض دفعہ سے۔

اعتراض ۸ جواب حرف ط، کا جواب ضمناً آچکا ہے
حرف ی کے ضروری جزو کا جواب دیا جاتا ہے۔

التماس میرے پہلے جوابات کو ان جوابات سے ملاکر ملاحظہ فرمایا جاوے اسیطرح
سوالات کو بھی۔

(نوٹ) احتشا کا لفظ ارادتاً دل۔ شش۔ اور دماغ کے لیے استعمال کیا گیا ہی
جو اسکی لغوی وسعت سے زیادہ ہے ارباب ذوق واہل علم حضرات اس معنوی تصرف
کے لیے معاف فرمادین جناب سائل ازراہ عنایت بنظر امعان مطالعہ فرمائین۔ انکے
سوالات مکر رمین بہت سی باتین قلت تدبیر پرناشی معلوم ہوتی ہین۔

راقم عبد الحکیم بسمل ہوشیارپوری

رباعی

دیکھ ابروون کی طرف جو بینائی ہے کیا خوبی و رعنائی و زیبائی ہے
ہو اہل نظر سے یہ اشارہ ان کا جھکنے ہی سے آنکھون پہ جگہ پائی ہے

اعجاز بشر

فرمانروایان ہلکر کے دو عالیشان محل جنمین سے ایک جونا[1] باڑہ اور دوسرا نیا باڑہ کہا جاتا ہے اپنی گوناگون دلچسپیون کے سبب سے اندور مین خاص طور پر قابل ذکر ہین، اول الذکر حکمران خاندان کا قدیمی دارالامارۃ ہی اور پورانی مستحکم طرز عمارات کی ایک دلآویز تصویر ہی، نیا باڑہ جو پیرس کے مکانات کی وضع پر تیار کرایا گیا ہی جدید فیشن کا نمونہ ہی، مہاراجہ تکوجی راؤ آنجہانی کے عہد مین یہ بنا ہی، صرف ایک وسیع سڑک ان دونون کے درمیان حایل ہی، یہی سڑک بجانب مشرق کشن پورہ کے پُر رونق بازار، ندی کے پُر فضا پُل اور جونا توپخانہ کوٹھی کرتے ہوئی اسٹیشن کیطرف جاتی ہی، راستہ مین بائین ہاتھ کیطرف ہائی کورٹ۔ موتی بنگلا اور ایڈورڈ ہال کی نو تعمیر سنگی عمارتین پڑتی ہین ایڈورڈ ہال کے اُس سرے پر ریلوے لائن کا پھاٹک ہی، اس سے پچیس تیس قدم کے فاصلہ پر داہنے جانب اسٹیشن کی سڑک ہی، اسکو چھوڑکر جس راستے آپ آئے ہین چلے آئیے اب شہر کی سی چہل پہل یہان نہین ہی سڑک ایک خط مستقیم پر چلی گئی ہی، اور پختہ سڑک سنتوش گنج اور نو آباد محلہ تکوگنج کی زیر تعمیر کوٹھیون اور بنگلون سے گذر کر تقریباً ایک میل تک جانے کے بعد ایک اسلامی قبرستان کے پاس پلاسیہ[2] کے سامنے آگرہ بمبئی روڈ سے خط عمودی کی شکل مین ملکر مڑی ہی، موڑ پر ایک پُل بنا ہوا ہی، اس جگہ سے شمال کیطرف سڑک کا نشیبی حصہ شروع ہوتا ہی۔ اگر آپ اس پُل پر کھڑے ہو کر چار و نظر نظر ڈالین تو عجیب پُر لطف منظر دیکھنے مین آئیگا۔ خصوصاً موسم برشگال مین تو اس

[1] جونا بمعنی قدیم [1] وزیر صاحب ریاست اندور کی کوٹھی جسکا [illegible] نام ہے

[2] پلاسیہ (پَ لاسِ یَہ) ایک گانوُن کا نام ہے۔

جنگل کی سیر سے محویت بخش سرور دل مین پیدا ہوتا ہی۔

پل کے دونوں جانب منقسم سے تالاب مین صاف و شفاف پانی لہرین مار رہا ہی واہنی طرف پلاسیہ پولیس اسٹیشن کی مختصر سی دلپسند عمارت اور اسکا خوشنما باغ ہی جسکی سرسبزی آنکھون مین ٹھنڈک دیرہی ہی۔ اُس سے کسیقدر اونچی نگاہ اُٹھائیے تو محکمہ تعمیرات عامہ کی خوشنما بلڈنگ نظر آئیگی اور اُسی سے ملی ہوئی افسران محکمہ کی قیامگاہین بنی ہوئی ہین۔ ایک وسیع سبزہ زاران تمام مکانات کو اپنے دامن مین لیے ہوئے ہی۔ ذرا نظر اور بلند کیجیے تو دوتین پہاڑی ٹیکریان دکھائی دینگی برسات نے انکو زمردین لباس پہنا کر خوش ادا بنا دیا ہی۔ سر سے پیر تک سبز چادر اوڑھے ہین اور بیقرار دل پر ستم توڑ رہے ہین۔

بائین ہاتھ پر ایک پُر فضا درختون کا کنج ہی، اسکا مزہ گرمیون مین آتا ہی بیس پچیس درخت کچھ اس موزونیت سے اکٹھا ہین کہ نہایت ہی پُر لطف جگہ بنگئی ہی سامنے پالا[1] بندھا ہوا ہی۔ نفیس پانی نہانے۔ ہاتھ مُنہ دھونے اور پینے کے لیے موجود ہی اگرہ و بمبئی روڈ کے مسافرون کے لیے یہ بہترین جاے پناہ ہی، پالے سے ملے ہوے چند مکانات ہین جنکے مکین راہگیرون کے لیے خضر سے کم نہین۔ امکانی امداد بھی اُنسے ملسکتی ہی ضرورت کے لحاظ سے ایک آدھ خوانچہ فروش موجود ملے گا۔ اُسکی چیزین باوجود خراب و معمولی ہونے کے گویا حاجتمندون کے حق مین جنت کی نعمت ہین طویل مسافت طی کرنے کے بعد مسافر عموماً یہان آرام لیتے ہین اور قدرت کی فیاضانہ اُلوالعزمی کے قائل ہوکر آگے بڑھتے ہین۔

[1] پالا۔ تالاب کا بند۔

سامنے والے گنج کے تقریباً بالمقابل تالاب کے اس پار باڑھ والی سڑک کے بالکل موڑ پر جہاں سے گذر کر آپ پُل پر پہونچے ہیں، سرسبز درختوں کا ایک جُھنڈ اور بھی جو ناظر کی توجہ اپنی طرف کھینچتا ہی، یہاں پہونچکر لوگوں کو روحانی راحت حاصل ہوتی ہے، سایہ دار درختوں کے نیچے مختصر سے احاطہ میں حضرت برہنہ شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کا مزار شریف ہی، اس جگہہ دنیاوی تکلفات اور عارضی نمایشوں کا گذر مطلق نہیں، ٹین کا سائبان ہی اور جالی دار چوبی کٹہرہ، اُسکے اندر حضرت شاہ صاحب مصروف آرام ہین، اور آپ کا دربار اب بھی مرجع خاص و عام ہی، اندور ایسے مقام میں بھی جہاں کے مسلمانوں میں روحانی و مذہبی احساس شاذ و نادر پایا جاتا ہو آپکے عقیدتمندوں کی ایک کثیر تعداد نکل سکتی ہی اور وہ لوگ جمعرات کے دن خصوصیت سے آپکی آستانہ بوسی کے لیے حاضر ہونا ضروری سمجھتے ہین،

آپ کا پورا اسم گرامی حاجی سید برہان الدین حسینی رضوی عرف میاں برہنہ شاہ صاحب ہی آفتاب آسمان معرفت حضرت شاہ خاموش صاحب حیدرآبادی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو فخر بیعت حاصل ہوا، خاک دکن کو آپ کی زاد بوم ہونے کا شرف حاصل ہی، حیدرآباد میں مجھے اکثر آپ کا تذکرہ سُننے کا اتفاق ہوا، اندور مین مزار مبارک پر فاتحہ خوانی کی سعادت نصیب ہوئی اکثر احباب سے آپ کے حالات کی تفتیش کی، معتبر ذرایع سے معلوم ہوا کہ آپ صاحب دیوان بھی تھے، جو آپ کے وصال کے بعد آپ کے ایک ارادتمند مُرید حاجی شیخ عبداللہ صاحب کی مساعی جمیلہ سے چھپ بھی گیا ہی، آخر حکیم محمد اسحاق صاحب جنھین حاجی صاحب موصوف سے نسبت

سلہ باڑھ، بھتی

غرضکہ ہی حاصل ہو اُنکی مشفقانہ توجہ سے دیوان مجھے ملا،

ہیچمیرز غاروق دنیا کے دلفریب کرشمون سے دماغ اور قلب د ونون مسخ کر چکا ہے فقیرانہ کنائے مذہبی نکات اور عارفانہ باریکیان کون سمجھے لیکن حضرت علیہ الرحمۃ کا تصرف سمجھنا چاہیئے کہ آپ کے کلام کو پڑھکر روحانی مسرت حاصل ہوتی ہی، اور اُسکے مطالعہ سے دنیاے تصوف کے عجیب وغریب راز آشکار ہوتے ہین

آپ کا تخلص تبشر ہی دیوان کلام منظوم کی تقریباً ہر صنف پر حاوی ہی اور اکثر معرکہ کی زمینون پر طبع آزمائی فرمائی ہی، شروع سے آخر تک طبیعت کا رنگ یکسان ہی جو قادر الکلامی کی خاص شان ہی، زبان بہت شستہ اور پاک ہی، شاذونادر ایسے الفاظ ملینگے جو فی زمانہ متروک خیال کیے جاتے ہین علی ہذا القیاس چند فارسی ترکیب کے جملے، لیکن اس سے کوئی انکار نہین کر سکتا کہ معرفت شناس شاعر کا مقصود فی نفسہ شاعری نہ تھا، زبان کی پابندی اور تقلید کا خیال اظہار جذبات کو کسطرح روکتا، مثنوی مولنا روم ہمارے قول کی بہترین مثال ہی، عارفانہ خیالات کا دریا زور و شور سے بہرا ہی اُسکے سامنے زبان کی فرو گذاشتین حائل ہو کر کیا کر سکتی ہین،

حضرت شاہ صاحب مغفور کے کلام کے متعلق ذاتی طور پر رائے زنی غیر ضروری سمجھکر آپ کی غزلیات کا مختصر انتخاب ہدیۂ ناظرین ہی، اسکے مطالعہ سے ارباب فہم کو اسبات کا اعتراف کرنا ہوگا کہ اُردو کے شاعرانہ لٹیریچر کی شاخ تصوف مین جس کی حالت بدقسمتی سے بہت بڑی حد تک محتاج توجہ ہی اس قسم کی چیزین بجاے خود مستقل قدر و قیمت رکھتی ہین ؎

یار کو وصل کی شب غیر سے پایا تنہا　　بلکہ مین بھی نہ رہا یار جو آیا تنہا

بادشاہون کو ہوس دی تو قناعت ہمکو — کچھ اجارہ نہین حصّہ ہے یہ اپنا اپنا
جب تلک ہم رہے اُسکا نہ ملا ہمکو سراغ — جب نشان اُسکا مِلا کھوج نہ پایا اپنا
جبر اور قدر کی تمہید بشر ہی مشکل — ہمنے دیکھا تو نہ مرنا ہے نہ جینا اپنا

جو بھید کھُلا معنیِ فی انفسکم کا — بندہ جسے سمجھے تھے وہ مولا نظر آیا
گہ بزم خرابات مین دیکھا اُسے ہم نے — گہ کعبے مین گاہے یہ کلیسا نظر آیا
مانند حباب آنکھ کھُلی اپنی جو دم بھر — ہر قطرہ ہمین صورتِ دریا نظر آیا

یہ ظہور کس طرح سے یہ نیاز و ناز ہوتا — جو تجھے نہ ناز ہوتا نہ مجھے نیاز ہوتا
کیا عبد مجکو رب نے ہین وگرنہ ایک دونون — کہ نشیب گر نہوتا تو کہان فراز ہوتا
ہمہ تن بتون کا جلوہ کہ ہے شکل شوق بتگر — یہ صدائے نے کہان تھی جو نہ نے نواز ہوتا

کعبہ گر مظہرِ جلال ہوا — دیر بھی مظہرِ جمال ہوا
طائرِ دل کے واسطے اپنے — دام تھا زلف دانہ خال ہوا

یہان ہے غیر کا کیا ذکر مذکر خیر ہو تیرا — کہ جسکو عرش کہتے ہین مقام سیر ہے تیرا

تمہاری خاک سے کیون ہمکو ملک کرتے تھے سجدہ　　لئے حضرت آدمؑ یہ ہے احسان محمدؐ
کیا چیز ہین جو ہم بھی ہون مشتاق پیمبر　　خود خالق اکبر کو ہے ارمان محمدؐ

یقین ہے کہ بنا لینگے حیدرِ صفدر　　بگڑ بھی جائیگی قسمت مری اگر بنکر

جو پایا تو اپنے کو پایا جہان مین　　ہوئے جب سے ہم اپنے پانیکے قابل
جو پایا تو پایا یہ جہان کا نہ پایا　　نہین یہ جگہ گھر بنانے کے قابل
ملے گا میرا خاک مین اب یہ خاکا　　یہ نقشہ ہوا ہے مٹانے کے قابل

ہون گرچہ بےنشان ولیکن بچشم غور　　ہر شان میری شان ہے جو دیکھتا ہون مین

ہائے ہم کہکر بلے کیسی بلا مین پھنس گئے　　ابتدا مین انتہا کی سمجھے ہم کچھ بھی نہین
نفس ہی پہلا قدم اور دوسرا ہی کوے یار　　کوے جانان ای بشر جز دو قدم کچھ بھی نہین

برنگِ بادہ اندر جام ہون مین　　اسیرِ گردشِ ایام ہون مین
عجب ڈھب کا معما ہون آہا　　کہ خود صیاد و صید و دام ہون مین

عشقبازی مین نہین مرنے کا غم موت ہے آخر سبھی کیواسطے

ہین آمل بجائے اطلس ہے نہین قالین تو بوریا بس ہے
یہ رباعی وجود ہر انسان اور جہان صورت مسدس ہے

قالب مین مرے ہم نفس و روح نہین ہے اس خانۂ ظلمت مین یہ ہی بادشہ زادی
دنیا سے وفا ڈھونڈھنا ای طالب دنیا امّان ہی نہ خالہ ہی کسیکی نہ یہ دادی
المنۃ للہ کہ بشر کوے صنم مین اس سیل دما دم نے مری لاش بہادی

غزلیات کے بعد متفرق اشعار قطعے، رباعیان، سلام، مراثی، خمسہ جات، اور متعدد تضمینین درج ہین، ہم صرف ایک دلچسپ قطعہ پر اکتفا کرتے ہین ورنہ طوالت کا خیال ہوتا ہی سے

وقت گل، سیر چمن کا ہے قصد مژدہ اے دل کہ وطن کا ہی قصد
دید سبزان دکن ہے منظور حیدر آباد دکن کا ہے قصد

سید محمد فاروق (شاہ پوری)

جزیہ وخراج نمبر ۲

(سلسلہ کے لیے دیکھو پرچہ جون سنہ ۱۹۰۶ء)

سابق مین جزیہ اور خراج پر مراسلہ شایع ہو چکا ہے اوسکی بابت میرا قصد تھا کہ مین اس مراسلہ کو مشرح لکھونگا لیکن بہت سی ذاتی ضرورتون نے مجھے اسکا بھی وقت اور موقعہ نہ دیا کہ جسقدر مین لکھہ چکا تھا اوسی کو صاف کرکے بغرض طبع روانہ کر سکتا لیکن ماہ جولائی کے پرچہ مین سخنوران باکمال و نکتہ سنج بیمثال حضرت شوق کی قابل قدر مضمون نے مجھے مجبور کیا کہ مین اس مراسلہ کو ضرور ختم کرون گو آج بھی مین اوسکے ختم کرنے کا تہیہ کر چکا ہون لیکن پھر بھی وہی اسباب جو سابق مین تھا بہت کچھہ مجھے مانع ہین سابق مین جزیہ کی بابتہ ہم لکھ آئے ہین کہ بعد قبول اسلام کسی شخص سے جزیہ نہین لیا جاتا تھا اور یہ قاعدہ صرف اسلام ہی تک محدود تھا مگر جزیہ کے بابت آجکل بعض قومونکا یہ خیال ہے کہ مسلمانونکی ہان یہ سخت جابرانہ علمدرآمد تھا اور اسکے بانی مسلمان ہی تھے اور یہ چیز مسلمانونکی ایجاد کی ہوئی ہے اور کسی قوم ذریعہ قوم نہین لی یہ صریحی غلط فہمی ہے ہم و یقین نہین معلوم ہے کہ جنگ قنسرین مین جب خالد بن ولید روانہ کیے گئے ہین تو شہر والون اولا تو مقابلہ کیا مگر اوسکے بعد قلعہ بند کرکے خود ہی جزیہ کی شرط پر صلح کرلی ۔ اسکے بعد جب حضرت ابوعبیدہ نے حلب کی جانب رخ کیا تو اوس تمیدان عرب مین بہت سے قبیلے آباد تھے لیکن خود اون قبیلون نے جزیہ پر صلح کر لی تھی ۔ آبادی قریب جو کسی زمانہ مین اس سلطنت کا قدیم اور یادگار مقام تھا ۔ یہان کے حاکم نے بھی تھوڑی سے جنگ کے بعد جزیہ پر صلح کرلی تھی ۔

عراق عجم اور رفاز وسفان کر باشندون نے بھی لڑنے سے انکار کیا اور جزیہ خود منظور کر لیا تھا طبرستان اور روزبان کے باشندون نے بھی پہلی ہی پیام کے بعد جزیہ پر صلح کر لی تھی صرف فتح اسکندریہ پر جب حضرت عمر نے جواب خط لکھکر سب کو بلایا ہے تو اوسمین لکھا تھا کہ اونکو اختیار ہی کہ مسلمان ہو جائین یا مذہب پر قایم رہین اگر اسلام قبول کرینگے تو اونکو وہی تمام حقوق حاصل ہونگے جو مسلمانون کو حاصل ہین ورنہ جزیہ دینا ہوگا جو تمام ذمیون سے وصول کیا جاتا ہی منجملہ اونکے بہت سے مسلمان ہو گئے اور بہت سے اپنے مذہب پر قایم رہے یہ جزیہ یا خراج جو کچھ وصول کیا جاتا تھا وہ دشمنون سے بچانے کا معاوضہ تھا۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ نے حبیب بن اسلمہ سے جو افسر خزانہ تھے ایک موقع پر یہ فرمایا تھا کہ "اسوقت چونکہ ہماری حالت خود نازک ہی ہم کسی کی حفاظت کے ہرگز ذمہ دار نہین ہو سکتے۔ اسلیے جسقدر رقم بطور جزیہ وصول ہوئی ہو فوراً واپس کر دو اور کہدو کہ جزیہ کی واپسی سے ہماری مراد تعلقات ترک کرنے کی نہین ہے۔"

علاوہ اسکے دیگر ممالک کے اقوام مختلفہ نے بھی جنہین رومانی وغیرہ قومین شامل ہین جزیہ کے رقم کو ہمیشہ لیا ہے اور اسلامی تعداد کے مقابلہ مین دیگر قومین جو جزیہ لیتی تھین اونکی تعداد کئی گنا بڑھی ہوئی تھی مسلمانون مین جزیہ کی رقم کا تعین صرف اونھین ممالک کے متعلق تھا جو ممالک اس قاعدہ سے خارج تھے یعنی جنکے فتح کے وقت مخصوص طور پر کسی خاص اتفاق سے جزیہ کی شرطین قرار پا جاتی تھین ورنہ عام طور پر ایک حد معین تھی اور صرف وہ ممالک اوس عام قاعدہ سے مستثنے تھے جنکی فتح کیوقت کسی اتفاقیہ وجہ سے نئی شرایط کے پیدا ہونے کے وجوہ پیدا ہو جاتے تھے، جسطرح کہ حضرت عمرو بن عاص کے پاس جب مصر کے صلح کا پیغام آیا تو پہلی یہ شرط قرار پائی کہ جو قبطی عام اس سے کہ شریف ہون یا رذیل

مرد سمجھدار اور بالغ ہون فی کس دو دینار جزیہ ادا کریں۔ بڈھے اور نابالغ عورتین اس سے مستثنیٰ تھے، دوم جسقدر مسلمان اونکے ملک مین آویںگے تین دن تک اونکے مہمان رہینگے، اوسکے علاوہ بہت سی حالتوں مین آمدنی اور خرچ کی مقدار پر لحاظ کرکے جزیہ کی رقم تشخیص کیجاتی تھی، جاعجہ ایران مین ایک دینار جزیہ کی شرط مقرر تھی۔

علامہ (جرجی) نے لکھا ہے کہ بحران کے رہنے والون سے مسلمانون نے جو رقم جزیہ کی مقرر کی تھی وہ دو مرتبہ کرکے ایک سال مین وصول کیجاتی تھی یعنے دونون قسطین صفر اور رجب کے مہینون مین ٹھیک وقت پر ادا ہو جاتی تھین جسکی پہلی قسط دو لاکھ اسی ہزار درہم اور دوسری قسط چودہ ہزار درم کی تھی۔

اذرح والون سے جو شرایط جزیہ کے بارے مین طے ہوے تھے، وہ صرف رجب کے مہینے مین سو دینار کی ادائی قرار پائی تھی، اور اسی قسم کی شرایط پر یہودیون نے بھی صلح کر لی تھی۔

ابتدائے عہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ مین جب تک کہ کوئی قاعدہ مقرر نہ ہوا تھا سوا مردون کے ہر شخص پر جزیہ مقرر تھا، اور چاندی کے سکہ پر چالیس درم اور سونے کے سکہ پر چار درہم اور خوراک کے لیے ایک صاع گندم (پیمانہ تھا) اور روغن زیتون لیا جاتا تھا، غرضکہ جزیہ کے بارے مین ایک صورت اوسوقت تک قایم نہین تھی اور کسی مذہب اور ملت کی قید نہ تھی مگر مرتد اور بت پرست سے صرف دو شرطین تھین تلوار یا اسلام، لیکن نصارا، یہود، آتش پرست اور مجوس انکے لیے تین چیزون مین سے ایک چیز لازمی تھی، اسلام، جزیہ، تلوار قرینہ سے معلوم ہوتا ہی کہ جزیہ کی قید لگانیکا مقصود اوسوقت جو کچھ تھا صرف یہ کہ قوم عرب قوم و۔۔ کی حیثیت سے تیار ہو جائے اور جزیرہ عرب سے بت پرستی کا نشان ہمیشہ

کے لیے نابود کردیا جائے کیونکہ مسلمانون نے جب کسی قوم پر جزیہ مقرر کیا تو عام طور پر موقع وقت۔ حالت اور تعداد کا خیال رکھا اور ناگواری اور نارضامندی کا پہلو ہمیشہ بچاتی رہے اور سختی کے پہلو کو بجائے بڑھانے کے گھٹاتی رہے، چنانچہ آج بھی سلطنت عثمانیہ مین نصرانی رعایا سے ایک ٹکس لیا جاتا ہے جسکی غرض یہ ہے کہ فوجی خدمت اون سے کبھی نہ لیجا سے اور اس ٹکس کا نام عسکریہ ہے اور کچھ شک نہین کہ یہ ٹکس بالکل مشابہ جزیہ ہے۔ (باقی آئندہ)

راقم ع. ر. اثر۔ علوی

غزل

اب وہ آہِ گرم کی شدّت نہین
نالۂ سوزان مین وہ حدت نہین

ناصحِ مشفق تمھاری کیا سُنین
اپنے نالون ہی سے یان فرصت نہین

لطف سے اپنا ہی گر راضی رہا
لطف کیا، جب غیر کو الفت نہین

قادرِ مطلق اوسی کی ذات ہے
خیر و شر کی اور کو قدرت نہین

میری بھی اصلاح کو ہے بندگی
میری طاعت کی اُسے حاجت نہین

کس کو اُس کے فیض سے بہرہ نہین
کس پہ اوس کی الفت و شفقت نہین

سبزۂ نو خاستہ رخسارِ گل
کون ہے جو موردِ رحمت نہین

یا شفیع المذنبین فریاد ہے
اب تو توبہ کی بھی یان مہلت نہین

جنت اوس کی دوزخ اوسکی اُسکے ہم
جس جگہہ رکھے کوئی حجت نہین

فہمیا! مایوس رحمت سے نہو
رحمت اُسکی ڈھونڈھتی طاعت نہین

دیانت حسین صدیقی مقام بہاملہ

خوش آنکه چو من کون و مکان را نه شناسی — جز بازگهِ پیر مغان را نه شناسی
ای ہمدم بیسے اگرت عشق نداری — حاشا که تو این درد نهان را نه شناسی
با خود ادب آموز تو نوک مژه باشم — نشتر چه زنی گر رگ جان را نه شناسی
دانی همه رمزِ دو جهان عارفِ خود بین — لیکن شکنِ روئے بتان را نه شناسی
این منزلِ عشق است که کس خورده نگیرد — آئینِ خرد رسمِ جهان را نه شناسی

بسمل چه بجا شد که نگه خیره شد امروز
غیر از تو همی تا دگران نه شناسی

واحد علی بسمل کاکوروی

هر دل که هولئے کام دارد — ناکامی از آن مدام دارد
از عشق تو نشأئین مست است — این میکده فیضِ عام دارد
گه گوش نهم بجام و گه لب — کز لعلِ لبت پیام دارد
من رفته ز خویش و دل ز دستم — ساقی خبر از کدام دارد
سررشتهٔ اختیار کونین — آن گیسوی مشکفام دارد
در پیش رخ تو ناتمام است — حسنے که مه تمام دارد
ای دل نخوری فریب خالش — این دانه هزار دام دارد
از خونِ جگر بدورِ چشمت — پیمانهٔ ما مدام دارد

گمنام ترا ز نجیب کس نیست
امروز هر آنکه نام دارد

ابوالخیر محمد نجیب اللہ نجیب

کھلے بند آئیے کیا آپ اُدھر چلمن کے بیٹھے ہین
کہ ہم مشتاق مدت سے رخ روشن کے بیٹھے ہین

نہین ہی خوف ہم کو یا نبی خورشید محشر کا
کہ ہم نیچے تمھارے سایۂ دامن کے بیٹھے ہین

رہ الفت مین رکھنا پھونک کر اپنا قدم اے دل
یہان جو رہنما ہین بھیس مین رہزن کے بیٹھے ہین

خراب آباد عالم پر عجب حسرت برستی ہی
گرے ہین بام و در اٹھکر کہین گھر بنکے بیٹھے ہین

یہ ظالم چرخ میرے قتل کی کیا فکر کرتا ہے
خدا رکھے وہ خود گاہک مری گردن کے بیٹھے ہین

دفور شوق کا اچھا نہین ہی چھیڑنا ادن کو
کہ وہ پھر روٹھجا ئینگے ابھی تو من کے بیٹھے ہین

لگائے ہین ہزارون پودے مینے گلشن فن مین
جہا نمین خوشہ چین لاکھون مرے خرمن کے بیٹھے ہین

کسی کو قتل کر کے آج آئے ہی نہین بجیسے
کوئی دیکھے کہ وہ کسطرح بھولے بن کے بیٹھے ہین

یہی تو دیکھنا ہی، کون جی پر کھیل جاتا ہے
گلی مین انکی یون تو سیکڑون تن تن کے بیٹھے ہین

اجل بیمار الفت کی جو آتی ہی تو آنے دین
مسیحا کس لیئے تیوری چڑھائے تن کے بیٹھے ہین

نکل جائیگا کہین دل سے مرے گنجینۂ الفت
نگہبان سیکڑون تیر آپکی چتون کے بیٹھے ہین

مرا دل ہی نہین کچھ درد کے اُٹھنے سے بیٹھا ہی
زمانے مین ہزارون گھر نہین بن بنکے بیٹھے ہین

مزا ملتا تھا اے رب منتین کرنے مین رو رو کر
مناتے اور ہم اونکو ابھی کیون من کے بیٹھے ہین

انھین اکروز اے دل جھکے زیر خاک جانا ہی
جہان مین تخت شاہی پر جو اکدن تنکے بیٹھے ہین

تمنا کیا اکڑتا ہی غرور نوجوانی مین
ابھی سب دیکھنے والے تری بچپن کے بیٹھے ہین

تمنا عمادی پھلواروی

ہے سودا آتش الفت خلش ہے درد پنہان کی
ہے کچھ ناگفتہ بہ حالت تری بیمار ہجران کی

حقیقت ہم سے پوچھو زاہد و گلزار رضوان کی
فقط ہے دل کا بہلاوا حکایت حور و غلمان کی

نہ اب وہ دل کی الجھن ہے نہ کثرت درد پنہان کی
ہلکی بار اس آئی ترے وحشی کو بیابان کی

دل مرحوم مردم کفن ہے ولے ناداری
کہ اک دھجی نہیں باقی گریبان میں گریبان کی

ذرا اے زمزمہ سنجان گلشن خواب سے جاگو
خبر بھی ہے تمھیں تم پر مردہ گلہای خندان کی

اکٹھا کر کے ٹکڑے لاش کو قاتل نے کفنایا
ہوئی شیرازہ بندی یون ان اوراق پریشان کی

دل بیتاب سے دریافت کر لو الفت گیسو
حکایت زلف کی سن لو پریشان سے پریشان کی

عجب حسرت سے سوئے جلوہ گاہ طور جاتا ہون
بڑھی ہے آرزو جسدن سے دیدار روئے جانان کی

تمنائے دل وحشت زدہ صحرا نوردی ہو
تقاضائے سر شوریدہ ہو دیوار زندان کی

تغافلہائے بیجا اور دعواے مسیحائی
خبر تو لیجیے چلکر مریض درد ہجران کی

فدا ہے خلعت شاہنشہی دلق گدائی پر
حقیقت کیا مری نظرون میں اورنگ سلیمان کی

ہزارون سرفروشان محبت روز جاتے ہین
گئی ہے راہ سیدھی قتلگہ سے باغ رضوان کی

شکایت ہائے بیجا سے نہون لب آشنا ہرگز
دہان زخم دل سے ہو صفت انکی نمکدان کی

جفا کی بے محل کا کیا گلہ جب دل ہی قابو مین
نہو تو کیا کرے کوئی شکایت سوز پنہان کی

سویدائے دل عاشق کہ ہو خال رخ خوبان
سیاہی لے اڑے دونون سواد شام ہجران کی

ترا تیر نظر جب کھا چکے تو یہ کھلا ہم پر
کہین بہتر تھا مرجانا خلش سے درد پنہان کی

کہان تک قید خانے مین رہین کچھ انتہا بھی ہے
اب اے جوش جنون ہے آرزو سیر بیابان کی

ترا حسنِ ملاحت خیز کافی ہی جراحت کو
مرے زخموں کو اب حاجت نہیں قاتل نمکدان کی

اودہر انگڑائی لیکر وہ اٹھی اُسکے سرہانے سے
دگرگون ہو گئی حالت ادہر بیمارِ ہجران کی

سنا ہی ہم نے پیر میکدہ سے اس کا افسانہ
ہمیں معلوم ہے خنجر حقیقت باغِ رضوان کی

مرزا فدا علی خنجر لکھنوی

ز فیضِ جلوۂ حسنت بت آتش عذارِ من
جہد برقِ تجلی از رگِ سنگِ مزارِ من

تو اے چشم و چراغ دیدہ و دل تا ز من رفتی
سیہ تر روزہاے من شد از شبہاے تارِ من

ز کام من سخن رانی تو اے خود کام میدانی
ندارم جز بتو کاری نمی آئی بکارِ من

بہاران گل کند از خندہاے لعل رنگینش
چمن بالد ز ابرِ گریۂ بے اختیارِ من

کفِ پایت ز شوخی کردہ گرم آغوش نقشِ پا
دم رفتار و دل برقے تپان اندر کنارِ من

کدامی مہروش از خاکساری جلوہ فرما شد
کہ مہ در بر بود ہر ذرۂ مشتِ غبارِ من

شبِ تار است و من در ہجر او تا چشم بکشادم
مگر روز از جہان معدوم شد در روزگارِ من

دلِ روشن چو شمع و سینہ صاف است فانوسی
ہویدا تر بود پنہان من از آشکارِ من

درین میخانہ ام تصویر مستی آرزو کردن
سراپا بشکنم گر بشکند رنگِ خمارِ من

ندانم از کدام آئینہ آمد طوطیم خوشخوان
ولیکن اینقدر دانم کہ شعر آمد شعارِ من

دلِ اُمید خون گشت و بجا آمد دو رہیا
کجائی ای بتِ غارتگرِ صبر و قرارِ من

ابو الکمال سید محمد علی اُمید امیٹھوی

وہی کوثر کا ذکر آبیٹھا جب بادہ خوارون مین
الہی توبہ کیا واعظ بھی ہی امیدوارون مین

کہا مین نے جو حال دل تو بولے غیر سے ہنسکر
انھین بھی آج سے لکھ لیجیے امیدوارون مین

نزاکت وہ ادا کی اور وہ چھپی ہوئی چتون
یہ اونکے ڈھنگ ہین جو قتل کرتی ہین اشارون مین

کسی سے راز دل کہکر ہم اپنی بات کیون کھوئین
کبھی تو کھل ہی جائیگا اشارون مین کنایون مین

ادا سے شرم کم کیا تھی مگر بدنام کرنے کو
فلک بھی ہو گیا شامل تمھاری پردہ دارون مین

ہمارا نام ہی مرزا اسی کوچہ مین رہتی ہین
ہمین بھی یاد رکھنا ہم بھی ہین امیدوارون مین

قدر اہل کرم ہی سائل سے
ہی حسینون کی آبرو دل سے

عشق کی ابتدا ازل سے ہے
شور طوفان اٹھا ہی ساحل سے

عشق مشکل سبب ضعف مین ہی
کام لینا ہے جذبۂ دل سے

اسقدر بڑھگیا ہی جنون طلب
الٹے پھر آئے پہلی منزل سے

کچھ نشان ہین ابھی مزارون کے
حسرتون کا سراغ ہے دل سے

چاک کرتا ہے دل کو وہ سفاک
آج نکلے گی آرزو دل سے

کیا تڑپنے کا لطف ہی لے دل
اوسکو نفرت ہی رقص بسمل سے

منزل بیخودی مین ہے مجنون
کام لیلیٰ سے ہی نہ محمل سے

آئنہ سے ہے رد و بدل
تنگ ہین شوخی مقابل سے

عین وحدت خلاف کثرت ہی
لطف خلوت جدا ہے محفل سے

شمع فانوس اوسکی محفل مین
چھپتی کیون ہی اہل محفل سے

عشق وحسرت کی لذتین مرزا
پوچھنا چاہیئے مرے دل سے

پروفیسر محمد ہادی مرزا

محمڈن یونیورسٹی

اور

اور سر سید موریل فنڈ

ان احسنتم احسنتم لانفسکم

حضرات! اسلامی یونی ورسٹی کی تحریک سے یقیناً آپ واقف ہین، سر سید مرحوم جو مسلمانون کے دلی خیر خواہ تھے اور ہماری امراض کے واقعی تشخیص کرنے والے تھے، انھون نے ۱۸۷۲ء مین مسلمانون کے سامنے یہ مسلہ پیش کیا تھا، کہ اپنا ایک قومی دارالعلوم جداگانہ قایم کرکے نوجوان طلبار کو جملہ علوم وفنون کی تعلیم دیجاے۔ تاکہ وہ عالم باعمل بننے کے ساتھ ہی قومی محبت۔ ہمدردی۔ اور اسلامی اخوت جیسی بیش بہا خوبیون کو اپنی زندگی کا شعار بنائین اور اُس قومی شکستہ عمارت کو از سر نو درست وبحال کرنے مین معماری کا کام دین۔ ایم اے او کالج علی گڑہ اسی دارالعلوم کی تکمیل کا پہلا درجہ تھا اور اب بفضل خدا۔ قوم کے فیاض طبع بزرگون کی فیاضی کی بدولت یہ دشوار گزار راستہ نصف سے زیادہ طے ہو چکا ہے۔ سر سید رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر ملال کے بعد اُس کے نیک دل۔ باہمت شاگردون اور سچے دوستون نے استقلال اور توجہ سے زیادہ کام لیا جنکی اخلاص مندی اور مساعی جمیلہ سے بہت کچھ کامیابی ہوئی اور ہو رہی ہے۔ بس اسی طرح اگر ہمت مردان مدد خدا پر ہمارا عمل درآمد رہا۔ تو انشاء اللہ اسی سال کے اندر سر سید رحمۃ اللہ علیہ کی پیاری امید۔ اور مرحوم ومغفور نواب محسن الملک کی آرزو کا نورانی چہرہ مشاہدہ مین آوے گا۔

یونی ورسٹی کی تکمیل کے لیے چار لاکھ روپیہ سالانہ کی آمدنی کی ضرورت ہے جس مین سے دو لاکھ روپیہ سالانہ کا انتظام ہو چکا ہے۔ یعنی ایم۔ اے او کالج علی گڑھ کی دو لاکھ روپیہ سالانہ کی آمدنی موجودہ صورت مین ہے اب اتنی بڑی کثیر التعداد اسلامی۔ جس مین سے بعض افراد لاکھون کے مالک ہین اور بعض کی کروڑون کی جائداد اور ثروت ہے۔ صرف دو لاکھ سالانہ کی اور درخواست ہے قرآن کریم پکار پکار کر سنا رہا ہے ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم یعنی خداوند تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہین بدلتا جب تک کہ وہ قوم اپنی حالت آپ نہ بدلے۔ پس ہر فرد و بشر اہل اسلام کا فرض ہے۔ کہ علی قدر مراتب اور حسب حیثیت اس قومی بوجھ کے اٹھانے مین پورا زور لگا دے جو شخص ایک روپیہ اس مشترکہ کار خیر مین دے سکتا ہے۔ وہ ایک روپیہ دے اور جو ایک سو روپیہ عنایت فرما سکتا ہے وہ ایک سو عنایت فرمائے اور علی القیاس جو ایک لاکھ روپیہ دینے کی وسعت رکھتا ہو وہ ایک لاکھ عطا فرمائے۔ تکمیل یونیورسٹی کیلیے تین لاکھ کی ضرورت کافی سمجھی گئی ہے

حضرات امحض خواہش سے کوئی کام نہین بن سکتا۔ بلکہ خواہش کے بعد عمل کی ضرورت ہے۔ اور علی ہمدردی اور حاضر الوقت امداد اشد صرف اسی قدر درکار ہے کہ جسقدر روپیہ کوئی صاحب خود دے سکتے ہین یا اپنے عزیزون خویشون اور دوستون سے دلا سکتے ہین۔ اسکے دینے دلانے مین توقف نفرماوین اور فاستبقوا الخیرات کو عمل مین لائین۔ ہم جرأت سے کہتے ہین کہ بمصداق آیت کریمہ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔ اُن کا یہ نیک عمل ہرگز ہرگز ضایع نہوگا۔

بلکہ خداوند تعالیٰ کی درگاہ سے وہ ایک کے صلہ مین سات سو کا مستحق ہوگا جیسا کہ ہم قرآن کریم مین پڑھتے ہین۔ مثل الذین ینفقون اموالہم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ واللہ یضعف لمن یشاء واللہ واسع علیم یعنی جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ مین خرچ کرتے ہین انکی مثال ایک دانہ کی ہے جو سات بالین پیدا کرتا ہے جس کے ہر بال مین سو دانے ہوتے ہین اور خدا جس کے لیے چاہتا ہے۔ اُسے بھی دگنا کردیتا ہے۔ اللہ عام اور وسیع بخشش کرنیوالا ہے اور ہماری نیتون کا جاننے والا ہے۔ !

اس تمہید کے بعد اب مین پھر آپ سے عرض کرتا ہون۔ کہ آپ اسلامی یونیورسٹی کے لیے فراہمی چندہ مین امداد دیجئے۔ یعنی جو کچھ خود عطا فرما سکتے ہون عطا فرمائے اور جس قدر اپنے دوستون اور عزیزون اور بزرگون سے فراہم کرسکتے ہین۔ اُس کے لیے ہم سے سر سید میموریل فنڈ کی رسید بہیان طلب فرمائے اور روپیہ جمع کیجئے !

آخری دعا یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ آپ کی ہمتون مین برکت۔ سینون مین کشادگی اور ارادون مین استقلال عطا فرماوے۔ آمین ثم آمین۔

خاکسار

عبداللہ

آنریری سکرٹری سر سید میموریل فنڈ
محمڈن ایجوکیشنل کالج علیگڈہ

نشان تجارت

رجسٹرشدہ

ڈاکٹر لالور
کا
فاسفوڈائن



دماغی کمزوری فالج بیخوابی ڈرولنے
خوابی دیکھنا۔ قوی کا قبل از وقت
انحطاط نظام جسمانی کی وہ تمام بدنظمی اور
امراض جو قوت نامیہ کے کم ہوجانے
سے لاحق ہون۔ ان امراض کے
بہترا ور قابل اعتماد علاج ہین اس
دوا نے چالیس برس سے زیادہ اپنی عام
شہرت قائم کر رکھی ہے۔
فاسفورس کے اس
مرکب سے عصبی
کمزوری اور

اسکی قوت بخش تاثیرات پہلی ہی روز استعمال
کرنیسے ظاہر ہوجاتی ہین عصبی اور دماغی
قوتون مین زیادتی کے ساتھ ہی مریض کے
دلمین عادت کی بالکل خلاف تقویت اور تسکین
پیدا ہوجاتی ہے۔ ہاضمہ مین قوت آجاتی بھوک
بڑھجاتی اور قبض رفع ہوجاتا ہے نیند آرام سے
آتی اور فرحت بخش ہوتی ہے چہرہ بھرجاتا ہے لب
سرخ آنکھین روشن اور بدن جلد صاف اور صحت مند ہوجاتی ہے
بالونمین مضبوطی آجاتی ہے جس سے ظاہر ہے
کہ یہ اعصاب کو کیسا عظیم
کرتی ہے دیکھا تمام

خبردار

”فاسفوڈائن“ کا نام قانون ٹریڈ مارک
کے مطابق محفوظ کرلیا گیا ہے۔ اسلیے اسکی نقل رنگ مین یا کسی
دوسری حیثیت سے فروخت کرنیوالونسے عدالتی چارہ جوئی کیجائیگی اس قسم اور
نام کی صرف یہی ایک دوا ہے جسکو کلکتہ کی نمائش واقع ۱۸۸۳ء مین اعلیٰ سند ملی تھی

اسی ذیل کی دوسری بیماریون مین فوری اور مستقل نفع
ہوتا ہے اور تمام فاسد خیالات اور علامات تکلیف حیرت انگیز
سرعت سے دور ہوجاتے ہین۔

حصونکی ماشندن اور فن طبابت کے اعلیٰ ماہرون کی نہایت مستند
شہادتون سے یہ عالمگیر فیصلہ بخوبی ہوگیا ہے۔ کہ سائنس کی تحقیقاتی
دنیا مین فاسفورس کے کسی دوسرے مرکب کو ایسی وصفت اور مزین کی قدرانی
نصیب نہین ہوئی۔

ہندوستان بھر کے دواساز اور ادویہ فروش بحساب فی بوتل (خورد) ؁ (کلان) ؏ فروخت کرتے ہین۔

صرف ڈاکٹر لالور کی

فاسفوڈائن لیبوریٹری“ ہیمپ۔ اسٹیڈ۔ لندن۔ انگلستان مین
بنایا جاتا ہے

انوار الناظر پریس مین منشی سخاوت علی نے چھپوا کر شایع کیا

جامے است جہان نماے ہر صفحہ درین

۱۳۲۶ھ

النّاظر

فلسفی - تاریخی - تمدنی - اخلاقی - معاشرتی - ادبی مضامین کا

(ماہوار رسالہ)

نمبر ۲۱ یکم مارچ سنہ ۱۹۱۱ع جلد ۳

الناظر پریس متصل پل آہنی مین طبع ہوکر

دفتر رسالۂ الناظر فلا ور ملز لکھنؤ سے شائع ہوا

فہرست مضامین

الناظر

نمبر ۲۱ جلد ۳ یکم مارچ سنہ ۱۹۱۱ء

ہزہائینس سر آغا خان بالقابہ

لکھنؤ مین

مسلم یونیورسٹی کی تحریک کے متعلق ہزہائینس سر آغا خان بہادر بالقابہ کا ۵ فروری سنہ ۱۹۱۱ء کو ہمارے شہر مین تشریف لانا ایک ایسا واقعہ ہے جو غالباً عرصہ تک یاد رہیگا، جس جوشش وخروش کے ساتھ اودھ کے دار السلطنت مین انکا خیر مقدم کیا گیا، اور جس فیاضی اور روشن خیالی کا اہل اودھ نے اس موقع پر ثبوت دیا اس سے معلوم

ہوتا ہے کہ مسلمانان اودھ مین زمانہ حال کی تعلیمی ضروریات کے متعلق کس قدر بیداری پیدا ہوگئی ہے۔

اسی روز سہ پہر کو عالی جناب سر تصدق رسول خان بالقابہ تعلقدار جہانگیر آباد کی جانب سے گارڈن پارٹی تھی، جس مین تمام مسلمان رؤسا و تعلقداران معتبار کے علاوہ اکثر ہندو اصحاب بھی مدعو تھے۔ اور اس دعوت مین عجب چہل پہل معلوم ہوتی تھی۔

گارڈن پارٹی سے رخصت ہوکر شام کو قیصر باغ کی سفید بارہ دری مین ایک جلسہ مسلم یونیورسٹی کے لیے چندہ جمع کرنے اور اُس کی بابت عام مسلمانون مین صحیح خیالات کی اشاعت کے واسطے ایک صوبہ کی کمیٹی قائم کرنے کی غرض سے بصدارت ہز ہائینس سر آغا خان بالقابہ ہوا، اور باتفاق آرا یہ قرار پایا کہ "ایک کمیٹی بغرض تکمیل مسلم یونیورسٹی متعلق صوبہ اودھ قائم کی جائے، جس کے پریسیڈنٹ و سکرٹری و ممبران حسب ذیل حضرات ہون۔

پریسیڈنٹ، آنریبل راجہ سر تصدق رسول خان صاحب بہادر کے، سی، ایس، آئی، تعلقدار جہانگیر آباد۔

آنریری سکرٹری، آنریبل راجہ سر علی محمد خان صاحب بہادر، کے، سی، ایس، آئی، تعلقدار محمود آباد

ممبران

نوٹ

تخمیناً تین سو با اثر حضرات، اودھ کے کل بارہ ضلعوں سے بطور ممبر منتخب ہوے جنکے اسما گرامی اس مقام پر نام بنام درج کرنے سے بخوف طوالت احتراز کیا جاتا ہے۔

اس جلسہ میں ہمارے شہر کے نامی گرامی شاعر مولانا سید علی نقی صفی نے ایک فارسی قصیدہ کا کچھ حصہ سنایا تھا جس نے سامعین پر تھوڑی دیر کے لیے ایک حالت وجد طاری کر دی تھی۔ یہ قصیدہ باجازت ہر ہائینس نیلام کیا گیا، اور ہمارے شہر کے نامور رئیس اور قدردان اہل علم و ہنر بزرگ منشی احتشام علی صاحب نے مبلغ پانچسو روپیہ کو خرید کیا، اور اس طریقہ پر یونیورسٹی فنڈ میں اتنی رقم کا اور اضافہ ہوا۔

۴ر فروری کی شب کو آنریبل راجہ صاحب محمود آباد بالقابہ کی جانب سے لکھنو کے معززان کی ایک شاہانہ دعوت ہوئی اس جلسہ میں چونکہ تمام علماء عظام اور مجتہدین کرام اور شاہزادگان و نواب زادگان بالجملہ تقریباً سو آدمی مدعو تھے، اسوجہ سے کھانا سب ہندوستانی قسم کا تھا اور نشست بھی فرش کی ہوگئی تھی، دعوت بھی عجب پر لطف دعوت تھی، ہز ہائینس سر آغا خاں بالقابہ ایران کی شاہی زرنگار کلاہ اور قبا زیب بر کیے ہوے تھے اور اُس سچے اسلامی اخلاق اور انکسار کا نمونہ بنے ہوے تھے جس کی صورت مدتہاے مدید کے بعد کہیں نظر آجاتی ہے، اُنکے مادہ پرست لطف گفتگو اور بے تکلفانہ طرز عمل نے ایک عجیب سماں پیدا کر دی تھی، ہر شخص گرویدہ اور اسیر اخلاق ہو رہا تھا، اور حالانکہ پہلے سے متعلق اسکا خیال نہ تھا کہ اس دعوت میں چندوں کا اعلان ہوگا، مگر سر راجہ صاحب بہادر محمود آباد پر کچھ ایسا اثر تھا کہ اُنھوں نے اپنی اور سر راجہ صاحب بہادر جہانگیر آباد کی جانب سے ایک ایک لاکھ روپیہ کے فیاضانہ عطیہ کا اعلان کرکے ایک ایسے سلسلے کو شروع کر دیا جسکی انتہا چند گھنٹوں میں تین لاکھ سے اوپر پہونچکر رہی ان چندوں میں سب

سے زیادہ قابل بیان اور قابل قدر وہ پانسو روپیہ کی رقم ہے جسکے عنایت فرمانیکا مولانا مولوی حاجی حافظ محمد عبدالباری صاحب فرنگی محلی مدظلہ العالی نے اعلان فرمایا اور اس طریقہ پر طبقہ علما کی کامل ہمدردی کا یقین دلایا، ہمکو جناب مولانا موصوف کی روشن خیالی سے ایسی ہی امیدیں ہیں، خداوند کریم انکو ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم رکھے، اور ہماری ہدایت ایسے ہی علماء کے ہاتھ میں رہے جو تنگ خیالیوں اور قدامت پرستی اور ضد سے مبرا ہوں - اور قوم کی سچی ہمدردی کو اپنا فرض اور شعار تصور کریں -

۷ فروری ۱۹۱۱ع کی سہ پہر کو ہز ہائینس موٹر پر مع چند حضرات لکھنو کے کانپور تشریف لیگئے تھے جہاں ایک مختصر تقریر فرمائی، گارڈن پارٹی میں شریک ہوئے، حافظ محمد حلیم صاحب تاجر چرم سے پندرہ ہزار روپیہ کے چندہ کا وعدہ حاصل کیا اور شام ہی کو واپس آکر بلا کسی تکان و زحمت کا خیال کیے ہوئے ایک جلسہ عام مسلمانان لکھنو کے صدر نشین ہوئے اور ایک لاجواب اور پرمغز تقریر میں مسلم یونیورسٹی کی ضرورت اور اسکے فوائد کو زبان انگریزی میں بیان فرمایا جسکا خلاصہ اردو زبان میں جناب منشی سجاد حسین صاحب مالک رسالہ ہذا نے باجازت ہز ہائینس اُن حاضرین کے فائدہ کے واسطے بیان کیا جو انگریزی نہ سمجھ سکتے تھے - اسکے بعد جناب منشی احتشام علی صاحب جناب نواب سید شہنشاہ حسین وکیل اور ملک بہار کے جادو بیان واعظ پھلواری شریف کے باکمال سجادہ نشین مولانا شاہ سلیمان صاحب مدظلہ نے وہ داد فصاحت و سحر طرازی دی کہ اُسی وقت اُنیس ہزار روپیہ کے قریب چندہ ہوگیا - جسکی فہرست اخبارات میں شائع ہو چکی ہے اس لئے اُس کا اعادہ غیر ضروری سمجھکر ہم قلم انداز کرتے ہیں امید ہے کہ اودھ سے بہت جلد پانچ لاکھ روپیہ کی رقم جمع ہو جائے گی -

فطنت

(نمبرا)

جن لوگون نے موجودات اور موجودات کی قدرتی تقسیم پر کامل غور کیا
اور فلسفیانہ نظر سے دیکھا ہے وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہین کہ

اگرچہ موجودات کا ترتیبی سلسلہ اور نظامی مرحلہ ایک ہی قانون کے تابع اور ایک ہی ضابطہ کے ماتحت معلوم ہوتا ہے اور ایک سلسلہ دوسرے سلسلہ سے کچھ نہ کچھ ترتیبی یا نوعی نسبت رکھتا ہے لیکن پھر بھی اس مین تباین ہے، گو قانون توافق کے ماتحت ان سب سلسلون مین مطابقت پائی جاتی ہو اور گونہ اتحاد بھی موجود ہوتا ہے مگر دو چیزون یا دو وجودون مین نظام خلقت کے اعتبار سے مشابہت تام کسی صورت سے نہین تسلیم کیجاتی

قانون توافق کے ماتحت شخصی تجربون سے اغراض کا اشتراک ہو جاتا ہے مگر مشابہت تام نہین ہوتی، اور اغراض کی یکسانیت انواع کی یکسانیت کی مستلزم نہین۔

یہ امر اگر مان بھی لیا جائے کہ کبھی کبھی یا بعض حالتون مین دو چیزون مین ایک قسم کی نسبت ہوتی ہو تو اسے ہم مشابہت تام نہین کہہ سکتے۔ کیونکہ مشابہت تام کی تعریف ایک قسم کی نسبت پر صادق نہین آسکتی، دو چیزون مین ایک ہی نسبت کا پایا جانا کبھی کبھی بعض کیفیتون کی اسمی قربت کی بہت سے ہوتا ہے۔

علمی حیثیت سے مشابہت تام کی تعریف اسمی نسبت سے جدا گانہ ہے۔ اسمی نسبت مین اکثراوقات نوعی نسبت کا عکس ہوتا ہے جو اپنی نوع کے تمام

افراد پر حاوی سمجھا جاتا ہے اور مشابہت تام باعتبار اپنی تعریف کے اپنے افراد مختلفہ پر محیط نہیں ہوتی، بلکہ بعض اپنے ذاتیات پر وہ محیط ہوتی ہی، جب ایک شئے دوسری شئے سے ذاتیات اور اوصاف مین پوری مشابہت رکھے تب وہ مشابہت تام ہے بعض اجزا مین اگر مشابہت ہو اور بعض مین اختلاف تو اس نسبت کو نسبت ناقصہ کہین گے۔

اب ہم دیکھنا چاہتے ہین کہ ان دونون اعتبارات سے مشابہت تام کیا ہی؟ ایک شئے کا دوسری شئے سے عوارض اور لوازم مین ایسا مشابہ ہونا کہ اُسکا اِس پر اطلاق ہو سکے اور اِسکا اُسپر تقریبًا محال ہی، کیونکہ جب ہر شئے قدرتًا دوسری شئے سے خلقی مغایرت رکھتی ہی اور محض اسی مغایرت کی وجہ سے اسکی ہم تمیز کرتے ہین تو یہ کسطرح کہا جائیگا کہ ان دونون مین ایسی نسبت موجود ہے، جس سے انھین دراصل ایک شئے قرار دے سکین،

اگر بعض عوارض یا کسی ذاتی جزو مین کسیقدر مشابہت پائی بھی جاوے تو دراصل مشابہت تام کے اصل معنون مین وہ نہین استعمال کیجا سکتی بلکہ ایک قسم کا نسبتی تشابہ ہوتا ہے،

جب کبھی ہمین محسوس ہوتا ہی کہ ہماری کوئی حالت یا کوئی چیز اور کوئی کیفیت جسے ہم خیال مین لا رہے ہین کسی دوسری حالت یا چیز اور کیفیت سے کوئی نسبت رکھتی ہے، عام اس سے کہ ایسی نسبت محض خیالی ہو یا بوجہ کسی نسبتی قرینہ کے اُسمین کوئی اصلیت بھی ہو، تو ہم مجازًا کہدیتے ہین کہ کسی دوسری حالت یا چیز اور کیفیت سے مشابہ ہے، اور یہ امر ہم اسواسطے کہدیا کرتے ہین

کر اس سے زیادہ سادہ تر عبارت مین ایسا ذہنی یا خیالی مفہوم ادا نہین ہوسکتا ، کوئی شخص درستی یا غیر درستی سے حقیقتاً یہ نہین بتلا سکتا کہ دو چیزون مین باعتبار حقیقی معانی کے کیا کچھ مشابہت ہے ، یا یہ کوئی نہین کہ سکتا کہ ایک چیز کا دوسری کے مشابہ ہونا کیا مفہوم رکھتا ہے کیونکہ ایسے ناممکن الاظہار تجربہ کو ہر شخص بجائے خود محسوس تو کرتا ہے الیکن دوسرون پر اسکے اصلی مفہوم کا اظہار اور وضاحت نہین کر سکتا۔

جب ایک انسان ایک شیر سے بہادری مین نسبت دیا جاتا ہی تو دراصل یہ ایک نسبت ہی ہوتی ہے اصلی مفہوم مین مشابہت نہین ہوتی کیونکہ انسان کی شجاعت اور شیر کی بہادری مین باعتبار طرز عمل کے دراصل کوئی مشابہت نہین بے شک بعض اوقات بچے یا اور لوگ بعض اشیا رنگون اور ذائقون مین مثلاً دہاری دار گھاس یا سبز گی کے دو پتے یا کھٹے اور میٹھے ذائقہ مین جو ایک دوسرے کے ہو بہو مشابہ ہون نسبتی مشابہت ڈھونڈ نکالتے ہین لیکن اس نظام قدرت مین دو ایسے افراد جو باہم بہمہ وجوہ مشابہ ہون کبھی دریافت نہین ہو سکتے۔

اجسام کی قدرتی بناوٹ اور پھر اجسام یا حصص زندگی کے وہ تغیرات جو ہر معقول اور مقررہ وقفہ کے بعد ظہور پذیر ہوتے رہتے ہین ہمیشہ ایک جسم کو دوسرے سے جدا کرتے جاتے ہین نہ دوسرون ہی کو بلکہ انکی اپنی ہیئت بھی بدلتی جاتی ہی علم النفس و القوے کے ماہرین نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہی کہ سن بلوغ کو پہونچے ہوئے اشخاص کے جسمون مین سے آج تک

دو جسم بھی ایسے نہین پائے گئے جن مین بعد مشاہدہ بلیغ بھی بہت سے فرق و اختلاف معلوم نہ ہوئے ہون احساس مرحلہ سے انہون نے اسبات کا بھی فیصلہ کر دیا ہی کہ بعینہ یہی حال نفس ناطقہ انسانی کا ہے ۔

ہر ایک چشمۂ روان کا رنگ نرالا اور جدا گانہ ہوتا ہی اور ان افرادی حالات اور کیفیتون کی ماہیت اور تواتر کی ترتیب جن سے کہ وہ چشمۂ روان بنتا ہے ہر ایک دوسرے چشمۂ روان سے انوکھی اور مختلف واقع ہوتی ہے بالتحقیق دو نفوس کی نشو و نما کبھی بالکل مشابہ طریق پر نہ ہوئی اور نہ ہو سکتی ہی اسمین کلام نہین کہ ذہنی حالات اور کوائف کے اعتبار سے بعض فرد دیگر افراد سے زیادہ تر قریب ہونے کی وجہ سے ایک قسم کی خیالی یا ذہنی او نسبتی مشابہت رکھتے ہین جن سے کہ انکی جماعت بندی ہوتی ہے کیونکہ جو نفوس ایک سلسلۂ جماعت مین داخل ہوتے ہین ان مین کچھ نہ کچھ نسبت اور قرابت پائی جاتی ہے ، اور یہ کہا جاتا ہے کہ جو نفوس ایک سلسلۂ جماعت مین ہین وہ ایک دوسرے کے مشابہ ہین ، یہ جماعت بندی قانون موانست کے ماتحت ہوتی ہی قوانین موانست کیا ہین وہ امور یا وہ قوانین ایمائیہ جن سے یا جن کے ماتحت خیالات ایک دوسرے کا ایما کرتے ہین تمام ذہنی زندگی اصول ایمائی کے ماتحت رکھی ہی کیونکہ نہ صرف خیالات ایک دوسرے کا ایما کرتے ہین بلکہ نظارے ۔ صدائین ۔ ذائقے خوشبوئین وغیرہ بھی خیالات کا ایما کرتی ہین ، مثلاً کسی پھول کو دیکھنے سے وہ باغ یاد آجاتا ہی جسمین وہ اول اول دیکھا گیا تھا ، کوئی خوشبو اس دوست کی یاد دلاتی ہی جسکی پوشاک سے

یہ بھینی بھینی خوشبو کبھی آئی تھی۔ اسی اصول ایمائی سے دو چیزون اور دو لیتیون مین مشابہت یا ایک قریبی نسبت کا خیال پیدا ہوتا ہے اور یہی حقیقت مشابہت کی ہی، لیکن اس سے ہم کبھی یہ نتیجہ نہین نکال سکتے کہ دو چیزین یا دو طاقتین کسی طرح کے دو وجود صحیح معانی مین ایک دوسرے کے مشابہ واقعہ ہوتی ہین۔ اگر ہم یہ مان لین تو ہمین قوانین خلقت کی عملی حالت سے دور ہٹ جانا پڑے گا، کیونکہ ہمارے سامنے جو سلسلہ موجودات کا موجود کیا گیا ہے اسکے دو فرد صحیح معنون مین کوئی مشابہت تامہ نہین رکھتے، ہان اصول ایمائی کے ماتحت ایک نسبت یا ایک قربت بہ معنے مشابہت موجود ہوتی ہی جسے ہم اجسام اور اذہان دونون مین بغور و لتعمق محسوس کرسکتے ہین، یا ہمین محسوس ہوتی ہی۔

جیسے اجسام ابدان اور انکو کوایف بہ حیثیت اجسام و ابدان ایک دوسرے سے مختلف ہین ایسے ہی اذہان قوے اور ان کے احساسات اور کیفیتین ایک دوسرے سے خلاف رکھتی ہین۔ عام اس سے کہ ایسا اختلاف اور تبائین کسی مقدار مین ہو

گو ہم یہ مان لین گے کہ مصنوعی اشیا مین انسان ایک قسم کی کامل یا اتم مشابہت محسوس کرتا ہے، لیکن یہ نہین مانا جا سکتا کہ قدرتی اجسام اور کوایف مین کوئی ایسی مشابہت موجود ہے، انسانی مصنوعات مین بعض وقت اسلئے بھی مشابہت ہوتی ہے۔ کہ ہم خود انھین ایک دوسرے کے مشابہ بناتے ہین، اور ہمارے حیز قدرت مین اسباب صنعت بہت کم ہوتے ہین، لیکن صانع حقیقی یا قدرت اسباب کی محتاج نہین اور نیز یہ کہ اسکا اصول خلقت ہی پہلو سے تضاد اور تشتت تبائین لیئے ہوئے ہے انسان کے مصنوعات اصلی ترقی کے حامل نہین

ہین لیکن قدرتی خلقتین وہی غرض رکھتی ہین؛ اس حالت مین لازمی تھا کہ انکی تخلیق و تکوین ایسے اصول پر واقعہ ہو جس سے یہ اغراض حاصل ہوسکتین؛ ان مین ایسا اختلاف ہو جو جداگانہ اجتہاد کے لیے مناسب پہلو رکھتا ہو۔

فرض کرو کہ

دنیا مین اسوقت سب افراد ایک ہی شکل ایک ہی قوت اور ارادہ کے ہین

اُن کے اغراض اجتہاد یہ بھی ایک ہی قسم سے ہین۔

وہ سب کے سب ایک ہی منزل کے سالک ہین۔

کیا ان حالات مین دنیا ترقی کرسکے گی اور کام چل جائے گا اور لوگ آرام و آسایش سے رہ سکینگے۔

اگر صحیح نتیجہ پر پہونچکر جواب اسکا دیا جاوے تو یہی کہنا پڑیگا کہ موجودہ نظم و نسق باقی نہین رہ سکتا اور ایک ہی دم مین طلسم انسانی تمدن اور آئینہ معلومات صدمہ دل شکن سے چکنا چور ہو جائے گا۔

مدارج اور مراتب کے اختلاف سے ہی دنیا کا کام چل رہا ہے اگر ایک حکومت مین سب بادشاہ ہی ہون یا سب رعایا تو کسطرح سیاسی ضابطہ چلے گا؛ اگر ایک گھر مین سب لوگ فرض کرین کہ ایک ہی شکل اور شباہت کے ہین تو کون شخص ان مین تمیز کرسکتا ہے اور کس طرح اس گھر کا انتظام چلنے کی امید کیجاسکتی ہے

مشابہت کی بحث مین مساوات کی بحث بھی کی جاتی ہی بعض لوگ یہہ کہنے کے عادی ہین کہ

وہ قدرت مساوات قایم کرتی ہی۔

موجودات مین مساوات ہے۔

مساوات کا قایم رکھنا لازمی ہی"

بیشک ایسے خیالات اخلاقی جہت سے قابل تعریف ہین لیکن یہ صرف خیال ہی خیال ہین' ان کا عمل مین لانا ان کا پورا کرنا اوران کا اثبات نسبت مشابہت کے ثابت کرنے کے مقابلے مین بھی مشکل ہے۔

ہم یہ سوال کر سکتے ہین کہ

قدرت کس قسم کی مساوات قایم کرتی ہی۔

موجودات مین کیا اور کہان مساوات ہے۔

مساوات کا قایم رکھنا کیون لازمی ہے۔

ان مین سے ایک سوال کا جواب بھی کسی برہان کے ماتحت نہین دیا جا سکتا قدرت نے مساوات کا سوال ہی نہین اُٹھایا بلکہ اسکا دہانہ ہی بند کردیا ہے' کیا قدرت نے سلسلۂ قدرت مین کوئی مساوات رکھی ہی؟

یا ہمارے سامنے جو موجودات پائی جاتی ہے اس مین کوئی مساوات ہے یا ہم مساوات قایم رکھکر کامیاب ہوسکتے ہین؟

ہرایک سوال کا جواب نفی مین ہوگا۔

مساوات کے لیے کن ارکان اولیات کا تساوی ہونا ضروری ہی۔

(الف) جوہر خلقت

(ب) مرجع خلقت

(ج) اسباب خلقت

(د) آن خلقت

(ہ) نوع خلقت

(و) نسبت خلقت

(ز) حقیقت خلقت

(ح) غرض خلقت

(ط) کیفیت خلقت

(ی) ذاتیات خلقت

(ک) عوارض خلقت

(ل) افعال خلقت

(م) ابتدا دات خلقت

(ن) احساسات خلقت

اِس قسم کے اور بھی چند امور جزو لستادبیت ہین،کیا ان سب مراتب مین کوئی دو فرد یا کوئی دو چیزین مساوی ہوسکتی ہین عقل سلیم باوجود اسقدر وسعت کے اسکی تصدیق نہین کرتا،ایک منٹ کبھی یہ نہین کہسکتا کہ مین باوجود منٹ ہونے کے دوسرے منٹ کے ہرحیثیت سے مساوی ہون،بے شک مقدار وقت مین مساوی ہی لیکن انقضاے اورکیفیت انقضاے وقت اور تقدم اور تاخر مین مساوی نہین،ایک انسان بہ حیثیت انسان نوع انسان مین داخل ہوکر دوسرے انسان سے مساوی النوع ہے،لیکن اور مراتب مین بالکل مختلف ہے۔

جب عوام الناس مقادیر خلقت کی نسبت بحث کرتے ہین تو اسکا نام بحث مدارج
اور تشخیص مراتب ہوتا ہے، اور جب ایک محقق بحث کرتا ہی تو
اُس وقت اُسے تحقیق، تدقیق یا تنقید امور تباین سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور ایسی
تنقید کے کسی ایک مراحل اور مدارج مین ہر مرحلہ قابل بحث ہے اور ہر درجہ
تنقید چاہتا ہی۔

جسمانی تحقیق اور تنقید بہ مقابلہ ذہنی تنقید کے آسان اور صاف ہی ذہنی
تنقید مین بہت سے مشکلات عائد ہونے کا اندیشہ رہتا ہے، ذہنی مراحل کی
تقسیم اور تفریق بہت باریک ہے، اسکے تمام اجزائے موقوعہ مین سے فطنت
ایک ایسا جزو شریف اور ممتاز حصہ ہے جسے تمام دیگر حصص کا نچوڑ یا خلاصہ
کہنا بیجا نہ ہوگا۔

فطنت کیا ہے؟

لغت مین لفظ فطنت کے معنی زیرکی اور دانائی کے ہین۔

اصطلاح مین فطنت سے وہ مواد یا قوت ذہنی مراد ہے۔

جو بعض انسانون مین علیٰ قدر مراتب باعتبار زیرکی، زود رسی، احساس،
و ذکا فہیدگی، اور قدرت مدرکہ کے پائی جاتی ہے، اور جو ہر ایک ایسے بعض انسانون
مین مختلف مقدار اور حیثیت مین ہوتی ہی جس کی وسعت اور مقدار و احساس
اور ذکا، کے اعتبار سے ایسے انسان دوسرے انسان سے بالخصوص تمیز
دیے جاتے ہین۔

اور جب کوئی ایسا ممتاز شخص ان اعتبارات سے علوم نفیسیہ اور کمالات

عالیہ مین باعتبار ترشد وہبی یا ترشد کسبی فضیلت او رکمال کا اظہار کرتا ہے اور اسکا ایسا اکمال بہ مطابقت اپنے خاص مقدار کے بہ حد انتہائی پہنچ جاتا ہے، تو تو اُسے فطنت سے تعبیر کرتے ہین ۔ اسکی تشریح مین بعض نے

یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ "چونکہ تمام علوم نفسیہ فن شاعری اور فلسفہ وحکمت کا اصول ایک ہی ہی، جب یہ انتہا کو پہونچتے ہین تو ان کا نام فطنت ہوجاتا ہی"۔

چونکہ ان تمام علوم کا باہمی تعلق بہ قول حکیم افلاطون ضمیر سے ہوتا ہے اور ضمیر ہی ان کا حامل ہی، اور ضمیر ہی کے ذریعہ سے ان کا اظہار ہوتا رہتا ہی اس واسطے یہ ایک فطنت ہے۔ بعض نے یون بھی کہا ہی کہ "ظاہری اور ادراکات کا صحیح قوائے ذہنی کے مطابق ہر طرح سے پختہ اور مکمل ہوجانا اور ان کا دل سے پیدا ہونا اور دل پر بھی اثر کرنا اور قدرت متخیلہ کا صفائی سے کام دینا ایک فطنت ہے"۔ بعضون نے ان ان الفاظ مین تعریف کی ہی۔

"فطنت ایک طبعی خاصہ ہی جو بعض انسانون مین بہ حد کمال ہوتا ہے جب وہ طبعی خاصہ حد انتہا یا لفظ انتہا لیئے ہوئے ہو تو اُس وقت کہا جاتا ہی کہ فلان شخص صاحب فطنت ہے"۔

اس گروہ کے خیال مین جن لوگون مین یہ خاصہ بہ حد انتہا نہین ہوتا وہ صاحب فطنت نہین ہوتے۔

ہان انھین صاحب عقل اور صاحب دانش کہا جا سکتا ہے، عقل اور دانش یا ادراک کوئی اور حالت ہے اور فطنت کچھ اور ہے کثرت رائے اسی پر ہی کہ "صاحب فطنت خاص خاص اشخاص ہوتے ہین اور یہ ایک طبعی خاصہ ہے"

ہر ایک شخص صاحب عقل اور صاحب ادراک و دانش ہونے کے باوجود بھی صاحب فطنت نہیں ہو سکتا۔ لیکن ایک صاحب فطنت عقیل اور دانشمند اور مدرک بھی ہوتا ہی۔ جسطرح بعض خلقتین شعور تو رکھتی ہین مگر صاحب عقل و تمیز نہیں ہوتین اسی طرح عام انسان عقیل اور دانشمند تو ہوتے ہین لیکن فطنت کا طبعی خاصہ نہیں رکھتے۔

عقل اور دانش ہر دماغ مین بمقدار مختلف پائی جاتی ہی لیکن فطنت کے تاج کو کوئی سر ہی زیب و زینت دیا جاتا ہے۔ ہر شخص کچھ نہ کچھ عقل رکھتا ہے لیکن ہر شخص فطنت نہیں رکھتا۔ یا عام فہم الفاظ مین یون بھی ادا کیا جا سکتا ہی کہ

ہر شخص معمولی عقل و دانش اور ادراک رکھتا ہے۔

لیکن اعلیٰ اور نفیس یا لاجواب کسی کسی کی ہی عقل ہوتی ہی۔ ایک حکیم نے مختصر الفاظ مین اس کا فیصلہ یون بھی کیا ہی "عقل و دانش جو انسانون کا ورثہ ہے زائد شے نہیں ہی لیکن فطنت ایک عطیہ یا ایک زائد طاقت ہے جو ان لوگون کو قدرت دیتی اور بخشتی ہی جو بوجوہ اسکے مناسب اور قابل ہوتے ہین۔ یہ اعلےٰ اور لاجواب جوہر ایسے لوگون کی سرشت ہی مین رکھا جاتا ہی اور قدرت مطلق کی غرض اس سے یہ ہوتی ہی کہ ایسے لوگون کو بذریعہ قدرتی انتخاب کے دیگر افراد نوعی پر خاص فضیلت اور امتیاز بخشا جاوے"۔ ذلک فضل اللہ یوتہ من یشاء

باقی دارد

راقم سلطان احمد

رسالہ ناظر کے نمبر و ،، ادیب "معاون حضرت شوق، قدوائی کی پہلی نظم" عالم خیال ،، معزز ناظرین کے ملاحظے سے گزر چکی ہے، جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے بے مثل تھی. جسپر ہم نے اپنا نوٹ درج کرکے اسکی داد بھی دی تھی، نوٹ میں ضمناً کچھ "ادیب" کا ذکر بھی آگیا تھا، اسی نوٹ کا ریمارک کرتے ہوئے "ادیب" کے لائق اڈیٹر نے نظم کے جذبات کو غیر شریفانہ بتایا ہے، اور اپنی وسیع معلومات کے بھروسے پر اردو کے پرانے بارہ ماسوں سے تشبیہ دیتے ہوئے، اسی نظم کا یہ شعر بھی تمثیل میں پیش کیا ہے؛

یہ شباب کی اُمنگ اب کسے دکھاؤں میں — رُخ کا لال لال رنگ اب کسے دکھاؤں میں

"تمام نظم اسی قسم کے غیر مہذب خیالات سے بھری ہوئی ہے" لیکن کوئی وجہ غیر شریفانہ ہونے کی بیان نہیں کی گئی، ہمیں حیرت ہے کہ وہ کس وثوق پر اس شعر کو معیار تہذیب سے گرا ہوا سمجھتے ہیں، شاید "اُمنگ" کے معنی سمجھنے میں اونسے غلط فہمی ہوئی لیکن ہم یہ کیونکر تسلیم کریں کہ خود "ادیب" کے لائق اڈیٹر اسی جنوری ۱۹۱۱ء کے "ادیب" میں صفحہ ۵۶ پر یہ عبارت تحریر فرماتے ہیں، "سال نو کی نئی اُمنگوں اور اُمیدوں کے ساتھ الخ" اس عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ "اُمنگ" کوئی غیر مہذب لفظ نہیں ہے اور یہ کہ اسکے معنی ترقی پذیر حالت کے ہیں، ع جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے۔

رُخ کا لال لال رنگ کہنا بھی کوئی فحش کلمہ یا گالی نہیں ہے، ایک عورت اپنے دور اُفتادہ شوہر کی یاد میں محو، تنہائی کے عالم میں اگر وہ اپنے خیال سے مخاطب ہو کر (جسکا خارج میں کوئی وجود نہیں ہے) یہ کہے کہ "انہیں میری ترقی پذیر حالت کی کیا خبر ہوگی" تو کسی طرح بے حیا نہیں کہی جاسکتی۔

دل میں جو خیالات پیدا ہوتے ہیں جب تک وہ زبان پر نہ لائے جائیں یا خارج میں عملی طور پر انکا ظہور نہ ہو اُسوقت تک نہ کوئی شخص قانون اور عرف کی رُو سے مجرم قرار پا سکتا ہے اور نہ کوئی مذہب اُسے گناہ کا مرتکب ٹھہرا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں اس نظم میں نہ تو شاعرانہ مبالغے سے کام لیا گیا ہے اور نہ عاشقانہ رنگ کی جھلک نمایاں ہے؟ پس ہم ابو الفیض فیضی کے ہم آہنگ ہوکر "شعر فہمی عالم بالا معلوم شد" والے فقرہ سے ادیب کے وسیع النظر اڈیٹر کی داد دئیے بغیر نہیں رہ سکتے، اور اسی خیال سے ہم ذرا بھی شکایت نہیں کرتے کہ اونھوں نے بارہ ماسہ کے رکیک تخیلات سے اس نظم کے اعلیٰ اور پاکیزہ جذبات کو کیوں تمثیل دی، ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ ذیل میں ہم "عالم خیال کا دوسرا رُخ" کے نام سے انہیں مغتنم زمانہ نیچرل ناظم حضرت شوق، قدوائی کی دوسری نظم (جو پہلی نظم کے ساتھ ہی دفتر الناظر میں موصول ہوئی تھی، لیکن اس خیال سے کہ دونوں کا یکجا شائع ہونا ایک دوسرے کے لطف کو ظاہر نہ ہونے دیگا) اسوقت درج کرنے کی عزت حاصل کرتے ہیں، جسکے پاکیزہ جذبات، فطری مناظر، لطف تخئیل، اور جدت مضامین کی خوبیاں خاص طور پر قابل توجہ ہیں، قادر الکلام مصنف نے نیچرل جذبات دکھائیں، اسکی پہلے ہی بھی بہت کچھ اضافہ کردیا ہے، اور بحر بھی نہایت دلکش اختیار کی ہے، "خدا نظر بد سے بچائے" اڈیٹر

"عالمِ خیال"
کا
دوسرا رُخ

عورت اپنے شوہر کے آنے کی امید میں ہو، شوہر کا خط عذر کے ساتھ پردیس سے آیا کہ وہ ابھی نہیں آسکتا ہی، عورت بے چین ہو کے شوہر کو خط لکھ رہی ہی، اور اپنے خیالات ظاہر کرتی ہے

پا کے تمھارے خط کو آج، دل کی تڑپ بڑھی کچھ اور
آنے کا آسرا کہاں، یاس سے وہ بدل چلا
در کی طرف تھی جو نگاہ، یاس سے اب زمیں پہ ہی
ضعف سے جسم لٹ چلا، روح بدن سے ہٹ چلی
خط سے پڑی جگر پہ چوٹ، داغ ہرے ہوئے ہیں آج
خط ہی تمھارے ہاتھ کا، پڑھتی ہوں اس کو بار بار
جن سے لکھا گیا یہ خط، کاش وہ انگلیاں ملیں
خود بھی گئے تم، اور چین، چھین کے مجھ سے لے گئے
سب کے جگر میں خون ہی، میرے جگر میں درد ہے
ایک تمھیں تھے میرا عیش، بن گئے غم، تو کیا کروں
عیش کو کھو گئے ہو تم، آؤ تمھیں تو پھر سے ملے
تم نہ ستم کرو، تو کیوں، دل مرا بے قرار ہو

دل میں بھڑک کے غم کی آگ، جسم تپ پڑھی کچھ اور
دل مرا آنسوؤں کے ساتھ، بہ کے لہو نکل چلا
ہاتھ کبھی جگر پہ ہی، اور کبھی جبیں پہ ہی
چہرے کا رنگ کٹ چلا، نبض کی چال گھٹ چلی
تم سے ہزار ہا گلے، دل میں بھرے ہوئے ہیں آج
کھولتی ہوں ہزار بار، چومتی ہوں ہزار بار
میرا خیال چوم لے، جائے وہیں، جہاں ملیں
مجھکو بِرَن بنا گئے، مجھکو جنون دے گئے
سب کا شباب لال ہی، میرا شباب زرد ہے
پہلے تمھیں تھے میرا چین، اب ہو ستم، تو کیا کروں
چین کو لے گئے ہو تم، لاؤ تمھیں تو پھر سے ملے
میں نہیں چاہتی، کہ تم، میرے گناہگار ہو

کیا ہیں خدا کے سامنے، تم کو سزا دلاؤں گی
چھپ گئے پتیوں سے تم، انکو نظر نہ آؤ گے
دل میں چھپے ہو تم، مگر، چوس رہے ہو خون کو
بنکے لہو تمھاری یاد، دوڑ رہی ہے جسم میں
دم مرا لو سے بڑھکے گرم، دل مرا بےحواس ہے
مانگتی ہوں میں آپ سے بھیکھ، دو تو کوئی ضرر نہیں
رحم سے میرے دل کو چین، دوگے تو دے سکو گے تم
اپنا خیال تک نہیں، چاہ کے جوش میں مجھے
آئنے میں ہر ایک چیز، چین مجھے اسی سے ہے
دیکھتی رہتی ہوں اسے، پیار کے ساتھ، بار بار
ہے یہ تمہاری ہی شبیہ، اور یہ میری جان ہے
جان تو میری ہے مگر، کچھ نہیں بولتی، تو کیوں
شکل ہے یہ تمھاری ہی، تم ہو خفا، تو یہ بھی ہے
تم نظر آہی جاتے ہو، لے، وہ خیال ہی سہی
تم سے، مرے نصیب میں، شاید ابھی کرم نہیں
رہتی ہیں شوہروں کے ساتھ، خوب سنگار کرکے وہ
رخ پہ شباب کی بہار، رنگ سے دونوں گال لال

اپنی وفا کے نام کو، خاک میں کیوں ملاؤنگی
یہ تو کہو، کہ کس طرح، دل سے نکلکے جاؤ گے
سر میں خیال بنکے تم، دیتے ہو شہ جنون کو
جان یہی ہے جسم میں، روح یہی ہے جسم میں
جسم میں جل گیا لہو، اور ابھی تپ کو پیاس ہے
چاہتی ہوں میں تمسے رحم، مال نہیں یہ زر نہیں
اپنے خدا سے یہ ثواب، لوگے تو لے سکو گے تم
ایک تمھاری یاد، ہاں، لاتی ہے ہوش میں مجھے
انس ہے، تو اسی سے ہے، اور نہیں کسی سے ہے
اسکی بلائیں لینے کو، بڑھتے ہیں ہاتھ، بار بار
اس میں تمہارا حسن ہے، اسمیں تمہاری شان ہے
دیکھتی ہے مجھے ضرور، منہ نہیں کھولتی، تو کیوں
دور تم، اور چپ شبیہ، وہ ہے جفا، تو یہ بھی ہے
کچھ نہیں، تو شبیہ سے، صرف جمال ہی سہی
وہ ہیں بڑی ہی خوش نصیب، ہجر کا جنکو غم نہیں
ہنستی ہیں کھلکھلا کے وہ، تنتی ہیں بن سنور کے وہ
مانگ پہ موتیوں کا حسن، پان سے ہونٹھ لال لال

وہ جو چمک کے ہیں پڑیں، شاخ گلوں کی ہل پڑی
ہونٹھ جو ہنسکے کھل پڑے، گل کی کلی سی کھل پڑی

بال کھلے تو کھاگئے ہیں، دل کو لپیٹ لے گئے
دل میں تھے جتنے ولولے، سب کو سمیٹ لے گئے

کچھ تو ہی خود بدن میں کس، تنتی ہیں کچھ ادا کے ساتھ
کچھ تو ہی حُسن قدرتی، بنتی ہیں کچھ ادا کے ساتھ

لیتے کو شوہر دنکے دل، لطف ہی بات بات میں
حُسن ہی اپنی گھات میں، ناز ہیں اپنی گھات میں

مجھکو ہی غم، تو پھر سنگار، کون کرے، تمہیں کہو
دیکھکے حُسن، مجھکو پیار، کون کرے، تمہیں کہو

رکھتے نہیں یہ ہونٹھ رنگ، رکھتے نہیں یہ گال رنگ
تُم نہیں تو نظر میں ہی، خون کا رنگ، لال رنگ

کاجل اُٹھے، کروں نہ اب، اُسکی طرف نگاہ میں
بہتا ہی آنسوؤں کے ساتھ، ماہوتی ہوں رُوسیاہ میں

خاک میں چوڑیاں ملیں، جی کو جلا رہی ہیں یہ
بھاڑ میں جائیں کلیاں، آگ لگا رہی ہیں یہ

بار ہیں سچّے بالیاں، خار ہیں خوبے ونتیاں
کسکو دکھاؤں اپنے کان، اب میں پہنکے آنتیاں

دیتی ہی داغ آرسی، میں نہ چھوؤنگی اب اِسے
آتی ہی زرد رو نظر، دیکھتی ہوں میں جب اِسے

بس، اِسے تم پہن چکی، دِلپہ گراں ہی زیور اب
تم نہیں دیکھتے سنگار، خاک پھبے یہ مجھ پر اب

بکس میں اسکو کرکے بند، سب میں تمہیں کو بھیجدوں
تھا یہ تمہارے ہی لیے، اب میں تمہیں کو بھیجدوں

مجھکو تو چاہتے نہیں، شوق سے آکے دیکھنا
چاہتے ہو جسے وہاں، اُسکو پہناکے دیکھنا

طنز سے کیا یہ کہہ اُٹھی، شوخ مری زباں ہوئی
ہی یہ زباں گناہگار، میں نہیں بدگماں ہوئی

تم میں وفا ہو، یا نہو، میں یہ کہوں گی، ہی ضرور
ہاں، یہ کہونگی، راہ کو، روکے ہی کوئی شی ضرور

آؤ نہ آؤ، میں شباب، تمپہ نثار کر چکی
تم مجھے پیار کر چکے، میں تمہیں پیار کر چکی

کس سے کہوں میں دل کا بھید، سوچ میں یوں پڑی ہوئی
لیٹ گئی تو آیا سوچ، بیٹھ گئی، کھڑی ہوئی

ملہ صیغہ ماضی ۱۲

ہوتی ہوں تنگ گر و میں، غم سے دل بدلکے میں
چھوڑ سکے منہ۔ جو کوئی چیز مانگ اُٹھی، تو زک ملی
تیل کو میں ترس گئی، بال مرے چٹک گئے
جیسی ہنسی بلا میں اب، اور کبھی ہنسی نہیں
میری خوشی کی زندگی، عقد سے پیشتر رہی
جذب کے ولولے ہزار، یہ مجھے سب عذاب ہیں
کیوں میں عذاب کہہ اُٹھی، چوک ہے یہ، قصور ہے
جذب میں کاش ہو یہ زور، جو تمہیں لائے کھینچکر
چاہ کے رُخ کھنچی ہو تمہیں، کاہ رُبا سے جیسے گھاس
کاہ رُبا سے گھاس کو، کھینچتی ہوں ہزار بار
اب بھی نہ یہ کرے کشش، تو اسے کوئی کیا کرے
دل مرا لیگئے ہو تم، اُسکو نہ چھوڑ دوں گی میں
کانپ کے، دل میں، لاؤ خوف اپنے خدا کا، تم کبھی
صرف تمہاری دید کی، تمسے ہوں طالب، اور بس
پھر کے تمہاری شکل سی، دل نہ ہٹا، نہ ہٹ سکے
جھو ٹھ جو میں ذرا لکھوں، تو ہو خفا مرا خدا
توبہ! یہ کیا میں بک اُٹھی، توبہ! یہ کیا میں کہہ گئی

کاٹتی ہوں، سزن کی طرح، رات ٹہل ٹہل کے میں
آئے پسند، ایسی چیز، مجھکو نہ آج تک ملی
میں ہی لٹی، تو بال کیا، اُنہہ، وہ بلا سے لٹ گئے
دل میں کبھی خوشی نہیں، منہ پہ کبھی ہنسی نہیں
ساتھ تمہارا کیا ہوا، چھوٹ کے تم سے مر رہی
سب مرے دل کا جوش ہیں، سب مرا اضطراب ہیں
ہجر میں جذب ہی سے ہے، درد کو جوش و رہ کر
گھر مری پتلیوں کے ہیں، اِن میں بٹھائے کھینچکر
دل ہے تپش سے بیقرار، تیز ہوا سے جیسے گھاس
جذب کو میں دکھاتی ہوں، زورِ کشش کا بار بار
جذب کا نام، جذب ہی، پھر نہ رہے، خدا کرے
توڑ چکے جو تم، تو خیر، لاؤ تو، جوڑ لوں گی میں
اپنی وفا سے دو جواب، میری وفا کا، تم کبھی
صرف تمہاری آرزو، مجھپہ ہے غالب، اور بس
اور کسی طرف، کبھی، دھیان بٹا، نہ بٹ سکے
چاہ کو مجھسے چھین لے، دے یہ مجھے سزا خدا
چاہ تمہاری جب چھنی، پھر تو میں کچھ نہ رہ گئی

چاہ کا نام سحر ہے، تم پہ اثر کرے یہ کاش
غم سے دبی خوشی، مگر، چاہ کی یہ خطا نہیں
ضبط کی کوئی حد بھی ہے، چاہ کو میں چھپا تھکی
اشک تو بہتے ہیں، مگر، اشک نہیں نگاہ میں
آنچل اگر ہو تر، تو میں، خشک کروں نچوڑ کر
رہتی ہوں سب سے میں الگ تاکہ نہ تاڑ جائیں لوگ
آتی ہیں ہمسنیں، مگر، مجھ میں نہیں ہنسی مری
میں نہ کہوں زبان سے کچھ، کھلتا ہے درد، رنگ سے
پوچھتی ہیں، تو کیا کہوں، چھیڑتی ہیں، تو کیا کروں
بھولنے کو جو وہ کہیں، جاؤں میں اُنکے جبر سے
ساون اگر میں گاؤں بھی، تو وہی، جس میں درد ہو
گانے کا دم ہی کہیں ہے، تان نکلتی ہی نہیں
پہلے لچک کے ناز سے، کھاتی تھی میں ہزار بل
ضعف کا حال کیا کہوں، زور کو رنج کھا گیا
پال سکے ہو تم چکور، ہوتی ہوں اس سے شاد میں
چاندنی رات میں مگر، دیتے ہو غم ضرور تم
چاندنی رات سرد ہے، کرتی ہے دل کو سرد وہ

جذبے کھینچ کر تھیں، رُخ کو ادھر کرے یہ کاش
ہجر ہے، جس کی، چوٹ سے، درد کی انتہا نہیں
غم کی تو کوئی حد نہیں، کم نہ ہوا، میں کھا تھکی
بڑھ چلے یہ موتیوں سے ہیں، مجھکو، تمھاری چاہ میں
ساس کے پاس جاؤں تو، منہ کو ادھر سے موڑ کر
روتی ہوں ساس سے چھپکے میں، تاکہ نہ دیکھ پائیں لوگ
شرم سے کیا کہوں، کہ "وہ" لیگئے دل لگی مری
دیکھتی ہیں وہ غم کی شکل، چہرے کے زرد رنگ سے
سادھکے چُپ، لہو کے گھونٹ میٹھی ہوئی پیا کروں
گائیں تو گاؤں اُنکے ساتھ، غم کو چھپاکے صبر سے
راگ میں کھینچے عورت آہ، دور جب اُسکا مرد ہو
سانس میں زور ہی نہیں، کھلکے یہ چلتی ہی نہیں
تم نہیں اب، تو ضعف سے، کھاتی ہوں بار بار بل
آہ کے ساتھ بار ہا، دل مرا منہ تک آگیا
لیکے اسی کو گود میں، کرتی ہوں تم کو یاد میں
اسکی نظر میں چاند ہے، میری نظر سے دور تم
تم مرے چاند، مجھ سے دور، میرے لئے ہے درد وہ

شب کو پتنگے آتے ہیں، گرتے ہیں وہ چراغ پر — اور جلاتے ہیں مجھے، دیتے ہیں داغ، داغ پر

پاؤں تمہیں، تو ہوں نثار، گرد پھروں اسی طرح — تم سے ملوں اسی طرح، تمپہ گروں اسی طرح

تم مجھے کیوں نہ لیگئے، چل دیئے منہ کو موڑ کر — چل دیئے مجھکو چھوڑ کر، چل دیئے دل کو توڑ کر

ساس کو مجھپہ رحم کیا، ورنہ یہ روکتیں تمہیں — نند کو مجھپہ کیا ترس، ورنہ یہ ٹوکتیں تمہیں

پاک محبت اور ہیں، ملنے کی فکر کیوں نہو — جوش وفا کا اور دل، چاہ کا ذکر کیوں نہو

جنکے دلوں میں کھوٹ ہو، انکو کہاں وفا سے کام — مجھ میں وفا ہے، اسلیئے، غم میں پڑا خدا سے کام

ہجر کو گذرے پانچ سال، ملکے رہی ہیں سات دن — مجھکو سزا یہ کیوں ملی، سوچ یہی ہے رات دن

کی نہیں میں نے کچھ خطا، کی ہو، تو بھولجاؤ تم — مجھکو نہ دیکھنا، مگر، خیر سے گھر کو آؤ تم

آؤ جو تم، تو رخ پہ میں، آنچل اٹھاکے ڈال لوں — اسمیں تو ہرج کچھ نہیں، جھانک کے دیکھ بھال لوں

ابر امنڈکے آگیا، روؤنگی اسکے ساتھ میں — اپنے جگر کے خون سے، دھوؤنگی روکے ہاتھ میں

بول اٹھا وہ میرا مور، ہاتھ سے اتنو دل گیا — مجھکو نہ مل سکوگے تم، اسکو تو ابر مل گیا

گھر میں ہی پیڑ انار کا، اسپہ پپیہے آتے ہیں — دیکھکے میری بیکسی، مجھپہ ترس وہ کھاتے ہیں

وہ نہیں بیٹھتے کبھی، پیڑ کے اوپر آکے چپ — تمکو پکارتے ہیں روز، شرم سے مجھکو پاکے چپ

ابر اٹھے تو سنکے شور، دبتی ہوں، خوف کھاکے میں — دیکھ کے بجلیوں کی آگ، گرتی ہوں تلملاکے میں

تم مرے پاس ہو تو پھر، خوف مجھے ذرا نہ ہو — وہم سے ڈر ہے، ڈر سے وہم، جب کوئی دوسرا نہو

صورت اگر میں موڑ کر، سمجھیں مری خطا نہیں — یہ تو کہو، کہ تمپہ کچھ، میرا بھی حق ہے، یا نہیں،

پاؤں خدا نے کیوں دیئے، کیا اسی صحن کیلیئے — سب مرے دل کے حوصلے، مجھ سے حیا نے لیلیئے

پردہ میں رہکے، عورتیں، مرتی ہیں، گو قضا نہو
شرم کا حق ادا کریں، چاہ کا حق ادا نہو

اشک مرے ٹپک پڑے، خط ہوا تر، میں کیا کروں
بھیگ کے کچھ بگڑ گئے، حرف، مگر میں کیا کروں

بندھ گیا آنسوؤں کا تار، خوش ہو نہیں دیکھکر جسے
بن گیا موتیوں کا ہار، پہنئے تمھاری یاد اسے

صبر سے گذری، موت پر، اب تو جگر کر دگئی ہیں
اپنے بدن کی آگ سے، آپ ہی جل مرونگی میں

مجھکو یقین ہے کہ تم، آکے مجھے نہ پاؤ گے
آکے نہ پاؤگے، تو کیا، میری لحد پہ آؤگے

فاتحہ بھی پڑھوگے تم، ہاتھ اُٹھاکے، یا نہیں
روح کو خوش کروگے تم، پھول چڑھاؤگی، یا نہیں

سبزے کو دیکھنا ضرور، مجھپہ وہ بار ہو نہ جاسے
نرم رہے، ہرا رہے، سوکھکے خار ہو نہ جاے

جان لبوں سے دے چکی، تمکو پیام، اور بس،
سنتی ہوں، **شوق** ہیں وہیں، اُنکو سلام، اور بس،

احمد علی، شوق، قدوائی

رباعی

دل کا غم و ہم سرور ہوتا جائے
سرِ حق کا ظہور ہوتا جائے

اللہ ری عظمت کدۂ ربِّ علا
جتنی قربت ہو دُور ہوتا جائے

(راقم آوج لکھنوی۔)

معرفتِ حق

آجکل تنقید الکلام کے ضمن میں اثبات واجب الوجود کی بحث چھڑی ہوئی ہی اور ہر شخص اپنی مقدار معرفت کے مطابق وجود باری تعالیٰ پر بحث کر رہا ہی حسن اتفاق سے نہج البلاغۃ آجکل زیر مطالعہ ہے ذیل میں نہج البلاغۃ کا اقتباس پیش کیا جاتا ہی بالغ نظر ناظرین اس مضمون سے ایک خاص حظ اوٹھائینگے اس لیے کہ انتہائی معرفت کی حالت مین ایک عارفِ کامل کے مدرکاتِ قلبیہ کی کیفیت اس سے ظاہر ہوتی ہی۔

حمد وستایش اوس خداوند حقیقی کے لیے زیبا ہے جسکی مدح وثنا کی حقیقت کو اچھے اچھے زباندانون کی گویائی نہین پہونچ سکتی، محاسب اور شمار کرنے والے اوس کی نعمتون اور بذل وکرم کے شمار کرنے سے عاجز ہین، وہ خداوند برتر وبرحق جسے ہمتین، ارادے، اور عزم نہین پا سکتے، دانائیون، زیرکیون اور عقلون کی گہرائیان اوس کی تہ تک نہین پہونچ سکتین، کمال معرفت یہ ہی کہ اوس کی تصدیق کی جاوے اور تصدیق اوس کی توحید پر یقین لانے سے کامل ہوتی ہی، توحید کی تکمیل یہ ہے کہ اوسے خالص واحد ویکتا تصور کیا جاوے، پھر اس وحدت، یکتائی اور اخلاص کا درجہ کمال یہ ہے کہ اوسے تمام صفات زایدہ سے مبرا ومنزہ سمجھ لین، کیونکہ جس شخص نے اوسکے لیے صفات زایدہ قرار دین تو گویا اوسے مخلوق سے قریب اور اوسکا ہمسر سمجھا اور جس نے اسے مقارب ونزدیک بنادیا تو گویا وہ دوئی کا قایل ہوگیا، اور جو شخص وحدت سے گذر کر دوئی مین آیا تو گویا وہ شخص اوس ذات واحد یکتا کے لیے جزو اور ٹکڑے قرار دے رہا ہی، ایسا شخص یقیناً جاہل ہی، وہ کبھی درجہ معرفت پر فایز نہین ہوسکتا اور جو شخص اس ذاتِ برتر کی طرف اشارہ سے کام لیتا ہے وہ گویا اوسے محدود کرتا ہے، اب جس شخص نے اسکے واسطے ایک حد معین کی اوس نے گویا اوسے شمار

کرلیا اور جس شخص نے سوال کیا کہ خداوند عالم کس چیز مین موجود ہے تو گویا اوس کے لیے ظرف تجویز کیا اور اس ظرف مین اوس کا مقام و محل بنا دیا، اور جس شخص نے سوال کیا کہ وہ بارتعالیٰ کس چیز پر قائم ہی تو وہ اُسے وجود سے خالی سمجھتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ وہ اپنے وجود مین کسی دوسرے کا محتاج ہی حالانکہ وہ ایسا قادر مطلق ہی جو ہمیشہ سے موجود ہے، اوسکے وجود و ہستی کی کوئی ابتدا نہین، وہ موجود ہے مگر نا عالم نیستی سے میدان ہستی مین نہین آیا، وہ ہر ایک شئے کے ساتھ ہے مگر عارضی طریقہ سے نزدیک نہین بلکہ اپنی قیومیت اصلی کے سبب سے ہر ایک شے کے ساتھ قائم ہی، وہ ہر ایک چیز کے ساتھ مغایرت رکھتا ہے مگر نہ بطریق مفارقت و مزاملت، کیون کہ کسی شے کا قایم رکھنے والا اگر اس سے علیحدہ ہوجاوے تو وہ شئے کہان قائم رہ سکتی ہی، وہ فاعل ہی مگر نہ بقصد حرکات و آلات۔ وہ ہر ایک چیز کا نگاہبان ہے کیون کہ اوس کی مخلوق مین کوئی شئے محفوظ بالذات نہین، وہ واحد و تنہا ہے کیون کہ کوئی مسکن ایسا نہین جس سے وہ مانوس ہو، جس سے وہ راحت حاصل کرے وہ کسی ایسی چیز کے جس سے راحت حاصل ہو گم ہوجانے سے متوحش نہین ہوتا، اسے اسکی ضرورت ہی نہین، اسکی ذات ایسی چیزون سے بہت ارفع و اعلیٰ ہی، وہ ایسا پروردگار ہے جس کی رحمت سے کوئی نا امید نہین، جس کی نعمت سے کوئی شے خالی نہین، جسکی بخشش و مغفرت سے کسیکو یاس نہین، جسکی عبادت سے کوئی شئے تکبر و اکراہ نہین کرسکتین، وہ ایسا پروردگار ہی جس کی رحمتین زایل نہین ہوتین اور جس کی نعمتین مفقود نہین ہوسکتین۔

حمد و سپاس اوسی خداوند حقیقی کے لیے سزاوار ہے جب تک کہ رات کی تاریکیان ظاہر و پوشیدہ ہون اور جب تک ستارے چمکتے اور غروب ہوتے رہین، وہ خلاق عالم پردہ ہائے اخفا مین پوشیدہ ہو اور آثار ظاہرہ اوس کے وجود پر دلالت کررہے ہین چشم بینا اوسے دیکھ نہین سکتین

اوس کے جلوے اس میں سما نہیں سکتے، اب وہ آنکھ جس نے اوس کے نور کے باعث اوسے نہیں دیکھا اوس کو زیب نہیں کہ وجود خالق کا انکار کرے کیونکہ وہ اوس کے آثار ظہور کو دیکھ رہی ہے اگر چہ اوس کے نور کے دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتی، اور وہ دل جسنے اوسکے علامات ظاہر کو پہچان لیا ہے اسے طاقت نہیں کہ اوسکا انکار کر سکے۔ کیونکہ وہ اوسکے نور کے دیکھنے سے کور اور نابینا ہے، وہ اوس کی نورانی شعاعون سے معمور ہے اور شعاع اصل نور کا دیکھنے سے حقیقتاً معذور ہے، کوئی شے اس سے اعلیٰ اور برتر نہیں ہو سکتی، وہ قریب سے قریب ہے اور کوئی شے اوس سے زیادہ نزدیک نہیں ہو سکتی، اُس کی بلندی نے مخلوقات مین سے کسی شے کو اُس سے دور نہیں کر دیا اور نہ اوسکے قرب نے مخلوق کو اوسکے ساتھ ایک مکان مین مساوی کر دیا ہے، عقلین اور دانائیان اوسکے صفات کی کنہ اور تہ تک نہین پہونچ سکتین، کوئی عقل اسکا احاطہ نہیں کر سکتی اور پھر باوجود اسکے کوئی شے اسکی معرفت سے ان عقلون کو مانع نہیں، وہ خدا جسکے وجود کی علامتین اسکے موجود ہونے پر شہادت دے رہی ہین اور منکر سے منکر کا قلب بھی اقرار کر رہا ہے، اوس کی ذات مخلوق سے ذات وصفات مین مشابہت دینے والون اور منکرون کے اقوال سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔

اوسی خلاق عالم نے انسان کو ارحام کی تاریکیون اور پردہ ہائے ارحام کے غلافون مین پیدا کیا، درانحالیکہ وہ ایک ڈالا ہوا قطرۂ سیاہ کیا ہوا مضغہ، شکم مادر مین رہنے والا بچہ تھا، وہ شیر خوار ہوا، کودک نادان بنا اور حد بلوغ تک پہونچا، پس خدائے برتر نے اسے ایک حفاظت کرنیوالا قلب عطا کیا، بولنے والی زبان عنایت کی اور دیکھنے والی آنکھ مرحمت فرمائی تاکہ وہ عبرت حاصل کرتا ہوا عقل و فہم سے کام لے اتنے کہ اوس کے اعضا رکا

اعتدال قایم ہوگیا، اُس کی صورت اور مثال راست ہوگئی، اب اس نے متکبر ہوکر اطاعت سے سرکشی کی، بیباک ہوکر اپنی ہوا وحرص کے ڈول سے پانی کھینچتے ہوئے، اپنی دنیا کے واسطے سعی وتلاش کرتے ہوئے اپنی لذتون کے مردرا اور اپنے حاجتون کے ظہور مین مست ہوکر گمراہ ہوگیا، وکبھی مصیبت کا گمان نہین کرتا تھا اور کسی خطرے سے نہین ڈرتا تھا، اسنے اسیطرح لغزشون مین زندگی بسر کی، اور کسی عوض اور بدلے کو حاصل نہین کیا اور کسی فریضۂ واجب کو بجا نہ لایا، وہ ابھی قید مرکشی مین گرفتار تھا اور اپنے عیش ونشاط کے طریقہ پر سالک تھا، ناگاہ! موت آئی اور اسکی آرزوونکو قطع کردیا، اب کوئی آرزو وہی نرہی جس تک پہونچنے کی تمنا کیجاسکے، اوس نے مضطرب ہوکر فریاد کرنے والی عورت بھر ہان باپ اور بھرادر برادر کے درمیان بیماریون اور دردون کے رنج وآلام کی ناخوش آیند سختیون مین صبح سے شام کی اور بیداری مین رات گذاری، رونے والے تو رورہے تھے اور یہ مرد، غافل کردینے والی موت کی بیہوشی، توڑ دینے والی مصیبت اور نالۂ دردانگیز مین گرفتار تھا، غم خیز طریقہ سے یہ اپنے مقام سے ہنکایا جارہا تھا، پھر یہ اپنے کفن مین اہل وعیال سے ناامید ہوکر لپٹ گیا، اوسوقت یہ بالکل مطیع تھا، ذرہ سی بھی ناہمواری اوس مین باقی نرہی تھی، پھر یہ جنازہ کی لکڑیون پر ڈالدیا گیا، اوسوقت یہ اپنے مرض سے واپس ہوچکا تھا، اور بیماری کے ہاتھون لاغری اوسپر چھائی ہوئی تھی، اسے اُسکے بیٹون اور بھائیون نے کاندھے پر اُٹھایا اور ایسی جگہ لے چلے جو اس کی غربت کا مکان تھا جہان وہ اپنے اعمال کا معاینہ کریگا اور جہانپر دوبارہ اسکی زیارت نہین ہوسکتی تھی۔

اے دیکھنے والو! سننے والو! صحت وسلامتی مین گذران کرنے والو! اس زمانہ کو رائگان نکرو اسوقت گلوگیر موت نے تمھین چھوڑ رکھا ہی، روح کو رہائی حاصل ہی، اسوقت تم طلب

کرسکتے ہو، تمھارے بدن صحیح وسالم ہین، القیہ عمر کے گذرنے مین تاخیر ہے، تم خود مختار ہو، تمھارے
زمانہ حاجات مین ابھی وسعت ہے تم اعمال وعبادت مین کوشش کرو اور معرفت حق حاصل
کرو، بے شک وہ ایسا پروردگار ہے کہ وہم وگمان اوسکے صفات کی کُنہ تک نہین پہونچ
سکتے، نہ اوسکا تجزیہ ہوسکتا ہی نہ اوسکے لیے اعضا قرار دیے جاسکتے ہین، نہ اسے آنکھین احاطہ کرسکتی ہین عقول،
پروردگار عالم تمام اسرار اور گہرائیون کو جانتا ہی، اُسے تمام تخیلات قلوب کا علم ہی، وہ ہر ایک شے
پر محیط ہی، وہ ہر ایک چیز پر قوت رکھتا ہے وہ پروردگار بغیر فکر وتامل کے ایجاد کرتا ہے،
وہ ہمیشہ سے اور اوسوقت سے قایم ہے جب نہ برجون والے آسمان تھے، نہ اندھیری
اور تاریک راتین، نہ ایستادہ سمندر تھے نہ گھاٹیون والے پہاڑ نہ بچھی ہوئی زمین تھی، یہ ذات
واجب الوجود ادراکِ عقول واوہام سے دور رہنے والی، مخترع اور مبدءِ خلق اور اوسکی
وارث ہی، چاند اور سورج اوس کے ارادے کے موافق دورہ کرتے ہوے ہر ایک نئی شے
کو جامہ کہنگی پہنارہے ہین اور ہر مادہ ممکن کو اپنے وجود سے نزدیک کررہے ہین۔

حمد وتعریف اوسی منانِ حقیقی کے لیئے زیبندہ ہی جسکا بخشش نکرنا اوسکے مال کو زیادہ اور
وافر نہین کرسکتا اور نہ بخشش وجود اوس کی دولت وثروت کو کم کرسکتی ہی، وہ ہر ایک شخص
کی احتیاج سے واقف ہی، وہ ہر ایک سائل اور سوال کی قابلیت کو اچھی طرح جانتا ہی، بندہ کو
جس چیز کی ضرورت ہو وہ خود بخود اوسکے لیئے مہیا کردیتا ہے، اوسکے نزدیک سائلین اور غیر
سائلین سب برابر ہین۔ مخلوق اسکی عیال ہے اور وہ اون کے رزق کا ضامن ہی۔ اوسکے لئے
زمانون کا اختلاف ضرر رسان نہیں کہ اسکی وجہ سے اوس کی حالتین متغیر ہوجائین،
زمانہ اوسکا محکوم ہی وہ تاثیر زمانہ کا محکوم نہین ہوسکتا، دریا کے صدف، پہاڑون کے معدن
اور مرجان کے خوشے، اگر یہ سب کے سب لٹا دیے جائین تو یہ اثر اوسکی بخشش مین کچھ مسہ

نہوگا، اوس کے پاس انعام واکرام کے ایسے خزانے ہین جنھین لوگون کی خواہشین فانی نہین
کرسکتین، وہ ایسا قادر ہے کہ اگر وہم وگمان نظر وفکر کے تیرون سے نشانہ اندازی کرین، اس کی
انتہائی طاقت دریافت کرنے کے لیے اگر قوت متفکرہ اسکی سلطنت کے اسرار مخفیہ کی گہرائیون
تک پہونچنے کا ارادہ کرے، اگر قلوب مشتاق نہایت ہی شدت کے ساتھ اسکے صفات کی کیفیت
معلوم کرنے کے لیے مشتاق ومایل ہون، اگر عقلون کی راہین اوسکی ذات کا علم حاصل کرنے
کے لیے اسقدر باریک اور دقیق ہوجائین جن سے زیادہ ممکن نہین، تو وہ اوہام وعقول بے نیل
مرام لوٹ آوین گے، جور واعتساف سے اوسکی کنہ معرفت تک رسائی نہین ہوسکتی،
اور نہ صاحبان فکر وفراست کے دل مین اوس کی قدرت وعظمت کے اندازہ کرنے کا خیال
پیدا ہوسکتا ہے۔

وہ ایسا خالق ہی جسنے کسی مثال سے سبق حاصل کیے بغیر خلقت کو میدان ایجاد مین کھڑا کیا
اوس نے اپنی قوت وتسلط کو دکھا کر وہ وہ عجیب صنعتین دکھلائین جو اوسکے حکمت کاملہ کی زندہ او
زبان بے زبانی سے گویا علامتین ہین، وہ ایسا خدا ہے جسکی نہایت عقل مین سما نہین سکتی،
قوائے ادراکیہ اوسکے لیے کوئی کیفیت ذہنی تجویز نہین کرسکتے، وہ پوشیدہ خطرات وضمائر
جو دلون مین گذرتے ہین، وہ آہستہ آہستہ باتین کرنے والون کی سرگوشیان، وہ گمان کرنے
والون کے گمانون مین گذرنے والے خطرے، وہ عزایم یقین کی بندشین، وہ وزدیدہ نگاہی
اور پلکون کے اشارے، ان سب امور سے وہ ذات عالم ودانا اچھی طرح واقف ہی
نامعلوم امور جو دلون کے پردون مین لپٹے ہوئے ہین، وہ باتین جو قصرہائے پنہان
مین چھپی ہوئی نہین، وہ پوشیدہ کلام جنکے چوری سے سن لینے پر قوت سامعہ کانون کو متوجہ
کرلیتی ہی، ان مین سے کوئی امر اوسپر پوشیدہ نہین، اسے چھوٹے چھوٹے کیڑون کی گرمائی

مقامات معلوم ہین، وہ زیرِ زمین بسر کرنے والے حشرات الارض کی زمستانی قیام گاہون سے اطلاع رکھتا ہے، بیزبان جانورون کی نالہ وزاری کو سنتا ہی، ہموار سے ہموار اور سبک سے سُبک قدمون کی آواز بھی اوسپر ظاہر ہوئے بغیر نہین رہتی، خوشون کے غلافون اور اونکے اندرونی حصون مین میوون کے کشادہ ہونے اور بڑھنے کے مقامات، غارہاے کوہ مین حیواناتِ وحشی کے پوشیدہ ہونے کی جگہہ اور پہاڑون کی سیل گاہین، درختون کی چھال اور اونکی شاخون مین مچھرون کے چھپنے کے سوراخ، ان مین سے کوئی امر اوس پر مخفی نہین، وہ شاخون سے پتون کے گرنے کے موقعہ ومحل اور مخلوط منی کے اصلاب کی راہون سے آگے بڑھنے کے مستقر سے اچھی طرح واقف ہی، ابر کا ظاہر ہونا اور آپس مین ملجانا، قطرہ ہاے باران کی ریزش اور اونکا اجتماع یہ ساری باتین اوسے معلوم ہین، وہ چیزین جنھین بگولون کے دامن منتشر و پراگندہ کر دیتے ہین، وہ اشیا جنھین بارشین اپنے سیلابون سے محو او رفنا کر دیتی ہین، وہ اسکے علم مین موجود ہین، وہ ریگ کے ٹیلون مین حشرات الارض کو پہچانتا ہی، وہ پہاڑ کی چوٹیون پر پرندون کے بسیرے کے مقامات سے خوب ماہر ہے - آشیانون کی تاریکی مین خوش الحان جانورون کی آوازین اوسپر ظاہر ہین - وہ مروارید جنھین صدفون نے اپنے سینہ سے لگا رکھا ہی اور موجین انکی پرستاری پہ کمر بستہ ہین، ہرگز ہرگز اسکے احاطۂ علم سے باہر نہین، وہ اشیا جنھین رات کی تاریکی نے ڈھانک لیا ہی یا وہ چیزین جن پر آفتاب کی شعاعین پرتو افگن ہین، یا انپر متواتر تاریکی اور درخشندگی نور کے پردے پڑے ہوئے ہین، کچھ بھی ہو مگر اسکی نظر سے کوئی چیز باہر نہین - چھوٹے سے چھوٹے قدم کا اثر، ہر ایک آواز کی حرکت، ہر ایک کلمہ کی ترجیع، ہر ایک لب کی جنبش، ہر انسان کے مستقر، ہر ایک ذرہ کے وزن اور ہر ایک نفس ارادی کے ہمہے، وہ ان سب امور کا احاطہ کرنے والا ہی -

ہر درخت کا میوہ جو زمین پر ہے، ہر برگ پختہ، نطفہ کے قایم ہونے کا مقام، اجتماع خون کا محل، گوشت بنجانے والا خون، ظاہر ہونے والی مخلوق، حیوانات کے نتیجے، ان سب موز کو اوسکی حکمت و دانائی گھیرے ہوئے ہے، ان اشیا کے جاننے او معلوم کرنے مین اوسکو کوئی مشقت و محنت عارض نہین ہوتی، اور اس مخلوقات کے نگاہ رکھنے مین جسے اسنے ایجاد فرمایا ہے، اوسے کوئی عارضہ لاحق نہین ہوتا، نہ اشیا کے کام کرنے اور مخلوقات کی تدابیر مین اسپر کوئی دل تنگی اور سستی طاری ہوتی ہی

پروردگار! تو اسی قابل ہے کہ تیرے صفات جمیلہ کا ذکر ہو، تیرے احسان و نعمت کا شکر ادا کیا جائے، اگر تیری طمع کی جاوے تو یہ بہترین طمع ہی اگر تجھ سے امید رکھی جاوے تو یہ عمدہ ترین امید ہی۔

سید علی اصغر بلگرامی

نوحۂ جوانی

کھول آنکھ ذرا خمکدۂ زیست ہے فانی	ہشیار ہو او مست مے جام جوانی
یہ زینت ملبوس و فروغ رخ و گیسو	ہے جنکے سبب رونق ایام جوانی
یہ طاقت جذب دل و سوز محبت	مشہور جہاں جنسے کہ ہے نام جوانی
یہ تیغ ستم کی رگ گردن پہ روانی	تقدیر سے یہ خوبی انجام جوانی
یہ چھیڑ رگ جاں سے کسی نشتر غم کی	یہ درد و طپش باعث آرام جوانی
یہ کشمکش شوق و خیالات شب وصل	یہ بیکسی و شدت آلام جوانی

یہ پہلوے دلدار میں سونے کی تمنا ۔ یہ بیخودی و خواہشِ آرامِ جوانی
کس زوروں پہ جانا بسرِ طورِ محبت ۔ اللہ ری ہوسناکیِ پیغامِ جوانی
یہ شام و سحر کوچۂ دلدار کے پھیرے ۔ یہ ولولۂ طاقتِ ایامِ جوانی
یہ رخصتِ صبر و خرد و ہوش و تحمل ۔ یہ نامِ جہاں جن سے کہ ہے نامِ جوانی
یہ فرصتِ تعمیرِ طلسماتِ خیالی ۔ یہ جستجوے تخلیہ و کامِ جوانی
یہ سازِ طرب خیز سرِ محفلِ عشرت ۔ جمعیتِ دل اور یہ آرامِ جوانی
باقی نہیں رہنے کی ذرا ہوش میں آجا ۔ آنے ہی کو ہے ساعتِ انجامِ جوانی
مہلک ہے یہ لایعقلیِ ہستیِ عشرت ۔ کر جستجوے داروے سرسامِ جوانی
بس ترک کر اب میکدۂ نفس پرستی ۔ مانا کہ پُر از جہل ہیں ایامِ جوانی
یہ یاد ہی رکھنا کہ وہ ہنگام ہے نزدیک ۔ پھروں ہی نہ یاد آئیگا پھر نامِ جوانی
کر لے عملِ خیر کوئی چند نفس میں ۔ بنتا ہے عبث موردِ الزامِ جوانی
خلوت گہ معشوق میں نیند آئیگی کبتک ۔ اک خوابِ پریشاں ہی یہ آرامِ جوانی
ڈھونڈھے اگر لیکے چراغ آج سے تا حشر ۔ ملنے کا نہیں پھر اثرِ شامِ جوانی

بھر آئے دل احباب کے بس چپ رہو محشر
یہ نظم ہے یا نوحۂ اتمامِ جوانی

مرزا کاظم حسین محشر لکھنوی

سکندر مقدونی

ملک معظم سکندر مقدونی نے جو ملک یونان کا فرمانروا تھا بہت سے اقوام اور ممالک کو فستح کیا، اسکے وسیع خیالات رفعت میں آسمان سے باتیں کرتے تھے اور بلند پروازی میں عقاب کی طرح سقف نیلگوں سے ملے ہوئے تھے۔ اُسکو اپنے خیالات کی وسعت میں زمین ایسی نظر آتی تھی جیسے پانی کے کسی ظرف میں سیب تیر رہا ہو۔

ایک مرتبہ سکندر نے افریقہ جانیکا قصد کیا جہاں سونا پیدا ہوتا ہے اور عورتیں حکومت اور ملک کی حفاظت کیلئے اپنے دشمنوں سے جنگ کرتی ہیں۔ چنانچہ چند آزمودہ کار بڈھے بوڑھوں کو جمع کرکے دریافت کیا کہ ہم کس تدبیر سے عورتوں کے اس زرخیز ملک میں پہنچ سکتے ہیں؟

ان سب نے یکزباں ہوکر جواب دیا کہ راستہ میں عظیم الشان پہاڑوں کا سلسلہ سد راہ ہوتا ہے اسوجہ سے آپکا اوس ملک میں پہنچنا سخت دشوار ہے۔ سکندر نے جو عالی ہمت اور بڑا مستقل مزاج تھا اور اپنے ارادوں سے پھرجانا باعث شرم سمجھتا تھا برہم ہوکر کہا۔ آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں اپنے دلی ارادوں کو فسخ کرنا کسرشان سمجھتا ہوں میرا وہاں جانا لازمی ہے اسلیے تم لوگ بجائے مزاحمت کرنے کے کوئی ایسا مفید مشورہ دو جسکی بدولت راستہ کی صعوبتیں کم ہوجائیں اور میں کامیاب ہوکر واپس آؤں، اِن بوڑھے تجربہ کاروں نے جواب دیا کہ اگر آپ نے وہاں جانیکا مصمم قصد کرلیا ہے تو اپنے ملازمین کو بُستان کے خچر لانیکا حکم دیجیے جنکے لیے نشیب و فراز اور تاریکی مانع نہیں ہوسکتی، اور بڑی بڑی رسیاں بھی منگوائی جائیں تاکہ اونکا ایک سرا آپ کی محل سرا سے باندھ دیا جائے تب آپ اور آپ کا لشکران خچروں پر سوار ہوکر سفر کرے اور رسیوں کے دوسرے سرے ہر لشکری اپنے ہاتھ میں پکڑے رہے، مبادا آپ کو

وہ جگہہ نہ ملی تو آپ ان رسیون کی مدد سے اپنے ایوان شاہی کو واپس آسکینگے۔

سکندر کو یہ صلاح پسند آئی اور اُس نے اپنی جنگی سپاہ کو ساتھ لیکر اُن کے ہاتھون مین رسیون کے سرے پکڑا دئے اور اس زرخیز ملک کی حکمران عورتوں سے لڑنے کو روانہ ہوگیا جب بادشاہ معہ اپنی فوج کے اس ملک مین پہونچا تو وہان کی عورتین بھی جنگی لباس سے آراستہ ہوکر شہر سے باہر نکل آئیں اور اُن کے ایک سردار نے سلطان سکندر سے حسب ذیل گفتگو کی۔

اگر آپ کو اپنی عزت پیاری ہے تو مناسب ہے کہ بغیر لڑے بھڑے اپنے ملک کو واپس چلے جائین، اس لیے کہ اگر آپ ہم پر فتح پاگئے تو مخلوق یہ کہے گی کہ عورتون کو شکست دینا بہادرون کا کام نہین ہے اور اگر آپ کو شکست ہوگئی تو دنیا کہے گی کہ عورتون سے ہزیمت پائی۔

سکندر نے لڑائی کا ارادہ ترک کرکے اُنسے روٹی مانگی، وہ بہادر عورتین اس کے لیے ایک طلائی میز لائین جسپر ایک سونے کی روٹی رکھی ہوئی تھی۔

یہ دیکھکر سکندر نے پوچھا کیا مین اس روٹی سے سیر ہوجاونگا؟

عورتون نے جواب دیا کہ اگر آپ کو اس روٹی کی خواہش نہین ہے تو یہان آنے کی کیا ضرورت تھی کیا آپ کے ملک مین روٹی کی کمی ہے جو اسکی تلاش مین اتنی دور آئے ہین،

سکندر شرمندہ ہوگیا اور ایک نمایان جگہ پر ذیل کا جملہ لکھکر لوٹ آیا۔

"مین (سکندر) اپنے کل عرصۂ زندگی مین اس وقت تک بے وقوف تھا جب تک کہ افریقہ کی عورتون نے مجھے عقل وشعور نہین سکھایا"

راستہ مین ایک ندی کے کنارے پر منزل کی اور ناشتہ کھانے کے لیے دسترخوان بچھایا گیا

اُسوقت زادِ سفر مین بُھنی ہوئی مچھلیان تھین کسیقدر انکی شوریت دور کرنے کے لیے دریا مین دہوئی گئین تو اُسوقت ایک عجیب خوشبو محسوس ہوئی۔

سکندر نے خیال کیا کہ شاید یہ ندی بہشت سے نکلی ہی اس گمان پر رائے قایم کرکے وہ بذاتِ خود ندی کے کنارے کنارے چلا گیا، چنانچہ ایک محل کے دروازہ پر جو شاید بہشت ہی تھی جا پہونچا اور آواز دی "دروازہ کھولو! اندر سے جواب ملا کہ یہ خدا کے گھر کا دروازہ ہی صرف مقدس لوگ اندر آنیکا حق رکھتے ہین، سکندر نے بہ آواز بلند کہا کہ

"مین ایک بادشاہ ہون میری شاہی عظمت پر لحاظ کرو اور مجھے کچھ انعام دو!

یہ الفاظ اُس نے ختم ہی کیے تھے کہ ایک ہاتھ نکلا اور اُسنے سکندر کو ایک انسان کی کھوپڑی دی، یہ کھوپڑی لیکر چلا آیا، اور گھر پہونچکر حکم دیا کہ اس کھوپڑی کا وزن دریافت کیا جائے، چنانچہ اس غرض سے وہ کھوپڑی ترازو کے ایک پلڑے پر رکھی گئی وہ زمین تک جھک گیا دوسرے پلڑے پر ہزارون سونے چاندی کے بانٹ رکھے گئے مگر اس کھوپڑی کے ہموزن نہ ہو سکے اور پلڑہ زمین ہی سے لگا رہا۔

سکندر نے چند اہل دانش کو بلا کر اس تعجب خیز امر کا سبب دریافت کیا، اُنھون نے کہا کہ اس کھوپڑی مین ہنوز آنکھین موجود ہین جو سونے چاندی سے کبھی سیر نہین ہو سکتین ؎

گو ہاتھ کو جنبش نہین آنکھون مین تو دم ہے رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

سکندر نے کہا اچھا پھر کیا کرنا چاہیے وہ بولے کہ آنکھون پر ذرا سی مٹی لگادو اُسوقت یہ کچھ نہ دیکھ سکیگی، جب اس صلاح پر عمل کیا گیا کھوپڑی والا پلڑا فوراً اوپر اُٹھ گیا حکیم سکندر نے کہا "مین دیکھتا ہون کہ دانشمندون مین عقل نہین ہوتی بلکہ خدائی ہوتی ہی"

(ترجمہ) ا - ت -

قدر نعمت بعد زوال

نومبر ۱۹۱۰ء کے مخزن مین مس شجاعت علیصاحبہ کا ایک مضمون مندرجہ بالاعنوان سے چھپا ہے۔ مضمون کے اچھے ہونے مین تو کلام نہین۔ لیکن نتیجے پر غور کرو تو زمانہ حال کی عمدگی کے ساتھ انگریزی طرز ماند و بود کی خوبی کا اظہار ہوتا ہے، اور زمانہ گذشتہ کی سادی زندگی نظرون سے گری جاتی ہے، خیر، اسپر اعتراض کی کوئی وجہ نہین۔ یہ تو زمانے کا رنگ ہی۔ زمانہ ہر ایک کو اپنے موافق بنا ہی لیتا ہے خواہ بضرورت، خواہ بہ رغبت، مگر دیکھنا یہ ہے کہ ہماری گذشتہ اور موجودہ زندگی مین جو فرق ہوا ہے۔ وہ کہان تک ہمارے لیے مفید یا مضر ثابت ہوا، جو اشیاء ضرورت اب ہماری جزو زندگی ہین، انکے بغیر ہم کسطرح زندگی گزارتے تھے، اور اب اگر یہ چیزین نہ رہین تو ہم آرام سے بسر کرسکتے ہین یا نہین۔

اگر مس شجاعت علیصاحبہ کے مضمون کے مطابق۔ ہمپر ایسی مصیبت آپڑے کہ ایک دم یہ تمام سامان آسایش جو آج ہمارے گرد و پیش ہین، غائب ہو جائین اور کسی طلسم کی طرح دنیا کا کارخانہ اچانک پلٹ جاے، تب تو بیشک ہمکو زندگی اجیرن ہو جائے گی، کیونکہ ہم سب کچھ نہ کچھ اس طرز زندگی کے عادی ہو چلے ہین، اور دفعتاً کسی عادت کا چھوڑنا ضرور ہی تکلیف کا باعث ہوتا ہے، اسکے علاوہ ہم مین سے اکثر واقف بھی نہین کہ پہلے زمانے کے لوگ کسطرح زندگی گزارتے اور دنیا کا کام کیونکر چلاتے تھے، اس صورت مین اگر (مثلاً) ڈاکخانہ ہی غائب ہو جائے، اور اسکے بجاے ایک گڑھا رہجاے، طرہ یہ کہ لوگ ڈاکخانے کے

ہم سے بھی ناواقفیت ظاہر کرنے لگین - تو بلاشک ہماری حالت اس سے بھی بدتر ہو گی جو بیچارے میر افتخار علی کی خواب مین ہوئی اور تب ہم خواہ مخواہ قدر نعمت بعد زوال، کہہ کہہ کر مرتے مٹینگے، لیکن سوال یہ ہے کہ ایسا ممکن ہے - یا نہین - خدا کی قدرت سے اگر اسکو بعید نہ سمجھو - تو بھی اسکی عادت سے تو ضرور بعید ہے، اب دوسرے پہلو پر نظر کیجئے، یعنی کسی دوسری حکمران قوم کا اثر ہندوستان پر پڑے، یہ چیزین مٹنے لگین، اور جنکو ہم ناکارہ سمجھ کر چھوڑ چکے ہین، وہی چیزین پھر رواج پانے لگین اس صورت مین جہان تک میرا خیال ہے، ایسا نہین ہو سکتا کہ ہمکو زندگی مصیبت ہو جائے، اور ان چیزون کے جانیکا اسقدر ملال ہو کہ ہم قدر نعمت بعد زوال کہہ سکین، اول تو یہ نئی چیزین اختیار کئے ہمکو اتنی مدت نہین گذری کہ ہم سب اپنی پرانی زندگی کو بھول گئے ہون، دوسرے جب حکومت کا اثر رعیت پر لازمی ہے تو ہمکو خوشی اسیطرح ان چیزون کو چھوڑ کر اپنی پرانی زندگی واپس لینے کو تیار ہو سکتے ہین - جسطرح پرانی چیزین چھوڑ کر نئی لینے پر آمادہ ہو گئے، مانا کہ کچھ دن نئی نسلین اسیطرح اس زمانے کو بحسرت یاد کرین گی - جسطرح اب پرانے لوگ اپنے گئے ہوئے وقت کا ذکر کرتے ہین -

لیکن اپنی کھوئی ہوئی چیز کے ملنے کی خوشی، حکومت کا اثر، اور گذشتہ زمانے کی ایسی سادی پرلطف اور باامن زندگی، چند ہی روز مین انکو خوش دل بنا دے گی ہم ہندوستانی عموماً اندھی تقلید کے عادی ہین، لیکن بنظر انصاف دیکھا جائے تو ہماری گذشتہ طرز معاشرت ہی ہمارے لئے موزون تھی، ہم چاہے اس مین کچھ ترمیم کر لیتے لیکن وہ بالکل چھوڑ دیئے جانے کے قابل تھی، کچھ شک نہین کہ موجودہ زمانے مین

سیکڑون چیزین خوبصورت اور آرام دہ ایجاد ہوگئین، جو پہلے نہ تھی، مگر جب یہ نہ تھین، تب کیا ہم انسان نہ تھے، تب کیا ہمارا کوئی کام رُکا رہتا تھا، اور تب کیا ہم ان چیزون کی ضرورت محسوس کرکے تکلیف اُٹھاتے تھے، ایسا نتھا، ہماری جو حالت تھی ہم اس مین خوش تھے۔

ہمارے خیالات وسیع نتھے اور ضرورت کی چیزین اسقدر زیادہ نہ تھین کہ ہماری ضرورتین (اُن چیزونکی خاطر سے) بڑھجاتین، اُسوقت ضروریات زندگی کے لیئے جو چیزین لازمی تھین، وہ سستی سادی اور پایدار تھین، اب ہمکو جن چیزونکی ضرورت ہوتی ہی وہ گران خوشنا اور ناپایدار ہوتی ہین، آرام کے لیے یہ اور وہ دونون یکسان ہین صرف عادت کی بات ہی، مثلاً فرش اور میز کرسی کو لیجیے، ایک اچھی خوبصورت کرسی اگر آٹھ روپیہ کی ملیگی، تو اسی قیمت مین دو چاندنیان بھی اچھی ہی تیار ہوسکتی ہین، ایک کرسی پر ایک ہی آدمی بیٹھ سکتا ہے، اور ایک چاندنی پر دس بیس، آٹھ روپیہ کی کرسی جس سے ایک ہی شخص فائدہ اُٹھاتا ہی، اگر ٹوٹ گئی تو آٹھ روپیہ کا نقصان ہوا اور چار روپیہ کی چاندنی جس سے دس بیس آدمیون نے فائدہ اُٹھایا ہی، اگر جل گئی یا پھٹ گئی تو چار ہی کا،

کرسی کی مرمت مین اگر دو روپیہ صرف ہونگے تو چاندنی کی درستی مین بمشکل چار آنے، سنتے ہین کہ کرسی پر پیر لٹکا کر بیٹھنا صحت کے واسطے مفید ہی، مگر فرش پر پیر سمیٹ کر بیٹھنے والون کی صحت ہملوگون سے بہت اچھی تھی، ایک میز کرسی سے آراستہ کرا اسیقدر آرام دہ ہوسکتا ہی جسقدر ایک فرش اور نواڑی پلنگڑیون سے سجا ہوا کرہ ہاسکی صفائی اور درستی مین اگر دو گھنٹے سر پھرانا پڑتا ہے، تو اسکی

آرا ستگی مین آدھ گھنٹے۔

پھر اوس کے فرنیچر وغیرہ مین جو روپیہ ہم صرف کرتے ہین، وہ قریب قریب سب غیر ملک والون کو جاتا ہے، اور اس مین جو کچھ صرف ہوتا ہے، وہ اندازاً سب کا سب ہمارے ہی ملک مین رہتا ہے، برقی پنکھا بیشک ہمارے پرانے لکڑی کے پنکھون سے زیادہ خوبصورت ہی لیکن اس کی دس گنی سے بھی زائد قیمت کو ملتا ہی اور پھر جب ٹوٹ جاتا ہے تو ہمکو صرف کشیر سے ولایت بھیجکر بنوانا (یہ کوئی بھی نہین کرتا) بلکہ نیا منگوانا پڑتا ہے، اور یون اتنا روپیہ محض نمایش کے شوق مین ہمارے ملک سے باہر چلا جاتا ہے، پرانا لکڑی کا پنکھا، ہمارے یہان کے بڑھئی سکو بناتے اور ہم گھر ہی مین اسپر کپڑا منڈھ لیتے تھے، اور ہمارے ہی ملک کے غریب پنکھا قلیون کو ہمارے روپیہ سے نفع پہونچتا تھا، ریل نے بیشک ہمکو بہت فائدے پہونچائے سفر مین بیحد آسانی ہوگئی۔

ہمارے ملک مین تجارتی مال نئی اور عجائب چیزین غیر ملکون سے آنے لگین۔ ہم کو دور و دراز مقامات کے سفر سے فائدہ اُٹھانے اور تجربہ حاصل کرنے کا موقع مل گیا مگر ان سیکڑون فوائد کے دیکھتے ہوئے کیا وہ ہزارون نقصانات نظر انداز کر دینے کے لایق ہین جو اس سے ہم کو پہونچے، ہمارے ملک کی ست سی زمین بیکار ہو گئی جسپر کاشت کرنے سے بہت آمدنی تھی، ہمارے ملک سے غلہ باہر جانے لگا جس نے ہندوستان کو بجاے زرخیز ہندوستان کے مفلس ہندوستان بنا دیا۔

آئے دن ریلین لڑتین اور بیسیون قیمتی جانین اُسکی نذر ہوتی رہتی ہین، محض سیر و تفریح کے شوق مین ہم اپنا بہت سا روپیہ بیجا خرچ کرتے ہین،

ریل نے جو آسانیان سفر مین پیدا کر دی ہین۔ اس سے نفع کم اور نقصان زیادہ اٹھاتے ہین، ریل نہونے پر بھی لوگ سفر کرتے تھے، لیکن شوقیہ کمتر، ضرورتاً زیادہ، چونکہ اسوقت سفر کرنا دشوار تھا۔ لوگون کو اسکی خواہش بھی کم ہوتی تھی، اسطرح روپیہ بچجاتا تھا، اور جب سفر کرتے تھے تو وہ روپیہ اپنے ہی غریب ہموطنون کے کام آتا تھا، اسی طرح ہر ایک نئی چیز ہمارے لیے کم راحت اور زیادہ مصیبت کا باعث ہوگئی ہی، پہلے لوگ جو گذشتہ زمانے کو برکت کا اور موجودہ زمانے کو زحمت کا زمانہ کہتے ہین۔ وہ غلطی پر نہین ہین۔

ان کے وقت مین اشیاء ضرورت اسقدر گران۔ اور ضروریات زندگی اس درجہ وسیع نہ تھین، جب وہ دیکھتے ہین کہ اس زمانے کا ایک شخص ہزار ماہوار پیدا کرکے بھی مطمئن نہین رہتا اور اس کی آمدنی صرف اس کے لیے بھی کافی نہین ہوتی، تو وہ ایک حسرت بھری نظر پچھلے زمانے پر ڈالتے ہین، جب ایک آدمی سو روپیہ کی آمدنی مین معہ اپنے اہل و عیال اور تمام خاندان کے کس اطمینان اور خوشحالی سے زندگی گزارتا تھا، اور تب انکے منہ سے بے اختیار آہ کے ساتھ گزرے زمانے کی تعریف نکل جاتی ہے، درحقیقت ان کے لیے وہ زمانہ نعمت تھا، اور اب جسکو ہم ترقی سمجھ رہے ہین، ان بزرگون کے نزدیک زوال ہی، دنیا دن بدن ترقی کی طرف مائل ہی۔ سیکڑون چیزین جو وہم و گمان مین نتھین، ایجاد ہوگئین، اور ہزارون چیزین جو ابتک ذہن مین بھی نہین، آیندہ ایجاد ہوجائینگی۔ تب ضرورتین اور بڑھینگی، اور تفکرات بھی دہ چند ہو جائینگے، رہا سہا اطمینان جاتا رہے گا، اسوقت ہم کو یہ زمانہ نعمت معلوم ہوگا، جو گزر جائے گا، اور آنیوالی

نسلون کو وہ زمانہ جو اس سے زیادہ ترقی کا ہوگا۔

قدر نعمت بعد زوال بالکل بجا، لیکن نعمت تو وہی چیز ہو سکتی ہو، جو موجب راحت ہو نہ وہ جو باعث تفکر بن جاے، موجودہ زمانے نے ہمسے سکون خاطر چھین لیا، اطمینان قلب مفقود ہو گیا، اور ہم چندر چند تفکرات مین مبتلا ہو گئے۔

انسان بیچین طبیعت لیکر پیدا ہوا ہے، اس کی فطرت یہ ہو کہ ایک رنگ مین زندگی نہین گزار سکتا، ہم نے پرانے زمانے کی طرز زندگی سے اُکتا کر نئی چیزون اور نئے طرز کی زندگی کو بڑی ہی خوشی سے قبول تو کر لیا، اور کچھ دنون کے لیے گویا ہم بھول گئے کہ ہماری پچھلی طرز معاشرت کیا اور کیسی تھی، لیکن اب ہم مین سے اکثر ان تکالیف کو محسوس کرنے لگے ہین جو موجودہ زمانے نے ہمارے سر ڈالدی ہین، چاہے بیفائدہ سمجھ کر اظہار نہ کرین۔

اور ہم سب کو نہین، تو ہم مین سے بہتون کو پرانے زمانے کی سادہ بیفکر اور خوشگوار زندگی یاد آنے لگی ہو۔

میرے خیال مین قدر نعمت بعد زوال اسی کو کہنا موزون ہو۔

از محمد حیدر علی قدوائی جگوری ساکن رامپور

رباعی

جمتا نہین ہے رنگ کسی بزم ناز کا
ہے اب تھیٹرون مین اثر سوز و ساز کا
اب قدر ہو رہی ہے پیانو کی ہر طرف
شیراز کی وہ لے ہے نہ نغمہ حجاز کا

مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی

اپیل

بخدمت جمیع اہل اسلام ہند متعلق اوس مقصد اعظم کے جس کے حصول پر
یقیناً قوم کی قسمت کا دارمدار ہے (یعنے)

تکمیل مجوزہ محمڈن یونیورسٹی

برادران ملت ہر ایک کام کی تکمیل کے لیے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا قدرت کی طرف سے ایک ساعت خاص مقرر ہوتی ہے، وکل امرِ مرہون باوقاتہا، اقبال اور خوش نصیب ہین وہ لوگ جو ساعت مقررہ کو پہچان کر اور اوس کے اقتضا کے مطابق اپنے حوصلون ارادون اور کوششون کا پیمانہ قرار دیکر شرف انسانی کا فرض کامیابی کے ساتھ ادا کرسکین، ایسے ہی مواقع پر اشخاص خاص اور قومون کا زندگی کی کشمکش کے میدان مین امتحان ہوتا ہے اور اوسکے نتائج پر انسانون اور قومون کی قسمت کا فیصلہ منحصر ہوتا ہے؛ میری قدرت سے باہر ہے سپاس ادا کرنا اوس ذات اقدس کا جس نے مجھکو موقع دیا کہ جس ساعت کے آنے کی سرسید علیہ الرحمۃ آخر دم تک آرزومند رہے اور جسکو قریب لانے مین نواب محسن الملک مرحوم اور مسٹر بیک مرحوم دم واپسین تک ساعی رہے اوس کے قریب پہونچنے کی خوشخبری قوم کو مین سناؤن اور اس زندگی بخش اور خوش آیند ندا سے اسلام کے خفتہ جوش اور قوم کے پژمردہ دلون مین تحریک اور تازگی پیدا کردون۔

جس مبارک ساعت کی طرف میرا اشارہ ہے، وہ ہمارے شہنشاہِ عالیجاہ کا ہندوستان تشریف لاکر اپنی تاجپوشی کی مبارک رسم کا ادا فرمانا ہے، اور جس مقصد اعظم کی تکمیل قادر مطلق نے اس موقع

کے لیئے قرار دی ہے، وہ قوم کے مرکزی کالج کو یونیورسٹی کے درجہ پر پہنچانا ہی، اور جس ممتاز کن قوم کی زیر ہدایت قدرت اس کام کو انجام دینا چاہتی ہے وہ ہز ہائینس سر آغا خان بہادر بالقابہ ہین اور جن مردان خدا کے جمہوری توجہ اور کوشش سے یہ سب کچھ ہونے والا ہے، وہ رسول پاک کی اُمت کے نذر کرنے والے اور اون کو دنیا مین معزز اور باثروت بنانے والے اصحاب ہین؛ ہز ہائینس آغا خان بالقابہ کی تحریک یہ ہے کہ دربار تاج پوشی کے وقت سے پیشتر مسلمانان ہند بیس لاکھ روپیہ جمع کر کے شہنشاہ معظم سے استدعا کرین کہ اپنی تخت نشینی کی مسعود اور مبارک تقریب کو ابدالآباد تک اور خاصکر مسلمانون کے موجودہ اور آیندہ نسلون کی ممنون اور معترف دلون مین اپنی یادگار قایم کرنیکے لیئے مجوزہ محمڈن یونیورسٹی کی ابتدا فرماکر ہماری قومی زندگی اور اقبال کی بنیاد قایم فرماوین جسکے واسطے مسلمان قرنون سے آرزومند چلے آرہے ہین۔

برادران ملت!! یہ ساعت ہماری قوم کے لیے بہت بڑے امتحان اور آزمایش کا وقت ہی، تمام مہذب اور بیدار دنیا کی نظرین ہماری طرف ہے، جبکہ امریکہ مین ایک کارنیگی اڑہائی کرور اور انگلستان مین ایک رہوڈس دو کرور اور اسی طرح پر سیکڑون فیاض طبع یورپین اُمرا مخلوق الٰہی کے نفع کے لیئے لاکھون کرورون روپیہ دیتے رہتے ہین، تو کیا امت محمدی کے سات کرور افراد اپنے دین اور قوم کی فلاح کے لیے ایسے بیش بہا اور نایاب موقع پر جیسا کہ موجودہ موقع قدرت سے اون کو حاصل ہوا ہی بیس لاکھ روپیہ بھی جمع نہین کر سکتے؟ جمہوری عزم اور مجموعی کوشش کی جو قابل یادگار مثالین فرانس اور جاپان کے کارنامون مین ملتی ہین وہ دلپر نقش کرنے کے لایق ہین۔

جاپان کے باشندے تعداد مین چار کرور سے زائد نہین ہین اور نہ مثل یورپ کے دولتمند تھے لیکن جب اونھون نے تعلیم نسوان کا ارادہ کیا تو چند روز مین چھ کرور روپیہ جمع کر لیا، یعنی

فی کس ڈیڑھ روپیہ کے حساب سے جمع کرلیا۔

اس ملک مین سات کروڑ کے قریب مسلمان ہین اور جس مقصد کے لیئے اسوقت انسے اپیل کیا جاتا ہے وہ مسئلہ تعلیم نسوان سے بہت زیادہ اہم اور وسیع اور قوم کے لیے برکات پیدا کرنے والا ہے، باانیمہ اگر صرف فی کس دو پیسے وصول کیئے جادین تو بہتر لاکھ کی رقم جمع ہوسکتی ہے۔ ۱۸۷۰ء مین جرمنی اور فرانس مین جنگ ہوئی اور فرانس کو سخت شکست ہوئی، اور جرمنی نے فرانس سے تین ارب روپیہ تاوان کا مطالبہ کیا، کل یورپ سمجھتا تھا کہ یہ تاوان فرانس کو تباہ کردے گا اور مدتون تک ادا نہو سکے گا، لیکن فرانس کے باشندون کی قومی حمیت اور جمہوری عزم نے ان خطرات کو غلط ثابت کردیا اور ملک کے ہر ایک باشندے نے یہان تک کہ عورتون نے اپنے زیورات بیچکر اس قومی کام مین حصہ لیا اور متفقہ کوشش سے کل تاوان ادا کردیا اور ملک پر سے اس بار عظیم کو ہٹادیا اور جرمنی فوج کو جو اس تاوان عظیم کے ادا ہونے تک فرانس کے ملک مین قایم رکھی گئی تھی جب تک اپنے ملک سے باہر نہ کرلیا اونکو چین نہ پڑا خود ہمارے ملک مین ٹاٹا مرحوم نے اپنی جیب سے تیس لاکھ روپیہ رفاہ عام کے لیئے عطا کیا اور ہم سات کروڑ مسلمانون سے صرف بیس لاکھ کے خواہشمند ہین، ہمارے صوبہ کے ایک ہندو رئیس راجہ صاحب آوہ گڑھ نے راجپوت کالج آگرہ کے لیئے دو سال ہوئے گیارہ لاکھ روپیہ دیئے، جبکہ ایسی مثالین خود ہمارے ملک مین موجود ہین تو کیا وجہ ہی کہ ہم بھی اون کا ثبوت نہ دے سکین؛ اور جن مثالون پر مسلمانون کی قومیت کی بنیاد رکھی گئی ہی اور جس ایثار سے قرون اولے کے مسلمانون نے کام لیا ہے اون کے بیان کے واسطے تو دفتر کے دفتر درکار ہین اور اگر انکی طرف ہم توجہ کرین تو ہمکو کسی دوسری قوم کے لوگون کی مثالون کے پیش کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہین رہتی، قدرت کا زبردست ہاتھ پھر اشارہ کر رہا ہی کہ پردۂ غیب سے ہماری ترقیات کا آفتاب

پھر طلوع ہونے والا ہے۔

جبکہ ہماری قومی سرپرستی اور پشت پناہی کے لیے ایسے عالی مقام اور معظم رئیس موجود ہون جیسے ہز ہائنس حضور پر نور نظام مدظلہٗ العالی ہر ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال۔ ہز ہائنس نواب صاحب رامپور، ہز ہائنس میر صاحب خیرپور۔ دربار بہاولپور۔ و دیگر والیان ملک و مسلمان رئیسان و سرداران قوم تو پھر یاس کی کوئی وجہ نہین اور ناکامی کا کوئی سبب نہین۔

ہز ہائنس سر آغا خان بالقابہ کلکتہ، لکھنؤ، رامپور، لاہور، کراچی، اور بمبئی کا دورہ فرما چکے، اسکے علاوہ ہر ایک صوبہ کے بڑے بڑے مقامات پر سربرآوردہ اور باثر مسلمانون کے ڈیپوٹیشن جارہے ہین اور ہر ایک ڈویژن اور ضلع کے صدر مقام پر بھی اسیطرح پر تحریک کی جارہی ہے، اور مختلف صوبجات کے ہر ایک شہر قصبہ اور قریہ مین چندہ جمع کرنے کا کام شروع کردیا گیا ہی، لیکن یہ ظاہر ہے کہ اسقدر وسیع اور مہتم بالشان کام بغیر جمہوری مدد کے ہو نہین سکتا اور اوس کی عملی شکل یہی ہی کہ ایک شہر اور قصبہ مین جس قدر ہمدرد اور باہمت اصحاب ہون وہ اس کام مین حصہ لینے کے لیے تیار ہون اور جس مقام اور زمانے مین وہ کام کرسکین اوس سے خاکسار کو جلد سے جلد مطلع فرماوین تاکہ اونکا نام نامی اوس خاص مقام کے ڈیپوٹیشن مین شامل کرلیا جاوے۔ اس کام کو انجام دینے اور اُس کے متعلق مکمل اہتمام کرنے کی لیے علیگڈہ مین ایک صدر کمیٹی بنام نہاد "کمیٹی تکمیل محمڈن یونیورسٹی قایم" ہوئی ہی جسکے پریسیڈنٹ ہز ہائنس آغا خان صاحب بہادر بالقابہ ہین، متعدد وائس پریسیڈنٹ ہر ایک صوبہ کے نامور اکابرین سے ہین، اور سکرٹری یہ خاکسار ہی اس کمیٹی نے اپنا ایک خاص صدر دفتر علیگڈہ مین قایم کیا ہی جس سے براہ راست خط وکتابت ہونا چاہیئے جو صاحب روپیہ بھیجنا چاہین وہ رجسٹرار صاحب کالج علیگڈہ کے پتہ سے روانہ فرمائین، کل روپیہ بنک آف بنگال آگرہ مین بطور علیحدہ فنڈ کے جمع کیا جاویگا اور اوسکی

رسید بین ہر ایک چندہ دہندہ کی خدمت مین بھیجی جاوین گی، اگر اونکے ضلع یا صوبہ مین کام ہو رہا ہی تو اوس مین آسانی ہوگی کہ وہ اپنے قریب ہی کے دفترون مین روپیہ جمع کردین۔

برادران ملت۔ یہ پیام خاص ہی جو ایک عاجزانہ اپیل کی صورت مین ہر اُمت محمدی اور رکن قوم کی خدمت مین عرض کیا جاتا ہی۔ دلی توجہ اور کامل غور سے سمجھ لیجیے کہ یہ کوئی معمولی تحریک یا عامیانہ تجویز نہین ہی بلکہ یقین فرما لیجیے کہ خالق حقیقی کی طرف سے ایک ساعت مسعود قوم کی قسمت کے فیصلے کے لیے مقرر کی گئی ہی اور اب ہر ایک زندہ دل اور روشن دماغ اپنی قومی بہبودی کیطرف متوجہ ہی کہ قوم اسوقت امتحان کی میزان مین کیسی اُترتی ہی۔

مضطرب ہی روح پاک سرسید مرحوم کی نسبت فردوس بین جنھون نے اس پودے کو لگایا تھا جسکے پہلنے پھولنے کا وقت اب آیا ہی، او متفکر ہین ارواح پاک نواب محسن الملک، خان بہادر برکت علیخان، خلیفہ محمد حسین صاحب اور دیگر سرسید کے احباب و بزرگان قوم کی جنھون نے ابتدا سے اس پودے کی حفاظت اور ترقی مین حصہ لیا تھا، پس لے برادران ملت اب وقت ہی کہ ہم سب دنیا اور اپنی محبان صادق کو دکھلاوین کہ دین کی حمایت اور قوم کی خدمت کے لیے جو ندا ہمکو دیجاتی ہے اوسکا جواب ہم کیسے طرز عمل سے دیتے ہین اور بیس لاکھ کی رقم جمع کرلینے کو ہم ادنی خدمات قومی مین تصور کرتے ہین۔

بزرگان قوم مین نے ایک خواب دیکھا ہے اوس کی خوشی ابتک میرے دل مین ویسی ہی ہی جیسی کہ خواب کے بعد آنکھ کہلتے وقت تھی مگر مجکو چند سال قبل ایک خواب کے بیان کرتے وقت ایک نصیحت ہوئی تھی کہ حتے الامکان خواب کے بیان مین بہت احتیاط چاہیئے لہذا مین بتصریح اُسکے بیان مین تامل کرتا ہون اور اسقدر عرض کرنا کافی سمجھتا ہون کہ اس خواب کا تمام تر راز "محمڈن یونیورسٹی کے لفظ محمڈن مین ہی" جو سرور اور اطمینان مجھکو اس خواب سے حاصل

ہوسکے اوس سے مجکو تو کامل طور پر یقین ہوگیا ہی کہ اسوقت جس کام کا بیڑا قوم نے اوٹھایا ہے خداوند تعالیٰ جلشانہ اپنے فضل وکرم سے اوسکو پورا کرنے والا ہی، ہمارے اعمال کا نتیجہ تو وہ تھا جو آج ہم نے دیکھا اور اب آیندہ جس امر کی ہم توقع کرتے ہین وہ محض فضل ایزدی سمجھنا چاہئیے اب ہمارا کام ہے کہ اول بصدق دل اپنے اعمال کی خداوند غفور الرحیم سے معافی چاہین اور نہایت خشوع خضوع سے جناب باری مین عرض کرین کہ

ہرچند نیم لایق بخشایش تو — برمن منگر بر کرم خویش نگر

اور پھر بمصداق "اذا عزمت فتوکل علی اللہ" کمر ہمت چست کرکے محمڈن یونیورسٹی کے سرمایہ کو انھین آیندہ چند مہینون مین فراہم کرین اور خدا وہ دن لاوے کہ محمڈن یونیورسٹی قایم ہو اور ہم یہ کہنے کے قابل ہون کہ ھذا تاویل رویای والسلام

خاکسار مشتاق حسین آنریری سکرٹری محمڈن کالج علیگڈھ

کلام رشید و عارف

حضرت رشید و جناب عارف سلمہا اللہ تعالیٰ نبیرگان میر انیس مرحوم مغتنم اساتذہ لکھنؤ سے ہین۔ انکا کلام اعلےٰ درجہ کا اور خاندانی سخنور ہونا تمام صاحب کمالون کے نزدیک مسلم ہی جس طرح ان بزرگون کا کلام ہمارے ادبی رسائل کے لیے باعث زینت و مباہات ہوسکتا ہی اسی طرح وہ نایاب بھی ہی خوش قسمتی ہی ان رسائل کی جو ان حضرات کے لاجواب کلام شائع کرنے کی عزت حاصل کرین اسوقت ہم حضرات رشید و عارف کے نادر کلامون سے ناچیز "الناظر" کے صفحات کو رونق دیتے ہوے منشی محمد حسین صاحب محوی کے شکرگذار ہین جنکی وساطت سے یہ غزلین دستیاب ہوئی ہین اور بمشکر اندر شکر مزید نعمت" کے مصداق ہم امید رکھتے ہین کہ آیندہ بھی وہ "الناظر" کے لیے ایسے بیش بہا جواہرات بہم پہونچا کر ہمین شکریہ کا موقع دینگے

اڈیٹر

کلام رشید

اور بگڑے ہین مزاج آپ کے دیوانون کے / آج در بند کیے جاتے ہین زندانون کے
سیلے جاتے ہین کفن آپ کے دیوانون کے / تار دامن کے ہین ٹکڑے ہین گریبانون کے
تھرکی آج چلی تیغ نگاہ ساقی / چور شیشے ہوئے ٹکڑے ہوئے پیمانون کے
دل جگر پڑھتے ہین کلمہ ترا ملک تن مین / ساری بستی مین یہ دو گھر ہین مسلمانون کے
دل بنے ہین ہوس بوسہ مین زلفون کے اسیر / ابتو آ پہونچے ہین نزدیک ترے شانون کے
وصلت شمع کی شب بھر تو رہی سر مین ہوا / صبح کو بزم مین پر اُڑتے تھے پروانون کے
شام سے وصل مین کہتے ہین ستانے کیلیے / موتی ٹھنڈے ہوئے جاتے ہین مرے کانون کے
کیا ترے نام مین تاثیر ہے سبحان اللہ / ایک دل ہو گئے تسبیح کے سو دانون کے
شاعرون کے لیے توہین کا باعث ہو رشید / تم نہ بیٹھا کرو مجمع مین سخندانون کے

کلام عارف

شرارے جو شمشیر قاتل سے نکلے / لہو بنکے سب حلق بسمل سے نکلے
تری آرزو کس طرح دل سے نکلے / یہ لیلی نہین وہ جو محمل سے نکلے
اثر دیکھیے میری فرقت کی شب کا / ستارے جدا ماہ کامل سے نکلے
وہ بھولے رہین سیر کے دیکھنے مین / بلا سے مرا دم جو مشکل سے نکلے
اُٹھاتے ہو گر بزم سے عاشقون کو / کہو پہلے پروانہ محفل سے نکلے

عجب اونکے ہے میرے ماتم مین رونا
خدا جانے دو اشک کس دل سے نکلے

مسئلہ ازدواج نمبر ۲

(سلسلہ کے لیے دیکھو پرچہ دسمبر ۱۹۱۰ء)

ہندوستان کی اسلامی جماعت مین جسقدر ازدواجی پیچیدگیان پیدا ہوگئی ہین اور رسم و رواج نے اُسمین جو اُلجھنین پیدا کر دی ہین، اب اُنکے نقصانات ایسے غیر محسوس نہین رہے کہ قومی درد رکھنے والے اس بارہ مین صرف سرسری توجہ سے کام لین اور جو مضرت رسان اثر اُسکا آئندہ نسلون پر پڑ رہا ہے اُس سے اغماض کرین، زنانہ و مردانہ رسالون اور اخبارون مین کثرت سے اس قسم کے مضامین نکل رہے ہین جنسے اندازہ ہوتا ہے کہ نہ صرف مرد ہی اس گرداب بلا کے چکرون کو محسوس کرتے ہین بلکہ طبقہ خواتین مین بھی ایک ہل چل مچی ہوئی ہے اور انفرادی ہستی سے نکلکر اس مسئلہ نے قومیت کا رنگ اختیار کر لیا ہے، اور کثیر التعداد افراد جنسے قومی شیرازہ مرکب ہے اس سوز نہان مین مبتلا ہین، جسکو دوسرے لفظون مین اسطرح ادا کیا جا سکتا ہے کہ اب مجموعی طور پر تمام قوم عقد و مناکحت کے ان نامناسب طریقون سے جو انسان کو سکون و اطمینان کے کشت زار سے بھٹکا کر سوزش و پریشانی کی غیر متناہی وادیون مین گم کردہ راہ بنا دیتے ہین نہایت متذبذب حالت مین مبتلا ہو گئی ہے،

یہ صورتین اُن خود غرض والدین کی پیدا کی ہوئی ہین جو اولاد کے حقوق غصب کرنے کے عادی ہو گئے ہین اور اپنے تئین اسکا واقعی مستحق سمجھتے ہین کہ اونکی اولاد یا وہ مستوجب شفقت جنپر اُنکو حقوق ولایت حاصل ہین، نہ صرف اُنکے زیر اثر ہی رہین اور اپنی قوتون کے نشو و نما تک اُنکی رہنمائی سے استفادہ حاصل کرین بلکہ اپنے محسوسات، جذبات، خیالات، وغیرہ کو بھی اپنے بزرگون یا ولیون کی طبیعت اور

خیال کے تابع کردیں اور ایک غیر ارادی اور بے مدعا زندگی اختیار کر کے اپنی آپکو اونکا ششنی بنائیں، اور زندگی بھر اونکے تجویز کردہ دستور العمل کی پیروی کرتے رہیں۔

اس زعم باطل کے دلوں میں راسخ ہونے سے حسب ذیل نتائج پیدا ہوے،

(۱) کمسنی کی شادی، اپنے پاس روپیہ ہی، خرچ کرنیکو جی چاہتا ہی، نام ونمود کی خواہش ہی (نیز بیجہ مصرف معلوم نہیں) یا کسی عزیز سے بہت خصوصیت ہی، ازدیاد الفت کے خواستگار ہیں، اور دونوں بچے ابھی چھوٹے ہیں، مگر چونکہ جانتے ہیں کہ ہماری رائے کے مطابق ان کو سب کچھ کرنا چاہیئے اسلیے قبل از وقت ہی شادی رچادی، شعور پاکر خواہ اونکی طبیعتیں کیسی ہی مختلف کیوں نہو جائیں۔

ایک بھائی کے لڑکا ہی دوسرے کے لڑکی پیدا ہوئی، فوراً منگنی ہوگئی، خواہ دونوں کے دلوں کی ساخت آیندہ چل کر کیسی ہی مختلف واقع ہو،

ایک بہن کے کچھ ہونیوالا ہی، بڑی بہن فکر میں ہی خدا کرے لڑکی ہو، ننھے کی دولھن آئے، خواہ پھر کیسی ہی صورت پیش آئے، لڑکی کی تربیت کسی قسم کی ہو، لڑکا کیسی ہی مختلف سوسائٹی کے زیر اثر ہو، مگر ٹھیکرے کی منگنی ہی، شادی ضرور ہوگی،

اولاد نہیں ہوتی تھی اسد آمیں کا ایک بچہ ہی. ماں کے دل میں ارمان بھرے ہیں، باپ بھتیجی سے کرنا چاہتے ہیں، ماں اپنی بھانجی سے، اپنے رشتونکی مضبوطی کا خیال ہی، جسکا پلہ بھاری ہوا اوسی سے لڑکا بیاہ دیا گیا۔

(۲) بے مرضی کی شادی، ایک دوست ہیں نہایت متمول، ذی اقتدار، صرف ایک لڑکی ہی، ان کی دولت پر رال ٹپکی، فوراً لڑکے کا پیام دے دیا، (صاحبزادے منسوبہ کی صورت سے گھبراتے ہیں مگر والد صاحب کی مصلحت سے مجبور ہیں) کسی شاہ صاحب کے مُرید ہیں، خاندان بھر سے عقیدت ہی، اونکا ایک لڑکا ہی، ان سے بیٹی کے لئے کہا، فوراً حامی بھرلی، زہی قسمت

زہے نصیب، پیر صاحب کے ارشاد کی تعمیل ہی، عاقبت درست ہوگی، بیوی نے کیا اختلاف
لڑکی ماں کا رنگ دیکھکر دل میں کہتی ہی خدا کرے یہاں نہو ۔

(۳) زبردستی کی شادی، صوفیہ بچپن سے ثاقب سے نفرت کرتی ہی ثاقب کی طرف سے پیام آیا، سب منظور کرتے ہیں، صوفیہ روتی ہی، سہیلیوں کے ذریعہ سے ماں کو اطلاع ہوتی ہی، وہ کہتی ہی اب کیا ہوگا، انکار کیسے کریں، لوگ کیا کہیں گے، صوفیہ اپنی موت کی دعا کرتی ہی، مگر نکاح کے وقت ایجاب سے انکار نہیں کرتی خاندان بھر کی ناک کٹ جائے گی ۔

احمد کو رضیہ سے لگاؤ ہوگیا وہ چاہتا ہی اس سے شادی ہو جائے، باپ نے حسنے سے رشتہ قائم کرنا چاہا، اسنے انکار کردیا، غضب ہوگیا، باپ دہکار رہے ہیں، عاق کردونگا، تیری یہ مجال میرا کہنا نہ مانے، انکار کرو تو گھر سے نکلو، بکراہت نکاح قبول، بیوی کو دیکھا، تو ہوش غائب، رات کو باپ کے بکس میں سے دو سو روپیہ نکال کر فرار ہوگئے ۔

(۴) محض شادی، دنیا کی دیکھا دیکھی کبھی خود شادی کرنے کا خیال ہی نہیں آیا، سب کے ماں باپ کردیا کرتے ہیں ہماری بھی ہو رہیگی، نکاح ہوا، بیوی آگئی، نہ خوشی ہوئی نہ رنج، نہ مدارج حیات میں کوئی اضافہ ہوا نہ تخفیف، ہندوستانی مسلمانوں میں عامتاً اسی قسم کی شادیاں ہوتی ہیں، یہ ان نمونوں میں کسی نہ کسی کی تحت میں ضرور آجاتی ہیں، اور بمشکل ایسی مثالیں ملیں گی جس میں ابتدا ہی سے باقاعدہ طریقہ پر اوسکی حکمت اور مصلحت کو ملحوظ رکھکر عقد کیا گیا ہو، اور وہ صورتیں ایسی بظاہر بدقسمت لیکن در اصل خوش قسمت لوگوں کو پیش آتی ہوں گی جن کے سروں سے اونکے اولیا کا سایہ اٹھ چکا ہوگا، کیونکہ یہ مسلمہ امر ہی کہ باپ اور بیٹے یا ایک بچے اور بوڑھے کے خیالات میں کم از کم اوسیقدر فرق ضرور ہوگا جسقدر دونوں کے زمانہ اور تمدن میں قدرتاً انقلاب ہوچکا ہی اور یہ بھی ایسی صورت میں جبکہ یہ فرض کرلیں کہ دونوں طبائع، اُفتاد، تربیت میں بالکل یکساں ہیں،

حالانکہ یہ نا ممکن ہو، پس لا محالہ یہ نتیجہ نکلتا ہو کہ اولیا، اور والدین جو شادی کرتے ہیں اگر حسن اتفاق
سے اپنے ذاتی اغراض کو دخل بھی نہ دیں اور مصلحت کوشیوں سے قطع نظر بھی کرلیں، تاہم اون
انتخاب ہرگز صحیح نہیں ہوسکتا، اور لطف یہ ہو کہ ایسے حضرات اپنے خیالات اور حیات کے اعتبار سے جس
نتیجہ پر پہونچتے ہیں، اور جس معیار سے انتخاب کرتے ہیں، اُسی نتیجہ پر پہونچنے کے اولاد سے بھی
خواہشمند ہوتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اس انتخاب میں اونکو عذر ہونا کیا معنی وہ بھی اُسے ایسا
ہی پسند کریں جیسا ہم پسند کرتے ہیں۔

چونکہ یہ طرز عمل ایک عرصہ دراز سے ہوتا آرہا ہو، اس لیے طبائع اسکی عادی ہوگئی ہیں لیکن اُ
نقصانات اسقدر تکلیف دہ اور پریشاں کُن صورتوں میں ظاہر ہورہے ہیں کہ اکثر نوجوان شادی
ہی کو بُرا سمجھنے لگے ہیں، اور حق سبحانہٗ تعالی کے اس حکم سے غافل ہوتے جاتے ہیں، "وَمِنْ آیاتہ
اَنْ خَلَقَ لَکُم مِنْ اَنْفُسِکُم اَزْوَاجاً لِتَسْکُنُوا اِلَیْہَا وَجَعَلَ بَیْنَکُم مَوَدَّۃً وَرَحْمَۃً"، یعنی اوسکی قدرت کی نشانیوں میں سے
ایک یہ بھی ہو کہ اوس نے تمہارے لیے تمھاری ہی جنس کی بیبیاں پیدا کیں، تاکہ تمھیں اونسے راحت
ملے، اور تمہارے درمیان پیار و اخلاص پیدا کیا۔

کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ راحت ملنا تو درکنار اور مصیبتوں سے پالا پڑجاتا ہو، اور پیار و اخلاص
پیدا ہونیکے بجاے دو مسلمان آدمیوں میں نفرت اور ناموافقت قائم ہوجاتی ہو، پس ضرورت
ہو کہ اِن مراسم اور رواجوں میں جنھوں نے اختیارات کو غلط صورت پر منتقل کردیا ہو ضروری ترمیم
تنسیخ کرکے اوسکی اصلاح کیجائے، اور طبائع کے رجحانات کو ملحوظ رکھتے ہوے خاص قواعد ترتیب
دیے جائیں۔

۴ اسمیں شک نہیں کہ رسم و رواج کی وقعت ہر ملک اور قوم میں بمنزلۂ ایک قانون کے
ایسی مستحکم اور مضبوط ہوتی ہو جسکے احکامات کی خلاف ورزی یا عدم متابعت اُن افراد کے

جو قومی سوسائٹی کے ممبر ہیں قریب قریب ناممکن بلکہ محال سے سمجھی جاتی ہے، اور گو یہ مروجہ پابندیاں کتنی ہی صریحی اور بدیہی طور پر کسی اہم سے اہم اور بڑے سے بڑے نقصان پر مختتم ہوتی ہوں اور ان پر عمل درآمد کرنے سے خواہ کتنا ہی سخت سے سخت مضرت رساں نتیجہ مرتب ہوتا ہو، مگر انسے گریز کرنے میں صاحبانِ عقل سلیم بھی کسیقدر جھجھکتے اور اجنبیت محسوس کرتے ہیں، مگر

" خدا کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا، جبتک قوم خود اپنی حالت کو بدلنے کی کوشش نکرے "

اسلیے ہمکو مراسم عائدہ کی اون بوسیدہ تہوں کو جس نے اصلیت کی آب و تاب کو چھپا رکھا ہے اوتار کر پھینکدینا چاہیئے، اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ نفس معاملہ میں جو بصورت معاہدہ ایک مذہبی حیثیت رکھتا ہے کوئی تغیر تبدل کیا جائے، یا اوسکے طرز انعقاد کو بدل دیا جائے، یا یہ کہ اولیا اور والدین کو اس معاملہ میں قطعی دست اندازی کا موقع نہ دیا جائے، بلکہ جو امور اس خوشنما نظام ہستی میں داخل ہوکر اوسکے حقیقی لطف سے محروم کرنیوالے ہیں اونکو دور کرنا چاہیئے۔

عقد و مناکحت کے بارے میں والدین اور اولیا کا فرض یہ ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی اغراض اور مصلحتوں کو بالکل بالائے طاق رکھکر خود اولاد کو تجویز و انتخاب کا موقع دیں، اور خود اس فرض کو انجام دینے کے بجائے اونھیں کو اسمیں امداد دیا کریں، کیونکہ جو چیز اپنی طبیعت کی پسندیدگی سے انتخاب کیجاتی ہے اوس سے رغبت ہونا لازمی امر ہے، اسسے انکار نہیں کہ زمانۂ موجودہ میں عموماً زوجین کے مناقشات نامناسبت طبائع اور اختلاف خیالات کا نتیجہ ہیں، مگر جبکہ خود فریقین نے اپنے لیئے مشیر زندگی بہم پہونچایا ہے تو جذب جنسی پیدا ہو چکا تھا، اور یہی حقیقی مقصد ازدواج کا ہے۔

اعمش کہتا ہے " جو نکاح بے دیکھے کیا جائیگا، اوسکا انجام دائمی رنج ہوگا "

سوال یہ ہوتا ہے کہ فریقین کو بذات خاص انتخاب کرنے کے مواقع ملنا کیسے ممکن ہے۔ اسی کے جواب میں کہنا پڑتا ہے کہ رسم و رواج کی پرانی چادر کی دھجیاں اوڑا کر سچا اور مذہبی طریقہ اختیار کیا

ہمارے مذہب نہ صرف عقبیٰ ہی درست کرتا ہی بلکہ وہ نظام تمدن کا بھی بڑا حامی ہی، اور اسلام خصوصیت کے ساتھ اس بات کا مقتضی ہی کہ وہ معاشرت کو بھی مہذب بناتا ہی، اور ہم مسلمان اسپر جائز طور پر فخر کر سکتے ہیں، مذہبی طور پر جب ہم اس امر میں غور کرتے ہیں تو نبی کرم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنکا ہر ارشاد ہمارے لئے واجب التعمیل اور ہمارے دینی و دنیوی فلاح کا باعث ہی یہی حکم دیتے ہیں کہ

"جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطبت احدکم المراۃ فان استطاع ان ینظر ما یدعوا الی نکاحہا فلیفعل رواہ ابوداود"	جابر سے روایت ہی۔ "جب کوئی رشتہ کرو کسی عورت سے تو اگر اوس عورت کے دیکھنے پر قادر ہو تو ضرور دیکھ لو" (مشکوٰۃ شریف)

مگر وہ لوگ جو حق بات کے سننے اور مفید خیال کے اظہار سے گھبراتے ہیں اور لکیر کے فقیر بنے رہنا پسند کرتے ہیں اس صریح حکم میں تاویلیں کرنے کے خواہشمند ہو کر "تو اگر اُس عورت کے دیکھنے پر قادر ہو" کے الفاظ سے اس ارشاد کی تعمیل مشروط کرنے کے ساعی ہونگے اُنکے اطمینان کیلئے ایک دوسری حدیث جس میں صراحت کے ساتھ بلا استثناء حکم ہی پیش کیجاتی ہی،

"عن ابی هریرۃ قال خطب رجل امراۃ من الانصار فقال له رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم هل نظرت الیها قال لا فامرہ ان ینظر الیها (سنن نسائی۔ جلد دوم)	ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ کسی شخص نے انصار میں سے کسی عورت سے رشتہ کیا تو اوس شخص سے حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ کیا تونے اُس عورت کو دیکھ لیا ہے اُسنے کہا نہیں دیکھا آپ نے حکم فرمایا کہ اُسکو دیکھ لے۔

پُرجوش اور سچے مسلمان جو اپنی تمام زندگی اور اوسکی ہر حالت کو مذہب کے تحت میں رکھنے کے عقیدت مند ہیں اُنکو یہ باور کرانیکے لئے کہ "زوجین کے باہمی محبت ہونا ایک بڑی ضروری چیز ہی، اور اس کے لیئے دیکھنا پہلے سے مناسب ہی"، اس کلیہ کی تائید میں ایک اور تیسری حدیث دکھلاتے ہیں

"عن المغیرۃ بن شعبه قال خطبت امراۃ	مغیرہ بن شعبہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے

علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال النبی صلی الله علیه وسلم انظرت الیها قلت لا قال فانظر الیها فانه احری ان یودم بینکما"

رشتہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ، تو نبی صلعم نے فرمایا کہ کیا تو نے اوسکو دیکھ لیا ہے میں نے عرض کیا نہیں ، پھر فرمایا تو اوسکو دیکھ لے کیونکہ دیکھنا زیادہ اچھا ہے مابین محبت بڑھانے کے لیے ۔

سنن نسائی جلد دوم

ان احادیث صحیحہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شارع علیہ السلام نے کیسا پُر حکمت اور صحیح قاعدہ ازدواج کے لیئے بتایا ہے کیونکہ یہ ناممکن تھا کہ ایک دوسرے کو بغیر دیکھے پسند کر سکے ، اب جبکہ مردونکو (جن سے عورتیں پردہ کرتی ہیں) ایسی صورت میں دیکھنے کا حکم دیا گیا ہے، تو عورتیں لا محالہ مردوں کو دیکھکر انتخاب کر سکتی ہیں ، ہر فعل کی بُرائی کا مدار نیت پر ہے، دنیاوی قانون میں بھی کوئی فعل جو نیک نیتی سے کیا جائے جرم نہیں ہے، کفو اور خاندان میں شادی کرنا اسی وجہ سے مستحسن قرار دیا گیا تھا کہ چونکہ قریبی تعلقات ہونے کی وجہ سے میل جول اور آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے ، اسلیے بہ نسبت غیر جگہہ اور نئے مقام کے زوجین کو قبل از شادی ایکدوسرے کو دیکھنے بھالنے کا اور جانچ و اندازہ کا بخوبی موقع مل سکتا ہے، اور کافی طور پر طبائع کا اندازہ ہو سکتا ہے، نیز چونکہ خاندان مجموعی حیثیت سے ایک ہی پایہ اور پوزیشن رکھتا ہے، بیشتر خیالات اور معلومات میں مماثلت و یگانگت ہوتی ہے ، اسلیے باہمی خصوصیت زیادہ مضبوطی سے قائم رہیگی، ان سب باتوں کو ملحوظ رکھکر جب موجودہ طریقہ پر نظر ڈالی جاتی ہے تو زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے، خالہ زاد ماموں زاد چچازاد اور اسی طرح قریبی رشتہ کی بہنیں یوں تو قطعی نہیں پردہ کرتیں اور اسکو ایک خاص اظہار خصوصیت کا معیار قرار دے رکھا ہے، مگر جب انمیں آپس میں کوئی رشتہ ہو جاتا ہے تو تا انعقاد نکاح نہ صرف اس آیندہ ہونیوالے شوہر سے بلکہ اُسکی ماں بہنوں حتی کہ اُس محلہ کی عورتوں اور اُنکی خادماؤں تک سے پردہ کرادیا جاتا ہے، جس کے یہ معنی ہیں کہ اُن لوگوں کی نظریں اسقدر ناپاک ہوگئی ہیں کہ ایک

معصوم اور دوشیزہ کو دیکھنے کی مجاز نہیں رہی یا یہ کہ خود منسوبہ اسقدر ذلیل ہو گئی کہ اس تعلق کے قائم ہو جانے سے وہ خود ان کے سامنے آنے کے قابل نہیں رہی، لطف یہ ہے کہ امیدواران ازدواج کو قبل از نکاح ایک دوسرے کی صحیح حالت سے بھی مطلع ہونے کا موقع نہیں دیا جاتا، وہ یہ بھی نہیں سمجھ سکتے کہ ہمکو آیندہ کیسی زندگی بسر کرنا ہوگی، کس سے واسطہ پڑیگا، اپنی طبیعت کا رنگ (جو اگرچہ بدل نہیں سکتا) کیسا رکھنے کی کوشش کرنا چاہیے، کبھی کوئی شفیق ماں باپ اپنی لاڈلی اور چہیتی بیٹی کے منہ سے اوسکی شادی یا نسبت کا کوئی تذکرہ سننا گوارا نہیں کرتے،، اسکی رائے لینا تو بڑی بات ہے، اس تذکرے کو اسکے سننے کے روادار نہیں، ابتدا ہی سے اُسکو یہ تبلایا جاتا ہے کہ جب تمہاری شادی بیاہ وغیرہ کے متعلق گفتگو ہو تو تم زبردستی شرمیلا منہ بنا کر بیٹھ جاؤ، بلکہ اُس جگہ سے اُٹھکر چلدو، تم کو ایسی باتیں نہیں سُننا چاہئیں، اور جب تک ہم تمہاری قسمت کا اٹل فیصلہ نہ کر دیں تم دم نہ مارو ؎

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھُٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

اور کہاں تو شارع اسلام کا یہ حکم جس سے رشتہ کرو اوسے ضرور دیکھ لو" کہاں یہ عمل درآمد کہ لڑکی کو ان عورتوں سے جنکی نسبت یہ احتمال ہو کہ شاید رشتہ لیکر آئی ہوں چھپا دیا جائے، کسی مرد کا اپنی زوجیت کے لیے کسی عورت کا انتخاب کر لینا گویا بیحیائی، بیعزتی، کا سارٹیفکٹ حاصل ہو جانا سمجھا جاتا ہے، سعادتمندی کے یہ معنی ہیں کہ ماشاطہ نے کسی لڑکی کی تعریف آکر ماں سے کر دی، وہ رضامند ہو گئیں، بیٹے نے بلا چون وچرا آمنا صدقنا کہدیا، یا خاندان اور کنبے کی شاخ لگی ہوئی ہے، اصلی مصلحت تو تشریف لے گئی، نمایشی افتخار اور تعزز کا رکھ رکھاؤ ہو رہا ہے، اپنے ہی کنبہ میں بیٹی لیتے دیتے ہیں، غیروں سے تعلقات نہیں ہیں، نہ آیندہ کرنا چاہتے ہیں۔

فریقین ایک دوسرے سے متنفر ہیں، بات تک کرنا گوارا نہیں، مگر شادی ضرور ہوگی، کیوں؟ گھر کا لڑکا ہو گھر کی لڑکی، کچھ پوچھنے گچھنے کی ضرورت نہیں، جیسے ہم ویسے وہ، لڑکا بُرا ہی، تو کہا جائیگا، بھئی کیا کریں، اگر جسم کا کوئی حصہ خراب ہو جائے تو کیا اُسے کاٹ ڈالیں لڑکی میں نقص ہو تو کہا جاتا ہی، کُنبہ کی بیٹی ہو، بھرنا ہی پڑیگا، کوئی غیر تو نہیں، یوں ہی ہوا کرتا ہی سمجھ مین نہیں آتا یوں ہی کیوں ہوا کرتا ہی، کیون بھرنا پڑیگا، اسی سے تو ساری خرابیاں پھیل رہی ہیں، بیشک اگر جسم کا کوئی عضو خراب ہو گیا ہو تو اُسے کاٹ ڈالنا چاہیئے۔

یہ ایک نہایت خوفناک اور وحشیانہ حرکت ہو گو وہ نیکی ہی سہی، کہ خاندان یا قبیلہ کی آبرو رکھنے کے لیے اور اُسکے اعزاز و افتخار کے تحفظ کی غرض سے اُنکی قربانی کیجائے، ورثا اور والدین کو کیا حق ہو کہ اوس قومی یا خاندانی درد کا جسکی اُنکے دل میں کسک ہو بیگناہ اولاد کو فدیہ بنائیں

ایک عزیز کی لڑکی غیر تربیت یافتہ، جاہل، بیوقوف، ادنیٰ طبیعت کی ہو، اب اس غرض سے کہ دوسری جگہ سے اونچے پایہ کا کوئی شخص یا ہم جیسا آدمی خواستگار نہ ہوگا، لہذا خاندانی وقعت قائم رکھنے کے لیے اپنے لڑکے سے اس کی شادی کرلیں، کیا خوب، اُس غریب کا قصور، خطا، یہی حشر اُن پاکیزہ دل عورتوں کا ہوتا ہو جنکے خاندان کے آوارہ لڑکے جو کسی دوسری جگہ ایسا ارادہ کرنے کی جرأت بھی نہیں کرسکتے اپنے (مفروضہ) خاندانی نسبت شرا کے زور سے اِن بیکسوں کی قسمت کے مالک ہو جاتے ہیں، دو نفوس ایک سلسلۂ حیات میں جکڑے جانیوالے ہیں، ہمیشہ کے لیے اُنکے اختیارات سلب کرلیا گیا مقصد منتہی اندھیری ہی اس سنگدلی کی کوئی حد ہو کہ کریں آپ اور بھگتے اولاد، اس ظلم کی کوئی انتہا ہے کہ زید کے افعال کی پاداش میں بکر مستوجب قید ہو جانے، اور پھر اُس فیصلہ کا اپیل نہ مرافعہ، جو پڑے سے اُٹھا لیا اُسے سچے اور رکرئیے وہ ہاری برحق کی ہدایت کی یہ تعمیل ہو، توبہ توبہ نعوذ باللہ، یہ تو

کھلم کھلا رسول مقبول کے احکام کی خلاف ورزی اور علانیہ مخالفت ہی۔ سمجھ میں نہیں آتا مذہب نے جو اس بارے میں بہترین فیصلہ کیا ہے اور جس سے گریز کرنے میں ہزار ہا مفاسد اور مشکلات کا سامنا ہو رہا ہے اسوقت تک پورے طور پر اسکی پابندی کرنے میں تکلف و تامل کیوں ہے؟

جس قوم کی قوت امتیاز اس درجے تک سلب ہو چکی ہو، جس قوم نے برائی کے معیار کو بھلائی سے بدل رکھا ہو۔ جس قوم نے اپنے ایسے بہترین اصولوں کو جن سے دوسری قوموں نے استفادہ حاصل کرکے ترقی کی ہو چھوڑ رکھا ہو اس کی بدنصیبی میں کس کو شک ہو سکتا ہی۔

کیا کوئی قوم جو اپنی آیندہ نسلوں کے ساتھ اسقدر ناگوار سلوک کر رہی ہو، وہ ترقی کی شاہراہ پر قدم رکھ سکتی ہے، کاش خودغرض افراد قوم اب بھی اپنی خودغرضانہ طرز روش کو بدلنے کے لیئے تیار ہو جائیں اور رسم و رواج کے انقلاب سے قومی شیرازہ میں اصلی اور حقیقی مسرت کی روح کو نشوونما حاصل کرنیکے محرک ہوں۔

ارشد تھانوی

رباعی

پابند رہو جہان میں یا ہو آزاد
ممکن نہین آپ رہ سکین یان دل شاد
ہونے کا کبھی، کبھی نہونے کا غم
انسان کے مزاج کی ہے ایسی افتاد

ساجن موہنی یا تسخیر شوہر

پر ریویو

یہ سوال کہ شوہر کس طرح رضا مند رہ سکتے ہیں، ستمبر و اکتوبر ۱۹۰۸ء کے رسالہ عصمت میں شایع ہوا تھا، اسی کے جواب میں مسز سید احمد صاحب موٗلف فرہنگ آصفیہ نے یہ رسالہ لکھا ہے۔ لائق مصنفہ نے پہلے حصہ میں عورت کے مراحل زندگی کو تین دوروں میں منقسم کیا ہے۔

دور اول زمانہ عروسی،

دور دوم زمانہ وسطیٰ،

دور سوم بڑھاپہ کا زمانہ،

اسکے بعد بطور خلاصہ کتاب عورت کو خاوند کے رضامند رکھنے کی شایستہ ترغیب دیگئی ہے اور وہ اصول بتائے ہیں جن سے شوہروں کی اصلی رضامندی حاصل کیجا سکتی ہے۔

رسالہ ہذا کی مصنفہ نے جیسا کہ بیان کیا ہے زوجہ کے لیے شوہر کی رضامندی کا بہت بڑا گر اوسکی اطاعت و عزت کرنا، راستی، راستبازی، پارسائی، پاکیزگی، حسن ظنی، اسکے سلوکوں کے معاوضہ میں شکرگزاری، کفایت شعاری، انکسار، قناعت، متانت، خوش سلیقگی، شوہر کی آرام رسانی، وفاداری، وغیرہ وہ اوصاف جو ایک عمر بھر کے رفیق کیلئے مناسب و شایاں ہیں اختیار کرنیکی ترغیب عورت کو دلائی ہے۔ انھیں زریں اصولوں پر عمل کرنے سے حقیقت میں شوہر ہمیشہ خوش اور رضامند رہ سکتے ہیں۔

دوسرے حصہ "تسخیر زوجہ" میں مردوں کو مخاطب کر کے اُنھیں عورتوں کیساتھ حسن سلوک اور مراعات اختیار کرنے کے اصول بتلائے گئے ہیں، یہ حصہ دراصل پہلے

حصہ کا ضمیمہ ہے، جن باتوں سے شوہر عموماً رضامند رکھے جا سکتے ہیں قریب قریب وہی سب باتیں زوجہ کے رضامند رکھنے کی بھی ہیں اسلئے ہم اسکی تفصیل سے احتراز کرتے ہیں۔

اخیر نکتہ

شوہر مصنفہ نے دولہا دولھن کے بزرگوں اور ولیوں کیلئے لکھا ہے، جنکی اولے غفلت و بے توجہی یا اتفاقی غلطی بعض اوقات طرفین کے لیئے موجب زحمت ہوکر بلائے جان ہو جاتی ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ شوہر و زوجہ کے بزرگوں کو کوئی ایسا راستہ نکالنا ضرور چاہئے جس سے شادی کے بعد دونوں میں سے کسی فریق کو پچھتانے اور کف افسوس ملنے کا موقعہ نہ رہے اور دونو فریق آپس میں اطمینان اور مسرت کے ساتھ مراحل زندگی طے کریں، اور خدا کے اس حکم کی کہ "بڑھو اور پھیلو"، تعمیل بصد شکر بجالاویں تا پس میں ایک دوسرے کے رفیق عمر بھر بنے رہیں۔

یہ رسالہ ہر شوہر و زوجہ کا معلم اخلاق اور اُنکے بزرگوں کا ایک اچھا مشیر اور نیک صلاح کار ہے، جن لوگوں کو ازدواجی پیچیدگیوں کے تلخ تجربہ کا امتحان ہوا ہے، وہ اسکی قدر خوب جان سکتے ہیں۔

یہ رسالہ سلاست اور سُلجھے ہوے بیان کے باوجود جسقدر پُرمغز اور معنی خیز ہے، اُسیقدر اپنے مقاصد کے لحاظ سے بیحد قابل قدر ہے، ہماری رائے میں تمام مردوں اور عورتوں کیلئے خواہ وہ کسی عمر کے ہوں اسکا دیکھنا بہت ضروری ہے، بلکہ ہر شخص کو ایک ایک کاپی اسکی اپنے پاس رکھنا چاہیئے۔

۱۴۴ صفحات پر یہ رسالہ ختم ہوکر تقریباً ۱۴ صفحات کی فرہنگ الفاظ اس مین شامل کی گئی ہے۔ ٹائیٹل اور کاغذ نہایت نفیس اور چھپائی لکھائی دیدہ زیب ہے، ۸ قیمت میں سید احمد صاحب مؤلف فرہنگ آصفیہ، دہلی، کوچہ پنڈت سے مل سکتی ہے۔

اڈیٹر

شبیہ مخصوصہ   نشان تجارت

ڈاکٹر لالور
کا
فاسفوڈائن

دماغی کمزوری۔ فالج۔ کمخوابی۔ ڈراونے
خوابی دیکھنا۔ قوی کا قبل از وقت
انحطاط نظام جسمانی کی وہ تمام بدنظمی اور
عوارض جو قوت نامیہ کے کم ہوجانے
سے لاحق ہون۔ ان امراض کے
بے ضرر اور قابل اعتماد علاج مین اس



اسکی قوت بخش تاثیرات پہلی ہی روز استعمال
کرنے سے ظاہر ہوجاتی ہین عصبی اور دماغی
قوتون مین زیادتی کے ساتھ ہی مریض کے
دل مین ... کی بالکل خلاف تقویت اور تسکین
پیدا ہوجاتی ہے۔ ہاضمہ مین قوت آجاتی ہے
بڑھجاتی اور نبض منتظم ہوجاتا ہے نیند آرام سے

دوا نے چالیس برس سے زیادہ اپنی عام
شہرت قائم کر رکھی ہے۔
فاسفورس کے اس
... سے عصبی
... ور ی اور

خبردار

آتی اور فرحت بخش ہوتی ہے بھوک بڑھ جاتا ہے
سرخ آنکھین روشن اور جلد صاف اور صحت مند ہوجاتی ہے
بالون مین مضبوطی آجاتی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے
... کیسا عظیم
کرتی ہے دیکھا تمام

"فاسفوڈائن" کا نام قانون ٹریڈ مارک
کے مطابق محفوظ کر لیا گیا ہے۔ اسلیے اسکی نقل رنگ مین یا کسی
دوسری حیثیت سے فروخت کرنیوالونپر عدالتی چارہ جوئی کیجائیگی اس قسم اور کہ یہ اعضا تغذیہ
نام کی صرف یہی ایک دوا ہے جسکو کلکتہ کی نمائش واقع ۱۸۸۳ء مین اعلیٰ سند ملی تھی

... ذیل کی دوسری بیماریون مین فوری اور مستقل نفع
... ہے اور تمام فاسد خیالات و علامات تکلیف حیرت انگیز
سرعت سے دور ہوجاتے ہین۔

حصونکی باشندون اور فن طبابت کے اعلیٰ ماہرون کی ہزارون مستند
شہادتون سے یہ عالمگیر فیصلہ بخوبی ہوگیا ہے کہ سائنس کی تحقیقاتی
دنیا مین فاسفورس کے کسی دوسری مرکب کو ایسی شہرت وعظمت اور مریضون کی قدردانی
نصیب نہین ہوئی۔

ہندوستان بھر کے دواساز اور دوا فروش بحساب فی بوتل (خورد) ۳ (کلان) ۵ فروخت کرتے ہین۔

صرف ڈاکٹر لالور کی

فاسفوڈائن لیبوریٹری "ہیمپ۔ اسٹیڈ۔ لندن۔ انگلستان مین

بنایا جاتا ہے

کلکتے کے مشہور ڈاکٹر ایس کے برمن کی بنائی ہوئی فصلی بخار اور طحال کی دوا

یہ دوا چھبیس برسون سے ہندوستان مین استعمال کیجاتی ہی اگر آپ بخار مین مبتلا ہون اور سب قسم کے علاج کرکے تھک گئے ہون تو اس مجرب دوا کو ایک مرتبہ منگا کر ضرور استعمال کیجئے۔ اس دوا مین چند فائدے لاجواب ہین۔ یہ ملیریا کے کیرون کو مار دیتی ہے اسلئے اسکی چار پانچ خوراک پینے ہی بخار آنا بند ہوجاتا ہی اور یہ خون کو گاڑھا کرتی اور اسکی خرابیون کو مٹاتی و تلی کو گلاتی ہے

قیمت بڑی شیشی چودہ آنہ ۱۴ محصولڈاک ۶ دو شیشی تک آٹھ آنہ ۸ **قیمت** چھوٹی شیشی آٹھ آنہ ۸ محصولڈاک ۵ دو شیشی تک چھ آنہ ۶

جناب دہن راج گوپال بھا ہیڈ ماسٹر مڈل اسکول بیلا گاؤن کالیا بر آسے لکھتے ہین کہ آپکی بخار کی دوا مین اپنے دوستون اور طالب علمون کو دو برس سے دے رہا ہون بڑی خوشی کی بات ہی کہ کبھی بھی یہ ناکامیاب نہین ہوئی اپنی ہی تجربہ سے صفت ہی مفصلات کے غریب آدمیون کے لیے آپنے گویا آبحیات بنایا ہی جناب پنڈت شیام لال ہیڈ ماسٹر اسکول امنٹو ضلع باندہ سے لکھتے ہین۔ چار شیشی جو آپ کی بھیجی ہوئی دوا آئی اس سے بہت مریض اچھے ہوئے جناب بابو بھین نرائن سکندہ راؤ علی گڈہ سے لکھتے ہین کہ آپکی دوا سے بہت فائدہ ہوا جناب بلدیو پرشاد صاحب کناسی ضلع فرخ آباد لکھتے ہین دو شیشی تاب تلی کی آپکے یہان سے منگوائی تھین اس سے دونون بعض اچھے ہوگئے جو قریب مرگ تھے۔ دوا سے جانبر آپکو مریض دعا دیتے ہین۔ جناب شیودت پرشاد ہیڈ ماسٹر اسکول ہردی نگر سے لکھتے ہین بخار جاڑے کی دوا جو مین نے منگوائی اپنے مریض کو جو تین تین مہینے سے مبتلا تھے۔ [illegible] خوراک دوا کھانے سے فائدہ آیا اور سات خوراک مین مریض مرض سے نجات پاگئے۔ اسمین شک نہین کہ یہ دوا بخار کے دفع کرنے مین قابل تعریف ہی۔ آپ ایسی نیکی کرنے والے کا ازبسکہ شکر گزار ہون جناب کالی رام مندر بہیکی بھرون ضلع مندسور سے لکھتے ہین آپنے جو فصلی بخار کی دوا بھیجی بہت فائدہ مند ہے۔ ہم کہان تک تعریف کرین جناب رام پرشاد انسپکٹر آفس مرزاپور سے لکھتے ہین مین آپکا ازبسکہ شکر ادا کرتا ہون کہ میرا دو سال کا چوتھیا بخار تھا وہ صرف دو یوم مین جاتا رہا۔

المشتہر

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ - ۶ تاراچند راسٹریٹ کلکتہ

اپنی الناظر پریس مین منشی سخاوت علی نے چھپواکر شایع کیا

جامے است جہان نمائے ہر صفحہ درین

١٣٢٩ھ

الناظر

فلسفی - تاریخی - تمدنی - اخلاقی - معاشرتی - ادبی مضامین کا

(ماہوار رسالہ)

نمبر ٢٢ یکم اپریل سنہ ١٩١١ء جلد

الناظر پریس متصل پل آہنی میں طبع ہو کر

دفتر رسالہ الناظر فلاور ملز لکھنؤ سے شائع ہوا

فہرست مضامین

النّاظر

نمبر ۲۲ جلد ۴ یکم اپریل سنہ ۱۹۱۱ع

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فی ماھیۃ النبوۃ والمدارج الالہام

صانع حقیقی نے خلقت انسانی اس طرح وضع فرمائی ہے کہ اگرچہ کھانے پینے سونے وغیرہ ضروریات مین دیگر حیوانات کے ساتھ یہ خاکی نژاد (انسان) بھی شریک ہے لیکن ایک قوت مخصوص کے سبب جسے ہم قوت مدرکہ اور نور بصیرت سے تعبیر دیتے ہین تمام حیوانات سے ممتاز اور اشرف ہے۔

جو قوا حسی انسان اور حیوان کے درمیان مشترک ہین اون کی خلقت اس طریقہ پر ہی جو بغیر سیکھے اور صحبت اُٹھائے خود بخود نشو ونما پاتے اور عمر کے ساتھ قوی اور مضبوط ہو جاتی ہین محسوسات مجرد کا دور عموماً سات سال کی عمر تک رہتا ہی اُسکے بعد قوت ممیزہ کا دور آتا ہی اسکی بدولت حواسون سے برتر چیزون کا علم حاصل ہوتا ہی۔

اس سے آگے بڑھکر عقل کا سکہ چلتا ہے جسکے سبب انسان کو حسن و قبح عیب و ہنر پر اطلاع ہوتی ہے اور رشل دیگر قوا کے سن و سال کے ساتھ ساتھ عقل بھی یوماً فیوماً ترقی پاتی ہے۔

عقل کی سرحد سے آگے ایک اور چشمہ ہے، جسطرح تمیز و عقل کے مدرکات تک پہونچنے مین حواس معطل ہین اسی طرح عقل سے بڑھکر ایک درجہ ملکوت ہے وہان تک پہونچتے طائران خرد کے بازو بھی تھکتے ہین، جس طرح تکمیل عقل کے لیے علم و تجربہ مددگار ہوتے ہین اسی طرح درجہ ملکوت تک رسائی پیدا کرنے کے لیے بھی کسب و مہارت موئد ہوتے ہین، لیکن یہ ضرور نہین کہ جو رستہ چلے وہ منزل پر بھی پہونچے، جسقدر دشوار گذار راہ ہوتی ہے اسیقدر رسائی بھی مشکل ہوتی ہی۔ بحث یہان صرف امکان سے ہے۔

جسطرح حقایق اشیاء دریافت کرنے کی قوت بعض انسانون مین کم ہوتی ہی بعض مین زیادہ، بعض انسان ترقی کرتے کرتے اسقدر مشاق ہوجاتے ہین کہ بغیر تعلیم و تربیت حاصل کیے انھین حقایق اشیاء کا ادراک سہل ہوجاتا ہے، اسیطرح بعض قدس نفوس غیر معمولی ریاضت اور مجاہدہ کیے بغیر طبعاً ایسی استعداد رکھتے ہین کہ حواس اور مدرکات کی سرحد سے گذر کر مرجع القائے ربانی ہوجاتے ہین۔

اس قوت سے انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے وہ کمسن بچہ مشاہدات برقی اور اکتشافات سائنس سے انکار کرے جو اب تک نہ عقلی پختگی کو پہونچا ہے اور نہ معلومات کے وسیع کرنے کا اُس کی کم علمی نے اُسے موقع دیا ہے، حجۃ السلام امام غزالیؒ احیاء العلوم مین فرماتے ہین۔

وَكَيْفَ يُنْكِرُ تَفَاوُتَ الْغَرِيزَةِ وَلَوْلَاهُ (ترجمہ) فطرت کے تفاوت کا کیونکر انکار ہوسکتا ہی، یہ تفاوت نہ ہوتا تو

كَمَا اخْتَلَفَتِ النَّاسُ فِي فَهْمِ الْعُلُوْمِ وَلَمَا انْقَسَمُوْا إِلَى بَلِيْدٍ لَا يَفْهَمُ بِالتَّفْهِيْمِ إِلَّا بَعْدَ تَعَبٍ طَوِيْلٍ مِنَ الْمُعَلِّمِ وَإِلَى ذَكِيٍّ يَفْهَمُ بِأَدْنَى رَمْزٍ وَإِشَارَةٍ وَإِلَى كَامِلٍ يَنْبَعِثُ مِنْ نَفْسِهِ حَقَائِقُ الْأُمُوْرِ دُوْنَ التَّعَلُّمِ وَذَالِكَ مِثْلُ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ إِذْ يَتَّضِحُ لَهُمْ فِي بَوَاطِنِهِمْ أُمُوْرٌ غَامِضَةٌ مِنْ غَيْرِ تَعَلُّمٍ وَسَمَاعٍ وَيُعَبَّرُ ذٰلِكَ بِالْإِلْهَامِ

علوم کے سمجھنے مین اختلاف مراتب کیون ہوتا؛ اور یہ بات کیون ہوتی کہ بعض آدمی ایسے کودن ہوتے ہین جو استاد کے سمجھانے پر بھی مشکل سے سمجھتے ہین اور بعض ایسے ذہین ہوتے ہین کہ ذرا سے اشارہ مین سمجھ جاتے ہین اور بعض ایسے کامل ہوتے ہین کہ خود اُنکی طبیعت سے حقایق امور پیدا ہوتے ہین، اور انبیا علیہم السلام کا یہی حال ہے، ان کے دل مین دقیق باتین خود بخود بغیر سکھانے اور سننے کے روشن اور ظاہر ہوجاتی ہین، اور اسی کو الہام کہتے ہین۔

اگرچہ قواء عقلی کی تکمیل و ترقی کے لیئے تعلیم و تربیت ایک حد تک ضروری ہین لیکن ایجاد و اختراع کے لیے کسی اوستاد کے سامنے زانوے شاگردی تہ کرنا لازمی نہین، خود فطرت الٰہی ایسی معلم ہے کہ وہ انسانون کو علم و فن کے متعلق کبھی کبھی ایسی ایسی باریکیان سوجھا دیتی ہے جہان بڑے بڑے ماہرین کے ذہن رسا بھی نہین پہونچ سکتے۔

جب یہ بات علم و تجربہ سے پایۂ ثبوت کو پہونچی ہوئی ہے کہ بعض افراد بغیر باقاعدہ تعلیم و تربیت پائے اپنی غیر معمولی ذہانت اور قوت فکر کی بدولت ایسے فصیح و بلیغ صناع یا موجد گزر گئے ہین کہ قرنون تک اُنکی شہرت قایم رہی ہے اور ایک زمانہ اونکے غیر معمولی کمال کو تسلیم کرتا ہے، اسی قسم کے افراد مین ہومر، امرالقیس، گلیلو، وغیرہ اشخاص گذرے ہین، تو کیا اوسکی قدرت لازوال سے یہ امر بعید ہے کہ بنی نوع مین سے بعض نفوس قدسیہ مین ایسی قوت ملکیہ ودیعت فرمادے کہ بغیر کسب و تعلیم اُن پر اسرار معاش و معاد منکشف ہوجاوین اور اونکی تعلیم و تلقین سے کسی قوم یا ملک کی اخلاقی معاشرتی حالت مبدل باصلاح ہوجائے۔

تمام عالم جانتا ہے کہ حضرت ابراہیم عیسیٰ، موسیٰ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے علوم انسانی کی مطلق تعلیم نہین پائی تھی یا انہوں محض ہدایت اور وعظ سے اپنی امتون کو اخلاقی و معاشرتی تعلیم دینے کی وجہ سے دنیا کے بڑے حصے کی معاشرت اور اپنی امتون کے عادات تبدیل کر دئیے قوت الٰہیہ نے اونکی زبان معجز بیان سے حقایق اشیا کے وہ غوامض و اسرار کھلوائے کہ بڑی بڑی حکما زبرکا عنقا خیال بھی وہان تک نہین پہونچ سکا تھا،

امام فخر الدین رازی مطالب عالیہ مین فرماتے ہین۔

انسان کا کمال یہ ہے کہ اسکی قوت نظری اور عملی دونون کامل ہون، قوت نظری کے کمال کے یہ معنی ہین کہ حقایق اشیا کا اسکو صحیح علم ہو یعنی اُس کے ذہن مین جس شئے کا تصور آئے ٹھیک اصلی صورت مین آئے، قوت عملی کے کمال کے یہ معنے ہین کہ نفس مین ایسا ملکہ پیدا ہو جائے کہ خود بخود اچھے کام سرزد ہون۔

دنیا مین تین طرح کے آدمی ہین، ناقص یعنی جنکی قوت نظری اور عملی دونون ناقص ہے، یہ عوام ہین، خود کامل ہین لیکن دوسرون کو کامل نہین کرسکتے ہین یہ اولیا اور صلحا ہین خود کامل ہین اور دوسرون کو بھی کامل کرسکتے ہین یہ انبیا ہین۔

قوت نظری اور عملی کے درجے بہ لحاظ نقصان و کمال شدت وضعف نہایت مختلف ہین یہان تک کہ اونکی کوئی حد نہین قرار پا سکتی۔

گو عموماً تمام لوگون مین نقصان پایا جاتا ہے لیکن ضرور ہے کہ انھین مین کوئی ایسا کامل بھی ہو جو نقصان سے بمراحل دور ہو۔

ہر دور مین ایک ایسا شخص ہوتا ہے جو اپنے زمانہ کا افضل الناس ہوتا ہے، صوفیہ اسی کو قطب کہتے ہین، شیعہ اسی کو امام معصوم، صاحب الزمان اور غائب عن العیان کہتے ہین،

اب ایک ایسا شخص بھی ہونا چاہیئے جو سب افضلوں سے بھی افضل ہو، ایسا شخص سیکڑون ہزارون برس مین کہین جاکر پیدا ہوتا ہے اور وہی پیغمبر برحق اور موجد شریعت ہوتا ہی ایسے اشخاص بھی ہوتے ہین جو ان فضائل مین پیغمبر سے کم لیکن اور تمام لوگون سے زیادہ ہوتے ہین، یہ امام اور قائم مقام پیغمبر ہوتے ہین، امام کو پیغمبر سے وہ نسبت ہوتی ہی جو چاند کو آفتاب سے ہے، امام سے جو کم رتبہ ہین ان کو پیغمبر سے وہ نسبت ہوتی ہے جو عام ستارون کو آفتاب سے ہے، باقی عوام الناس تو وہ گویا حوادث یومیہ ہین جو اجرام فلکی کی تاثیر سے وجود مین آتے ہین۔

پیغمبر انسانیت کی اخیر سرحد پر ہوتا ہے اور یہ ثابت ہوچکا ہے کہ ہر نوع کی انتہا دوسرے نوع کی ابتدا سے متصل ہے، اسلیئے بشریت کی انتہا ملکوتیت کی ابتدا ہی، اس بنا پر پیغمبر مین ملکوتی صفات پائے جاتے ہین، وہ جسمانیت سے بے پروا ہوتا ہے، روحانیت اسپر غالب ہوتی ہی، اسکی قوت نظریہ کے آئینہ مین معارف الٰہی مرتسم ہوتے ہین اسکی قوت عملیہ عالم اجسام مین طرح طرح کی تصرفات کرسکتی ہے اور اسی کا نام **معجزہ ہی"**

ہم جیسا کہ اوپر لکھ آئے ہین سب سے پہلے جب انسان کو شعور حاصل ہوتا ہے تو وہ حسیات کی حد مین قدم رکھتا ہے، سردی، گرمی، سامعہ، باصرہ، لامسہ، شامہ، ذائقہ، وغیرہ ابتدائی حسیات ہین؛ ان سے آگے بڑھکر انسان ادراک کی حد مین قدم رکھتا ہے جو اکثر سات سال کی عمر سے شروع ہوتی ہی، اور یہ وہ خاص قوت ہے جس مین انسان دیگر حیوانات سے ممتاز ہے، حافظہ، خیال، فکر، وہم حس مشترک اسکے ذرائع ہین، اس درجہ مین اشیا کے حسن و قبح، ممکن و محال وغیرہ کی تمیز ہوتی ہی۔

عقلی حدود سے آگے بڑھکر ایک اور حالت ہوتی ہی جس مین انسان کی ایک آنکھ اور

کھلتی ہی جسکے ذریعہ سے ایک دوسرا عالم پیش نظر ہوتا ہی اور ما فوق عقل و ادراک امور ظاہر ہوتے ہین، آیندہ ہونے والے واقعات اور دور و دراز کے مقامات کا حال انسان پر منکشف ہوتا ہے. جب نفس ناطقہ اس عالم حس کی طرف سے بسبب تعطیل حواس اپنے حیز اصلی عالم نورانی کی جانب متوجہ ہوتا ہے تو اس جوہر صافی پر عالم غیب کے واقعات اسطرح منعکس ہوتے ہین جیسے صاف آئنہ مین اشکال محسوسات، عالم بیداری یا عود حواس مین آنے کے بعد بھی کبھی بجنسہ وہ واقعات یاد رہتے ہین اور ان کے موافق اُن کا ظہور ہوتا ہے، اور کبھی ان معانی مجردہ کو اسکی قوت متخیلہ ان کے مناسب اور حسب حال صور محسوسات کا جامہ پہنا دیتی ہی، کبھی کبھی مردون سے ملاقاتین ہوتی ہین اور اون سے وہ امور معلوم ہوتے ہین جنھین یہ جانتے بھی نہ تھے، پھر بیدار ہوکر امور معلومہ ویسے ہی پائے گئے ہین، قوت متخیلہ مین جو اشیا کی صورتین مرتسم ہونے کی قابلیت ہے وہ مختلف المدارج ہے بعض مین یہ قوت قوی ہوتی بعض مین کم بعض مین ندارد، قوت متخیلہ جب قوی ہوتی ہے تو محسوسات سے فارغ ہونے کے ساتھ ہی اس مین اشکال مرتسم ہونے لگتی ہین، قوت متخیلہ عموماً اسوقت کام کرتی ہے جب ظاہری حواس معطل ہوتے ہین، لیکن بعضون مین یہ قوت اسقدر قوی ہوتی ہے کہ حواس ظاہری کے بحال رہنے کی حالت مین بھی وہ اپنا کام کرتی ہی اور اس لیے حالت بیداری مین بھی ان کو وہ باتین نظر آتی ہین جو اورون کو خواب کی حالت مین نظر آتی ہین، قوت ملکیہ کم و بیش جن لوگون مین ہوتی ہی انھین ولی یا صاحب کرامت کہتے ہین اور جن لوگون مین بدرجہ کمال ہوتی ہی انھین کو اصطلاح مین نبی یا پیغمبر کہتے ہین،

حقیقتاً انسان دو جزون سے مراد ہے اول آثار جسمانی، دوئم آثار روحانی آثار جسمانی سے تو وہ لذات و شہوات بہیمی کی جانب مائل ہوتا ہی اور آثار روحانی کے تقاضے سے عالم ملکوت

کی جانب رغبت کرتا ہے لذت آشنایان روحانیات بہیمیت کے گھٹانے کے لیے مشکل مشکل ریاضتین کرتے ہین چلہ کشیان کرتے ہین، کھانا، پینا، سونا، کم کردیتے ہین، عرصہ دراز کی ریاضتون اور شاقہ محنتون کے بعد جب نفسانی خواہشین گھٹکر غیر منتظم جذبات جادۂ اعتدال پر آجاتے ہین، اخلاق فاضلہ اور ملکات عالیہ پر فایض ہوتے ہین، نفس ناطقہ کا فیضان ہونے لگتا ہے اور ارواح طیبہ سے برکت و امداد پہونچتی ہی، اس راہ مین بھی مختلف مراتب ہین، جسطرح جسمانی قوا رسب انسانون کے باہم برابر نہین ہوتے اسیطرح روحانی قوا بھی سب کے مساوی نہین ہوتے. کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مدتون کے ریاضات شاقہ کے بعد بھی ایک شخص کو دو مرتبہ نصیب نہین ہوتا جو کسی قوی النسبت شخص کو ادنیٰ توجہ مین حاصل ہوجاتا ہی، ان انسانون مین باہم اگرچہ مختلف مدارج ہین مگر اس تمام درجہ کو ولایت ہی کہتے ہین۔

اس سے بلند درجہ نبوت کا ہے، یہ موئد من اللہ ہوتے ہین معاصی اور رزائل سے بالطبیعت نفور ہوتے ہین اسلیئے انکا یہی اجتناب فطری عصمت کہلاتا ہے، بعض نبیون مین اسقدر احتراز بڑھجاتا ہے کہ مکروہ کھانون سے بھی پرہیز کرتے ہین یہی سبب ہے کہ اگرچہ خمر و مردار سابقہ ادیان مین، دین محمدی کی طرح حرام نہ تھی لیکن کسی نبی یا پیغمبر کا استعمال ثابت نہین حضرات انبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نفوس فطرتاً اسقدر طیب اور انکی ارواح اسقدر متجلی ہوتی ہین کہ کوئی شخص ہزار ریاضت اور مجاہدہ پر بھی انکی کسی باطنی صفائی اور روحانی قوت نہین حاصل کرسکتا، انکے مکاشفات آمیزش وہم تخیلات سے پاک اور مطابق واقع بلکہ مین حقیقت ہوتے ہین یہ خود اکمل تھے اور انکے فیضان اور صحبت سے صدہا ہزارہا کامل ہوگئے ہین، انسانِ کامل انھین سے عبارت ہے فطرتاً ان برگزیدہ نفوس کو حقایق اشیاء اور معارف الٰہیہ کے حصول کی

استعداد ہوتی ہی اور وقتاً فوقتاً انھین الہام رحمانی اور وحی ربانی سے ممتاز کیا جاتا ہے انہین ایسی مقناطیسی کشش ہوتی ہی اور ایسا وقار انکی صورتون پر ہوتا ہے کہ جس شخص کی نظر ان پر پڑتی ہے وہ لبیک لبیک کہتا قدمون پر گر پڑتا ہے۔

باعتبار کمال و نقصان نفوس بشریہ کی چار طبقے ہین

اولاً وہ طبقہ جو حرکات فکریہ، معقولات حسی، وہمی مدارک کی طرف رخ کرتا ہی اور صور حافظہ معانی واہمہ وعلوم عقلی، ذہنی وغیرہ مین محدود ہوتا ہے، یہ طبقہ جسقدر ان مشاغل لایعنی مین پڑا رہتا ہے اسیقدر روحانیات سے بعد ہوتا جاتا ہی۔

ثانیاً وہ طبقہ جو بقدر ضرورت حرکت فکریہ کے ساتھ تعقل روحانی مین مصروف رہتا ہی اور اُسے آلات جسمانیہ کے ادراک وتعقل کے لیے حاجت نہین رہتی، یہ علم وادراک کے بدیہیات سے گذر کر ذوق و وجدان کے منازل پر قدم زن ہوتا ہے اور عالم معنی کی مشاہدات سے مستفیض ہوتا رہتا ہی یہ طریقہ علمائے ربانی کا ہی ان مین روحانیات تک پہونچنے کی استعداد ہوتی ہی۔

ثالثاً۔ وہ طبقہ جو ریاضات شاقہ کا حامل ہوتا یا باطنی مناسبت عالم ارواح سے رکھتا ہے، یہ طبقہ روحانیات تک پہونچتا ہے اور کبھی کبھی بڑے جلیل القدر اولیا رامت اسی طبقہ مین پیدا ہو جاتے ہین۔

رابعاً اس طبقہ کے لوگ خلقتاً فہیم، ذکی اور ہوشمند ہوتے ہین، دائم اور شرور سے بالطبع نفور رہتے ہین، اون کے قلوب فطرتاً نہایت صاف اور متجلی ہوتے ہین، حقایق اشیا کے ادراک کی غیر معمولی استعداد رکھتے ہین انھین ذرہ ذرہ مین خداہی کی قدرت کی آثار دکھائی دیتے ہین۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار — ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

ایڈیٹر

مُسدّس

بر اشعار یوسف زلیخائے جامی رح

کجائی سیدا ولادِ آدم — کہ بہر زخمہ دل ہستی تو مرہم
جہانے از فراقِ تست برہم — دلے را تاب فرقت نیست یکدم

زمہجوری بر آمد جان عالم
ترحم یا نبی اللہ ترحم

بحُسن از یوسف کنعان حسینی — بہ بخشایش شفیع المذنبینی
برحمت با طلبگاران قرینی — فراق بیدلان کے بر گزینی

تو آخر رحمة للعلمینی
زمہجوران چرا فارغ نشینی

بیا، از پردۂ جلباب برخیز — قرارِ خاطر بیتاب برخیز
بتسکینِ دلِ احباب برخیز — دلِ دلدادگان دریاب برخیز

زخاک اے لالۂ سیراب برخیز
چو نرگس خواب چند، از خواب برخیز

توئی اے صاحب سبع المثانی — رسول ہاشمی جانِ جہانی
شب تارست و وقتِ کامرانی — بکن بسمل بہ تیغ لن ترانی

برون آورد مہر از بردمیانی
کہ روئے تست صبح زندگانی

علاج کلفت ما سوز گردان دل ما را نشاط اندوز گردان
زبانم را حلوت آموز گردان رخ تابان جہان افروز گردان

شب اندوہ ما را روز گردان
زر دیت روز ما فیروز گردان

توئی آنکس کہ از ایام ازخامہ بنام تو نوشت عنوان نامہ
بیاے نازمسین تمامہ بدوش افگن ردا مشکین شمامہ

بتن در پوش عنبر بوے جامہ
بسر بربند کافوری عمامہ

منور کن بہت پرتو جہان را خجل کن آفتاب آسمان را
شکن بازار گرم مہوشان را معنبر کن ہوائے گلستان را

فرو آویز مشکین گیسوان را
فگن سایہ بپا سرو روان را

در رحمت بروسے خلق واکن قبا زیب تن نازک ادا کن
دلم گوئے گریبان قبا کن حریر پردۂ چشم ردا کن

ادیم طائفی نعلین پاکن

شہرک از رشتہ خانہاے ما کن

ہوا خواہان ز ماہی تا بماہ اند
که از داغ غم ہجران تباہ اند
تونگر یا گدا یا بادشاہ اند
ہمہ در آرزوے یک نگاہ اند
جہانے دیدہ رکردہ فرش راہ اند
چو فرش اقبال پابوس تو خواہند

بیا صد گونہ منت از کرم نہ
برحمت دست شفقت بر سرم نہ
بعالم رفت از باغ ارم نہ
کف پا در حریم محترم نہ
ز حجرہ پاے در صحن حرم نہ
بفرق خاک رہ بوسان قدم نہ

بعالم نے شہ عالم پناہے
تمناے پریشانے تباہے
سراپا غرق دریاے گناہے
فتادہ خشک لب برخاک راہے
تو ابر رحمتی آن بہ کہ گاہے
کنی برحال لب خشکان نگاہے

بمیزان عمل ناگاہ مارا
نسنجد کس بہ برگ کاہ مارا
کرم کن یا رسول اللہ مارا
عطا فرما دل آگاہ مارا
ہوا می افگند از راہ مارا
خدا را از خدا در خواہ مارا

الراقم عماوی ... رودی

عالم خیال پر ایک نظر

اس طرف "الناظر" کے عالمانہ صفحے ایک دو جاہلانہ مضامین سے جنہیں نہ عالمانہ قوت نہ زبان کی بلندی، نہ اخلاقی خوبیاں تھیں ایسے نکلے تھے جنھوں نے نہ صرف "الناظر" کے منور رخ کو سیاہ کیا بلکہ "الناظر" کے ناظرین خصوصاً ناظرات کو از حد کبیدہ خاطر کر دیا، گو "الناظر" ابھی تک اپنے چہرے کو دھبوں سے بالکل صاف نہیں کر سکا اسلئے کہ اس نے ابھی تک اپنے ناظرین و ناظرات سے ان مضامین کے چھاپنے میں اپنی اجتہادی غلطی کی معافی نہیں مانگی۔ لیکن جنوری ۱۹۱۱ء کے پرچہ میں "عالم خیال" کی سرخی سے جو نظم استاد وقت شیخ احمد علی شوق قدوائی کے قلم سے نکلی اسنے ان لوگوں کی کبیدگی خاطر کو ضرور دفع کر دیا جو اعلیٰ نظم و پسندیدہ محاورے شستہ زبان اور فطری خیالات کو پرکھ سکتے ہیں۔

"عالم خیال" کے اوپر جو نوٹ تھا اس سے معلوم ہوا کہ ایک اور پرچہ نے تصویر میں کیفیت "عالم خیال" کو ظاہر کیا تھا۔ مگر اسکو ایسا استاد اردو کا شاعر نہ ملا جو الفاظ سے "عالم خیال" کی تصویر کھینچ سکتا، تصویر سے "عالم خیال" کا دکھانا جس قدر مشکل ہے اس سے بدرجہا دشوار الفاظ میں "عالم خیال" کی نقاشی کرنا ہے۔ ایسی مرقع نگاری نہایت عالی پایہ کا شاعر چاہتی ہے۔ نہ صرف اردو بلکہ یورپ کی زبانیں بھی اس مضمون میں ایسی بے نظیر اور مسلسل نظم سے خالی ہیں جیسی کہ "عالم خیال" کی نظم ہے۔ بھاشا میں اگر ہوں تو مجھے خبر نہیں، لیکن اردو زبان میں ایسی نظم اس سے پہلے نہ تھی

شاعری کے لئے اردو زبان بعد "شاعروں کی زبان" یعنے فارسی کے مرتبہ رکھتی ہے،

پہلے اسے ملاحظہ کیجئے

نوٹ متعلقہ "عالم خیال پر ایک نظر" غالباً منشی امیر احمد صاحب علوی بی اے کے مضمون "عورت کی عزت" کی جانب اشارہ ہی جو الناظرین شایع ہوا تھا ہم نے اس مضمون کی داد بھی دی تھی اور اسکے اسقام کا بھی ساتھ ہی ساتھ تذکرہ کر دیا تھا اور اس مقام پر صرف اسقدر عرض کرنا چاہتے ہین کہ کسی مضمون کو محض جاہلانہ لکھدینا قرین انصاف نہین ہی اور ناظرین کی توجہ پرچہ ہذا کے آخری مضمون پر دلاتے ہین جسکی سرخی "حرمت نسوان" ہی اور جو ایک حد تک منشی امیر احمد صاحب کی تحریر کا جواب ہی۔

ایڈیٹر

الفاظ مین، محاورات مین، بندش مین وہ ایک شاعر کے لیے محبوب زبان ہے، اُس کے شعرا نے فطرت کے مناظر یا انسانی جذبات دکھانے کی طرف زیادہ توجہ نہین کی تو یہ اُسکا قصور نہین، بلکہ اُسکے شعرا کا اور اُن سے بھی زیادہ اُس سوسائٹی کا ہے جسین اُردو زبان پھولی پھلی۔

یہ اعتراض اُردو زبان پر نہین ہو سکتا کہ اُسکا ادب خیالات نفیس، وجذبات فطری سے مالا مال نہین، اُردو شاعر بھی بہت کچھ اس الزام سے اس لیے بری ہین کہ باوجود سوسائٹی کے دوسرے رنگ پر ہونے کے اُنھون نے فطری مناظر وطبعی جذبات دکھائے ہین، میر کی شاعری اول اول، میر انیس کے مرثیے اور قلق کی مثنوی، آخر دور مین ایسے مناظر وجذبات سے مملو ہین، میری رائے مین خیالات کی بلندی مین دنیا کا کوئی شاعر خواہ وہ یورپ کا ہو یا ایشیا کا اسد اللہ خان غالب سے اونچا نہین جا سکا، یا کوئی شاعر سوا اُس نادر الوجود شاعر حافظ شیرازی کے لطیف خیالات کو لطیف زبان سے آتش سے زیادہ خوبی سے ہم آہنگ نہین کر سکا۔

زمانہ کے رنگ کے ساتھ اُردو شاعری نے بھی طرز بدلا تو گو اُسنے نئے طرز کی نہایت رکیک "ملک الشعرا" اول اول پیدا کیے، مگر تھوڑے ہی دنون مین جناب شوق کے سے اوستاد بھی نکالے، کچھ شبہہ نہین کہ ہندوستان کے کل زندہ شعرا مین اوستادی کا مرتبہ اگر کسی کو حاصل ہے تو اُسی قادر الکلام شاعر کو جسکی بینظیر نظم "حسن" شاعری دنیا کو محو کر چکی تھی، یا اب اس چھوٹی سی نظم "عالم خیال" نے نقادون کو دونہین لوٹ ڈالا بلکہ نظم ونثر اُردو کے موجودہ دو نقاد یعنی ایک منشی سجاد حسین صاحب اڈیٹر اودھ پنچ اور دوسرے منشی جوالا پرشاد صاحب برق جو "تصویر یار" کی سی خوش ادا و دلنشین نظم

کے ضعف میں حضرت شوق کے مدح سرا ہیں، اور اُنکے مرثیون کے بعد میرے خیال میں کسی دوسرے کے مرثیات کی محتاجی نہیں ہو سکتی۔

فطرت انسانی سے باخبر شاعر نے "عالم خیال" کی نظم کی بحر بھی نہایت موزون و مناسب مضمون رکھی ہے، ایک عورت کے خیالات جس عمدگی سے، جیسے سادے الفاظ میں اُس بحر میں ادا ہوے ہیں وہ اپنی جگہ پر خود ہی شاعر کی استادی کے ثبوت ہیں، ہر نکتہ چین کا فرض ہے کہ وہ کسی نظم یا غزل پر نکتہ چینی کرنے وقت مضمون اور موقع کا بھی خیال رکھے، ورنہ اسکا اعتراض خود اُسی کو قابل مضحکہ بنا دیگا، مثلاً عالم خیال کا یہ میرا شعر ـ

جب سے وہ جدا ہوئے تبسے اُنکا دہیان ہے　　　اُن سے مجھکو اُنس ہے، اُن میں میری جان ہے

کسی مرد کے منہ سے یہی پاکیزہ شعر دو کوڑی کا ہو جاویگا، "جب تب" "وہ" "دہیان" "جہان" یہ سب اُسی وقت تک اس شعر کی کشش کا باعث ہیں جب تک کہ وہ ایک عورت کے منہ سے نکلے سمجھے جاوین۔

دوسرا مصرع پورا ہی بے موقع ہو جاوے اگر ایک عورت کی طرف سے وہ نہ کہا گیا ہو اول کو اوسکے بعد کے شعر ـ

جاکے پھر مری خبر کیون نہ لی ستم کیا　　　میری یاد میری چاہ کیون نہ کی، ستم کیا

کے ساتھ پڑھو اور تب اول شعر کا دوسرا مصرع نہ صرف ایک خاص مزہ دیگا بلکہ عورتون کی ایک فطری عادت کو ظاہر کرے گا۔

عورتین کسی شکایت کے وقت اپنی جانب سے محبت کا اظہار ضرور کر دیتی ہین اسلئے تم نے یاد نہ کیا، مجھے بھول ہی گئے یہ طرز ادا ایک خیال ہے جو اُن دو شعرون مین خوبصورتی سے ادا کیا گیا ہے۔

ابتدائی اُن دو شعروں سے

آج او مرے خیال، تو کہاں کہاں گیا — دل بھی تیرے ساتھ تھا تو جہاں جہاں گیا
تو نے رُخ جدھر کیا دل کا رخ اُدھر پھرا — تو پھرا جو پاس سے، دل پھر آیا، سر پھرا

کے بعد تیسرا شعر لاتا شاعر کی کمال اوستادی ظاہر کرتا ہے ابتدائی دو شعروں سے یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ عورت کو اپنے شوہر کا خیال صرف "آج" آیا، تیسرے شعر نے اس خیال کو رفع کر دیا، گو وہ عورت اپنے خیال کی تنقیح کرنے آج "بیٹھی ہے مگر" جب سے وہ جدا ہوئے تب سے اُنکا دھیان ہے"

شروع سے پانچواں اور ساتواں شعر پھر آلودہ محبت، زود حس، زود اثر عورت کے خاص خیالات ہیں جو اپنی منطق آپ ہی رکھتی ہیں اور جنکا طریقہ استدلال میں اُن کا اپنا ہوتا ہے، شوہر بیچارہ جس مجبوری سے گھر نہ آسکا ہو مگر شوہر کی محبت میں مجنون عورت یہی کہیگی۔

مجھ سے کیوں خفا ہیں وہ پھر گئی نظر تو کیوں — دل نہیں ادھر تو کیوں رُخ نہیں ادھر تو کیوں
بیٹھی ہی ہوں، یا نہیں، وہ وہی ہیں یا نہیں — اُنکے دل کی حالتیں، وہ رہی ہیں یا نہیں

اشعار ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲ ایک فراق زدہ عورت کی دلی خیالات کو ایسی خوش اسلوبی سے ظاہر کرتے ہیں کہ دل پھڑک اُٹھتا ہے۔

ساتھ والیوں کے ساتھ جھولنے کو جاؤں کیا — دل وہاں ہی وہ جہاں بیلی سی گاؤں کیا
پینگ آئیں جائیں گے، اور ہلیگا دل مرا — ملکے کیا میں گاؤں گی، کیا ملیگا دل مرا

غضب کے درد انگیں یہ دو شعر آئیں سے ہیں:

کھل پڑیگی خود بخود، چاہ ہر صدا کے ساتھ — [illegible] آہ ہر صدا کیساتھ
کرتی ہیں جگر کا خون، ہمنشین جو ساتھ ہیں — وہ لگا رہی ہیں آگ مجھکے ہاتھ [illegible] ہیں

ہمسنون مین سے بعض کے منہدی لگے ہاتھ اور ساونی کے پھول دیکھکر عورت کو اپنی نوجوانی اپنی خوبصورتی کا اسطرح خیال آتا ہے، مگر وہ بھی اپنے شوہر کی یاد کے ساتھ ؎

یہ شباب کی اُمنگ، اب کسو دکھاؤن مین　　رخ کا لال لال رنگ، اب کسے دکھاؤن مین

کچھ شبہہ نہین ہے کہ نقاش ذہن خیال کی جو تصویر کھینچی ہو گی اُسمین عورت کو نوجوان اور حسین دکھایا ہوگا شاعر جو وہی کام الفاظ سے لینا چاہتا ہے اُسکو عورت کی نوجوانی اور حسن کا دکھانا زیادہ دشوار تھا مگر باکمال اوستاد نے کس خوبصورتی سے نقاشی کی ہے یہ شعر اس موقع کی جان ہے۔

ایک حسین نوجوان عورت ہے، وہ اپنے ہمسنون کے بناؤ سنگار دیکھتی ہے اسلون کی گھٹاؤن مین ساونی کا رنگ اُسکے جوش شباب کو اُبھارتا ہے، فطرتاً اُسے اپنے حسن پر نازسا ہوتا ہے، اپنے گلرنگ رخسارون کا، اپنے شباب کی اُمنگ کا خیال آتا ہے مگر بیچاری ایشیائی عورت جسکا حسن، بناؤ سنگار، شباب، جو کچھ ہے اپنے شوہر اور صرف اپنے شوہر کے لیئے ہے، اور وہ شوہر کوسون کے فاصلہ پر ہے، تو گو اس حسن اور شباب کا فطری خیال تو نہین رُکتا، مگر اُسکے ساتھ یہ پُریاس خیال بھی آہی جاتا ہے "اب کسے دکھاؤن مین" دوسری حسین چیزون کے دیکھنے یا دوسرے کے حنائی ہاتھون کے نظارے سے اپنے رنگین حُسن کا خیال عورت کو آیا مگر پھر فراقِ شوہر مین بدلی ہوئی صورت بھی یاد آگئی ؎

لال پر کہان رہا زرد ہوکے رہ گیا　　رنگ اب کہان ہے رنگ اگر ہوکے رہ گیا

جسم وہ نہین رہا، اُسمین کہین نہین ہے اب　　ہو تھر وہ نہین رہے اُنمین رس نہین ہے اب

جونک بن کے رات دن، چوستا ہے غم لہو　　زرد ہوگیا بدن، رہ گیا ہے کم لہو

ان اشعار کے ذریعہ سے شاعر نے یہ بات بھی دکھادی کہ عورت خوش رنگ تھی، رعنائی جسم

بھی رکھتی تھی، اور یک رسیلے ہونٹھ تھے، تندرست و توانا تھی، فطرت کا یہ مقتضا بھی ظاہر کیا کہ دوسرون کے مقابلہ سے اپنے کمال کا خیال ضرور آتا ہے" اور اُس عورت کی حالت فراق نے عام ہمدردی کو بھی دوچند کر دیا، اسلیئے کہ یہ اشعار ظاہر کرتے ہین کہ عورت کو نہ صرف اپنے شوہر سے جدائی ہی کا درد ہے بلکہ اُس کو اپنے حُسن کے گھٹ جانیکا بھی احساس ہے

اب اسکا اندازہ ہر ذی اثر دل کر سکتا ہے کہ فراق شوہر مین ایشیائی عورت کے قلب کی کیا حالت ہوتی ہوگی۔

بناؤ سنگار جو قدرتی حسن کے بعد کی چیزین ہین اُسمین اسے کیا دلچسپی رہیگی، زیور جو شباب اور حسن کی زینت کی چیز ہے اُس کی اُسے کیا پرواہ رہے گی، شاعر انھین خیالات کو اس طرح ظاہر کرتا ہے۔

کاجل اور مسی کا لطف، جب نہین پی تو کیا — آئینے مین خود ہی مین دیکھتی رہی تو کیا
آرسی کو پھینکدون، مُنھ لگا کے کیا کرون — بن سنور کے کیا کرون، پان کھا کے کیا کرون
زیور اب نہین چلی، جی سے یہ اُتر چکا — جائے بھاڑ مین سنگار، دل اب اس سے بھر چکا

ان اشعار مین علاوہ الفاظ اور بندش کی خوبیون کے اول شعر کا دوسرا مصرع انتہائے حجاب و پارسائی بھی دکھاتا ہے، وہ مصرع صاف ظاہر کرتا ہے کہ عورت کے کاجل اور مسی سوا اُسکے شوہر کی اور کوئی دیکھنے والا نہ تھا، اور اب جب شوہر دور ہے تو سوا اسکے کہ عورت خود آئینہ مین دیکھے اور کوئی دیکھ ہی نہین سکتا، اور وہ اس قدر خود پسند نہین ہے کہ خود اپنے دیکھنے کیلیئے کاجل اور مسی لگائے۔

جو لوگ فطرت انسانی سے واقف ہین وہی اسکا اندازہ کر سکتے ہین کہ عورت پر کہانتک شوہر کی جدائی کا صدمہ ہوگا جب وہ زیور سی محبوب نسوان چیز سے بیزار ہو بیٹھی اور خود آرائی

ـے سے دلفریب نسوانی شعلہ سے سیر ہوگئی۔

زیور اور بناؤ سنگار سے نفرت تو تھی ہی اُسکے دل کو یہ خیال آکر اور نشتر لگاتا ہو کہ اب اُسکا کوئی ناز بردار نہین، کوئی راز دار نہین، کوئی ایسا بھی نہین جس سے وہ کھلکر کوئی چیز مانگ سکے، شاعر نے کس مزے سے یہ خیالات ادا کیے ہین ؎

کس پہ ناز اب کرون، یہ ناز اُٹھائے کون　　روٹھون اور دھم لون، لیکن منائے کون
کس سے اپنے دل کا بھید اب جا کے کھلکر کہسکون　　کسکے ساتھ بے جھجک، اب مین ملکر رہسکون
مانگتی جو کوئی چیز اُن سے مسکرا کے مین　　ہنستے اُسکو دیکھ وہ، ہنستی اوسکو پا کے مین

آخر کا شعر زن و شوہر کے بے انداز محبت کے معاملہ کو ظاہر کرتا ہے اور اُسمین دو لفظین "ان" اور "وہ" ایک مخصوص حلاوت پیدا کرتی ہین، انتہائی یاس اور درد کے یہ دو شعر ہین ؎

یا تو مجھسے چھین لے اُنکی یاد اے خدا　　یا تو اُن کو لا کے کر مجھکو شاد اے خدا
یا تو کر سٹرن مجھے، ہوش مین نہ آؤن مین　　یا تو اپنے ہوش مین اُنکو دیکھ پاؤن مین

اس حد تک آکر عورت کی طبیعت اپنے خیال سے بھی سطح برافروختہ ہوتی ہے۔

کام کچھ نہ کر سکا، او خیال، جا کے تو　　مجھسے کچھ نہ کہہ سکا، اُنکا حال آکے تو
تو نے میرے دل کا درد اُنسے کچھ کہا بھی تھا　　اُن سے ملکے تجھکو یاد، میرا غم رہا بھی تھا

آخر کا شعر عورت کی ایک خاص کیفیت ظاہر کرتا ہے، وہ سمجھتی ہے کہ جسطرح وہ اپنے شوہر سے ملکر دنیا کو فراموش کر بیٹھی، اوسی طرح مبادا اُسکا خیال بھی اُسکے شوہر تک پہونچکر شوہر کے پاس تک پہونچنے کی خوشی مین اُس فرقت زدہ عورت کا غم نہ بھول گیا ہو۔

عورت اپنے دل کے جذبہ سے کام لینا چاہتی ہے، اور کہتی ہے ؎

گفتگو نہ ہو تو خیر، دل پہ تیرا بس تو ہے　　دل کی دل کو دے خبر، ہان یہ دسترس تو ہے

پھر کے اُنکے دل، اگر و، گھیرنا ضرور رہتا
اُنکے دل کو میری سمت اچھا ضرور رہتا

اُنکے دل مین کر کر راہ کیون نہ امین کی جگہ
تو نو تھا مرا خیال، کیون نہ لی مری جگہ

ان اشعار کے بعد ایک ایشیائی عورت کے اشد یاس کے خیالات اسطرح ادا ہوے ہین ۔

ان کے دل مین میری جا، شاید اب نہین ہی
چھن گئی مری جگہ، اور مین یہین رہی

شاید اور کوئی شکل کھپ گئی نگاہ مین
کوئی روک ہوگئی، اس طرف کی راہ مین

ان اشعار مین لطافت زبان کے علاوہ ایک ایشیائی عورت کے شوہر سے ملنے کی یاس پر جو پر حسرت خیال کی انتہا ہے وہ ظاہر ہوتی ہی ۔

ایشیا کی عورت بہت مشکل سے اپنے شوہر سے بدگمان ہوتی ہی اشوہر ہی اُسکا دیوتا ہو، یا مالک جو کچھ ہوتا ہے وہی ہوتا ہی وہ لاکھ برائیان رکھتا ہو مگر ایک محبتی عورت کے نزدیک وہ تمام عیوب سے پاک ہی رہیگا، جسطرح وہ خود اپنے نفس سے مطمئن ہوتی ہی کہ کسی دوسرے کی طرف کیسی ہی تشویش و ترغیب کیون نہ ہو (اس تشویش و ترغیب کے موقع اسے اسقدر نہین ملتے جسقدر یورپ کی عورتون کو ملتے ہون) مبت بدبھی بھولے سے نہوگی، ویسا ہی وہ اپنے شوہر کے متعلق بھی قیاس کرتی ہی، لیکن شوہر کی مفارقت کا سودا اس حد تک تھا کہ آخر بدگمانی کا خیال اُسے بغیر نہ رُک سکا، مگر عارضی، فوراً ہی یہ خیال آگیا ۔

توبہ، ہو کے بدگمان مین نے کی خطا ضرور
چاہین وہ کہین رہین انمین ہی وفا ضرور

اور اسپر وہ خیال مین بھی شوہر کی وفا پر شبہ کرنے سے اسطرح بیزار ہوتی ہے ۔

کاش اوخیال تو، اب نہ آئی میری پاس
کاش اُنکی یاد تو اب نہ لائے میری پاس

آخر کا مصرع یہ فطری جذبہ ظاہر کرتا ہے کہ محبوب سی محبوب چیز بھی شاق ہو جاتی اگر اُسی کے ساتھ کوئی دردناک خیال ملا ہوتا ہے، شوہر کی یاد عورت کو بہت محبوب تھی، لیکن اگر اُس یاد

ساتھ یہ خیال بھی طاری ہو کہ وہ بیوفا نکلا جس کی کبھی بھی امید نہ تھی تو عورت ادس یا وسے بھی فطرتاً گھبرا جائے گی۔

مگر وہ گھبراہٹ بھی محض ایک لمحہ کی ہو گی، اور خیال سے یہ فرمائش ہو گی کہ تو اکیلا نہ جا بلکہ

یا مری نظر کو لے اور اُن کے پاس جا   مجھے یا جگر کو لے اور اُن کے پاس جا

بعد کے شعر مین ایک ہی پر تسکین نہ ہوئی، دل کی آئی بدگمانی کا بھی شائد اثر تھا کہ یہ غرض ظاہر ہو ہی گئی

دیکھے نظر اُنھین، دیکھ مین جگر کو وہ   آئے جھپہ کچھ ترس، آئین اپنے گھر کو وہ

گھر کا خیال آتے ہی ایک ٹیس سی اُٹھتی ہے، اور وہ ایسے بیساختہ مگر پر لطف الفاظ مین ظاہر ہوتی ہے ۔

گھر کا نام خاک لون بنکے یہ بگڑ چکا   اس پہ اوس پڑ چکی، مِٹ چکا، اُجڑ چکا

چھت ٹپکتی ہے تو آنسو اکون اُسکی لو خبر   رو رہی ہون مین ادہر، رو رہی ہے وہ اُدہر

آخر کے شعر مین آنسو، کی لفظ کا مزہ فطرت انسانی سے باخبر لوگ ہی جانتے ہین گھر اُجڑنے کا خیال ہر عورت کو جانگسل ہوتا ہے، مگر شوہر کی جدائی کے آگے وہ بھی کچھ نہین ۔

مین ہی خاک مین ملی، گھر کی فکر خاک ہو   اُن کا ذکر چھوڑ کر، گھر کا ذکر خاک ہو

گھر سے خیال ہٹایا گیا، مگر مکان کی ہر چیز تو شوہر کی یاد دلاتی ہے، دیکھئے وہ پلنگ سامنے بچھا ہے پر اب عورت نے بھی دل ملنے والے خیالات سے بچنے کو رہنا چھوڑ دیا ہے کیا کھلا رہا ہے ۔

وہ پلنگ اُنھین کا ہے، اس پہ اب ہے تو کون   خود ہی آکے دہ رہین، جا کے یہ کہے تو کون

اَٹ گیا ہے خاک مین، گرد ہو گیا پلنگ   آئین وہ تو مجھسے لین اور اک نیا پلنگ

لیجئے پلنگ سے اور سلسلہ خیالات چلے ۔

ذکر کیا پلنگ کا یہ ذرا سی چیز ہے   مجھکو اپنی جان تک اُنسے کب عزیز ہے

راہ اُن کی روک لون اب جو اُنکو پاؤنمین ‌ ‌ ‌ پتلیون مین دون جگہ سامنے بٹھاؤن مین
بال اپنے کمرل کر اُنپہ جال ڈال دون ‌ ‌ ‌ جب ذرا قدم اُٹھین اُن پہ بال ڈال دون

سلسلۂ خیال یہان پر اگر شاید تھوڑی دیر کے لیے رُک جاتا اور عورت تخیل ہی مین اپنے شوہر کے آنے اور پھر نہ جانے پانے کا مزہ لیتی رہتی مگر بُرا ہو اُس دل دوز آواز نکالنے والی چڑیا پپیہے کا کہ وہ درخت پر آبیٹھی، عورت فوراً اس طرح اُسکی طرف مخاطب ہوئی ؎

کوئی آکے پیڑ پر کہ - ہاے پی کہان ‌ ‌ ‌ پی کہین ہین، مین کہین، کیا کہون ہے جی کہان
جی رہی ہون مین مگر جی مرا ہی پی کے ساتھ ‌ ‌ ‌ پاس ہون کہ دور ہون ہین وہ میرے جی کے ساتھ

فطرت کا قاعدہ ہے کہ وہ درد پیدا کرتی ہی تو اُسی کے ساتھ دوا بھی، عورت پر غلبۂ یاس کی انتہا نہ رہی تو فطرت نے اُسکے خیالات کا رنگ اس طرح بدلا ؎

آئی اُنکی سمت سے، اور بُو بھی لائی تو ‌ ‌ ‌ آج ادھو اھزور اُن کو چھوکے آئی تو
اُن سے ملکے آئی ہو، آ، تیری بلائین لون ‌ ‌ ‌ تو نے خوش کیا مجھے، لے، تجھے دعائین دون
جائے اُن کے پاس پھر تو جو اُن کو لا سکے ‌ ‌ ‌ درد دل کا جا سکے، چین دل کو آسکے
اور دل تو کیا کرون، تیرے درد کا علاج ‌ ‌ ‌ خط مین رکھکے بھیجدون تجھکو اُنکے پاس آج
شرط ہے کہ میرے پاس پھر پلٹ کے آئے تو ‌ ‌ ‌ اپنے خان کی قسم دیکے اُن کو لائے تو

آخر مین تھوڑی دیر کے لیے اس خیال سے تسکین ہوتی ہی ؎

یون نہ آئین تو مین لون شوق کی کشش سے کام ‌ ‌ ‌ کھنچکے آئین اسطرح پھر نہ لین اُدھر کا نام

اسمین کچھ شبہہ نہین کہ یہ نظم ایک خاص وقت کے جذبات کو نہایت وضاحت سے نہایت موثر طریقہ سے، نہایت سادے شستہ الفاظ اور محاورات سے ظاہر کرتی ہے۔

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہین کہ فطرت انسانی یورپ مین اور ہے ایشیا مین اور، یہ بالکل

مطلب، جسطرح فطرت حیوانی ایک ہے اُسی طرح فطرت انسانی۔ ایشیا کی عورت کو ویسا ہی عشق کا جوش ہوتا ہے جیسا یورپ کی عورت کو، جذبہ عشق بنفسہ ایک نہایت شریفانہ جذبہ ہی، اور یہ جذبہ ایسا جذبہ ہے جسکی برابر ہی کوئی دوسرا جذبہ اپنے زور اور قوت مین نہین ہو سکتا۔ ماں بیٹے کی محبت پر یہ غالب آجاتا ہے، انسانوں کی جسمانی تکالیف اس جذبہ کے زور مین بھول جاتی ہین، ایشیا کی عورت اور خصوصًا ہندوستان کی عورت کو جو چیز دنیا مین سب سے زیادہ ملتی ہے وہ وہی قدرت ہی جو وہ اس جذبہ پر حاصل کرتی ہی، مثل دنیا کی عورتوں کے عشق کے جذبہ سے وہ بھی بہرہ ور ہوتی ہی اگر یہ جذبہ اُسکا مخصوص ہوتا ہے اپنے شوہر کے ساتھ، اور وہ بھی ان جکڑ بندی کے ساتھ کہ وہ اسکا اظہار دوسرون پر ہوتے ہوئے اپنے شوہر سے تو وہ اس جذبہ کو چھپا نہین سکتی، نہ اُس سے چھپانے کی اُسکو زیادہ کوشش ہی ہوتی ہے، لیکن وہ "ڈارلنگ" کہکر اُسے سب کے سامنے نہین پکارتی، اس سے یہ سمجھنا کہ اُسمین جذبۂ عشق نہین، یا عاشقانہ خیالات سے وہ بے بہرہ ہے فطرت انسانی سے بے خبری ظاہر کرتا ہی۔

جو لوگ جناب شوق کی نظم "عالم خیال" کو اس عقیدے کے ساتھ دیکھین کہ محبت یا عشق کا ہر جذبہ غیر شریفانہ اور اُس جذبہ کا اثر ہندوستان کی عورت کے دلی خیالات پر نہ ہونا چاہئے وہ خود فرشتے ہون کے انسان نہین، وہ انسانی "عالم خیال" کے فلسفہ سے نابلد محض ہین

جناب احمد علی صاحب شوق قدوائی نے اپنی اس بیش بہا نظم مین جس موقع اور مناسبت سے خیالات کے مختلف پہلوؤن کا بدلنا دکھایا ہے بلاشبہہ وہ اونکو ایک فلسفی شاعر ثابت کرتا ہے۔

جذبات انسانی کے انکشاف ہی سے آج دنیا مین شیکسپیر کا ڈنکہ بج رہا ہے، حالانکہ شیکسپیر

نے بعض بعض جگہ پر انسانی جذبات کو نہایت بد سلیقگی سے دکھایا ہے۔ اکثر جگہ احمقون کے منہ مین فلسفیون کے الفاظ ڈالدیے ہین، کہین کہین خیالات بلند بیموقع دکھائے ہین جہی شیکسپیر پر یہ اعتراض عائد ہوتاہے کہ اُسکی شاعری اسکی اپنی نہین بلکہ یہ کہ اُسنے دوسرون کے خیالات جمع کر دئے ہین، اور موقع بیموقع کا خیال نہ کرسکا۔

ڈزریلی نے شیکسپیر کے متعلق یہ بھی لکھا ہو کہ وہ سب سے بڑا شاعر اور سب سے کم رتبہ شاعر دونون تھا، جو کچھ بھی ہو بہرحال اسمین کسی کو کلام نہین ہو سکتا کہ جسقدر جذبات انسانی کا انکشاف شیکسپیر نے کیا دنیا کے کسی دوسرے ایک شاعر نے اُسقدر نہین کیا۔

لیکن مین ایک شیکسپیر سے زیادہ ایک سعدی کو ملک بلکہ دنیا کے لیے مفید سمجھتا ہون، اول الذکر صرف انسان کے جذبہ کا انکشاف کردیتا ہو، آخر الذکر اخلاق وعادات قوم کو درست کرتا ہے، ایران، افغانستان اور ہندوستان کے کثیر باشندونکا تہذیب اخلاق عرصہ دراز تک سعدی کے ہاتھون رہا، شیکسپیر کو کبھی نہ اسکا فخر نصیب ہوا، نہ ہو سکتا تھا، ہندستان کے لیے بھی زیادہ ضرورت سعدیون کی ہو۔

مسدس حالی نے یہ بھی ثابت کردیا ہو کہ شاعری کیسی ہی بودی، زبان کیسی ہی بھونڈی کیون نہ ہو اگر کوئی نظم قوم کی حالت کو ظاہر کرتی ہو تو اُسکی قدر بھی قوم کرتی ہو، ہندوستان کے باکمال شعرا کے لئے ابھی میدان بہت وسیع ہو، آزادی پر، اتحاد قومی پر، حب الوطنی پر، قتل وغارت گری کی بُرائی پر، دیانت اور وفاداری پر، چاپلوسی وخوشامد کی مذمت پر، ترقی علم پر، صنعت وحرفت کی طرف توجہ پر، اپنی تہذیب اور اپنے اخلاق پر، استعدادی پر، غرضکہ سیکڑون اور ہزارون ایسے مضامین پر اوستادان فن قلم اُٹھا سکتے ہین کہ تمام قوم اون اشعار کو حفظ کرلے، تمام قوم کے دل مین اون اشعار سے ایک حرکت پیدا ہو جائے، جو سوتے ہین جاگ اٹھین

جو تھک گئے ہیں، انہیں جان تازہ آجاوے، بنگال کے شاعر اور نثار اسطرف کچھ زمانہ ہوا مخاطب ہوئے، اردو کے شاعروں کو بھی اس طرف توجہ کرنا چاہیئے، لیکن اگر استادانِ فن نے توجہ نہ کی تو معمولی لوگ ان مضامین کو اٹھا کر اسکی بھی اسیطرح مٹی پلید کرینگے جسطرح اول اول "نیچرل" نظموں کی ہوئی تھی۔

یونان کے تمدن کے لیے شاعروں کی ضرورت رہی ہو یا نہ رہی ہو، ہندوستان کو اسوقت فصیح اور بلیغ شعرا کی بہت ضرورت ہے جو کہیں تو رعد کا کام کریں کہیں ابر نیسان کا، میں اس مرتبہ اکتوبر میں ولایت سے آتے وقت مشہور عالم W. T. S. جرنلسٹ ڈبلو اسٹیڈ صاحب سے ملا اور اُنسے اپنی قلبی دھڑکن کا جو کبھی کبھی انوکھی رائے رکھنے، اور بے ہمدرد وہمساز ہونے سے پیدا ہوتی ہے ذکر آیا تو انھوں نے محبت سے اسکا علاج بتایا، اور وہ علاج یہ تھا کہ انھوں نے ایک چھوٹی سی کتاب جسمیں انھوں نے خود نے امریکہ کے شاعر "لاول" Lowell کی تصنیفات سے اقتباس کیا تھا دی جو میرے جیب میں رہتی ہے، اور جس سے واقعی میری قلب کو بارہا تسکین ہوئی ہے، میں مثالاً دو ایک شعر اُس سے لکھتا ہوں

و د ر ۃ ... !

وہ غلام ہیں جو گرے ہوؤں اور کمزوروں کے واسطے بولنے کو ڈرتے ہیں

وہ غلام ہیں جو اس ڈر سے کہ لوگ نفرت کرینگے، تمسخر کرینگے، گالیاں دینگے

اس حق کو ظاہر کرنے میں جو اُنکے دلوں میں اترا ہوا ہو خاموشی اختیار کرتے ہیں

وہ غلام ہیں جو اسکی جرأت نہیں رکھتے دو تین دحق پر ہونیوالے آدمیوں کا ساتھ دیں

میری حقیر رائے مین ہندوستان کو شیکسپیر سے زیادہ لاول کی ضرورت ہے، ہماری قوم گری ہوئی ہے اُسکے احیار کرنے مین شاعر بہت کچھ حصہ لے سکتے ہین، قومی کمزوریون کا انکشاف کرین قومی اخلاق کو بلند کرین، ایک طرف اگر وفاداری اور اطاعت کا بیج بوئین، تو دوسری طرف قومی عزت اور تہذیب سے زندگی بسر کرنے پر آمادہ کرین قوم کو خودداری کے سبق دلنشین طریقہ سے دین۔

بستولی لکھنؤ
۱۰ مارچ ۱۹۱۱ء

راقم
مشیر حسین قدوائی

قومی فقیروں کی صدا

اے جوششِ بہارِ گلستانِ آرزو
بھر دے گُلِ مراد سے دامانِ آرزو

کِشتِ اُمید اپنی بھی سرسبز ہو کہیں
چھینٹے کچھ اسطرف کو بھی بارانِ آرزو

اے انتہائے یاس ذرا رحم کی نظر
ہونٹوں پہ آ چکی ہو بس اب جانِ آرزو

بیڑا ہوا اپنا پار الٰہی کہ بار ہا
رہ رہ گیا ہو اُٹھکے یہ طوفانِ آرزو

دل سوز کی تلاش ہو بجائے یا نصیب
ٹھنڈی پڑی ہو شمع شبستانِ آرزو

دستِ سوال اُٹھنے کو ہو قوم کی طرف
ہاتھ آ گیا ہو قبلۂ ایمانِ آرزو

ہم مفلسوں کی شرم ہے اے ہمنی کے لال
جائیں نہ خالی ہاتھ یہ مہمانِ آرزو

کیا شرح آرزو کی ضرورت بھلا یہاں — مضمر ہے قلب صاف میں ہر داستان آرزو

بیٹھے ہیں آڑ کے در پہ سوالی نجائیں گے
لیکر رہیں گے آج تو خالی نجائیں گے

اے قوم پاس چاہئے کچھ اپنے نام کا — بالا ہو بول امت خیر الانام کا
تیرا ہی ہے جہان میں خیر الامم لقب — یعنی یہ اک نشاں ہے ترے احترام کا
اسوقت اپنی لاج کا رکھنا ضرور ہے — اسوقت ہے خیال بزرگوں کے نام کا
اسلام سے ملا ہے اخوت کا جو سبق — اسکے عمل کا وقت ہے موقع ہے کام کا
تیری طرف ہیں سب کی نگاہیں لگی ہوئی — رجحان تیری سمت ہے ہر خاص و عام کا
آئے ہیں لو لگا کے ترے در پہ یہ فقیر — لوٹیں نہ خالی ہاتھ کہ ہے وقت شام کا
ہم یونیورسٹی کیلئے مانگتے ہیں بھیک — بیڑا اُٹھا چکے ہیں ہم اُسکے قیام کا
کوڑی بھی بھائیوں کی نہیں اشرفی سے کم — دل ہے یہاں اسیر قناعت کے دام کا

ہمکو جو ایک دیگا وہ پائیگا سیکڑوں
لاکھوں وہ پائیگا جو دلائیگا سیکڑوں

نکلے ہیں لیکے جھولی گدائی کیواسطے — یوں مستعد ہوئے ہیں کمائی کیواسطے
معلوم کچھ تجھے بھی ہے اے قوم یا نہیں — یہ سب جتن ہیں تیری بھلائی کیواسطے
ہاں اے اسیر جل نہ اب اضطراب کر — تدبیر ہو رہی ہے رہائی کیواسطے
تیرا ہی درد تھا کہ ہوئے بیقرار ہم — مرتا ہے کون ورنہ خدائی کیواسطے

حال خراب دیکھکے بے چین ہو گئے
دل میں کہاں جگہ تھی سمائی کیواسطے

اکسیر کی تلاش میں پھرتے رہے ہیں ہم
چھانی جہاں کی خاک دوائی کیواسطے

مدت کے بعد نسخہ صحت ملا ہے اب
آیا ہے وقت عقدہ کشائی کیواسطے

انعام حسن سعی کے ہیں ہم بھی مستحق
ل ہائے نقد کارروائی کیواسطے

ہم اپنی اک بنائیں جدا یونیورسٹی
امراض کی ہے تیرے دوا یونیورسٹی

بدلا ہے رنگ گردش لیل و نہار کیا
ہیں دلفریب دہر کے نقش و نگار کیا

بازار گرم کشمکش زندگی کا ہے
سودائے علم و فن کی مچی ہے پکار کیا

غفلت کی آہ قوم کو کوئی انتہا بھی ہے
اس نیند کا نجائیگا اب بھی خمار کیا

اللہ جوش میں رگ غیرت کب آئیگی
ہوتا ہے آہ اس سے بھی بڑھکر فشار کیا

سنتے ہو تمہیں بھی خبر کچھ ہے یا نہیں
کہتی ہے دور سے جرس روزگار کیا

سید کی قبر آہ ہے سونی پڑی ہوئی
روشن نہ تم کروگے چراغ مزار کیا

سائل ہوے ہیں تم سے چراغی کیواسطے
کچھ مانگنے کو آئیں گے ہم بار بار کیا

دریا دلی کی شان دکھا دو جہان کو
تم کون ہو تمہارا ہے قومی شعار کیا

داتا ہو تیرا دونوں جہاں میں بھلا ملے
دینے کی شان ہے کہ طلب سے سوا ملے

سید محمد فاروق (شاہ پوری)

" زمانہ "

اور

" ادیب "

اس وقت جنوری سنہ ۱۹۱۱ء کا " زمانہ " اور اسی مہینے کا " ادیب " دونوں رسالے میری نگاہوں کے سامنے ہیں، " زمانہ " کانپور سے نکلتا ہے، اور " ادیب " الہ آباد سے، یہ دونوں رسالے خط، کاغذ، اور تصویروں سے اپنی اپنی صورت کے حسن کو بڑھا رہے ہیں، اور نثر و نظم کے مضامین سے اپنے اپنے سرمایے کے موافق اپنی اپنی ترقیوں کی جانب متوجہ ہیں، اس سبب سے ایک ہی مہینے کے دونوں رسالوں کا موازنہ مجھے مناسب معلوم ہوا، تاکہ ارباب فہم دونوں کے اڈیٹروں کی قابلیت اور انکے دماغوں کی علمی مناسبت کا اندازہ کر سکیں، جنکے ہاتھوں اردو کی سر زمین پر نئی نئی تخم افشانیاں ہو رہی ہیں۔

رسالہ " زمانہ " کے اڈیٹر منشی دیا نرائن صاحب نگم، اور رسالہ " ادیب " کے اڈیٹر منشی نوبت راے صاحب نظر ہیں۔

" زمانہ " بیس تصویروں کو لیے ہوئے نکلا ہے، جن میں دو رنگین ہیں، ایک لیلی و مجنوں کا مرقع، دوسرا گنجینہ رو موکش کا مرقع

" ادیب " نو تصویروں کے ساتھ شایع ہوا ہے، جن میں ایک رنگین ہے، یعنی سکندر کی ماں کا مرقع۔

میں اس قسم کی فرضی تصویروں کو کچھ قدر کی نگاہوں سے نہیں دیکھتا، انکے خیالی ہونیکا خیال ہی انکو بے اثر بنا دینے کے لیے کافی ہے، کپڑوں کے تھانوں پر ہزارہا رنگین تصویریں بہت اچھی اچھی نظر آتی ہیں، جنھیں دیکھکے لڑکے ضرور خوش ہوتے ہیں، سمجھنے والے تو صرف ان تصویروں کو

دلچسپی کے ساتھ دیکھتے اور پسند کرتے ہیں۔ بعض نظارے سے واقعیت کے ساتھ تاریخی علمی اخلاقی، معاشرتی، یا اور ایسی ہی کوئی خوبی پیدا ہوتی ہو، لیکن مجھے اس موقع پر صرف نیرنگ خیال سے غرض نہ ہونی چاہیئے، اصل مقصد دو علمی رسالوں کا موازنہ اور موازنے میں ہر حیثیت اور ہر حالت کا دکھانا لازمی ہوگا۔

رسالہ "نیرنگ" میں مرقعے۔ تصویریں اور نقشے حسب ذیل ہیں

(۱) لیلیٰ اور مجنوں کا مرقع (۲) عروس نو کا مرقع (۳) کونٹ ٹالسٹائی کی تصویر (۴) اکبر اور چیتے کے شکار کا مرقع (۵) مہاتما منشی رام جی بانی گروکل کی تصویر (۶) گروکل کے صدر دروازے کا نقشہ (۷) گروکل کے جگ شالے کا نقشہ مع گروپ کے (۸) گروکل دیدو کی پہلی جماعت کا مرقع (۹) گروکل کے طلبا سیر کو جا رہے ہیں، انکا مرقع (۱۰) الہ آباد کی نمائشگاہ کا عام منظر (۱۱) نمائشگاہ کا طبقہ تعلیم (۱۲) نمائش گاہ کا ویلکم کلب (۱۳) نمائشگاہ کے تعلیمی اور صنعتی طبقوں کی پشت کا منظر (۱۴) نمائشگاہ کی وہ عمارت جس میں تماشہ گاہوں کا سامان ہے (۱۵) نمائشگاہ کے اندرونی حصے کا آخری رخ (۱۶) طبقہ زراعت کا نقشہ (۱۷) طبقہ جواہر کا نقشہ (۱۸) گجیندر موکش کا مرقع (۱۹) نیولین اعظم کی تصویر (۲۰) لب آب ایک کشتی جس میں ایک لیڈی دریا کی سیر کر رہی ہے۔

رسالہ "ادیب" میں ایک مرقع، چھ تصویریں، اور دو نقشے ہیں

(۱) ولادت سکندر کا مرقع (۲) لکشمی جی کی تصویر (۳) روضہ تاج محل کا نقشہ (۴) سر ولیم ویڈربرن کی تصویر (۵) آنریبل پنڈت سندر لال۔ سی۔ آئی۔ ای۔ کی تصویر (۶) مولانا محمد اسمعیل کی تصویر (۷) رائے بہادر بھودیال صاحب بی۔ اے کی تصویر (۸) خسرو باغ کا نقشہ (۹) سیر دریا جس میں ایک لیڈی بچے کو گود میں لیئے ہوئے دریا کی سیر کر رہی ہے۔

"زمانہ" لیلی اور مجنون کے رنگیں مرقعے میں علاوہ ان دونوں کے اکیس تصویریں جنگل کے چھوٹے بڑے جانوروں کی دکھا رہا ہے، اور گنبد رد موکش کے رنگیں مرقعے میں چار تصویریں۔

"ادیب" اپنے رنگیں مرقعے میں آٹھ شکلیں رکھتا ہے جنمیں سکندر اور اُسکی ماں کے علاوہ چند تصویریں صرف گیدڑوں کی ہیں۔

ان رنگین مرقعوں کی صناعیوں کو دیکھتے "زمانہ" بہت بلند، اور "ادیب" اس سے بہت پست ہے۔

"زمانہ" جتنے نقشے الہ آباد کی نمایش گاہ اور گرو کل کی عمارت کے دکھا رہا ہے، یہ سب تاریخی حیثیت اور واقفیت کی ضرورت سے اب اور ہمیشہ بکار آمد ہیں، گرو کل کے طالب علموں کی خوشنما صورتیں دو وسیع مرقعوں میں دکھائی گئی ہیں، یہ مرقعے صرف صورتوں ہی سے دلچسپ نہیں ہیں، بلکہ دل پر عجیب اثر ڈالتے ہیں، اور یہ پیشین گوئی کرتے ہیں کہ ایک دن یہی جماعت علوم کی بلند زینوں کو طے کرکے ہندوستان کے اقبال کی چوٹیوں پر نظر آئیں گی۔

ان نقشوں اور مرقعوں کے مقابلے میں "ادیب" "زمانے" سے پوری شکست کھا رہا ہے تعجب تو یہ ہے کہ "زمانے" نے کانپور سے الہ آباد کی نمائش گاہ کے نقشے دکھا دیئے اور "ادیب" الہ آباد ہی میں ہے مگر کچھ نہ دکھا سکا، اس سے دونوں رسالوں کے اڈیٹروں کی قابلیت اور اُنکے دماغوں کی علمی مناسبت کا اندازہ کرلیا جائے، آیندہ اگر "ادیب" نمائشگاہ کے نقشے چھاپے بھی، تو کیا، "زمانہ" بالا جیت چکا۔

"زمانہ" دو مرقعے ایسے عمدہ دکھا رہا ہے جنکی تعریف سے قلم کو روکنا انصاف کا خون کرنا ہے، ایک مرقع "عروس نوجہ" کا، یہ مغلیہ سلطنت کے عہد کا تاریخی اور بہت ہی دلآویز نقشہ ہے اس نئی دلھن کی حسین تصویر کو دیکھکر "ہسٹورینز ہسٹری آف دی ورلڈ"[1] کی نئی دلھن کا مرقع میری آنکھوں

[1] Historians History of the world

میں پھر گیا، لباس کا فرق ضرور ہی لیکن شرم کی ادا دونوں میں ایک ہی گویا ہندوستان کے مصور نے یورپ کے مصور کا قلم چھین لیا ہی، اس مرقعے میں جو عورت مشعل دکھارہی ہی اُسکی گردن کا فطری ادا کے ساتھ خم، پردہ اُٹھانے کا انداز، مشعل کی روشنی سے عمارت کے نقش ونگار کا کچھ کچھ نظر آنا، بلندی پر ایک گوشے میں آسمان کا مع ستاروں کے نظارہ، یہ تمام صنعتیں مرقعے کو لاجواب کہہ رہی ہیں۔

دوسرا تاریخی اور نہایت نفیس مرقع شہنشاہ اکبر کے شکار کا ہی، اسکو نگاہ گھنٹوں دیکھا کرے تب بھی سیر نہ ہو، اسکے ساتھ فارسی عبارت بھی چھپی ہوئی ہی جو مرقعے کی اصلیت اور اُسکی تاریخی عظمت کو ظاہر کر رہی ہے، چیتے کو لوگ رسیوں میں باندھے ہوئے ہیں اور اکبر اُسکے دونوں کان پکڑے ہوئے ہی، اس مرقع میں دو چیتے، ایک گھوڑا اور سب آدمیوں کو ملا کر انتیس تصویریں ہیں، جو اُس زمانے کے بعض اسلحہ، مختلف لباسوں، اور بہت سی حالتوں کے نقشے دکھارہی ہیں۔

ان دونوں مرقعوں کی تعریف میں صرف یہ کہدینا کافی ہے کہ دل اور آنکھوں کا کام زبان سے نہیں ہوسکتا، اور اِن کو دیکھتے رسالۂ "زمانہ" کے سامنے "ادیب" کے ورقوں کی یہ صورت ہے۔ جیسے تازہ اور خوشرنگ گلدستے کے سامنے کوئی خشک پتے رکھدے۔

رسالۂ "زمانہ" میں کونٹ ٹالسٹائی کی ایک تصویر کونٹ کی مختصر سرگذشتوں کے ساتھ ہی یہ سوانح لالہ لاجپت رائے صاحب کے لکھے ہوئے ہیں، تصویر اور کونٹ کے سوانح اس سبب سے بہت قدر کے قابل ہیں کہ آزادانہ خیالات، حکیمانہ اخلاق، اور فلسفیانہ طرز حیات نے انسان کی زندگی پر اُنکا اثر پڑتا ہی: "ادیب" میں معمولی تصویریں تو کئی ہیں، لیکن ایک بھی ایسی نہیں ہی جو کونٹ کے مجسم فلسفہ کا مقابلہ کرسکے۔

"زمانہ" اور "ادیب" دونوں میں دو تصویریں ایک ہی نقطۂ خیال سے دیکھنے کے قابل ہیں، "زمانہ" لبِ دریا ایک کشتی" اور "ادیب" سیرِ دریا" دکھارہا ہی، دونوں میں کشتی

نہ ایک یورپ کی عورت دریا کی ہوا کھا رہی ہے، رسالۂ "زمانہ" نے ہندوستان کے مصور کی ہیچ زادہ دستکاری دکھائی ہے، اور "ادیب" نے کسی دوسری تصویر کا نقشہ حاصل کیا ہے، ایک بڑا فرق جو ان دونوں تصویروں کی حالتوں کے دکھانے میں ہے۔ وہ یہ ہے، کہ رسالۂ "زمانہ" نے خاص اسی تصویر کے متعلق ایک نظم حاصل کرکے چھاپی ہے۔ جو تہذیب کے ساتھ صرف اسی تصویر اور تصویر کے منظر اور نظارے تک محدود ہے، اس نظم میں دریا کا سین بھی دکھایا گیا ہے، لیکن "ادیب" نے عجب مذاق کیا ہے۔ جو مجھے بیاختہ ہنسا رہا ہے، اسکی تصویر کے ساتھ بھی "سیر دریا" کے الفاظ چھپے ہیں، اور ایک نظم کے ساتھ بھی، مگر اس تصویر سے یہ نظم ذرا بھی متعلق نہیں ہے، تصویر میں صرف ایک عورت بچے کو گود میں لیے ہوئے کشتی پر سوار ہے، اور نظم میں عاشق اور معشوقہ دونوں ایک کشتی پر موجیں اڑا رہے ہیں، دونوں کس رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں، اسکو میں نہیں لکھنا چاہتا، اور مرحوم نسیم کے اس شعر سے معمے کو حل کئے دیتا ہوں ؎

کیا آگے لکھوں کہ اب سر دست   ہوتا ہے دوات میں قلم ست

بے شبہہ شاعر نے یہ نظم اپنے خیال پر کہی تھی، اور عاشقانہ مذاق اختیار کیا تھا، وہ مذاق بھی سخن فہمی کے دائرے میں ہے، یہاں اُس سے اور نظم سے کچھ بحث نہیں، مطلب "ادیب" کی حالت اور اسکے اڈیٹر کے سخن فہمانہ مذاق سے ہے، "ادیب" کے اڈیٹر کی نظر اور انکے ادیب پرور دماغ کو اس بات کا احساس ہونا چاہیئے تھا کہ تصویر سے نظم کی حالت بالکل جدا ہے، اب یا تو وہ تصویر کا نام "سیر دریا" نہ رکھتے، یا نظم کی سُرخی کو بدل دیتے، مگر اسکے لئے دماغ کو علمی مناسبت کی ضرورت تھی، "زمانہ" نے کس خوبی سے تصویر اور نظم کو دکھایا ہے۔

بے شبہہ ذی فہم ناظرین خود موازنہ فرما سکتے ہیں۔ کہ "زمانہ" بہ نسبت "ادیب" کے کس قدر علمی تناسب کا لحاظ رکھتا ہے۔

رسالۂ "زمانہ" میں نپولین اعظم کی تصویر بھی بہت اچھی ہے، یہ رنگین روشنائی سے چھپی ہے، اور صاف خط و خال دکھا رہی ہے، "ادیب" کی کوئی تصویر اسکا مقابلہ بھی نہیں کر سکتی۔

اب میں مضامین کا موازنہ کرتا ہوں، اگر رسالہ ایک جسم فرض کیا جائے، تو مضامین اُسکی روح، اُسکا دل، اور اُسکے عناصر قرار پا سکتے ہیں، رسالۂ "زمانہ" میں "دیسی مصنوعات کی حفاظت"، "کونٹ ٹالسٹائی"، "وکرامادت کا تیغہ"، "اردو مصنفین کے کارنامے" نثر میں، پھر "شب غم" اور "آب آب ایک کشتی" نظم میں، خاص طور پر دیکھنے کے قابل ہیں، اور "ادیب" میں "مسئلۂ سالمات" نثر میں، اور "کلام چکبست" نظم میں نظارے کی خصوصیت کا حصہ پانے کے لائق ہیں۔

میرا یہ انتخاب کسی نہ کسی خاص وصف کے لحاظ سے ہے، ورنہ نثر اور نظم کے معمولی مضامین "زمانہ" اور "ادیب" دونوں میں بہت ہیں۔

میں دیکھتا ہوں کہ بہ کارآمد ہونے کے لحاظ سے، زندگی کو آزادی اور نیکی سے آراستہ کرنیکے لحاظ سے، عمدہ اخلاقی نتائج سے دل پر اثر ڈالنے کے لحاظ سے، اور علم ادب کو اُسکے خاص مصنفوں اور محققوں کے قلموں سے لکھے ہوے مضامین کے لحاظ سے، رسالۂ "زمانہ" کے مضامین کو "ادیب" کے مضامین پر بہت کچھ فوق حاصل ہے، یہ چاروں اوصاف جو میں نے لکھے ہیں، ترتیب وار نثر کے اُن چاروں مضامین سے متعلق ہیں، جنکو رسالۂ "زمانہ" سے میں نے منتخب کیا ہے، لیکن چاروں میں سے ایک مجموعہ مضامین کا جسکا نام ٹائیٹل پیج کی فہرست میں "اردو مصنفین کے کارنامے" ہے، اور جو صفحہ ۶۰ سے علمی ضمیمے کا سرتاج بنکر نمودار ہوا ہے، رسالۂ "زمانہ" کے قابل اڈیٹر کی محققانہ جدت اور اُنکے روشن دماغ کی علمی مناسبت کے ثبوت کی کافی شہادت ہے، اس مضمون میں شمس العلما مولانا شبلی نعمانی، مولوی عبدالحلیم شرر، رائے بہادر لالہ بیجناتھ، مولوی محمد عزیز مرزا بی۔ اے۔

بابو شیوبرت لال ورمن ، ایم ۔ اے ، احمد علی شوق ۔ قدوائی ، اور مرزا محمد ہادی لکھنوی ، کے لکھے ہوے وہ علمی تجربے ہیں جو انکو فارسی اور اُردو کی اعلیٰ کتابوں کے متعلق حاصل ہوے ہیں ، اور یہ لوگ اپنی اپنی تصنیفات کی فہرست لکھکے خود اپنی اُس کتاب کا نام بنا رہے ہیں ، جو انکی رلے میں سب سے عمدہ ہو ، یہ بلند مضامین ، اور اعلیٰ درجہ کے مفید مطالب رسالۂ "زمانہ" کے لائق اڈیٹر اپنے سوالات کے جوابات میں حاصل کر رہے ہیں ، اور سچ یہ ہو کہ وہ علم ادب کے خزانے میں ایسے بیش بہا جواہر جمع کر رہے ہیں ، جو انکے سوا کسی دوسرے کو نصیب نہیں ۔

اب علمی جواہر کے جوہری یعنی ارباب فراست ہی خیال فرمائیں کہ رسالۂ "زمانہ" جو اپنے اوراق کے دامنوں میں ایسے آبدار موتی بھرے ہوے ہو ، اُسکے سامنے "ادیب" اپنے سنگریزوں کو کیا چمکا سکتا ہو ۔

"زمانہ" اور بھی علمی معلومات کے ذخیرے پیش کر رہا ہو ، یعنی "اُردو اور ہندی کے نئے رسالے" اور "علمی خبریں ۔ نوٹس ۔ اور تذکرے" وغیرہ ، ایسے مفید اور دلچسپ مطالب تک "ادیب" کی نظر شاید رسا نہ ہو سکی ، بات یہ ہو کہ موازنہ کے ارادے سے میں نے "زمانہ" اور "ادیب" دونوں رسالوں کو ایک ہی نقطۂ نگاہ سے دیکھا ، تو علمی مذاق کے ساتھ معلومات کی وسعت تحقیقات کی جدت ، دماغ کی قابلیت ، اور تجربوں کی کثرت ، رسالۂ "زمانہ" کے صفحوں پر زیادہ نظر آئی ۔

"ادیب" نے "مسئلۂ سالمات" کا مضمون حاصل کرنے میں شاید لکھنؤ کے "الناظر" اور پنجاب کے "پنجاب ریویو" کی تقلید کی ہے ، یہ دونوں رسالے زیادہ تر علمی مضامین ہی پیش کرتے ہیں ، سالمات یعنی اجزاے لایتجزے کا سبجکٹ ضرور اچھا ہو لیکن ابھی تک جتنا مضمون چھپا ہو ، اس میں صرف حکماے قدیم اور جدید کے اقوال ہی ہیں ، "باقی آئندہ"

میں جرح و تعدیل سے کچھ نتیجہ نکالا جائے، تو مضمون کی خوبی یا نقص پر کوئی رائے قائم ہو سکے، لائق مضمون نگار جو کچھ نتیجہ نکالیں، اُس سے "ادیب" کے اڈیٹر کو خود ایک نتیجہ نکالنا، یہ بہت مشکل مسئلہ ہی، بہرحال اسوقت "ادیب" میں جو کچھ ہی، وہ پنڈت برج نرائن صاحب چکبست بی۔ اے۔ بی۔ ایل۔ کی نظم ہے۔

یہ موازنہ کسی قدر طویل ہوگیا مگر پھر بھی رسالۂ "زمانہ" کے جزوی اوصاف لکھنے سے رہ گئے، خیر، جو کچھ نتیجہ نکل سکا ہی، وہ یہی ہے کہ انصاف کا قلم جنوری سنہ ۱۹۱۱ء کے دونوں رسالوں کو دیکھکر "ادیب" کے مقابلے میں رسالۂ "زمانہ" اور اُسکے لائق اڈیٹر منشی دیا نرائن صاحب نگم۔ کو کامیابی کی ڈگری دے رہا ہے۔

سچ یہ ہی کہ "زمانہ" اپنے اوصاف کے پروبال سے بلند ہو کر ایسے علمی اوج پر پہونچا ہی، جسکی پرچھائیں تک بھی "ادیب" کی نظر نہ پہونچ سکی۔

راقم احمد علی۔ شوق۔ قدوائی

غزل نعتیہ

بحمد اللہ کہ ہے روح القدس یاور سخنور کا — نہین تو یہ زبان اور حوصلہ نعت پیمبر کا

اگر لائے یہان تک نفحہ اس زلف معنبر کا — بڑا احسان ہو مجھ پر نسیم روح پرور کا

نہین ہے خوف مجھکو آفتاب روز محشر کا — بجائے چتر ہوگا سایہ دامان پیمبر کا

ہے جب سے عشق ہمکو چہرۂ پاک پیمبر کا — نظر آتا ہے کچھ بے نور سا رخ مہر انور کا

بڑھا سودا اگر اُس شاہ کی زلف معنبر کا
گریباں اپنے ہاتھوں چاک ہوگا صبح محشر کا

مری ہر بیت ہو تصویر ابروئے صفت کی
مرا جو شعر ہے گویا مرقع ہے پیمبر کا

نبیؐ کی مدح لکھیں گے جو اپنے صفحۂ دل پر
رگ جاں سے ہم اپنے کام لیںگے تارِ مسطر کا

چمک خورشید کی چھپتی نہیں ہے میری نظروں میں
کہ تھا کچھ اور عالم آپ کے روئے منور کا

خدا کے فضل سے نانِ جویں روزانہ کھاتا ہوں
بنایا مفلسی نے متبع مجھکو پیمبر کا

عرب جانا نہیں ہے میری قسمت میں اگر یا رب
ہے تیرے دست قدرت میں بدل دینا مقدر کا

مرے ہیں عشق میں اُس گوہرِ بحرِ رسالت کے
ہمارے غسل میت کو ہو پانی حوض کوثر کا

چلی آتی ہے بھینی بھینی خوشبو کوئے حضرت سے
ہماری قبر کو کیا کام ہے پھولوں کی چادر کا

ثنا خواں سمجھکر مجھکو گلی کوچوں میں طیبہ کے
کہا لوگوں نے طوطی بولتا ہے باغ سرور کا

بجائے شمع ہوگا تربتِ تاریک میں اپنی
جو داغ عشق ہے دل میں نبیؐ کے روئے انور کا

بیانِ عالمِ انوار عارض کی تجلی سے
قلم پابندِ تخیل طور ہے دستِ سخنور کا

کہا رضواں نے مجھکو لاکھ، چلئے خلد میں، لیکن
درِ پاکِ نبیؐ سے ایک جو بھی میں نہیں سرکا

کشش ہوتی ہے، یہ تاثیر ہے عشق پیمبر کی
نہیں جاتا ہوں یہ کچھ پھیر ہے اپنے مقدر کا

اُڑا پھرتا ہے تنکوں کی طرح کوچے میں حضرت کے
تعالی اللہ کیا رتبہ ہے میرے جسم لاغر کا

نسیم صبح آتی ہے چلی حضرت کے کوچے سے
بتا دیتا کوئی جاکر پتا اُسکو مرے گھر کا

تمنا ہے تخلص . نام ہے سراج الدین
فدائی ہوں ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ کا

کورٹز نمبر ۴

(سلسلہ کیلیے دیکھو پرچہ جنوری سنہ ۶ء)

اندلس سے جو طوفان اوٹھا تھا اب مکسیکو کی جھیل پر پہونچ گیا، اس جھیل کے درمیان سے راہ نکلنے کے لیے جا بجا سنگین و عریض پشتے اُنھین لوگون کے بنائے ہوئے دیکھنے مین آئے جس پر سے آٹھ سوار برابر برابر گزر جائین کنارہ کنارہ نفیس نفیس عمارتین ترتے ہوئے کھیت پانی کے درمیان چھوٹے چھوٹے جزیرے اُن پر بستیان ایک پرستان کا عالم طلسمات کی کیفیت سحر کا کارخانہ معلوم ہوتا تھا، ان بستیون کے تباہ ہو جانے سے اب اُن جھیلون پر چشم پر آب کا عالم ہی، آگے بڑھ کر ایک شہر تپالایان جس مین چودہ پندرہ ہزر خوبصورت خوبصورت مکان تھے راہ مین ملا، راجہ کا بھائی اس جاگیر کا مالک تھا اُس نے اہل اندلس کے استقبال کے لیے شہر کے تمام امرا کو بلایا تھا، بہت سا سونا اور نفائس دینے کے علاوہ بڑے تکلف سے اوس نے دعوت بھی کی، کورٹز نے رات کو یہین مقام کیا، یہان سے دو ہی تین کوس کے فاصلہ پر دارالسلطنۃ مکسیکو واقع تھا، اونچی اونچی عمارتون کی سفیدی اور شہر کا سواد یہان سے صاف معلوم ہوتا تھا،

صبح کو نومبر ۱۵۱۹ء کی آٹھوین تاریخ کورٹز نے لشکر مرتب کیا، آگے آگے سوار پیچھے گورون کی قطار ان کے درمیان میگزین سب کے پیچھے طلاسکالا والون کی فوج لے کر روانہ ہوا، تمام راستون مین دو جانب اور جھیل مین ناؤون پر تماشائیون کا ہجوم اور نظارگیون کا ازدحام نظر آتا تھا، یہان جتنے لوگ ملے سب مونٹی زوما کو جہان پناہ اور بادشاہ اور ظل اللہ کہنے والے تھے کوئی شاکی و فریادی نہ تھا، شہر سے کوس ڈیڑھ کوس کے فاصلہ پر ایک سنگین پائدار فصیل ملی جسے قلعہ اوکزاک کہتے تھے، فصیل چار گز بلند اُس کے سرون پر مستحکم برج اور بیچ مین ایک پھاٹک تھا جس مین سے کورٹز کا لشکر گزرا، یہان کئی

سو سردار اور عہدہ دار استقبال کے لیے شہر سے آئے ہوئے کھڑے تھے اُن سے ملاقات کرنے اور سلام لینے مین ایک ساعت ٹھہرنا پڑا۔ اس کے بعد شہر کے قریب پہونچکر ایک چوبی پل پر سے لشکر گزرا یہ پل کھلتا اور بند ہوتا تھا۔

اس مقام پر ان لوگون کو سخت وسواس ہوا کہ اگر پل کو کھول دین تو ہم سب قید ہو جائینگے اور بھاگنے کی راہ بھی نہ پائینگے، اسی خلجان کی حالت مین دیکھا کہ مونٹی زوما کی سواری سامنے سے چلی آرہی ہے، سونے کا ہوادار شامیانہ مرکز کشش دجواہر نگار اردلی مین امرا وعہدہ دار دورسے دکھائی دئے، جب سواری قریب پہونچکر ٹھہرگئی اور راجہ نے اوترنے کا ارادہ کیا تو خادمون نے راہ مین قالینین بچھادین، اور راستے کے دونون طرف قطار باندھے گردن جھکائے سب کے سب کھڑے ہوگئے، اور بعض لوگ سربسجود ہوگئے، کورٹز بھی گھوڑے سے اوترکر اور چند افسرون کو ساتھ لیکر راجہ سے ملنے کے لیے بڑھا، راجہ نے ان لوگون کی ملاقات پر اظہار مسرت کیا، کورٹز نے اُس کے انعامات واحسانات اور بار بار زر وجواہر بھیجنے کا شکریہ ادا کیا، اور ایک خوبصورت ہار رنگین ترشے ہوئے شیشون کا اوس کے گلے مین ڈالدیا گلے ملنے کے لیے یہ بڑھا تھا کہ دو ہندو سردار وہان سے نہ رہا گیا، سوے ادب سمجھکر فوراً اس کو روک لیا، راجہ نے اپنے بھائی کو ان کا مہماندار مقرر کیا اور خود سوار ہوگیا، کہتا گیا کہ فلان مکان مین ان مہمانون کو اوتار دو، یہ مکان مونٹی زوما کے باپ کا گھر تھا، پچاس برس پہلے کی تعمیر تھی، وہان یہ لوگ جب پہنچے تو راجہ کو دیکھا کہ ان کے انتظار مین ہے، کورٹز کو ایک ہار اور چند قسم کے زیور پہنائے اور یہ کہکر رخصت ہوا کہ تم لوگ تھکے ہوے ہو اب استراحت کرو، اُس مکان کے چند درجون مین سارا لشکر اندلسیہ نگا

اور بھیر ٹلا سکالا کی سما گئی، کورٹز نے سب سے پہلے توپون کو ایسے موقع سے لگایا
جیسے کوئی محصور ہو کر اپنی حفاظت کرتا ہی اور سب لشکر کی جگہ ترتیب جنگ کے طور پر
مقرر کی، اس کے بعد دعوت کا کھانا چنا جانے لگا شاہی غلام الوان طعام دست بدست
پہونچانے لگے، مہمانون نے نہایت رغبت سے بہت سیر ہو کر کھانا کھایا، کھانے سے
فارغ ہوے تو راجہ کی آمد آمد کی پھر خبر ہوئی، کورٹز بہت تعظیم سے پیش آیا امرا دبکر
کھڑے ہو گئے، راجہ پہلے ملک اندلس کا اور وہان کے بادشاہ کا بہت کچھ حال پوچھتا رہا
پھر ان لوگون کے یہان آنیکا سبب دریافت کیا۔ مرینا دونون زبانون سے واقف
تھی ترجمہ کرتی جاتی تھی اور اس کی بات اُسے اُس کی اُسے سمجھا دیتی تھی، موٹنی زوما
کے بیان سے معلوم ہوا کہ جس دن یہ لوگ ٹباسکو مین پہونچے، جب سے آجتک کی ساری
خبرین اور ان کی نقل و حرکت کا سارا حال اُس کو معلوم ہے، اس کے بعد خادمون کو حکم
دیا کہ خلعت و جواہرات لائین جتنے لوگ اہل اندلس و ٹلاسکالا وہان موجود تھے سب کو
خلعت اور تمام یورپ والون کو سونے کی زنجیرین اور طرح طرح کے زیور تقسیم کر کے سوار
ہو گیا، اوس کے آگے چھ سات ہزار آدمیون کو خلعت دے دینا کچھ بات ہی نہ تھی، دن
بھر مین چار دفعہ وہ خود پوشاک بدلتا تھا اور ایک دفعہ پہن کر پھر نہین پہنتا تھا
تقسیم کر دیتا تھا، اسی طرح کی نفاست انگلنڈ کی ملکہ الیزبتھ کے مزاج مین بھی تھی لیکن
وہ اپنے کپڑے سینت رکھتی تھی۔

کورٹز نے اپنا رعب بٹھانے کے لیے شام کو توپین سر کین کہ تمام اہل شہر دہل گئے
مکان ہل ہل گئے، کوہ آتش فشان سے وہ لوگ بہت خائف رہا کرتے تھے، رنجک
کی چمک گندک کی بو گرج کی آواز دھوین کے تتق دیکھ کر یہی سمجھے کہ کوہ آتش فشان شہر کے

اندر آ کر بیٹھ گیا، صبح کو کورٹز نے بازدید کی درخواست کی، راجہ نے چند امرا کو بھیج کر اپنے دار الامارت مین بلوا بھیجا، یہ مکان لال مشبک پتھر کا بنا ہوا تھا، جا بجا سنگ مرمر کا بھی کام تھا، اور اسقدر وسیع کہ کورٹز لکھتا ہی کہ مین بار ہا اوس ایوان مین گیا اور پھرتے پھرتے تھک گیا پھر بھی سب کمرے اوس کے نہ دیکھ سکا، طیور خوش رنگ و خوش آہنگ اس کثرت سے پلے ہوے تھے کہ تین سو آدمی ان کی خدمت کے لیے مقرر تھے، مرغان آبی کے لیے میٹھے اور کھاری پانی کے بڑے بڑے تالاب تھے، اور ان تالابون مین مچھلیان تھین، طائران شکاری مثل شاہین و شاہباز وغیرہ کے اس قدر تھے کہ پانسو مرغیان ان کے طعمہ مین روزانہ دی جاتی تھین، سباع دواب کا جانور خانہ الگ تھا، انواع واقسام کے سانپ اور چیت اور سیکڑون زہریلے حشرات الارض الگ پلے ہوئے تھے، یہان تک کہ عجیب الخلقہ انسان بھی کہتے ہی وہان موجود تھے، ایک باغ خاص ادویہ کا تھا کہ ان حشائش وعقاقیر کے خواص وتاثیر سے وہان کے اطبا باخبر تھے یہ دار الامارہ بہت بلند تو نہ تھا لیکن بڑے بڑے دالان وسیع کمرے نفیس نفیس پردے عود سوز اور مجمرون کی خوشبوؤن سے سب بسے ہوے تھے۔

آج کی ملاقات مین اس اندلسی نے زبان کی طاقت سے بہت کام لیا، اور یہ چاہا کہ مونٹی زوما یہ ثابت کردے کہ ذریعہ نجات صلیب کے سوا اور کچھ نہین، اور تثلیث و توحید کا خلط مبحث اچھی طرح اس کے ذہن مین اتار دے، اس نے استدلال و احتجاج کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، اور اس کی عورت مرینا بھی ایک ہی علامہ نکلی ان حقایق ودقائق کے سمجھانے مین بھی ترجمانی کرتی رہی، مگر یہ باتین جب عیسائی لوگ خود ہی نہین سمجھ سکتے اور اس کے معترف بھی ہین کہ نہین سمجھ سکتے پھر بھلا کسی کو کیا سمجھا سکینگے

اس اندلسی نے دعوت مذہب مین تقلید مسلمانون کی تو کی مگر یہ نہ سمجھا کہ کجا توحید و کجا تثلیث، یہ بھی کہتے ہین کہ آقانیم ثلاثہ کا ایک ہوجانا سمجھ مین نہین آسکتا اور یہ بھی دعوے کرتے ہین کہ ہم کو اس پر یقین حاصل ہی، جو بات سمجھ مین نہ آئے اُسپر یقین کیونکر حاصل ہوسکتا ہے، قضیہ جب تک متصور نہو اُس سے اذعان کب متعلق ہوسکتا ہے، جب اُن سے یہ کہو کہ مبدء عالم ایک بھی ہو اور تین بھی ہو یہ ہو نہین سکتا عقل انسانی جو حجۃ خدا ہے یہان ادراک بطلان کرتی ہی، تو وہ یہ استدلال کرتے ہین کہ دیکھو ایک چیونٹی کی ماہیت کے سمجھنے مین بھی بطلان ادراک ہوتا ہے۔ غرض کہ ادراک بطلان و بطلان ادراک مین کچھ فرق نہین کرتے، نہونے کی سمجھ اور سمجھ کا نہونا دونون مین وجود و عدم کا فاصلہ ہی

مونٹی زوما نے جواب دیا کہ مجھے معلوم ہے جہان جہان تم لوگ گئے یہ بحثین بھی کرتین بیشک تمھارا خدا بہت اچھا ہی مگر ہمارے لیے ہمارے معبود بھی سب اچھے ہین، پھر مذہبی بحث کو کاٹ کر کہنے لگا، کہ سنو مین جو تمھین اپنے یہان بلانے مین پس و پیش کرتا تھا، اُس کا سبب یہ تھا کہ مین نے سنا تھا کہ لوگون پر تم بجلی گرا دیتے ہو، اور دیونا دجو تمھاری سواری مین ہین وہ انسانون کو کچل ڈالتے ہین، مگر اب مجھے معلوم ہوگیا کہ یہ خبرین غلط تھین، مین نے تم کو نہایت ملنسار اور خوش اخلاق پایا، اور تم نے بھی یہ خبر غلط سنی تھی کہ مین سونے کے مکان مین رہا کرتا ہون، دیکھ لو میرا گھر تو پتھر کا بنا ہوا ہی، البتہ سونا چاندی اور ملک وسیع میرے قبضہ مین ہی، لیکن اب ان سب چیزون کا اصلی مالک تمھارا ہی بادشاہ ہی جو سمندر کے اُس پار رہتا ہی تم سب لوگ اُس بادشاہ جلیل القدر کے سفیر ہو۔ اس ملک و مال مین سے حصہ لینے کا حق تم کو حاصل ہی، ابھی تھکے ہوے ہو استراحت کرو، یہ گھر تمھارا گھر ہے، اسباب راحت سب مہیا رہینگے، اور جس طرح

میرا حکم چلتا ہے اسی طرح سے تمھارا حکم بھی چلیگا۔ کہنے تو یہ کہا لیکن مونٹی زوما کے آنسو ٹپک پڑے۔ برخاست کرنے کے پہلے حسب معمول تمام اہل اندلس کو پھر زر وجواہر تقسیم کیا۔ کم سے کم ایک ایک شخص کے گلے مین موٹے موٹے طوق سونے کے ڈال دیے کہ بار احسان سے گردنین سب جھک گئین۔

اب کورٹز کو یہ فکر ہوئی کہ یہان کے لوگون کا حال لشکر کی طاقت انتظام کی کیفیت خزانہ کا مقام راہون کا ہیر پھیر مفصل معلوم ہونا چاہیے۔ ورنہ بغیر اسکے کوئی کام کر بیٹھنا ہرگز مناسب نہین۔ یہ سوچ کر پہلے اس نے شہر مین پھرنے کی اجازت راجہ سے مانگی اور بآسانی حاصل ہوگئی۔ شہر کی فصیل پانچ کوس کی مسافت تھی جس مین ساٹھ ہزار گھر تین لاکھ کی آبادی تھی۔ اکثر عمارتین نہایت عالیشان۔ راہین وسیع اور آب پاشی اور صفائی کا خاطر خواہ انتظام تھا۔ جھیل کی متعدد شاخین آبادی کے اندر آئی ہوئی تھین۔ ان مین سیکڑون ناوین غلہ اور ترکاری اور میوہ سے لدی ہوئی دور دور سے آیا کرتی تھین۔ اور بازارون مین اتارلی جاتی تھین ہر ہر بازار مین تحصیل کی کچہری بھی ایک ایک نہایت خوبصورت بنی ہوئی تھی ان آبنایون پر آدمیون کے اور کشتیون کے عبور و مرور کے لیے جابجا ایسے پل بندھے ہوئے تھے جو کھل بھی جاتے تھے اور بند ہ بھی جاتے تھے بازار وغیرہ ناوون کا پھرنا گلی کوچون مین سے ناوون کا گزرنا شہر وینس کی کیفیت دکھاتا تھا۔ جھیل کا پانی کھاری تھا اس سبب سے ایک پہاڑ پر سے دو کوس کے فاصلہ سے میٹھا پانی مٹی کے نلون مین لائے تھے۔ مٹی کے نل اتنے اتنے بڑے کہ ایک آدمی کے ڈیل کے برابر ایک ایک نل تھا پلون کے مقام پر نل کھلے ہوئے تھے کہ کشتیون مین میٹھا پانی بھر سکین۔ شہر کا بڑا بازار دیکھنے یہ سب لوگ پہونچے اور وہ ۱

بازار کا دن بھی تھا، شہروں شہروں کے تاجر و اہل حرفہ انواع و اقسام کا مال و متاع وثیاب و اقمشہ لیے ہوے موجود تھے، سب تجار و دوکاندار بااین ہزار رستے کسی طرح کم نہ تھے رانگے کے پیسے اس بازار مین رائج تھے، اور اشرفیون کے بدلے سونے کے ٹکڑون کا چلن تھا، تمام بازار مسقف تھا صد استون ہی ستون نظر آ رہے تھے، اِدھر بزاز و الگ جوہری بازار الگ، سنار زیور گڑھ رہے ہین، بڑھئی کرسیان جڑ رہے ہین اودھر کی سمت مین عطار و بیطار، اس جانب مصور و حجار ہین، کسی طرف گوشت بک رہا ہے کسی طرف کھالین فروخت ہو رہی ہین، سونے چاندی کے عجیب و غریب کھلونے بنے ہوے کوٹتے ہوے، خرگوش کے بالون سے اور طیور کے پرون سے بنے ہوے نفیس نفیس تھان دیکھ کر ان یورپ والون کو یورپ کے ریشمی طاقے یاد آ گئے، تمام زن و مرد کے پرتکلف لباس اور خوش نما وضع کو دیکھ کر اور بھی حیرت ہوئی کہ جس قوم مین ایسے اسباب تمدن موجود ہین ان کو کون وحشی کہہ سکتا ہے، اور انصاف یہ ہے کہ اس سلیقہ کا بازار یہ صفائی کا انتظام حفظ صحت مین یہ اہتمام اس طرح سے تھانے ایسی پھریان زندہ حیوانون کو اس طرح جمع کرنا ہر قسم کی جڑی بوٹی کا باغ لگانا یہ سب باتین یورپ والون نے انھین اجل رسیدہ وحشیون سے سیکھین، ورنہ اب سے چار سو برس پیشتر یورپ مین یہ روشنی کہان تھی۔ ہان آلات حرب جو ان لوگون کے پاس نہ تھے اس سبب سے بکریون کی طرح ذبح ہو گئے، بازار دیکھ چکے تو بڑے تھانہ درشن کرنے کو سب کے سب روانہ ہوے، یہ نہایت بلند عمارت تھی، پچولا کے بلند و عالیشان و شوکت مین یہ بھی کم نہ تھی، یہ سب لوگ اس کی بلندی پر چڑھتے ہوے چلے گئے، بنظر عاقبت اندیشی راجہ وہان پہلے سے موجود تھا کہ ایسا نہ ہو یہ لوگ

کچھ بے ادبی کر بیٹھیں، اس بلندی پر سے تمام شہر کا نقشہ عمارتون کا دور تک سلسلہ
سڑکون کا اور نہرون کا تقاطع جھیل مین ناؤون کا ہجوم سب صاف معلوم ہوتا تھا۔
سانپ اپنی کنڈلی سے منڈھا ہوا ایک نقارہ اس بتکدہ مین رکھا ہوا تھا نہ ہنگام مصیبت
ہم اُسے بجاتے تھے، بت اُن کے نہایت مہیب شکل کے تھے مگر زر و جواہر مین سب
لدے ہوئے، انسانون کے تین دل ایک بت کے سامنے پڑے ہوئے پھڑک رہے
تھے، معلوم ہوتا تھا کہ اسی وقت تین آدمیون کو بھینٹ دیا ہے، اس معبد کے سامنے
ایک بڑا انبار کھوپریون کا تھا یہ سب وہ اجل رسیدہ تھے جن کی قربانی اس معبد
مین ہوئی ہو، دو اندلسی سپاہیون نے وہ سب کھوپریان گنین، کہتے ہین ایک لاکھ
چھتیس ہزار تھین، ایسے مذہب کا تلوار کے سوا کچھ علاج نہین ہوسکتا،

دنیا مین جہان جہان بت پرستی تھی عرب یا ہندوستان فنشیا یا یونان سب جگہ انسانی
قربانی ضرور تھی، بیٹیون کو زندہ گاڑنا عورتون کو زندہ جلانا بچون کو بھینٹ دیدینا
اور اسی طرح کے صدہا وبال اس فرقہ کے نامہ اعمال مین ہمیشہ سے چلے آتے ہین اور ہمین شک
نہین کہ جو لوگ ان جرائم کے مرتکب ہون وہ تمام عالم کے نزدیک واجب القتل ہو چکے
لیکن جو لوگ خود بت پرست ہین وہ کیا سمجھ کر اون کو ہدایت کرنے چلے کورٹز راجہ سے
مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ تمھارے معبود سب کے سب شیطان ہین، اگر تم اجازت دو تو ا
ان کی جگہ پر مریم و مسیح کی مورتون کو ہم نصب کرین، راجہ یہ سن کر آزردہ ہوا اور یہ
جواب دیا کہ اگر مین جانتا کہ تم ایسی گستاخی کروگے تو اس معبد مین آنے کی اجازت ہی تم
کو نہ دیتا، راجہ کے آزردہ ہو جانے سے کورٹز کچھ شرمندہ ہو کر رخصت ہوا، اور جس
مکان مین اوترا ہوا تھا اُسمین ایک بڑا دالان گرجا بنانے کے لیے تجویز کیا، راجہ نے

اجازت بھی دیدی یہ بات مشہور تھی کہ اوس مکان مین بہت بڑا خزانہ ہے اگر جابنانی کے لیے جو اسے جھاڑنا صاف کرنا شروع کیا تو ایک جگہہ سے کچھ استرکاری جھڑگئی اسکے نیچے چھپا ہوا ایک دروازہ نکلا، کورٹز کو خبر ہوئی، اُس نے چپکے چپکے ساری استرکاری تڑوا ڈالی، دروازہ کو کھول کر دیکھا تو سونے چاندی کا انبار اور جواہر کی کھڑکا ڈھیر لگا ہوا ہے بے انتہا دولت اور لاتعدولا تحصلے زر وزیور اُس خزانہ مین بھرا ہوا ہی قارون کا خزانہ جو ایشیا مین دہنس گیا تھا سیدھا امریکہ مین آکر نکلا، کورٹز نے اُسیوقت پھر دروازہ بند کرکے چُنوا دیا اس سے مونٹی زوما کے سیرچشم وصاف باطن ہونے کا پتہ لگتا ہے، کہ اُس مکان مین ان حریفون کو اُتارا، اُس کو یہ گمان بد ان لوگون کی طرف سے نہین گزرا کہ خزانہ دبا بیٹھین گے۔ غرض تین دن مین گرجا تیار ہوگیا، مریم ومسیح کی تصویر وصلیب شہ نشین پر نصب کرکے عیسائیون نے بڑی دہوم سے اپنے رسوم مذہبی کو ادا کیا، (باقی آیندہ) راقم

علی حیدر طباطبائی

رباعیاتِ رشید

ہر چند بہت ملول ودلگیر ہوں میں — کیا فائدہ کیوں بیاں کروں پیر ہوں میں
دیکھو مجھے پوچھنے سے کیا حاصل — پیری وہ ہے کہ جس کی تصویر ہوں میں

ولہٗ

شاہی کی گئی فصل فقیری آئی — نوبت بہ عصا ودستگیری آئی
رخصت کا کیا ہمسے جوانی نے سوال — طاقت نے دیا جواب پیری آئی

غزل

بتکدہ میں کیا کہیں کیا سیر کی
بچ گئے زندہ خدا اسنے خیر کی

قابل عبرت ہی یہ اے بیوفا
میرے غم میں نوحہ خوانی غیر کی

جب نہیں دیکھا مرا ویران گھر
تونے اے سیاح پھر کیا سیر کی

جستجو اُتنی تری بڑھتی گئی
جسقدر دُنیا کی ہمنے سیر کی

راتدن پھرتی ہیں آنکھوں میں عزیز
صورتیں وہ ساکنانِ دَیر کی

مرزا محمد ہادی عزیز

غزل

کدورتِ دلِ معشوق کا عذار ہو نہیں
ہوا اُڑا نہ سکے جسکو وہ غبار ہو نہیں

ہجومِ داغِ محبت سے لالہ زار ہو نہیں
خزاں کا خوف نہیں جسکو وہ بہار ہو نہیں

یہ اُن سے پوچھ کے چلتا ہی مجھپہ تیر مژہ
دو سار قلب میں ہوں یا جگر کے پار ہو نہیں

ابھی میں بیٹھا ہوں گرد ملال کی صورت
اُٹھوں تو خاطرِ رنجور کا غبار ہو نہیں

دکھاؤں کیا دمِ پیری اُمنگ ای ساقی
کسی کی چشم کا اُترا ہوا خمار ہو نہیں

مجھے یہ دیتا ہے تسکین وصل کا ارماں
کہ اُن کی آنکھوں میں اب نیند کا خمار ہو نہیں

طفیلِ آلِ محمد نجات ہوگی نجیب
سیاہکار اگر اور گناہگار ہو نہیں

ابو الخیر محمد نجیب اللہ لکھنوی

حرمتِ نسوان

(مشرق و مغرب کے خیالات، ایشیا کی پرانی تہذیب کا خاکہ، اسلامی تمدن کے برکات نسوان

ہند کی حالت، جدید تہذیب کا خیر مقدم، ایک دلچسپ مکالمہ)

مکان کی بالائی منزل کا ایک خوبصورت کمرہ انگریزی وضع کے قیمتی فرنیچر سے مشرقی انداز پہ سجا ہوا ہی شرقی و غربی، دیوارون مین خوشنما پردون سے آراستہ دروازے دوسرے کمرون مین شامل ہین اور اس کمرے کی شمالی دیوار مین چھوٹی دو کھڑکیان ہین انہین آہنی سلاخین لگی ہوئی ہین یہ کھڑکیان روشنی اور ہوا کے گذرگاہ کا کام دیتی ہین اور اسوقت مختلف عمارتون اور درختون پر دوپہر کی دہوپ چھاؤن کا بیرونی منظر ان کھڑکیون سے صاف نظر آرہا ہی، جانب مقابل یعنی کمرے کی جنوبی دیوار سے ملی ہوئی مخملی کوچ پر ایک بیگم صاحبہ تکیہ لگائے لیٹی ہین بظاہر انکی عمر تو بہت زیادہ نہین معلوم ہوتی دبلا پتلا جسم اور رنگت صاف ہی مگر چہرے پر نقاہت اور کسیقدر زردی نمایان ہے، اسی کوچ کے قریب ایک ہلکی سی آرام کرسی پر انکی دوست لیڈی ڈاکٹر فرو کش ہین جنکو اس کمرے مین آئے ہوے غالبًا ابھی چند منٹ سے زیادہ نہین گذرے ہین ایسلیے کہ ان دونون مہذب خواتین مین حسب ذیل گفتگو ہو رہی ہے۔

بیگم۔ آپ کی عنایت سے مزاج تو اچھا ہی مگر مین نے آپکو یونہی تکلیف دی تھی کہ اسوقت آپکی باتون سے ذرا خفقان بہل جائے گا اور تھوڑی دیر دقت دلچسپی سے گذر یگا کیا یہان آنے سے اسوقت آپکا کوئی ہرج تو نہین ہوا؟

لیڈی۔ جی نہین میرا کوئی ہرج نہ تھا اور مین تو آپ کے ہمسایہ مین رہتی ہون جسوقت جی چاہے بلا بھیجا کیجیے بلکہ اکثر مین خود ہی بے تکلفانہ چلی آتی ہون یہ آپکی نوازش کا سبب ہے

اور آپکی زبانی اسوقت یہ سنکے مجھے مسرت ہوئی کہ ماشاء اللہ مزاج بحال ہے لیکن بیگم صاحب
مین نے آپ سے اکثر اصرار کیا ہے کہ آپکی صحت کے لیے تازہ ہوا کھانا نہایت ضروری ہے،
مین چاہتا ہون کہ روزانہ ہوا خوری کے علاوہ اب کی سال آپ کوہ نیلگری یا کسی اور پہاڑ کی سیر کا
ضرور انتظام فرمایئے گا، میرے خیال مین نیلگری کے پہاڑون کی آب وہوا نہایت ہی فرحت
انگیز اور مفید صحت ہے خصوصًا، گرمیون کے موسم مین وہان کے مناظر عجیب دلکش اور
پر فضا ہوتے ہین۔

بیگم۔ مین آپکی عنایت کی بہت مشکور ہون اور آپ کے مشورے کے موافق سال گذشتہ
پہاڑ کی سیر کا ارادہ کر چکی تھی مگر طبیعت کی کسل مندی نے معذور رکھا اور سچ تو یہ ہے
کہ میم صاحب باغ دنیا کے سیر تماشے آپ ہی کو مبارک رہین آپ جانتی ہین کہ ہم لوگ تو باغ
جنت کی ہوائین کھانے کے زیادہ مشتاق رہتے ہین۔

لیڈی۔ یہ آپ نے کیا کہا؟ باغ جنت تو سنا ہے کہ نیک لوگون کا گھر ہے اور ہم لوگ
جو بنی نوع انسان کے ساتھ نیکی وبھلائی کی اس قدر کوشش کرتے ہین کہ آپکے خیال مین
نجات کے مستحق نہین ہو سکتے۔

بیگم۔ جی نہین میرا یہ مطلب نہ تھا مین نے، ایک بات دل لگی کے طور پر کہے تھے ورنہ
مین خود جانتی ہون کہ فقط قبلہ رخ کھڑے ہو جانا یا خالی نماز کی دو ٹکرین لگا لینا نیکی نہین ہے،
بلکہ نیک کام کرنے والا مسلمان ہو یا عیسائی اُسکو نیکی کا پھل ضرور ملے گا، خصوصًا عیسائی
تو اہل کتاب ہین اور اُنکے ساتھ دوستی واتحاد پیدا کرنے کی ہماری مذہبی تعلیمات مین سطر
تاکید کی گئی ہے کہ "اُنمین رہبان اور قسیسین ہین جو بڑے نیک لوگ ہوتے ہین" آپ یہ ہرگز
نہ خیال کیجیے گا کہ جنت کا ذکر مین نے کسی تعصب یا نفرت کی نظر سے کیا ہے محض ایک دل لگی کی

بات تھی۔

لیڈی آپ نے مسلمانون اور عیسائیون کے ساتھ دوستی واتحاد کی تاکید کا جن الفاظ مین ذکر فرمایا ہے یہ مین نے کبھی پہلے نہین سنے تھے اور مین جانتی ہون کہ آپ ان عورتون مین نہین ہین جو بالکل اَن پڑھ اور جاہل ہوتی ہین۔ لیکن معاف کیجیے گا مین یہ سمجھی تھی کہ شاید آپ نے تاریخی کتابون مین صلیبی لڑائیون کے حالات کثرت سے دیکھے ہون گے اس لیے ہم لوگون کی طرف سے آپکا دل صاف نہین رہا۔

بیگم اگر آپ کو اسوقت میری کسی بات سے ملال ہوا تو مجھے افسوس ہے لیکن جیسا مین کہہ چکی ہون تعصب وباہمی منافرت کو مین خود پسند نہین کرتی۔ صلیبی لڑائیون کے حالات جسقدر میری نظر سے گذرے ہین مین تو سمجھتی ہون کہ مذہب کی حمایت کے علاوہ اُنکا زیادہ حصہ ملکی مصالح پر مبنی تھا اور اس زمانہ کی عام وحشت وجہالت کا اندازہ کرتی ہوں کسی فریق کی شکایت فضول ہے لیکن اسی زمانے کا یہ مشہور واقعہ شاید آپنے سنا ہوگا کہ ایک عیسائی شہزادی جو لشکر اسلام مین گرفتار ہوکے آئی جب وہ اپنے باپ کے پاس عزت وآبرو کے ساتھ واپس بھیجدی گئی ہے تو مورخ مخالف مین اس شریفانہ طرز عمل کی تعریفون کا غلغلہ پڑگیا۔ مگر ممکن ہے کہ انگریزی کتابون مین مسلمانون کے ساتھ نفرت دلانے والی قصہ کہانیان مشہور ہون جو میری رائے مین قابل اعتبار نہین ہین

لیڈی بیشک اس قسم کے بعض واقعات مین نے بھی سنے ہین مگر آپ خفا نہون تو مین کہون گی کہ مسلمانون کی عظیم الشان ملک گیری کیا اسبات کا ثبوت نہین ہے کہ اس قوم کو قتل وغارت کا شوق بہت تھا۔ خصوصًا صنف نازک کے حقوق جسقدر آپ کے یہان پامال کیے گئے ہین اس کا اقرار تک باقی ہے مثلاً رسم پردہ کی ایجاد۔ کیا آپ اسکو داخل تہذیب سمجھتی ہین۔

بیگم۔ دوستانہ باتون مین خفگی کا اندیشہ نہ کیجیے تبادلہ خیالات سے بہت سی غلط فہمیان

دور ہو جاتی ہین، مسلمانون پر قتل وخونریزی وغیرہ کے الزامات کچھ نئے نہین ہین اور اسمین
صرف مسلمانون کی کیا خصوصیت ہی غور کیجیے تو معلوم ہوسکتا ہے کہ دنیا کی کسی قوم کی تاریخ
جنگ وپیکار کے واقعات سے خالی نہین ہی بابل ونینوا کے آثار ظلم وستم کے مدفن ہین سکندر
سیزر، قسطنطین اور نپولین تک جسقدر بڑے بڑے نامور گذرے ہین اورجن کے نامون کیساتھ
اعظم کا لقب دیا جاتا ہی ان سبکی لشکرکشی کے حالات سے اوراق تاریخ رنگین ہین، فارس کی
داستان پاستان رزمیہ فسانون سے بھری ہوئی ہے اور خود ہندوستان جسکو ٹھوماتا کے پوجاریون
نے بھارت ورش، اپنے دارالحرب بنا رکھا ہی یہان کے اصلی باشندون کے ساتھ قدیم حملہ
آورون نے جیسی سفاکی وبیرحمی کے سلوک کیے ہین اوسکی زندہ تاریخ آجتک جنوبی ہند کے
پہاڑون اور جنگلون مین کچھ کچھ موجود ہی، اصل یہ ہی کہ جس زمانے مین ترقی وتہذیب کا دارومدار
جسمانی طاقت اور زور آزمائی پر تھا اُسوقت صنف نازک کے حقوق خواہ مخواہ تلف ہوجانا
ممکن تھا مگر مسلمانون نے جہان علم وعمل کی نورانی شعاعون سے تمام عالم کو منور کردیا، عدل
وانصاف، صداقت وصلح جوئی کا علم سفید بلند کیا، آزادی ومساوات حقوق کی بنیادین قایم
کین ویسے ہی عورتون کو بھی وہ درجہ عطا کیا جو اُن سے پیشتر کسی قوم نے نہین دیا تھا، ایسی
حالت مین قوم اسلام پر یہ الزام کہ وہ عورتون کی ذلت وتحقیر کا باعث ہی، کسقدر غلط اور
انصاف سے دور ہے، پردے کی رسم کو شاید آپ مسلمانون کی ایجاد سمجھتے ہین مگر یہ صحیح نہین
ہی بلکہ شام وایران کی نقل ہی یون سے پیشتر مسلمانون کی عورتین رزم بزم مین اپنے مردون
کے ساتھ برابر شریک حال رہی ہین اور اکثر لڑائیون مین اپنی قوم کو فصیح وبلیغ اور پرزور
لکچرون سے جرأت وہمت دلاتی رہی ہین اسیطرح کی چند فصیح اور بلیغ اور پرجوش عربی عورتون کے
حالات مین نے ایک رسالے مین دیکھے ہین کہ وہ ایک معرکہ مین حضرت امیر معاویہ کی مخالف

بلکہ تیغ زبان کے جوہر دکھا رہی تھیں، مگر جب حضرت معاویہ نے دمشق میں شاندار حکومت اسلامیہ کی بنا ڈالی تو اپنے حضور میں انہیں سے بعض عورتوں کو طلب کیا انکی فصاحت وجوش صداقت کی تعریفیں کیں اور بھرے دربار میں انکو آزادانہ تقریریں کرنیکا موقع دیا اور پھر عزت و احترام کے ساتھ ان سب عورتوں کو درجہ بدرجہ معقول صلے و انعامات دیکے رخصت کیا اسلیئے کہ انکا قول تھا کہ وہ عورتیں شریفوں پر غالب ہو جاتی ہیں اور کمینوں سے مغلوب رہتی ہیں۔"

اسطرح کے واقعات جو اسلامی شعاروں سے متعلق ہیں آپ چاہیں تو اسلامی تاریخ میں بکثرت مل سکتے ہیں۔

لیڈی۔ آپ یہ سچ کہتی ہیں کہ ہر قوم کی تاریخ میں جنگ وجدل کے واقعات نظر آتے ہیں، بلکہ یورپ میں بعض قومیں مثل ونڈال اور گاتھ وغیرہ ایسی جنگجو اور خونخوار گذری جنکی وحشیانہ طرز عمل کے مقابل میں مسلمانوں کے یادگار تمدن کو برا بھلا کہنا گویا چاند پر خاک ڈالنا ہے مگر مسلمانوں میں عیش پسندی کا مرض ایسا عام ہے جس کی وجہ سے عورتوں کی حالت بہایم سے بدتر بنادی گئی اور وہ تمام علمی وعقلی آزادی سے محروم کردی گئیں ہیں، اسلامی تہذیب پر اہل یورپ کو نکتہ چینی کرنے کا حق حاصل ہے۔

بیگم۔ ایک انگریزی مصنف کا یہ مقولہ بالکل سچ ہے کہ "ہر قوم کی تہذیب کا اندازہ اسکی فرقہ نسوان کی حالت سے ہو سکتا ہے" اور یورپ کا موجودہ تمدن نسوانی توقیر کے لحاظ سے جسقدر ناز کرے بجا ہے مگر آپ نے اسپین میں مسلمانوں کی ترقیات کے حالات ضرور دیکھے ہوں گے کہ جس زمانے میں یورپ عام وحشت اور تاریکی میں مبتلا تھا اسوقت قرطبہ اور غرناطہ کے متعدد مدرسے اور شفاخانے عالمہ وفاضلہ عورتوں کے زیر اہتمام مشہور عالم ہو رہے تھے،

اشاعت تعلیم، توقیر کے اصلی اسباب عزت و عورتوں کی بھی ہوسکتا ہے کہ معلوم تو کرسنت
شایستگی ہمدردی انسانی اور حریت کے اوصاف ہین اس لحاظ سے جب آپ دیکھتی ہین
کہ اکثر مسلمان مستورات تعلیم و تہذیب ہمدردی و نیک نفسی مین نادرہ روزگار گذری
ہین تو کیا وجہ ہے کہ مسلمانون کا وحشی اور غیر مہذب قومون مین شمار کیا جاے، مسلمانون
کے آنے سے پیشتر اسپین کے گاتھک فرمانروائون کے ظلم وستم کیا زمانے سے مخفی رہے ہین در حقیقت
وہ مسلمان ہی تھے جن کی بدولت آج یورپ کو تہذیب و شایستگی مین بلند نامی کا افتخار
حاصل ہوا ہے۔

لیڈی۔ بیشک مین تسلیم کرتی ہون کہ یورپ نے بہت سے اوصاف مسلمانون سے
میل جول حاصل ہونے سے سیکھے ہین مگر مجھے سخت تعجب ہو کہ مسلمانون کی شریف اور شایستہ
قوم مین کثیر الازدواجی اور غلامی کی مذموم عادتین کیونکر پسندیدہ سمجھی گئین بلکہ جہان تک مجھے
معلوم ہے انسداد غلامی کی یورپ نے جیسی زبردست کوششین کین ہین ان سب کے باوجود شاید
بعض اسلامی سلطنتون مین ابتک عورتون اور بچون کو زبردستی غلام بنا لینے کی ظالمانہ کاروائیان
جاری ہین اور ارمن و گرجستان انسانی خرید و فروخت کی عمدہ بازارین سمجھی جاتی ہین اسکے متعلق آپکے
خیالات کیا ہین؟

بیگم۔ آپ نے ایسے اہم مسائل چھیڑے ہین جنپر کسی اور وقت پر تفصیل سے بحث ہوسکتی
ہے مگر مسلمانون کے زیر اثر ممالک مین ایسے حالات کے وجود ثابت کرنے مین زیادہ تر تعصبات
کو بھی دخل ہے اور امراے اسلام کے غلامون کی حالت کا اندازہ آپ یونان اور روما کے
غلامون کی دردناک حالات سے نکیجیے بلکہ ارمن و گرجستان کے سبزہ زارون اور چراگاہون کے
غریب مگر وحشی اور جاہل دہقانون کی حسین اور تربیت پذیر لڑکیان جو محل سلطانی مین زبردستی

نہین بلکہ برضا و رغبت داخل ہوتی تھین اور ایوان خلافت مین آنے کے بعد عمدہ تعلیم و تربیت کے بدولت موسیقی اور فنون لطیفہ وغیرہ مین کمال حاصل کرتی تھین، یہ عزت ایسی تھی کہ اُن کنوارو ہتا زن کے کبھی پیشتر خواب وخیال مین بھی نہین آئی تھی، اسکے علاوہ اُنکی اولاد کے حقوقین بھی کوئی کمی نہین کی گئی، شجرۃ الدر را ور سلطانہ رضیہ کے نام آپنے سنے ہونگے جو غلامی سے شاہی کے درجہ تک پہونچگئین، اسیطرح ہندوستان مین بھی مسلمانون نے دیسی رانیونکی جیسی عزت افزائیان فرمائی ہین وہ خود اس ملک کے نکتۂ خیال کی بہ نسبت بہت بلند ہین آئین منوجی کی روسے مخلوط النسل ان کو شودر کے طبقے سے زیادہ کبھی ترقی نہین مل سکتی مگر مسلمانون کے عہد مین خسرو بن جہانگیر اور شاہزادہ کام بخش وغیرہ وارث تخت وتاج سمجھے گئے، اور معاف کیجیے گا ایسی فیاضی کا برتاؤ تو ابھی تک آپ لوگون مین بھی نہین پایا جاتا کیا ویسی عیسائی عورتین خاص ولایت زالیڈیز کی سوسائٹی مین شامل ہو سکتی ہین؟

لیڈی۔ اکثر انگریزی سفرنامون مین مین نے مشرقی حرمسرا کے دلچسپ حالات دیکھے ہین اور اسمین شک نہین کہ ان مستورات کے عیش وآرام کی زندگی ایک حد تک قابل رشک ضرور ہے مگر مین آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتی ہون کہ لارڈ کرزن بہادر نے اپنے حالات سفر مین لکھا ہے کہ بعض ممالک اسلامیہ کے حدود مین کچھ عورتین عارضی طور پر نکاح کر لینے کا پیشہ کرتی ہین جو بالکل جائز سمجھا گیا ہے، کیا آپ کی راے مین ایسے امور خلاف تہذیب نہین ہین؟

بیگم۔ یہ ایک حکایت نفس الامری ہے مگر عوام کے حرکات ناشائستہ سے کسی قوم کی تہذیب یا طبعی میلانات کا اندازہ کرنا صحیح نہین ہے، اسکو یون سمجھیے جیسے بنگالہ و دکن وغیرہ مین جو اُن لڑکیونکو دیوتاون کی نذر کر دینے کا شرمناک دستور جاری ہے مگر ان باتون سے ہندوستان کی مسلمہ تہذیب پر حرف نہین آسکتا۔

سلہ خیابان فارس مترجمہ ظفر علیخان

ٹن ٹن ٹن۔ کمرے کے کلاک نے دن کے تین بجائے اور بیگم کے اشارے سے مدراسی قوم کی حبشت دچالاک آیا نے نی الفور چائے کی کشتی ایک گول سنگ مرمر کی تپائی پر لا کے رکھی، دونون لیڈیون مین چائے نوشی سے فراغت کے بعد پھر سلسلہ کلام یون شروع ہوگیا۔

لیڈی۔ اسوقت آپکی تقریر کو مین نے نہایت دلچسپی سے سنا بلکہ میرے خیالات مین ایک عظیم تغیر پیدا ہوگیا ہے اور مین افسوس کے ساتھ دیکھتی ہون کہ مسلمانون کی نمایان ترقی دریا کی ایک سیلاب تھی کہ آئی اور نکل گئی خشک زمینین سیراب ہوگئین، کھیتیان لہلہانے لگین، ویرانے آباد اور جنگل گلزار بن گئے، علوم کی شاخون مین آلجبرا اور الکیمیا کے نئے نئے ثمر پیدا کیے، مکانکس مین کارآمد ایجادین کین، علم ہیئت کو زیادہ روشن بنا دیا، ساری دنیا کا جغرافیہ تیار کیا، ادب و تاریخ کو معنی خیز بنایا، فنون لطیفہ مین سادگی وضع کی نئی دنیا کی تلاش جاری کی، حکمت یونان پر اعتراض کیے، اصول قانون کے موجد ہوے، جمہوریت کے طرفدار رہے، عورتون کو علم و فن کا شوق دلایا اور انمین صفات انسانی پیدا کیے، مگر مسلمانون کی دوسری آبادیون سے بحث نہین صرف اسی ملک کی حالت موجودہ کو دیکھیے۔ مجھے تو یقین ہوتا ہے کہ یہ ہندوستان ہی کی آب وہوا کا نتیجہ ہے کہ یہان کے مسلمان بھی اپنی شریف اور نیک صفات بیویون کو جہالت و غلامی کی زنجیرون مین جکڑ بند کر دینے پر فخر کرتے ہین، اگر اپنے اسلاف کیطرح اس قوم نے علوم و فنون کے شوق کو عام کر دیا ہوتا تو شاید بعد کی نسلین خراب تربیت و تعلیم کے مہلک اثر سے محفوظ رہکے آج دنیا کی شایستہ قومون کے برابر نظر آتین۔

بیگم۔ اسمین شک نہین کہ ہم لوگون نے اپنے اس دیرینہ اصول کا خیال چھوڑ دیا کہ "علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر یکسان فرض ہے" اور ممکن ہے کہ آپکے بیان مین کسیقدر دردانگیز سچائی ہو جیسے ہمارے قومی شاعر خواجہ حالی فرماتے ہین ؎

ئے پے سپر جسنے ساتوان سمندر		وہ ڈوبا دہانے مین گنگا کے آکر

لیکن میرا تو عقیدہ یہ ہے کہ یہ سب مشیت کے کرشمے ہین، شاید اسکو آپ نہ مانین گی اسلیے مین کہہ سکتی ہون کہ ہر وقت اور ہر زمانے کا ایک اقتضا ہوا کرتا ہے اور جو خیالات ایک وقت مین مفید و مناسب سمجھے جاتے ہین، واقعات کے بدل جانے سے انھین خیالات مین کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہو جاتا ہے مسلمانون نے ہندوستان مین آکر بہت سی برانی رسوم و عادات مین اصلاح کی کوششین جاری رکھین، جبراً ستی بنانے کے رسم کو توڑا، عقد بیوگان کی اجازت دی، ذاتیات کی تفرقیون کو مٹانا چاہا، بھانکی نیم وحشی خلقت کو طریقہ خورد ونوش اور آداب معاشرت سکھائے، تجارت اور صنعت کو ایسا فروغ دیا کہ دور اسلامی کی یادگارون مین ایک عمارت "روضۂ تاج محل" ہے جو ہفت عجائبات عالم مین شمار ہوتی ہے، مگر باوجود ان تمام ترقیات کے مسلمانون کو بھی مجبوراً ملکی خصوصیات کے لحاظ سے یہان کے اکثر مضر رسم و رواج مین مبتلا ہونا پڑا لہذا دنیا کی وہ کون قوم ہے جو تہذیب و تمدن کی منزلین طے کرنے مین غلط راستے اختیار کرلینے سے محفوظ رہی ہو اسی وجہ سے خود ہندو نیز بھی غفلت و وحشت کے ہم الزام نہین دیسکتے آخر اسی ملک کے بڑے بڑے رشی اور برہمنون نے اسطرح کے آئین و قوانین جاری کیے تھے جو مدتون ہندوستان کی کسقدر دولتمندی و خوشحالی کا باعث ہوتے رہے ہین گو وسایل آمدنی اُس زمانے مین آجکل کے ایسے نہ تھے اخلاقی پاکیزگی کا خیال اُن لوگون مین بیحد تھا اور شاید ایسی ہی تعلیمات کا اثر ہی کہ ہندوستانی عورتین اپنی قدر و منزلت کے لحاظ سے دور دور مشہور ہین۔

لیڈی، دور دور مشہور ہوجانا اور بات ہی مگر مثل ہی کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈہاے اہل ملک مین رہنے سہنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہان کی عورتون سے زیادہ خراب وخستہ

حالت وحشی سے وحشی اقوام مین بھی مشکل سے نظر آئے گی.

غنیمت ہی کہ مسلمانون اور انگریزون کے طفیل مین ستی کی ظالمانہ رسم کا بظاہر انسداد ہو گیا ہے، مگر درحقیقت ہندو بیواؤن کے سر منڈوا دینے کی نامعقول رسم کے علاوہ[1] بیچاریان زندہ در گور کردی جاتی ہین اور بیوگی کی حالت کو جانے دیجئے سہاگ والیون کا حال زار کیا کم افسوسناک ہی انکی جسمانی و دماغی صحت کا لحاظ نہونا ایک طرف رہا، سر سے پاؤن تک بھاری بھاری زیورکا بوجھ لدا ہوتا ہی انکے ہاتھون اور گالون پر نیل کے پھول بوٹے بنائے جاتے ہین اور اکثر کمسن عورتون کو دیو داسیان بناکے انکی پیشانیون پر گرم گرم پیسے سے داغ دئے جاتے ہین کیا تہذیب و شایستگی اسی کا نام ہے؟

بیگم: آپ نے جن باتون کو بیان کیا ہے تقریباً یہ سب ایسی ہین جن کی طرف آجکل کے سوشل ریفارمر خود توجہ کرتے جاتے ہین مین ابھی آپ سے کہہ چکی ہون کہ واقعات کے بدلنے سے خیالات بھی بدل جایا کرتے ہین اس کی مثال یہ ہی کہ جاپان جو آجکل صبح ایشیا کا ستارہ بنکر چمک رہا ہے گو جاپانیون کی اخلاقی حالت زیادہ اچھی نہین سمجھی جاتی ہے لیکن جاپانی عورتون نے ابھی حال مین میدان جنگ کے سپاہیون کے لیے جیسی مصیبتین اور جانجوکھم اٹھائی ہی اس کے لحاظ سے وہ بہت زیادہ قابل تعریف سمجھی جاتی ہین بہ نسبت اُن ہزارہا ہندو بیواؤن کے جو شوہرون کی چتا پر جلکر خاک ہوجانا تمام ملکی و قومی خدمات سے بڑھکر مفید و بہتر سمجھتی رہی ہین، اسی سے آپ قیاس کرسکتی ہین کہ زمانے کے انقلاب کے ساتھ خیالات مین کسقدر فرق آتا جاتا ہے مگر انصاف یہ ہے کہ ہندو لوگ بھی کچھ ایسے ویسے نہ تھے آسمان کے تارے توڑ لائے، پاتال کا پتہ لگا لیا، علم ادب اور فنون لطیفہ مین گویا جان ڈالدی تھی پتھرون کو موم کی طرح نرم بنالیا، بندرون کی وحشی نسل کو رام کرلیا. چشم زدن مین سمندر پار کرکے

[1] نواح دکن کے ہندوؤن مین یہ تمام رسوم بالفعل جاری ہین

ھوا پر تحفت اڑائے، بجلی کیطرح کے تیر برسائے، پند نصیحت کے دریا بہا دیئے کلیلہ و دمنہ کی بولیان سنائین، گیتا کی گرانمایہ فلاسفی کو ایک گنجینہ سربمہر بنایا اور عورتون مین نیکی و شہرت کے جوہر نمایان کیئے، تمام دنیا مین عموماً عورت ذات چونکہ اچھے یا بُری جذبات سے جلد متاثر ہو جاتی ہین اسی خیال سے یہان کے برہمنون اور پنڈتون نے ان کے واسطے کچھ ایسے اصول قرار دیئے تھے جن کی وجہ سے ہندوستانی عورتین حیا و عفت کی دیویان کہلاتی ہین، اگلے وقتون کے برہمن کہتے ہین کہ وہی عورت سب سے زیادہ قابل عزت ہی جو "عصمت کی خاطر سے باعصمت ہو"

لیڈی "اس نہایت ہی لطیف جملے کے معنی تو میری سمجھ مین نہین آئے مگر مجھے معلوم ہی کہ اس ملک مین شاعرانہ بلند پروازیان اور خیالی باتین بے مثل ہوتی ہین، اسی وجہ سے آجکل یہان کا قدیمی فلسفہ چند اوہام کا مجموعہ سمجھا جاتا ہی ممکن ہو کہ کچھ ایسے ہی اصول خاص عورتون کے لیئے بنائے گئے ہون جنکی مثالین تو علی دایرے مین بالکل عنقا ہین یعنی یہان کی تاریخی دلچسپ فسانون اور مذہبی روایتون مین عورتون کی جیسی تحقیر کی گئی ہی اسکی نظیر شاید دنیا بھر مین نہین ملے گی اشکنتلا کا مشہور ناٹک کیا سرتا پا فحش مضامین سے بھرا ہوا نہین ہی؟ اس طرح کی مایہ ناز تصنیفات کے علاوہ جابجا مختلف دیویون اور آستھانون مین جیسی بیحیائیان نظر آتی ہین اور اندرونی حالات جو آئے دن سنے جاتے ہین وہ کسقدر غضب ہوتے ہین ابھی چند سال ہوئے ہین کہ بمبئی ہائی کورٹ مین ایک[1] دلچسپ مقدمہ گجراتی مہاراجہ کی خلاف دایر ہوا تھا، مسٹر مالاباری لکھتے ہین کہ یہ سوامی صاحبان جو اس زمانے مین کشن بھگوان کے اوتار سمجھے جاتے ہین انکے پاس بیٹھنے اور گال کھانے کے لیئے عہ ریا عہ روپیہ صرف درشن سکے لیئے صہ اور ان کے ساتھ شب باش ہونے کی فیس ۱۱ روپے صا تک مقرر ہے

[1] اقوام ہند مرتبہ مشنری سوسائٹی مدراس صفحہ ۱

اس قسم کے نازیبا حرکات جو بدقسمتی سے اس ملک کی آب وگل مین پائے جاتے ہین کس قدر قابل نفرت ہین آپ ہی فرمائیے کہ مردون کی صرف خواہشات پر عورتین اپنے تن من دہن فدا کرنے کے لیئے مجبور کر دیجائین اس سے زیادہ عورت ذات کی ذلت و خواری اور کیا ہو سکتی ہی؟

بیگم، مین دیکھتی ہون کہ اسوقت اپنی تقریر مین آپ مبالغے سے کام لے رہی ہین ورنہ چند منفرد واقعات کی بنا پر کسی قوم کی ساری عظمت کو خاک مین ملا دینا جائز نہین ہے جیسے کہ رومتہ الکبرےٰ کا عظیم الشان تمدن محض اس وجہ سے قابل ملامت نہین ہو سکتا کہ رومیون کے بعض عورتون کے نامۂ اعمال باوجود تقدس ظاہری کے سیاہ نظر آتے ہین یا روم و یونان کے قدیم صناعی کے نمونے اکثر ایسے دا ہیجہ ننگی تصویرین ہین جو لندن اور پیرس کے عجائب خانون اور باغون مین نصب ہین اور قدر کی نگاہون سے دیکھی جاتی ہین اسی طرح رامائن اور شکنتلا وغیرہ کو شاہنامہ فردوسی اور الف لیلہ سے کمتر قرار دینا خلاف انصاف ہی ہندوستان مین عورت کی عزت کا بڑا ثبوت یہی ہے کہ اس ملک مین جائنٹ اسٹاک سسٹم (خاندان مشترکہ) کے اصول مضبوطی سے قائم رہے ہین جسکے لحاظ سے عورتین آرام اور عزت کے ساتھ گھرون مین بٹھا دیگئین تاکہ وہ بقاے نوعی کے فرائض ادا کرتی رہین اور ان کے واسطے سامان معیشت مہیا کرنے کا بار مردون نے اپنے سر اٹھا لیا تھا اسی وجہ سے کیا عجب ہی کہ اس ملک مین بیل کے بجاے گاے کی عزت زیادہ کی جاتی ہی عورت ذات چونکہ خلقتاً کمزور ہوتی ہی لڑائی بھڑائی اور محنت و مشقت کے کام اُن سے نہین لیئے گیٔے بلکہ انکی حفاظت کے بھی ذمہ دار مرد ہی ہوا کرتے تھے یہ اصول اُس زمانے کے لیے مناسب سمجھے گئے جبکہ ہر طرف لوٹ مار اور دنگہ و فساد کی گرم بازاری رہتی تھی لیکن بحالت موجودہ برٹش راج کے پر امن و امان زمانے مین اوسکی ضرورت محسوس نہین ہو سکتی، زمانہ ماضی کی حالت کا لحاظ کیجیئے تو کیا اسوقت مردونکو

یہ حق حاصل نہ تھا کہ وہ اپنی محسنوں اور جانفشانیوں کے معاوضہ مین عورتیں ویسی ہی وفاکی مید مین لیکن ہمیشہ ہی محبت اور وفاداری کی امیدین طرفین کو ہونا چاہئے ہین لیکن آپ نے پُرانے زمانے کی حالت بیان کی ہے اِس تصویر کا دوسرا رخ بالکل تاریک ہے کمزور اور جاہل عورت جسکے گرد وپیش ہمیشہ خودغرض مردون کی محدود سوسائٹی ہو اُس سے وفاداری کی امید ہی کیا ہوسکتی ہے اسی وجہ سے یہان کے لٹریچر مین عورتون کیطرف سے عام بدگمانی اور تریا چلتر کی جھوٹی سچی کہانیان بچے بچے کی زبان پر جاری ہین لیکن کمزوری اور جہالت قصور ہے رسم وعادت کا۔ یورپ اور امریکہ مین عورتین جائز وسائل سے روٹی پیدا حاصل کرنے مین مردون کی محتاج نہین ہوتی ہین اور جسمانی لحاظ سے آپ ہی کی ہم قوم بہنین بڑھا۔ ملایا۔ جزایر جاوا وسماٹرا اور جنوب افریقہ یعنے زنجبار وغیرہ مین آزادی کیساتھ فرائض تمدنی ادا کرنے مین اپنے مردون سے کسیطرح کم نہین ہین۔ بعض جانورون مین ہم دیکھتے ہین کہ مادہ انڈے بچے لیے نگہداشت مین معروف رہتی ہے اور نر آزاد گھومتا پھرتا ہے۔ مگر اس امر کے غالباً تسلیم کرنے مین آپ کو بھی تامل نہوگا کہ انسان کی فضیلت و بزرگی محض دماغی قوتون کی وجہ سے ہے اور ساختِ دماغی کے لحاظ سے مرد وعورت مین کوئی بین فرق نہین ہوتا لہٰذا کیا وجہ ہے کہ دنیا مین عورتین بھی مردون کے برابر عزت وحرمت کی مستحق نہ سمجھی جائین؟ اگر فرض کیجئے کہ عورت فقط افزائش نسل کی غرض سے پیدا کی گئی ہے تاہم اولاد کی پرورش۔ پرداخت۔ تربیت اور تعلیم کیلئے کیا عورتون مین دماغی وعقلی آزادی حاصل ہونیکی ضرورت مسلّمہ سمجھی جائیگی؟ اِن وجوہ سے اب وہ وقت آگیا ہے کہ عورتون مین بھی اپنی حقیقی عزت کا احساس پیدا ہو۔

بیگم۔ آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہین اور مین دیکھتی ہون کہ آجکل ہندوستان

مین پارسی لیڈیون کے علاوہ ہندو اور خصوصاً برہمو عورتین زمانہ کے موافق ہوتی جاتی ہین اور زمانے کی رفتار اگر ہمیشہ ترقی کی جانب ہے تو ہم لوگون کا بھی اللہ والی ہو

لیڈی (گھڑی کی طرف دیکھکر) اوہ! چار بجنے مین صرف دس منٹ باقی رہگئے ہین آپکی نماز کا بھی وقت ہوگا اس لیے اجازت چاہتی ہون پھر کسیوقت حاضر ہونگی۔

بیگم جی ہان نماز کا وقت ہوگیا ہو لیکن مذہب تو دنیا مین بنی نوع انسانکی راحت اور آسایش کےلیے آیا ہے آپ میری نماز کے قضا ہوجانے کا خیال نکیجیے۔ اگر آپکو فرصت ہو تو اسوقت باغ مین چلیے ذرا دیر تفریح ہوگی،

دونون خاتونین ایک چھوٹے سے باغ مین اُتر آئین جو اسی مکان سے ملحق، اور بلند احاطے سے گھرا ہوا ہے تھوڑی دیر مختلف روشون پر ٹہلنے کے بعد بیگم کے اصرار سے مِیم صاحبہ نے ہارمونیم کی سُریلی صدا مین اس طرز کی ایک راگنی چھیڑ دی ؎

سن تو سہی جہان مین ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجکو خلقِ خدا غائبانہ کیا

بقلم ف، ک

ڈاکٹر لالور کا فاسفوڈائن

جنسی خستہ — **نشان تجارت**



دماغی کمزوری، فالج، بےخوابی، ڈراونے
خواب دیکھنا، قوی کا قبل از وقت
انحطاط، نظام جسمانی کی وہ تمام بدنظمیان
جو قوت نامیہ کے کم ہوجانے
سے لاحق ہون۔ ان امراض کے
سب سے بڑا قابل اعتماد علاج ہے اس
دوا نے چالیس برس سے زیادہ اپنی عام
شہرت قائم کر رکھی ہے۔
فاسفورس کے اس
مرکب سے عصبی
کمزوری اور

اسکی قوت بخش تاثیرات پہلی ہی روز استعمال
کرنے سے ظاہر ہوجاتی ہین عصبی اور دماغی
قوتون مین زیادتی کے ساتھ ہی مریض کے
دلمین عادت کے بالکل خلاف تقویت اور تسکین
پیدا ہوجاتی ہے۔ ہاضمہ مین قوت آجاتی ہے
طرح طرح کی قبض رفع ہوجاتا ہے نیند آرام سے
آتی اور فرحت بخش ہوتی ہے چہرہ بھر جاتا ہے لب
سرخ آنکھین روشن اور جلد صاف اور صحت مند ہوجاتی ہے
گالونمین سرخی آجاتی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے
کہ یہ اعضاء تندرستی پیدا کرتی ہے
کرتی ہے دکیا تمام

خبردار

"فاسفوڈائن" کا نام قانون ٹریڈ مارک
کے مطابق محفوظ کرلیا گیا ہے۔ اسلیے اسکی نقل رنگ مین یا کسی
دوسری حیثیت سے فروخت کرنیوالون پر عدالتی چارہ جوئی کیجائیگی اس قسم
کی صرف یہی ایک دوا ہے جسکو کلکتہ کی نمایش واقع ۱۸۸۳ء مین اعلیٰ سند ملی تھی

اسی ذیل کی دوسری بیماریون مین فوری اور مستقل نفع
ہوتا ہے اور تمام فاسد خیالات اور علامات تکلیف حیرت انگیز
سرعت سے دور ہوجاتے ہین۔

صحت کے ماہرین اور فن طبابت کے اعلیٰ ماہرون کی نہایت مستند
شہادتون سے یہ عالمگیر فیصلہ بخوبی ہوگیا ہے کہ سائنس کی تحقیقاتی
دنیا مین فاسفورس کے کسی دوسرے مرکب کو ایسی شہرت اور قدردانی
نصیب نہین ہوئی۔

ہندوستان بھر کے دوا ساز اور ادویہ فروش بحساب فی بوتل (خورد) چہ (کلان) عمہ فروخت کرتے ہین۔

صرف ڈاکٹر لالور کی

فاسفوڈائن لیبوریٹری" ہیمپ۔ اسٹیڈ۔ لندن۔ انگلستان مین

بنایا جاتا ہے

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس کے برمن کی بنائی ہوئی فصلی بخار اور طحال کی دوا

یہ دوا عجیب ہے جو ہندوستان میں سب سے اچھی ہے۔ اگر آپ بخار میں مبتلا ہوں اور سب قسم کے علاج کر کے تھک گئے ہوں تو اس مجرب دوا کو ایک مرتبہ ضرور استعمال کیجیے۔ اس دوا میں چند فائدے لاجواب ہیں۔ یہ ملیریا کے کیڑوں کو مار دیتی ہے اسلیے اسکی چار پانچ خوراک پینے ہی بخار آنا بند ہو جاتا ہے اور یہ خون کو گاڑھا کرتی اور اسکی خرابیوں کو مٹاتی اور تلی کو گلاتی ہے

قیمت بڑی شیشی چودہ آنہ محصولڈاک ۲ دو شیشی تک آٹھ آنہ۔ **قیمت** چھوٹی شیشی آٹھ آنہ محصولڈاک ۵ دو شیشی تک چھ آنہ

جناب ہرراج گوپال بھابیدہ سٹر مڑھی اسکول ملیاگاؤن کالیا پر سے لکھتے ہیں کہ آپکی بخار کی دوا میں نے اپنے دوستوں اور طالب علموں کو دو برس تک دی رہا ہوں بڑی خوشی کی بات ہے کہ کہیں بھی یہ ناکامیاب نہیں ہوئی اسکی یہی تعجب خیز صفت ہے مفصلات کے غریبوں کے لیے آپنے گویا آب حیات بنایا ہے جناب پنڈت شیام لال ہیڈ ماسٹر اسکول امنڈور ضلع باندہ سے لکھتے ہیں۔ چار شیشی جو آپکی بھیجی ہوئی دوا آئی اس سے بہت مریض اچھے ہوئے جناب لچھمن پرشاد اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر سکندہ راؤ علیگڈہ سے لکھتے ہیں کہ آپکی دوا سے بہت فائدہ ہوا جناب بلدیو پرشاد مدرس کناسی ضلع فرخ آباد سے لکھتے ہیں دو شیشی تلی کی آپکے یہاں سے منگوائی تھیں اس سے دونوں مریض اچھے ہو گئے جو قریب مرگ تھے۔ دوا سے جان بچ گئی آپکو ہم دعا دیتے ہیں۔ جناب شیودت پرشاد ہیڈ ماسٹر اسکول ہردی نگر سے لکھتے ہیں بخار جاڑے کی دوا جو میں نے منگوائی اچھی ہے بعض کو جو تین تین مہینے سے مبتلا تھے۔ دو تین خوراک دوا کھانے سے فائدہ ظاہر آیا اور سات خوراک میں مریض مرض سے نجات پا گئے۔ اسمین شک نہیں کہ یہ دوا بخار کے دفع کرنے مین قابل تعریف ہے آپ ایسی نیکی کرنے والے کا ازبسکہ شکر گزار ہوں جناب کالی رام مندر برہمن بھرون ضلع مندسور سے لکھتے ہیں آپکے جو فصلی بخار کی دوا بھیجی بہت فائدہ مند ہے۔ ہم کہاں تک تعریف کریں جناب رام پرشاد انسپکٹر آفس مرزاپور سے لکھتے ہیں میں آپکا ازبسکہ شکر ادا کرتا ہوں کہ میرا دس سال کا چوتھیا بخار صرف دو دن میں جاتا رہا۔

المشتہر

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵-۶ تاراچند را سٹریٹ کلکتہ

الناظر پریس مین منشی سخاوت علی نے چھپوا کر شایع کیا

جامے ست جہان نماے ہر صفحہ درین

۱۳۲۹ھ

الناظر

فلسفی - تاریخی - تمدنی - اخلاقی - معاشرتی - ادبی مضامین کا

(ماہوار رسالہ)

نمبر ۲۳ یکم مئی سنہ ۱۹۱۱ء جلد

الناظر پریس متصل پل آہنی میں طبع ہوکر

دفتر رسالہ الناظر فلاور ملز لکھنؤ سے شائع ہوا

سوڈا کمپنی کا ولایتی پانی

خالص ہوا سے اتنا ہی ضروری ہے جتنا صاف اور خالص پانی ضروری ہے۔ کیونکہ گندہ پانی تندرستی کو بالکل بگاڑ دیتی ہے۔ دوا پانی میں شامل ہو کر رہتی ہے۔ اس لئے صاف خالص پانی سے بھی اتنا ہی پینا فرض ہے۔ خالص ہوا سے تندرستی اور زندگی کیلئے ہوا کے بعد پانی کا مرتبہ ہے

ہمارے کارخانے میں اسٹیم انجن سے پانی تیار ہوتا ہے اور ہر قسم کا پانی جس تعداد میں درکار ہو ہر وقت مل سکتا ہے۔

حضرت گنج متصل حق سوڈا کمپنی

شہاب الدین اینڈ سنز حضرت گنج لکھنؤ

الناس باللباس

ہمارا کارخانہ ہر قسم کی مردانہ، زنانہ، انگریزی یا ہندوستانی فیشن کی اعلیٰ سے اعلیٰ پوشاک نہایت خوشنما اور موزوں تیار کرتا ہے۔ سنہ ... سے یہ کارخانہ بلا کسی شکایت کے خدمت انجام دے رہا ہے۔ کاشی سلک، جاپان سلک، آسام سلک، جامہ وار، سنک اور علاوہ انکے جاپانی اور ولایتی تمام سیں فیاں نے، خوشنما پیکے دریاں اور ٹوپی وغیرہ بھی بافراط بیچاتے ہیں۔ ایکبار ہمیں آرڈر دیجئے پھر کہیں اور فرمایش دینے کو آپکا جی نہ چاہیگا۔ پیمائش کا فارم اور گرانڈ نمونے طلب کیجئے

قطب الدین مینیجنگ پروپرائٹر

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزار نمک داں کئے ہوئے

دی فونو ایکسچینج لکھنؤ متصل کوتوالی چوک

پاتھی فون گراموفون زوناگراف اوڈین بیکا چیمبر آپرا

کچھ درد ہے مطرب کی نے میں
کچھ سوز بھرا ہوا ہے دستانے میں

لوکل اور بیرونجات کے خریداروں کی آسانی کیلئے خوش گلوؤں کے تین ہزار دو سو مختلف گانوں میں سے بہتر ریکارڈوں کے انتخاب لکھنؤ میں صرف ایک ہی مرکز ہے جہاں ہر مشہور کمپنی کے ہندوستانی ریکارڈ ایک ہی جگہ مل سکتے ہیں۔ ہر ساخت کی مشینوں اور ریکارڈوں کا موازنہ اور جانچ اسی مقام پر آزادی سے ہو سکتا ہے۔ یورپ کے ذہین کاریگر اس خاص لائن کی ترقی میں نہایت تیزی سے مصروف ہیں اور ہر سال کچھ نہ کچھ نئی ایجاد ہوتی رہتی ہے۔ خریداری سے پہلے ہماری دوکان کی نمائشگاہ میں تشریف لا کر ہمارے مختلف ساخت کے ریکارڈ جدید اسٹائل کی مشین اور رنگ برنگ کے خوشنما فلاور ہارن ملاحظہ فرمائیے۔ ضروری سامان متعلقہ ٹاکنگ مشین، ہارمونیم، پیانو، ہیٹس، ٹرنک، گیس لائٹ، لیمپ، کیش بکس، منی بیگ، صابن اور ٹوتھ پاوڈر وغیرہ بھی فروخت ہوتے ہیں۔

مینیجر دی فونو ایکسچینج لکھنؤ

فہرست مضامین

الناظر

نمبر ۲۳ جلد ۴ — یکم مئی سنہ ۱۹۱۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلۂ ارتقاء

یورپ کے فلسفیوں اور علوم تجربیہ کے ماہرون نے طرح طرح کے آلات ایجاد کیے اور عجائب غرائب انکشافات سے آیندہ نسلوں کے لیے ترقی کا راستہ کھولا۔ طبقاتِ ارض کی تحقیقات[۱] اور آثار قدیمہ[۲] کی شہادت سے نوع انسان کی بدایت اور حیوانات کی قدامت کا کھوج لگایا۔ حیوانات کے

---

[۱] علم طبقات الارض (Geology) سے اُن کیفیات اور واقعات کا پتہ چلتا ہی جو ابتدا ر ہیولا سے لیکر ابتک واقع ہوے ہین۔ حیات ارضی کی مختلف مادی حالتین اسکی تفتیش کے ضمن مین آتی ہین۔ غرض جسقدر تغیرات طبقات زمین پر آجتک واقع ہوئے ہین اُن سب کی کیفیت اس علم کا موضوع ہی۔ آدمیون اور جانورون کی ہڈیان، جسم کے ڈھانچے، کھوپریان، دانت، سنگی و فلزاتی ظروف، آلات حرب و ضرب، زمین کے طبقات سے برآمد ہوئی ہین، جنسے اس خاکدان عالم پر قدیم زمانہ مین بھی حیوانون اور انسانون کی ہستی کا سراغ ملتا ہی۔

[۲] علم آثار قدیمہ (Archeology) سے زمین کی اُن اشیاء کا پتہ چلتا ہی جو ہر طبقہ والے اپنے آثار کے طور پر زمین کے طبقون مین چھوڑ گئے ہین انسانی یادگار دیکھ (صفحہ ۲ ملاحظہ)

ناظرین ضرور توجہ سے ملاحظہ کریں

باہمی تعلقات پر گہری نظر ڈالی۔ مدتون کی سرکھپی اور مسلسل تحقیقات کے بعد مصداق جوئندہ یابندہ آخر یہ عقدہ[1] حل ہوا کہ حضرت انسان جو اپنی روحانی اور عقلی قابلیتون کی بدولت کائنات عالم پر ممتاز ہین بلکہ مسجود ملائکہ واشرف المخلوقات ہونے کے مدعی ہین درحقیقت ادنی درجہ کے حیوان کی ترقی یافتہ صورت ہین، اور بعضون کو یہان تک گمان ہے کہ بندر[2] کی نسل سے ہین تدریجی ترقی سے اس منزلت پر پہونچے ہین کہ تمام بر وبحر پر قبضہ کرکے ساکنان ملاء اعلی سے راز و نیاز کا دم مارتے ہین اپنی پچھلی حالت کو بھولکر آج اپنے مفروضہ حسب ونسب پر نازان اور اپنے

بقیہ نوٹ صفحہ (۱) زمین کا بیشتر حصہ ہزارہی آثار قدیمہ کی سراغ رسانی اور طبقات کی چھان بان سے اب سے چار پانچ ہزار سال پیشتر کی یادگارین جا بجا آبادیون کے کھنڈر شکستہ عمارتین سنگی مورتین، تصویر نقش ونگار، انسانی دستکاریون اور گذشتہ صناعیون کے نمونے سنگی ظروف، جنگی ہتیار، زیور وغیرہ سنگی چٹانون پر کندے پائے جاتے ہین جو زبان حال سے زبان قال کا کام دے رہے ہین، جنسے اسوقت کی معاشرت اور اگلی ترقیون کا پتا چلتا ہے اور انھین اثبات صاحبات سے آج ایک بڑا سلسلہ تاریخ علوم تجربیہ کا قائم ہوگیا ہے، ہرچند کہ یہ نتائج اکثر قیاسی ہین لیکن ویسے ہی قابل قبول ہین جیسے کسی قوم کے افعال وحرکات سے اسکی طرز معاشرت کا علم

[1] انیسوین صدی کے وسط مین رابرٹ چارلس ڈارون نے یہ نظریہ قایم کیا کہ آجکل کی مکمل زندہ اجسام انتخاب قدرت کے ذریعہ سے چند اجرام کا ارتقاکی نتائج ہین اس نظریہ کے مطابق ادنی قسم کے حیوان ترقی کرکے درجہ کمال پر پہونچے ہین انسان ایک ترقی کردہ حیوان ہے ڈارون اور اسکے موئدین خصوصاً پروفیسر ہکسلے (Huxley) نے بڑی دہوم دہام سے اس نظریہ کو ثابت کیا ہے اس نظریہ کا بین ثبوت عقلی ارتقا ہے، یورپ اور تمام شایستہ ممالک اسی کو تسلیم کررہے ہین۔

[2] ڈارون نے جو سلسلہ ترقی حیوانات قایم کیا ہے اسکے رو سے بندر تک سلسلہ پہونچا ہے، چونکہ بندر کے عادات وحرکات بہت سے انسان سے مشابہ ہین اسلیئے قیاس کیا جاتا ہے کہ جسطرح سلسلۂ ترقی بندر تک پہونچا ہے ممکن ہے کہ بعض بندر عام بندرون سے زیادہ تربیت یافتہ اور شایستہ ہوگئے ہون اور آگے چلکر وہی بندر ترقی کرکے انسانیت تک پہونچے ہون، اگرچہ یہ سلسلۂ تحقیقات ابھی ناقص ہے اور اسکی بہت سی درمیانی کڑیان ابھی ثبوت مزید کی محتاج ہین لیکن حامیان ارتقا کا یہ دعوی ہے کہ جسوقت سائنس مین اور ترقی ہوگی اور انسان کی تحقیقات مین مزید اضافہ ہوگا اسوقت وہ کڑیان بھی مزید ثبوت پاکر مضبوط ہوجائینگی۔

R. C. Darwin

بھائی بندوں (حیوانات) کو اپنا محکوم بناتا اور ذلیل الاصل سمجھتے ہیں، ہر چند کہ اس مسئلہ میں ابھی بہت سے اختلافات ہیں مگر اُن اختلافات سے قطع نظر کرکے ہم سردست تحقیقات جدید کے مطابق مختصراً اس بحث کو حوالہ قلم کرتے ہیں۔

وَہُوَ ھٰذا

حکماے یورپ نے مسئلہ ارتقا کے چار مستحکم قانون قرار دیے ہیں جو اپنی جامعیت کے لحاظ سے کائنات عالم پر حاوی ہیں۔

اولاً۔ قانون تباین

ثانیاً۔ قانون وراثت

ثالثاً۔ قانون تنازع بقا

رابعاً۔ قانون انتخاب

قانون تباین، اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں موجودات عالم کا یہ فرق کبھی کم ہوتا ہے کبھی زیادہ مگر کم و بیش ہر شے میں یہ فرق پایا ضرور جاتا ہے دنیا کی کوئی شے کبھی یکسان نہیں مخلوق ہوئی موالید ثلاثہ میں سب پر یہ قانون متواتر ہو نباتات پر سب سے زیادہ حیوانات پر اوس سے کم جمادات پر سب سے کم تر اور مادہ کا اختلاف بھی اسی قانون میں داخل ہو، اگر انواع کے تمام افراد بالکل ایک ہی صورت کے ہوتے تو اُنمین باہم بڑا اشتباہ واقع ہوتا جس سے نظم عالم مین خللِ عظیم واقع ہو جاتا کوئی شخص نہ اپنی بیوی کو پہچان سکتا نہ بیٹے کو، نہ باپ بیٹے ایک دوسرے سے تمیز کیے جاتے، اسیطرح اپنی اور پرائی ملک کی تفریق بھی محال ہو جاتی اپنے اور بیگانہ کے گھر، سواری اور لباس، غرض کسی شے میں تمیز نہو سکتی اس سے معاملات میں جو خرابی آتی اور لوگوں کے جسقدر حقوق تلف ہوتے

انکی حد بتانا غیر ممکن تھا، اگر ایک ہی جوڑی اور اسی نر و مادہ کے دس بچے ملا کر دیکھے جائین تو قد و قامت رنگ و صورت تیزی و قوت مین ایک دوسرے سے فرق ہوگا، اس قدر مشابہت کہ ایک پر دوسرے کا دہوکا ہوان مین سے ایک مین بھی نہ پائی جائے گی، ایک ہی مان باپ کی متعدد اولادین ملا کر دیکھی جائین تو شکل و شباہت مزاج و عادت مین بحیثیت مجموعی ایک دوسری کا سا نہو گا، ایک ہی بیج یا گٹھلی اگر متعدد جگہ بوئی جائے تو زمین کے اقسام اور آب و ہوا کے تغیر سے مختلف قطع اور رنگ کے پہل پھول پیدا ہون گے ؎

گلہاے رنگ رنگ سے ہے زینت چمن ۔ اے ذوق اس جہان کو ہے زیب اختلاف سے

قانون وراثت[1] کی رو سے فروع مین باوجود دوسری تباینات[ع] یا جداگانہ خصوصیات اختیار کرنے کے اُن مین اصول کے تباینات یا خصوصیتون کا منتقل ہوجانا ہی جسکی وجہ سے مورث کے عیوب و ہنر انکی نسلون مین پائے جاتے ہین، ہرچند کہ یہ لازمی نہین کہ مان باپ کے تمام صفات اونکی نسلون مین بجنسہ پائے جائین لیکن کم و بیش نسبت اکثر پائی گئی ہے، مان باپ دونون مین سے کسی سے بھی وراثتاً صفات حاصل کرنا اس قانون کے تحت مین آتا ہے، ایک ہی جنس کے دو مختلف الصفات حیوانون کا جوڑا ملا کر جو بچے لیے جاتے ہین وہ قد و قامت رنگ و صورت تیزی و قوت مین مان باپ دونون سے ملتے جلتے ہوتے ہین، اسی سے یہ قاعدہ لوگون نے نکالا ہے کہ دوغلے حیوانات کے بچے خصوصیات مین اپنے مان باپ کے

[1] یہ قانون وراثت نظریہ ارتقا کے تحت مین اب نئے سرے سے مدون کیا گیا ہے، مگر کئی ہزار سال سے آخر درخت اور نسب کے علوم تھے ہی اور عیسائی یہودی ہندو بودھ تمام قومون مین بکثرت نسب محفوظ رکھے جاتے اور عالی نسبی پر تفاخر کیا جاتا تھا، یونان مین دیوتاؤن کی نسل ہونے پر تفاخر کیا جاتا تھا، یورپ مین عالی حسبی پر خیال کیا جاتا ہے، ہرچند آب و ہوا کی عظیم الشان تغیرات اور معاشرتی و ملکی خصوصیات کی وجوہ سے ہمارے یہان کے معیار نسب سے کل یورپ کا معیار نسب بدلا ہوا ہے اقوام یورپ مرا او رڈیوک کی نسل کی عزت کرتی ہین گو ہماری طرح مذہبی پیشواؤن اور سیدون کی نہین کرتے

ع اختلافات ۱۲

ہین ہین رہین گی بجز ان مستثنے صورتون کے جبکہ پرورش کے وقت کوئی جدید اثر مرتب ہو مثلاً غیرمعمولی تو
کی غذا دی جائے یا ہوا پانی دہوپ غیرہ سے خلاف معمول حفاظت عمل مین آئے، یاکسی قوی ملک
کی اب وہوا میسر آجائے کیونکہ یہ انتظامات انکی اصلی توارا اور خوبیون کو کئی گنا بڑہا سکتے ہین،
تجربہ شاہد ہے کہ ایک ہی والدین سے بہت سی اولادین ملکون ملکون پھیلکر ہزارون لاکھون تک
پہونچ گئی ہین، اور کم وبیش اپنے اسلاف کی صفات بھی اپنے ہمراہ لگئی ہین مگر جسقدر نسلون میز
بُعد اور واسطے ہوتے جاتے ہین اُسیقدر اُنکی صفات سے بھی بعد ہوتا جاتا ہی، پس اس سی قانون
وراثت کا مخالف نہین پایا جاتا علم الحیوانات جانورون کی پرورش مین اُس قانون سے بڑی مدد
ملتی ہے۔

قانون تنازع بقا ظاہر کرتا ہی کہ افراد نوع مین باہم زندگی بسر کرنے کے اسباب مین سبقت
حاصل کرنے کے لیے منازعت ہوتی ہے ضعیف بباعث قوی کے غالب ہونے کے یا بسبب صدمات
خارجی گرمی وسردی یا ناموافقت آب وہوا کے ہلاک ونابود ہوجاتے ہین اور جو قوی ومضبوط
ہوتے ہین اور خارجی صدمات کو برداشت کرسکتے ہین وہ باقی رہجاتے ہین۔

کشاکش ہستی کے اس میدان مین قدرت کا عمل نباتات وحیوانات سب پر موثر ہے، موسمون
کی سختی اجرام سے لیکر مکمل اجسام تک اپنا اثر پہونچاتی ہے، اور تمازت آفتاب کی وجہ سے بعض
گرم ممالک مین کوسون سبزہ نہین نظر آتا، بعض شمالی ملکون مین شدت سے برف پڑتی ہی اور
اس قدر سردی ہوتی ہی کہ انسانون جانورون کی زندگی اور نباتات کا نمو نہین قائم رہ سکتا،
اسی طرح قسم قسم کی وبائین اور بیماریان گھرانے کے گھرانے ویران اور بستیان کی بستیان سنسان
کردیتی ہین، بعض زمانون مین ایسی بیماریان پھیلتی ہین کہ کثرت سے چھوٹے چھوٹے میدانون اور
طیور کا صفایا ہوجاتا ہی، بعض معتدل ممالک مین انسان حیوان اسقدر ذکی الحس ہوتے ہین کہ

معمول سے زیادہ گرمی و سردی اور کسی موسم کی سختی نہین برداشت کر سکتے ہین، قدرت اُنکی تو ارخلقتاً ایسے رکھتی ہے جو صرف معتدل ہی ممالک کی اعتدالی آب و ہوا سے نشو و نما پاتے اور اُسی کے متحمل ہوتے ہین اپنے ملک کے سوا اور ملکون کی سردی اور گرمی کی بالکل برداشت نہین کر سکتے، اسی طرح بعض قسم کے پودے، چڑیان اور دوسرے ذی روح نہایت نازک ہوتی ہین جب کبھی موسم کی سختی اعتدال سے زیادہ بڑھ جاتی ہی تو اُن کی جان کے لالے پڑ جاتے ہین - سیکڑون نذر اجل ہو جاتے ہین، بعض سسکتے رہتے ہین، ہر ایسے انقلاب زمین کے بعد جانورون کے رنگ، سیرت، قوت، عادت مین ایک طرح کا تغیر ہو جاتا ہی گویا از سر نو زندگی بسر کرنا پڑتی ہی، یا کبھی پانی کا زور چلا جاتا ہی تو بستیان کی بستیان اور شہر کے شہر تباہ و برباد ہو جاتے ہین کبھی مینہ حد سے زیادہ حدت بڑھ جاتی تو تالاب جھیلین خشک ہو جاتے ہین دریاؤن کے پاٹ گھٹکر نالے سے رہجاتے ہین -

کشاکش حیات کی جنگ کا اثر حیوانات مین نباتات سے بھی زیادہ ہی، اگر حیوانات کی کثرت اس طریقہ سے قدرت کم نہ کرے تو زمین کی سطح پر تل رکھنے بھر کو جگہ نہ ملے اور بہت سے کار آمد جانورون کی خوراک بھی نہ رہے، حیوانات کی کشاکش حیات کی تین شکلین ہین:

(۱) ایک ہی قسم کے حیوانات کی باہمی جنگ و جدل

(۲) ایک ہی قسم کے حیوانون کا دوسرے اقسام کے حیوانات سے مقابلہ و جنگ -

(۳) حیوانات کے گرد و پیش کی جسمانی کیفیات سے کشمکش.

ہر قسم کے جاندارون کے اجرام اور توالد و تناسل کے بارہ مین قدرت جس فیاضی سے کام لیتی ہی اسیطرح نہایت بیدردی سے ان سب کا قلع و قمع بھی ہو جاتا ہے ایک ایک مچھلی کئی کئی لاکھ انڈے دیتی ہی اگر اُن سب کے بچے ہوتے اور وہ باقی رہ جاتے تو سمندر کے سمندر ان مچھلیون سے

پٹ جاتے، اسیطرح ٹیڈے اور بعض قسم کے حشرات الارض جس کثرت سے پیدا ہوتے ہین اگر اسی کثرت سے ضایع نہو جاوین تو کسی نبات کا وجود پردہ عالم پر باقی رہجائے، اسیطرح بعض طیور اس کثرت سے پیدا ہوتے ہین کہ اگر انکے انڈے برباد اور بعض جانورون کی خوراک نہوجائین تو زمین پر پاؤن رکھنے کی جگہ نہ ملے اسی تنازع بقا کا نتیجہ ہے کہ درندے چرندون کو شکار کرتے ہین پرندے پرندون کو کھاجاتے ہین، بڑی مچھلیان چھوٹی مچھلیون کو نگل جاتی ہین، بجو گیدڑ اور تمام حشرات الارض بڑے بڑے جانورون کے گوشت پوست کھاکر ہڈیون کا ڈہانچہ ہی ڈہانچہ چھوڑ دیتے ہین۔

انسان کی کشاکش ہستی کے ظلم وستم بھی کوئی نئے نہین تاریخ کے صفحات ان بیرحمانہ واقعات سے پرہین، فطرت کے مطالعہ سے یہ امر صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کے ذیحیات کو اعتدال پر قائم رکھنا چاہتی ہے اور کشاکش ہستی کے واقعات سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ جو مضبوط و قوی ہون اُنکو قائم رکھنا چاہیئے، اور جو حد سے زیادہ ناتوان وضعیف ہون اُنکی بقا کی حاجت نہین اس لیئے کہ یا تو وہ اورون کو وبال دوش ہوجاتے ہین یا اُنکی حیات سے کائنات عالم کو جسقدر فوائد پہونچنے چاہئیں وہ نہین پہونچتے،

ـــــــــــــ

سلہ ایک ہی قطع کے ہڈیون کے ڈہانچے جو طبقات ارض سے برآمد ہوئے ہین اُنھون نے علمار تشریح کی تفتیش کو اس جانب رجوع کیا تحقیقات سے معلوم ہوا کہ بعض مختلف طبایع اور عادات کے جانورون مین ہڈیون کا ڈہانچہ ایک ہی قسم کا ہوتا ہے اور ان سب کا عصبی نظام بھی ایک ہی قطع کا ہوتا ہے، جو وہی فرق جو پایا گیا وہ چندان قابل التفات نہین، اسیطرح تمام ذی حیات کا وجود بھی ایک ہی ایک چھوٹے سے مادی ذرے کا نتیجہ ہے، خوردبین سے دیکھنے سے بھی اس ذرے اور آیندہ بننے والی شے میں کوئی تشابہ نہین پایا جاتا، یہ ذرہ یا مادہ جرم کہلاتا ہے جسمین حیات کے نشو ونما کی مخفی قابلیت رکھی گئی ہے ابھی یہ محقق نہیں ہوا کہ یہ جرم بجائے خود بھی زندہ ہوتا ہے یا نہیں۔

قانون انتخاب طبعی کی بدولت فطرت کا کامل اور بہتر شے کو انتخاب[لہ] کرکے حفاظت کرنا مراد ہے یہ قانون انتخاب گویا نتیجہ ہے اور تینون قانونون کا۔ انسان۔ حیوان۔ نباتات سب مین یہ قاعدہ مشترک ہے۔

انتخاب ازدواج کا قاعدہ بھی اسی چوتھے قانون کی تحت مین آتا ہے یعنی نر اور مادہ دونون کے انتخاب کے بعد جوڑا ملا کر جو بچے لیے جاتے ہین وہ پہلے سے بدرجہا عمدہ اور قوی ہوتے ہین۔

نظریۂ ارتقا کی تحقیقات سے عموماً سائنس مین جو قابل قدر اضافہ ہوا وہ محتاج بیان نہین علم الحیوانات کو بھی اس سے بیحد تقویت پہونچی جسقدر سائنس کی تحقیقات بڑھتی جائیگی یکسانیت بڑھتی جائیگی یہانتک کہ تمام جاندار چیزین ایک ہی طرح کی معلوم ہونگی اور ایک ہی اصل کی سب فروع ثابت ہون گی۔

دنیائے سائنس کے آفتاب (ڈارون) کی کرنون سے تمام عالم جگمگا اُٹھا اسکی تابش نے نظرونکو خیرہ کردیا نوعون کے فرق کو مٹا دیا درجے شکست ہوگئے، عالم کائنات ایک عظیم الشان سلسلہ اور یکسان وحدت کا سمان دکھلانے لگا ؎

ندارد راز وحدت اختلافے درمیان اینجا   بود یکحرف ہمچون بوے گل بر صد زبان اینجا

[لہ] جس زمانہ مین ڈارون پالو جانورون کی خو بو پر غور کر رہا تھا تو اُسنے دیکھا کہ سب سے عمدہ اور قوی جانورون کو رکھوالے چھانٹ لیتے ہین اور اُنکی غور و پرداخت نہایت توجہ سے کرتے ہین جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس منتخب نسل کی وہ خوبیان (جو باعث انتخاب ہوئی ہین) آیندہ نسلون مین بہت نمایان اور مستحکم ہو جاتی ہین اور کبھی کبھی منتخب شدہ نسل کے بچون کی تعداد بھی آیندہ نسلون مین پچھلون سے بازیادہ میسر آ جاتی ہے۔ روز بروز آیندہ نسلون کی خوبیان پچھلون سے ترقی کرتی جاتی ہین۔ پالو جانورون پر یہ انتخاب تحدید نہین جنگل کے وحشی جانورون مین بھی (جہان انسان کے دانشمندانہ انتخاب کا کوئی اثر نہین پڑتا) کم و بیش یہی انتخابی عمل در آمد جاری ہے۔

اسپین اور اسلام

جزیرہ نمائے اسپین یورپ کے جنوب و مغرب میں واقع ہے، اس کی تاریخ سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اسلام نے اُسکے تمدن میں بہت بڑا حصہ لیا ہے اور یہ حصہ ایسا نہیں جو آسانی سے فرو گذاشت ہو جائے، اس میں کچھ شک نہیں کہ اسلام ہی نے اسپین کے باشندوں کو وحشی سے مہذب اور جاہل سے عالم بنایا، اسلام ہی کی بدولت اسپین نے اتنی ترقیاں کیں جنکا آج تک ایک عالم میں شہرہ ہے۔

اسپین کی حالت اسلامی حملے سے پیشتر پانچویں صدی عیسوی میں اسپین گوتھ لوگوں کی زیر حکومت تھا یہ قوم شل اُن وحشی قوموں کے تھی جو سلطنت روم کے ایام زوال میں تمام ملک پر قابض ہو گئی تھیں یہ لوگ پیشتر تو نہایت جری تھے لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے تمول و اطمینان نے انھیں کاہل اور عیاش بنا دیا اور چند ہی پشتوں کے بعد بہادر سپاہی کے لقب سے پکارے جانے کے قابل نہ رہے ان لوگوں میں تین طبقے تھے، اوّل اُمراء، دوم رؤسا، سوم غلامان۔

طریقۂ سلطنت امراء کو اچھے کھانے، اچھے پہننے، تعیش اور قمار بازی کے سوا مہمات سلطنت سے مطلق سروکار نہ تھا، یہ لوگ طرح طرح کے لہو و لعب میں اپنی عمر عزیز اس طرح ضایع کرتے تھے کہ گویا انھیں دنیا میں کوئی کام کرنا ہی نہ تھا۔

دوسرے طبقہ کے لوگ بیچارے سخت دقتوں میں تھے، سلطنت کی حفاظت کے ذمہ دار بھی تھے، ٹکس بھی ادا کرتے تھے، تمام عدالتوں کے کام بھی انجام دیتے تھے اور اپنے امراء کی قمار بازی اور فضول خرچیوں کے لئے روپیہ بھی فراہم کرتے تھے۔

تیسرا طبقہ غلاموں کا تھا ان بیچاروں کے متعلق اس سے زیادہ کیا کہا جا سکتا ہے کہ اُنکے سپرد خدمتگاری کا کام تھا، یہ لوگ نہایت ذلیل حالت سے زندگی بسر کرتے تھے کیونکہ انکو نہ تو اپنی آبائی زمین چھوڑنے کی اجازت تھی اور نہ بغیر آقا کی اجازت کے کسی سے شادی کرنے کا اختیار تھا گویا بیزبان حیوان تھے جو زبردست جابروں کے قابو میں تھے۔

تہذیب اخلاق گو تھ لوگ مذہب عیسوی رکھتے تھے، یہ لوگ نیکیوں کو گناہ کا بدل سمجھتے تھے، بڑے سے بڑا گناہ کرکے یہ لوگ توبہ کر لیتے تھے اور پھر نئے سرے سے اُسی گناہ یا اُس سے بھی بدتر گناہ کے مرتکب ہوتے تھے یا یوں کہیے کہ انھوں نے غالب کے اس شعر کو اپنا دستور العمل بنا رکھا تھا ؎

رات کو خوب سی پی صبح کو توبہ کر لی   رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

اپنے اس قول کے ثبوت میں ایک تاریخی مثال میں پیش کرتا ہوں جو کہ اُس زمانہ میں عام تھی اور جسکا دستور قریب قریب تمام ممالک میں تھا ارباب بصیرت کے لیے غالباً یہ مثال کافی ہوگی۔

اُس زمانہ کے دستور کے موافق کاونٹ جولین نے اپنی چہیتی بیٹی فلارڈا کو دربار شاہی میں شاہی آداب و دستور کی تعلیم پانیکے لیے بھیجا، اس لڑکی کے حسن کا شہرہ دُور دُور تک پھیلا ہوا تھا اور بڑے بڑے اُمرا اسکے ساتھ شادی کرنے کی تمنا اور آرزو رکھتے تھے، کاونٹ جولین نے اُس وقت تک اسکی شادی بوجہ کم عمری کے نہ کی تھی کیونکہ فلارڈا نے ابھی پندرہ برس کے سولھویں سال میں قدم رکھا تھا جو وہاں کے دستور کے موافق کم عمری کا زمانہ تھا مگر یہ عمر بھی اُسکے اظہارِ حسن کیلئے کچھ کم نہ تھی بقول میر حسن ؎

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن   جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

جب فلارنڈا دربار شاہی میں پہنچی تو بلا کسی مزاحمت کے حرم شاہی میں تعلیم و تربیت کی غرض سے بھیجدی گئی، اتفاقاً ایکدن بادشاہ وقت کی نظر اُس حُسن کی دیوی پر پڑ گئی اور وہ اسیر ہزار جان سے فریفتہ ہوگئے، مگر افسوس کہ بجاے اسکے کہ اس نازنیں کے دلپر قبضہ حاصل کرنے کیلیے کوئی جائز طریقہ اختیار کیا جاتا بے رحم بادشاہ نے اُس بیچاری کے شیشۂ عصمت کو سنگ جفا سے چکنا چور کیا، اگر بادشاہ سلامت کا ونٹ جولین سے اپنی درخواست شادی کے بارے میں کرتے تو وہ اسکو اپنا فخر سمجھکر نہایت خوشی سے منظور کرلیتا مگر یہ ظالم تو جائز طریقے کے استعمال کے مطلق خوگر نہ تھے، اس لیے انھوں نے یہ شرمناک طریقہ اختیار کیا۔

اس مثال سے ناظرین پر یہ بات صاف ظاہر ہوگئی ہوگی کہ اسلامی حملے سے کے زمانہ میں اسپین کی کیسی ابتر اور ردی حالت تھی اور پاکیزہ اخلاق اور نیک چلنی اُن لوگوں میں کس حد تک موجود تھی۔

اسلامی حملہ | پہلے پہل مسلمان لوگ چند مہینے طارق کی سپہ سالاری میں اسپین کی ملکی او رسوشل حالت دریافت کرنے کی غرض سے آئے اور چند مہینے قیام کرکے سنہ ۷۱۰ء میں افریقہ واپس گئے، ان لوگوں نے اہل اسپین کے مذہب، اخلاق، تمدن، معاشرت، اور ملک کی عام بدامنی کے چشم دید واقعات موسےٰ سے (جو اُسوقت عربوں کی طرف سے شمالی افریقہ کا گورنر تھا) بیان کیے، چنانچہ موسیٰ نے اسپین کو فتح کرنے کی غرض سے اسلامی فوج ۷۱۱ء میں طارق کی سپہ سالاری میں روانہ کی، اب یہ لوگ دوسری مرتبہ پھر ملک اسپین میں آئے۔

جس مقام پر سپاہ اسلام اُتری وہ مقام اب تک اُنکے سپہ سالار طارق کے

نام سے مشہور ہے اور جبل الطارق یا جبرالٹر کہلاتا ہے ۔
اسپین کی فوج مسلمان حملہ آوروں کے مقابلہ کیلئے نکلی اور گریڈ ولیٹ میں دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں ، پہلے تو اہل اسپین کی کثیر التعداد فوج دیکھکر مسلمان گھبرا گئے اور ارادہ کیا کہ اسوقت لوٹ جائیں اور دوبارہ اچھی طرح سازوسامان حرب سے آراستہ ہوکر اور جرار فوج لیکر چڑھائی کریں مگر طارق نے اُنکو سمجھایا کہ اگر اسوقت پلٹنے کا قصد کروگے تو یہ لوگ فوراً حملہ کردیں گے اور پھر تمہارے بچنے کی کوئی صورت نہ رہے گی کیونکہ ایک طرف تو یہ عظیم الشان فوج ہوگی اور دوسری طرف سے سمندر حائل ہوگا ایسی حالت میں دل کے حوصلے دل ہی میں رہجائیں گے اور ہم سب یہیں کھیت رہیں گے ، تجربہ کار سپہ سالار کی صلاح سب نے گوش دل سے سنی ، آخرکار مسلمان نبرد آزمائی پر بہ تقدیر لڑنے اور مرنے پر طیار ہو گئے دوسرے ہی دن لڑائی شروع ہوگئی ، علی الصباح غازیان اسلام نعرۂ اللہ اکبر کرکے اس کڑک دھمک کے ساتھ قلب لشکر اسپین پر گرے کہ حریف کسیطرح تاب مقابلہ نہ لاسکا ، زوال آفتاب کے ساتھ سپاہ اسپین کا بھی زوال ہوا ، چند ہی حملوں میں کشتوں کے پشتے لگ گئے ، تلوار کی آنچ کے سامنے بڑے بڑے سورماؤں کے مُنہ پھر پھر گئے ، اہل اسپین نے شکست فاش کھائی ، شام ہوتے ہوتے فتح ونصرت کا پھریرا لشکر اسلام میں لہرانے لگا ۔

اسانی فتحمندی کی بابت اہل اسپین ایک نہایت دلچسپ قصہ بیان کرتے ہیں جسکا اس مقام پر نقل کرنا لطف سے خالی نہوگا ۔

مشہور ہے کہ ہرقل نے (جو ایک نہایت ہی مشہور بادشاہ گزرا ہی) بحر قلزم میں ایک مینار بنایا تھا جسکو اُس نے مقفل کردیا تھا اور مرتے وقت یہ وصیت کی

تھی کہ اُسکا ہر جانشین ایک قفل مینار کے دروازے میں اضافہ کرتا جائے اور جو اِسکا نگرکا یا اُسکے اسرار دریافت کرنے کی کوشش کریگا وہ تباہ و برباد ہوگا، آفت کچھ کہہ کے تھوڑے آتی ہے باایں ہمہ ممانعت راڈرک[۱] نے (جو بادشاہ اسپین تھا) مینار کے اندر جانے اور اُسکا رازِ دریافت کرنے کی کوشش کی، دربار کے نمک حلال معتمدین اور بڑے بوڑھے سب مانع آئے مگر تقدیری بات تھی کسی کی پیش رفت نہ گئی، بڑی مشکلوں سے جب راڈرک مینار کے اندر گیا تو اُسکو پہلے کوئی چیز نظر نہ آئی، آخر تلاش کے بعد ایک کمرے میں ایک صندوق ملا جسپر یہ لکھا تھا کہ ”پوشیدہ راز اسمیں ہے“ اُس نے فوراً صندوق کو کھولا لیکن سوائے ایک صفحہ کاغذ کے اور کچھ ہاتھ نہ آیا۔ اس کاغذ پر عرب کے بہادر جنگ آزماؤں کی تصویریں کھنچی ہوئی تھیں اور اُسکی پیشانی پر بقلم جلی یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے ”یہی لوگ تجھے برباد کرینگے اور تیری سلطنت چھین لیں گے“

اس واقعہ کے تھوڑے ہی دنوں بعد مسلمانوں نے حملہ کیا، جسکا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے بہرحال قصہ اور کہانی کچھ ہی بیان کریں اور اُنمیں کتنا ہی اختلاف کیوں نہو مگر حاصل سبکا ایک ہی ہے، وہ یہ کہ مسلمانوں نے اسپین کو فتح کر لیا۔

گریجولیٹ[۲] کی لڑائی کے بعد اسلامی فوج ملک کے اُن حصوں کو جنکے حاکم اب تک مخالف تھے زیر کرنے کیلئے روانہ کی آخر کار یکے بعد دیگرے سب حصۂ ملک پر مسلمانوں کا تسلط ہو گیا

مسلمانوں کا برتاؤ اپنے مفتوحوں کے ساتھ

ایک خاص بات اور قابل غور جو اِن مقامات پر تسلط کرنے میں عمل میں لائی گئی وہ یہ ہے کہ قریب قریب تمام حصص ملک بغیر کسی ظلم و تعدی کے قبضہ میں

---

۱ Roderick ۲ Gradulate

لائے گئے اور باشندوں کو نقصان سے بچانے کی بہت کوشش کی گئی درآنحالیکہ ہم دیکھتے ہیں کہ فاتح قوم اتنا ظلم کرتی ہے کہ بیان سے باہر ہے، مسلمانوں کے عمدہ برتاؤ کی بہت سی شہادتیں ہیں، لیکن اُنمیں سے چند اس جگہ بیان کیجاتی ہیں۔

یہودی لوگ جو قرطبہ میں عرصہ تک مسلمانوں کی مخالفت کرتے رہے اور آخرکار شکست کھائی مگر اُسکے ساتھ ہی اُنکو کسی قسم کا نقصان نہیں پونہچایا گیا، بلکہ برخلاف اسکے وہ مسلمانوں کے رازدار بنگئے اور ایک عرصہ تک اپنے فاتحوں کے کریمانہ و فیاضانہ سلوک و عنایات سے سرفراز ہوتے رہے۔

عام دستور کے خلاف مسلمانوں نے تمام جاگیریں اور ریاستیں اُن ہی امراء اور رؤسا کے پاس رہنے دیں جنکے پاس وہ اس فتح سے قبل تھیں۔ البتہ جو لوگ اس جنگ میں مارے گئے یا بھاگ گئے تھے انہی کی جاگیریں ضبط کرلی گئی تھیں اور یہ ہرگز ظلم کی بات نہیں، مسلمانوں نے ملک اسپین پر فتح پانیکے بعد تمام غلاموں کو آزاد کردیا اور اُنکو زمین کی کاشت سے (جسکے وہ بیچارے ہمیشہ سے پابند تھے) مستثنے کردیا اور اگر مسلمان اس ملک کو فتح نکرتے تو اُن بیچاروں کو ہمیشہ پابند رہنا پڑتا، اسکے علاوہ مسلمانوں نے اُنکی اخلاقی حالت کیسی درست کی۔ اور اُنکو بہت کچھ آزادی دیدی، یہ لوگ بغیر اپنے آقا کی اجازت کے پہلے کسی سے شادی نہیں کرسکتے تھے مگر مسلمانوں نے اس قسم کے سخت اور بے رحمی کے برتاؤ سے بالکل کنارہ کشی کی اور غلاموں کو بالکل آزاد کردیا،

سب سے بڑا احسان جو مسلمانوں نے اپنے مفتوحوں پر کیا وہ یہ ہے کہ اُنھوں نے اُنکو تبدیل مذہب پر بالکل مجبور نہیں کیا اور اُنکو اس معاملہ میں بالکل آزادی دی کہ جس کی چاہیں پرستش کریں۔ (دیکھو تاریخ اسپین انگریزی مصنفہ مسٹر لین پول)

یہ ہرگز نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ مسلمانوں نے ملک اسپین کو فتح کر کے تباہ و برباد کر دیا، بلکہ برخلاف اسکے اسپین والوں کو کبھی اتنی آزادی اور اتنے آسان قواعد نہیں برتنے پڑتے تھے جتنے مسلمانوں کے زمانہ حکومت میں اُن لوگوں کو ملے۔

مسلمانوں نے اس وحشی اور غیر منتظم سلطنت کو اتنا زرخیز اور شایستہ بنا دیا تھا کہ جس کا بیان کامل طور سے دشوار ہے اور اُسکی تہذیب میں اتنی ترقی کر دی تھی کہ لوگ اُسوقت حیرت کی نظر سے دیکھتے تھے اور آج بھی تعجب کرتے ہیں، اسپین کو علم و صنعت میں اسقدر ترقی مسلمانوں نے دی کہ آج تمام شایستہ یورپ اسکی شاگردی کا ممنون ہے، جس زمانہ میں اسپین ترقی کے اعلیٰ مرتبوں پر پہنچ چکا تھا اُسوقت تمام یورپ وحشت اور جہالت کی تاریکی میں گھرا ہوا تھا،

القصہ اس آزادی کے برتاؤ کا یہ نتیجہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں تمام اسپین کے عیسائی یہودی، اور دوسرے مذہب کے لوگ صاف صاف الفاظ میں مسلمانوں کے مذہب، طرز حکومت، اخلاق اور شریفانہ برتاؤ کے دل سے ممنون اور مداح ہوگئے اور دعائیں مانگنے لگے کہ خدا کرے ان کی حکومت ہمیشہ قائم رہے۔

۷۵۶ء میں ایک شخص مسمّی بہ عبدالرحمن اسپین کا بادشاہ ہوگیا، یہ شخص بنی اُمیہ کے خاندان سے تھا جو عرب کا ایک بہت بڑا اور مشہور خاندان ہے، یہ شخص فطرتاً نہایت نیک مزاج اور رحمدل تھا، اگرچہ بہت بڑا سلطان ہوگیا تھا مگر مفلسوں اور بیماروں کے مکانوں پر خود جاتا تھا اور حتی الوسع اُنکی مدد کرتا تھا اس خاندان کے ایسے ایسے لوگ اسپین کے تخت پر جلوہ افروز ہوے کہ اپنی مثال نہیں رکھتے، اس خاندان نے تقریباً آٹھ سو برس حکومت کی اور اسی زمانہ میں اسپین کے علم و صنعت شایستگی اور تمدن کا ایسا بہترین

نمونہ بنا دیا کہ دنیا کی تاریخ آج اُسکی مثال سے خالی ہے۔

مسٹر لین پول نے اپنی ایک تالیف میں مسلمانوں کی حکومت اسپین کا حال دکھلایا ہے جسکو دیکھکر تعجب ہوتا ہے کہ وہ مسلمان جو کسی زمانہ میں لاثانی تھے اب نہایت ذلیل ہو گئے ہیں، ہر چند کسی ترجمہ میں مصنف کا زور تحریر اور حسن بیان کبھی قائم نہیں رہتا اسلیے جیسا چاہیے میں اُسے ناظرین پر ظاہر کرنے سے قاصر ہوں مگر بمقتضائے مالا یدرک کلہ اُنکی ایک مختصر تحریر کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں وہ بیان کرتے ہیں کہ

"قریب ۸۰۰ برس کے اسپین نے اپنے مسلمان سلاطین کی زیر حکومت تعلیم و تہذیب کا ایک عمدہ نمونہ تمام یورپ کے واسطے قائم کیا تھا، اُسکے شہر اپنے اسلامی فاتحوں کے عمدگی اصول زراعت کی وجہ سے دوگنی پیداوار دیتے تھے، وادی الکبیر اور غرناطہ کے زرخیز وادیوں میں بے شمار شہر آباد ہو گئے تھے، جنکے نام اور صرف نام ہی نام اسوقت تک اپنی گذشتہ عظمت اور شان کی خبر دے رہے ہیں، دستکاری، علم، اور سائنس نے اُس زمانہ میں اتنی ترقی کی تھی جتنی کہ تمام یورپ میں کہیں نہیں تھی، فرانس، جرمنی اور انگلستان سے سلطنت اسپین میں طلبا جمع ہوتے تھے تاکہ اُس تعلیمی چشمہ سے فیض حاصل کریں جو سوائے اسپین کے اور کہیں نہیں بہتا تھا، اسپین کے اطبا اور حکما اپنے زمانہ میں بے مثل و بے نظیر تھے، عورتوں کو تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دیجاتی تھی اور لیڈی ڈاکٹر اُسوقت اسپین میں بکثرت موجود تھے، ریاضی، نجوم، علم زراعت، تواریخ، جغرافیہ، فلسفہ اور قانون اور بہت سے اسی قسم کے علوم صرف اسپین ہی میں تعلیم دیے جاتے تھے اور

اور کہیں اُنکا چرچا نہ تھا، کاشت، آب پاشی، قلعہ بندی، جہاز سازی، ندّافی، کندہ گری، لوہاری، اوزار سازی اور معماری وغیرہ میں اسپین نے اسلامی حکومت کے زمانہ میں کمال دکھلا دیا تھا جسطرح اہل اسپین دستکاری میں کامل تھے اُسیطرح جنگی کاموں میں بھی لاثانی تھے، چنانچہ انکے بیڑے تمام بحر قلزم پر حکمرانی کرتے تھے اور اُنکی فوج عیسائیوں کو لڑائی میں تباہ و برباد کر دیتی تھی الغصہ جو کچھ کہ سلطنت کو شاندار اور دولتمند بنانے کیواسطے ضروری ہو، اور جو کچھ کہ تہذیب و عقل سکھلاتی ہے سب اسپین میں اسلامی حکومت کے زمانہ میں پایا جاتا تھا۔"

اب اس سے یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ ایک غیر قوم والا شخص اُس سلطنت کی اتنی تعریف کرے تو وہ دراصل کتنی اعلیٰ درجہ کی اور قابل تعریف سلطنت ہوگی۔

سب سے عادل اور لائق بادشاہ جو تخت اسپین پر متمکن ہوا عبدالرحمن ثالث تھا، یہ شخص خاندان بنی اُمیہ کا آٹھواں بادشاہ تھا، اسکے عہد میں اسپین نہایت خوشحال رہا اور بہت ترقیاں کیں، اس سے قبل کبھی اسپین اتنا خوشحال، اتنا تعلیم یافتہ، اتنا زرخیز اور اتنا مطیع نہیں ہوا تھا جتنا اس عادل بادشاہ کے زمانہ میں ہوا۔ کبھی قوانین اتنی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گئے جتنے عبدالرحمن ثالث کے زمانہ سلطنت میں اُنکی عزت کی گئی اور کسی بادشاہ کے ساتھ نمک حلالی اور خیرخواہی کا برتاؤ نہیں کیا گیا جتنا اس عادل بادشاہ کے ساتھ کیا گیا، عبدالرحمن ثالث کے عہد حکومت میں فرانس، جرمن، اٹلی، اور قسطنطنیہ کے سفیر آتے تھے، اور حسب حیثیت دربار شاہی میں بار پاتے تھے، اُسکی طاقت، عقلمندی اور دولت تمام یورپ اور افریقہ میں ضرب المثل تھی، یہ سلطان عالیشان نہایت عالی ہمت خوش مزاج، عدل گستر، اور رحمدل تھا، غرضکہ جہانتک اس بادشاہ اور اس سلطنت کی تعریف کیجائے بجا ہے مگر بلحاظ طوالت یہ کہدینا کافی ہے کہ یہ سلطان دنیا کی ایک عظیم الشان سلطنت کا سب سے بڑا اور اچھا بادشاہ تھا

راقم ابرار حسین (باقی آئندہ)

نظم عبرت و حسرت

ہم ہیں اور جامِ گردشِ قسمت — ہم ہیں اور جرعۂ غم و محنت
ہم ہیں اور تیرگیِ روزِ سیاہ — ہم ہیں اور شامِ غم کی ہے ظلمت
ہم ہیں اور چرخِ تفرقہ انداز — ہم ہیں اور افتراقِ جمعیت
ہم ہیں اور بختِ بےسروساماں — ہم ہیں اور گردِ وادیِ غربت
ہم ہیں اور بارِ خانہ بردوشی — ہم ہیں اور یہ متاعِ بےقیمت
ہم ہیں اور نارواییِ بازار — ہم ہیں اور نارسائیِ قسمت
ہم ہیں اور جسم و تابِ بےجاں — ہم ہیں اور دست و پائے بےحرکت
ہم ہیں اور اتفاق سے دوری — ہم ہیں اور افتراق سے قربت
ہم ہیں اور نقدِ ناسرہ دردست — ہم ہیں اور خونِ آرزو کی دیت
ہم ہیں اور لاکھ سعیِ لاحاصل — اور بےسود کوشش و زحمت
ہم ہیں اور حرصِ اوجِ رفعت کی — ریسماں بازِ عنکبوت صفت
ہم ہیں اور ناقۂ سیہ بختی — اور بیابانِ آفت و نکبت
ہم ہیں اور ہر قدم پہ ہے موجود — ہفتخوانِ مصیبت و آفت
ہم ہیں اور یادگارِ عہدِ سلف — ادب آموزِ عبرت و حسرت
ہم ہیں اور رفتگاں کا نقشِ قدم — اور آئینہ داریِ حسرت
ہم ہیں اور ایک اپنا حالِ تباہ — اہلِ عالم کو مایۂ عبرت
ایک کو ایک کا نہیں کچھ درد — ایک کو ایک سے نہیں اُلفت
ایک فرقہ سے ایک کو ہے لاگ — ایک فرقہ سے ایک کو نفرت

مٹ چکی ہیں یونہیں بہت قومیں تھیں جو عالم میں صاحبِ ثروت
اس طرح سنہ کے بل گرے ہیں ہم کہ سنبھلنے کی اب نہیں طاقت
اپنا شیرازہ ہو چکا برہم اب ہے امرِ محال جمعیت
اڑتے پھرتے ہیں ہر طرف اوراق ہر خزاں دیدہ برگ کی حالت
گھر سے نکلے نہ جو کبھی ، وہ ہیں گام فرسائے وادیِ غربت ،
شرم عائق ہو گر وطن میں رہیں فقر لاحق ہو گر کریں ہجرت
زندگی کا نہ کچھ سہارا ہے نہ معیشت کی ہے کوئی صورت
ساکھ اپنی نہ اعتبار اپنا نہ تجارت نہ صنعت و حرفت
آسماں دور ہو زمیں ہر سخت پہنچی ہے اضطراب کی نوبت
دوڑتے ہیں تو ایسی راہوں میں جن میں ہر ہر قدم پہ ہے نکبت
جیسے پیچھے سراب کے دوڑے پیاس سے جس کی غیر ہو حالت
ان کے ہر اضطراب کی وہ شکل جیسے بسمل کی آخری حرکت
اور ملکوں میں گر یہ سوچے جائیں دن گزاریں گے کرکے کچھ محنت
تو وہاں سے نکالے جاتے ہیں اور ذلت پہ ہوتی ہے ذلت
اپنے سایہ سے ہے حذر سب کو اپنی صورت سے سب کو ہے نفرت
ہو کے ہندی ذلیل ہو گئے ہم کہ برستی ہے نام پر نکبت
نہیں ملکِ خدا میں جا اپنی اے تری شان اے تری قدرت
کیوں نظر میں جہان کی ہیں ذلیل ہم بھی تو آدمی کی ہیں صورت
خلق میں اک ہمیں ہیں بے بہرہ یا خدا یا نصیب یا قسمت
خود کوئی محتشم ہوا تو کیا قوم کی تو ذلیل ہے حالت

خاک چھانیں جب اپنے ہی امثال — خاک پھر اپنی رہ گئی عزت
بھیک مانگیں جب اپنے ہی اقراں — رہ گئی زندگی میں کیا لذت
ہاتھ پاؤں مارے جو ایڑیاں رگڑیں — ہمکو منزل پہ ہو گی کیا راحت

ہوں پریشان قوم کے افراد — دل کو پھر کس طرح ہو جمعیت
غیر قوموں کے ہوں وہ دستِ نگر — کیجیے غور کس کی ہے ذلت

مر گئے بند کر کے دروازہ — فاقے کر کر کے اپنے ہمصورت
نکلی اک اپنی آرزو تو کیا — ہو چکے سب تو کشتۂ حسرت
اب ہے یکساں شراب و خونِ جگر — اب برابر ہے زہر اور امرت
اپنے نزدیک جائے رشک نہیں — ہوں اگر غیر صاحبِ ثروت
کوشش اُن کی اگر ٹھکانے لگی — کیا گلہ اپنی اپنی ہے قسمت
سوکھے ٹکڑوں سے پیٹ جب بھر جائے — پھر ہے بے فائدہ غم و حسرت
لیجئے پھر کسی کا کیوں احسان — کیجئے پھر کسی کی کیوں منت
نفس کو جس نے کر لیا ہموار — اُسکو یکساں ہے پستی و رفعت
قابل رشک ہے مگر بے شک — ہُنر و علم و دانش و حکمت
بے ہنر ہو کے خلق میں جینا — ہے بلاشبہہ باعثِ ذلت
علم و فن میں کسی سے کم رہنا — ہے بلاشبہہ مایۂ حسرت
ہیں ہمارے حریفِ دَور وہی — علم و فن میں جو لے گئے سبقت
ہم نگاہوں میں اُن کی ہیں جاہل — اسکی بے شبہہ چاہیئے غیرت
چاہیئے آدمی میں وہ جوہر — دوسروں کی نظر میں ہو عظمت
نہ کہ ہوں علم و فن سے ایسے دُور — کہ سمجھتے ہیں خارقِ عادت

آئی یورپ سے یہ صدا جب سے — کہ مذاہب ہیں موردِ آفت
ہے عقائد میں سب کے اُس دن سے — شبہہ و شک و لغزش و زلت
مگر آفت یہ ہے کہ بے سمجھے — چھوڑے دیتے ہیں مذہب و ملت
سب کے سب علم سے ہیں بے بہرہ — کس طرح دین کی کریں نصرت
اب نہ وہ طب رہی نہ طبعیات — اب نہ وہ فلسفہ نہ وہ ہیأت
جنکا ہے عالموں میں آج شمار — کچھ اُنھیں علم سے نہیں نسبت
زہد بے جا کو سمجھے ہیں تقوے — ترکِ دُنیا کو سمجھے ہیں طاعت
جو نہ لے علمِ کائنات سے درس — نہ پڑھے جو صحیفۂ فطرت
فائدہ کیا اُسے کتابوں سے — ان میں رکھا ہی کیا بجز زحمت
اصطلاحاتِ محض کا طومار — احتمالات بحث کی کثرت
گتھیاں رہ گئی ہیں بے سُلجھی — اُلجھنیں ایسی جنسے ہو نفرت
ہے غرض اک طلسمِ بوقلموں — فلسفہ کہیئے اِس کو یا حکمت
جسکے اثبات پر ہیں سو بُرہان — اُسکے ابطال پر بھی ہی حجت
کالجوں کی سند ہے جنکے پاس — حال اُنکا ہے قابلِ عبرت
کچھ نہیں آتا نوکری کے سوا — کچھ نہیں جانتے بجز خدمت
نہ تو رد و قدح کی تاب اُن میں — نہ تو ان میں ہے بحث کی طاقت
قوم کو ایسے چاہئیں علما — کریں باطل جو خصم کی حجت
کہ سیاہی کو اُن کے خامہ کی — ہو مجاہد کے خون پر سبقت
زیست کا سب کی ایک وقفہ ہے — اسمیں پستی ہو یا کہ ہو رفعت

کانو یا اُنکو جہل و نکبت میں | سیکھو یا اس میں دانش و حکمت
اس میں اعلیٰ بنو کہ تم ادنیٰ | اس میں ثروت ہو یا کہ ہو نکبت
جنکو اسباب کچھ فراہم ہیں | اُن کو حاصل ہی علم اور دولت
درس گاہوں میں سیکھتے ہیں علوم | کارخانوں میں صنعت و حرفت
کھلتے جاتے ہیں اُنپہ سب اسرار | اُٹھتے جاتے ہیں پردۂ حیرت
ہوتے جاتے ہیں آشکار اُنپر | سب رموزِ دقائقِ فطرت
اُنکے قابو میں برق کی ہی عنان | لیتے ہیں آفتاب سے خدمت
سنگ و آہن میں اُنکو ہی محسوس | انکے اجزائے فردہ کی حرکت
اور تپِ آفتاب کے درجے | اور نبضِ شعاع کی سرعت
ہم کہ ہم سے ہیں بے سرو ساماں | نہیں اُنکو نصیب یہ دولت
درس گاہیں نہ کارخانے ہیں | منبعِ علم و دانش و حکمت
ہم کو اسباب یہ کہاں ممکن | کہ کریں سعی و کوشش و زحمت
سخت طوفاں ہے بحرِ بے خبری | ہے تلاطم میں کشتیِ اُمت
ڈوبتے ہو تو ہاتھ پانوں ہلاؤ | ہے اُبھرنے کی اک یہی صورت
کام مِل کر باتفاق کرو | سمجھو اب بھی ہی مغتنم فرصت
ہی عجب اتحاد میں خوبی | ہے عجب اتفاق میں برکت
قوم کو اپنا غیر سمجھے ہیں جو | اس زمانہ کے صاحب ثروت
یہ سبب ہے کہ دل نہیں دُکھتا | دیکھتے ہیں کہ غیر ہے حالت
ہم چراغِ [illegible] نہیں | ہم نہیں سبزۂ سرِ تربت

کہ بجھاوے نسیم کا جھونکا — یا سکھاوے تموز کی حدت
ہم جہاں میں ہیں یادگار سلف — ہمکو اُن کی سی چاہیئے ہمت
نام لیوا ہیں کچھ ابھی باقی — گوکہ وہ قوم ہو چکی رخصت
جیسے سرتاجِ قوم آغا خاں — فخر اُمت سلالۂ عترت
مجمع خیر سید السادات — زیب بخشِ وسادۂ حشمت
اہل اسلام کا ہو ذرہ انہیں — کیوں نہو انکے جد کی ہو اُمت
ساتھ تھے موکبِ ہمایوں کے — فتح و اقبال و شوکت و نصرت
دیکھے ہندوستاں کو فخر و شرف — ہوئی پنجاب کی طرف نہضت
دہلی و لکھنؤ الہ آباد — پٹنہ، کلکتہ، آگرہ، سورت
رکھا جس شہر میں انہوں نے قدم — ساتھ ساتھ آئی خیر اور برکت
ایسے محسن کا شکر ہو واجب — کئے احسان جس نے بے منت
کہ تمہارے لئے مسلمانو، — کس سے ہو سکتی اسقدر زحمت
اُس نے پھیلا دیا ہو دستِ سوال — جسکے دستِ کرم کی ہو شہرت
جاسے ہر در پہ وہ تمہارے لئے — جسکا در خود ہو مامنِ دولت

سعی ان کی خدا کرے مشکور
اور دے تمکو دانش و حکمت

راقم
علی حیدر طباطبائی نظم

قوم کو اپنی سمجھیں جو اپنا — ایسے لوگوں کو دے خدا دولت

تسلیم و رضا

مولانا ابو العلا سید سعید احمد صاحب ناطق لکھنوی کی تالیفات سے پبلک بخوبی روشناس ہے اس لیے آپ کی جودت فکر اور قابلیت علمی کسی مزید معرفی کی محتاج نہیں، نہایت مسرت کا مقام ہے کہ آپ نے ہمارے الناظر کی طرف توجہ مائل فرمائی ہے جسکے لیے ہم آپ کے متشکر گزار ہیں۔

ذیل میں ہم آپکا فصیح و بلیغ مضمون درج کرنے کی عزت حاصل کرتے ہیں اسکا عنوان نہایت دل آویز اور مضمون نیز شعر سے کیا گیا ہے، اور جو ایک تاریخی واقعہ کی وجہ سے خاصکر قابل ذکر ہے۔

سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ کے خلیفۂ اعظم حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کا جب وقت آیا تو حسن اتفاق سے قوال یہی شعر گا رہا تھا، فنا و بقا کا تصور اور جذبۂ عشق نے اس شعر کے سنتے ہی آپ پر عجیب و غریب کیفیت وجدانی طاری کر دی، ہر چند کہ معتقدین اور گرد و پیش کے لوگ آپ کو روکنے کی بہت کوشش کر رہے تھے مگر آپ کی کیفیت وجدانی کسی کے روکے کب رک سکتی تھی، شدت بیقراری میں مرغ بسمل کی طرح آپ تڑپنے لگے اور الا اللہ کی صدا آپکی ہر تڑپ کے ساتھ سامعین کے کانوں تک پہونچتی تھی، یہاں تک کہ آپکے طائر روح نے قفس عنصری سے پرواز کر کے گلزار رضوان میں آشیانہ کیا انا للہ و انا الیہ راجعون

اڈیٹر

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

شعر کی بلاغت اور شاعر کے مقاصد کا دار و مدار لفظ "تسلیم" پر ہی، اور کیوں نہوتا یہ لفظ ہی ایسا ہے کہ جو اسکو صرف کرنا جانتا ہو وہ اپنے جملے یا شعر سے معانی کا ایک ملک آباد کر سکتا ہے۔

تسلیم کے لغوی معنی مان لینا، یقین کر لینا، کہنے پر چلنا، سپرد کرنا، سلامت رکھنا اور کنایۃً سر جھکانا ہیں۔

اصطلاح صوفیہ میں تسلیم و رضا ایک لفظ مرکب ہی جسکے کُل معانی تو ایک جملے میں ادا نہیں ہو سکتے کیونکہ صوفیہ میں یہ ایک اصول طریقت ہے اور اسکے بہت سے فروع ہیں منجملہ اُنکے یہ بھی ہی کہ جن اہل اللہ نے شدید مصائب برداشت کیے اور شکر کیا وہ عامل تسلیم و رضا تھے، اس شعر کا مصنف صوفی بھی ہی اور حُسن اتفاق سے شاعر کامل بھی لفظ تسلیم اس طریقہ سے نظم کیا ہی کہ اصطلاحی اور لغوی دونوں معنی اپنے اپنے جلوے دکھا رہے ہیں اور بہت نازک و لطیف باتیں پیدا ہوتی ہیں، اوّل مفہوم شعر یہ ہے کہ معشوق حقیقی نے جن عاشقوں کو اُس خنجر ادا سے قتل کیا ہی جس سے اُسکا منشا یہ ہی کہ قتل ہو جانے پر بھی سلامت رہیں تو اُن عاشقوں کو غیب سے ایک دوسری جان دوبارہ قتل ہونیکے لیے ملتی ہی تاکہ معشوق کے دونوں متضاد خیال عالم ظہور میں آ جائیں، کیونکہ اُسکے فعل کا منشا فنا ہے اور ذریعۂ فنا جو خنجر ہے اُسمیں بقا کی صفت ہے تو ان دونوں کا ظہور ہونا چاہیے، لہذا شاعر یہ کہتا ہی کہ ایسے کشتوں میں غیب سے ہمیشہ ایک نئی روح پھونک دیجاتی ہے تاکہ اُسوقت تک جب تک کہ معشوق دو ٹوک فیصلہ نہ کر دے یہ سلسلہ جاری رہے،

یہ مطلب تو لغوی معنی کے لحاظ سے تھا، اب اصطلاحی معنی کے اعتبار سے یہ ہوگا کہ تسلیم و رضا کے خنجر سے جو عشاق قتل ہوئے ہیں اُنپر تسلیم و رضا کا اثر بھی مترتب ہونا چاہیئے اور تسلیم و رضا کا اثر یہ ہے کہ عامل اُس کا فنا کی طرف مائل نہو کیونکہ اگر قبل تکمیل تسلیم و رضا اس عالم سے جہاں اُسکو یہ منزل طے کرنا ہے روانہ ہوا تو یہ ایک ایسا امتحان ٹھہریگا جسکا کورس کوئی شخص تمام ہی نہیں کرسکتا۔ لہذا اُسکو اسقدر ظرف دیا جائے کہ روح عمر طبعی سے پہلے اپنے قالب کو نہ چھوڑے یا اسوقت چھوڑے جبکہ ممتحن کو یہ منظور ہو کہ مدتِ امتحان ختم ہونے سے پہلے ہی بسبب کمال قابلیت ترقی دے دیجائے تاکہ ابھی سے اُن زندوں میں شمار ہو جائے جو کہ زندۂ جاوید ہیں، بہرحال تسلیم و رضا حیات بخش ہے اور خنجر کشندہ اپنی ذاتی صفت سے طالب اجل ہی لہذا موت و حیات دونوں کی تعیین ہونی چاہیئے۔ اور یہی مقصودِ شاعر ہے کہ مقتولِ خنجرِ تسلیم و رضا کو ہمیشہ غیب سے ایک نئی زندگی ملتی ہے۔

ہر ایک بلیغ شعر میں یہ سلسلہ ہوتا ہے کہ الفاظ میں معانی ہوتے ہیں، معانی میں مطلب یا مفہوم شعر ہوتا ہی اور اُس مفہوم میں شاعر کا مافی الضمیر ہوتا ہی۔

اس شعر کے الفاظ سے معنی اور معنی سے مطلب تو ناظرین نے معلوم کرلیا لیکن شاعر کا مافی الضمیر باقی ہے اور وہ بہت ہی لطیف ہے، یعنی یہ کہ اُسنے اخلاق کا ایک ایسا مسئلہ پیش کیا ہی جو سب سے زیادہ اہم اور مفید ہے،

شاعر کہتا ہے کہ جنلوگوں نے اپنی جان کو اس بات کے لیے وقف کردیا کہ تو جو چاہے کرے، زندگی اور موت اُنکے اختیار میں ہوتی ہی، اور ہر جاندار اپنی بقا کو اپنی فنا پر ترجیح دیتا ہے اس لیے ایسا شخص کبھی نہیں مرتا، اور گذشتہ واقعات سے معلوم ہوتا ہی کہ جو شخص ذاتی اغراض میں زندگی بسر کرتا ہے وہ جلد اور بُری حالت میں مرتا ہے

فس جس درجہ کا خودغرض ہو اُسی حساب سے ، مگر جو شخص دوسرے کیلیے اپنی زندگی گزاتا
ہے وہ کبھی نہیں مرتا بلکہ بعد انتقال کے بھی اُسکی روح کو عالمِ حیات پر ویسا ہی اور
س سے زیادہ تصرف رہتا ہی جیساکہ انتقال سے پہلے تھا۔

انبیا، اولیا، اصفیا، اتقیا یا دیوتا (اخلاقی) فلسفی، ریفارمر، لیڈر، سخی،
مشاق [illegible] بہادر جنھوں نے قوم یا مُلک پر اپنی جانیں فدا کیں، وہ احباب پرست
جنھوں نے دوستی کے پیچھے اپنے آپ کو مٹا دیا، وہ مصنفین جو تمام عمر علمی فوائد پہنچاتے
ہے، اِن سب میں سے ایک بھی مرنے کے بعد معدوم نہ ہوا، جو آثار روح کے جسم
یں ہوتے ہیں وہ سب تاثیرات اب تک اس عالم میں اُنکے موجود ہیں اور ہمیشہ رہیں گے
لیکن چونکہ روح لطیف ہے اس لئیے ہم اُسکا مشاہدہ نہیں کرسکتے. بخلاف اسکے جنھوں نے
ے خودغرضی میں بسر کی ہی اُنکا نام و نشان صفحہ ہستی سے بالکل نیست ونابود ہوگیا ہے
حیات جاودانی دو صورتیں رکھتی ہے ایک دینی دوسری دنیوی، ہر ایک مذہب کے
ان عقیدت کا یہ عقیدہ ہے کہ اُنکے پیشوا مرنیکے بعد بھی اس عالم پر متصرف ہیں مگر جو لوگ
مذہب ہیں وہ جسمانی تصرف کو نہیں مانتے وہ صرف اتنا جانتے ہیں کہ ایسے لوگوں کا نام و
نشان زندہ رہتا ہی بلذات خود مع جسم کے اس عالم میں نہ آسکتے ہیں نہ کوئی کام کرسکتے ہیں
اور یہ کلیہ ہی کہ جو شخص جس افاضہ کا منکر ہوگا وہ کبھی اُس سے مستفیض نہیں ہوسکتا اسوجہ سے
کہ انکو اسکا تجربہ بھی نہیں ہوسکتا مگر نام و نشان اور تاثیرات کے زندہ رہنے کو تو وہ بھی
مانتے ہیں بہر صورت زندگی جاوید کو شاعر نے اسطرح دکھایا ہی کہ تسلیم و رضا اختیار
کرنیوالے کبھی فنا نہیں ہوتے لا مذہب اسکو صرف اتنا ہی سمجھ لیں کہ نام و نشان اور اثر کبھی فنا
نہ ہوگا، اور اہل مذاہب یوں تسلیم کریں کہ جو تصرفات زندگی میں تھے وہ سب بعد موت

بھی باقی رہیں گے بلکہ اُس سے بھی زیادہ، گویا شاعر نے حیاتِ غیر فانی کا طریقہ تعلیم کیا ہے
اور اس تعلیم کا تصرف یہ ہے کہ جو شخص تسلیم کو جسطرح سمجھتا ہے اور حیاتِ جاودانی جسقدر قوی
جانتا ہے اُتنا ہی فائدہ وہ اس سبق سے حاصل کر سکتا ہے مثلاً تم اگر تسلیم کے صرف یہی
معنی سمجھ سکتے ہو کہ حکم پر گردن جھکانا، اور حکم بھی معشوق مجازی کا تو تمکو عاشقوں کی دُنیا
میں حیات جاودانی ملے گی اور ویسی ہی حیات ملیگی جیسی تمھاری عقل اس عالم کیلیے
قبول کرتی ہے، اور اگر تسلیم سے مراد تسلیم و رضا لیتے ہو یعنی معشوق حقیقی کی مرضی پر مجبوری
سے نہیں بلکہ خوشی سے چلنا خواہ کیسی ہی تکلیف اُٹھانا پڑے تو تمکو اپنی ساری زندگی اس تسلیم و رضا
پر وقف کر دینے کے بعد وہی حیات ملیگی جسپر تمھیں اختیار ہوگا کہ چاہے اِس عالم میں
اُس سے کام لو چاہے عالمِ آخرت میں ہمیشہ تفریح حاصل کرتے رہو، اور اگر تسلیم کرنے ۱۳
کے معنی تم سپرد کرنا لیتے ہو، اپنے ذات کو اپنے ملک یا اپنی قوم کے سپرد کرتے ہو اور اُسی
کے پیچھے جان دے دوگے تو تمھارے ملک اور تمھاری قوم میں تمکو وہی حیات جاودانی
ملیگی جسکے تم قائل ہو۔

اسی طرح جتنے معانی تسلیم کے ہیں اور جتنی صورتیں حیات کی ہیں ان دونوں کی علٰحدہ علٰحدہ تعداد کو ایک دوسرے سے ضرب دینے پر جسقدر حاصل ضرب ہو اُسیقدر معانی اس شعر سے پیدا ہوتے ہیں مثال میں صرف تین معانی بیان کر دیئے ایک عشق مجازی سے دوسرے عشق حقیقی سے متعلق ہیں تیسرے اخلاقی۔

ہم یہ بحث کرنا نہیں چاہتے کہ کون سے معنی اصح اور قابل ترجیح ہیں مگر اتنی بات کہدینا کچھ نامناسب نہیں کہ جسقدر اہمیت تسلیم میں تسلیم کیجائیگی اُسیقدر قوت حیات جاودانی میں مسلّم ہوگی، مثلاً اہل اسلام کا عقیدہ ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ فلسفۂ اسلام کا یہ مسئلہ ہے

کہ بزرگان اسلام سب کے سب تسلیم و رضا کے ہر ادنیٰ سے ادنیٰ حصے پر بھی عمل کرتے تھے
تو اُنکو اُنکی حیات جاودانی میں صرف روحانی قوت نہیں ہے بلکہ جسم بھی اُنکے اختیار میں ہے
جب چاہتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں ایک سکنڈ میں تشریف لاتے ہیں اور جو اُنھیں دل سے یاد کرتا ہے
اُسکی مصیبت کے وقت دستگیری کرتے ہیں، اور یہ شعر اُن پر اپنی پوری مطابقت کے
ساتھ صادق آتا ہے۔

دوسرا لفظ اس شعر میں اگر کوئی بلیغ اور معنی خیز ہے تو وہ "غیب" ہے، غیب کے
معانی یہ ہیں کہ کوئی شے یا واقعہ یا حالت جو عالمِ ظاہر میں یا خارج میں موجود نہو، جیسے
جوہر، عقل، روح مطلق، اشیا میں اور واقعات میں وہ واقعۂ آیندہ جسکا کوئی اثر بھی
ظاہر نہ ہو، اسوجہ سے عالم کے دو حصے کر دیے گئے ہیں، عالمِ غیب اور عالمِ شہادۃ
یہ دونوں ایک دوسرے کے برعکس ہیں، غیب کا علم کلیتہً بدون تعلیم محال ہے، اور تعلیم
سے جو علم عالمِ غیب کا ہو خواہ وہ کُلّی ہو یا جزئی اُسے علمِ لدنی کہتے ہیں۔

گو روح و نفس اور جان یہ سب اشیا ساکنان عالمِ غیب ہیں، ان کی تاثیرات و کیفیات
اور مظاہر عالمِ شہادۃ میں ضرور ہیں اور جان کے اسباب عالمِ شہادۃ سے متعلق ہیں کیونکہ
عناصر کی ترکیب مناسب سے جو جوہر یا جو قوت بعد ایک مدت مناسب کے جسم میں پیدا ہوتی
ہے اُسکو عربی میں نفس، فارسی میں جان، اور ہندی میں جی کہتے ہیں، مگر جان بالذات
ظاہر نہیں ہوتی اسوجہ سے اسکو عالمِ غیب میں سے کہتے ہیں، شاعر نے اسی بات کو کہا ہے
کہ یہ جان جو کہ صاحب تسلیم و رضا کو ملتی ہے عالم شہادت سے نہ ملیگی جسکے اسباب عناصر
اور اُسکی مناسب ترکیب سے پیدا ہوتے ہیں بلکہ عالم غیب سے عنایت ہوگی، یعنی اُسکے
اسباب عالم غیب کے اشیا ہوں گے، اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ عالم غیب کی ہر چیز

باقی اور غیر متغیر ہے اور عالم شہادة کی ہر چیز متغیر و فانی اور غیر مستقل ہی تو حیات دنیوی فانی ہے اور وہ جان جو کہ عناصر کی ترکیب سے پیدا ہو اور جسکے اسباب عالم شہادت میں سے ہیں غیر مستقل ہیں اسیوجہہ سے جب عالم شہادة کے یہ اسباب (جان) فنا ہو جاتے ہیں تو جان بھی معدوم ہو جاتی ہے۔ مگر شاعر کہتا ہی کہ عاشق صاحب تسلیم و رضا کو وہ جان ملتی ہے جو بذات خود بھی عالم غیب کی ایک نعمت ہی اور اسباب بھی اُسکے وہیں کے ہیں البتہ اُسکی تاثیرات عالم شہادة میں ضرور ہونگی۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ شاعر نے جان کو بس صفت سے متصف کیا ہی وہ روح کے ہم معنی ہی۔ مگر لفظ "دیگر" سے روح منسوب نہیں ہو سکتی کیونکہ روح تو فنا نہیں ہوتی جان فنا ہو جاتی ہی، لہذا جان کا ہر مرتبہ نکلجانا اور پیدا ہو جانا محال عقلی نہیں ہی۔ اب رہا یہ امر کہ وہ کون سے اسباب غیب ہیں جو کہ جان کو ہر مرتبہ پیدا کر دیتے ہیں، اسکا جواب یہ ہی کہ جب روح پر تصرف حاصل ہو تو اُسکے تمام اختیارات اور قوتوں اور خواہشوں سے کام لیا جا سکتا ہی جان پر اور اس سے زیادہ کیا ہوگا؟ کیا وہ عشاق جو تسلیم و رضا میں اپنی جان دیدیں حشرات الارض سے بھی بدتر ہیں، مگر ہاں جو عاشق نہیں ہے معشوق حقیقی کا نہ اپنی قوم یا مُلک یا تمام مخلوق کا بلکہ خود غرض ہی اور کتے کی طرح صرف اپنا پیٹ بھر لینے کی فکر رکھتا ہے وہ حشرات الارض سے بھی کمتر ہے کہ جب مر جائیگا تو پھر نہ خود باقی رہیگا نہ اُسکا کوئی اثر، اور جب تک زندہ رہا جب بھی مُردوں سے بدتر رہا۔

مضمون تنقید کی مقدار ذہنی ختم ہو چلی اور معانی سے فرصت نہیں ہوئی شعر کے لطائف بالائے طاق۔

شعر میں صرف یہی نہیں کہ عشق کا مذاق اعلیٰ پیمانے پر ہے جسکے لیے شعرائے حال کو توجہ دلائی جاتی ہے بلکہ علاوہ عشق مطلق کے تمام اخلاقی و علمی اور ملکی ہمدردی کو یہ شعر فیضان

عام کی طرح محیط ہے، اس مضمون پر اگر یہ ایراد ہو کہ قوت تنقیدی نے اسکے معنوی احاطے کو وسیع کیا ہے تو یہ صحیح نہیں، کیونکہ ہمارا یہ منشا نہیں ہے کہ شاعر نے نظم کے وقت ان تمام خیالات کو پیش نظر کر لیا تھا، بلکہ سب سے اعلےٰ مفہوم کو تجویز کر کے ایسے الفاظ کا اُسے لباس پہنا دیا کہ ترکیب مناسب اور الفاظ معنی خیز سے سیکڑوں معانی اور لطائف پیدا ہو گئے اور یہ شعرگوئی نہیں بلکہ جاں آفرینی ہے۔

اس مضمون کو اور شعرا نے بھی نظم کیا ہے مگر اُنھوں نے ایسے الفاظ اور یہ ترکیب نہیں اختیار کی اسوجہ سے صرف ایک ہی مفہوم ظاہر ہوتا ہے قوت تنقیدی اُسمیں اتنی جانیں نہیں پیدا کر سکتی۔

غالب۔ ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے ۔۔۔ بے نیازی تری عادت ہی سہی

نظامی۔ مرا زندہ پندار چوں خویشتن ۔۔۔ من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

اسی طرح اکثر اشعار اُردو فارسی میں ایسے ہیں جو اس شعر کے جسکی تنقید ہمنے کی ہے ایک جزو ہیں، مگر مولانا حافظ نے ایک شعر ایسا کہا ہے جسکا مفہوم وسعت اور مرتبے میں اس شعر سے کم نہیں، گویا مغربی نے جس حسین کو اپنا تجویز کیا ہوا لباس دیا ہے اُسی کو شیرازی نے دوسرے لباس سے مزین کیا ہے۔

حافظ

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ۔۔۔ ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ابوالعلاء الناطق لکھنوی

گھر کی چڑیا

منشی محمد حسین صاحب موتی لکھنوی جنکی ایک لطیف اور دلچسپ نظم ہم درج ذیل کیجاتی ہے زبان اردو کے اُن ہی خواہوں میں سے ہیں جنکے دل آویز مضامین نظم و نثر ہندوستان کے اردو رسائل میں اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں، ہمارے الناظر کے قدیم معاون جناب منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی سے سے آپ کو شرف تلمذ حاصل ہے۔

ناظرین کو یہ معلوم کرکے نہایت مسرت ہوگی کہ آپ بھی الناظر کے آنش اسٹاف میں شامل کیے گئے ہیں، لہذا اب حضرات ناظرین و ناظرات کو آپکے بہترین کلام سے محظوظ ہونے کا اکثر موقع ملتا رہیگا، اور مجھے بھی آپ کی ذات سے ہر وقت مدد ملنے کی توقع ہے۔

اڈیٹر

او ننھی مُنی چڑیا تو رونقِ جہاں ہے ۔۔۔ تو زینتِ شجر ہے، تو زینتِ مکاں ہے
او گلشنِ جہاں میں گلگشت کرنیوالی ۔۔۔ دم اُلفتِ بشر کا ہر وقت بھرنیوالی
ہر سقف میں کہیں تو، ہر گھر ترا مکاں ہے ۔۔۔ دیوار و در میں مسکن، پیڑ و نپہ آشیاں ہے
رہتی ہے تو گھروں میں، بستی ہے بستیوں میں ۔۔۔ پرواز اوج پر ہے، رفتار پستیوں میں
او خوشنما پرندے! او میرے گھر کی رونق!! ۔۔۔ ہے تیرا آشیانہ شاخِ شجر کی رونق
تو حُسن کی ہے پتلی، کیا دلفریب ہے تو ۔۔۔ اِن خوشنما پروں سے کیا جامہ زیب ہے تو
تیرے پروں پہ ہیں یہ نقش و نگار دلکش ۔۔۔ باغِ بدن میں آئی کیسی بہار دلکش
اس حُسنِ قدرتی پر یہ سادگی کا عالم ۔۔۔ تو بھولے پن کی گویا تصویر ہے مجسّم

نکہت پروں کی ہلکی، صورت ہیں دلربائی
اس حسن پر متانت قدرت سے تونے پائی

اعضا تمام تیرے جس طرح مختصر ہیں
یوں ہی ترے بدن پر تھوڑے سے بال و پر ہیں

وہ نرم نرم بازو، وہ رنگ ملگجا سا
وہ چونچ کالی کالی، وہ رنگ ہلکا پھلکا

گو صنعتِ خدا کی خود بن گئی شہادت
تیرے ہر ایک پر سے ظاہر ہے شانِ قدرت

بلی جو تجھکو پائے گردن تری مروڑے
صیاد تاک میں ہے دیکھے تو پھر نہ چھوڑے

پیاسی وہ خون کی ہے، دشمن یہ جانکا ہے
بس اب خدا ہی حافظ تجھ بے زباں کا ہے

ہے اک پرند لیکن طرزِ وفا ہے تجھ میں
خلقِ بشر کی خو بو بے انتہا ہے تجھ میں

سیرت ہے نیک تیری، صورت ہے پیاری پیاری
بچپن میں اپنی ماں کی تو تھی بہت دُلاری

ماں تیری تجھکو بیحد شفقت سے پالتی تھی
تیرے دہن میں دانے لا لا کے ڈالتی تھی

تونے بھی سیکھ لی ہے شفقت وہ اپنی ماں سے
بچوں کا پیٹ بھرنا لا کر یہاں وہاں سے

ہمت ہے تیری عالی گو دھان پان ہے تو
کس تندہی سے بچوں پر مہربان ہے تو

سوتے ہیں خواب میں ہم کرتی ہے ذکرِ رب تو
بہتر ہے آدمی کی خو سے کہیں تری خو

تو او حسین چڑیا! لیتی ہے جب بسیرا
اُس وقت کا ترانہ ہوتا ہے خوب تیرا

نغمے سنا سنا کر چوں چوں کے پیارے پیارے
آواز سے کیے ہیں قابو میں دل ہمارے

میرے مکاں میں اپنا تو آشیاں بنا لے
یہ گھر پڑا ہے جتنی تو چاہتی ہو جا لے

جانا نہ پھر یہاں سے دونگا میں آب و دانہ
ہر روز تاکہ تیرا سنتا رہوں ترانہ

امید ہے کہ کہنا محوی کا مان لے گی
الفت سے تو گھر اپنا اس گھر کو جان لے گی

محمد حسین محوی۔ لکھنوی

کچھ اُردو کے بارے میں خیالات

جن اصحاب کو ملکی واقعات پر غور اور معلومات وسیع کرنے کا موقع ملتا رہتا ہے اُن کی باخبر نگاہوں سے اُردو اور ناگری کے ناگوار تصفیہ کی اہمیت پوشیدہ نہیں ہے، ہمیں اسوقت اس جھگڑے کے کسی خاص امر سے متعلق کچھ کہنا نہیں ہے لیکن یہ بات عام طور پر معلوم ہے کہ مسلمانوں کو اُردو کے ساتھ ایک خاص قسم کی دلچسپی ہے، خواہ یہ اسوجہ سے ہو کہ یہ زبان اُنھیں شاہان اسلام کے بابرکت عہد کی یادگار کے طور پر ورثتاً ملی ہے، یا اِس لئے کہ اُردو بذات خود اپنی متعدد خوبیوں کے بدولت اُنھیں اپنا فریفتہ بنائے ہوئے ہے، ہم ذاتی طور پر برادران ہنود کی اُن مساعی جمیلہ کے اعتراف کے لئے ہر وقت آمادہ ہیں جو وہ عملی طور پر اُردو کی بہتری کے لئے کیا کرتے ہیں۔ ماسوا اسکے ہم اپنے خیال کے مطابق اُنکی سرپرستی کا حقدار اُردو کو بوجہ احسن سمجھتے ہیں، مشکل سے کوئی انصاف پسند سنسکرت اور بھاشا کے اُن اثرات سے چشم پوشی کرنے کی جرأت کرے گا جو بالواسطہ و بلا واسطہ اُردو پر ساری رہ چکے ہیں اور اب بھی ہیں، گویا کہ عربی فارسی کی طرح سنسکرت کو بھی اُردو پر حق مادری حاصل ہے اس صورت میں وہ اصحاب ہنود کی ہمدردی و معاونت کی مستحق بہر صورت ہو سکتی ہے۔

ہندوستان میں متعدد مثالیں اُن روشن خیال ہندوؤں کی مل سکتی ہیں جو اُردو کی خدمت کے لئے ایک عرصہ سے جان توڑ کوشش کر رہے ہیں، لیکن رونا تو اس بات کا ہے کہ مسلمان جو ہندوؤں کو اُردو کا مخالف بھی بتاتے ہیں اور اِس مخالفت کو بُرا بھی جانتے ہیں اس زبان کیلئے جسے وہ اپنا قومی ترکہ خیال کر رہے ہیں سوائے زبانی جمع خرچ کے اور کچھ نہیں کرتے۔

ہم اس خیال کو نہایت مضر سمجھتے ہیں کہ لوگوں کو کسی بارے میں جوش دلا کر اُنکے ادنے جذبات کو اُبھارا جائے۔ کیونکہ اس سے ایک حد تک کام ضرور نکلتا ہے لیکن چونکہ جوش خود غیر مستقل اور ضد اور رقابت کا نتیجہ ہوتا ہے اس سبب سے سارے ولولے تھوڑے ہی دنوں میں سرد پڑ جاتے ہیں۔ تاہم یہ بات حیرت انگیز ہے کہ اُردو کے لئے اگرچہ ایک عرصے سے اسی قسم کا جوش پھیلا ہوا ہے لیکن عملی طور پر اس جوش سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا گیا، عوام کو جانے دیجئے وہ اس نازک مسئلہ کے سمجھنے سے یوں ہی قاصر ہیں خواص نے بھی لفظی ہمدردی کے سوا اور اب تک کیا کیا ہے۔

ناگری پرچارنی سبھا کو وجود میں آئے ہوئے ابھی کتنے دن ہوئے مگر وہ اس ننھی سی عمر میں بھی آپ کو اپنے بیش قیمت کارناموں اور اپنے ممبروں کے ایثار نفس کی دلچسپ کیفیت سنا سکتی ہے، ہم اُسکے کاموں کو نگاہ حسد سے دیکھنا اخلاقی حیثیت سے گناہ کبیرہ جانتے ہیں، لیکن امتثالِ امر کے طور پر اگر اُن کا مقابلہ مسلمانوں کے ان کاموں سے کیا جائے جو اُنھوں نے اُردو کی خاطر کرنے چاہے تھے لیکن کسی وجہ سے پورے نہیں ہو سکے تو شرم و حجاب سے سر جھکا لینے کے سوا اور کیا چارہ ہوگا۔

علیگڑھ میں انجمن ترقی اُردو قائم ہوئی جسکو مولانا شبلی ایسے ذی فضل انشاپرداز کی سکریٹری شپ کا امتیاز حاصل تھا، حیدرآباد میں انجمن اُردو قائم ہوئی جسے سنتے ہیں کہ حضور نظام اور دیگر امرائے دکن کی سرپرستی کا فخر عطا ہوا، قلمی معاونین میں مولوی عبدالحق صاحب ایسے اہل قلم بزرگوں کے نام نامی حوصلہ افزائی کا یقین دلاتے تھے لیکن کئی سال کی مدت چپ چپاتے گذر گئی اور اخباروں میں اِن انجمنوں کے ابتدائی اشتہار کے علاوہ پھر کچھ نہ دیکھا، کہ کیا ہوئیں یا کیا کر رہی ہیں، علیگڑھ کی انجمن مولوی شبلی کے بعد مولوی حبیب الرحمٰن خانصاحب شروانی کی نگرانی میں آئی اور اب سنتے ہیں کہ مولوی عزیز مرزا صاحب ایسے سرمایۂ ناز بزرگ کے ظل عاطفت میں اُسے پناہ ملی ہے،

مولوی صاحب ممدوح عملی آدمی ہیں، آل انڈیا مسلم لیگ کے سکریٹری کی حیثیت سے لکھنو ایسے مقام میں جو اُردو زبان کا مسلمہ مرکز ہی فروکش ہیں، ممکن ہی کہ علیگڈھ کی آب وہوا سے باہر ہو کر اب شاید انجمن ترقی اُردو اپنی کچھ کارگذاریاں دکھلا سکے۔ لیکن تاوقتیکہ اسکا تشفی بخش ثبوت بہم نہ پہونچے اطمینان کی صورت نہیں نکل سکتی۔

شیخ عبدالقادر بی۔ اے۔ اڈیٹر مخزن ایسے واقف کار اور وسیع النظر اصحاب کے ہاتھوں اُردو کی بہتری کی اصولی تدابیر ممکن تھیں لیکن افسوس ہی کہ آپ نے صرف اُردو سبھا کا خاکہ کھینچکر پھر ایسی خاموشی اختیار کی کہ تمام ملک آجتک متعجب ہے۔

بدایوں کی آل انڈیا اُردو کانفرنس قریب قریب اُنھیں اصول پر قائم کی گئی ہے جنپر اُردو سبھا کی عمارت کھڑی کیجانے والی تھی، اس کانفرنس میں ہندو ممبروں کی شرکت نہایت مفید چیز ہی اس سے نہ صرف اُردو کو نفع پہونچنے کی صورت پیدا ہوتی ہی بلکہ ہندؤں پر اُردو کی عام مخالفت کا الزام قطعاً رد ہو جاتا ہی اور اس طرح باہمی میل جول اور ہمدردی کے سہل الحصول ذرائع ہاتھ آسکتے ہیں۔

ان بڑی بڑی انجمنوں سے قطع نظر کر کے دیکھیئے تو مقامی مجالس حامی اُردو کی تفصیل بہت زیادہ نظر آئے گی لیکن کام صفر، ایسی حالت میں اُردو کی بہتری کی امید خاک ہوسکتی ہی۔

اس جگہ یہ سوال قائم ہوسکتا ہی کہ نفس الامر میں اُردو کی ترقی کے لیے کوشش ضروری ہی یا نہیں، جو لوگ زبان کو ملکی اتفاق و ہمدردی کا آسان راستہ سمجھ چکے ہیں وہ اس سوال کا جواب نفی میں نہیں دے سکتے، اس ضرورت کے تسلیم کرنے کے بعد اہم کام یہ رہجاتا ہی کہ آیا کون سے طریقے مفید مطلب ہوسکتے ہیں، اسکا جواب بھی معمولی ہی کہ تصنیف و تالیف و تراجم کے ذریعہ سے اُردو کے خزانہ کو مالامال کرنا چاہیئے، لیکن اس اہم مقصد کی تکمیل آسان نہیں اسکے لیئے اُردو سبھا ایسے آرگنائزیشن کی ضرورت ہوگی، نام سے کوئی غرض نہیں اُردو سبھا نہ سہی انجمن ترقی اُردو سہی کام

ہونا چاہیئے، لیکن کام نہایت وسیع پیمانے پر ہو، موجودہ رفتار ضرورت کے لحاظ سے بالکل غیر مکتفی ہے، اس مشن کو پورا کرنے کے لئے ایک مرکزی ایسوسی ایشن کا قیام بہت سودمند ہوگا اسکے چلانیوالے ایسے ہوں جو صرف ترقی اُردو کے مسئلے سے دلچسپی ہیں اور سمجھ رکھیں کہ اِسکے سوا دُنیا میں اُنھیں اور کام نہیں ہے۔

انجمن کی طرف سے ملک کے ہر حصہ میں فراہمی چندہ کی غرض سے وفد روانہ کیے جائیں وہ شیدایان اُردو سے مالی امداد حاصل کرنیکے علاوہ اُن لوگوں کا پتہ بھی چلائیں، جو باوجود اپنے علم و فضل کے تقدیر کے ہاتھوں ذلت کے ساتھ زندگی کاٹ رہے ہیں، ایسے لوگ کھوج لگانے سے ہندوستان میں بہت نکلیں گے اور اِن سے انجمن کو بیش قرار فائدہ پہونچ سکتا ہے، اور اُن کی خدمات بہت قلیل رقمی معاوضہ کے ذریعہ سے مل سکتی ہیں۔

انجمن کو اپنے اخراجات کیلئے ایک کثیر فنڈ درکار ہوگا تاکہ وہ ملک کے انشا پردازوں کی خدمت اس طرح کرسکے کہ وہ اپنی ضروریات زندگی کے لیے دوسرے شغل میں مصروف نہوں اور ذاتی افکار سے علٰحدہ ہوکر ملک کو اپنی دماغی وذہنی قابلیت کے نتائج سے بہرہ اندوز کرتے رہیں۔ یورپ و امریکہ میں آدمی اخباروں و رسالوں میں مضامین لکھکر معقول آمدنی پیدا کرسکتا ہے۔ مالکانِ مطابع صاحبان تصانیف کو سیکڑوں اور ہزاروں پونڈ حق الخدمت دیتے ہیں اور وہ نہایت خوبی کے ساتھ اپنے علمی مشاغل کا سلسلہ تازندگی جاری رکھتے ہیں، ہندوستان میں بھی بہت سے لوگ ایسے موجود ہیں جو اپنی عمر علمی کاموں میں صرف کردینے کو آمادہ ہیں لیکن ؎

چہ خورد بامداد فرزندم

کے مصداق خانگی جھگڑے اور دنیاوی مصیبتیں اُنھیں اس بات کی اجازت ہی نہیں دیتیں کہ وہ یکسوئی کے ساتھ اپنے شغل کو جاری رکھ سکیں اور وہ بہ مجبوری ملازمت کے پھندے میں

میں پھنس کر اپنے دلوں کا خون کر ڈالتے ہیں۔ اگر انجمن اُردو اس قسم کے لوگوں کو فکروں کے دام سے نجات دلاکر انھیں تفکرات دنیاوی سے فارغ البال کر دینے کا سامان مہیا کرے تو ملک میں بہت جلد قابل نحویوں کا ایک کار آمد گروہ پیدا ہو سکتا ہے۔

جو لوگ کام نہیں کرتے صرف زبان سے اردو کا نوحہ سنایا کرتے ہیں اُنھیں اب ادائے فرض کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے، اس وجہ سے نہیں کہ ناگری کے مقابلہ میں اُردو کی فتح رہے۔ یا ہندوؤں کی نام نہاد مخالفت اُسے گزند نہ پہونچا سکے بلکہ اس لیئے کہ اُن کی ملکی زبان ادبی وعلمی جواہرات کے خزانوں سے مالا مال ہو جائے اور اُسے معاصر زبانوں کے دربار میں شہ نشین پر جگہ مل سکے،

کسی ملک کا علم ادب اُسکے تہذیب و تمدن کے لئے آئینہ کا حکم رکھتا ہے، جب ہماری زبان ترقی یافتہ ہوگی تو تمام ملک کا ترقی یافتہ ہو جانا لازمی امر ہے۔

راقم سید محمد فاروق

غزل

ز نغمائے باغ و بستاں چہ گوید او خبرہا — مُرغے کہ در اسیری بر کرد بال و پرہا
این شور شکر ! کاہم اثر نہ دارد — سیداں یقیں کہ روزے پیدا کند اثرہا
دلِ نازکش مبادا، نہ سوزشے پذیرد — مدہ آہ آتشیں را یا رب چنیں اثرہا
بخدا کہ جلوۂ او بگرفت مالے را — دلِ بے خبر اخدارا، کن چارسو نظرہا
بسے صبا! ز زلفش بمشامِ عاشقاں بر — برساں صبا ز کویش بر بیدلاں خبرہا
بہ نگاہ شرم آگیں خوں کردہ جانے — گر با ودت نباشد، اینک دل و جگرہا
فہمی غمے نہ دارد ز درازی و ز ظلمت — شبہائے ہجر را ہم روزے بود سحرہا

دیانت حسین فہمی صدیقی،

کلامِ نادر

جی بھر آیا پچھلا سامانِ اسیری دیکھکر — رُو دیا میں اپنا زنداں خالی خالی دیکھکر
رحم آجائے گا اُنکو شکل میری دیکھکر — میری حالت دیکھکر میری غریبی دیکھکر
ساحلِ جو لانگہ امواج پر شکلِ حباب — دم بخود بیٹھا ہوا ہوں اپنی ہستی دیکھکر
مفت بھی خواہاں نہیں دلکے، کیونکر آدمی؟ — بیضرورت چیز لے لیتا ہے سستی دیکھکر
اب کہاں وہ نوجوانی اور کہاں جذباتِ عشق — پیار بھی آتا نہیں اب شکل پیاری دیکھکر
دشتِ غربت سے چلا ناحق میں بستی کیطرف — کون پوچھیگا مجھے میری غریبی دیکھکر

لاکھ میں اُنکو بھلاتا، ضبط کرتا ہوں مگر — دل بھر آتا ہے پہلو اپنا خالی دیکھکر
کھنچگیا نقشہ نظر میں ہستیِ موہوم کا — بنگیا تصویر میں تصویر اپنی دیکھکر

عشق کا نادر کہاں سے تو لگا لایا یہ روگ
رونا آتا ہے ہمیں تیری جوانی دیکھکر

"رباعی"

مانا نغمہ مرا خوش آیند نہیں — اور پردگیانِ عشق خورسند نہیں
لیکن یہ خروش دل ہی یہ ہیں جذبات — جذبات کبھی ادب کے پابند نہیں

از نادر کاکوروی

ماہیت شکر

ماہرین حقائق اشیا و متلاشیان اسرار کبریا نے کیفیت شکر کی اصلیت کے دریافت کرنے میں بہت تگ و دو کی ہی اور ہر ایک نے اپنے اپنے قوائے عقلی و بساط کے موافق کچھ نہ کچھ علمی معلومات میں اضافہ بھی کیا ہی، مگر ذیل کی رائے کے تقابل میں جب اور رائیں پیش کیجاتی ہیں تو معیارِ عقل پر پوری نہیں اُترتیں اسلیئے اُنکا ذکر عبث ہی۔

جہاں اور قواعد حقیقت دریافت کرنے کے متعلق مستنبط کیئے گئے ہیں یہ بھی ضابطہ مانا گیا ہی کہ جب کسی شئی کی ماہیت دریافت کرنیمیں مشکلات حائل ہوں تو اُسکے تحلیل کرنے سے اجزا معلوم ہو جاتے ہیں گو یہ قاعدہ اشیاء خارجی کیلیئے ایجاد کیا گیا ہی لیکن جب شکر کی ماہیت معلوم کرنیکے لیئے اسکو بھی خارج میں فرض کرکے تحلیل کرتے ہیں تو اُسکے تین اجزا (جو فی الحقیقت اسکے عنصر ہیں) نکلتے ہیں، علم، حال، عمل۔

علم نسبت اپنے متقابلین کے زیادہ اہم ہی بلکہ باعتبار اضافتِ حدوثی ترتیباً ایک دوسرے کی فرع ہیں، اسلیئے کہ علم کے بعد حال پیدا ہوتا ہی اور حال کے بعد عمل۔

"علم شکر" خدا کی نعمتوں کو اس طرح سے پہچاننے کا نام ہی کہ انکا مبدأ ذات واجب ہی، اور اسی کے فیضان سے یہ ہم تک پہونچی ہیں۔

حال سے مراد دل کا وہ سرور ہی جو نعمتوں کے ملنے پر حاصل ہوتا ہی۔

عمل سے مقصود یہ ہی کہ شکر کا مصرف وہی قرار دیا جائے جسے فیاض ازل نے پسند کیا ہو۔

علم شکر میں اسکا لحاظ رکھا گیا ہی کہ منعم علیہ کو حصول نعمت کے ساتھ اس سے بھی واقف

ہونے کی ضرورت ہو کہ نعمت محصلہ حقیقت میں فیاض ازل کی دی ہوئی ہو اور کسی دوسرے کو اسمیں کسی قسم کا دخل نہیں ہو، تم کہوگے باران رحمت کیلئے ابر، رزق کیلئے کشت زار حصول صنائع کیلئے علم، تجربات حسیات اور علم کیلئے علما و فضلا، مال و دولت کیلئے خداوندان نعمت و جاہ مصدر فیض شمار کئے جاتے ہیں - انسان کو جن جن چیزوں کی تمدن و معاشرت میں احتیاج ہو گو وہ سب خدا کے نادیدہ ہاتھوں سے ہمکو عطا کیجاتی ہوں لیکن ہمارا حس ہمپر اذعانی طور پر ثابت کر رہا ہو کہ انکے معطی اور ہمارے حوائج کے بالاستیعاب پورے کرنیوالے یہی خارجی اسباب ہیں جنکو ہم حواس خمسۂ ظاہری سے محسوس کرتے ہیں اور جو ذوق سلیم اور فہم مستقیم رکھتے ہیں وہ ان مشاہدات کا انکار نہیں کر سکتے، یہ اعتراض کچھ غور کرنیکے بعد اٹھ جاتا ہو، کیونکہ علم معانی میں فصل اسناد میں جہاں اور مسائل حقیقت و مجاز کے متعلق بتلائے گئے ہیں یہ قاعدہ بھی ذکر کیا ہو کہ مجاز و حقیقت کی تمیز دو طریقوں سے ہو سکتی ہے -

(۱) ظاہری کلام کو قائل کے اعتقاد سے کیا نسبت ہو، (۲) قرین قیاس کیا ہے -

اگر قائل ظاہری کلام کو مانتا ہو تو اس کلام کی حقیقت وہی مفہوم ہو اور اگر وہ کسی اور چیز کا معتقد ہے لیکن کلام میں تاثیر کی نسبت اور اشیاء کے ساتھ کر رہا ہو تو مجاز ہے اسی طرح قرین قیاس جو امر ہو حقیقت و مجاز سے اختیار کیا جاتا ہو، اسی بنا پر کہا جاتا ہو کہ ایک فلسفی یا دہریہ کا یہ کہنا کہ سبزہ کو مینہ اگاتا ہو یا پھلوں میں آفتاب کی وجہ سے پختگی اور قمر کی روشنی سے رنگت آتی ہے حقیقت ہو، اور کسی وحدت آشنا کا یہ مقولہ کہ گردش زمانہ نے ستا رکھا ہو" مجاز ہے، کیونکہ وہ مؤثر حقیقی خالق برحق کو جانتا ہو شعرا و فصحا نے اپنے کلام میں زمانہ یا فلک کی شکایت کی ہو مگر اصل یہ ہو کہ انکے کلام کی رونق کو یہی مجازات دوبالا کر رہے ہیں - علامہ یوسف بن ابی بکر سکاکی معتزلی المتوفی ۶۲۶ھ نے مجاز عقلی اور استعارہ بالکنایہ میں فرق نہیں کیا ہو وہ استعارہ بالکنایہ کی تعریف میں رقم طراز ہے استعارہ بالکنایہ اوس استعارہ کلام ہو جسمیں صرف مشبہ مذکور ہو اور مشبہ بہ قرینہ قیاس سے دریافت کیا

جائے اور جسقدر مشبہ بہ کے لوازمات ہوں وہ مشبہ کیلئے ثابت کئے جائیں" مجاز میں بعینہٖ یہی حالت ہوتی ہے اس نے سکاکی اس قول کو" فصل ربیع نے گھانس اُگائی ہے" استعارہ بالکنایہ لکھتا ہے، خالق برحق اور اثبات نقل میں ربیع ایک صریحی واسطہ ہے جسکی جانب ترک تسلسل اور خوبی لطافت کیوجہ سے کلام منسوب کر دیا جاتا ہے لیکن کوتاہ بین خیال کرتے ہیں کہ یہ سارے کرشمے انھیں حسیات کے ہیں۔

علم شکر میں بھی منعم علیہ کے عقاید کا لحاظ ہوتا ہے اور اسی بنا پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اگر منعم علیہ کو کوئی نعمت کسی وسیلہ سے حاصل ہو اور اُسکا اذعان غالب اسکا مقتضی ہو کہ اس حصول انعام میں کسی شخص کی مساعی جمیلہ نے بھی حصہ لیا ہے تو اُسکا شکر خالص حق کے لئے نہیں ہو سکتا، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ فرض کرو زید کو کسی امیر نے خلعت دیا مگر زید خیال کرتا ہے کہ یہ خلعت امیر نے خود بخود مجھے عنایت نہیں کیا ہے بلکہ وزیر کی مساعی جمیلہ صورت مرام کو جلوہ گاہ کامیابی میں لانیکی باعث ہوئی ہے پھر اگر زید حصول خلعت کا شکریہ ادا کرے تو وہ شکر صرف امیر کے لئے نہیں ہو سکتا بلکہ مشترکہ طور سے وزیر اور امیر دونوں کے لئے ہوگا اور اگر بادشاہ اپنے حکم سے بذریعہ فرمان زید کو کچھ دلوائے تو زید کا شکریہ بادشاہ کیلئے ہی پورا شکر ہوگا۔

بادی النظر میں دونوں مثالیں ایک درخت کی دو شاخیں معلوم ہوتی ہیں لیکن درحقیقت دونوں جدا جدا ہیں صورت اول میں وزیر حصول خلعت کا ذریعہ تھا اور دوسری نظیر میں بادشاہ کا زبانی یا تحریری حکم یا خزانچی کامیابی کے ذرایع ہیں مگر اس خلعت کے وسیلہ بننے میں اُنکا وہ رتبہ نہیں ہے جو صورت اول میں وزیر کو ہے کیونکہ قلم دوات کا غذ خازن تابع ہیں، خلعت مرحمت ہونیکے لئے سفارش کرنیوالے، قلم بغیر کاتب کی تحریر کے حرکت نہیں کر سکتا خزانچی بلا اجازت پیسہ نہیں دے سکتا خدا کی کارسازیوں کی کیفیت اس مثال سے جداگانہ نہیں ہے بلکہ دونوں کی تشابہ صوری نے تمیز کی تکلیف دہ قید کو اُٹھا دیا ہے، مزید براں یہاں نظر آتا ہے کہ شاہان ذوی الاقتدار بھی خازن کی

طرح ہیں اصل منعم حقیقی منعم ہے۔

چونکہ ان مجاذات کی ناواقفیت نے شکر کی حقیقت پہچاننے سے دور کردیا ہے اور یہ خیال روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے کہ جن علل کو ہم بذریعہ حس مؤثر خیال کرتے ہیں وہ ہی اس بزمگاہ نظام عالم کے کارکن ہیں، اس لئے ذیل میں اسکا بھی انکشاف کردیا جاتا ہے کہ دنیا میں ایک کو دوسرے سے جو نفع پہنچتا ہے اوسمیں نافع کون ہے اور مستحق شکر کون سی ذات ہوسکتی ہے۔

جب کوئی شخص کسی کو کچھ عطا کرتا ہے تو بظاہر اگرچہ معطی ایک خارجی ہے لیکن اوسکا حقیقی معطی فیاض ازل ہے اور یہ شخص موکل کیطرح ہے، یعنی اُس عطیہ میں اُس آدمی کو کسی قسم کا دخل نہیں ہوتا اسلئے کہ اگر وہ مختار فرض کرلیا جائے تو اُس سے چشم عطا رکھنا خلاف عقل ہے کیونکہ سخاوت میں مال اندوختہ ضائع ہوتا ہے اور ہر ذی فہم بلکہ نادان بھی اپنے نقصان کی دیدہ و دانستہ جرأت نہیں کرسکتا اور یہ بدیہی مقدمہ ہے کہ جو شخص اپنا ضرر کسی حالت میں بخوشی منظور نہیں کرسکتا ہے اُس سے کسی شے کے حصول کی تمنا بھی رکھنی فضول ہے۔ اور چونکہ مشاہدہ گواہ ہے کہ ہر ایک شخص کا فیضان جاری ہے اس لئے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس پردہ میں کوئی اور ذات اپنی حیرت انگیز صناعیوں سے اس نگارخانہ کو زینت دے رہی ہے اور جن اسباب کو ہم بظاہر فیاض تصور کرتے ہیں وہ صرف وسیلہ ہیں۔ بس معلوم ہوا کہ فیاض ظاہری کے دل میں قدرتی طور سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ سخاوت حصول مقاصد کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔

صوفیۂ صافیہ کی اصطلاح میں نعمت کی خوشی حاصل کرنیکا نام حال ہے اور یہ خوشی تین قسم کی ہوتی ہے، اول وہ خوشی ہے جو کسی ضرورتمند کو کوئی چیز حاصل ہونیکے بعد ہوا کرتی ہے کہ اگر ناامیدی میں بھی کامیاب ہوتا تو اسیقدر خوشی ہوتی، دوسری وہ خوشی ہے جو کسی غیر ضرورتمند کو کسی ذی قدر سے کسی چیز دستیاب ہو اور وہ خوش ہوکر یہ ثابت کرنا چاہے کہ معطی ہمسے راضی رہے اور آیندہ بھی ہم اسکی منفعت قائمہ اُٹھا سکتے ہیں، تیسری وہ مسرت ہے جو کسی غیر حاجتمند کو کسی چیز کے حاصل ہونیمیں ہو کہ وہ

اظہار مسرت تو کرے مگر آیندہ منعم سے کسی اور شے کے حاصل کرنیکا امیدوار نہ رہے۔

پہلی خوشی شکر نہیں ہو اسلیے کہ اظہار شادمانی کا سبب حصول شے ہوا، دوسری مسرت شکر ناقص ہو کیونکہ وہ اس خوشی کے ساتھ اور بھی مطالب کے حصول کی خواہش رکھتا ہو، تیسری خوشی صرف ذات منعم کے ساتھ وابستہ ہو کیونکہ منعم علیہ کی خوشی نہ حصول تمنا پر ہو نہ امید عنایت کے لیے بلکہ اپنے منعم کی خوشنودی درکار ہو، اور اسی خوشی کا نام کمال شکر ہو۔

اب اس سلسلہ شکر کو غیر شکر کے مقابلہ میں اور کارخانہ قدرت کے اجزاسے تطبیق کرکے ممیز کرو۔ شکر کو حال کے بعض اقسام سے تعلق ہے لیکن چونکہ عام خاص کے ضمن میں پایا جاتا ہو اور کلی جزئی کے تحت میں ہوتی ہو اسی مناسبت سے مطلق حال کو حقیقت شکر میں داخل کردیا ہو اسکے بعد عمل کا مرتبہ ہو کہ جس پر عمل کرنیوالا صوفی منش اور پابند شریعت ہوجاتا ہو۔

ملا حسین کاشفی نے اخلاق محسنی اور امام غزالی رحمۃ اللہ نے کیمیاے سعادت میں عمل کی تصریح کی ہو کہ شکر جوارح اور قلب اور اعضا سے ہوتا ہو، دل کا شکریہ ہو کہ منعم حقیقی کو پہچانے زبان کا شکر الحمدللہ کہنا ہو، جوارح کا شکریہ ہو کہ وہ انھیں کاموں میں مصروف کیے جائیں جنکے لیے صانع حقیقی نے انکو مخصوص کردیا ہو چنانچہ آنکھ کی اطاعت حوادثات زمانہ سے عبرت حاصل کرنا، اور علما و صلحا کی عزت اور غربا و ضعفا کو شفقت کی نظر سے دیکھنا ہو اور مناظر قدرت پر محققانہ نگاہ ڈال کر توحید باری کو تسلیم کرنا، قرآن شریف احادیث اور اکابرین کے قصص اور وعظ و نصائح کو سننا، کان کا شکر ہے، ہاتھ کا شکریہ ہے کہ محتاجوں پر احسان اور کرم کرے، اور پاؤں کا شکر معابد و مزارات فقرا و درویشان بے طمع کی زیارت اور حصول علم کیلئے مختلف بلاد کی سیاحت کرنا ہے،

شکر دو سبب سے کیا جاتا ہے (۱) نعمت عظمیٰ کی دوامی پر (۲) حصول زیادتی کیلئے،

دوام نعمت پر شکر اس لیے کہ شکر سے نعمت باقی رہتی ہے اور شکر نہ کرنیسے خدا کی نعمتیں

کم ہو جاتی ہیں بلکہ بقولے آیۂ کریمہ "فکفرت بانعم اللہ فاذاقہا اللہ لباس الجوع والخوف بما کانوا یصنعون" تمام نعمتیں اس سے واپس لے لی جاتی ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نعمت وحشی جانور کے مانند ہے جب وہ رہائی پاتا ہے تو صحرا میں چلا جاتا ہے اور جب تک مقید رکھا جاتا ہے تو قبضہ میں رہتا ہے ایسے ہی نعمت ہے تم اسے شکر کی زنجیروں میں جکڑ دو۔

اگر نعمت درخت تصور کیا جائے اور شکر پانی تو دوام نعمت اور ازدیاد نعمت کی تمثیل میں بہت مناسبت ہے کیونکہ پانی دینے سے درخت بارآور ہوتا ہے اور شکر سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے

امام غزالی رح نے شجر نعمت کو دو فرعوں پر تقسیم کیا ہے نعمت دنیوی، نعمت دینی اور اسی طرح ان دونوں کے فروع بھی بتائے ہیں۔



نعمت نفع کے یہ معنی ہیں کہ مصالح اور منافع میں کامیابی ہو خواہ وہ عافیت وسلامتی سے متعلق ہو یا اسباب شرب واکل و مناکحت وغیرہ سے۔

نعمت دفع وہ نعمت ہے جس میں مفاسد اور ضرر رساں اشیاء سے حفاظت مقصود ہو۔

نعمت توفیق اس توفیق کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسلام اور اتباع سنت اور اطاعت کیلئے یکے بعد دیگرے عطا فرمائی ہے۔

نعمت عصمت سے یہ مراد ہے کہ خدا تعالیٰ گناہ صغیرہ و کبیرہ سے عباد کو محفوظ رکھے،

مَکَانَۃٌ مِنْہُ لِلشَّاعِر

فی زمانا شاعری کی دنیا اس قدر وسیع ہو رہی ہے کہ ہر گلی کوچہ مین مدعیان "شاعرم شاعرم" کی آواز گونجتی ہوئی سنائی دیتی ہے، بڑے تو بڑے ہی ہین بچونکے سر و ذہن مین بھی اسکا سودا اسیطرح سمایا ہوا ہے، کل کی بات ہے کہ مدرسے کی گلیون مین بغلون مین کتابین دبائے دوڑے پھرتے تھے ابھی ابھی سن بلوغ کی نشاط افزا سرحد مین قدم رکھا ہے، اور آج دیکھئے تو شاعری کی کئی منزلین طے کر چکے، اتنا ہی نہین بلکہ کہنہ مشقی، قادر الکلامی، اوستادی سبکے وساوس دلونمین پیدا ہوگئے

مجھے اسوقت اس سے بحث نہین کہ اسطرح کی شاعری اور یہ خبط، اخلاق اور آئندہ حسنِ معاشرت کے لیے کہان تک مضر ہے، مگر جب ان نو اسیران دامِ شاعری کی طرف مین اونکا ہمراہ و ہمسایہ ہوکر دیکھتا ہون تو اونھین اوس راہرو کا ثانی پاتا ہون جو ایک لق و دق چٹیل میدان مین قدم مارتا چلا جا رہا ہے مگر اوس بیچارے کو یہ خبر نہین ہے کہ مین کہان جا رہا ہون اور مجھے کہان تک جانا ہے، نہ کوئی دستگیر ہے نہ کوئی رہنما ہے، اتنا ہی نہین بلکہ ایک قسم کی بیخودی بھی طاری ہے جس کی وجہ سے اس بیچارے کو ٹھوکرون کے صدمات کا احساس و ادراک بھی باقی نہین، آہ یہ تنہائی، اور اتنے دور و دراز کا سفر! یہ بیکسی! اور ان دشوار گزار گھاٹیون کی سیر! اللہ! اللہ!!

پیارے ناظرین! ایک زمانہ وہ تھا کہ مین بھی انھین از خود رفتگان کی طرح انھین خطرناک جنگلون مین سرگردان مارا پھرتا تھا کہ یکایک "اَیَّدْنَاکَ بِرُوحِ الْقُدُسِ" کی صدا گوش دل مین پہونچی، اور تائید غیبی نے عین وقت پر مدد فرمائی، پھر کیا تھا طبع سلیم جو ایک فطری شے ہے، چونک اٹھی، سر سے وہ از خود رفتگی کا سودا جاتا رہا، ہوش آیا، اور مین ٹھٹک گیا، سوچنے لگا، کہ آہ! مین کہان ہون! اور کہان جا رہا ہون! یہ تو ایک نہایت وحشتناک

جنگل ہی۔ اور میری منزل مقصود تو وہ جگہ ہے جسکی فضا غیرت بخش گلشن ارم ہی، ادھر اُدھر دیکھنے سے معلوم ہوا کہ کوئی راہنما بھی ساتھ نہین، یا اللہ! کیا کرون، کسکو پکارون، بس دل تھام کر بیٹھ گیا،

کچھ دیر بعد جب حواس ٹھکانے ہوے آنکھین کھلین، جھٹ اُٹھ کھڑا ہوا اور تحصیل فن کے لیے کر ہمت چست باندھی، اور ہمہ تن مستعد ہو گیا فن شاعری کے متعلق عربی، فارسی، اُردو کی جتنی کتابین ملین بالاستیعاب دیکھ گیا، ہر ہر فن سے استفادہ و استفاضہ کا موقع حاصل کیا، ناواقفانِ فن کو جس امر کے سبب ٹھوکرین کھاتے دیکھا فوراً اوس امر سے خود بچ گیا، جسکا شاہد عادل میرا یہ شعر ہی ؎

ہم نے ان کی ہی روش دیکھکے عبرت پکڑی گمرہون نے ہمین تبلائی ہے منزل کیسی

اب جب مین اس خوان پرالوان سے پوری طرح سیر ہو چکا، اور ابھی تک اس سے بہت کچھ لذتین اوٹھا رہا ہون تو حمیت سے بعید اور مروت سے کوسون دور ہی کہ تنہا خورون کیطرح اورون کو اس نعمت غیر مترقبہ سے متمتع ہونے کا موقع نہ دون، اس لیے پہلے تو ایک مطول کتاب کی بنیاد ڈالی، جسمین علم عروض قوافی، صنایع و بدایع، نکاتِ مشکلۂ علم ادب، اغلاط العوام وغیرہ کا میری وسعت استعداد بھر پوری طرح بیان ہوگا (انشاء اللہ تعالیٰ) چنانچہ یہ کتاب نصف تک پہونچ چکی ہی، باقی زیر تحریر ہی، لیکن اتنی دیر بھی مجھے گوارا نہین ؎

تا تو بمن میرسی من بخدا میرسم

جب تک میری کتاب تمام ہو کر شایع ہوگی، کتنو نکی کوششون کا خون ہو جائیگا، اور اتنی مدت مین کتنے اوس وحشتناک وادی مین بے یار و آشنا تن تنہا مر کھپینگے، اسلئے اپنی اوس کتاب کی مسودے ہی سے بعض فوائد منتخب کرکے ہدیہ ناظرین کرتا ہون، امید ہی کہ مبتدیون کے لیے

اد فی بصیرت ہو اور منتہیوں کے لیے موجب مسرت صاحبان بینش سے امید ہی کہ محنت کی داد دینگے اور معائب سے چشم پوشی فرماکر اصلاح کی کوشش فرمائینگے اور ہدف طعن و تشنیع نفرمائینگے

فدائے ہمت آن ناظرین باکرم — کہ یک صواب ببیند و صد خطا پوشند

• منتخب از "مُوهَبَۀ اُولیٰ" کہ در بیان علم "عَرُوض" است

واضح ہو کہ عروض بالفتح[1] ایک نہایت دلکش علم ہی جس سے شعرون کی بحرین دریافت کی جاتی ہین اور شعرون کی موزون اور ناموزون ہونیکا پتا چلتا ہی، وجہ تسمیہ اس مختصر کے منتخب کے لیے اتنا ہی کافی ہی کہ یہ علم خاص مکہ معظمہ مین خلیل ابن احمد رحمۃ اللہ پر الہام ہوا تھا اور اسماے متبرکہ مکہ معظمہ مین سے ایک نام عروض بالفتح بھی ہی اس لیے یہ علم تبرکاً اور تیمناً اسی نام اقدس سے نامزد کیا گیا۔

باب اول اس باب مین اجزا اور ارکان کا ذکر اور مجمل طور پر بحرون کا بیان ہی۔

فصل اول دربیان اجزا۔ اور یہ تین ہین[2] سبب۔ وتد۔ فاصلہ۔

سبب

(سبب خفیف)	(سبب متوسط)	(سبب ثقیل)
اوس دو حرفی لفظ کو کہتے ہین	وہ سہ حرفی لفظ جسکا صرف	اوس دو حرفی لفظ کو کہتے ہین
جس کا پہلا حرف متحرک ہو	پہلا حرف متحرک ہو اور	جسکے دونون حروف
اور دوسرا ساکن جیسے	دوسرا اور تیسرا حرف ساکن جیسے	متحرک ہون جیسے
دَر۔ سَر۔ زَر۔ خَر۔ وغیرہ	دام۔ شام۔ نام۔ رام وغیرہ	ہمہ۔ درہ۔ شدہ۔ وغیرہ

[1] عروض بالضم جیسا کہ عوام مین مشہور ہی غلط ہی۔ [2] واضح رہے کہ اونچفیہ علم عروض مین کوئی حرف مستقل کے طور پر معتبر نہین ہی بلکہ وہ حرکت سمجھی جاتی ہی اسکا مفصل بیان آیندہ کسی فصل مین آئیگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

وتد

(وتد مجموع)

اوس سہ حرفی لفظ کو کہتے ہین جس کا پہلا اور دوسرا حرف متحرک ہو اور صرف تیسرا حرف ساکن

جیسے

چمن، سمن ثمر، اثر، وغیرہ

(وتد کثرت)

اوس چار حرفی لفظ کو کہتے ہین جس کے پہلے اور دوسرے حروف متحرک ہون، اور تیسرے اور چوتھے حروف ساکن

جیسے

خمار، بہار کمال، جمال، وغیرہ

(وتد مفروق)

وہ سہ حرفی لفظ جس کے اول و آخر حروف متحرک ہون اور حرف اوسط ساکن ہو۔

جیسے

نامہ، خامہ[1] لالہ، ژالہ، وغیرہ

فاصلہ

(فاصلۂ صغرے)

وہ چار حرفی لفظ جس کے پہلے، دوسرے، تیسرے، حروف متحرک ہون اور صرف حرف آخر ساکن ہو، جیسے حَرَکَت، گَرَمَش وغیرہ

(فاصلۂ کبرے)

وہ پنج حرفی لفظ جسکے پہلے، دوسرے، تیسرے، چوتھے، حروف متحرک ہون اور صرف حرف آخر یعنے پانچوان حرف ساکن ہو، جیسے شِکَنَمَش، کَنَمَت، وغیرہ

باقی آیندہ الراقم تمنا عادشی پھلواروی

[1] یہان بھی بہ لحاظ املای تقطیع معتبر نہوگی بلکہ صرف حرکت فتحہ بھی جائیگی جسکی تفصیل آیندہ آئیگی

حمد باری تعالیٰ

اب [illegible] سے [illegible] سارا جہان بنایا ارض و سما بنائے کون و مکان بنایا

ایجاد [illegible] سکا کسی سے ہستی کو تو نے کیسا رازِ نہان بنایا

الفت کی کلفتون مین صدگونہ راحتین ہین اس درد کو بھی تو نے آرام جان بنایا

ایامِ گل بنائے دورِ خزان کے پیچھے ایامِ گل کے پیچھے دورِ خزان بنایا

خندہ زنان ہین غنچے شبنم ہو اشک ریزان شادی و غم کو تو نے ہم داستان بنایا

رفتارِ عمر مین ہے تارِ نفس سے تیزی کشتی جو یہ بنائی وہ بادبان بنایا

ظرف قبول [illegible] کیا بحر مین صدف کو نیسان کو آسمان پر کیا دُرفشان بنایا

لب مین سخن سخن مین تاثیر تو نے بخشی منھ مین زبان۔ زبان مین حسن بیان بنایا

ہو وقفِ شکرِ احسان ہر رونگٹا بدن کا ہر موئے تن کو میرے شکل زبان بنایا

سُرخ زرد عاشقون کے اکثر لہو کے آنسو اس کشتِ زعفران مین کیا ارغوان بنایا

محوِ ثنا نہین ہین مرغانِ باغ تنہا ہر برگ ہر شجر کو تسبیح خوان بنایا

حسنِ ازل جمالت زیبِ ابد کمالت

یکقطرہ دو عالم از قلزمِ نوالت

جنت سے ہو ظہورِ حسن و جمال تیرا دوزخ ہے عرصہ دارِ قہر و جلال تیرا

کیا نا سوا ہے جسکو اچھا بُرا کہون مین صوفی مین حال تیرا زاہد مین قال تیرا

معمور یا ہمہ عالم ہو تیری صنعتون سے ہر برگ سے عیان ہے حسن کمال تیرا

دیر و حرم مین کیونکر نقشِ دوئی جماؤن ۔۔۔ وہ ہی تو چیز تیری، یہ ہے تو مال تیرا
دل کو کدھر لگاؤن، سر کو کدھر جھکاؤن ۔۔۔ غرب و جنوب تیرا، شرق و شمال تیرا
تیرے وجود سے ہی ہر اک وجود قائم ۔۔۔ ہر فرق مین نمایان ہے اتصال تیرا

ہمچون قمرؔ جہانے جویان بر ہگذر رہا
با این ظہور ہستی پوشیدہ از نظر ہا

ملک محی الدین احمد قمرؔ از جمون

دیوان فائز رحمۃ اللہ

میرے والد ماجد مولانا مولوی سید شاہ محمد نذیر الحق فائز عمادی پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ خدا بخشے بڑے باکمال بزرگ تھے، درسی کتابون پر پورا عبور حاصل تھا، فن طب مین معتد بہ دستگاہ رکھتے تھے، رمل، نجوم، جفر، حساب، ہندسہ، ریاضی، مین بھی مہارت تھی، صرف و نحو مین اپنے ہمعصر و ہمدیار علما سے کہین زیادہ سبقت لیگئے تھے، فارسی دانی مین مشہور روزگار و مشہور اقطار و امصار تھے، ایک مکمل قلمی دیوان خوراکِ کرم ہوگیا جس کا صدمہ میرے دل سے کبھی نہ جائے گا، دوسرا ناتمام دیوان قلمی دست خاص کا لکھا ہوا میرے پاس موجود ہے، خدا نے چاہا اور سامان بہم پہونچ گیا تو انشاء اللہ تعالے کبھی چھپکر باعث نزہت ناظرین ہو جائیگا۔ سردست اوس مین سے بعض بعض غزلین اس اچھوتے رسالے "الناظر" کے ذریعہ سے ہدیہ ناظرین کرتا رہون گا جو غالبًا ناظرین کیلیے ضرور باعث انبساط قلب ہونگی۔

الراقم محمد محی الدین تمنا عمادی پھلواروی

غزل از حضرت فائز عمادی پھلواروی رحمۃ اللہ

قد تو تازگی دهد نخلِ خزان رسیده را جان
باز به تن دمد لبت روح ز تن رمیده را

ای دل زار ضبط کن نالهٔ ناکشیده را
حجله به است از انجمن شاهد آرمیده را

نفحهٔ لطف تو صبا تا بدماغ ما رساند
داد نوید زندگی جان بلب رسیده را

گرچه ز سیلِ اشک من راه دیار او نماند
قاصد خویش کرده‌ام رنگِ زرد پریده را

دل بحریم وصل راه یافت و چو خبر باز گفت
عقل و تمیز و صبر و هوش تاب و توان و دیده را

از پی کشتنم زدی غازه برو ز خونِ من
طرفه نگار بستهٔ نعش بخون طپیده را

چون بمراد دل از این نالهٔ نارسا رسم
نیست بذوقِ لذتی میوهٔ نارسیده را

از نگهی خراب کن نرگس نیم مست را
آب ز خطِ سبزه ده سبزهٔ نودمیده را

پیر شدی دلا مزن دم چو جوان ز سرکشی
قبلهٔ حال خویش کن طاقِ قدِ خمیده را

عارضِ لاله فام تو دیدم و خون گریستم
هست چمن در آستین چشم بهار دیده را

ملکِ عدم مکان بود بیخود کوئے عشق را
جاے بلا مکان دهند از دو جهان بریده را

پائے شکسته را کنم گرم روِ ره طلب
توسن تیز تگ کنم خار بپا خلیده را

نسبتِ حسن با تو هست نسبت عشق با منست
کا به آفریدگار هست هر آفریده را

فایز بوالهوس چرا نامه سیاه میکنی
خیز و بآبِ دیده ها پاک بشو جریده را

(باقی آینده)

جاپانی عورت

طلوع خورشید کی سرزمین یعنی جاپان میں آجکل زندگی کے ہر شعبے میں بہت سی نمایاں ترقیات نظر آرہی ہیں، منجملہ انکے جاپانی عورتوں کی اصلاح حالت بھی بہت کچھ حیرت انگیز اور قابلِ تعریف ہے اب سے تقریباً نصف صدی پیشتر جاپان میں عموماً وحشت اور خانہ جنگیوں کا بازار ہر چہار طرف گرم رہتا تھا، اُس وقت سمورائی فرقے کی عورتیں نیزے و تلوار سے مسلح رہتی تھیں، بلکہ جنگ کے وقت اپنے حریف کو خاک و خوں میں لٹاتیں، اور ہمیشہ مثل مردوں کے داد شجاعت دیتی تھیں، مگر اب جبکہ یورپ و امریکہ کی شائستگی ایک عالم پر محیط ہو رہی ہر بالعموم عورتوں میں زمانہ قدیم کی سی وحشیانہ حرکات شاذ نادر ہی نظر آتی ہیں۔

گذشتہ جنگ روس و جاپان کے وقت جاپانی عورتوں نے مغربی طرز پر ریڈ کراس سوسائٹیاں بناکے زخمی سپاہیوں کی مرہم پٹی وغیرہ میں نمایاں حصہ لیا،

اس زمانہ کا ایک عجیب واقعہ بیان کیا جاتا ہر کہ ایک جاپانی ضعیفہ ماں نے صرف اس وجہ سے خودکشی کرلی کہ اُسکا اکلوتا بیٹا اپنی ماں کی خدمت گزاری سے سبکدوش ہوکر میدان جنگ میں جانیکے قابل ہوسکے، سنہ ۹۰ء میں جاپان و چین سے لڑائی ہوئی تھی، اُسوقت بحر خضر کے ایک بحری معرکہ میں جہاز کا کمانڈر مارا گیا اُسکے مرنے کی خبر اُسکی سن رسیدہ ماں کو پہنچی تو اس بڑھیا نے اس طرح ضبط اور خاموشی سے کام لیا جیسے کہ اسکے دل میں قلق آور اضطراری کیفیات جمع ہیں اور بعد ازاں اُسنے آہستہ سے کہا "آپ کی زبانی معلوم ہوا کہ میرا بیٹا کسی مفید کام میں مارا گیا ہر، اس واقعہ سے ناظرین کو جاپان کی نیک ماؤں کا اندازہ ہو گیا ہوگا، یہ واقعات اُس زمانہ کے ہیں جب پُرجوش جاپانیوں میں آتش جنگ مشتعل ہوتی ہے مگر روزمرہ زندگی میں جاپانی عورت امور خانہ داری کو

محنت اور سلیقے سے انجام دیتی ہے۔

جاپان میں شوہر اور اسکے والدین کی خدمتگزاری ہونکا مقدم فرض ہے، شوہر کے مہمانوں کی خاطر تواضع میں بھی جاپانی عورت حصہ لیتی ہے، مکان کی صفائی و آراستگی کے علاوہ بچوں کی پرورش اور نگہداشت میں مصروفیت جاپانی عورت کا خاص مشغلۂ زندگی ہے، وہ بچوں کو گود میں لینے کے بجائے عموماً پشت پر باندھ کر کام کاج میں مصروف ہو جاتی ہیں،

جاپانی عورتوں میں انگریزی پوشاک کا شوق بھی روز افزوں ہے، مگر وہ ایک خاص قسم کا لباس استعمال کرتی ہیں جو کمونو کہلاتا ہے گو بظاہر وہ قبول صورت اور نازک بدن ہوتی ہیں مگر انمیں زیبائش و آرایش حسب تقاضائے سن و سال ہوتی ہے اور خانہ داری کے فرائض انجام دینے کے ساتھ ہی انکا اکثر وقت سوزن کاری اور مختلف دستکاریوں میں صرف ہوتا ہے، مغربی تہذیب کے آغاز کے بعد سے جاپانی عورتیں اکثر کارخانوں میں محنت و مزدوری کرنے کی عادی ہوتی جاتی ہیں،

سنہ ۱۹۰۲ء میں کارخانوں میں کام کرنیوالوں کا (۴۹۸۸۹۰) کل شمار تھا جنمیں ۶۲ فیصدی عورتیں شریک ہیں، ضعیف الاعتقادی کے لحاظ سے جاپانی عورتیں بہت زیادہ پابند توہمات ہوا کرتی ہیں مگر روز بروز انکے خیالات روشن ہوتے جاتے ہیں اور وہ زیور تہذیب و شایستگی سے آراستہ ہو رہی ہیں۔

قدیم الایام سے جاپانیوں میں یہ عقیدہ تھا کہ اولاد نرینہ پیدا ہونا بہر نوع ضروری ہے اس لئے چند سال پیشتر جاپانی قوم میں عورتوں کا گیشا بنجانا زیادہ معیوب نہیں خیال کیا جاتا تھا مگر اب ایسی عورتوں اور حرامور کی تعداد قلیل ہوتی جاتی ہے۔

طلاق کا رواج جاپانیوں میں کثرت سے تھا، جسکا اختیار چند شرائط کے ساتھ صرف مرد کو حاصل تھا، مگر اب ایسے مقدمات کی سماعت باقاعدہ عدالتوں میں ہوتی ہے۔

شادی وغمی کے فضول مراسم جاپانی عورتوں میں بالکل بدلتے جاتے ہیں، اور تعلیم نسواں کی ضرورت شدومد سے محسوس کیجارہی ہی بعض گھروں کے پُرانے خیال کی جاپانی عورتیں موجودہ نسل کی ترقی کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی ہیں جس کے متعلق ایک امریکن میگزین کے مضمون کا اقتباس (جو ایک جاپانی عورت کے قلم سے نکلا ہی) درج ذیل ہی۔

جاپانی عورتوں کی آجکل کچھ عجب حالت ہی ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے برابر خوش قسمت عورتیں ہمارے ملک میں کبھی پیشتر پیدا نہیں ہوئیں، مگر باوجود اس خیال کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہماری سی بد قسمت عورتیں بھی زمانہ میں کم نظر آئینگی، خوش نصیبی اسوجہ سے ہی کہ ہمکو عمدہ تعلیم ملتی ہی اور ہمکو کسی نہ کسی طرح اپنی خلقی یا قوتِ اور دماغی قابلیتوں کے اظہار کا کم وبیش موقع دیا جاتا ہی، جاپان کے مرد اب ہماری پوری وقعت سمجھنے لگے ہیں اور ہم سے اچھا برتاؤ کرنے پر آمادہ ہیں لیکن ہماری بدقسمتی کا یہ حال ہی کہ جاپانی عورتوں کی حالت موجودہ اس جہاز کے مشابہ ہو رہی ہی جو مخالف موجوں میں پڑ کے تباہی کے قریب آ لگا ہو، ایسا ہی سخت مرحلہ ہمکو درپیش ہی مثلاً ہم اسکول سے پڑھکر گھر آئے اسکول میں پانچ سات گھنٹے بیٹھے بیٹھے گذرنیکی وجہ سے تھک گئے اور گھر میں ذرا لیٹنا چاہا بس غضب ہوگیا ہماری بزرگ بیویاں چلانے لگیں کیا اسکول میں یہی تمیز سکھائی جاتی ہی کہ بڑے تو بیٹھے کام کیا کریں اور تم جاکر دراز ہو جاؤ، اسکول میں ہمکو ورزش اور کھیل کود میں انعام ملا، ہم خوش خوش گھر آکے اپنی ماں سے شاباش کے امیدوار ہوے مگر جواب میں یہ سنا کہ تم لڑکیاں ہو لڑکوں کی باتیں نہ سیکھو، جب تعلیم کا زمانہ ختم ہوا اب سے زیادہ مصیبت سسرال کا ناگوار برتاؤ ہوتا ہے، وہ لڑکی اپنے کو خوش نصیب سمجھتی ہی جو سسرال

یا اپنے شوہر کے ساتھ ایسی طور کی مالکہ بانا نہ ہو، لیکن پہلوؤں میں تعلیم کی وجہ سے امانگیری اور خدمتگاری کی لیاقت جو قدیم خیال کے موافق ہر بہو بیٹی کے لئے ضروری ہو کم ہوتی جاتی ہو جسکا نتیجہ یہ ہو کہ اگر ہم کسی سے ملنے جلنے کے ارادہ سے گھر سے نکلے اور ساس نے قہر آلود نگاہوں سے دیکھا کہنے لگیں کہ" تو اسیطرح دربدر پھرتی رہیگی تو گھر باہر کا کام کاج کون کریگا،، کوئی کتاب ہاتھ میں لی تو گویا اپنے عدم ادائے فرائض کا گناہ اپنے سر لیا، کچھ دنوں یہ جھگڑے قصے ضرور رہیں گے مگر ہم نہیں تو ہماری اولاد ضرور اس کشمکش سے نجات حاصل کر لیگی اور ہماری قسمت کا ستارہ چمکے گا،،

غرضکہ جاپانی عورتوں کی حالت میں عظیم الشان انقلاب ہو رہا ہو اور تعلیمی و معاشرتی پہلو سے انکی رفتار روبہ ترقی نظر آتی ہو،

رسالہ ادیب (حیدرآباد دکن) میں مولوی سید خورشید علیصاحب کا ایک مضمون جاپانی لڑکیوں کی عنوان سے شائع ہوا تھا جسکا مختصر انتخاب دلچسپی سے خالی نہیں ہو۔

" پھولوں اور شیشہ آلات وغیرہ کو سلیقے سے جانے اور آراستگی کے ساتھ ترتیب دینے کا فن جاپانی لڑکیوں کی خانگی تعلیم کا خاص اور اہم جزو ہوتا ہو، جاپان کے کمروں میں ہر چیز نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ٹھکانے سے رکھی ہوئی ہوتی ہو، کمرہ کی سجاوٹ اور سامان کی ترتیب میں بڑی ہوشیاری اور خبرداری سے کام لیا جاتا ہو، اسباب کے جمانے میں اسکے باہمی تناسب کا بہت کچھ لحاظ رکھا جاتا ہو، پھولوں کے ایک گچھے کو کسی عمدہ چینی کے گلدان میں جمانا بڑے غور و فکر کی بات ہو، بچوں کو نہایت پسندیدہ طرز پر بہت دلفریب صورت میں گلدستہ بنانے اور پھولوں کو جمانے کی

خاص طور پر تعلیم دیجاتی ہی، جاپان کے اکثر مکانوں میں اس قسم کی بہت سی کتابیں موجود ہوتی ہیں جنہیں ہنرمندی کے ساتھ مکان بنانے اور آراستہ کرنیکے اصول وقاعدے اور نقشے وغیرہ درج ہیں، جاپان میں ایسی کتابوں کا بہت رواج ہی"

اسطرح کے حالات سے جاپانیوں میں لڑکیوں کی تعلیم کی طرف عام رجحان کا کافی ثبوت ملتا ہی، ۱۸۹۵ء میں ۱۰۱ عورتیں یورپ وامریکہ سے اُستانیوں کے طور پر جاپان میں بلائی گئی تھیں اور ۱۹۰۰ء میں لڑکیوں کی پرائمری تعلیم کا انتظام منجانب گورنمنٹ مفت اور لازمی کردیا گیا اسکے بیشتر یعنی ۱۸۹۰ء میں ایسے مدارس کی تعداد جنہیں لڑکیوں کو امور خانہ داری مثلاً سوزن کاری وکشیدہ کاری وغیرہ کی بھی تعلیم دیجاتی تھی، پانچ ہزار اسکول تک بتائی جاتی ہی، اسکے علاوہ مختلف ہائی اسکول اور ایک یونیورسٹی خاص عورتوں کے لئے علحدہ ہی، لیکن ۱۸۹۰ء تک گورنمنٹ کی طرف سے کوئی انتظام تعلیم نسواں کیلئے نہیں کیا گیا تھا جس سے ظاہر ہوتا ہی کہ اُس زمانہ میں جاپانی عورتوں کا وہ رُتبہ اور درجہ نہ تھا جو اب اُنکو حاصل ہی، جس زمانہ میں تعلیم نسواں کا مسئلہ جاپان میں پیش ہوا تو اُسکے لئے سرکاری امداد کے علاوہ رقم کثیر بہت جلد فراہم کرلی گئی لیکن باوجود ان تمام کوششوں اور کثیر مصارف کے ابھی تک جاپان میں تعلیم نسواں کا انتظام قابل اطمینان اور معقول پیمانے پر نہیں سمجھا جاتا ہی۔

جاپان میں مردوں کی تعلیم کا انتظام مقدم کیا گیا جس کے بعد تعلیم نسواں کی ضرورت کا عام احساس پیدا ہوگیا، اسی طرح جو لوگ ہندوستان میں تعلیم نسواں کو رواج دینے کے ساعی رہتے ہیں اُنکو چاہئے کہ پہلے اسلامی یونیورسٹی کی پیش پا اُفتادہ اور ضروری مسئلے کی طرف توجہ کریں۔

(باقی آیندہ)

از۔ خیر اندیش

معذرت

جناب اڈیٹر صاحب الناظر

میرا ایک مضمون "حرمتِ نسواں" کے عنوان سے رسالۂ الناظر بابت اپریل سنہ رواں میں شائع ہوا ہے اور اُسکے متعلق آپ نے شاید سہواً یہ لکھدیا ہے کہ یہ مضمون منشی امیر احمد صاحب بی۔ اے۔ کے کسی مضمون کا جواب ہے" لیکن یہ ایک قیاس مع الفارق ہے اور ممکن ہے کہ آپ کے اس ریمارک سے بعض ناظرین کو غلط فہمی کا موقع ملے۔ لہذا سطور ذیل مرسل خدمت ہیں اُمید کہ اسکی اشاعت میں آپ کو کوئی عذر نہ ہوگا۔

الناظر بابت دسمبر سنہ گذشتہ میں "عورت کی عزت" کے عنوان سے جو مضمون شائع ہوا تھا اُسکے ساتھ سابق اڈیٹر کے پُرزور قلم سے ایک نوٹ بھی تھا اور میرے خیال میں اس مضمون کا وہی کافی جواب ہے، میرا مضمون آپ کے دفتر میں فروری کے مہینے میں پہنچ گیا ہوگا جسمیں پہلے مضمون سے کوئی تعلق نہیں ظاہر کیا گیا، اسمیں شک نہیں کہ ان دونوں مضامین میں بعض امور مشترک پائے جاتے ہیں مگر یہ سب ایسی ہی باتیں ہیں جنکا اعادہ مختلف حیثیتوں میں ایک سے زیادہ مرتبہ ہو چکا ہے لہذا کسی مضمون کو دوسرے مضمون کا جواب کہدینا صحیح نہیں ہے، اسکے علاوہ یہ دونوں مضامین بہ چند وجوہ باہم کوئی علاقہ نہیں رکھتے ہیں مثلاً

(۱) مضمون سابق میں اسلامی تمدّن کے برکات تمہیدی بیانات میں اور نہایت مجمل بیان ہوئے ہیں مگر دوسرے مضمون میں کسیقدر تفصیل سے اور ضمناً آگئے ہیں لہذا اسمیں کوئی

پہلو تعریف کا نہیں نکلتا۔

(۲) پہلے مضمون میں یہ فرض کر لیا گیا ہو کہ عورت کی علتِ غائی محض بقائے نسل ہی اور اسی بنیاد پر وہ شاندار عمارت قائم کی گئی ہی، مگر دوسرے مضمون میں عورت کا مقصد حیات تعلیم و تہذیب تسلیم کیا گیا ہو جو بالکل جداگانہ بحث ہی۔

(۳) پہلے مضمون میں مختلف اقوام عالم کی تہذیب کا موازنہ ہی اور مسلمانوں یا ہندوں کے طرز معاشرت کی کوئی تخصیص نہیں پائی جاتی، مگر مضمون ثانی میں ایشیا کی صرف دو بڑی قوموں کے سوشل حالات کے ساتھ ہی یہ دکھانیکی کوشش کی گئی ہو کہ مسلمان زیادہ تر اس ملک کے رسم و رواج سے متاثر ہو گئے ہیں۔

(۴) مضمون سابقہ میں منشی امیر احمد صاحب نے عورتوں کے لیے چند مظالم تجویز کئے ہیں جو گویا اُنکے ذاتی خیالات ہیں، مگر دوسرے مضمون میں اتفاق سے اُسی طرح کے بعض وحشیانہ حرکات کا ذکر آگیا ہو جو اکثر اقوام ہند میں جاری ہیں اور جنکی طرف حال کے سوشل ریفارمر متوجہ ہو رہے ہیں یعنی عورتونکا سر مُنڈا دینا وغیرہ مگر یہ دراصل ایکطرحکا توارد ہی، ورنہ مضمون اول کے خیالات سے اسکو کیا تعلق ہو سکتا ہی۔

(۵) اول مضمون میں مذہب کو انسان کیلئے صفات ملکوتی پیدا کرنیکا محرک بتایا ہے اور اسی وجہ سے عورتوں کو بھی مافوق العادت کمالات کی تاکید کی گئی ہی، مگر مضمون ثانی میں مذہب اسی دنیا میں راحت کا سبب سمجھا گیا ہو اور عورتوں کو حُسنِ معاشرت کیطرف توجہ دلائی گئی ہے ؎

از صحنِ خانہ تا لبِ بام از آنِ من　　　وز سقفِ بام تا بہ ثریا از آنِ تو

(۶) مضمون سابقہ میں عورتوں کی فطری کمزوری کا ثبوت اُنکا جسمانی ضعف قرار

دیا گیا ہے اور ساخت دماغی سے مطلق بحث نہیں کیگئی ہے، اگر دوسرے مضمون میں دماغی قابلیتوں کیوجہ سے مرد وعورت میں ایک دوسرے کا ہمسر ہونا مسلم سمجھا گیا ہے، اور میرا ارادہ تھا کہ اس اخیر مگر ضروری بحث کو زیادہ بسیط اور آیندہ دماغ انسانی کی کیفیت سے کسی اور نمبر میں مفصل ذکر کیا جائے، مگر اندیشہ ہے کہ شاید آپ اُسکو بھی کسی تیسرے مضمون کا جواب قرار دے دیں، جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ نفس مضمون پر غور کرنیکے بجاے غیر ضروری نزاعات چھڑ جائیں گے جو ایک علمی میگزین کیلیے کسی طرح زیبا نہیں ہے

والسلام

خاکسار، ف۔ک

نوٹ

گذشتہ نمبر میں جو نوٹ درج کیا گیا تھا اُس میں اس بات کی طرف ناظرین کو توجہ دلائی گئی تھی کہ "حریت نسواں" کے عنوان سے ہم اسوقت جو مضمون شایع کر رہے ہیں وہ ایک گذشتہ مضمون کا جواب ہے،

گو یہ ہمارا ذاتی خیال تھا جس پر چنداں ہمیں اصرار نہیں، لہذا ہم اس بحث کو آیندہ طول دینا نہیں چاہتے،

اڈیٹر

اپنے الناظر پریس میں منشی سخاوت علی سکرٹری فلاورلز نے چھپوایا اور شایع کیا

جامیست جہان نما ہر صفحہ درین

۱۳۲۹ھ

النّاظر

فلسفی - تاریخی - تمدنی - اخلاقی - معاشرتی - ادبی مضامین کا

(ماہوار رسالہ)

نمبر ۲۴ یکم جون سنہ ۱۹۱۱ء جلد

الناظر پریس متصل پل آہنی میں طبع ہو کر

دفتر رسالۂ الناظر فلاور ملز لکھنؤ سے شائع ہوا

کوپر کمپنی کا ولایتی پانی

ناخالص ہوا سے اتنا ہی بچنا چاہیئے جتنا سانپ بچھو یا زہر سے، کیونکہ ایسی ہوا تندرستی کو بالکل بگاڑ دیتی ہے، ہوا ایسی نقصان دہ نہیں ہے، اس لیے ناخالص پانی سے بھی اتنا ہی بچنا فرض ہے جتنا غیر خالص ہوا سے، تندرستی اور زندگی کیلئے ہوا کے بعد پانی کا مرتبہ ہے۔

ہمارے کارخانے میں سٹیم انجن سے پانی تیار ہوتا ہے اور ہر قسم کا پانی جس تعداد میں درکار ہو ہر وقت مل سکتا ہے۔

حضرت گنج متصل حق سود کمپنی

شہاب الدین اینڈ سنز حضرت گنج ۔ لکھنو

الناس باللباس

ہمارا کارخانہ ہر قسم کی مردانہ، زنانہ، انگریزی ہندوستانی فیشن کی اعلیٰ سے اعلیٰ پوشاک نہایت خوشنما اور موزوں تیار کرتا ہے

سنہ ۱۸۶۲ء سے یہ کارخانہ پبلک کی خدمت انجام دے رہا ہے۔

کاشی سلک جاپان سلک آسام سلک جامہ وار سلک اور علاوہ انکے جاپانی اور ولایتی الپیس فیانے خوشنما لپیٹے ڈریس اور گون وغیرہ بھی بافراط مہیا رہتے ہیں، ایکبار ہمیں آزما دیکھئے پھر کہیں اور فرمائش دینے کو آپکا جی نہ چاہیگا، پیمائش کا فارم اور نرخ نامہ طلب کیجئے

قطب الدین مینجنگ پروپرائٹر

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزار نمک داں کیئے ہوئے

دی فونو ایکسچینج ۔ لکھنو ۔ متصل کوتوالی چوک

پاتھی فون گراموفون راماگراف اوڈین بیکا چیمبر آپرا

کچھ درد ہے مطرب کی نے میں
کچھ سوز بھرا ہوا ہے نے میں

لوکل اور بیرونجات کے خریداروں کی آسانی کیلئے خوش گلویوں کے تین ہزار دو سو مختلف گانوں میں سے بہتر ریکارڈوں کے انتخاب لکھنو میں صرف ایک ہی مرکز ہے جہاں ہر مشہور کمپنی کے ہندوستانی ریکارڈ ایک ہی جگہ مل سکتے ہیں، ہر ساخت کی مشینوں اور ریکارڈوں کا موازنہ اور جانچ اسی مقام پر آزادی سے ہو سکتا ہے یورپ کے ذہین کاریگر اس خاص لائن کی ترقی میں نہایت تیزی سے مصروف ہیں اور ہر سال کچھ نہ کچھ نئی ایجاد ہوتی رہتی ہے، خریداری سے پہلے ہماری دوکان کی نمائشگاہ میں تشریف لاکر ہمارے مختلف ساخت کے ریکارڈ جدید اسٹائل کی مشین اور رنگ برنگ کے خوشنما اور ہارن ملاحظہ فرمائیے، ضروری سامان متعلقہ ٹاکنگ مشین، ہارمونیم، پیانو، ایسیٹلین گیس لائٹ، لیمپ، کیش بکس، منی بیگ، صابن اور ٹوتھ پاوڈر وغیرہ بھی فروخت ہوتے ہیں۔

منیجر دی فونو ایکسچینج لکھنو

فہرست مضامین

ہمارا پیام

دفتر الناظر سے ہماری اتفاقی مگر طویل غیر حاضری کا بڑا ذمہ دار ہماری علالت کا وہ سلسلہ تھا جو ستمبر مین بمقام ناگپور شروع ہوا اور اب تک حرز جان بنا ہوا ہے. اگرچہ ہماری صحت اب بھی اس قابل نہ تھی کہ کسی طرح کا دماغی کام کیا جاتا اور اندیشہ بھی ہے کہ کہین یہ قبل از وقت واپسی آگے چلکر رنگ نہ لائے لیکن ضروریات اور فرائض نے مراجعت پر مجبور کر دیا تاہم یہ امر موجب اطمینان ہے کہ ہماری غیر موجودگی مین بھی الناظر کی یہ خصوصیت قایم رہی کہ وہ حسب دستور پہلی تاریخ کو شائع ہوتا رہا۔

ہمارے علم دوست اصحاب نے قلمی اعانت کی صورت مین جو توجہ اس زمانہ مین فرمائی اسکے لیے ہم تہ دل سے اُن کا شکریہ ادا کرتے ہین اور اس کامیابی کو انھین کی نگاہ لطف کا نتیجہ تصور کر کے انکی خدمتین ہدیہ مبارکباد پیش کرتے ہین۔ لیکن جن حضرات کی کریمانہ توجہات الناظر کو حضرت قاضی الحاجات کی درگاہ مین سبکسار اور شرمسار نہین ہونے دیتی تھین ان کی عنایات بے غایت کی منت پذیری کا دلخوش کن موقع ہمین حاصل ہے اس لیئے انکی خدمت مین بصد ادب التماس ہے کہ وہ اپنی دریادلی اور فیاضی کا مزید ثبوت دینے مین دریغ نفرمائین۔ ہم سراپا چشم انتظار ہو رہے ہین۔ ہمارے وہ احباب جنکی نظر کیمیا اثر الناظر کی توسیع اشاعت کی کفیل ہے اس بارہ مین زیادہ سرگرمی اور مستعدی ظاہر کر کے ہمین شکرگذار بنائین تاکہ ہماری مجوزہ اصلاحات زیادہ معرض التوا مین نرہیں۔

اس پرچہ کی روانگی کے ساتھ الناظر کی زندگی کا دوسرا سال ختم ہوا۔ اس عرصہ میں جو تجربات ہمیں ہوئے ہیں انکی بناپر جو تغیرات ہمارے پیش نظر ہین انکی اہمیت کا اندازہ کرنا آسان ہے مگر تفصیل معلوم کرنیکے لئے انتظار کرنیکی ضرورت ہے۔

خاکسار ظفرالملک علوی ایڈیٹر الناظر

الناظر

نمبر ۲۴ جلد ۴ — یکم جون سنہ ۱۹۱۱ء

سینس - اینڈ - ریلجن

(یہ نظم "علم طبعیات - اور - مذہب" کی طویل نظم کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے)

ڈیر اڈیٹر میں آپ کی خدمت میں "سینس - اینڈ - ریلجن" کی طویل نظم کا ایک ٹکڑا بھیجتا ہوں، امید ہے کہ "الناظر" میں اسے جگہ دیجئے، اس نظم میں علم طبعیات اور مذہب پر بحث ہے، اصولی مسائل اگرچہ دقیق ہیں، مگر زیر بحث ہے گئے ہیں، توافق بھی ہے، جرح بھی ہے، تعدیل بھی ہے، تاویل بھی ہے، افسوس ہے کہ اس سے زیادہ میں اسوقت نقل نہ کر سکا، ممکن ہے کہ پھر بھی کوئی ٹکڑا بھیج سکوں، توضیح کے طور پر جو نوٹ دیے گئے ہیں، وہ بکثرت ہیں۔ انکی نقل سے جی اُلجھ جاتا ہے، اسی سبب سے میں نے ایسے ٹکڑے کی نقل کی ہے جسمیں نوٹ کم ہیں، پوری نظم سوا پانچسو اشعار سے زیادہ کی ہے۔

احمد علی، شوق، قدوائی

---

(۱) جو ماہیتِ اشیاے عالم کے نہیں جویا — خدا کی حکمت و صنعت کی قدر اُن کو نہیں گویا

نہ سمجھیں صنعتِ صانع کو جو ہیں علم کے کچے — عجائب پر نہیں ہیں بے کھلونے دیکھکر بچے

ذرا علمی نظر سے نخل و برگ و بار کو دیکھو — حجر کو ارض کو، گل کو، ہوا کو، نار کو دیکھو

جمادات اِسقدر کیوں ہیں، نباتات اِسقدر کیوں ہیں — یہ سب کیڑے مکوڑے کیوں ہیں بشر کیوں ہیں جانور کیوں ہیں

شعاعِ شمس سے ہوتے ہیں کیا کیا کام دنیا میں — سحر ہوتی ہے کیونکر، اور کیونکر شام دنیا میں

ضو[۱] کیا شے ہے دنیا نور جس سے روز یابی ہے ۔۔۔ چمک ہر چیز میں کس چیز سے، کس طرح آتی ہے
حجابِ چہرۂ خورشید ہوتی ہے زمیں کیونکر ۔۔۔ بنا کرتی ہے ابرو[۲] ماہِ کامل کی جبیں کیونکر
دھوئیں کی شکل بن پھیلتی کیونکر ہے، گھٹا کیوں ۔۔۔ گرج کیا چیز ہے، بجلی چمکتی کیوں ہے، گرتی کیوں
عناصر کتنے پانی میں ہوا میں کون اجزا ہیں ۔۔۔ شفق کیا ہے، دھنک کیا ہے، دھنک کے رنگ کیا کیا ہیں
وہ کون ایسی ہے قوت جو جما دیتی ہے پانی کو ۔۔۔ مقید کرتی ہے اولوں کی شکلوں میں روانی کو
صدا[۳] کے واسطے جنبش ہوا میں کیونکر آتی ہے ۔۔۔ ہوا[۴] کے جسم میں کیونکر صدا مسکن بناتی ہے
ٹپکتی ہے ہوا سے ہلکے شبنم، نیچے پانی کیوں ۔۔۔ ہوا[۵] کو کرتی ہیں سورج کی کرنیں آسمانی کیوں
زمیں کیونکر معلق ہے، کشش[۶] سے یا دبانے سے ۔۔۔ کہ دو اجزا[۷] ہیں باہم کشمکش کی نوبت آنے سے
نہیں یہ کچھ تو ثقلِ[۸] ارض پر تم لوگ قائل ہو ۔۔۔ ہو مشرق سے مغرب کی فلاسوفی کے قائل ہو

---

۱ روشنی کے متعلق سائنس کے دو مذہب ہیں ایک یہ کہ ایتھر کی لہر ہے، دوسرا یہ کہ ذرات ہیں جو روشن اجسام کے گرد چمک کر تاب حاصل کرتے ہیں۔

۲ ماہ کامل کا ہلال کی شکل میں نظر آنا۔

۳ سائنس کی رو سے جسم کا اثر ہوا میں آواز کیلئے جنبش پیدا کرتا ہے۔

۴ آواز کو فنا کلی نہیں ہے۔ وہ ہوا کے جسم میں جگہ لیکے قائم رہتی ہے۔

۵ ہوا کا کرہ اوپر ہے سورج کی کرنیں منعکس ہو کے طبقۂ ہوائی میں نیلگوں رنگ پیدا کرتی ہیں جسکو آسمان کہتے ہیں۔

۶ حکمائے قدیم کا ایک مذہب یہ ہے کہ آسمان زمین کو گھیرے ہوئے چاروں طرف کھینچتا ہے، ہر جانب کی قوتِ کشش برابر ہے، لہذا زمین معلق ہے، دوسرا مذہب یہ ہے کہ آسمان اعلیٰ، اور زمین ادنیٰ ہے، کشش جو انحادی وہیں ہے ممکن نہیں، بلکہ آسمان متنفر ہو کے چاروں طرف سے زمین کو ڈھکیلتا ہے لہذا معلق ہے۔

۷ تیسرا مذہب یہ ہے کہ زمین میں اجزائے لطیف بھی ہیں اور کثیف بھی، لطیف اوپر کو جانا چاہتے ہیں اور کثیف نیچے کو، کشمکش سے زمین معلق ہے۔

۸ ثقل کا مسئلہ نیوٹن کا ہے یورپ ثقل ارض سے زمین کے معلق ہونے پر حجت لایا ہے، یہ مسئلہ بہت دقیق ہے۔

زمیں جب زلزلے سے ہوکے جنبش ہوتی ہی مائل — تو کیوں ہوتا ہے مقناطیس[1] کا زورِ کشش زائل
زمیں[2] میں ہوتے ہیں اجزائے آب و باد ضم کیونکر — جمادی[3] مادہ پیڑوں میں ہوتا ہے بہم کیونکر
سمجھ میں سنیس سے شاید یہ اعجاز نظر آئے — کہ الٹی[4] مرتسم ہو شکل اور سیدھی نظر آئے
نرالے رنگ کیونکر روشنی لاتی ہے، دیکھو تو — پہنکر سات[5] رنگوں کا لباس آتی ہے، دیکھو تو
محرکِ[6] بارشِ باراں کی کیونکر برق ہوتی ہے — کہاں[7] جاتی ہے جب دریا میں گر کر غرق ہوتی ہے
وجودِ رعد[8] کیا بیکار ہے بادل کے دامن میں — ہوا کھانا[9] دیتی ہے اشجار کو صحرا و گلشن میں
ہے کیا رنگوں[10] میں، اُنسے روشنی کیوں کم گذرتی ہے — سیاہی[11] بڑھ کے سب رنگوں سے کیوں جذب اسکو کرتی ہے

[1] زلزلے کے وقت مقناطیس سے کشش کی قوت جاتی رہتی ہے، مگر سینس اسکی وجہ پر کوئی صحیح دلیل اب تک نہیں قائم کر سکا ہے۔

[2] زمین پانی اور ہوا کے اجزا کو ضم کرکے اپنا سا بنا لیتی ہے۔

[3] نباتات جمادی مادے کو کھینچ کے اپنی ساخت میں لے لیتی ہیں۔

[4] روشنی کے اثر سے آنکھ میں تصویر الٹی منقش ہوتی ہے، مگر سیدھی نظر آتی ہے، سنیس اسکی وجہ اب تک نہیں سمجھ سکا ہے

[5] روشنی منعکس ہوکے سات رنگوں میں تبدیل ہوتی ہے۔

[6] بجلی ہمیشہ ابر کے ساتھ رہتی ہے، تاکہ وہ اپنی حرارت سے اُسے پگھلا کر پانی کرے۔

[7] بجلی دریا میں گر کے برقی قوت میں ضم ہو جاتی ہے، چمک زائل ہو جاتی ہے مگر اُسکی روح ہمیشہ باقی رہتی ہے

[8] رعد وہ قوت لرزاں ہے جو ابر کے ساتھ ہمیشہ اسلیے رہتی ہے کہ اپنی حرکت سے اُسے پگھلا کے پانی کر دے۔

[9] ہوا اشجار کو غذا دیتی ہے، یعنی اشجار کے پتے ہوا کو چوس کر غذا حاصل کرتے ہیں۔

[10] سب رنگ عموماً روشنی کے جاذب ہیں۔

[11] سیاہ رنگ سب رنگوں سے زیادہ روشنی کا جاذب ہے۔ لیکن سنیس اس کی وجہ کو صحیح طور پر اب تک نہیں سمجھ سکا ہے۔

وہ[1] صورت کیا ہے جس سے عالم ایجاد نمارت ہو — انرجی[2] بھی شکل کیوں بدلے، وہ کیوں جزوِ حرارت ہو
حیات[3] آخر ہے کیا شے جو بہت ہی جانفزا شے ہے — نہیں ہے روح[4] یا ہے، اور اگر ہے وہ، تو کیا شے ہے
ثمر[5] آتے ہیں کس قوت سے اشجارِ ثمرور میں — ہوا کرتا ہے باہم ربط کیونکر مادہ و نر میں
بنایا[6] مردمِ دیدہ کو کیوں رنگین فطرت نے — کیا کس چیز کا جاذب اسے فطرت کی حکمت نے
تباین[7] کو تجاوز حد سے کیا بڑھکر بھی ہوتا ہے — وہ کیا نوعِ جداگانہ، وہ کیا جوہر بھی ہوتا ہے
دلیل[8] نشو حیوانی قیاسی، یا یقینی ہے — قیاسی ہے تو عقلاً مستحقِ نکتہ چینی ہے

۱ه سر ولیم تھامسن، مسٹر پرسن، اور کال وغیرہ زوال دنیا کے قائل ہیں، یہ حکماء سائنس سے زوال کے اسباب کو ثابت کرتے ہیں۔

۲ه گولڈنگ، سر ہمفری ڈیوی، بیرن، ہنجمین، کرمفرڈ، اور رسی کونن وغیرہ علمائے سائنس کہتے ہیں کہ انرجی یعنی وہ قوت جس سے حیات قائم ہے، حرارت میں تبدیل ہوتی جاتی ہے، لہذا ایتھر کا ٹمپریچر بگڑ جائیگا اور حرارت غالب ہوکے تمام موجودات کو مٹا دے گی۔

۳ه سائنس کہتا ہے کہ حیات مادے کے اجزائے متحرک، اور عناصر کی باہمی تاثیرات کا ظہور ہے، اور فلسفۂ اسلام کہتا ہے کہ حیات ایک وجودی صفت ہے جو نفس ذات سے زائد اور علم سے متغائر ہے۔

۴ه سائنس وجود روح سے منکر اور فلسفۂ اسلام اسکا ثابت کرنیوالا ہے۔

۵ه ہوا بار آور مادے کو اجزائے مذکر سے اجزائے مونث میں منتقل کرتی ہے، اسی کی قوت سے ثمر آتے ہیں۔

۶ه فطرت نے آنکھوں کی پتلیوں کو اس لیے رنگین بنایا، کہ رنگ میں روشنی کو جذب کرنے کی قوت ہے زیادہ روشنی بصارت کو ضرر نہیں پہونچا سکتی۔

۷ه قانون تباین سائنس کے چار قوانین میں کا ایک قانون ہے، یعنی ہر نوع اپنی اصل سے ضرور کچھ متغیر ہوتی ہے، وہ کہتا ہے کہ تباین عرض سے جوہر بھی ہوسکتا ہے یعنی نوع بدلتے بدلتے اصل سے بالکل جداگانہ نوع ہوجاتی ہے، اسلام جدید حکما اسکا بالکل [illegible]

۸ه سائنس ذی الارواح کے وجود کو نشو سے مانتا ہے، یعنی مادے سے خود بخود پیدا ہوکر کیڑوں سے انسان تک ترقی کی، اور یہ مسئلہ ظنی ہے۔

نشاں[1] پانوؤں کا گر سانپوں کے جسموں سے ہویدا ہے — تو کیا ہر نوعِ حیواں کا بدلنا اس سے پیدا ہے

ہے قولِ سینس[2] ہر عضو اپنی حاجت کے موافق ہو — تو قولِ نشو باطل، اور قولِ خلق صادق ہو

اگر ہے عضو ناقص تو ہے نشو اُس نقص کا بانی — کہ یا بدلی ہے، یا بدلے گی شکلِ نوعِ حیوانی

دلائل نشو کے یہ ہیں تو ہو ان پر یقیں کیونکر — یہ ظنی، خلق و خالق کی جگہ ہوں دل نشیں کیونکر

نہیں ڈر سینس کا مذہب اگر کچا ہے سچا ہے — ڈرو ڈرنے کا ہو اُس مذہب کو جسکا رنگ کچا ہے

وہ کہتا ہے کہ اولٰی[3] سب علل کی ایک علت ہے — تو ہم کہتے ہیں بیشک، اور وہی خلاقِ خلقت ہے

مگر وہ مادہ ہے، فہم اُسے مانے تو کیا مانے — وہ ہے[4] ادراک سے خالی، نہ کچھ سمجھے، نہ کچھ جانے

نہ علم اُس مادّے کو ہے، نہ ہوش اُسکو، نہ عقل اُسکو — نہ بینا وہ، نہ قصد اُس میں، نہ فہمِ اصل و نقل اُسکو

زمانہ بدلے اور وقت آئے جائے تو نہیں واقف — وہ خود ہی تو نہیں واقف، بنائے تو نہیں واقف

ہے[5] جنبش اُسکی طبعی اور وہ قوت غیر منفک ہے — نہ عزماً کوئی فعل اُسکا، نہ قصداً کوئی مسلک ہے

سدیمی[6] مادّہ فطرت نے پیدا کر دیا گویا — پھر اُسمیں جمع اجزائے بسیطہ کو کیا گویا

---

[1] سینس کہتا ہے کہ نشو کی دلیل سانپوں کے پانوؤں کے غیر مکمل نشانات ہیں، یعنی پہلے یہ اور کوئی کیڑا تھا، نشو سے سانپ ہوا، پانوں مٹے مگر نشانات رہ گئے۔

[2] سینس کہتا ہے کہ اگر ہر عضو ضرورت ہی کے موافق ہے تو خلق کا ماننا ممکن ہے لیکن اگر ناقص ہے تو یا اسکی صورت بدلی یا بدل رہی ہے، سینس انسان کے جسم میں بعض اعضا کو بیکار قرار دیکے نشو کی حجت لاتا ہے۔

[3] دہری مذہب والے مادّے کو علتِ اولٰی یا علت العلل کہتے ہیں۔

[4] سینس خود قائل ہے کہ مادّے میں ادراک، عقل، فہم، غرض ایسی کوئی قوت نہیں ہے، حاجت کیوقت ہر شے اس سے ظہور میں آئی اور آتی ہے۔

[5] جنبش یعنی حرکت جسے سینس قوت بھی کہتا ہے، دہری اُسکو مادے میں طبعی اور غیر منفک کہتے ہیں، اسی قوت سے ہر شے کا وجود ہوا، یہ مسئلہ ظنی ہے، اگر دہری یوں نہ مانتے تو مادہ جسے وہ خالق قرار دیتے ہیں، وہ معطل رہتا،

[6] سدیمی مادہ وہ ہے جس سے عالمِ ہستی میں تنوعات کا وجود ہوا۔

ہوسے ذرات قانونِ کشش سے پھر فراہم جب — عناصر بنکے خود موجود ہوئے پھر ملکے باہم سب

کرہ اک بنگیا پھر آپ ہی فطرت کی حکمت سے — ہوا پھر مشتعل وہ شمس بنکر نورِ فطرت سے

ستارے بنگئے خود ہی جدا ہو کر شمس سے کٹ کر — زمیں بھی صورتِ کروی میں پھیلی پھر الگ ہٹ کر

پھر آئی گردشِ آب ارضی سے سطح ارض پر سردی — پھر اُسنے ہر طبق کی شکل پیدا خود بخود کر دی

معادن اور اشجار اُس سے پیدا ہوگئے خود ہی — جہاں میں جانور الٹے پھر ہویدا ہوگئے خود ہی

جو قانونِ تباین کے اثر میں آئیں پھر نوعیں — تو عالم میں ہوئیں شکلیں بدل کر منتشر نوعیں

ہوا قانوناً اُن انواع میں سےلہ منتخب انسان — کبھی کیڑا، کبھی بندر تھا پہلے جو ہے اب انساں

تحیر زا ہے بحثِ ارتقاے نوعِ انسانی — یہ قدرت کی کمی تھی پہلے یا فطرت کی نادانی

کیا نوعوں کو ذراتِ بسیطہ نے اگر پیدا — تو کیوں اُن سے نہ پہلے ہوسکی نوعِ بشر پیدا

بنا انسان بندر سے، یہ بحث ایسی قوی کیا ہے — تفاوت بندر اور انسان کے بچوں سے پیدا ہے

چلے بندر کا بچہ عالمِ ہستی میں آتے ہی — غذا کھانے لگے خود ہی، ہوا و نیا کی کھاتے ہی

ضرورت کی سمجھ اُسکو، حفاظت پر وہ خود قادر — اسی بچپن میں افعالِ فراست اُس سے ہوں ظاہر

مگر انسان کا بچہ رہے مجبور برسوں تک — سمجھ، رفتار، قوت اور خودی سے دور برسوں تک

ترقی کیا وہ انسان کیلیے گویا تنزل ہے — ضرور اس شکل کے تسلیم کرنے میں تامل ہے

ابھی تک سینس سرگرداں ہی خود ہی ظن کے صحرا میں — کہ اُسکا ایک ستہ بندر کھو گیا ہے دشتِ دنیا میں

احمد علی، شوق۔ قدوائی

سلہ قانون انتخاب سینس کے چار قوانین میں سے ایک قانون ہے، یعنی تنازع للبقاء سے ضعیف کو فنا کر کے فطرت قوی کو بقا کیلیے منتخب کرتی ہے۔

ستہ ڈاروِن کی تمہید یہ ہے کہ جو بندر اب نظر آتا ہی اسکے اور انسان کے بیچ میں ایک بندر اور بھی تھا، جو اسوقت نہیں ملتا، مگر کہیں ہوگا، اُس بندر سے ارتقا کے طریقے سے ترقی کر کے انسان بنا ہی، اُس گم شدہ بندر کو سینس کی اصطلاح میں "مسنگ لنک" *Missing link* کہا ہے، جسکے معنی ہیں "گم شدہ کڑی"

تقسیم محنت

ہم دیکھتے ہیں کہ جو کام انسان کے حیطۂ قدرت سے باہر ہیں یا جو کام انسان کے اختیارات سے باہر ہو رہے ہیں وہ بھی کسی نہ کسی ضابطے اور قانون کے ماتحت ہیں۔ یہ جدا بات ہے کہ بعض دفعہ ہم کسی خاص وجہ سے یہ سمجھ نہ سکیں کہ فلاں کام کس قانون اور کس ضابطہ کے ماتحت ہو رہا ہے اور فلاں کام کس غرض سے ہوا ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جو کام انسان کے اختیارات سے باہر ہیں اُنکے واسطے کوئی ضابطہ اور قانون نہو۔

ہوا ایک ضابطہ سے چل رہی ہے۔ پانی ایک قانون کے ماتحت کام کر رہا ہے۔ آگ ایک ترتیب سے کام دے رہی ہے آفتاب ایک قانون کے ماتحت نکلتا اور ڈوبتا ہے چاند بھی ایک ضابطہ کی تبعیت سے رات کو نکلتا اور ڈوبتا ہے۔ ہوا جدا کام کر رہی ہے اور آگ جدا۔ پانی جدا اور خاک جدا۔ آفتاب جدا اور ماہتاب جدا۔ ہوا کے متعلق جو فرائض رکھے گئے ہیں وہ آگ کے متعلق نہیں ہیں۔ جو کام سورج دیتا ہے وہ چاند نہیں دیتا اور نہ دے سکتا ہے۔ موسموں کا تغیر و تبدل اور اپنے اپنے موقعہ پہ اُنکا کام دینا اور اُنکا شروع اور خاتمہ اسبات کا بین ثبوت ہے کہ کوئی ضابطہ اُن سے کام لے رہا ہے اور ہر ایک کی خدمت اور ڈیوٹی جداگانہ ہے۔ اگر قدرت ہوا سے پانی کا کام لے تو شاید دونوں عنصروں کی طاقت سے اپنے فرائض پورے نہ کر سکیں۔ اور دنیا کے کاروبار میں ایک عظیم خلل پڑ جائے۔ ان سب امور سے ہمیں کیا کچھ سبق ملتے ہیں۔

(الف) ہر ایک ہستی جداگانہ کام کر رہی ہے۔

(ب) باوجود اس علحدگی کے ہر ایک ہستی دوسری ہستیوں کی مددگار ہے۔

(ج) تقسیم محنت ایک ضروری مرحلہ ہے۔

(د) قانون قدرت خود اسکا حامی اور مؤید ہے۔

(۵) بغیر تقسیم محنت کے دنیا کا کاروبار مشکل سے چلتا ہے۔

باوجودیکہ ہوا جداگانہ فرائض رکھتی ہے لیکن پھر بھی جب باہموں کیمیائی ہوا اور پانی سے مشترکہ کام کیا جائے تو ایک اور ہی طاقت پیدا ہوتی ہے لیکن یہ مشترکہ کام اُس صورت میں لیا جا سکتا ہے کہ جب تقسیم محنت کا اصول شروع ہی سے مدنظر رکھا جائے جب تقسیم محنت کا اصول نظر انداز کیا جائے تو پھر مشترکہ کام خوبصورتی سے نہیں لیا جا سکتا ہے۔

مختلف ملکوں اور مختلف قوموں کے قواعد سوسائٹی۔ قوانین محنت اور اصول تمدن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قوانین قدرت کا تتبع کر کے قوموں اور انسانی جماعتوں نے تقسیم محنت میں وقتاً فوقتاً غور ضرور کیا ہے اور عمل کرنے کی بھی کوشش ایک خاص حد تک کی گئی ہے۔ ہندوؤں نے چار برن کی تقسیم سے دراصل یہی غرض اور یہی مدعا رکھا تھا کہ کاموں کی تقسیم کیجائے گو وہ تقسیم اصولی اور مجموعی رنگ میں ہونے کی وجہ سے ایک عام تقسیم تھی مگر پھر بھی اُس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تقسیم محنت کا خیال قدیم قوموں میں بھی پایا جاتا تھا اور مدتوں سے قوانین قدرت اس ضرورت پر روشنی ڈال رہے ہیں اور قوموں نے اپنے اپنے رنگ میں اسکی تبعیت بھی کی ہے۔

قوموں میں خصوصاً ایشیائی قوموں میں پیشوں کے اعتبار یا پیشوں کی وجہ سے قوموں یا قومیت کا جداگانہ صیغہ نکل آنا تقسیم محنت کا ایک عملی اصول ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ ہر قوم میں یہ خیال کسی نہ کسی حد تک نشو و نما پاتا رہا ہے۔

ہندوؤں نے چار برن بنا کر یہ مسئلہ حل کیا اور دوسری قوموں نے ہر پیشہ کے متعلق رفتہ رفتہ ایک قوم ہی قرار دے لی۔ جن ملکوں میں بجائے قوموں کے کلاس مقرر ہیں جیسے یورپ میں وہاں بھی یہ اصول تقسیم محنت مرعی رہا ہے۔ اُن قوموں یا اُن ملکوں میں بھی بڑھئی کو بڑھئی اور درزی کو درزی باعتبار خصوصیت پیشہ کے کہتے ہیں اور ان دونوں کے پیشہ میں امتیاز بھی کرتے ہیں۔ شاید یہ خیال کیا جائے کہ یہ گروہ اور چھوٹی چھوٹی قومیں یوں ہی بنتی گئی ہیں

اور یہ کسی اصول علمی کے ماتحت نہیں ہیں تو یہ درست نہ ہوگا کہ انکا ایک اصول اور ایک ضابطہ ہے اُس ضابطہ کے ماتحت انکا نشوو نما ہوتا ہے اور انکی ہستی جداگانہ قائم ہوتی ہے۔

شروع شروع میں ضرورتوں اور حوائج زندگی کی ہتات پر نظر کرنے سے معلوم ہوا کہ دنیا کے مختلف کاروبار ایک آدمی نہیں کرسکتا اس غرض نے انسانی جماعتوں کو مجبور کیا کہ جداگانہ کاموں کی بنیاد رکھی جائے اور جداگانہ طریق سے ضروریات انسانی کی تکمیل ہوتی رہے۔ موچی نے آخرکار یہ فیصلہ کیا کہ وہ جولاہے کا کام اگرچہ سیکھ سکتا اور کرسکتا ہے لیکن دونوں کاموں کی صورت میں وہ کمال نہیں حاصل کرسکتا اور نہ سوسائٹی کو فائدہ پہونچا سکتا ہے۔ اسی طرح جولاہے نے خیال کیا اور ان دو مختلف خیالوں کی وجہ سے دونوں پیشوں کی جداگانہ بنیاد رکھی گئی۔

مصوری اور شاعری دو جداگانہ کام ہیں۔ مصوری ایک عملی صورت رکھتی ہے اور شاعری میں صرف خیالات ہی خیالات ہیں لیکن دونوں میں باوجود ایک نسبت ہونے کے بھی فرق ہے بیشک ایک شاعر مصور اور ایک مصور شاعر بھی ہوسکتا ہے لیکن اگر تقسیم محنت کے اعتبارات سے فیصلہ کیا جائے تو کہا جائیگا کہ دونوں میں فرق ہے اور دونوں میں فرق رکھنا چاہیے جب تک کہ اس طرح کا فرق نہ رکھا جائے کوئی شاخ مکمل نہیں ہوسکتی۔ اگر شاعر مصوری کا کمال شاعری کے اصول پر موقوف رکھے اور مصور اسکے برعکس کرے تو دونوں کی محنتیں تقریباً رائگاں جائیں گی اور کسی میں بھی کمال حاصل نہ ہوگا۔

تقسیم محنت کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ دو کام علیحدہ علیحدہ کیے جائیں یا دو کام جدا جدا صورت میں اور جدا جدا طریقہ سے کیے جائیں مطلب یہ ہے کہ ایسے طریقہ سے تقسیم محنت ہو کہ ہر ایک شاخ میں کمال حاصل ہوسکے سوال یہ ہے یا یہ ہونا چاہیے کہ کیوں تقسیم محنت لازمی ہے اور اس سے فائدہ علمی کیا ہے؟

تقسیم محنت اسی واسطے لازمی ہے کہ جداگانہ صورت یا جداگانہ محنت سے ہر ایک شاخ

میں کمال پیدا کیا جا سکے تا کہ ایجادات و اختراعات میں کمال کا رنگ پیدا ہو۔ اور سوسائٹی فارغ البالی سے گزران کرے۔ اگر قانون قدرت ہوا اور پانی سے شترک کام لے تو جو ضروریات ان دونوں عناصر سے اسوقت بوجہ احسن پوری ہو رہی ہیں اُنکا وجود باقی نہیں رہیگا۔ اگر جولاہا موچی کے کام کو بھی اپنے کام کے ساتھ نامکمل طریق سے کرے تو دونوں میں نقص آجائیگا اور وہ اصول صنعت و حرفت دونوں کی بابت کوئی وزنی راے قائم نہ ہو سکے گی اور سوسائٹی اور سرمایۂ سوسائٹی ایک گھاٹے میں پڑجاے گا۔

تقسیم محنت عملی رنگ میں تین قسمیں رکھتی ہے۔

(۱) علمی رنگ میں۔

(۲) عملی رنگ میں۔

(۳) رسمی رنگ میں۔

ان تینوں قسموں میں فرق ہے۔

کوئی قوم اُسوقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک اُسکے افراد کا سہ میں علمی اور عملی رنگ کی تقسیم محنت نہ ہو۔ رسمی رنگ کی تقسیم محنت بطور ایک ورثہ کے ہوتی ہے نہ بطور ایک فن کے جو موچی یا جو جولاہہ یا جو طبیب بطور ایک نسلی ورثہ کے کام کرتا ہے درحقیقت وہ گلے پڑا ڈھول بجا رہا ہے۔ فن کے اعتبار یا فن کے خیال سے کام نہیں کرتا ہے اور ان حالات میں ایسے کام قوم یا سوسائٹی کے حق میں چنداں تفوق اور برتری نہیں رکھتے۔ وہ موچی یا وہ جولاہہ یا وہ ڈھول قوم کے واسطے کیا سرمایۂ فخر رکھتا ہے جو صدیوں سے ایک ہی طرز پر اپنا کسب یا اپنا فن چلا رہا ہے اور جو طبیب صرف یوسفی اور زاد غریب کی تحقیقات پر ہی اپنی طب کا خاتمہ کر دیتا ہے اُسپر قوم اور سوسائٹی جو کچھ فخر کر سکتی ہے وہ پوشیدہ نہیں اور خود اپنی ذات اور اپنے خاندان کے واسطے بھی جو کچھ وہ مفید ہو سکتا ہے مخفی نہیں۔

کیا اس طریق عمل سے (Division of labour) یعنی تقسیم محنت کی غرض

سے مدعا پورا ہوتا ہے اور یہ کہا جائیگا کہ اس سے کسی قوم میں سچی زندگی پائی جاتی ہے تقسیم محنت اُس صورت میں مفید اور جامع ہوتی ہے جب اُسمیں کمال کی روح بھی حلول کرچکی ہو اور اُسمیں ایک امتیاز اور ایک خصوصیت پائی جائے۔

علمی رنگ میں تقسیم محنت کب آتی ہے جب کم سے کم اُسقدر علمی سرمایہ ہو کہ جو افراد کا سبب کے واسطے خصوصیت رکھتا ہے۔ فلاسفر یا شاعر ہونے سے بیشک دماغ یا دماغی عنصر شستہ اور پاکیزہ ہوجاتے ہیں لیکن عملی رنگ میں جو کمالات ضروری ہیں اُنکا حصول اُسی صورت میں مفید ہے کہ جب فنون اور اکتسابات میں کمال بھی ہو اور اُنمیں ایک خصوصیت بھی پائی جائے۔

بعض قوموں میں اس اصول کے اعتبار سے تین نقص پائے جاتے ہیں۔

(۱) تقسیم محنت کسی اصول کے ماتحت نہیں۔

(۲) اُس کا وجود ہی نہیں۔

(۳) تقسیم محنت کا مفہوم سمجھا ہی نہیں جاتا۔

کوئی کام یا کوئی پیشہ اختیار کرنیکے وقت یہ خیال نہیں کیا جاتا کہ اسمیں کمال حاصل ہو بلکہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ روزی چلے۔ بے شک روزی چلنے کا خیال ایک مقدم خیال ہے لیکن یہ تو صرف ایک مزدوری ہے۔ خیال یہ چاہیے کہ اُسمیں کمال حاصل ہو اور اُس سے کامل روزی ملے۔ اس خیال کو نظرانداز کرنا مفہوم تقسیم محنت سے اعراض کرنا ہے۔

جو تقسیم محنت اس اصول کے ماتحت نہیں ہے وہ گویا کسی اصول کے ماتحت نہیں ہے اور اس حالت میں کہا جائے گا کہ وہ بالکل ہی کسی اصول کے ماتحت نہیں ہے۔

اگر ایک شاعر شاعری نہیں جانتا ہے تو وہ چند نظمیں کہہ کر اُس فہرست میں اپنا نام تو درج کراسکتا ہے لیکن اگر وہ شاعری میں کمال حاصل کرنے کی آرزو رکھتا ہے تو یہ آسان کام نہیں شاعری، حکمت، ڈاکٹری، قانون دانی وغیرہ وغیرہ بھی تقسیم محنت ہے۔ اگر ایک شخص چاہے کہ وہ شاعر بھی کامل ہو اور حکیم بھی کامل ہو تو شاذ و نادر ہی وہ ایسا کرسکتا ہے۔

یہ ایک جدا بات ہے کہ ان دونوں شعبوں میں اسے کچھ کچھ واقفیت اور دسترس ہو۔
یہی حال عملی تقسیم محنت کا ہے۔ ہر پیشہ ور اپنے ہی دائرہ کے اندر رہکر کمال حاصل کر سکتا ہے۔ اِدھر اُدھر ہاتھ مار کر کوئی شخص ہر فن میں کامل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ کوشش شروع ہی سے اصول کمال فن اور تقسیم محنت کے منافی ہے۔
ساتھ ہی اس کے یہ بھی ذہن نشین ہونا چاہیے کہ باوجود صحیح عمل تقسیم محنت کے بھی دونوں صورتوں علمی اور عملی میں سب افراد کا سب اور افراد عاملہ کی یکساں صورت نہیں ہوتی۔
صدہا شاعر۔ فلسفی۔ ڈاکٹر۔ مصور وغیرہ وغیرہ علمی رنگ میں تقسیم محنت کے اصول پر کمال پیدا کرتے ہیں لیکن اُن سب کا کمال یکساں پیمانہ نہیں رکھتا۔ اگرچہ سب ہی کامل ہوں پھر بھی اُنکے کمالات اور اجتہادات میں فرق ہوگا۔
اسی طرح عملی رنگ میں بھی فرق ہوتا ہے۔ اگرچہ مشینوں سے تقسیم محنت عملی کا رنگ کسی حد تک بدل گیا ہے لیکن پھر بھی یہ نہیں کہا جائیگا کہ اُنکا رنگ ایک ہی ہوتا ہے۔ ایک کارخانہ یا ایک مشین کوئی حیثیت رکھتی ہے اور دوسرا کارخانہ یا دوسری مشین کچھ اور۔ بازار خرید و فروخت میں ہمیشہ ایک مشین نیکی اور تعریف سے یاد کیجاتی ہے اور دوسری کسی حد تک کراہت سے۔ اس کا باعث کیا ہے وہی امتیاز اور فرق۔
اس فرق اور اُس امتیاز کا یہ نتیجہ نہیں ہونا چاہیے کہ لوگ خوبی تقسیم محنت سے اعراض کریں یا اُسے غیر ضروری سمجھیں۔ بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کرکے اپنے خیالات۔ اختیارات اور ساعی میں گونہ ترقی دکھائیں اور اس سے کاروباری دنیا میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اگر ایک شیں اعلیٰ پائے اور اعلیٰ خوبی کی ہے تو اُسکے گاہک بھی صدہا نکل آتے ہیں اور جو اُس سے کم درجہ کی ہے اُسکے خواہاں بھی ہزاروں ہیں کیونکہ دوسری طرف سرمایہ کا بھی بڑا سوال ہے جو شخص ایک خاص کارخانہ کی ساخت نہیں خرید سکتا ہے وہ اُس سے کم درجہ کی کارخانہ کی ساختیں خوشی سے خرید کرتا ہے۔

اس خیال کے ساتھ کہ ہم جداگانہ کام کریں یا جداگانہ بنیاد رکھیں اس امر کا بھی سوچنا لازمی ہے کہ اس جداگانہ کوشش میں کامیابی اور کمال بھی ہو۔ جبتک یہ خیال مرکوز خاطر نہ ہوگا اسوقت تک تقسیم محنت کوئی فائدہ اور کوئی اثر نہیں رکھتی۔ اگر ایک شہر میں سو ڈاکٹر اور سو شاعر یا سو درزی اور سو موچی بلا حصول کمال موجود ہو جائیں تو اُنکی ذات سے ان فنوں کو کیا فخر ہو سکتا ہے ... سوسائٹی اور خود اُنھیں بھی کیا اُمید کرنا چاہیے۔ اس سے تو یہی بہتر تھا کہ بجائے ان صدہا کے چند ہی ہوتے لیکن باکمال ہوتے۔

بعض وقت لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ پچھلے دنوں کے تعلیم یافتہ۔ پچھلے دنوں کے کاریگر۔ پچھلے دنوں کا سامان پچھلے دنوں کی ساختیں اور پچھلے دنوں کے کاروبار بہت لائق نفیس کامل مضبوط اور جامع ہوتے تھے۔ کوئی پوچھے اس کی وجہ سوائے اسکے اور کیا ہو سکتی ہے کہ تقسیم محنت کی صورت میں حصول کمال کا خیال بھی ساتھ ہی لگا رہتا تھا اور ہر فن اور ہر کسب یا ہر اجتہاد میں کمال حاصل کرنے کی خاص کوشش کیجاتی تھی۔ اب صرف نمود اور فکر معیشت کا خیال ہوتا ہے۔ امتحان پاس کرلیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ کمال بھی حاصل کیا جائے ایک فن سیکھا جائے لیکن اُسمیں خصوصیت اور ملکہ تامہ پیدا نکیا جائے۔

کون کہہ سکتا ہے کہ اِن حالات میں تقسیم محنت کا اصول اپنی اصلی حالت پر قائم رہ سکتا اور کبھی مفید بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ ضرورت ہے کہ لوگ علمی اور عملی رنگ میں تقسیم محنت کا مفہوم سمجھیں اور اصولی جہت سے اُسکی تکمیل کریں۔

زمانہ اور قانون قدرت یہ سبق دے رہا ہے۔ بعض قومیں اسطرف بڑھ رہی ہیں۔ بعض بڑھ چکی ہیں بعض دیکھ رہی ہیں اور بعض محض لاعلم ہیں۔

سلطان احمدؔ

مشاغل تفریح کی اہمیت

ڈاکٹر سیمول جانسن (Doctor Samuel Johnson) کا پایہ انگلستان کے ادیبوں میں نہایت ممتاز ہے اور اٹھارویں صدی میں اہل یورپ نے جو عظیم الشان علمی ترقی کی اوسکی تاریخ پر آپکا نام نامی نہایت جلی حروف میں ثبت ہے۔ ۱۸ ستمبر ۱۷۰۹ء کو بمقام لچ فیلڈ (Lichfield) پیدا ہوئے اور پچہتر سال کی عمر میں وفات پائی لندن کے مشہور و معروف مدفن ویسٹ منسٹر ایبے (Westminster Abbey) میں دفن ہوئے شاعر۔ ادیب اور فرہنگ نویس ہونے کی حیثیت سے ڈاکٹر موصوف کی جو شہرت ہے اُسکو اس خصوصیت نے اور بھی نمایاں کر دیا ہے کہ آپ لندن کے اُس علمی کلب کے بانی تھے جسکو برک (Burke) گولڈ اسمتھ (Goldsmith) اور رینالڈس (Reynolds) کے سے نامور ادیبوں کی شرکت کا فخر حاصل ہوا تھا۔

آپ نے اپنی تصانیف کی صورت میں علمی دنیا کے لیے جو ترکہ چھوڑا ہے اگرچہ اُسکی قدر و قیمت کچھ کم نہیں لیکن آپ کی بے تکلفانہ گفتگوئیں اور حکیمانہ اقوال جو آپ کے سوانح نگار مسٹر باسویل (Mr Boswell) اور مسز تھریل (Mrs Thrale) کی جانفشانیوں سے آج نہایت ارزاں قیمت پر مل سکتی ہیں موجودہ اور آیندہ نسلوں کیلئے بمنزلہ ایک بیش قیمت و گراں بہا جائداد کے ہیں۔ مضمون نگاری میں آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی چنانچہ ایک صدی سے زیادہ مدت گزر جانے کے بعد بھی آجتک دنیا بھر کے مضمون نویس آپ کے مضامین عالیہ سے خوشہ چینی کرتے اور اُنکے مطالب لطیفہ سے بہرہ اندوز ہوتے رہتے ہیں۔

ذیل کا مضمون دی ایڈونچرر (The Adventurer) سے ترجمہ کرکے ہدیۂ ناظرین ان ناظر کیا جاتا ہے اور اگر یہ کوشش پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی تو آیندہ بھی ہم ڈاکٹر جانسن کے دسترخوان نعمت کی زلہ ربائی کرنا اپنا فرض جانیں گے۔ م

لاک[1] کے متعلق یہ شبہہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ بیکاری اور آوارہ گردی کا حامی تھا تاہم اُسکا خیال تھا کہ جو شخص اپنے وقت کا کوئی حصہ ایسے کاموں میں صرف کرنا چاہتا ہے جو اُسکے عقلی

[1] John Locke ۱۶۳۲ء میں بمقام رنگٹن (Wrington) پیدا ہوا۔ اول شیفٹسبری

پیٹر اور زور ڈالتے ہیں اُسکے لیے لازمی ہے کہ وہ کبھی کبھی ایسے مشاغل میں بھی مصروف ہوا
کرے جنکا مقصد محض تفریح ہے۔ کیونکہ یہ امر طاقت بشری سے خارج ہے کہ کوئی شخص ساری
زندگی دقیق مطالعہ اور عمیق غور و خوض میں بسر کرے حتیٰ کہ جو لوگ جفاکشی اور متانت کی تصویر مجسم
بننا چاہتے ہیں وہ بھی تفریحی مشاغل کیلیے کچھ اوقات مقرر کر لیتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ اس قسم کے جو اوقات ہیں اُنکا بیشتر حصہ ہماری مرضی کے مطابق یا اُسکے
خلاف اس طرح پر گزر جاتا ہے کہ ہمیں اُسکا احساس بھی نہیں ہوتا جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوت
متخیلہ اپنے مقررہ فرائض کی قید سے یکایک آزاد ہو جاتی ہے۔ مسلسل اور مستقل توجہ صرف
تھوڑی دیر تک قائم رہ سکتی ہے اور جہاں کسی نے تنہائی میں بیٹھکر اپنے خیال کو کسی دقیق مسئلہ
کی طرف رجوع کیا اوسکی قوت متخیلہ اُن مشاغل کی طرف دوڑنے لگتی ہے جو زیادہ دلچسپ ہیں۔
اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ نامعلوم طریقہ سے عالم خیال کی بعید منازل طے کر جاتا ہے اور جب خواب
آسا وہ پھر اپنے مقصد اولین کی طرف مراجعت کرتا ہے تو اُسکو یہ بھی علم نہیں ہوتا کہ وہ اُس سے
کب علیحدہ ہوا تھا اور کتنی دیر تک جدا رہا۔

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ کثیر المطالعہ اشخاص عموماً بڑے پایہ کے عالم و فاضل نہیں ہوتے
اور در حقیقت اس بات کی تہ تک پہونچنا کچھ بھی دشوار نہیں ہے کہ علمی قابلیت میں یہ فرق کن
اسباب سے پیدا ہوتا ہے قوائے عقلی کی کمی و بیشی سے یا انتخاب کتب کی موزونیت و غیر
موزونیت سے یا حصول معلومات کے اچھے اور برے طریقہ سے۔ میرے خیال میں اکثر

(Earl Shaftesbury) کی توجہ سے مختلف عہدہائے جلیلہ پر درجہ بدرجہ سرفراز ہوتا رہا تا آنکہ اپنے مربی
کی علٰحدگی اور ہالینڈ میں سکونت اختیار کرنے پر وہ بھی اُسکے ساتھ جاکر رہا اور وہیں عقل انسانی پر وہ معرکۃ الآرا
تصنیف لکھی کہ آج اُس کا شمار زمانۂ حال کے فلسفیوں کی صف اول میں ہوتا ہے۔ انقلاب کے ختم پر انگلستان
سے واپس آکر محکمۂ تجارت کا کمشنر مقرر ہوا اور بمقام اوٹس (Oates) ۱۷۰۴ء
میں انتقال کیا۔

یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ تنہائی کے بہت عادی ہیں وہ مطالعہ زیادہ نہیں کر سکتے۔ ایسے بھی بہت سے لوگ ہیں جو سخت محنت کرنیوالوں اور طالب علموں کی صورت بنا کر دنیا کو اور خود اپنے آپ کو دھوکے میں ڈالتے ہیں حالانکہ اسکی اصل اس سے زیادہ نہیں ہوتی کہ یہ لوگ بادہ تخیل سے سرشار ہو کر گزرے ہوئے زمانے کے یاد کرنے اور آیندہ کے لیے نئے نئے منصوبے سوچنے میں اپنا دل بہلاتے۔ مسرت کی گوناگوں حالتوں سے بہرہ اندوز ہونے کی اُمید وہیں بیٹھے رہتے اور قصرِ خیالی کے خوشنما کمروں میں سکونت پذیر ہو کر اپنا وقت رائگاں کرتے ہیں۔

زندگی کے سفر میں بعض تو اسوجہ سے پیچھے رہجاتے ہیں کہ فطرت نے اُنھیں کمزور اور سست بنایا ہے۔ بعض اس سبب سے کہ راہ بھٹک گئے۔ اور بہتیرے اس بنا پر کہ انھوں نے اپنی خوشی سے ترک مراحل کیا اور بجائے اسکے کہ وہ ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ آگے بڑھتے رہتے تھوڑی دیر کیلیے نئے راستہ پر چلنے کی مسرت حاصل کرکے ہر شجر سے پھول توڑتے اور ہر درخت کے سائے میں آرام لینے کی بے سود کوشش میں تگ و دو کرتے رہے۔

جو لوگ غور و خوض کے عادی ہیں اُنکے لیے اس سے زیادہ مہلک کوئی بات نہیں ہوتی کہ اُنکے دماغ اس طرح کی عارضی مسرتوں سے متمتع ہونا سیکھ جائیں۔ دوسری قسم کی خرابیاں اور بیوقوفیاں خوف سے رک جاتی۔ تنبیہ سے سدھر جاتی اور راسخ الخیالی سے جو اپنے اعمال کو دوسروں کے افعال سے مقابلہ کرتے رہنے سے پیدا ہوتی ہے دور ہو جاتی ہیں مگر دماغ کی یہ مخفی بغاوت اور ہستی کا یہ پوشیدہ اسراف تفتیش سے محفوظ اور ملامت سے بےخوف ہے۔

عالمِ خواب و خیال میں بسر کرنیوالے اپنے کمرے میں بند ہو کر نوع انسانی کی مداخلت اور نکتہ سے آزاد ہو جاتے اور اپنی باگیں تخیل کے ہاتھوں میں دیدیتے ہیں جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نت نئی دنیائیں اُنکی آنکھوں کے سامنے اُٹھ کھڑی ہوتی ہیں۔ ایک خیالی تصویر کے بعد دوسری اُن کے پیش نظر ہو جاتی ہے اور مسرتوں کا لامتناہی سلسلہ اُنکے گرد رقص کناں رہتا ہے۔ بالآخر فطرت یا عادت کے تقاضا سے وہ پھر مادی زندگی میں واپس آتے ہیں لیکن سوسائٹی

کے حلقہ میں داخل ہوتے ہوئے جھجکتے ہیں کیونکہ وہ اُسکو اپنی مرضی کے مطابق نہیں بنا سکتے اور اس بے سود سیاحت سے متاعِ علم کے بجائے چونکہ طالبعلمانہ کرختگی حاصل ہوتی ہے اس لیے وہ جلد آسودگی کی اُسی زندگی کی طرف شوق سے ایسے بے اختیار ہوکر بھاگتے ہیں جیسے کوئی شخص کسی محبوب علم کی ترقی میں مصروف ہو اور ایک لحظہ اُس سے جدا رہنا گوارا نکر سکے۔ یہ شیفتگی رفتہ رفتہ اُنپر بالکل حاوی ہوجاتی ہے اور سمِ خواب آور کی مانند اسقدر جلد کمزور کر دیتی ہے کہ مضرت کی کوئی خارجی علامت ظاہر نہیں ہوتی۔

یہ ضرور ہوتا ہے کہ ان علمی شعبدہ بازوں کی قلعی کسی نہ کسی وقت کھلجاتی ہے اور ذلیل و مایوس ہوکر اُنکو اُس فرق کا احساس بلکہ یقین ہوجاتا ہے جو دماغی محنت اور بازیگری تخیل کے درمیان واقع ہے لیکن یہ انکشاف اکثر ایسے وقت ہوتا ہے جبکہ رائگاں شدہ لمحات واپس نہیں مل سکتے۔ ہزاروں واقعات ایسے پیش آسکتے ہیں جو بیوقوف سے بیوقوف آدمی کو بھی اُنکے خطرات اور رسوائیوں سے آگاہ کردیں لیکن وہ لوگ جو کاہلی کی اس عادت کو چھوڑنے کی ضرورت تسلیم کرلیتے ہیں بسا اوقات اپنے عزم کے باوجود پھر اُسی میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ یہ شعبدہ بازانِ تخیل ہمیشہ قریب رہتے ہیں اور اُنکے اثر پذیر ہونے کیلیے کسی وقت خاص یا مقام مخصوص کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ روح پر عالمِ بےخبری میں حملہ آور ہوتے ہیں اور قبل اسکے کہ اُنکی قربت معلوم ہو یا اُسکا شبہہ بھی پیدا ہو آلاتِ مدافعت پر قابض ہوجاتے ہیں۔

لیکن ایسے تمام اشخاص جو اربابِ بصیرت اور نفع رسانِ خلق بننے کے خواہاں ہیں۔ جو دوسروں کی نگاہوں میں ممتاز و موقر ہونا چاہتے ہیں یا اس بات کی آرزو رکھتے ہیں کہ پیرانہ سالی میں جب کبھی اوائل عمر کے حالات پر نظر دوڑائیں تو اُنکو اطمینان حاصل ہو اُنکے لیے ضروری ہے کہ وہ اس قید کو توڑیں اور دوبارہ آزادی پانے کیلیے اُنھیں ایسے ذرائع اختیار کرنا چاہیے جن کی مدد سے وہ اپنی ذات میں منہمک ہونے سے بچیں۔ جبریہ مذہب کی تلقین کے

خلاف اپنی خواہشات کو اس بات کی تعلیم دینا چاہیے کہ وہ اشیاے خارجی کیطرف دست شوق بڑہائیں۔ اور دوسروں کی خوشی اور تکلیف سے اثر پذیر ہونا اور اپنے دل میں معاشرتی مسرتوں اور صلح و آشتی کے تعلقات کی خواہش پیدا کرنا چاہیے۔

غالباً اس دماغی مرض کا علاج یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی نئی چیز کے مطالعہ میں شغف پیدا کیا جائے۔ اسطور پر ریگستان دل کو نئے نئے خیالات کے چشمے سیراب کرنے لگیں گے اور قوت تجسس ہمیشہ حرکت میں رہیگی۔ لیکن مطالعہ کے لیے تنہائی درکار ہے اور تنہائی اُن لوگوں کیلیے یقیناً خطرناک ہے جو اپنے خیالات میں مستغرق رہنے کے زیادہ عادی ہیں۔ پس علمی تفریح و نفسیت اور مسرت عامہ کو دماغ کی اس بیماری کا پرہیز جاننا چاہیے کیونکہ بغیر انکے افاقہ تو ممکن ہے مگر کامل صحت مشکل سے حاصل ہو سکتی ہے۔ دماغ کا یہ مرض نہایت سخت اور مشکل العلاج ہی اور جب استداد زمانہ سے جڑ پکڑ لیتا ہے تو عقل اور نکوکاری کیلیے اُسکا دفعیہ نہایت دشوار ہو جاتا ہی۔ لہذا اُسکے معمولی حملہ کی مدافعت میں بھی بہت احتیاط ملحوظ رکھنا چاہیے جو شخص اپنی تئیں اس سخت اور نشہ آور بیماری کے چنگل میں پھنسا ہوا پائے اُسکو چاہیے کہ اپنی تمام توجہ اُسکے دفع کرنے میں صرف کرے اور پہلی ہی دفعہ احساس کرنے پر مناسب مدافعت کر کے اُسکو روک دے۔

جسقدر ورزش (جسمیں خود فطری طور پر قواے عقلی کو جلا اور تقویت دینے کی قابلیت موجود ہے) جسمانی صحت کیلیے درکار ہے اُسکے بعد ایک ہوشمند انسان کیلیے سب سے زیادہ قابل عمل مشغلہ دلچسپی وہ تبادلۂ خیال ہے جو آزادانہ اور بے تکلفانہ گفتگو کا ماحصل ہوتا ہی جہاں تجربہ شکوک کو اور فیاضی حسد کو دور رکھتی ہے۔ جہاں ہر شخص کو بولتے وقت اگر کوئی روک ہوتی ہے تو صرف یہ کہ جو کچھ وہ کہے اُس سے دوسروں کی دل آزاری نہ ہو اور سننے وقت اگر کوئی خواہش ہوتی ہے تو محض اسقدر کہ جو کچھ وہ سنے اُس سے اُسکا دل محظوظ ہو لہذا ہر شخص کیلیے ایک وقت ایسا ہونا چاہیے جو تفریح لہو و لعب میں صرف کیا جا سکے۔ اور اُسکے مصرف کیلیے فطرت جو صورتیں انتخاب کے لیے ہمارے سامنے پیش کرتی ہے وہ یہی ہیں کہ یا تو ہم دوسرونکے ساتھ

بیٹھکر تفریح کریں یا محض تنہائی میں یوں ہی وقت گزاریں۔ تفریح میں نفع متصور رکھنا، اُنلوگوں کی قدیمی تعلیم ہے جو نفع کے متعلق طرح طرح کے خیالات رکھتے تھے۔ اور اسپر سب متفق ہیں کہ ایسے مشاغل تفریح اختیار کرنا چاہیے جنکا دائرۂ اثر زمانۂ موجودہ ہی پر محدود نہ ہو بلکہ کم وبیش آیندہ زمانہ میں بھی اُس سے فائدہ پہونچے۔ اسلیئے منتخب ہم جلیسوں کے ساتھ جو شخص تفریحی مشاغل میں مصروف ہوتا ہے وہ خواہ کتنی ہی بے توجہی سے کام کیوں نہ لے اور کیسے ہی شور و غوغا (جسکی نکوکاری اجازت دے) میں گھرا کیوں نہ ہو ممکن نہیں کہ اُس سے مفید نکتے نہ سیکھے اور معمولی سے معمولی بے تکلف بات چیت میں ممکن نہیں کہ کچھ نہ کچھ معلومات خواہ وہ بہ سبیل اتفاق ہی کیوں نہو حاصل نہ کرے۔ بے لوث مذاق کی چنگاریاں فانوس دماغ کو منور کرتی ہیں اور بعید از قیاس امور پر بحث و مناظرہ کرنیسے رایے میں استواری پیدا ہوتی ہے۔

یہی وہ زمانہ ہوتا ہے جبکہ عموماً اس قسم کے دوست پیدا ہوسکتے ہیں جنکی ذات سے مسرت و تسکین اور آرام و اطمینان وابستہ ہوتا ہے۔ نکوکار اور عقلمند آدمی غیر مصروف اور بے تکلف ہونے کی حالت میں معمول سے زیادہ خوش اخلاق نظر آتے ہیں۔ کیونکہ دلیرانہ فیاضی یا فلسفیانہ موشگافیوں کیوجہ سے لوگ تعظیم دینے اور عزت کرنے کیلئے مجبور ہوسکتے ہیں لیکن رابطۂ الفت اُسی وقت قائم ہوتا ہے جب کسی قسم کی فطری یا ارادی مساوات پیدا ہوتی ہے اور محبت کی آگ اُسی نرمی اور خوش مزاجی سے مشتعل ہوتی ہے جو لوگوں کے دلوں کو رعب داب اور الگ الگ رہنے کی عادت کا زیر بار منت نہیں بناتی اور جو ادب و لحاظ رکھنے والوں کو آزادی کی طرف بلاتی اور بزدلوں میں اعتماد پیدا کرتی ہے۔ اس قسم کی بے تکلفانہ خوش مزاجی یقیناً مسرت بخش ہوتی ہے بلالحاظ اسکے کہ اُسکا برتنے والا کس افتاد طبیعت کا آدمی ہے اگر بلند مرتبہ لوگ اپنی رفعت کی جگہ چھوڑ کر نیچے اُتر آئیں تو ہمیں اُنسے اس بنا پر محبت ہوجاتی ہے کہ منازل مراتب میں ہم اُنسے جسقدر دور رہتے اُسکا بُعد اُنھوں نے کم کر دیا۔ اور کم پایہ لوگوں سے جو ہمیں مستقل کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتے ہم ہمیشہ محبت سے پیش آتے ہیں خصوصاً جبکہ اُن کی

زندہ دلی اور رہائی سے ہمیں مسرت حاصل ہوتی ہے۔

ہر انسان پر قلعہ ہائے جنگ اور قصرہائے عشرت کا جُدا جُدا اثر پڑتا ہے فصیل کی بلندی اور مضبوطی کو ہم ہراس و اطمینان کے ساتھ دیکھتے ہیں کیونکہ حفاظت کا خیال خطرات کی تصویر میں پیش نظر کیے بغیر نہیں آسکتا لیکن محلات کے آراستہ کمروں میں کھڑے ہوکر ہم خوشی سے پھولے نہیں سماتے اسلیے کہ وہاں مسرت و انبساط کے تصورات کے سوا دوسرا خیال دل میں جاگزیں نہیں ہوسکتا۔ یہی فرق ہے بڑے اور خوش مزاج لوگوں کی افتادِ طبیعت میں۔ اپنے محافظوں کے ساتھ مِلکر ہم بیخوف رہتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کی صحبت میں رہکر ہم خوش ہوتے ہیں۔

م

ایک صحیح پیشین گوئی

خسروِ پرویز تھا مسند نشینِ بزم کے — آسماں تھی اُسکے قدموں سے زمینِ بزم کی

مُلکِ فارس میں رواں سکہ تھا اُسکا ہر طرف — اُسکی لامحدود عظمت کا تھا چرچا ہر طرف

آج بھی دنیا میں سطوت اُسکی ہے ضرب المثل — گونجتے تھے اُسکے نعروں سے کبھی دشت و جبل

جنگجو، جنگ آزما دنیا میں تھا وہ بے نظیر — تھا کمندِ شیر افگن کا سکندر بھی اسیر

اُسکے دم سے تھی بقائے رونقِ بزمِ طرب — عیش و عشرت میں بسر ہوتے تھے اُسکے روز و شب

حسنِ شیریں کی اُسیکے نام سے شہرت ہوئی — اُسکے ہاتھوں کوہکن کی رائگاں محنت ہوئی

مندرج تاریخ میں ہے واقعہ اک دلپسند

آرہا تھا جانبِ فارس شہِ بالا بلند،

خیمہ زن لشکر تھا دریائے کراسو کے قریب — دلربایانہ فضا تھی اور منظر دلفریب

مطمئن تھا قلب از بس فتح روم و شام سے — دل بھرا تھا خیالِ گردشِ ایام سے
عیش بے پایاں کی اسدرجہ فراوانی ہوئی — بزمِ خسرو غیرتِ بزمِ سلیمانی ہوئی
رشکِ گلشن شاہ کے قدموں سے جنگل ہو گیا — طرح عشرت کی پڑی جنگل میں منگل ہو گیا

اکدن وہ جبکہ سرمستِ خمارِ عیش تھا
جوششِ مستی میں سینے ہمکنارِ عیش تھا

عرض کی خدامِ دولت نے یہ آکر ناگہاں — کوئی قاصد لیکے آیا ہے عرب سے خط یہاں
اک اثنا‌ء میں اُسے رخصت حضوری کی ملی — نامہ بر حاضر ہوا اور ایک چٹھی پیش کی
خط میں کیا تھا کِسنے بھیجا تھا یہ کس کے نام تھا — خسروِ فارس کو اِذنِ دعوتِ اسلام تھا
دابِ شاہی سے جدا پیرایۂ تحریر تھا — بھیجنے والے کا نام عنوان پر تسطیر تھا

یعنی اُس میں درج تھا فرمانِ ختمِ انبیاؐ
شرکتِ مذہب کی تھی ترغیب جسمیں برملا

غیظ آیا شیر کو پڑھ کر یہ گستاخانہ خط — کر دیا بس پرزے پرزے اُسنے بیباکانہ خط
دل میں پیدا اُسکے پھر میلِ دل آزاری ہوا — حاکمِ ملکِ عرب کو حکم یہ جاری ہوا
بے ادب کو بھیجدے دربار میں بہرِ سزا — تاکہ اُسکو اپنی گستاخی کا مِل جائے مزا
دوسروں کو تاکہ ان باتوں کی پھر جرأت نہو — ایسے دیوانوں کی پھر تقلید کی ہمت نہو
گوشزدِ شاہِ مدینہ کے ہوئی جب یہ خبر — تھے لبِ اقدس پہ یہ الفاظ جاری [illegible]

تیرے خط کا حال جو مغرور خسرو نے کیا

سلطنت کی اُسکی کیفیت یہی تم دیکھنا"

چشمِ عبرت سے یہ شانِ کبریائی دیکھئے گردشِ قسمت کے ہاتھوں کی صفائی دیکھئے
خسرو پرویز جسکا بول بالا تھا کبھی جسکے عکسِ رُخ سے محفل میں اُجالا تھا کبھی
جسکے قدموں سے زمینِ ایشیا پامال تھی مال و دولت سے حکومت جسکی مالامال تھی
فوجِ انجم سے بھی افزوں جسکے تھے خیل و حشم جسکے آگے تھے سلاطیں کے سرِ تسلیم خم
بادۂ نخوت سے جو شام و سحر سرشار تھا محو جسکے دل سے نقشِ عظمتِ قہار تھا

دیکھتے ہی دیکھتے اُسکا گیا تختہ پلٹ
بات کرتے کرتے گویا ہو گئی کایا پلٹ

ہاتھ اپنی جانِ شیریں سے اُسے دھونا پڑا موت جب آئی تو عیشِ سلطنت کھونا پڑا
بیوفائیکی پسر نے اپنے دل میں ٹھان لی مکر سے حیلہ سے آخر کو پدر کی جان لی
باپ کے مرنے پہ بیٹا خود سریر آرا ہوا دل میں سمجھا تھا کہ یہ میدان ہی مارا ہوا
اُسپہ در پردہ مگر تقدیر تھی خندہ زنا ں باپ کو مارا ملی لیکن نہ اُسکو بھی اماں
تھی ہوس جس کی وہ آخر سلطنت جاتی رہی روح رخصت ہو گئی تن سے سکت جاتی رہی
ملک خسرو میں ہوا سکہ رواں اغیار کا ہو گیا ارشاد پورا احمدِ مختار کا

ٹکڑے ٹکڑے سلطنت فارس کی بیش و کم ہوئی
شکل صوبوں کی بنی مُلکِ عرب میں ضم ہوئی

سید محمد فاروق (شاہ پوری)

حضرت فخر الدین عراقی رح

آپ کا اسم مبارک فخر الدین اور عراق وطن مالوف تھا، والد ماجد کا نام ابراہیم تھا، صاحب سیر العارفین کے نزدیک آپ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خواہرزادے تھے، صاحب مرأۃ الامرار آپکے حالات کے آغاز مین لکھتا ہے "شیخ فخر الدین بن ابراہیم العراقی قدس سرہ از بزرگان این طایفہ واز بیباکان روزگار بود و مشرب عشق برحال وے خیلی غلبہ داشت وکمالات وے در تصانیفش ظاہر است خصوصاً در لمعات"

حضرت شیخ الشیوخ کے خلیفۂ ہند حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے آپ خلیفہ تھے، نفحات الانس ولطائف الشرقی مین آپ کے حالات نہایت شرح وبسط سے درج ہین، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نواحی ہمدان کو آپکے مہد طفلی ہونیکا شرف حاصل تھا، صغر سنی ہی مین آپنے قرآن پاک حفظ کیا اور نہایت عمدہ قرأت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے، آپ کے لحن داودی کا شہرہ دور دور تھا "چنانکہ جمیع ہمدانیان شیفتۂ آواز وے بودند" حفظ قرآن کے بعد آپنے تحصیل علوم کی طرف توجہ فرمائی۔

سن مبارک ابھی سترہ سال کا تھا اور ہمدان کی ایک مدرسہ مین پڑھا کرتے تھے کہ ایک روز فقرائے قلندریہ کی ایک جماعت ہمدان مین داخل ہوئی، ان قلندرون کے ساتھ ایک لڑکا نہایت صاحب جمال، غلبۂ عشق مین مغلوب ہمراہ تھا، چونکہ بچپن ہی سے آپ کی طبیعت ایک گونہ قدرتکے دلکش مناظر کیجانب راغب اور خود رفتگی کی طرف مائل تھی اس آتش خرمن سوز پر نظر پڑتے ہی بے اختیار ہوگئی جب تک قلندرون کا قیام ہمدان مین رہا انھین کے ساتھ

بسر اوقات کرتے تھے، لیکن جون ہی وہ دوسری طرف روانہ ہوے، جذب حسن محبوب کی مقاومت سے مغلوب ہوکر فخر الدینؒ نے بھی ان کی عقب مین قدم اُٹھائے لیکن صحبت کے لیے موافقت شرط تھی چنانچہ اس شرط کی پابندی مین بلا وچشم چار ابرو کا صفایا کرکے صورت قلندرانہ اختیار کی، اور ساتھ ساتھ ہندوستان پہونچے، اتفاقاً ملتان مین حضرت شیخ بہاء الدینؒ کی صحبت نصیب ہوئی ایک طرف کی آرزو اور دوسری جانب کے تصرف نے قلندرون کی صحبت سے نکال کر حضرت شیخؒ کی صحبت مین متمکن کردیا حضرت شیخ نے ارادت کے بعد خلوت کی تعلیم دی اور چلہ مین بٹھایا، چلے مین بیٹھے ابھی صرف دس دن گذرے تھی کہ آپ پر ایک کیفیت وجد طاری ہوئی اور اسی حال مین یہ غزل تصنیف فرمائی جس کا مطلع اور مقطع یہ ہے ؎

نخستین بادہ کاندر جام کردند ز چشم مست ساقی وام کردند

چو خود کردند راز خویشتن فاش عراقی را چرا بدنام کردند

اس غزل کو نہایت خوش آوازی کے ساتھ زور زور پڑھتے اور روتے تھے، گھر والون نے سنکر سخت اعتراض کیا اور شکایتاً حضرت شیخ کے سمع مبارک تک پہونچایا، کہ خاندانی طریقے کے خلاف فخر الدین غزلیات پڑھکر نعرے مارتا ہے. حضرت نے فرمایا تمہارے لیے بیشک یہ منع ہی لیکن اس کے لئے منع نہین ہی۔ یہی طرح حالت وجد کی بیخودی اور گریہ وزاری بڑھتی گئی۔

تھوڑا زمانہ گذرنے پایا تھا کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقربین مین سے ایک بزرگ کا گذر خرابات کی طرف ہوا اور تمام خراباتیون کو چنگ و رقاصوں کے ساتھ

اسی غزل کو گاتے اور شور کرتے دیکھا حضرت شیخ کی خدمت مین اُنھون نے تمام واقعہ بیان کیا کہ یہ طریقہ ہمارے خاندان کے خلاف ہے آگے حضرت مختار ہین کسے دم مارنے کی مجال ہوسکتی ہی، حضرت نے فرمایا وہ غزل کیا ہے سناؤ اُنھون نے غزل تمام وکمال سنائی اور جب اس مقطع پر پہونچے ۵

چو خود کردند راز خویشتن فاش عراقی را چرا بدنام کردند

حضرت نے فرمایا کہ "کار او تمام شد" اور وہان سے اُٹھکر فخر الدین کے خلوت خانہ مین تشریف لاے اور فرمایا با عراقی خرابات مین جاکر مناجات کیا کرتے ہو، باہر آؤ عراقی باہر آئے اور شیخ کے قدمون پر سر رکھ دیا، آپ نے دست مبارک سے سر اُٹھاکر سینہ سے لگایا اور پھر خلوت مین بیٹھنے کی اجازت نہ دی اور تنِ مبارک سے خرقہ اُتار کر اُسیوقت پہنایا اور اپنی صاحبزادی سے نکاح کر دیا، چنانچہ انھین صاحبزادی کے بطن سے حضرت فخر الدین عراقی رح کے ایک لڑکے حضرت کبیر الدین تولد ہوے،

صاحب مرأة الاسرار لکھتے ہین کہ "عراقی بیست وپنج سال در خدمت شیخ بود چون شیخ را وفات نزدیک رسید وے را بخواند وخلیفۂ خود ساخت وبجوار رحمت حق پیوست" حضرت شیخ کا چونکہ التفات آپکی نسبت بہت تھا اس سے بہت لوگون کو رشک وحسد پیدا ہوا اور بادشاہ سے شکایت کی کہ عراقی اکثر اوقات شعر شاعری مین بسر کرتا ہے خوبان صاحب جمال سے صحبت ہی، شیخ کی خلافت کا اُسے استحقاق نہین ہوسکتا، حضرت فخر الدین نے یہ تمام حالات سنکر سب کو خیر باد کہا اور حرمین شریفین کا رخ کیا زیارت کے بعد روم کے جانب متوجہ ہوے اور حضرت صدر الدین قونوی قدس سرہ سے ملاقات کی اور کچھ تربیت بھی حاصل کی۔

حضرت صدرالدین قونوی کے درس مین اسوقت ایک جماعت فصوص الحکم پڑہتی تھی انکے ساتھ شریک ہو گئے اور اثنائے استماع مین کتاب لمعات تصنیف فرمائی، تمام کرنے کے بعد شیخ صدرالدینؒ کے خدمت مین پیش کیا شیخ نے بہت پسند فرمایا اور تحسین وآفرین فرمائی کہ معین الدین پروانہ جو امرار روم مین سے تھا آپ کا نہایت معتقد تھا، آپ کے لیے توقات مین ایک خانقاہ اُسنے تعمیر کرائی اور ہر روز خدمت عالی مین حاضر ہوتا ایک روز ہزار اشرفیون کی ایک تھیلی ہمراہ لایا اور نہایت نیازمندی سے عرض کیا کہ حضرت مجھے کسی کام کا حکم نہین فرماتے یہ میری خدمت قبول ہو، یہ سنکر آپ مسکرائے اور فرمایا کہ ہمین روپیہ کا لالچ دینا چاہتے ہو، کسی کو بھیجکر حسن قوال کو بلاؤ معین الدین پروانہ نے حضرت کے تعلق خاطر کو اسطرف مائل دیکھکر فوراً حسن کو جو حُسنِ صورت وحسن صوت مین نظیر نہین رکھتا تھا بلایا، شیخ نے جب اسکے آنے کی خبر سنی تو تمام اکابر اور خود معین الدین کے ہمراہ استقبال کو روانہ ہوئے جب قریب پہونچے تو جھک کر سلام کیا اور معانقہ کیا، پھر شربت منگایا اور خود اپنے ہاتھ سے اُسے اور اوسکے تمام یار دوستون کو پلایا اور ان سب کے ہمراہ خانقاہ کے طرف مراجعت فرمائی، یہان اکثر سماع کی صحبتین رہین، اسی اثنا مین حضرت نے یہ غزل تصنیف فرمائی ؎

سازِ طرب عشق کہ داند کہ چہ ساز است　　　کز زخمۂ او نہ فلک اندر تگ وتاز است

ایک مدت کے بعد حسن قوال اجازت مراجعت حاصل کرکے واپس ہوا۔

ایک روز کا ذکر ہی کہ امیر معین الدین پروانہ میدان کی طرف جارہا تھا کہ حضرت کو دیکھا ہاتھ مین چوگان لیے لڑکون کے درمیان مین کھڑے ہین، امیر نے حضرت کے پاس پہونچکر عرض کیا مجھے کس طرف کا حکم ہوتا ہی، آپ نے راستہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اسطرف،

امیر یہ سنکر چلا گیا، معین الدین پرداز کی وفات کے بعد آپنے روم سے مصر کارخ فرمایا اور سلطان مصر سے ملاقات کی، وہ بھی آپ کا مرید و معتقد ہوگیا اور مصر کا شیخ الشیوخ آپ کو مقرر کیا، باوجود اس مرتبہ کے آپ اسیطرح بے تکلفانہ کوچہ و بازار مین پھرا کرتے اکثر تبہ کفشگرون کے بازار مین گذر ہوا اور ایک کفشگر کے لڑکے پر نظر پڑی، جو حسن وجمال مین بے عدیل تھا، فوراً بیخود ہو گئے اور نزدیک پہونچکر سلام کیا، کفشگر سے پوچھا کہ یہ بیٹا کسکا ہے، اُسنے کہا میرا، اُسکے لبون کی طرف اشارہ کرکے فرمایا، یہ ظلم نہین ہے کہ ایسے لب و دندان چرم خر کے ساتھ مصاحب ہون، کفشگر نے کہا، ہم لوگ غریب ہین، ہمارا پیشہ ہی یہی ہے، یہ نہ کرین تو کھائین کہان سی، آپنے سوال کیا کہ روز کسقدر کام کرتے ہو، انھون نے کہا روز چار درم کا کام کرتے ہین، آپنے فرمایا مین آٹھ درم روز دیا کرون گا اگر تم یہ کام کرنا چھوڑ دو، چنانچہ آپنے آٹھ درم روز اُس کفشگر کے مقرر کر دیے اور ہر روز اپنے اصحاب کے ساتھ اُسکی دوکان پر جاتے اور لڑکے کی صورت کی طرف تھوڑی دیر تک دیکھتے رہتے اور اشعار پڑھتے اور برابر روتے رہتے تھے، دشمنون نے یہ خبر بادشاہ کے کان تک پہونچائی سلطان نے پوچھا کہ شیخ کبھی اس لڑکے کو دن کے یا رات کے وقت اپنے ہمراہ لیجاتے ہین لوگون نے کہا نہین، پھر پوچھا، کیا دوکان مین کبھی اسکے ساتھ تنہائی مین بیٹھتے ہین۔ کہا نہین، یہ سنکر قلم دوات منگایا اور لکھا کہ آج سے ہر روز پانچ اشرفیان اور خادمان شیخ کے وظیفہ مین زیادہ کی جائین، دوسرے دن شیخ سے بادشاہ کی ملاقات ہوئی تو اوسنے فرمایا مین نے سنا تھا کہ حضرت کی نظر ایک کفشگر کے لڑکے پر پڑی ہی اسلیے ایک حقیر رقم خرچ کی مقرر کی گئی ہی، اگر حضرت کا منشا مبارک ہو تو اُسے خانقاہ مین لیجائین، آپنے فرمایا مجھے اسکی اطاعت و فرمانبرداری لازم ہے، حکومت نہین کر سکتا،

اسکے کچھ عرصہ کے بعد شیخ نے شام کا قصد فرمایا، بادشاہ مصر نے والی شام کو لکھا کہ تمام علما و مشائخ و اکابر کے ساتھ حضرت کا استقبال کیا جاے، جب یہ سب لوگ استقبال کے لیے حاضر ہوے، ان مین والی شام کا ایک لڑکا بھی تھا جو حسن وجمال مین نظیر نہ رکھتا تھا، جونہی شیخ کی نظر اسپر پڑی بے اختیار اوسکے قدمون پر گر پڑے، باپ بیٹے دونون نے اپنا سر حضرت کے قدمون پر رکھ دیا، لوگون نے حضرت کی یہ حرکت دیکھکر اعتراض کیا لیکن کچھ کہنے کی مجال نہ تھی، حضرت شیخ نے دمشق مین مقام فرمایا، چھ ماہ بعد آپ کے صاحبزادے شیخ کبیرالدین بھی ملتان سے یہان آکر پہونچے، شیخ کبیرالدین ایک مدت تک اپنے والد ماجد کی خدمت مین رہے، ایک دن شیخ کو معلوم ہوا کہ وقت رحلت اب قریب آگیا، لڑکے کو اور تمام اصحاب کو بلاکر وصیت فرمائی اور یہ رباعی پڑھی ؎

درسابقہ چون قرار عالم دادند ۔۔۔ مانا کہ نہ بر مراد آدم دادند
زان قاعدہ و قرار کان روز افتاد ۔۔۔ نے بیش بکس وعدہ و نے کم دادند

بستم ماہ ذی قعدہ ۶۹۹ھ کو ملک ظاہر المشہور بہ بندقدار کے ایام سلطنت مین جسکے زمانہ کے آثار مین سے حضرت موسی علی نبینا علیہ الصلوۃ والسلام کا روضہ ابتک موجود ہے وفات فرمائی اور حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ کے پہلو مین دفن ہوے آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ کبیرالدین قدس سرہ کی قبر بھی آپ کے پہلو مین ہے،

آپ کے کلام معجز نظام سے کسی قدر انتخاب کرکے اس مقام پر درج کیا جاتا ہے:-

ملامتم مکند ار بدیر در گشتم ۔۔۔ کہ حال بیخبری بہترین حالات است
باز ہجر یار دامانم گرفت ۔۔۔ باز دست غم گریبانم گرفت
آتش سودا شش ناگہ شعلہ زد ۔۔۔ وردل غمگین جیدانم گرفت

—:o:—

آخر این تیرہ شب ہجر بپایاں آید آخر این درد مرا نوبت درماں آید
بلبل آسا ہمہ شب تا بسحر نعرہ زنم بو کہ بوے بشامم ز گلستاں آید

چہ کردہ ام کہ دلم از فراق خوں کردی چہ اوفتاد کہ دردِ دلم فزوں کردی
سیاہ روے دو عالم شدم کہ در غم فقر گلیم بخت عراقی سیاہ گوں کردی

چہ خوش باشد دلا کز عشق یار مہرباں میری شراب شوق او در کام و نامش بر زباں میری
یعنی زیستن باشد کہ نزدِ دوست جاں بازی حقیقت مردن آن باشد کہ دور از دوستاں میری
در آں نقطہ کہ بناید جمالِ خود عجب نبود کہ از حسرت سر انگشت تعجب در دہاں میری
اگر تو زندگی خواہی دل از جان و جہان بگسل نیابی زندگی تا تو ز بہر این و آں میری

از وصلِ تو باز آرزو میکندم گفتن بہ تو راز آرزو میکندم
خفتن ببرت نیاز تا روز سپید شبہاے دراز آرزو میکندم

وقت ست کہ بر لالہ خروشے بزنیم بر سبزہ و گل خانہ فروشے بزنیم
دفتر بخرابات فرستیم بہ مے بر مدرسہ بگذریم و دو شے بزنیم

اے دیدہ بدار ماتمِ دل کو در خطرے فتاد مشکل
خوں شد ز فراق یار و از یار ایں خستہ جگر چو مرغِ بسمل
چوں دید بعاقبت کہ دلدار در خانۂ او نکرد منزل
دل در پے وصلِ یار جاں داد واں یار نشد ہنوز واصل
عمرے بہ طپید بر درِ یار جز خونِ جگر دگر چہ حاصل
بر خاکِ درش فتاد و جاں داد آں قطرۂ خوں کہ خواہشِ دل
اے کاش کہ بودِ ما نبودے کز بودنِ ماست کار باطل
راقم عبداللہ

کورٹز نمبر ۵

(سلسلہ کے لیے پرچہ اپریل ۱۹۱۱ء ملاحظہ ہو)

اس قدر خاک میں پنہاں ہیں بنانِ ہوش
گردباد اُٹھے تو رہ جائے کلیسا بنکر

اب یہ لوگ مکسیکو کی جھیل پر جسکے کنارے دارالسلطنۃ مکسیکو واقع تھا پہنچ گئے، اس جھیل کے درمیان پانچ چار میل تک ایک سنگی پختہ پشتہ بنا ہوا تھا اتنا عریض کہ آٹھ سوار برابر برابر اُس پر سے گزر جائیں اسکے علاوہ درمیان سے راہ نکالنے کیلئے کئی ایک بند اور پشتے ایسے ہی عریض و سنگیں راستہ میں پڑے، ان پشتوں کے بنانے اور پانی کے درمیان راہ نکالنے میں جیسی مہارت و اُستادی ہندو کاریگروں نے کی تھی اندلس کے لوگ اُسے دیکھکر بہت حیران ہوئے۔ جھیل کے کنارے کنارے نفیس نفیس عمارتیں، ترتے ہوے کھیت اور خیاباں، درمیان چھوٹے چھوٹے جزیرے اُنپر بستیاں، پرستان کی کیفیت، طلسمات کا عالم، سحر کا کارخانہ معلوم ہوتا تھا۔ اِن شہروں کے تباہ ہوجانے سے اب اُن جھیلوں پر چشم پُرآب کا عالم ہے۔

آگے بڑھکر شہر ازتپالاپان راہ میں ملا، اسمیں چودہ پندرہ ہزار خوبصورت خوبصورت مکان تھے یہاں کا باغ بہت مشہور و معروف تھا ہر قسم کے پھول اور میووں کے درخت ہزاروں خوش رنگ و خوش آہنگ طیور محبوس قفس، رنگ رنگ کی مچھلیاں ایک بڑے نفیس حوض میں چھوٹی ہوئی جس کا محیط پانچ چھ سو گز کا، اس باغ و جاگیر کا مالک راجہ کا بھائی تھا اُسنے اہل اندلس کے استقبال کے لئے بہت سے اُمرا کو مہمان بلایا تھا اور بہت سا سونا اور نفائس اموال دینے کے علاوہ بڑے تکلف سے اُسنے دعوت کی، یہاں سے دو ہی تین کوس کے فاصلہ پر خاص دارالسلطنۃ مکسیکو واقع تھا، اونچی اونچی عمارتوں کی سفیدی اور شہر کا سواد یہاں سے صاف معلوم ہوتا تھا، کورٹز نے رات کو

یہیں مقام کیا، صبح کو نومبر ۱۸۱۵ء کی آٹھویں تاریخ لشکر کو آراستہ کرکے آگے آگے سوار پیچھے گوروں کی قطار، بیچ میں انگریز سب کے پیچھے ملاسکالا والوں کی فوج ساتھ لیکر روانہ ہوا، تمام راستوں پر اور جھیل پر کشتیوں پر تماشائیوں کا ہجوم نظر آتا تھا، یہاں دور تک جھیل کے اندر کھمبے بنے ہوئے اور انپر بستیاں بسی ہوئی دکھائی دیں اور جتنے لوگ ملے سب مونٹی زوما کو جہاں پناہ اور بادشاہ اور ظل اللہ کہنے والے تھے کوئی شاکی و فریادی نہ تھا، شہر سے کوس ڈیڑھ کوس کے فاصلہ پر ایک سنگین پائدار فصیل ملی جسکا نام قلعہ اکزوتک تھا، یہ فصیل چار گز بلند اور اُسکے سروں پر مستحکم برج اور درمیان اُسکے ایک پھاٹک تھا، اس پھاٹک میں سے کورٹز کا لشکر گزرا یہاں کئی سو سردار و عہدہ دار استقبال کیلئے شہر سے آئے ہوئے کھڑے تھے، اُن سے ملاقات کرنے اور سلام لینے میں ایک ساعت کورٹز کو یہاں ٹھیرنا پڑا، اسکے بعد ایک چوبی پل پر سے گزرے جو کھلتا اور بند ہوتا تھا، کورٹز کو وسواس ہوا کہ اگر یہ لوگ اس پل کو کھول دیں تو ہم سب قید ہو جائیں گے اور بھاگنے کی راہ بھی نہ پائیں گے، اسی خلجان کی حالت میں دیکھا کہ مونٹی زوما کی سواری سامنے سے چلی آرہی ہے، سونے کا ہوادار شامیانہ مرکش و جواہرنگار اردلی میں اُمراء و عہدہ دار دور سے دکھائی دیئے۔ جب سواری قریب پہنچ کر ٹھہر گئی اور راجہ نے اُترنے کا ارادہ کیا تو خادموں نے راہ میں قالینیں بچھا دیں اور دونوں طرف قطار باندھے گردن جھکائے سب کے سب کھڑے ہوگئے، انمیں بعض لوگ سربسجود تھے۔

کورٹز بھی گھوڑے سے اُتر کر اور چند افسروں کو ساتھ لیکر راجہ سے ملنے کیلئے بڑھا، راجہ نے ان لوگوں کی ملاقات پر اظہار مسرت کیا کورٹز نے اُسکے انعامات و احسانات اور بار بار زر و جواہر بھیجنے کا شکریہ ادا کیا اور ایک خوبصورت ہار رنگین ترشے ہوئے شیشوں کا اُسکے گلے میں ڈالدیا، گلے ملنے کیلئے یہ بڑھا تھا کہ دو ہندو سرداروں سے نہ رہا گیا، سوء ادب سمجھ کر فوراً اسکو روک لیا، راجہ نے اپنے بھائی کو انکا مہمان مقرر کیا اور خود سوار ہوگیا، چلتے وقت حکم دیا گیا کہ فلاں مکان میں مہمانوں کو لیکر

آخر یہ مکان راجہ کے باپ کے وقت کا بنا ہوا تھا اور پچاس برس پہلے کی عمارت تھی ، راہ میں دیکھا کہ بعضیں کی شاخیں شہر کے اندر آئی ہوئی ہیں ، ہر جگہ کھلتے اور بند ہوتے پل بندھے ہوئے ہیں فرود گاہ میں یہ لوگ جب پہنچے تو راجہ کو دیکھا کہ انکے انتظار میں ہے ، گورنر کو ایک ہار اور چند قسم کے زیور پہنائے اور یہ کہکر رخصت ہوا کہ تم لوگ تھکے ہوئے ہو اب استراحت کرو ، گورنر نے سب سے پہلے توپوں کو ایسے موقع سے لگایا جیسے کوئی محصور ہوکر اپنی حفاظت کرتا ہے اور سب لشکر کی جگہ ترتیب جنگ کے طور پر مقرر کی ، اسکے بعد طعام ضیافت کے کھانے پینے میں مشغول ہوئے ، بہت سیر ہوکر نہایت رغبت سے سارے لشکر نے کھانا کھایا ، سیکڑوں شاہی غلام اس اہتمام میں مصروف تھے ، کھانے سے فارغ ہوئے تو راجہ کی آمد آمد کی پھر خبر ہوئی ، اب کی راجہ نے پہلے اندلس کا اور وہاں کے بادشاہ کا بہت کچھ حال دریافت کیا پھر ان لوگوں کے یہاں آنے کا سبب پوچھا ، گورنر نے کہا ایک تو ہم لوگوں کو ایسے جلیل القدر فرمانروا کے دیکھنے کا اشتیاق تھا دوسرے یہ کہ اپنے مذہب کا بھی آپ سے عرض کرنا منظور تھا ، مونٹی زوما نے کہا جس روز سے تم لوگ ٹباسکو میں پہنچے جب سے آجتک کی سب خبریں مجھکو معلوم ہیں ، پھر جو جو افسر تھے انکے عہدے اور نام پوچھے اور خادموں کو حکم دیا کہ خلعت وجواہر کی کشتیاں لیکر آئیں ، جتنے اہل اندلس وٹلاسکالا وہاں موجود تھے سب کو لباس دیا اور خاص یورپ والوں کو سونے کی زنجیریں اور طرح طرح کے زیور بھی پہنائے اسکے بعد سوار ہوگیا ۔

چھ سات ہزار لباس کا تقسیم کردینا اسکے آگے کچھ بات نہ تھی ، دن بھر میں چار دفعہ وہ خود پوشاک بدلتا تھا اور ایک دفعہ پہنکر پھر نہ پہنتا تھا ، مندرس تقسیم ہوجاتی تھی ، اسی طرح کی نفاست انگلینڈ کی ملکہ الیزبتھ کے مزاج میں بھی تھی لیکن وہ اُترے ہوئے کپڑے سینت رکھتی تھی ۔

گورنر نے رعب بٹھانیکے لئے شام کو توپیں سرکیں کہ تمام اہل شہر دہل گئے مکان ہل ہل گئے کوہ آتش فشاں سے وہ لوگ ہمیشہ خائف رہا کرتے تھے رنجک کی چمک ، گندھک کی بو ، گرج کی آوا

ہوئیں کی تتق دیکھکر یہ سمجھے کہ کوہ آتش فشاں شہر کے اندر آکر پھٹ گیا۔

صبح کو گورنر نے بازدید کی درخواست کی راجہ نے چند اُمرا کو بھیجکر دار الامارہ میں بلا بھیجا، یہ مکاں لال مشبک پتھر کا بنا ہوا تھا اور جا بجا سنگ مرمر کا بھی کام تھا اور اسقدر وسیع کہ گورنر لکھتا ہے کہ بارہا میں اُس مکان میں گیا اور پھرتے پھرتے تھک گیا پھر بھی سب کمرے اُسکے نہ دیکھ سکا، نغمہ سنج طیور اس کثرت سے پلے ہوئے تھے جنکی خدمت کے لیے تین سو آدمی مقرر تھے، طائران آبی کی خوش فعلیاں کرنے کیلئے شیریں اور کھاری پانی کے بڑے بڑے تالاب تھے اور اُسمیں مچھلیاں، طائراں شکاری مثل عقاب و شاہین و باز وغیرہ کے اس قدر تھے کہ پانسو ترکی مرغیاں اُنکے طعمہ میں روزانہ دیجاتی تھیں، انکے علاوہ سباع و دواب انواع و اقسام کے سانپ چیتیں سب طرح کے زہریلے جانور الگ پلے ہوئے تھے، یہاں تک کہ عجیب الخلقت انسان بھی کتنے ہی وہاں موجود تھے جنکی پیدائش میں یا ترکیب اعضا میں کچھ غرابت پائی جاتی تھی، ایک باغ خاص جڑی بوٹی دادویہ کا تھا، شہر کے باہر ایک پہاڑ کے دامن میں کوسوں تک شاہی باغ تھا جسمیں پتھر کی ترشی ہوئی تصویریں شاہان سلف کی جا بجا نصب تھیں راجہ کا مکان بلند تو بہت تھا لیکن بڑے بڑے دالان کمرے نفیس نفیس پردے عود سوز اور مجمروں سے بسے ہوسے تھے۔

آج کی ملاقات میں گورنر نے زبان کی طاقت سے بہت کام لیا اور یہ چاہا کہ راجہ پر ثابت کردے کہ صلیب کے سوانحات کا اور کچھ ذریعہ نہیں ہے اور تثلیث و توحید کا غلط بحث اچھی طرح اُسکے ذہن نشیں کردے، مگر یہ باتیں جب عیسائی خود ہی نہیں سمجھ سکتے تو پھر بھلا کسی کو کیا سمجھائیں گے ؎

دیوانہ اب ہوں میں کہ ہیں ناصح۔ کوئی بتائے   میں کچھ نہیں سمجھتا وہ بہلائے جاتے ہیں

راجہ نے یہی جواب دیا کہ مجھے معلوم ہے جہاں جہاں تم گئے، یہ بحثیں بھی رہیں، بیشک تمہارے دیوتا بہت اچھے ہیں لیکن ہمارے لیے ہمارے معبود بھی سب اچھے ہیں، اور سنو میں جو تمہیں

اپنے ملک میں بلانے سے پس و پیش کرتا تھا اُسکا سبب یہ تھا کہ میں نے سنا تھا کہ تم لوگو نیز بجلی گرا دیتے ہو اور دیوزاد جو تمھاری سواری میں ہیں لوگوں کو کچل ڈالتے ہیں، مگر اب مجھے معلوم ہوگیا کہ یہ خبریں غلط تھیں میں نے تم کو نہایت ملنسار اور خوش اخلاق پایا، تمنے بھی یہ خبر غلط سُنی تھی کہ سونے کے مکان میں مَیں رہا کرتا ہوں دیکھ لو میرا گھر تو پتھر کا بنا ہوا ہے البتہ سونا چاندی اور ایک بڑی سلطنت میرے قبضے میں ہے لیکن ان سب چیزوں کا اصلی مالک تمھارا ہی بادشاہ ہے جو سمندر کے اُس پار رہتا ہے، تم سب لوگ اُسکے سفیر ہو اس ملک و مال میں سے حصہ لینے کا حق تمکو حاصل ہے، ابھی تھکے ہوئے ہو استراحت کرو یہ گھر بھی تمھارا ہی ہے۔ اسباب راحت سب مہیا رہیں گے اور جس طرح میرا حکم چلتا ہے اسی طرح سے تمھارا بھی حکم چلے گا۔

کہنے کو تو یہ کہہ گیا مگر آنسو نکل پڑے، برخاست کرنے کے پہلے حسب معمول زر و جواہر تمام اہل اندلس کو تقسیم کیا، کم سے کم ایک ایک شخص کے گلے میں موٹے موٹے طوق سونے کے ڈالدیئے کہ اس بار احسان سے سب کی گردنیں خم ہو جائیں۔

حق یہ ہے کہ میکسیکو ایسا زرخیز ملک تھا کہ تمام اندلس کو مول لیکر چھوڑ دیتا ایک تھیار تھوڑے سے چند نفروں کے ہاتھ سے تباہ ہوگیا، اکثر ایسا ہوا کرتا ہے کہ ایک لکھپتی مہاجن کے گھر میں چار بھوکے شہدے کودپڑے گھر والوں کو باندھ کر کھڑا کر دیا کوڑے مار مار کر اور جلا جلا کر تمام چھپا ہوا مال نکلوا لیا اور چلتے ہوئے، لیکن سب کو مار کر گھر پر قبضہ وہ بھی نہیں کرتے۔

اب کورٹز کو یہ فکر ہوئی کہ یہاں کے لوگوں کا حال، لشکر کی طاقت، انتظام کی کیفیت، خزانہ کا مقام، راہوں کا ہیر پھیر، مفصل معلوم ہونا چاہیئے ورنہ بغیر اسکے کوئی کام کر بیٹھنا ہرگز مناسب نہیں، یہ سوچ کر پہلے اپنے شہر میں دورہ کرنیکی اجازت راجہ سے مانگی اور بآسانی حاصل ہوگئی۔ پہلے یہ سب لوگ شہر کا بڑا بازار دیکھنے گئے اور وہ بازار کا دن بھی تھا، شہروں شہروں کے

تاجروں اور اہل حرفہ انواع و اقسام کا مال و متاع و اجناس و امتعہ لئے ہوئے موجود تھے، سب تجار و دوکاندار چالیس ہزار سے کسی طرح کم نہ تھے، رانگے کے پیسوں اور اشرفی کی بجائے سونے کے ٹکڑوں کا اس بازار میں چلن تھا، تمام بازار مسقف تھا، صدہا ستون ہی ستون نظر آتے تھے، بزازہ الگ جوہری بازار الگ، سُنار زیور گڑھ رہے ہیں۔ بڑھئی کرسیاں جوڑ رہے ہیں، ایکطرف میوہ فروش، ایک طرف پھول والے، اس سمت میں عطار و بیطار، اُسی جانب مصور و نجار، کسی طرف گوشت بک رہا ہی، کسی طرف کھالیں فروخت ہو رہی ہیں، سونے چاندی کے عجیب و غریب کھلونے ناچتے ہوئے کودتے ہوئے، خرگوش کے بالوں سے اور طیور کے پروں سے بُنے ہوئے نفیس نفیس تھان، جنھیں دیکھکر دیکھنے والوں کو اندلس کے ریشمی طاقے یاد آگئے، تمام زن و مرد کے پرتکلف لباس خوشنما وضع کو دیکھکر اور بھی حیرت ہوئی، کہ جس قوم میں ایسے اسباب تمدن موجود ہیں اُنکو کون وحشی کہہ سکتا ہی، اور انصاف یہ ہے کہ اُنکو وحشی نہیں کہہ سکتے خصوصاً اب سے چار سو برس پیشتر جبکہ یورپ میں بھی تہذیب جدید کا جلوہ نہ تھا۔

اس سلیقہ کا بازار، یہ صفائی کا انتظام، حفظ صحت کا یہ اہتمام، اس طرح کے تھانے ایسی کچہریاں، زندہ حیوانوں کا اس طرح جمع کرنا، تمام حشائش و عقاقیر اور ہر قسم کی جڑی بوٹی کا باغ لگانا یہ سب باتیں یورپ والوں نے انھیں وحشیوں سے سیکھیں۔ اُس زمانہ کے یورپ میں یہ باتیں کہاں تھیں، لیکن عبرت کا مقام تو یہ ہی کہ سونے چاندی کی کانیں اور زر و جواہر کے خزانے کچھ بھی نہ کام آئے، کاشکے یہ کچھ نہوتا اسکے بدلے چند فولاد کی توپیں ہوتیں، جر ثقیل کی حکمت اور خواص ادویہ کی مہارت نے تو کچھ نفع نہ دیا، کاشکے ان سب باتوں سے جاہل ہوتے، مگر بارود کا نسخہ انھیں معلوم ہوتا، انسانوں کو کچا کھاتے اور برہنہ رہتے لیکن توپ اور بارود بنانے میں ماہر ہوتے تو ہمیشہ کیلئے امریکہ کے وہی مالک تھے۔

بازار میں پھرتے ہوئے شہر کے بڑے مندر میں درشن کرنے کو سب کے سب پہنچے، نہایت بلند عمارت تھی سب لوگ اُسکی چوٹی پر چڑھتے ہوئے چلے گئے راجہ بھی وہاں پہلے سے موجود تھا، تمام شہر کا نقشہ، ندیوں کا اور سڑکوں کا تقاطع، عمارتوں کا دور تک سلسلہ، جھیل کے اندر ناؤوں کا ہجوم یہاں سے سب صاف نظر آتا تھا۔ سانپ کی کھال سے منڈھا ہوا ایک نقارہ اس بتخانہ میں رکھا تھا جو ہنگام مصیبت بجایا جاتا تھا۔ بُت نہایت مہیب شکل کے زر و جواہر پہنے ہوئے قربانی کیلئے مُنہ پھیلائے ہوے تھے، انسانوں کے تین دل ایک بت کے سامنے پڑے ہوے پھڑک رہے تھے، معلوم ہوتا تھا کہ اسی وقت تین آدمیوں کو بھینٹ دیا ہو کہ دل کی حرکت ابھی تک موقوف نہیں ہوئی ہے۔ اس مندر کے سامنے ایک بڑا انبار اُن اجل رسیدوں کی کھوپریوں کا تھا جنکی قربانی ہوئی تھی دو اندسی سپاہیوں نے وہ سب کھوپریاں گنیں، کہتے ہیں ایک لاکھ چھتیس ہزار تھیں۔

دنیا میں جہاں جہاں بت پرستی تھی عرب یا ہندوستان فنیشیا یا یونان سب جگہ انسانی قربانی ضرور تھی، بیٹیوں کو زندہ گاڑنا عورتوں کو زندہ جلانا بچوں کو بھینٹ دے دینا اور اسی طرح کے صد ہا وبال اس فرقہ کے نامۂ اعمال میں ہمیشہ سے چلے آتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ جو لوگ ان جرائم میں مرتکب ہوں وہ تمام عالم کے نزدیک واجب القتل ہو چکے لیکن جو لوگ خود پرست ہیں وہ کیا سمجھکر اونکو نصیحت کرنے چلے، کورٹز راجہ سے مخاطب ہوکر کہتا کیا ہو کہ تمھارے معبود سب کے سب شیطان ہیں اگر تم اجازت دو تو ان کی جگہ پر ہم مسیح و مریم کی مورتوں کو نصب کریں یہ سنکر راجہ آزردہ ہوا اور کہا اگر میں یہ جانتا کہ تم ایسی گستاخی کروگے تو یہاں آنے کی اجازت ہی نہ دیتا۔ باقی آیندہ

علی حیدر طباطبائی

عالم خیال

کے

دوسرے رُخ پر ایک نگاہ

میں قلم کو لیے ہوے "عالم خیال" پر ریویو کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ملک کے مشہور روشن دماغ اور بلند خیال اہل قلم مسٹر مشیر حسین قدوائی بیرسٹر ایٹ لا کے قلم نے پیش قدمی کر دی، میں خوش ہوا کہ ایک دلکش نظم نے ایسے سخن فہم کے ہاتھوں داد کا خلعت پایا۔ ہے جسکے فلسفیانہ خیالات نے نظم کی خوبیاں اُن لوگوں کو بھی سمجھا دیں جنکی نگاہیں اُسکے فلسفہ تک شاید نہ پہونچ سکتیں۔

اس زمانہ کے سحر ساز سخن طراز منشی احمد علی صاحب، شوق، قدوائی، کی دو نظمیں "عالم خیال" پر اب تک ملک کے سخن فہموں کی نگاہوں کے سامنے پیش ہو چکی ہیں۔ اُن میں سے پہلا خیال تو حضرت قدوائی بیرسٹر کے حصے میں آچکا، اب میں دوسرے خیال کو اپنے حصے میں لیتا ہوں۔

اسمیں کچھ شبہہ نہیں اور میں حضرت قدوائی بیرسٹر کے لفظ لفظ سے اس بات میں متفق ہوں کہ کہ فطری جذبات کا نثر میں ادا کرنا مشکل ہے نہ کہ نظم میں۔ لیکن میں صرف قلم ہی سے نہیں بلکہ دل سے یہ کہہ رہا ہوں کہ حضرت شوق، قدوائی نے جو کامیابی نیچرل جذبات کے دکھانے اور اصلی خیالات کے ادا کرنے سے نظم کی دنیا میں حاصل کی ہے، وہ آج ہندوستان میں انھیں کے دماغ اور انھیں کے قلم کے حصے میں ہے، اور اُنھوں نے صرف شاعری نہیں کی ہے بلکہ اخلاق اور معاشرت کا فلسفہ ان نظموں میں بھر دیا ہے۔

جو بڑی خوبی ان نظموں میں ہے، وہ یہ ہے کہ مرد کا قلم عورت کا دل بنکر بول رہا ہے، یہ ایسی لطافت ہے جسکی داد بہ نسبت مردوں کے خوش فہم عورتوں کے دلوں سے اور بھی زیادہ ملنا چاہیے شاید اسی بنا پر حضرت قدوائی بیرسٹر نے اپنے ریویو میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ وہ غبار جو "الناظر" کے کسی پچھلے مضمون سے عورتوں کے دلوں میں بیٹھ گیا تھا، اُسکو یہ "عالم خیال" کی نظم دھو دیگی

بے شک، وہ خوش ہونگی کہ اُنکے خیالات اور جذبات کس لطافت، کس فصاحت اور کس عفت کے ساتھ اِن نظموں میں دکھائے گئے ہیں۔ اور پاکدامنی کے ساتھ وہ محبت اور وفا جو ہندوستان کی نیک سرشت عورتیں اپنے شوہروں کے ساتھ رکھتی ہیں، اور جو صرف ایشیا ہی کی عورتوں کا خاص جوہر ہے، اُسکو یہ نظمیں کیسے کیسے دل آویز پیرایوں میں ظاہر کر رہی ہیں، گویا اس بات کی قومی شہادت دے رہی ہیں کہ ہماری عورتوں کے پاکباز دل اپنے ایمان اور اپنی تمناؤں کو صرف اپنے شوہروں ہی کی صورتوں تک محدود رکھتے ہیں۔

جن لوگوں نے انگریزی کی نظموں، خصوصاً شیکسپیر کے ڈراموں کو دیکھا ہے، اور جن کی نگاہیں سنسکرت اور بھاشا کے دلکش مضامین پر پڑی ہیں، وہ نیچرل جذبات اور اُن کی اداؤں کا لطف زیادہ پا سکتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ یہی "عالم خیال" کی نظمیں خیالات کی ایسی وسعت اور ایسی کششوں کے ساتھ اگر کسی یوروپین شاعر کے قلم سے انگریزی زبان میں نکلتیں تو یورپ کے اکثر حصے ان کی تعریفوں سے گونج اُٹھتے، اور شاعر کا دامنِ اُمید ہر قسم کی داد کے پھولوں سے بھر جاتا، بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر ایسی نظمیں انگریزی لباس میں نظر آئیں تو یورپ کی آزاد منش عورتیں ہندوستان کی پاکباز عورتوں کے خیالات سے سچی محبت اور وفا کا سبق لیں۔

حضرت قدوائی بیرسٹر کا یہ خیال صحیح ہے کہ ان نظموں سے پیشتر اُردو میں (بلکہ انگریزی میں بھی) ایسی سلسل بے نظیر نظموں کا وجود نہیں پایا جاتا، فارسی کا ذکر ہی فضول ہے، البتہ عربی میں علامۂ آزاد بلگرامی نے سنسکرت اور بھاکھا کے خیالات لیکر فطری جذبات کے نقشے کھینچے ہیں، مگر چھوٹے چھوٹے، انگریزی کی نیچرل نظمیں عموماً اور رنگوں کی ہیں، یورپ کی عورتیں مثل ہندوستان کی عورتوں کے اپنے خمیر میں وہ جوہر لطیف کم رکھتی ہیں جو اُن کو ایسے جذبات کے اظہار اور فراق کے ایسے صدمات کی تصویر کھینچنے پر مائل کرے، جن کی حالتیں ان نظموں سے پیدا ہو رہی ہیں، لہذا ہر طرح مُلک کے ذی فہموں کو یہ بات تسلیم کرنی پڑیگی کہ اُردو میں ایسی بلند اور دلچسپ نظموں کے موجد حضرتِ شوق قدوائی ہی ہوے۔

اب میں نظم پر نگاہ ڈالتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ یہ ہندوستان کی ایک فرقت نصیب عورت کا خط ہے، وہ شوہر کی آمد آمد کا انتظار کر رہی تھی، اسی حالت میں پردیس سے شوہر کا خط آیا کہ وہ ابھی نہیں آسکتا ہے، عورت بے چین ہو کے اُسکو خط لکھتی ہے، اور اپنی بیقراری کے اظہار کا سلسلہ یوں شروع کرتی ہے۔

پا کے تمھارے خط کو آج، دل کی تڑپ بڑھی کچھ اور
دل میں بھڑک کے غم کی آگ جسم پہ تپ چڑھی کچھ اور

خط پا کے وہ اور بھی تڑپی، اور مایوس ہو کر کہتی ہے۔

آنے کا آسرا کہاں، یاس سے وہ بدل چلا
دل مرا آنسوؤں کے ساتھ بنکے لہو نکل چلا

در کی طرف تھی جو نگاہ، یاس سے اب زمیں پہ ہے
ہاتھ کبھی جگر پہ ہے اور کبھی جبیں پہ ہے

یاس کی تصویر شاعر نے جس فصیح زبان میں دکھائی ہے، یہ اُس اصلی صورت کی جانب خیال کو کھینچے لیے جاتی ہے جس پر یہ دردناک حالت طاری ہو، اور مدتوں کی جدائی کے بعد نا اُمیدی جبکی اُمید کا خاتمہ کرے، ان دونوں شعروں میں پہلے شعر کا دوسرا مصرع زبان کی لطافت کے ساتھ شاعرانہ بلاغت کو اعلیٰ پیمانے پر ثابت کر رہا ہے۔

دوسرا شعر ایک ایسی صورت حال کا نظارہ ہے جس سے تین شکلوں پر نگاہ پڑتی ہے۔

(۱) در سے نگاہ یاس کا زمین کی طرف آرہنا جو ایک فطری حالت ہے (۲) کبھی جگر پہ ہاتھ کا ہونا تا کہ وہ درد اور جھٹپنی میں اُسکو سنبھالے (۳) کبھی جبیں پہ ہاتھ کا ہونا جو حیرت کا نقشہ یا درد سر کی حالت میں سر کے سنبھالنے کا طریقہ ہے، یہ شعر اپنی فصاحت کے ساتھ شاعر کی اُس قوت شاعرانہ کو ثابت کر رہا ہے جسکی حد انتہائے قوت شاعری ہے، اور اس امر کی دلیل ہے کہ اس شعر کا نظم کرنے والا فطری ادا ؤں کا نقشہ کھینچنے میں ایسی کامل دستگاہ رکھتا ہے، جسکی مثال آج ہندوستان کی نظموں میں نہیں ملتی۔

پانچواں شعر جسکو میں آگے لکھتا ہوں، اِس کا دوسرا مصرع عالم سخن سنجی میں جو شان دکھا رہا ہے اُسکا اندازہ وہی سخن فہم کر سکتے ہیں، جنکی نگاہیں شاعری کے بلند درجوں پر پہونچی ہوئی ہیں

تم سے ہزار ہا گلے، دل میں بھرے ہوئے ہیں آج
خط سے پڑی جگر پہ چوٹ زخم ہرے ہوئے ہیں آج

زخموں کا ہرا ہونا ایک معمولی محاورہ ہے، لیکن یہاں اس نے اپنے معمولی لطف سے بہت بڑھکے لطف دیا ہے۔ اوپر کے اشعار امید کے بعد یاس کو ظاہر کر چکے ہیں، اب یہ مصرع کہتا ہے کہ فراق کے پچھلے زخم جو امید سے بھر چکے تھے۔ اب (یاس سے بھرے ہوے) خط کی چوٹ کھا گئے ہرے یعنی تازے ہو گئے۔

دوسرے مصرعہ کی شرح کہاں تک لکھی جاے، اسمیں "ہزار ہا گلے" کے الفاظ ایسے ہیں جنکے وسیع مطالب کو دل سمجھ سکتا ہے مگر زبان نہیں ادا کر سکتی۔

آگے چلکے قادر الکلام شاعر نے درد جگر کی حالت جس فصاحت، لطافت اور بلاغت کے ساتھ دکھائی ہے یہ انھیں کے دماغ اور قلم کا حق ہے، گویا درد نصیب عورت یہ کہہ رہی ہے۔

سب کے جگر میں خون ہے میرے جگر میں درد ہے ۔۔۔ سب کا شباب لال ہے میرا شباب زرد ہے

جو شاعرانہ کمال اور فصیحانہ لطف اس شعر میں ہے، وہ صاف کہہ رہا ہے کہ زبان، بندش، خوبی مضامین، غرض نظم کے تمام اوصاف حضرت شوق، قدوائی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، دوسرے مصرعے میں شباب کے زرد ہونے کا رنگ، پر جس اثر کے ساتھ جمتا ہے، اُسکی حالت سخن فہموں کے دلوں سے پوچھی جاے، مصرعۂ اوں کو مصرع ثانی سے جو ربط ہے، یہ کمال فن کی قطعی شہادت ہے، یعنی "سب کے جگر میں خون ہے اِس سبب سے "سب کا شباب لال ہے" اور "میرے جگر میں درد ہے" اس سبب سے "میرا شباب زرد ہے" درد کا خاصّہ ہے کہ چہرے کی رنگت کو بدل دیتا ہے۔

اوپر کے اشعار میں اگرچہ پاکباز عورت اپنے شوہر کے ساتھ محبّت کا اظہار اُسکے خط کو بار بار چوم کے اور اپنے خیال کو اُسکی انگلیاں چومنے کے لیے بھیجکے بہت دلچسپ پیرائے میں کر چکی ہے جن اشعار کو میں نے طوالت کے خیال سے نہیں لکھا، لیکن جو اشعار میں آگے لکھونگا اُن کے سخن گسترانہ مذاق کی خوبیوں نے مجھے وہ لطف دیا ہے جسکو میں قلم کی زبان سے نہیں ادا کر سکتا عورت کی بیقراری کا سبب فراق ہے اور فراق کو وہ اپنے اوپر اپنے شوہر کا ستم قرار دیتی ہے

اور اخلاق فلسفہ سے کام لیکے کہتی ہے -

تم جو ستم کرو تو کیوں دل مرا بے قرار ہو — میں نہیں چاہتی کہ تم میرے گنا ہگار ہو
کیا میں خدا کے سامنے تم کو سزا دلاؤں گی — اپنی وفا کے نام کو خاک میں کیوں ملاؤں گی

پہلے شعر کا دوسرا مصرع اگر موتیوں کے ساتھ تولا جائے تو مصرعے ہی کی قیمت بڑھی رہے؛ زبان ہے کہ فصاحت کا دریا ہے جسکی ایک لہر بنکے یہ مصرع نمودار ہوا ''میں نہیں چاہتی'' کا لطف ادا فہموں کے دلوں سے کوئی پوچھے، انسان پر ظلم کرنا حق العباد میں داخل ہے اس خیال کو پیش نظر رکھکے شوہر کی ہی خواہ عورت اُسکو اپنا گناہگار بنانا نہیں چاہتی، یہ کیوں ؟ اسلیے کہ خدا کے سامنے وہ اُسے سزا نہیں دلاسکتی، محبت کا تقاضا یہی ہے، اور اپنی وفا کو وہ برباد کرنا نہیں چاہتی، جو اُسکی زندگی کا سرمایۂ ناز ہے، پھر وہ اپنے خیال کو جذب کی طرف پھیرتی ہے اور کہتی ہے -

چھپ گئے پتلیوں سے تم، آنکو نظر نہ آؤ گے — یہ تو کہو کہ کس طرح دل سے نکلکے جاؤ گے

یہ محبت آمیز طرز دل کے جذب کو جس خوبی سے ظاہر کررہی ہے، میرے خیال میں اس سے زیادہ لطیف پیرایہ قلب کی قوت مقناطیسی کے اظہار کا اور ہو ہی نہیں سکتا، جذب کو تو ظاہر کردیا اور یہ تو کہہ دیا کہ تمکو دل سے میں نہیں نکلنے دونگی، مگر فراق کی کاہش کا دکھانا بھی ضروری تھا تاکہ شوہر کو ترس آجائے، تو اب کیا کہتی ہے

دل میں جمے ہو تم مگر چوس لیے ہو خون کو — سر میں خیال بنکے تم دیتے ہو شہ جنون کو

اپنے خشک اور زرد ہونے کی صورت پہلے مصرعے سے ظاہر کی اور دیوانگی کی حالت دوسرے مصرعے سے،

آخر فراق کی گرمی سے دل جل اُٹھا تو بیچو اس ہو کے کہہ اُٹھی،

تم مرا اُسے بڑھکے گرم، دل مرا بیچو اس ہے — جسم میں جل گیا لہو، اور ابھی تب کو پیاس ہے

اس شعر کا دوسرا مصرع شاعرانہ نازک خیالی اور فصاحت کے ساتھ بلاغت کے عرش پر جا پہونچا ہے، اور کس لطف سے اس حالت کو ظاہر کررہا ہے کہ بدن میں خون نہیں رہا لیکن تپ

کی پیاس نہیں بجھتی، یعنی میں نہایت نقیہ ہوگئی ہوں تب اب بھی مجھے گھیرے ہوئے ہے۔

کیسا ہی رنج اور کیا ہی غم کیوں نہ ہو، فطرت کا یہ تقاضا ہے کہ کسی نہ کسی وقت دل کی تسکین کیلئے کوئی نہ کوئی تسلی دینے والا خیال پیش آجائے، ایسا نہ ہو تو رنج وغم کا سلسلہ زندگی کی ضروریات سے انسان کو بہوت رکھکے نفس کے سلسلے کو منقطع کردے، فراق کی کاہشوں اور یاس کی کاوشوں سے شوہر کی وارفتہ عورت کو تشفی دینے کیلئے اگر کوئی چیز اُسکے سامنے ہے تو یہ ہے جس کو وہ یوں بتا رہی ہے

آئینے میں ہر ایک چیز، چیں مجھے اسی سے ہے   اُنس ہر تو اسی سے ہے، اور نہیں کسی سے ہے

وہ اپنے اُنس کو صرف اسی چیز پر منحصر کرتی ہے، یہ اُس کی عفت، اُسکے نیک خیال اور اُسکے پاکیزہ نفس کی قطعی شہادت ہے، یہ وہی اوصاف ہیں جو ایشیا کی پاکباز عورتوں کے واسطے سرمایۂ ناز ہیں اور جنکو قادر الکلام شاعر نے "اُنس کا" "اسی" پر انحصار کرکے" اور نہیں کسی سے ہے" ان چند الفاظ سے نہایت فصاحت اور قوت کے ساتھ ظاہر کردیا، اب عورت اپنے اُنس کی مزید شہادتوں سے بڑھکر اظہار محبت کے فعل سے یوں پیش کرتی ہے،

دیکھتی رہتی ہوں اسے پیار کے ساتھ بار بار   اسکی بلائیں لینے کو اُٹھتے ہیں ہاتھ بار بار

اداشناس خیال فرماسکتے ہیں کہ یہ شعر جسمیں سلیس اور فصیح الفاظ کے ساتھ لطافت اور عورت کی فطری حالت کی خوبیاں بھری ہوی ہیں، عورت کی زبان سے نکلکر کتنا لطف دے سکتا ہے۔

اب عورت اپنے شوہر کے خیال کو چکر میں ڈال کے، کہ آخر یہ وہ کیا چیز ہے انکو ان پاکیزہ الفاظ میں ظاہر کرتی ہے۔

ہے یہ تمہاری ہی شبیہ، اور یہ میری جان ہے   اسمیں تمہارا حسن ہے اسمیں تمہاری شان ہے

یہ شعر کیسی سیدھی سادی اُردو میں ہے، مگر کتنا پُراثر اور کسقدر بامزہ ہے، لطیف بندش اور فصیح الفاظ کے علاوہ آپ اس بات کو دیکھیے کہ محبت سے بھری ہوی عورت کی زبان سے نکل کر وہ شوہر کے دل کو کتنی جنبش دے سکتا ہے، پھر آگے چل کر عورت اپنے دل کی تسکین کا اظہار کیسے دلاویز طریقے سے کرتی ہے، اور کس پیاری ادا سے کہتی ہے،

تم نظر آہی جاتے ہو، اے، وہ خیال ہی سہی کچھ نہیں تو شبیہ سے صرف جمال ہی سہی

اس شعر میں علاوہ اور تمام لطافتوں کے لفظ "اے" کا لطف وہی لوگ پا سکتے ہیں جو بول چال کی خوبیوں اور اُسکی نزاکتوں سے واقف ہیں، یہ ایک لفظ ثابت کر رہا ہی کہ جسنے اس شعر کو کہا، وہ زباں پر قادر، اُسکے نکات پر حاوی، اور ادا بندی پر پورا قابو کیے ہوئے ہے،

عورت تصویر سے صرف خیالی تشفی تو حاصل کرتی ہے لیکن فراق کا صدمہ جو اُسکے دل میں نشتر چبھو رہا ہے، اُس سے وہ چین اُسی وقت پا سکتی ہے جب شوہر کو حسرت زدہ آنکھوں سے دیکھ لے، ایسے نظارے کی اُمید یاس سے منقطع ہو چکی تو وہ مضطرب ہو کے نہایت دردانگیز آواز سے کہہ اُٹھی،

تم سے مرے نصیب میں شاید ابھی کرم نہیں وہ ہیں بڑی ہی خوش نصیب جن کا جنکو غم نہیں

جنکو خوش نصیب کہا اور بہت صحیح کہا اُنکی خوشیوں اور اُنکے حوصلوں کے نقشے کھینچکے وہ اپنے شوہر کو دکھاتی ہے تاکہ اُن کی خوشیوں سے اوسکے صدموں کا موازنہ کر سکے، اور کہتی ہے

رہتی ہیں شوہروں کے ساتھ خوب سنگار کرکے وہ ہنستی ہیں کھلکھلا کے وہ، تنتی ہیں بن سنور کے وہ
وہ جو پلک کے ہل پڑیں، شاخ گلوں کی ہل پڑی ہونٹھ جو ہنسکے کھل پڑے، گل کی کلی سی کھل پڑی
بال کھلے تو کھا کے بل دل کو لپیٹ لے گئے دل میں تھے جتنے ولولے سب کو سمیٹ لے گئے
کچھ تو ہے خود بدن میں کس تنتی ہیں کچھ ادا کے ساتھ کچھ تو ہے حسن قدرتی، بنتی ہیں کچھ ادا کے ساتھ

ان چار اشعار میں دوسرے شعر کے الفاظ کی لطافت، تیسرے شعر کے دوسرے مصرعے کا قافیہ اور ولولوں کے لپیٹ لیجانے کی ادائے شاعرانہ، اور چوتھے شعر میں نظری حسن کے ساتھ بن سنور کے اترانے کی تصویریں جس خوبصورتی سے کھینچی گئی ہیں، اِنکی داد اُن آدمیوں کے دل دیں جنکا سخن سنجانہ مذاق دلربایانہ اداؤں کے لطف سے آشنا ہے، چوتھے شعر کا آخری مصرع قدرتی حُسن کے ساتھ بناوٹ کی ادا کو جو عورت کے حُسن میں دل فریبی کی ایک خاص شان ہے، کیس

خوبی سے ظاہر کر رہا ہے،

خوش نصیبوں کی صورتیں دکھانے کے بعد عورت اپنی بے نصیبی کا نقشہ کن حسرت ناک الفاظ میں دکھاتی ہے تاکہ شوہر دونوں کی حالتوں کو لطف اور بے لطفی کے دونوں پلڑوں میں تول کے عدل سے اعتدال قائم کر سکے، وہ کہتی ہے

مجھکو ہی غم تو پھر سنگار کون کرے، تمھیں کہو دیکھکے حسن مجھکو پیار کون کرے، تمھیں کہو

شوہر کے فراق پر سنگار کو تج بیٹھنا یہ اظہار محبت تو ہے ہی، مگر شعر اس سے بڑھکر پاکدامنی کی شہادت دے رہا ہے یعنی سوا شوہر کے دنیا میں اُسکے سنگار اور حُسن کا کوئی دیکھنے والا نہیں " تمھیں کہو" کا لطف کوئی زنانوں سے پوچھے، یہ ایسا سوال ہے، جسکا جواب اگر شوہر دے تو رحم، محبت، اور اظہار وفا کے سوا دہ اور کچھ دے ہی نہیں سکتا، اور یہاں اخلاقی فلسفہ کا نتیجہ یہی نکلنا چاہیے۔

اب وہ زیور سے بیزار ہو کے مختلف زیوروں کا نام لیتے لیتے کس حسرت فضا سے کہتی ہے،

بار ہیں تپتے بالیاں، خار ہیں جھپنے بتیاں کس کو دکھاؤں اپنے کان اب میں پہنکے امتیاں

" بار" اور " خار" کا تناسب الفاظ، اور وہ دونوں زیور جو قافیے میں آئے ہیں، اُن کی لطافت قافیے کی صورت میں، یہ شاعرانہ لطافتیں سخن فہموں کو وجد میں لاتی ہیں،

اسی زیور کے سلسلے میں پھر کہتی ہے۔

دیتی ہے داغ آرسی، میں نہ چھوؤنگی اب اسے آتی ہے زرد رو نظر، دیکھتی ہوں میں جب لیسے

آرسی کے شیشے کو داغ سے جو مشابہت ہے وہ تو ہے ہی، دوسرے مصرعے کی بلاغت اور اسکے مضمون کی لطافت حضرت شوق کی شاعری کو انتہائے کمال پر ثابت کیے ہوئے ہے، زرد نظر آنے سے چہرے کی زرد رنگت کا اظہار کس نازکخیالی سے کیا گیا ہے کہ سبحان اللہ،

وہ چند اشعار کے بعد ایک ایسا حسرت کا سین دکھاتی ہے، جسکا خیالی نظارہ اگر کسی دل کو اپنے اثر سے مغلوب نہ کر سکے تو اُس دل پر انسان کے دل کا اطلاق مشکل ہے، کہتی ہے،

میری خوشی کی زندگی عقد سے پیشتر رہی   ساتھ تمھارا کیا ہوا، چھوٹ کے تم سے مر رہی

یہ شعر اپنے عمدہ مذاق سے ہمارے ملک کی با وفا اور باعصمت عورتوں کی زندگی کا پورا فلسفہ ہے، عقد سے پیشتر وہ اپنے ماں باپ کے گھر جس خوشی سے زندگی بسر کر چکی تھی، اُسکو اب حسرت کے ساتھ یاد کر رہی ہے، اسمیں کچھ شک نہیں کہ عقد کے بعد عورت کی ایک دوسری زندگی شروع ہو جاتی ہے، اب اس شعر کو آگے رکھکے اگر دونوں زندگیوں کی حالتیں دکھائی جائیں تو اخلاق اور طرز معاشرت کے فلسفیانہ مذاق کی ایک بڑی کتاب تیار ہو جائے، حضرت شوق نے کمال سخن سنجی سے دریا کو کوزے میں بھر دیا ہے، اسکو اعجاز فن کہنا چاہیے،

عورت جوش محبت کے ساتھ اپنے جذب کا اظہار کس لطف سے کرتی ہے، اُسکے خیال میں قوت جاذبہ کمی کر رہی ہے، اُسکو یوں اُبھارتی ہے،

کاہ رُبا سے گھاس کو کھینچتی ہوں ہزار بار   جذب کو میں دکھاتی ہوں زور کشش کا بار بار

اب بھی نہ یہ کشش کرے، تو اسے کوئی کیا کرے   جذب کا نام جذب ہی پھر نہ رہے خدا کرے

اِن دونوں اشعار میں جس شکل سے جذب کو شہ دیگئی ہے، اسکی نازک خیالی اور بلند پایہ شاعری کی داد دل سے بیساختہ ہونٹھوں پر آکے باہر نکلی پڑتی ہے،

وفا اور محبت کا جوش ظاہر کرتے کرتے دل شکستہ عورت کو وہم ہوا کہ شاید شوہر کو یقین نہ آئے، تو وہ اپنی تحریر کو جھوٹھ سے پاک ثابت کرنیکے لیے کیا درد انگیز خیال اور کیسی محبت خیز سزا اپنے واسطے پیش کرتی ہے

جھوٹھ جو میں ذرا لکھوں تو ہو خفا مرا خدا   چاہ کو مجھ سے چھین لے دے یہ مجھے سزا خدا

کہنے کو تو کہہ گئی، مگر فوراً اُسکو تنبہ ہوا کہ اگرچہ وہ سچی ہے، لیکن چاہ جو اُسکے جذبات کی چیز ہے اور جن جذبات کو وہ خود بہت عزیز رکھتی ہے، اُسکا نام ایسے موقع پر کیوں لیا، اس خیال کے آتے ہی اُسنے اپنی زبان بدلی، اور کہہ اُٹھی،

توبہ یہ کیا میں بک اٹھی، توبہ یہ کیا میں کہہ گئی   چاہ تمھاری جب چھنی پھر تو میں کچھ نہ رہ گئی

اس سے زیادہ چاہ کی قدر اور کیا ہو سکتی ہے، مصرع دوئم کا آخری حصہ " پھر تو میں کچھ نہ رہ گئی " کے الفاظ سے، بول چال کی لطافت اور محاورے کی نفاست کو کس بلند پائے اور کیسے دلاویز پیرائے کے ساتھ ظاہر کر رہا ہے؛

آگے چل کر وہ اپنے رونے پر کس لطف سے پردہ ڈالتی ہے؛

آنچل اگر ہو تر تو میں خشک کروں نچوڑ کر ساس کے پاس جاؤں تو منہ کو اُدھر سے موڑ کر

اس شعر کی خوبیوں نے دل کو جسقدر سرور دیا ہے، اس کی شرح قلم سے مشکل ہے؛ انسان کی ادا کا ایسا سچا اور صحیح نقشہ کھینچا گیا ہے، جس سے بہتر کوئی دوسرا نقشہ ہو نہیں سکتا، ساس سے روئی ہوئی صورت ایسے عمدہ پیرائے میں چھپائی گئی ہے کہ میں بلند آواز سے حضرت شوق کو اُنکے مذاق سخن اور کمال فن کی داد دیتا ہوں، نظم میں ایسی سہل ممتنع نقاشی انہیں کا حق ہے

ہمسن عورتیں اُس سے ملنے کو آتی ہیں، تو وہ اُنکو اپنی غم زدہ صورت کس درد انگیز حالت کے ساتھ دکھاتی ہے، اور کس ضبط سے کام لیتی ہے

آتی ہیں ہمسنیں مگر مجھ میں نہیں ہنسی مری شرم سے کیا کہوں کہ "وہ" لیگئے دل لگی مری
میں نہ کہوں زباں سے کچھ کھلتا ہے درد، رنگ سے دیکھتی ہیں وہ غم کی شکل چہرے کے زرد رنگ سے
پوچھتی ہیں تو کیا کہوں، چھیڑتی ہیں تو کیا کروں سادھ کے چپ لہو کے گھونٹ بیٹھی ہوئی پیا کروں

"وہ"، کا اشارہ، اے سبحان اللہ، زبان ہے کہ نظم کے رشتے میں موتی پرو رہی ہے بیان ہے کہ واقعات کے ساتھ فطری حالتوں اور اداؤں کی سچی نقاشی کر رہا ہے، دوسرے شعر نے خاموشی کی حالت میں جس رنگ سے درد کا اظہار کیا ہے، اور تیسرے شعر نے سکوت اور ضبط کی جیسی ہیئت دکھائی ہے، یہ دلچسپیاں نگاہوں سے دلوں پر قبضہ کر رہی ہیں

فطرت کا مقتضا یہ ہے کہ اضطراب کے سلسلے میں کوئی نہ کوئی خیال تسکین دینے والا بھی پیدا ہو، ایسا نہ ہو، تو غیر متناہی سلسلہ انتشار اور صدموں کو بڑھاتے بڑھاتے

دماغ کو مختل کرکے انسان کی حیات کا خاتمہ کردے، فرقت نصیب عورت نے تسکین کی ایک صورت شوہر کی تصویر سے پائی، اور دوسری صورت چکور سے، جسے اُسکا شوہر پال کے چھوڑ گیا تھا، چکور کا نظارہ کس لطف سے شوہر کی یاد کا محرک ہے، کہتی ہے،

پال گئے ہو تم چکور، ہوتی ہوں اس سے شاد مَیں ۔۔۔ لیکے اِسکو گود میں، کرتی ہوں تمکو یاد مَیں،

لیکن چکور کی فطرت جو شب کو اُسے چاند کی طرف اُسے متوجہ کرتی ہے، اُسکا نظارہ عورت کی زبان سے کیسا حسرت انگیز واقعہ پیش کرتا ہے، وہ شوہر کو لکھتی ہے،

چاندنی رات میں مگر، دیتے ہو غم ضرور تم ۔۔۔ اُسکی نظر میں چاند ہے، میری نظر سے دُور تم

یہ حسرت کا سین جسقدر دلچسپ ہے، اس سے زیادہ شاعر کی تخئیل قابل تعریف ہے، کہ زمین کے خیال کو طبیعت کی بلندی سے آسمان پر پہونچا کے چھوڑا،

چند اشعار کے بعد عورت باوجود بےخطا ہونیکے اپنی خطا کا ذکر کس لطیف پیرائے میں کرتی ہے، اور کیسے دلاویز طعنے سے شوہر کے دل کو گھر کی طرف کھینچتی ہے، وہ حجاب جو شریف عورت کی طرزِ معاشرت میں اُسوقت لازمی ہے، جب شوہر کُنبے کی موجودگی میں گھر کے اندر قدم رکھے، اوا تو اُسی حجاب کی بیان کیگئی ہے، لیکن طنز آمیز اور دلکش آواز کے ساتھ، اس طرز کا مضمون بیان نگاہ اور دل دونوں کے ساتھ جادو کا کام کر رہا ہے، وہ کہتی ہے،

کی نہیں میں نے کچھ خطا، کی ہو تو بھول جاؤ تم ۔۔۔ مجھ کو نہ دیکھنا، مگر، خیر سے گھر کو آؤ تم
آؤ جو تم، تو رُخ پہ میں، آنچل اُٹھا کے ڈال لوں ۔۔۔ اِسمیں تو ہرج کچھ نہیں جھانک کے دیکھ بھال لوں

کیا اس سے بہتر اور دلفریب ادا سوا حضرت شوق قدوائی کے اور کسی شاعر نے اُردو یا فارسی میں دکھائی ہے، نہیں، کبھی نہیں، یہ قدرت سخن پر انھیں کی زبان کو حاصل ہے، کہ حجاب اور اُسکے ساتھ جھانک کے دیکھنے کا خوشنما منظر نگاہوں کے سامنے پیش کر دیا، جسکے لطف سے دل کبھی آسودہ نہیں ہو سکتا، "خیر سے" کہہ کے عورت کی زبان نے محاورے کے جسم میں تازہ جان ڈال دی ہے،

عورت خط لکھ رہی تھی کہ ابر آگیا، مور بول اُٹھا، پپیہے انار کے پیڑ پر آ بیٹھے، یہیں جس نفاست سے دکھایا گیا ہے، اسکی تعریف کہاں تک کی جائے، وہ کس حسرت کے ساتھ کہہ رہی ہے

ابر اُمنڈ کے آگیا، روؤں گی اِسکے ساتھ میں — اپنے جگر کے خون سے دھوؤنگی رو کے ہاتھ میں
بول اُٹھا وہ میرا مور، ہاتھ سے ابتو دل گیا — مجھکو نہ مل سکو گے تم، اِسکو تو ابر مل گیا

گھر میں ہی پیڑ انار کا، اسپہ پپیہے آتے ہیں — دیکھکے میری بیکسی، مجھپہ ترس وہ کھاتے ہیں
نہیں بیٹھتے کبھی، پیڑ کے اوپر آ کے، چُپ — تم کو پُکارتے ہیں روز، شرم سے مجھکو پاکے چُپ

دوسرے شعر کا دوسرا مصرعہ غضب کا حسرت انگیز ٹوٹا ہے، پپیہوں کا ترس کھانا اور یہ جب عورت ہو دل کے جذبات کو شوہر کے نام سے زبان پر نہیں لاسکتی، اُسکی خاطر سے پکارنا یعنی "پی کہاں" کی آواز نکالنا، ان اداؤں کا اظہار ایسی فصاحت اور لطافت کے ساتھ، یہ شاعری کیا ہے، سحر بیانی ہے،

طرز معاشرت سے ہمارے ملک کی عورتیں جس حالت میں ہیں، اُسکی پوری داستان صرف یہ ایک مصرع کہہ رہا ہے

ع عورت اگر میں ہو پڑی، اِسمیں مری خطا نہیں

سچ یہ ہے کہ یہ ہے تو ایک ہی مصرع، مگر ایک ہزار اشعار بھی کہے جائیں تو شاید اس کی شرح نہ ہو سکے، "ہو پڑی" کا محاورہ زبان کیا، دل سے داد دلا رہا ہے،

درد انگیز خط کو لکھتے لکھتے عورت کا نازک دل ضبط کی طاقت کھو بیٹھا، اور اُسکے آنسو بے اختیار ٹپک پڑے، وہ اس حالت کو کس مجبوری مگر کس خوبی کے ساتھ ظاہر کرتی ہے،

اشک مرے ٹپک پڑے، خط ہوا تر، میں کیا کروں — بھیگ کے کچھ بگڑ گئے، حرف، مگر میں کیا کروں
بندھ گیا آنسوؤں کا تار، خوش ہو نہیں دیکھکر جسے — بنگیا موتیوں کا ہار پہنے تمہاری یاد اِسے

دوسرے شعر کی شاعرانہ نازکخیالی حضرت شوق، قدوائی کے کمال معنی آفرینی کی قطعی دلیل ہے،

"یاد" کو ہار پہنانا، اسکا مزہ سخن فہموں کے دلوں سے پوچھنا چاہئے، "میں کیا کروں" کی ردیف محاورے کی لطافت کے ساتھ مجبوری کی سچی اور دلچسپ تصویر ہے:

آخر عورت حسرت اور یاس سے مجبور ہو کے اپنی زندگی سے ہاتھ دھو رہی ہے، اور کس پُردرد آواز سے کہتی ہے،

صبر سے گذری، موت پر، اب تو جگر کر ونگی میں ۔۔۔ اپنے بدن کی آگ سے، آپ ہی جل مرونگی میں
مجھکو یقین ہی کہ تم آکے مجھے نہ پاؤ گے ۔۔۔ آکے نہ پاؤ گے تو کیا، میری لحد پہ آؤ گے؟
فاتحہ بھی پڑھو گے تم، ہاتھ اُٹھا کے، یا نہیں ۔۔۔ روح کو خوش کرو گے تم، پھول چڑھا کے، یا نہیں
سبزے کو دیکھنا ضرور، مجھپہ وہ بار ہو نجائے ۔۔۔ نرم ہے، ہرا ہے، سوکھکے خار ہو نجائے

پہلے شعر کا دوسرا مصرع ہجر کی تب کا جو دردانگیز نتیجہ نکال رہا ہے، اسکی لطافت ادا اسکے بیان کی فصاحت لاجواب ہی، بیچ کے دو شعر حسرت کی کیسی دردناک تصویر کھینچ رہے ہیں، اور جو اس نظم کے خاتمہ کا شعر ہے، اس پاکیزہ شعر کو قادر سخن شاعر نے لکھکے قلم ہی توڑ دیا:

اس نظم کی داد جو کچھ میں نے دی، یہ اگرچہ اُس تخیل کی پوری داد نہیں ہی، جسکے موجد اُردو زبان کی دنیا میں منشی احمد علی صاحب، شوق، قدوائی ہوے ہیں، البتہ نظم کے فطری خیالات اور دل کے اصلی جذبات کا صحیح اندازہ میرے اس ریویو سے کچھ نہ کچھ ہو جائیگا، جن لوگوں نے انگریزی نظموں کو دیکھا ہے، وہ انسان کے فطری جذبات اور عام طور پر نیچر کے مناظر کی قدر ضرور اُن لوگوں سے زیادہ کر سکتے ہیں، جنکی نگاہیں وہاں تک نہیں پہونچی ہیں، اور جنکے دماغ نیچر کی فلاسوفی سے ناآشنا ہیں، انگریزی میں ایسے سلسلے کے ساتھ اسقدر انسانی جذبات اور فطری حالات سے بھری ہوی نظم یقیناً نہ ملیگی، اسکے جہاں اور اسباب ہوں، وہاں ایک بڑا سبب یہ ہی کہ ایشیا کی شوہر پرست، عفت مآب، اور باوفا عورتوں کا مذاق زندگی جسقدر پاکیزہ ہے، اسکی مثال اور کسی مُلک میں نہیں مل سکتی.

بعض نافہم جو نیچر کی فلسفہ سے ناواقف ہیں، اور جنکی نگاہیں علوم کی منزلوں کو طے کرکے

حیثیت انسانی کے دلی جذبات اور فطری واقعات تک نہیں پہونچی ہیں، وہ اس قسم کی نظموں کے نازک خیالات اور لطیف معاملات کے سمجھنے ہی سے مجبور ہوں تو کیا تعجب ہے، انکی مثال ایسے لوگوں سے دینی چاہیے جو بغیر بصارت کے دنیا میں پیدا ہوئے، وہ نہ تو دنیا کو دیکھ سکے نہ جان سکتے ہیں کہ وہ کیا چیز ہے،

کوئی انسان، مرد ہو یا عورت دلی جذبات سے خالی نہیں ہوتا، یہ اور بات ہے کہ سوسائٹی کا اثر کہیں اُسکو ایک رنگ میں ظاہر کردے اور کہیں دوسرے رنگ میں، ہندوستان کی پاکباز عورت جسکا رازدار اور جسکے دلی جذبات سے واقف ہونیوالا سوا اُسکے شوہر کے کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا، وہ اگر شوہر سے بھی جذبات کا اظہار نہ کرے تو یقیناً اُس کا دم گُھٹ جائے، اور اُسکی زندگی کو تپ دق ختم کردے،

میں نے منشی احمد علی صاحب، شوق، قدوائی، کی سب نیچرل نظمیں دیکھی ہیں، میں بلا خوف تردید یہ کہہ سکتا ہوں کہ جسطرح وہ قدرت سخن سرائی سے فطری اداؤں کے دکھانے اور جذبات انسانی کے سچے نقشے کھینچنے پر اعلیٰ درجے کی زبان کے ساتھ قادر ہیں، اسی طرح وہ سینس اور فلاسوفی کے اہم مسائل کو سلیس اور فصیح زبان میں نظم کردینے پر بھی قادر ہیں، ان دونوں اصناف سخن کے موجد اُردو زبان میں وہی ہوے، اور شاعری کے خزانے میں جو گراں بہا جواہر وہ بھر رہے ہیں، ان کے اعتبار سے سخن سنجی کی تاریخ میں اُنکا نام سُنہرے حرفوں سے لکھا جائیگا، اِن دو اصناف سخن کے علاوہ اُنھوں نے بہار اور برسات کی نظموں میں جو لطف سینری کا دکھایا ہے یا اور مختلف اقسام کی نیچرل نظموں میں اُسی نظم کے مناسب جو لطافتیں ظاہر کی ہیں اُن سبھوں کی مجموعی حالت خود بلند آواز سے کہہ رہی ہے کہ وہ قادر الکلام ہیں، اور صرف معمولی قادر الکلام نہیں، بلکہ فلاسوفر اور سحر البیان قادر الکلام،"

میں اپنے معزز دوست مسٹر قدوائی بیرسٹر ایٹ لا سے متفق ہوں کہ عوام نے اُردو میں نیچرل مضامین کی مٹی بہت کچھ خراب کی، آج بھی بہ کثرت ایسی نظمیں نظر آتی ہیں، جو شاعری کو بدنام کررہی ہیں، لیکن تمام دنیا شوق، قدوائی نہیں ہوسکتی ہے، اردو شاعری کا نصیب پھر بھی اچھا

ہے، کہ آخر وہ حضرت شوق، قدوائی کا سا بلند پایہ شاعر نیچرل نظموں کیلئے پا ہی گئی، ورنہ خدا جانے فطرت کی مٹی کب تک خراب ہوتی،

اب میں اس ریویو کو ختم کرتا ہوں اور یہ ظاہر کئیے دیتا ہوں کہ اگرچہ تمام نظم، فصیح زبان لطیف خیالات اور حیاتِ انسانی کے فطری جذبات سے بھری ہوئی ہے، لیکن میں زیادہ طوالت کے خیال سے صرف چند اشعار ہی پر ریویو کرسکا، اس سے پورا نہیں تو ایک حد تک اس اردو نظم کی بلند شاعری اور فطرت انسانی کی پر اثر کششوں کا اندازہ مل جائیگا۔

راقم، محمد سلیمان، بیرسٹرایٹ لا

غزل

اگر ظہور تجلی بخواب خواہی کرد — خوشم بخواب کہ رُخ بحجاب خواہی کرد
مشو بغفلت دنیا کہ خواب راحت نیست — بہوش باش کہ بسیار خواب خواہی کرد
بدورِ حسنِ تو طرفے نہ بست عالم خاک — بحیرتم چہ بحشر انقلاب خواہی کرد
مدام خاک نشینِ درت ازاں ہستم — بود کہ ذرہ بمہر آفتاب خواہی کرد
اگر بہ طرّہ چنیں بوے عنبریں داری — دگر بہ نافہ باخوں شکناب خواہی کرد
نگاہ مست بہ رندے کہ می نہی ساقی — گرا یہ بزم حریفاں خراب خواہی کرد
شمار ظلمِ تو از حد گزشت می ترسم — چہ عذر جرم بروزِ حساب خواہی کرد
بشوقِ دیدِ ترا ایک جہاں پر آشوب است — ازیں بیش مگو در حجاب خواہی کرد

دمیکہ حیدریت را کنند زیرِ زمیں
مدد باو توچہ اے بوتراب خواہی کرد

سید ولایت علی فردوس وحیدری سبزواری

باغِ خزاں رسیدہ

کیا ہوئی باغ کی بہار، تھی جو بہت ہی دلفریب — ہوگئی عندلیب زار، اسکو نہیں رہا شکیب
ہائے چمن ہرا بھرا آج اُجڑ گیا تمام — عیش و نشاط کیلیے اب یہ نہیں رہا مقام
جتنے چمن نما چمن انکا بھی حال ہے زبوں — پیڑ کھڑے ہیں دم بخود اور ہیں سایہ سرنگوں
فصلِ بہار جا چکی اب تو خزاں کا زور ہے — گر گئے ہوکے برگ زرد انہیں فغاں کا شور ہے
پیڑ برہنہ ہیں کھڑے، اور یہ بے بسی میں ہیں — اب نہیں پوچھتا کوئی اور یہ بے کسی میں ہیں
اِنکا لباس تھا جو سبز آج اُتر گیا ہے وہ — گل نہیں فرقِ شاخ پر، تاج اُتر گیا ہے وہ
تھی جو ہوا میں دلکشی فصلِ خزاں میں اب کہاں — موسمِ گل میں تھا جو لطف تو وہ جہاں میں اب کہاں
فصلِ بہار میں جو تھا صحن چمن ہرا بھرا — رونق و زینت اب وہاں نام کو بھی نہیں ذرا
غنچے نہ آئیں نخل میں پھر ہو چٹک تو کسکی ہو — گل نہ لگیں جو پیڑ میں پھر ہو مہک تو کسکی ہو
پھل نہیں شاخ نخل میں اور نہ برگ ہی رہے — جورِ خزاں کے باغ میں کوئی کہاں تلک سہے
ڈر ہے مجھے جو تتلیاں پھول کا رس نہ پائیں گی — انکی غذا تو ہے یہی بھوک سے مر نہ جائیں گی
تھا جو ہجوم طائراں منتشر آہ! ہوگیا — سارا چمن اُجڑ گیا اور تباہ ہوگیا
طائرِ خوشنوا تمام دورِ خزاں سے ڈر گئے — سُونا یہ اور ہوگیا، باغ جو چھوڑ کر گئے
تھا جو کبھی ہجومِ عیش اب وہ جگہ اُداس ہے — دل جو بہلتا تھا کہیں آج وہاں ہراس ہے

ے تو ہے وہی جو تھا شکل بدل گئی مگر — دل نہ لگے یہاں تو آئے سیر کو کیا کوئی بشر
...مل بہار میں کوئی تھا جو مقام پُر فضا — اسکو جو دیکھیے تو بس وحشت دل ہو ابے ا
...ول یہ شریک وقت بد کیا ہوئے باغباں تمام — دیکھے خزاں کو دسترس چلد یے یہ کہاں تمام

محوی خستہ دل چلو روئیں خزاں کی جانکو
جس نے اُجاڑ کر دیا آگے یہاں جہان کو

محمد حسین محوی صدیقی لکھنوی

مسئلۂ ازدواج

(نمبر ۳)

دنیا میں انسانی خودپسندی نے جو خوفناک نتائج پیدا کیے ہیں اُسکی بدترین مثال ذاتوں کا تفرق بھی ہے - جسنے شرافت اور بزرگی کا معیار نفوس کی پاکیزگی اور کیرکٹر کی بہتری کی بجاے وراثت و خاندانی وجاہت سے تبدیل کردیا ہے۔

ایک سید اس وجہ سے شریف سمجھا جاتا ہے کہ اُسکے مورثِ اعلیٰ کی شرافت اور بزرگی کو دنیا تسلیم کر چکی ہے - اور غالباً وراثت کے اثر نے مورث کی خوبیوں کو وارث کے خون میں ضرور منتقل کیا ہوگا۔ اگرچہ یہ قیاس بیجا نہیں ہے - تاہم قیاس ہے - جسکا صحیح ہونا لازمی نہیں اگر مشاہدہ واقعات سے اس کی تردید کر رہا ہو تو یہ شرافت محض ظنی اور خیالی ہوگی - ایک ادنے قوم کا شخص جسکا چال چلن پاکیزہ اور جسکے صفات معصومانہ ہیں - بمقابلہ اُس اعلیٰ قومیت والے کے ہر طرح شریف ہے جسکی بدکرداری و بداطواری کو تجربہ ثابت کر چکا ہو - سورۂ حجرات کے پہلے رکوع میں

یا ایہا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثیٰ وجعلنٰکم شعوباً وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم

لوگو ہمنے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری ذاتیں اور گوتیں ٹھیرادیں کہ ایک دوسرے کو پہچان سکے لیکن تم میں شریف وہی ہے جو تم میں بڑا پرہیزگار ہے۔

اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو کسی سلیم الطبع انسان کا ضمیر اسکو قبول نہیں کر سکتا کہ ایک شخص جو ہر طرح نیک خصال۔ پاکیزہ مزاج۔ غیور طبیعت۔ شریف دل ہے۔ محض اس بنا پر کہ وہ ایک مخصوص خاندان میں پیدا ہوا ہے باوجود اپنی بہترین صفات کے اعلیٰ سوسائٹی میں شامل نہ کیا جاے۔ اور بغیر کسی نقص کے وہ زمرۂ شرفاء سے خارج کر دیا جائے۔

زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب کو بھی اپنے نسب پر فخر و مباہات کرنیکا مرض تھا۔ جسکا سبب یہی کہ اُسوقت یہ لوگ نہایت غیر متمدن اور منتشر حالت میں تھے۔ ہمیشہ مختلف خاندانوں او قبیلوں میں لڑائیاں رہتی تھیں اور نسلاً بعد نسلاً یہ مخالفت کی آگ بھڑکتی رہتی تھی۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے خون کا پیاسا رہتا تھا۔ ایسی حالت میں اُنکے لیے یہ نسب دانی ضروری تھی۔ اس سے اُنمیں جوش پیدا ہوتا تھا۔ اور تخاصمین کے مقابلہ میں اُن کی جنگجو طبیعتوں کو تحفظ نسب کی ضرورت تھی۔

لیکن جب اسلام نے سایۂ رحمت بنکر اس وحشت خیز دور کا خاتمہ کیا تو سب کو ایک اسٹیج پر لاکر کھڑا کر دیا۔ اور اُنمیں برادرانہ محبت پیدا کرکے مساوات کی برکت پھیلا دی۔ اور صاف کہدیا کہ "دریں راہ فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست" دیکھو سورۂ حجرات کا پہلا رکوع۔

انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم وا تقوا اللہ لعلکم ترحمون — مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں انیں صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرو شاید تیر رحم کیا جائے

لیکن زمانۂ موجودہ کے مسلمانوں پر تعجب ہوتا ہے جو اس قومی شیرازہ کو منتشر کرکے علٰحدہ علٰحدہ ذاتوں پر اُسکے اجزا تقسیم کر رہے ہیں۔ اور اس اسلامی ملت میں تفرقہ اندازی کو تحفظ شرافت قرار دیے ہوے ہیں۔

ہندوستان میں جب ستی کی قدیم رسم جاری تھی تو بیوہ ہو جانیوالی عورتوں کو اپنے خاوندوں کی نعش کے ساتھ خوش و ناخوش جل مرنا پڑتا تھا۔ یہی حالت زمانۂ موجودہ میں اُن مردوں عورتوں کی ہے جو رسم و رواج کی پابندیوں کی وجہ سے غیر خاندانوں اور دوسری

ذاتوں میں تزویج و مناکحت سے ممنوع ہو کر بادل ناخواستہ اپنی ہی ذات و برادری میں تعلقات
زن وشوئی قائم کرنے پر مجبور کر دیے گئے ہیں۔ بعض صورتوں میں یہ تو ممکن ہے کہ اپنے گھرانے
اور ہڈی کو چھوڑ کر کسی دوسرے خاندان میں عقد کر لیا جائے۔ لیکن یہ تو کسی طرح ممکن ہی
نہیں کہ دوسری برادری میں ازدواجانہ تعلقات قائم کیے جائیں۔ یہ انتہائی وسعت حلقۂ
انتخاب کی ہے جو عام مسلمانوں میں رائج ہے۔ باوجود اس علم کے کہ مذہب نے تمام مسلمانوں
کو بھائی بتایا ہے۔ اور ایک کو دوسرے پر کوئی ترجیح نہیں دی حتیٰ کہ ایک زبردست ملحد ایک
یکا کافر جس وقت اسلام قبول کر لیتا ہے تو وہ اسلامی جمعیت میں بالکل دیگر افراد کا ہمرتبہ اور
انھیں میں کا ایک ہو جاتا ہے۔ اُس پر بلا کسی امتیاز کے مذہبی احکام جاری ہوتے ہیں۔
شریعت اوسیں اور دیگر مسلمانوں میں کوئی تمیز نہیں کرتی۔

یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ وسعتِ انتخاب جسقدر محدود کی جائیگی۔ اُسیقدر انتخاب
میں نقص بڑھتا جائیگا۔ فرض کیا جائے کہ ایک شہر میں ۴ ہزار مسلمان رہتے ہیں۔ اب
بلا امتیاز اُنمیں ایک مرد اور ایک عورت باعتبار تقابل عقد کیلیے منتخب کیے جائیں اور
اُسکے مقابلہ میں اِن چار ہزار مسلمانوں کو مختلف ذاتوں پر یا کم از کم چار ذاتوں پر تقسیم کر کے
صرف ایک ہزار میں سے انتخاب کیا جائے تو لامحالہ یہ پہلا درجۂ انتخاب دوسرے کے مقابلہ
میں زیادہ مناسب ہوگا۔

اہل عرب اپنی جہالت اور متخاصمانہ طبائع کے باوجود جس نے ایام جہالت میں بھی
انکو اپنے تئیں تمام قوموں سے شریف سمجھنے کا عادی بنا رکھا تھا۔ معاملات ازدواج
میں ایسی اہم غلطی نہ کرتے تھے۔ بلکہ اکثر اشخاص غیر قرابت داروں کو قرابت داروں پر
ترجیح دیتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کا یہ فقرہ مشہور ہے: المتوالد والقرائب
نیز وہ اس طبی اصول سے بھی آگاہ تھے کہ اپنی قرابت دار عورتوں سے جو بچہ
پیدا ہوتا ہے وہ لاغر و کمزور ہوتا ہے۔ یہ خیال اسقدر عام تھا کہ شعراتک نے اسپر قلم فرسائی

کی ہے ایک عربی شعر ہے ؎

فتی لم تلدہ بنت عم قریبۃ نیضوی فقد یضوی ردید القرائب

جو شخص کہ تیری چچا کی لڑکی سے پیدا ہوگا وہ لاغر ہوگا اور قرابت دار سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ لاغر ہوتا ہے۔

اسلام کا عام حکم اس بارہ مین یہ ہے کہ بجز محرمات شرعیہ کے جنکی تفصیل بتا دیگئی ہے۔ اور تمام عورتون سے بلا استثنا و تخصیص قوم جسکو چاہو زوجیت کیلئے انتخاب کرو۔ کیونکہ اگر کوئی خاص قید لگا دی جاتی کہ مخصوص اپنے ہی قبیلے یا برادری مین عقد کرو تو مذہب پر وہی الزام عائد ہوتا۔ جسکا بار آج رسم و رواج کے سر پر ہے اسلام جیسا برکت پھیلانیوالا اور برگزیدہ مذہب جس نے حسن معاشرت کو بدرجۂ اعلی درست کیا ہے اپنی الہامی کتاب مین صاف یہ حکم دیتا ہے۔

واحل لکم ما وراء ذلکم ان تبتغوا جو عورتین تم پر حرام کیگئی ہین انکے علاوہ سب عورتین تمہارے لیے حلال ہین باموالکم محصنین غیر مسافحین بشرطیکہ شہوت رانی کیلئے نہین بلکہ پاکدامانی کی غرض سے تم مہر دیکر نکاح مین لانا چاہو

چنانچہ نبی اکرم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپی زاد بہن حضرت زینب کی پہلی شادی زید ابن حارثہ سے کی جو آنحضرت کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرت شہربانو ایک مفتوحہ قوم کی شہزادی تھین۔ جو خاندان رسالت مین بلا کسی امتیاز کے داخل کی گئین سلاطین عباسیہ کی بہت سی لڑکیان نومسلمون کے عقد مین آئین۔ ہندوستان کے ابتدائے عہد اسلام مین جو غلام تخت سلطنت پر متمکن ہوے بادشاہون کی دامادی کا فخر انہین حاصل ہو چکا تھا۔

ایک اور اہم غلطی حلقۂ انتخاب کے کم کرنے مین یہ کی گئی ہے کہ بیوہ عورتین اور زنان مطلقہ اس دائرہ سے خارج کر دی گئی ہین اور نہایت سختی و پابندی کے ساتھ عقد کرنے مین عورت کے لیے دوشیزہ ہونا لازمی قرار دے رکھا ہے کبھی اسکی پرواہ نہین

جاتی کہ ایک مطلقہ یا بیوہ عورت جسمین ہمہ صفت وہ باتین موجود ہون جنسے زوجین
آیندہ زندگی پُر لطف اور قابل رشک زندگی ہو سکتی ہے۔ اس سے نکاح کیا جائے
بمقابلہ اُسکے ایک دوشیزہ لڑکی کو خواہ وہ دیگر اعتبارات سے کیسی ہی کم درجہ
یون ہو ترجیح دیجاے گی۔

سب سے زیادہ تعجب اُن لوگون پر ہوتا ہے جنکی پہلی بی بیان مرجاتی ہین۔
بھی عقد ثانی کے لیۓ ہمیشہ دوشیزہ عورتون کے خواہشمند ہوتے ہین۔ جس سے
ف پایا جاتا ہے کہ یہ لوگ جذبات بہیمیہ کے اسقدر شکار ہو گۓ ہین کہ احساسات
یفہ کا انہین اثر باقی نہین رہا۔

کیا یہ ایک عورت کی توہین نہین ہی کہ اُسکے بیوہ ہو جانے کی وجہ سے اُسی ایک
متعلہ از زناکارہ چیز سمجھکر نظرون سے گرادیا جاے۔ اور اسکی باطنی خوبیون اور اندرونی
بیون کو بکراہت رہ کر دیا جاے۔ اس بارہ مین مردون کے دامن اخلاق پر ایک
یت بدنما دہبہ لگا ہوا ہے۔ جسکی تفصیل اسی نتیجہ پر مختتم ہوتی ہی جہان عورت درجہ انسانیت
سے خارج کی گئی تھی۔

عورت و مرد کی ترکیب نوعی تبلا رہی ہی کہ عالم انسان مین تعلقات زناشوی اقتضای
رت کا لازمی نتیجہ ہین اور یہ ایک ایسا دلچسپ سلسلہ ہی جسنے بقاے نسل کے علاوہ نفوس انسانی
ایک پر لطف و متمدن زندگی عطا کی ہی اگر سوے اتفاق سے یہ سلسلہ ٹوٹ جاے تو باقتضاے
مدن اسکا سر نو قائم کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ بمقابلہ انفرادی زندگی کے دو وابستگان قسمت
ب دوسرے کے غمگسار۔ شریک رنج و راحت۔ اور باہم شفیق و مونس ہو کر مراحل
یات کو طے کرتے ہین۔

رسم و رواج نے عقد بیوگان کے مسئلہ کو جسقدر تاریکی مین چھپایا ہی اور جسمین پابندی
ے ساتھ لوگون نے بیوائون کی زندگی کو عذاب الیم مین ڈالدیا ہی اس سے نتیجہ کوئی خوشنما

تصور انسانی ذہن میں نہیں آ سکتا۔ درانحالیکہ مذہب نے بہت زور کے ساتھ اس کا حکم دیا ہی۔ انکحو الایامی منکم سورہ نور رکوع ۴۔ اور شارع علیہ السلام نے اپنے طریق عمل سے اس کی نہایت زبردست تائید فرمائی ہے۔ یہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا عقد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا تھا جو بیوہ تھین۔ اور پہلے خاوندون سے اولاد بھی ہو چکی تھی۔ حضرت زینب جن کے نکاح کا ذکر قرآن شریف مین آیا ہے۔ حضرت زید کی مطلقہ تھین۔ اور سوای حضرت عایشہ کے جملہ امہات المومنین مین سے بحالت دوشیزگی کسی ایک کا عقد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہین ہوا۔

ان امور کو ملحوظ رکھتے ہوے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ مسلمان جنہون نے اپنے مذہب سے حسن معاشرت کی بہترین ہدایتین حاصل کی ہین۔ ازدواجی پیچیدگیون اور کلفتون مین مبتلا ہو سکتے ہین۔ مگر نہایت افسوس ہے اون پیروان اسلام پر جو دوسرون کی دیکھا دیکھی غلط راستون پر ہو لئے۔ اور باوجود جگہ جگہ ٹھوکرین کھانے کے پھر بھی سنبھلنے کا نام نہین لیتے مولوی عبدالحلیم صاحب شرر نے میرے ایک پرائیویٹ خط کے جواب مین ایک موقع پر لکھا تھا۔

"قومیت اور حلقہ ازدواج کے وسیع کرنے کی بے انتہا ضرورت ہے۔ مگر افسوس کہ مسلمان ابھی تک اسکو محسوس نہین کر سکے اور ان کا معمول ہی کہ ہر چیز کو اسوقت محسوس کرتے ہین جب سخت نقصان برداشت کر چکتے ہین۔ سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ مصلحون اور مقتداؤن کے عمل مین اور مذہب مین فرق ہے، ایک مولوی صاحب زبان سے کہینگے، "فانکحوا الایامی" مگر انکی بیوہ بیٹی کے لیے پیام دیا جائے تو لڑنے کو تیار ہو جائینگے لہذا سوائے اسکے کوئی علاج نہین ہے کہ 'ایک سوسائٹی صحیح اصول پر ایسی قائم کیجائے جو عملاً ایک اسلامی برادری قائم کرے'۔"

اس مین شک نہین کہ مسلمان بہت ہی دیر مین اپنی نفع نقصان کو محسوس کرتے ہین وسیع النظر اصحاب سے یہ امر پوشیدہ نہین کہ بہت سے قومی و ملکی معاملات مین مسلمان بہت ہی دیر مین چونکے ۔ اور اپنی اس غفلت کا بہت ہی بڑا خمیازہ اُٹھایا جسکی تلافی کے لیے بہت ہی زمانہ درکار ہوگا ۔ اور اگر سچ پوچھیے تو کبھی اُسکی تلافی ہو بھی نہین سکتی ۔ کیونکہ تکمیل ناقص ہو چکنے کے بعد اصلاح ناممکن سی ہو جاتی ہے ۔

ارشد تھانوی

خبرین

صوبجات متحدہ کے لیے عموماً اور خطہ بلگرام کے لیے خصوصاً شمس العلما ڈاکٹر سید علی بلگرامی کی ذات اپنے مراتب علمی اور منزلت ادبی کی وجہ سے جس قدر مایۂ ناز اور موجب افتخار تھی اُسی نسبت سے آپ کی وفات حسرت آیات یہان کے لوگون کے لیے رنج وغم کا سبب ہوئی حقیقت یہ ہے کہ مرحوم اپنی فضیلت علمی کی وجہ سے علی العموم اور السنۂ مختلفہ وکثیرہ مین درک رکھنے کی وجہ سے علی الخصوص ایک ایسی خصوصیت کے مظہر تھے جو کم سے کم موجودہ ہندوستان مین تو ضرور شان یکتائی رکھتی تھی ۔ مرحوم کے سوانح زندگی اردو اخبارات کے ذریعہ سے اس درجہ شہرت پذیر ہو چکے ہین کہ یہان اعادہ کی ضرورت نہین پس ہم مرحوم کے پسماندگان کی خدمت مین دلی ہمدردی کے اظہار پر اکتفا کرتے ہین ۔

۲۴ - اپریل کو نیو یارک کے ایک مشہور کتب خانہ کا نیلام شروع ہوا یہان انجیل کا وہ نسخہ بھی موجود تھا جو مسٹر ہو مالک کتب خانہ نے بمقام لندن چار ہزار پاونڈ مین خرید کیا تھا ۔ اس روز کے نیلام مین یہی نسخہ دس ہزار پاونڈ پر فروخت ہوا ۔ یون تو یورپ و امریکہ کے باشندے قدیم کتابون کتبون اور تصویرون کو بڑی بڑی قیمتون پر خریدنے کے لیے مشہور ہین لیکن جس قیمت پر یہ نسخہ فروخت ہوا ہے آجتک کوئی کتاب نہین بکی اور اس وجہ سے مسٹر ہنٹنگٹن جنھون نے یہ نسخہ حاصل کیا ہے گویا دنیا بھر مین سب سے زیادہ قیمتی کتاب کے مالک ہونے کی عزت رکھتے ہین

اتفاق سے مشتہر ہونے جن صاحب سے یہ نسخہ خرید کیا تھا وہ بھی نیلام مین موجود تھے۔ اس روز کے نیلام مین جس قدر کتابین فروخت ہوئین اونکی مجموعی قیمت ۲۶۹۷۳ پاؤنڈ تھی جسمین سے ایک کتاب ۲۴۰۰ پاؤنڈ پر اور دوسری ۱۱۰۰ پاؤنڈ پر بہوئی۔ خوش نصیب ہین اس ملک کے باشندے جہان علم کی قدر و منزلت کی یہ حالت ہے۔ اور باقبال ہے وہ قوم جسکے شوق علم کی یہ حقیقت ہو۔

برٹش موزیم مین مطبوعات مشرقی کا جو محکمہ ہے اُسکے منتظمین کو حال ہی مین دیوان حافظؒ کا ایک نہایت ہی نادر نسخہ ہاتھ لگ گیا ہے۔ اس بیش بہا نسخہ مین ۲۰۸ اوراق اور ۱۰ تصاویر ہین جن مین سے سات عہد اکبری کی وضع مین اور ایک قدیم ایرانی طرز کی ہی۔ کتابت کا زمانہ تحریر سنہ ۱۰۱۰ھ ہے۔ ان تصاویر سے اکثر اُن واقعات پر روشنی پڑتی ہی جنکو شاعر ذی کمال فصاحت اشعار مین نظم کیا ہے اور دلاویزی۔ سبکدستی اور خوشنمائی کی جتنی خوبیان اعلی درجہ کی تصاویر مین ہونا چاہیئے وہ سب انمین موجود ہین۔ اس سے قبل اسی محکمہ نے نظامی کے پنج نگارین کا ایک نسخہ خرید کیا تھا جس مین اکثر تصاویر مشہور مصور بہزاد کے ہاتھ کی بنائی ہوئی تھین۔ اس مین وہ تصویر خاص طور پر قابل تذکرہ ہے جسمین مصور کا عنقاے خیال اسقدر بلند ہونچا ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کی تصویر کھینچ لایا۔ یہ کتاب شاہان مغلیہ کے کتب خانہ مین تھی اور اوسپر شاہ جہان کے دستخط ثبت ہین۔

ناظرین الناظر یقیناً یہ معلوم کرکے خوش ہون گے کہ برطانیہ اعظم کی روائل ایشیاٹک سوسائٹی نے جو مشرقی علوم کی سرپرستی کرنے کی وجہ سے ہماری خاص شکریہ کی مستحق ہو حال ہی مین الناظر کے پروپرائٹر اور ہمارے واجب الاحترام بزرگ جناب منشی سخاوت علی صاحب کو اپنا رکن بنا کر اُنکی اس علمی ذوق و شوق کی قدر افزائی کی ہے جو ہر ہر قدم پر الناظر کے لیے شمع طریقت ثابت ہوا ہے۔

نشان تجارت

ڈاکٹر لارلور
کا
فاسفوڈائن

تجربہ



دماغی کمزوری، فالج، کمخوابی، ڈراؤنے خواب دیکھنا، قوٰے کا قبل از وقت انحطاط نظام جسمانی کی وہ تمام بدنظمی اور عوارض جو قوت نامیہ کے کم ہو جانیسے لاحق ہوں، ان امراض کے بیخطر اور قابل اعتماد علاج ہیں اس دوا نے چالیس برس سے زیادہ اپنی عام شہرت قائم کرلی ہے۔

فاسفورس کے اس مرکب سے عصبی کمزوری اور اسی ذیل کی دوسری بیماریوں میں فوری اور مستقل نفع ہوتا ہے اور تمام فاسد خیالات اور علامات تکلیف حیرت انگیز سرعت سے دور ہو جاتے ہیں،

سے بالکل خلاف تقویت اور تسکین پیدا ہو جاتی ہے، ہاضمہ میں قوت آجاتی ہے بھوک بڑھجاتی اور قبض رفع ہو جاتا ہے نیند آرام سے آتی اور فرحت بخش ہوتی ہے چہرہ بھر جاتا ہے، لب سرخ آنکھیں روشن اور جلد صاف اور صحت مند ہو جاتی ہے بالوں میں مضبوطی آجاتی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اعضائے تغذیہ پر کیسا عظیم اثر کرتی ہے۔

دنیا کے تمام حصوں کے باشندوں اور فن طبابت کے اعلیٰ ماہروں کی ہزارہا مستند شہادتوں سے یہ عالمگیر

خبردار!

"فاسفوڈائن" کا نام قانون ٹریڈمارک کے مطابق محفوظ کر لیا گیا ہے۔ اس لیے اسکی نقل ورنگ میں یا کسی دوسری حیثیت سے فروخت کرنیوالونسے عدالتی چارہ جوئی کیجائیگی اس قسم اور نام کی صرف یہی ایک دوا ہے جسکو کلکتہ کی نمائش واقع ۱۹۰۳-۱۹۰۲ء میں اعلیٰ سند ملی تھی

اسکی قوت بخش تاثیرات پہلے ہی روز استعمال کرنے سے ظاہر ہو جاتی ہیں، عصبی اور دماغی قوتوں میں زیادتی کے ساتھ ہی مریض کے دل میں حارت

فیصلہ بخوبی ہو گیا ہے، کہ سائنس کی تحقیقاتی دنیا میں فاسفورس کے کسی دوسرے مرکب کو ایسی ثنا وصفت اور معززین کی قدردانی نصیب نہیں ہوئی

ہندوستان بھر کے دواساز اور ادویہ فروش بحساب فی بوتل (خورد) ۴ (کلاں) ۸ فروخت کرتے ہیں۔

صرف ڈاکٹر لارلور کی

فاسفوڈائن لیبوریٹری، ہیمپ اسٹینڈ۔ لندن، انگلستان میں بنایا جاتا ہے

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس کے برمن کی بنائی ہوئی فصلی بخار اور تلی کی دوا

یہ دوا پچیس برس سے ہندوستان میں استعمال کیجاتی ہے، اگر آپ بخار میں مبتلا ہوں اور سب قسم کے علاج کرکے تھک گئے ہوں تو اس مجرب دوا کو ایک مرتبہ منگا کر ضرور استعمال کیجئے، اس دوا میں چند فائدے لاجواب ہیں۔ یہ ملیریا کے کیڑوں کو مار دیتی ہے اسلیے اس کی چار پانچ خوراک پیتے ہی بخار آنا بند ہو جاتا ہے اور یہ خون کو گاڑھا کرتی اور اس کی خرابیوں کو مٹاتی ہے اور تلی کو گلاتی ہے۔

قیمت - بڑی شیشی چودہ آنہ ۱۴؍ محصول ڈاک ۸؍ دو شیشی تک آٹھ آنہ ۸؍

قیمت - چھوٹی شیشی آٹھ آنہ ۸؍ محصول ڈاک ۵؍ دو شیشی تک چھ آنہ ۶؍

جناب ہمن راج گوپال بھاٹے ہیڈ ماسٹر مرہٹی اسکول ہیلا گاؤں کالیا برار سے لکھتے ہیں کہ آپ کی بخار کی دوا میں اپنے دوستوں اور طالب علموں کو دو برس سے دے رہا ہوں بڑی خوشی کی بات ہے کہ کہیں بھی ناکامیاب نہیں ہوئی اس کی یہی عجب خیز صفت ہے۔ مفصلات کے غریب آدمیوں کیلئے آپنے گویا آب حیات بنایا ہے

جناب پنڈت شیام لال ہیڈ ماسٹر اسکول ہندور ضلع باندہ سے لکھتے ہیں، چار شیشی جو آپ کی بھیجی [illegible] آئی اس [illegible] مریض اچھے ہوئے۔

جناب بابو [illegible] اسٹیشن ماسٹر [illegible] ضلع گڈھ سے لکھتے ہیں کہ آپ کی دوا سے بہت فائدہ ہوا۔

جناب بلدیو پرشاد مدرس کتاسی ضلع فرخ آباد [illegible] لکھتے ہیں دو شیشی تاپ تلی کی آپ کے یہاں سے منگوائی تھیں اس سے دونوں مریض اچھے ہو گئے جو قریب المرگ [illegible] دوا نے جان بچائی، آپ کو مریض دعا دیتے ہیں۔

جناب شیو پرشاد ہیڈ ماسٹر [illegible] نگر اسکول سے لکھتے ہیں بخار جاڑے کی دوا جو میں نے منگوائی اپنے مریض کو جو تین مہینے سے مبتلا تھے دی، تین خوراک دوا کھانے سے [illegible] آیا اور سات خوراک میں مریض مرض سے نجات پا گئے، اس میں شک نہیں کہ یہ دوا بخار کے دفع کرنے میں قابل [illegible] ہے، آپ ایسی نیکی کرنیوالے کا از بسکہ شکر گزار ہوں۔

جناب کالی رام مند برہمن بھرون ضلع مندسور [illegible] فصلی بخار کی دوا بھیجی بہت فائدہ مند ہے ہم کہاں تک تعریف کریں۔

جناب رام پرشاد انسپکٹر [illegible] سے لکھتے ہیں [illegible] کرتا ہوں کہ میرا دو سال کا چھوٹا بچہ بخار تھا [illegible]

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵-۶ تارا چند رد اسٹریٹ کلکتہ

اپنے الناظر پریس میں منشی سخاوت علی سکرٹری ندوۃ العلما نے چھپوایا اور شایع کیا

الناظر

نمبر ۲۵ — یکم جولائی سنہ ۱۹۱۱ء — جلد ۵

فہرست مضامین

ایڈیٹر — ظفر الملک علوی

دفتر رسالہ الناظر فلاور ملز لکھنؤ سے شائع ہوا

الناظر

نمبر ۲۵ جلد ۵ یکم جولائی ۱۹۱۱ء

مجوّزہ محمّڈن یونیورسٹی

پر

ایک فلسفانہ نظر

ہر شے دنیا میں تدریجاً ترقی پذیر ہوتی ہے، اور وہ اصول جسکی پابندی انفرادی حیثیت سے موجودات عالم کو دوران ترقی میں کرنا پڑتی ہے، اصطلاح فلسفہ میں قانون ارتقاء کے نام سے موسوم ہے۔ اس مسئلہ کا انکشاف چارلس ڈارون[1] نے

[1] چارلس ڈارون۔ انگلستان میں ایک بہت بڑا نیچرلسٹ گزرا ہے۔ سائنس دان طبقہ کی بڑی عزت کرتا تھا۔ نہایت ہی مستقل مزاج اور محنتی تھا۔ علم الحیات (بیالوجی) کی ایک شاخ پر اس کی کتاب موسومہ "آرجن آف اسپیشیز" ایک معرکۃ الآرا رسالہ ہے۔ سنہ ۱۸۰۹ء میں پیدا ہوا اور سنہ ۱۸۸۲ء میں وفات پائی۔

ابھی تمام عمر صرف کرکے کیا ہے اور اب یہ مسئلہ سائنٹفک دنیا میں ایسا مقبول ہوگیا ہے کہ فلسفہ کے موجودہ سکولوں میں قریب قریب سب نے تھوڑی بہت ترمیم کے بعد اسکو تسلیم کرلیا ہے۔

قانون ارتقاء کی تیز روشنی ڈالنے سے محمڈن یونیورسٹی کے زیر بحث مسئلہ کا ہر جزو بجوبی منور نظر آتا ہے۔ ابتدائً موجودہ تحریک کی جھلک کا وجود ہم سوائے سید اعظم اور انکے چند متبرک معاصرین کے ذہنوں کے اور کہیں نہیں پاتے مگر رفتہ رفتہ یہ وجود ذہنی، ایک محدود حالت میں، اپنے خارجی وجود کے آثار مرتب کرتا ہے اور اب ہم اس ظنی وجود کا ایک ذی مقابل مشاہدہ کرنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد شمع ارتقاء کی برقی روشنی میں، ہم کو صاف صاف یہ مادی وجود آہستہ آہستہ ترقی کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے، یہانتک کہ وہ اپنے گرد و پیش ان تشخصات ظاہری کا کافی ذخیرہ اکھٹا کرلیتا ہے جن کی مدد سے ہم ایک نظر میں اسکا ادراک کرلیتے ہیں اور بآسانی قیاس کرسکتے ہیں کہ وہ شے کیا ہے اور کیا ہونیوالی ہے۔

یا صاف لفظوں میں یوں کہیئے کہ پہلے صرف سر سید کو ایک اسلامی درس گاہ قائم کرنیکا خیال پیدا ہوتا ہے اور یہ خیال قانون ارتقاء سے متاثر ہو کر مادی صورت اختیار کرلیتا ہے یعنی واقعتاً ایک مدرسہ قائم ہوجاتا ہے۔ شاید روزگار چرخ کبھی نچلا نہیں بیٹھا، اسکو اس حالت میں ٹھہرنے نہیں دیتا۔ بلکہ ٹھوکے دے دے کر آگے بڑھاتا ہے اور ہم برائے العین مشاہدہ کرتے ہیں کہ پہلے آرٹس کلاسز کھلتے ہیں پھر سائنس کی تعلیم کا بھی انتظام ہوجاتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ درس گاہ ایک معقول رزیڈنشل کالج کی صورت اختیار کرلیتی ہے۔ ارتقاء اسی پر بس نہیں کرتا بلکہ موجودہ کالج کو یونیورسٹی بنادینے کے لیے بزرگان قوم کے قلوب میں اسکیم پر اسکیم پیدا کرتا ہے، اور ہم عنقریب دیکھنے والے ہیں کہ یہ تجویز قانون نما سے

مشاہدہ ہو کر بہت جلد ایک مادی شکل اختیار کیے لیتی ہے۔
تسبیح خیال کو متخیلہ کی متبرک انگلیاں؛ یہاں تک گردش دے ہی چکی ہیں کہ اُس کی ذکی الحس جنبش میں ہمارے سوالات کی تین بیش بہا کھڑکیاں آجاتی ہیں یعنی سلسلۂ خیالات یہاں پہونچکر ہمارے سامنے تین ایسے نادر سوالات پیش کرتا ہے جو بازار فلسفہ[1] میں انمول ہیں۔ وہ سوالات یہ ہیں:۔

(۱) کیا موجودہ حالت کے بعد ترقی کا جائز درجہ علی گڑھ کالج کا یونیورسٹی ہو جانا ہے؟ درمیان میں ترقی کا کوئی درجہ حائل نہیں؟۔

(۲) کیا کالج نے اتنی قابلیت پیدا کر لی ہے جس کا لازمی نتیجہ اسکو یونیورسٹی کے درجہ پر پہونچا دینا ہو؟۔

(۳) کیا ہمارا یہ حکم کہ علی گڈھ کالج سات آٹھ مہینہ کے اندر یونیورسٹی بنکر رہے گا۔ معیار منطق پر کسکر کھرا اُترتا ہے؟

متذکرہ بالا سوالات کے جوابوں کے ماخذ دو ہیں، مشاہدہ اور اصول منطق استقرا[2]۔

بیشک ہم تیسرے سوال کا جواب، قوانین علت کی مدد سے بخوبی دیکھتے ہیں۔ ہم ان قوانین کے ذریعہ سے متقدم و متاخر اشیاء کے درمیان علاقہ سببیت با قاعدہ ٹٹول سکتے ہیں، تقدم و تاخر محض اور علاقہ سببیت میں امتیاز کرسکتے ہیں اور دو چیزوں

[1] فلسفہ، سے ہماری مراد صرف مسئلہ زیر بحث کا فلسفہ ہے،

[2] منطق استقرا، کا مدون اول جان اسٹیو آرٹ مل نامی، ایک مشہور انگریزی فلاسفر ہے۔ جہانتک ہمکو معلوم ہے عربی میں (حالانکہ عربی بلحاظ دیگر زبانوں کے فلسفہ کا کافی ذخیرہ رکھنے میں زیادہ خوش قسمت ہے) کوئی مستقل کتاب اس فن پر ابھی تک موجود نہیں ہے۔ چنانچہ منطق استقرا، "انڈکٹو لاجک" کا جدید ترجمہ عربی میں، جہانتک ہم کو معلوم ہوا ہے، منطق قیاسی، یا "ڈیڈکٹو لاجک" پر کتابیں ہیں جس کا مدون اول ارسطاطالیس (ارسطو) تھا۔

کی تقدیم وتاخیر میں سلسلۂ علت ومعلول کا وجود گزیں ہونا اور نہ ہونا معلوم کرسکتے ہیں ہم ان قواعد کی مدد سے اثر کو دیکھکر موثر کی بابت معلول کا مشاہدہ کرکے علت کے متعلق نہایت ہی وثوق کے ساتھ پیشین گوئی کرسکتے ہیں۔ اور ہم وجودِ سبب و علت سے وجودِ مسبب ومعلول پر بھی یقین کے ساتھ استدلال کرسکتے ہیں۔ اس استدلال کو اصطلاح منطق میں استدلال لمی اور اول الذکر کو استدلال انی کہتے ہیں اگر واقعی ہم کو ایسا حساب معلوم ہے جس کی مدد سے اسباب کو دیکھکر بتاسکیں کہ اسکا کیا سبب ہوگا۔ موثر کو دیکھکر بتاسکیں کہ اسکا کیا اثر ہوگا: اگر استدلال لمی کا حقیقت میں وجود ہے اور اس کے قوانین ایسے ہیں جن کے تتبع سے ہم ایسی پیشین گوئیاں کرسکیں تو موجودہ اسباب دیکھکر یہ حکم لگادینا کہ یونیورسٹی قائم ہوجائے گی یا یہ کہ نہیں ہوگی کیا بڑی بات ہے؟

گر قبل اسکے کہ ہم اِن قوانینِ منطق کا باضابطہ استعال کریں ہمارے سامنے ذیل کے مسائل بخوبی منقح ہوجانا چاہیے۔

(۱) مجوزہ محمڈن یونیورسٹی کی ماہیت کیا ہے؟

(۲) وہ اسباب کیا ہیں جن کے مجتمع ہوجانے سے محمڈن یونیورسٹی قائم ہوجائیگی؟

(۳) کیا وہ سب اسباب جمع ہوگئے ہیں؟

مسئلہ اول۔ مجوزہ محمڈن یونیورسٹی کی ماہیت کیا ہے؟

واضح ہو کہ ہر شے کی ماہیت دو اجزا سے ملکر بنتی ہے: ایک جزء عام اور دوسرا جزء مخصص جزء عام کو منطق کی اصطلاح میں جنس (جنیس) اور جزء مخصص کو فصل (ڈفرنشیا) کہتے ہیں۔

چنانچہ ہم جب انسان کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ "انسان حیوانِ ناطق" ہے تو حیوان ناطق انسان کی کل ماہیت ہے یہ دو اجزا "حیوان" اور "ناطق"

سے مرکب ہے جس میں سے "حیوان" جزو عام ہے کہ کتّے، بلّی، ہاتھی سب ہی ذی روح جس میں یہ مادہ آ جاتا ہے اور "ناطق" جزو مختص ہے جس کی قید نے حیوان کی تعمیم کو باطل کر دیا ہے "حیوان ناطق" اور "انسان" ایک ہی فرد پر دلالت کرتے ہیں: خواہ ہم "حیوان ناطق" کہیں یا لفظ "انسان" بولیں دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے۔ اس کو ذہنیت مساوی کہتے ہیں۔

تو کسی شے کی ماہیت بتانے یا کسی وجود کی تعریف کامل کرنے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہ دو چیزیں "جنس" اور "فصل" ہیں۔ چنانچہ مجوزہ محمڈن یونیورسٹی کی ماہیت کا صحیح تصور حاصل کرنے کے لیے اس کی جنس اور اس کا فصل معلوم ہونا چاہیے۔

سوال۔ محمڈن یونیورسٹی کی جنس کیا ہے؟

جواب۔ محمڈن یونیورسٹی کی جنس ظاہر ہے کہ "یونیورسٹی" ہے مگر یونیورسٹی تشریح طلب لفظ ہے۔ ہم اس کی تشریح آنریبل صاحبزادہ آفتاب احمد خاں کے لفظوں میں یوں کرتے ہیں:—

"یونیورسٹیوں سے مراد علما اور پروفیسروں کی وہ جماعت ہے جو اعلیٰ علوم کی تعلیم دینے امتحان لینے اور اسناد دینے کے لیے گورنمنٹ کی طرف سے مجاز ہو۔ اور جو ان مقاصد کے لیے باقاعدہ قائم ہو۔ یونیورسٹی کے لیے یہ لازمی نہیں ہے کہ اس میں متعدد کالج شامل ہوں بلکہ اس کا اصل اصول یہ ہے کہ لائق ترین علما ایک جگہ جمع ہو کر علم کی ہر ایک شاخ کو خود مطالعہ کر کے علم کے حدود بڑھانے میں اپنی قابلیتوں کو صرف کریں اور اپنی مثال اور تعلیم اور صحبت سے طلبہ کو نہ صرف علوم سکھائیں بلکہ انہیں علمی مذاق اور علمی ترقی کا حوصلہ پیدا کریں[1]۔"

[1] رسالہ کانفرنس متعلق مجوزہ محمڈن یونیورسٹی صفحہ ۵۔ اس رسالہ کو تصنیف کر کے جناب آنریبل صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب نے حقیقتاً قوم پر بڑا احسان کیا ہے جس کو یونیورسٹی کے اغراض و مقاصد معلوم کرنا ہوں وہ اس رسالہ کو پڑھے۔ ہمارے موجودہ مضمون کا سنگ بنیاد یہی رسالہ ہے جس کے لیے ہم تہ دل سے مشکور ہیں۔

اب دوسرا سوال یہ پیش ہوتا ہے کہ وہ کونسی شے ہے جو محمڈن یونیورسٹی اور عام یونیورسٹیوں کے درمیان "مابہ الامتیاز" ہے؟ اسی مابہ الامتیاز کو اصطلاح منطق میں فصل کہتے ہیں۔

فصل مطلوب یہ ہے :۔

"ایسی (یونیورسٹی) جو مسلمانوں کی موجودہ ضروریات کو پورا کرے — اور جس کا اصل اصول قوم مسلمانان کی ترقی ہو! مگر اس کے ساتھ ہی اسکا دروازہ غیر اقوام کی تعلیم کے لیے بند نہو"

متذکرہ صدر جنس اور فصل جمع کر دینے سے محمڈن یونیورسٹی کی تعریف ذیل کی مفصل شکل اختیار کر لیتی ہے :۔

"محمڈن یونیورسٹی ایک جماعت ہے (ہوگی) علما و فضلا کی جو اعلیٰ علوم کی تعلیم مسلمان بچوں کو (بالخصوص) قوم کی ضروریات ملحوظ رکھکر دیتی ہے (دیگی) یہ جماعت طلبہ کو صرف علوم ہی نہیں سکھاتی ہے (سکھائیگی) بلکہ اُن میں علمی مذاق اور علمی ترقی کا حوصلہ بھی پیدا کرتی ہے (پیدا کریگی) اس یونیورسٹی کا مقصود، قوم کی زندگی اور ترقی، جاہ اور ثروت، ہے (ہوگا)۔"

اس تعریف میں طوالت کا نقص ضرور پیدا ہو گیا! مگر ہماری موجودہ ضرورت کا لحاظ رکھتے ہوئے، یہ ایک حد تک ناگزیر بھی تھا۔ اب چونکہ ناظرین کو محمڈن یونیورسٹی کا تصور (کنسیپشن) غالباً صحیح حاصل ہو گیا ہے، لہذا ہم یونیورسٹی ہذا کی یہ مختصر تعریف کیے دیتے ہیں :۔

"محمڈن یونیورسٹی ایک یونیورسٹی ہے (یعنی جس میں سب خصوصیات ہیں جو ایک یونیورسٹی میں ہونا چاہیئے) مع شے زائد: قومی ضروریات کے مطابق

مسلمانوں کی تعلیم۔

یا اگر اس تعریف کا بھی عطر کھینچیں، تو یوں کہہ سکتے ہیں۔

"محمڈن یونیورسٹی ہم کو، ہماری قومی ضروریات سے بے نیاز بنا دینے والا دار العلوم ہے۔"

اب سوال یہ ہے کہ آخر ہماری قومی ضروریات ہیں کیا؟

اسکا تفصیلی جواب، چونکہ ہمارے شاہراہ مقصود سے علیحدہ ہوگا، لہذا ہم ذیل میں اُن کا اجمالی خاکہ درج کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔[1]

(۱) ہماری مذہبی تعلیم،

(۲) ہماری تربیت،

(۳) علوم جدیدہ اور قدیمہ کی تحصیل،

(۴) نفاقِ باہمی کا انسداد،

(۵) موجودہ پولٹیکل غلط فہمیوں کی تصحیح اور آیندہ کے لیے سد باب اور روک تھام،

یہاں تک مسئلہ اول سے بحث کی گئی۔ اب دوسرے مسئلہ پر تحقیقی نظر ڈال کر دیکھنا چاہیے کہ محمڈن یونیورسٹی کے وجود میں لانے کے لیے کن اسباب کی ضرورت ہے

مسئلہ دوم۔ وہ اسباب کیا ہیں جن کے اجتماع سے محمڈن یونیورسٹی قائم ہو جائے گی، ان اسباب کی بلحاظ اپنی نوعیت کے تین قسمیں ہیں:۔

(۱) ذاتی محض،

(۲) ذاتی نسبت غیری

(۳) غیری محض،

[1] ان ضروریات کا ذکر نہایت بسط و خوبی کے ساتھ رسالہ کانفرنس میں درج ہے تفصیل کے لیے رسالہ مذکور ملاحظہ ہو +

صنف اول میں، ہم اُن اسباب کا شمار کرتے ہیں جو علیگڑھ کالج کی ذات تک محدود ہیں، اور جو کالج کی ذاتی قابلیت میں مضمر ہیں۔ - ان ہی اسباب کو، حقیقت میں، نفس مسئلہ سے براہ راست خاص تعلق ہے اور یہی ایسی علل ہیں جو کہ دنیا ہمارے قبضہ قدرت میں ہیں؛ اگرچہ ایک حد تک اِن میں سے بعض کا انحصار جزئیاً اور بعض کا کلیتاً، موجودہ حالت میں، صنف دوم کے بعض اسباب کے خصائل و اثرات پر ہے: اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

صنف دوم میں، ہم اُن اسباب کو شمار کرتے ہیں، جن کا تعلق براہ راست عام مسلم پبلک سے ہے۔ - اور چونکہ پبلک مذکور کا ہر متنفس انفرادی حیثیت سے اُس کل کا ایک جزو ہے، اس بنا پر ہم اُن اسباب کو جو اس پبلک سے متعلق ہیں، ذاتی، مگر چونکہ اس کا ہر فرد، دوسرے کو اپنا ہم آہنگ لازمی طور سے نہیں بنا سکتا اس لحاظ سے "غیری" بھی کہتے ہیں - اور اس جہت سے ہم زیر بحث صنف کی علل کو "ذاتی بہ نسبت غیری" کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

صنف سوم میں ہم اُن اسباب کا شمار کرتے ہیں، جو براہ راست ہماری گورنمنٹ عالیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

سلہ لفظ "ہمارے" میں یہاں پر تھوڑا سا ابہام پیدا ہو گیا ہے - لہذا ذیل میں اس کی تشریح کی جاتی ہے لفظ "ہمارے" بجائے اسکے کہ کل پبلک پر دلالت کرتا، پبلک کے صرف اُس حصہ پر دلالت کرتا ہے جسکو کالج سے براہ راست تعلق ہے، اور جس کا ہر جزو فرداً فرداً اپنی حیثیت کے موافق کالج کا حامی و مددگار رہے لہذا رشتہ خیال کو سلجھا رکھنے اور کسی طرح کی غلط فہمی نہ پیدا ہونے دینے کے خیال سے ہم پبلک کے اس خاص ٹکڑے کو باقی ماندہ پبلک کے حصہ سے بالکل جدا اور بہ ذات خود ایک مستقل شے تصور کرتے ہیں - ہم اپنی اس آزادی کی (جو پیچیدگی خیال کو رفع کرنے کے لیے از حد ضروری تھی) عام پبلک سے بصد ادب معافی چاہتے ہیں -

یہ نکتہ ملحوظ خاطر رہنا چاہیئے، کہ اسباب متذکرۂ بالا کی بنیاد تقسیم اس امر پر ہے کہ اُن میں سے ہر علت اپنی تاثیر مخصوصہ سے، کالج کو یونیورسٹی کے درجہ تک پہونچانے میں مدد دیتی ہے؛ ان علل میں مشترکہ خاصیت یہی ہے، کہ ہر ایک انہیں سے اپنی قابلیت کے موافق ہم کو ہمارے مقصود کے قریب پہونچانے میں مدد دیتی ہے۔ اور جب کبھی یہ علل جمع ہو جائیں گی، حسب نخواہ یونیورسٹی کی بنیاد۔ خواہ مخواہ فوراً پڑ جائیگی۔

ہم سب سے پہلے صنف دوم کے اسباب پر بحث کرینگے نہ صرف اسوجہ سے کہ بلحاظ اہمیت کے، اُن کو غور وفکر کی صف اول میں جگہ ملنا چاہیے۔ بلکہ اسوجہ سے بھی کہ صنف اسباب مذکورہ کی فلاسفی اور باہمی ربط وتعلق کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیئے صنف دوم کے اسباب کے ذکر مین سبقت ناگزیر ہے۔

اب سوال یہ ہے، کہ صنف دوم کے اسباب کیا ہیں، اور اُنکی تفصیل کیا ہے؛

جواب:۔ قوم کی جمہورانہ امداد اور اُسکی مختلف اشکال جن کی تفصیل یہ ہے:۔

"قوم کے رؤسا لاکھوں اور ہزاروں عطا کرنے سے۔ اکابر اور سربرآوردہ صحاب ہزاروں اور سینکڑوں کی مدد سے۔ دیگر طبقوں کے اصحاب سینکڑوں یا جسقدر استطاعت ہو اسقدر عنایت فرمانے سے۔ ٹرسٹیاں کالج اولڈ بوائز مسلمان بیرسٹران ووکلا، تجار اور ملازمان سرکاری ودیگر رئیسہا ایک ایک ماہ کی مدنی کے دینے سے۔ علما بذریعہ وعظ اہل قلم بشکل مضامین شعرا اپنے زور طبیعت سے اس کام میں اعانت فرماسکتے ہیں۔ اب وقت ہے کہ مساجد میں وعظ یونیورسٹی کی تائید میں ہوں۔ اخبارات کے کالم اسی مضمون سے بھرے ہوں۔ مشاعروں میں طرحیں یہی ہوں جلسوں میں تذکرے یہی ہوں اور گھروں میں یہی چرچے ہوں۔ غرضکہ آیندہ دس ماہ میں (۹) ہندوستان

سلہ۔ اب صرف چھ مہینہ کا قلیل زمانہ باقی رہ گیا ہے۔

کی اسلامی دنیا میں سب کا نصب العین یونیورسٹی اور سب کا مقصد اُسکی تکمیل ہو" سلہ

مگر پبلک کے ہر فرد سے، جیسا اوپر ذکر کیا گیا ہے، اس کی قابلیت و حیثیت کے موافق کام کرانے کے لیے حسب ذیل شرائط کی ضرورت ہے:-

(۱) استقرارِ جوش و حمیت،

(۲) استمرارِ جوش و حمیت،

(۳) ازدیادِ جوش و حمیت،

استقرار جوش و حمیت کے بارے میں، تجربہ اور مشاہدہ ہمکو اثبات میں جواب دیتا ہے: بزرگان قوم کی حمیت بخش اور جوش آفریں تحریکات، قوم کے قلوب کو متحرک کر دینے میں، قریب قریب کامیاب ثابت ہوئی ہیں - اب! تمھارا کام یہ ہے کہ اس جوش و حمیت کی آگ کو سرد نہ ہونے دو، بلکہ زبانِ قلم اور زبان دہن کے پنکھوں سے، قومی فوائد کی تلقین کا ایندھن ڈال کر اس آتش حب قوم میں اور سوز پیدا کرتے رہو!!

حقیقت یہ ہے، کہ مسلمانوں کو اپنا مذہب بڑا پیارا ہے، اور جس شے میں مذہب جلوہ آرا ہوتا ہے، وہ شے بھی "لا آف ایسوسیئیشن" کے بموجب اُن کو مرغوب اور عزیز ہو جاتی ہے - چنانچہ مذہبی تعلیم ہی، مجوزہ محمڈن یونیورسٹی کا ایک ایسا چمکدار اور خوش رنگ عنصر تھا، جس نے آن واحد میں، مسلمان پبلک کے قلوب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا - اب تجویز سے، پبلک کے جذبات متاثر ہو گئے ہیں اور یہی! ایسے

سلہ "رسالہ کانفرنس"، صفحہ ۶۴-

سلہ - قانون ایمائیہ - گلاب کا پھول دیکھنے سے کسی باغ کا یاد آ جانا۔ سائیکالوجی (علم النفس والقویٰ) میں اسی قانون کے تابع ہے -

موقعوں پر بہترین آثار کامیابی کے تصور کیے جاتے ہیں۔ ذرا سی ٹھیس، وجدانی کیفیت پیدا کر دیگی اور "محمڈن یونیورسٹی"! "محمڈن یونیورسٹی"! کے جوش آمیز نعرے مسلمانوں کی زبان و دل سے نکلنے لگیں گے۔

درحقیقت، فی زماننا، ہماری سوسائٹی میں ایسے لوگ بہت کم ہیں جو ٹھنڈے دل سے منطقی توجیہات اور فلسفانہ حجتیں سننے کی تاب لا سکیں، اور انکو اپنی طرفداری یا مخالفت کا معیار قرار دیں۔ برخلاف اس کے ہماری جمہور سوسائٹی، شاعرانہ خطابات سنکر بہت جلد اُس کام کے انجام دینے پر کمر ہمت باندھ لیتی ہے، جس کی طرف مقرر اُسکو دعوت دیتا ہو۔

اس اصول کے مطابق، ہمارے مقرروں کو چاہیے کہ جا بجا شہر بہ شہر، دیار بہ دیار، محلہ بہ محلہ، تقریریں کریں، عوام الناس کو یونیورسٹی کے اغراض و مقاصد، فوائد و منافع سمجھائیں، اُنکو بکمال وضاحت یہ امر سمجھا دیں کہ اس قلیل چندہ کے بالعوض جو وہ عنایت کر رہے ہیں، قومی بہبودی کا خزانہ، جن سے وہ خود بھی مستفیض ہونگے، مفت مل رہا ہے۔ انکو چاہیے کہ اس "اقبال بخش" موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیں، اور کروڑہا گنا معاوضہ حاصل کرلیں۔ واضح ہو کہ کوئی شخص اپنے دام اُس وقت تک خوشی سے خرچ نہیں کرتا جبتک کہ اُسے تسکین بخش معاوضہ ملنے کی امید نہو۔ ہمارے مقرروں کو چاہیے کہ قوم میں جوش پھیلائیں، قومی حمیت کو تحریک دیں اور اُنکے ساتھ ساتھ ہمارے لائق مضمون نگار، دلل مضامین لکھیں، مبرہن پمفلٹ چھپوائیں جو صرف خشک مزاج منطقی صاحب ہی کے لیے مفید نہ ہوں بلکہ جو اپنے دلائل قاطع کے تیز نشتروں سے، دیگر اقوام کی متعصب آنکھوں کو قدح کر کے تعصب کا پانی نکال دیں اور جو اپنی براہین ساطع کے کحل الجواہر کو اُنکی آنکھوں میں لگا کر، حقیقت شے کو بخوبی روشن و آشکارا کردیں۔

بیشک استمرار و ازدیادِ جوش و حمیت کے لئے معقول مضامین کی اسلامی پرچوں میں بھرمار اور جست و متاثر تقریروں کی اسلامی انجمنوں میں بوچھاڑ ایک نہایت ہی ضروری شے ہے، اور اسکی اہمیت کو دیکھتے ہوئے، اس کے متعلق مزید بحث بیکار اور ناموزوں ہوگی - لہذا ذیل کی مثالوں سے انکا فرق باہمی ظاہر کرنا ناظرین کے لیے دلچسپی سے خالی نہوگا۔

مقصد یہ ہے کہ زید ..... سے باز آئے۔

ایک فلسفی اُس سے یوں تقریر کرتا ہے :-

ہر فعل نسبتاً اپنے فاعل کے لیے رنج یا راحت سے خالی نہیں ہوتا۔ (اسکو وہ ثابت کرتا ہے) یا تو کسی خاص کام کے کرنے سے ہمکو رنج پہونچے گا یا راحت۔ پس فطرت انسان اس کی مقتضی ہے کہ حصول راحت میں کوشاں ہو اور رنج آفریں اشیا سے احتراز کرے - مگر عقلمند کا کام یہ ہے کہ دانشمندی کی میزان میں تول کر دیکھ لے کہ اُس فعل کے کرنے سے ہمیں راحت زیادہ ملتی ہے یا رنج - اگر راحت کی مقدار زیادہ ہو تو اُس فعل کو اختیار کرے ورنہ نہ کرے۔ جب تمنے اس کبرے کو مان لیا تو اب تم سے صرف یہ صغریٰ اور تسلیم کرانا رہ گیا کہ ..... میں رنج کا پلہ زیادہ بھاری ہے۔ دیکھو وہ راحت جو اس فعل میں مضمر ہے محض وقتی اور ہنگامی ہے، مگر وہ رنج جو اُس کا جائز نتیجہ ہے دائمی اور وزن میں زیادہ بھاری ہے (اس کے ثابت کرنے میں وہ دیگر مقدمات ترتیب دیتا ہے) اب جب تمنے یہ صغرے بھی تسلیم کر لیا تو یہ نتیجہ خواہ مخواہ تمکو ماننا پڑے گا کہ ..... کا فعل اختیار کرنے سے تم خسارہ میں رہتے ہو اور اُس سے احتراز کرنا بہتر ہے لہذا ..... سے ذی عقل کو اجتناب لازم ہے۔

اس قسم کی نصیحتوں اور اسی نوعیت کے ناصحوں کی شکایت میں شاعروں کے دیوان کے دیوان بھرے پڑے ہیں۔

بھلا ہمارے زید صاحب کو ایسی مدلل و منطقانہ نصیحت کب تشفی دیتی۔ اُنکے نفس امارہ کی بھڑکتی ہوئی آگ، تو شاید مقرر کے خطابیات کے اِن چھینٹوں سے بجھے تو بجھے۔

زید! تم اس دارِفانی میں اسوقت تک عفت و عصمت مجسم کے نام سے پکارے جا سکتے ہو: تمہارے کیرکٹر کے صاف و شفاف سفید دامن میں آج تک ..... کا بدنما سیاہ داغ لگنے نہیں پایا ہے! کیا تم اسوقت اپنی تمام عمر کی محنت اکارت کیا چاہتے ہو؟ کیا تم نے سکرات موت، کو بالکل فراموش کر دیا؟! کیا آنحضرتؐ کی ہدایت کا اثر دل سے بالکل محو کر دیا؟!! زید! داورِ حقیقی کے سامنے، بروز قیامت کیا جواب دوگے؟ اگر دنیاوی سنگساری سے بچ بھی گئے تو کیا دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ، سانپ اور بچھوؤں کی ناگفتہ بہ صعوبتوں، اور فرشتوں کے گرزہائے آتشین کی ناقابل برداشت زدوکوب سے بھی بچ رہوگے؟!! ہرگز نہیں! ہرگز نہیں! اس جرم کی سزا یہی ہے کہ دوزخ کی ناقابل برداشت دائمی آگ میں ہمیشہ جلو، اور فرشتوں کے آہنی سُرخ گرزوں کی زدوکوب، ہر لمحہ اور ہر آن، ہمیشہ سہو!!!

متذکرہ بالا مثال سے بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے، کہ زوردار تقریریں ازدیاد جوش و حمیت کے لیے (جو حسبِ لخواہ کامیابی کے لوازمات سے ہیں) کیسی ضروری ہیں اور خصوصاً ایسے وقت میں، جیسا اوپر بیان کیا گیا! کہ تجویز نے جذبات کو تحریک دیکر قلوب میں رسوخ پیدا کر لیا ہو۔

تاریخ عالم پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فصحا کی دھواں دھار اسپیچیں، فلاسفروں کی بے مغز تحریروں سے ہمیشہ زیادہ سریع الاثر اور کامیاب ثابت ہوئی ہیں۔ دیکھو برک[51] کا ریٹیارک[52] اور شیریڈن[53] کی فصاحت، مل[54] اور اسپنسر[55] کے سنجیدہ اور مدلل مضامین سے

[51] انگلستان کا ایک مشہور فصیح۔ [illegible] میں پیدا ہوا [illegible] میں وفات پائی [52] خطابیات [53] انگلستان کا ایک مشہور ڈراما نگار اور مقرر [illegible] میں پیدا ہوا [illegible] میں وفات پائی [54] انگلستان کا ایک عظیم الشان فلاسفر [illegible] میں پیدا ہوا [illegible] میں وفات پائی۔ [55] انگلستان کا ایک فلاسفر

دقتی اثر پیدا کرنے میں، ہمیشہ گوئے سبقت لے گئی۔

ذاتی مثبت تعمیری اسباب کے فراہم کرنے اور اُن کی تاثیر کو زوردار بنا دینے کے لیے فی زماننا اسپیکروں کی سخت ضرورت ہے۔

صنفِ دوم کے اسباب کی بحث کے بعد اب صنفِ اول کے اسباب قابل الذکر ہیں۔ ابتدا میں ہمنے انکو اسوجہ سے قلم انداز کر دیا تھا کہ انکا فلسفہ ٹھیک ٹھیک سمجھنا، دوسرے نمبر کے اسباب سمجھنے پر منحصر تھا۔ فی نفسہ انکا وقوف اسباب نمبر دوم پر ہے! یا بہ الفاظ دیگر یوں کہیئے کہ وہ خود معلول ہیں اول الذکر علل کے۔

ان اسباب کے متعلق دو بحثیں ضروری الذکر ہیں:۔

(۱) وہ اسباب (صنف اول کے) کیا ہیں جو کالج کو مطلوبہ یونیورسٹی بنانے ہیں۔

(۲) کیا کالج کی ذات فی زمانہ، انکی پوری اور کافی مقدار سے متصف ہے؟

پہلی بحث۔ وہ اسباب کیا ہو سکتے ہیں:۔
ان اسباب کی فہرست حسب ذیل ہے۔

(۱) کافی سرمایہ۔

(۲) کالج کا کافی اسٹاف۔

(۳) فیلوشپس کی کافی تعداد۔

(۴) بورڈنگ ہاؤسوں کی کافی تعداد۔

(۵) کتب خانوں کی کافی تعداد۔

(۶) سائنس کی لیبرٹریوں کی کافی تعداد۔

؎ - مندرجہ ذیل فہرست میں سے اکثر اسباب تو ہمارے ذہن میں موجود تھے مگر بعض کی تلویح رسالہ کانفرنس کے پڑھنے سے ہوئی ہم یہ عرض کر دینا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ قریب قریب یہ کل تحقیق رسالہ ہذا میں مذکور ہیں +

(۷) لکچر رومون کی کافی تعداد۔

(۸) مختلف علوم میں تعلیم دیے جانے کا کافی سامان۔

(۹) طلبا کی کافی تعداد۔

دوسرے سوال کا جواب، ہم یقین کے ساتھ نہیں دے سکتے اس لیے کہ کالج کے متعلق، ذاتی سرمایہ واقفیت، ہمارے پاس بالکل نہیں۔ ہان البتہ وہ جو دوسروں سے آگاہ کر حاصل ہوا ہے، اُس کی بنا پر یہ استنباط یقیناً صحیح ہوگا کہ کالج کی موجودہ حالت ضرور تسکین بخش ہے۔ گو کہ یہ اسباب پوری طاقت و قوت کے ساتھ نہیں پائے جاتے ہیں، تاہم انکا نشو نما پتہ دیتا ہے کہ ایک وقت میں وہ یقیناً پورے زور و طاقت کے ساتھ نظر آئینگے؛ مگر، اس کے لیے، معجون وقت کی ضرورت ہے۔ اگر ہم انکو جلد کافی تنومند بنانا چاہتے ہیں تو امداد جمہوری کی اکسیر استعمال کرانا چاہیے: بغیر پبلک کے چندہ دیے دفعتاً کالج کا سرمایہ اس قدر نہیں بڑھ سکتا کہ چھہ سات مہینہ کے اندر مطلوبہ یونیورسٹی قائم ہو سکے۔

اسمیں شک نہیں کہ کالج کی ذاتی آمدنی بھی ایک وقت میں بڑھکر اُس کو یونیورسٹی بنا سکتی ہے؛ اور اسی جہت سے ہمنے نمبر اول اسباب کو تھوڑا بہت[۱] "اپنے قبضہ قدرت میں ہونا" تسلیم بھی کیا ہے۔ مگر یہ واضح رہے کہ اسکے لیے بڑا وقت درکار ہے۔ اگر ہماری یونیورسٹی کی دیگر خصوصیات کے علاوہ ایک طلسمی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اسی ششماہی میں اُس کا افتتاح ہو جاسے تو بغیر کافی[۲] روپیہ کے "کھل سم سم" کے افسوں کے ہم کو باب یونیورسٹی وا ہوتا ہوا معلوم نہیں ہوتا۔

اگر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ کل اسباب باستثنائے "(۱) کافی سرمایہ" کے تقریب

[۱] دیکھو نوٹ صفحہ مضمون ہذا۔

[۲] اس سوال کا جواب کہ کتنا روپیہ اس کام کے لیے کافی ہوگا؟ وہ اصحاب دین جو اسکے اہل ہیں۔

یا بعبارت دیگر اسی علة العلل "کافی سرمایہ" کے اور یہ خود سبب ہے اسباب نمبر دوم کا۔

صنف اول کے اسباب میں "کافی سرمایہ کی فراہمی"[۱] ایک بڑی ضروری اور مرکزی علت ہے۔

صنف سوم میں وہ اسباب شامل ہیں جو براہ راست ہماری گورنمنٹ عالیہ سے متعلق ہیں۔ اور اہنپر اگر تجزیہ ی نظر ڈالی جاے تو حقیقت میں یہی اسباب ایسے ہیں "جو غیری محض" کہے جا سکتے ہیں۔

یہ سب اسباب "عطیہ چارٹر" کے مرکب ضمانی ہیں یعنی مضمر ہیں۔

چارٹر کے متعلق تین مسائل بحث طلب ہیں:۔

(۱) چارٹر کیا چیز ہے؟

(۲) اس کے عطیہ کے لئے کن شرائط کی ضرورت ہے؟

(۳) کیا اس کے ملجانے سے ہمکو کوئی حقیقی اور مٹیریل فائدہ ہوتا ہے؟

(۱) چارٹر کیا چیز ہے؟

جواب۔ چارٹر ایک باضابطہ تحریر ہوتی ہے، جسمیں گورنمنٹ کی طرف سے طالب چارٹر کی خواہشات اور حقوق کی منظوری کا ذکر ہوتا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ پبلک اپنی ضروریات کو ایک عرضی میں لکھ کر، پارلیمنٹ یا بادشاہ کے حضور میں پیش کرتی ہے۔ گورنمنٹ اس عرضداشت پر غور کرتی ہے۔ جن ضروریات کے پورا کردینے میں پولیٹکل دقتیں اور نقصانات متصور ہیں، وہ مسترد کردی جاتی ہیں، اور جن کی منظوری میں کوئی حرج نہیں وہ منظور کر لی جاتی ہیں۔ اسی منظوری کا نام عطیہ چارٹر ہے۔

(۲) چارٹر کے عطیہ کے لیے کن شرائط کی ضرورت ہے؟

جواب۔ ان شرائط کی دو قسمیں ہیں:۔

[۱] لفظ "فراہمی" سے ہمارا مطلب (روپیہ کا) فراہم ہوجانا ہے۔ "فراہم کرنا" نہیں۔

اولؔ، گورنمنٹ کو اس کام کی اہمیت محسوس ہو جانا، یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ اسباب نمبر اول اور نمبر دوم کا حسبِ نخواہ باقاعدہ جمع ہو جانا۔

دومؔ، چارٹر کی درخواست میں کسی ایسی ضرورت کا ذکر نہ ہونا، اور ایسی خواہش کے پورا کرنے کی گورنمنٹ سے ضد نہ کرنا، جس کی مستلزم پولٹیکل دقتیں ہوں۔ اور جو امور سیاست میں رخنہ انداز ہوتی ہوں۔

ہم نے دیکھا کہ اسباب نمبر اول سبب تھے اسباب نمبر دوم کے[۱]، اور اب ہم دیکھتے ہیں کہ اسباب نمبر اول اور اسباب نمبر دوم ملکر مع شے زائد کے علت ہیں، اپنے معلول عطیہ چارٹر کی اور یہ شے زاید شرط دوم متذکرہ بالا ہے! یعنی پولٹیکل حیثیت سے کسی ناجائز درخواست کا نہ ہونا۔ حقیقتاً یہ بڑا نازک مسئلہ ہے ممکن ہے کہ کوئی ضرورت ایسی ہو جو قومی پہلو سے ہمارے لیے بہت کچھ اہمیت لیے ہو۔ مگر چونکہ ہماری گورنمنٹ عالیہ کو دیگر اقوام کا خیال بھی مدنظر ہے لہذا گورنمنٹ اُسکے پورا کرنے سے مجبور ہو اور ہمارے لیڈروں کے سامنے یہ دشوار مسئلہ پیش ہو جائے کہ "اگر چارٹر چاہتے ہو تو یہ درخواست نہ کرو اور اگر اس ضرورت کو رفع کرنا چاہتے ہو تو ہم مجبور ہیں باضابطہ چارٹر نہیں دے سکتے۔ پرائیویٹ طور سے ضرورت مذکور کو رفع کرلو۔ یعنی یا تو چارٹر لے لو، قومی ترقی کو نظر انداز کردو۔ یا قومی ترقی حاصل کرلو، چارٹر نہ لو۔"

ہم قطعیت کے ساتھ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ خدانخواستہ ایسا منحوس وقت آنیوالا ہے، بلکہ صرف بطور حفظ ما تقدم یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر خدانخواستہ ایسا موقع ہو تو ہمارے رہنما کیا کریں گے: قومی بہبودی کھو بیٹھینگے، چارٹر لے لیں گے، یا چارٹر کھو بیٹھیں گے، قومی بہبودی حاصل کرینگے؟

اب ہمارے خیال میں، چارٹر کے متعلق تیسرے مسئلہ کو معرض بحث میں لانے کا

۱؎ صفحہ ۵ مضمون ہذا۔

موقع آگیا ہے۔ چارٹر کے متعلق تیسرا مسئلہ یہ ہے:۔

(۳) کیا چارٹر کے لیجانے سے ہمکو کوئی حقیقی اور میٹیریل فائدہ ہوگا؟

پیشتر اسکے کہ ہم اس سوال کا جواب، اثباتاً یا نفیاً دیں، قبل اسکے کہ حقیقی فوائد دریافت کریں، ہم کو یہ معلوم کرنا چاہیئے اور یہ بات طے ہو جانا چاہیے کہ آیا چارٹر لیجانے سے کچھ فوائد حاصل ہوتے بھی ہیں یا وہ محض ایک بیکار شے ہے اور اسکے حصول کی کوشش، تحصیل حاصل کا حکم رکھتی ہے؟ اگر ایسا ہے تو اسکے حصول کے متعلق سب کوششیں عبث، سب محنتیں رائگاں، کل منصوبے پوچ اور تمام فکریں لغو ہیں۔ اگر ایسا نہیں، واقعتاً وہ کچھ نہ کچھ مفید چیز ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ کسطرح؟

سوال۔ چارٹر لیجانے سے کیا کیا فوائد متصور ہیں؟

جواب۔ سب سے پہلا فائدہ تو یہ ہوگا، کہ محمڈن یونیورسٹی کے اسناد بھی وہی وقعت رکھیں گے جو الہ آباد۔ کلکتہ۔ مدراس اور بمبئی کی یونیورسٹیوں کے اسناد رکھتے ہیں۔

اسی فائدہ کے تابع دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اس یونیورسٹی کے پاس شدہ طلبہ کو ملازمت ملنے میں آسانی ہوگی۔

تیسرا فائدہ جو بہ نسبت نمبر اول و دوم فوائد کے تعمیم کا پہلو زیادہ لیے ہوئے ہے یہ ہے، کہ چارٹر لیجانے سے دنیا کی نظروں میں ذرا ہماری عزت ہو جائے گی اور ہم بیدار اور زندہ قوم گنے جانے لگیں گے۔ مگر کیا ہمکو محض خیالی بیداری اور برائے نام زندگی کی ضرورت ہے۔؟ ہرگز نہیں، ہم تو حقیقی بیداری کے جویاں، اور اصلی زندگی کے طالب ہیں۔

اسی قسم کے صدہا چھوٹے چھوٹے فوائد گنائے جا سکتے ہیں، مگر ہم انکو ناقابل الذکر سمجھکر قلم انداز کرتے ہیں۔

اگر چارٹر ملجانے سے بس اسی نوعیت کے فائدے حاصل ہو سکتے ہیں تو ہمکو مجبوراً یہ فیصلہ کرنا پڑیگا کہ چارٹر ملجانے سے ہمکو کوئی حقیقی اور پٹیریل فائدہ نہیں ہوتا۔ اور ایسے نازک موقع پر، جس کا اشارہ اوپر کیا گیا، ہم اپنی پیاری قوم کی عزیز ترین ضروریات کو، چارٹر پر قربان کردینے کی کبھی صلاح نہ دیں گے!![1]

[1] ہمارے خیال میں یونیورسٹی کی محرک جو قومی ضروریات ہوئی ہیں اور جنکی تصریح رسالہ کانفرنس میں آنریبل صاحبزادہ آفتاب احمد خاں نے اسوقت اور مختلف بزرگان قوم نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں سالہا سال پیشتر کی تھی اُنمیں سے ایک بھی ایسی نہیں جو دوسری قوموں کی جائز مخالفت کی مورد ہو سکتی ہو یا گورنمنٹ کی مصدقہ پالیسی کے موافق نہو اور ایسی صورت میں لائق مضمون نگار کا یہ اندیشہ کہ چارٹر سے دست بردار ہونا پڑیگا صدائے بے ہنگام سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ اور اگر صاحب مضمون کا مفہوم یہ ہے کہ چارٹر کے شرائط کے متعلق جو افواہیں اور بدگمانیاں پھیلی ہوئی ہیں اُن کے انسداد کی یہ ترکیب نکالی جائے تو ہم بصد ادب یہ عرض کرینگے کہ بزرگ قوم جناب نواب وقار الملک قبلہ کی ذات بابرکات سے قوم کی جو توقعات وابستہ ہیں اُن پر سرد پانی ڈالنے کے بجائے ہمیں اپنی عقیدت وارادت میں راسخ اور اپنے یقین و اعتماد میں استقلال پیدا کرنا چاہیے۔ کیا ہمیں اس سے پہلے ان باتوں کے مشاہدہ کرنیکا موقع نہیں ملا ہے کہ مسلمانان ہند کی قومی کشتی کا یہ برگزیدہ ناخدا طوفان و تموج کے عالم میں بھی براہ راست سے منحرف نہیں ہوتا۔ کیا ہمارے پیش نظر وہ واقعات نہیں ہیں جن کی مثال سے مستفید ہو کر ہم اس خوش آیند امید و آرزو کو اپنے دل میں جگہ دے سکیں کہ یونیورسٹی کے چارٹر میں ایسی کوئی شرط نہ ہوگی جو مستقل طور پر قومی مفاد کے منافی اور قومی ضروریات کو نقصان پہونچانے والی ہو۔ اور چارٹر سے جمہور قوم کو جو اعتبار و اعتماد اسلامی یونیورسٹی پر ہوگا کیا اُس کے فوائد اور اہمیت کسی مستحکم اور مضبوط بنیاد پر قایم نہیں۔ جو ہم چارٹر سے مستغنی ہو جائیں۔ یہ سچ ہے کہ قوم کو اس خاص بارہ میں ہم آہنگ ہو کر حضور نواب صاحب قبلہ کی کوششوں کی تائید کرنا چاہیے اور قومی کشتی کے جو ملاح مخالف موجوں کے تھپیڑوں سے پست ہمت ہو رہے ہوں یا کنارہ کو قریب سمجھکر حفاظت ذاتی کے خیال سے اپنے ساعی جملہ کو اختتام تک نہ پہونچا کر اپنی جان بچانیکی فکر میں پڑ گئے ہوں یا حصول مقصد کی دلخوش کن مسرتوں سے لذت یاب ہو کر مست و سرشار ہوتے نظر آرہے ہوں اون کو ہمت دلانا عجلت سے باز رکھنا اور ہوشیار کرنا چاہیے۔ ایڈیٹر

گرچہ دنیا نہ ملے صاحب جوہر کو ذکی
پر ہنرمند نہو بے ہنری پر عاشق

اس مقام پر ہم تینوں اصناف کے اسباب پر بحث کر چکنے کے بعد **مسئلہ دوم** کو یعنی "وہ اسباب کیا ہیں جنکے اجتماع سے محمدن یونیورسٹی قائم ہوجاے گی" ختم کرتے ہیں - اب صرف تیسرا مسئلہ ہمارے پیش نظر ہے -

مسئلہ سوم - کیا وہ سب اسباب (جن کے اجتماع کے تابع مطلوبہ یونیورسٹی کا وجود ہے) جمع ہو گئے ہیں -

جواب نہیں، - ابھی سب اسباب جمع نہیں ہوئے ہیں - بعض تو ابھی وجود میں بھی نہیں آئے ہیں، مثلاً عطیہ چارٹر، اور بعض، گو پیدا ہو گئے ہیں، مگر ابھی اسقدر قوی نہیں ہیں کہ یونیورسٹی ہذا کے وجود میں لانے کے لیے حسب دلخواہ آثار مرتب کر سکیں - انہیں ابھی مطلوبہ تاثیر و تاثر کا افسوسناک فقدان ہے؛ اور علت کے اس معیار تصور کے بموجب جو ہمارے ذہن میں ہے، یہ ابھی اسباب کے نام سے بھی نہیں پکارے جا سکتے - ہاں البتہ بعض موثرات ایسے بھی ضرور ہیں جو اپنا مخصوص اثر اپنے مخصوص قوانین کے مطابق مرتب کر رہے ہیں، مگر یہ بیچارے بہت تھوڑے سے ہیں اور بغیر دوسروں کی مدد کے کچھ نہیں کر سکتے -

اب متذکرہ مباحث کا خزانہ چونکہ ہمارے دست تصرف میں آگیا ہے، لہذا ہم اُن گبرہاے سوالات کو جو صدف مضمون کی ابتدا میں پیدا ہوے تھے، ذیل کے جوابات کی گران قیمت پر بآسانی خرید سے لیتے ہیں -

پہلا سوال - کیا موجودہ حالت کے بعد ترقی کا جائز درجہ کالج کا یونیورسٹی ہو جاتا ہے - درمیان میں ترقی کا کوئی درجہ حائل نہیں ؟

جواب - ہاں کوئی درجہ حائل نہیں، مگر صنف دوم کے اسباب کافی طور سے جمع

ہوجانا چاہیئے۔ اگر ایسا نہوا تو ابھی یونیورسٹی بننے میں دیر ہے۔

دوسرا سوال۔ کیا کالج نے وہ قابلیت پیدا کرلی ہے جس کا لازمی نتیجہ اسکو یونیورسٹی کے درجہ پر پہونچا دینا ہو؟

جواب۔ قریب قریب پیدا ہوگئی ہے اور تکمیل کی قوی امید ہے۔

تیسرا سوال۔ کیا ہمارا یہ حکم کہ علیگڈھ کالج، چھ سات مہینہ کے اندر یونیورسٹی بنکر رہیگا، معیار منطق پر کسکر کھرا اُترتا ہے۔

جواب۔ بیشک کالج یونیورسٹی ہوجائیگا، اگر متذکرہ اسباب کا اس مدت میں حسب دلخواہ اجماع ہوگیا، اور اس اجماع کی قوی امید ہے۔ اگر چارٹر کی شرط نکال ڈالی جائے تو یقیناً یونیورسٹی بنجائیگی، کیونکہ چھوٹے پیمانے پر یونیورسٹی کھل جانے کی قابلیت، کالج میں غالباً آج موجود ہے۔

ہم نے دیکھا کہ اوائل مضمون میں، مسئلہ مجوزہ محمڈن یونیورسٹی کے متعلق، ہمارے ذہن میں تین سوالات پیدا ہوئے تھے جن کے جوابات چند اور مسائل طے ہوجانے پر مبنی تھے۔ یہ مسائل معرض بحث میں یکے بعد دیگرے لائے گیے۔ اور انکے حل کر لینے کے بعد ان سوالات کے جوابات، مضمون کے آخر میں دیدیے گئے۔

ہمنے دیکھا کہ اس کام کو بہترین صورت میں انجام دینے کے لیے امداد جمہوریہ کی سخت ضرورت ہے اور اسکی طرف عام پبلک کو تحریص و ترغیب دینے کے لیے لائق مضمون نگاروں اور مقرروں کی خدمات کی ضرورت بھی محسوس کی۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ بغیر کافی سرمایہ کے کچھ نہیں ہوسکتا، مگر کافی سرمایہ کا وجود چھ مہینہ کے اندر تابع ہے پبلک مدد سکے، جو موقوف ہے اُنکے جوش پر، اور یہ جوش مبنی ہے اس امر کے ذہن نشین ہوجانے پر کہ یہ چیز ہمارے لیے دہ پبلک کے لیے بہت مفید ہے اور یہ امر منحصر فرض کیا گیا ہے مضمون نگاروں اور مقرروں کی تحریص و ترغیب پر۔ لہذا بغیر مضمون نگاروں اور مقرروں کی خدمات

کے کچھ نہیں ہو سکتا۔
ہم نے یہ بھی دیکھا کہ چارٹر کے ملجانے سے کوئی حقیقی فائدہ حاصل نہیں ہوتا لہذا موجودہ مضمون کے عملی نتائج یہ ہیں :۔

(۱) ہماری سوسائٹی کے اعلیٰ مضمون نگاروں اور مقرروں کو چاہیئے کہ اپنی خدمات یونیورسٹی کو "چھ مہینے کے لیے وقف کردیں۔

(۲) فراہمی چندہ میں دل توڑ کر کوشش کیجائے۔ چندہ وصول کرنے والے حضرات کو چاہیئے کہ موجودہ پبلک جوش سے فائدہ اٹھائیں۔ اس موقعہ میں نہیں کہ ہمارے بھائی مضمون نگاران ومقرران از دیاد جوش میں کوششیں تو کرہی رہے ہیں، جلدی کیا ہے" کل وصول کرلینگے۔ مگر نہیں۔ دیکھو یہ "دو کار امروز بہ فردا گذاشتن" کا اصول ٹھیک نہیں اور نہ یہ "پرائے کندھے پر رکھکر بندوق چھوڑنا" مناسب۔ اپنا کام بغیر دوسرے پر بھروسہ کئے آپ کرو۔ دوسرے کی ناجائز مدد نہ لو بالاستقلال اپنا کام آپ خود کرو۔ اسی طرح ہر کارکن کو چاہیئے کہ اپنا کام بغیر دوسرے بھائی پر بھروسہ کئے" خود کرے۔

(۳) چارٹر کے ڈرا کرنے کے متعلق ہم اپنے آپ کو کوئی عملی رائے دینے کے قابل نہیں سمجھتے۔ لہذا ہم اس خدمت سے معذور رکھے جائیں۔ اس معاملہ میں ہمارے ان لیڈروں کی رائے زیادہ صائب ہوگی جو اس کے اہل ہیں۔

چارٹر کے متعلق ہم اتنا عرض کردینا ضروری سمجھتے ہیں، کہ اس سے کوئی حقیقی اور میٹیریل فائدہ حاصل نہیں ہوتا ہے۔ لہذا ہم چارٹر کے قربانگاہ پر حقیقی فوائد کی قربانی چڑھانے کی کبھی رائے نہ دینگے۔ نہ ملے چارٹر نہ سہی۔

ع۔ تلخکامی ہے گوارا کہ ہمیں کام ہے کام

ل کیا کسی صاحب نے ابتک کوئی چارٹر ڈرا کیا ہے؟ اگر کیا ہو تو صاحب موصوف براہ رفاہ عام کسی سلامی پرچہ میں شائع کردیں

"نہ ملے چارٹرنہ سہی" کے الفاظ، ہمیں ڈر ہے کہ کہیں پبلک کی یونیورسٹی سے ہم کو "حد پسندی" کا سرٹیفکٹ نہ دلوا دیں۔ مگر ہم نہایت سیر چشمی کے ساتھ، ذیل کے وجوہات کی بنا پر اُس کے لینے سے انکار کر دیں گے۔

اول تو ہم کو اسی مقدمہ سے انکار ہے کہ ہمارا یہ فعل "حد پسندی" کی صفت کے ساتھ موصوف ہے اور اگر ایسا ہے بھی تو یہ "حد پسندی" وہ نہیں ہے جو قبیح ہے۔ ہمیں خوب یاد ہے کہ ارسطو نے اپنے "فلسفۂ اخلاق" میں جہاں "حد پسندی" کے معائب" اور "میانہ روی" کے محاسن دکھائے ہیں، وہاں یہ بھی جتا دیا ہے کہ عملاً "میانہ روی" اور اعتدال حاصل کرنے کا سستا نسخہ یہ ہے کہ دوسری حد کی طرف یعنی متضاد حد کی طرف جھکو۔ مثلاً اگر تمہارے مزاج میں غرور اور تمکنت ایک قبیح حد تک ہے، تو بالکل منکسر المزاج ہو جانے کی کوشش کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عزت نفس اور خودداری کے بہترین صفات پر آ کر مزاج کا اعتدال قائم ہو جائے گا۔ ارسطو نے مزید تشریح کے لیے یہ مثال دی ہے: اگر ایک شاخ ٹیڑھی ہو اور اُس کو سیدھا کرنا مقصود ہو تو چاہیے کہ اُس کو مخالف طرف کج کر دیا جائے یعنی اُس کی کجی کو دوسری طرف منتقل کر دیا جائے۔ کیونکہ فطری بازگشت کا حق رکھنا چاہیے۔ اب وہ پھرتے پھرتے بالکل سیدھی قائم ہو جائے گی۔ اگر ہم حد پسند ہیں بھی تو اسی نوعیت کے۔

راقم۔ ظفر

اے گلشنِ زیست تجھ پہ پانی پھر جائے — جینے کی بلا اور کسی کے سر جائے
بند آنکھیں ہوئیں یہ دی اجل نے راحت — اب کیوں نہ جہاں نظر سے اپنی گر جائے

مرنے کو حیات جاودانی سمجھوں — جینے کو میں اک عدوے جانی سمجھوں
ہوں معتقد حکم گر یہ تو بتا — کیا تیری امید کو بھی فانی سمجھوں

محشر

فلسفۂ اتحاد

یورپ کا مشہور شاعر شیلی کہتا ہے "دنیا مین کوئی چیز اکیلی نہین" تمام چیزین ایک قانون آلہی سے ایک دوسرے کی ہستی مین ملجاتی ہین۔ اشعار مندرجہ ذیل اسی فلسفی شاعر کے پاکیزہ خیالات کی امداد سے مرتب کیے گئے ہین سہ

اے کہ مہجوری عشاق روا میداری
بندگان را ز بر خویش جدا میداری

چاند کی کرنین سمندر مین گرا کرتی ہین
جوش الفت مین ادسے چوم لیا کرتی ہین
جلوہ گر شرق سے ہوتا ہی جو مہر انور
روشنی اسکی لپٹتی ہے زمین سے آکر

ابر سے پانی برستا ہے جو قطرہ قطرہ
افتراق اوسکا بھی مٹ جاتا ہی رفتہ رفتہ
چشمے بہ بہ کے ہوا کرتے ہین ضم دریا مین
موجین ہوتی ہین بغلگیر بہم دریا مین

پھول گلشن مین جو کھلتے ہین الگ شاخون پر
جھوما کرتے ہین سحر کو وہ گلے مل مل کر
روز پروان جو یہ چڑھتا چلا جاتا ہے
سرو سورج کیطرف بڑھتا چلا جاتا ہے

کچھ ہوا ایسی چمن کی ہے دل بلبل میں
خوف صیاد نہین شوق لقائے گل مین
گرمی حسن سے گو آتش کی جلے جاتے ہین
پھر بھی پروانے سوئے شمع چلے آتے ہین

مختلف سمتون سے چلتی ہین ہوائین جتنی
شوق مین آکے وہ آپس مین ہین ملتی جلتی
ناز کرتے ہین پہاڑ اپنی فلک بوسی پر
آسمان کرتا ہے اظہار نوازش جھک کر

گھاس کی پتیان ہین کاہ ربا سے چمٹی
لوہے کو کھینچتی ہے قوت مقناطیسی
برق گرتی ہو جو پانی مین تو رہ جاتی ہو
پھر پلٹ کر کبھی اسمین سے نہین آتی ہے

ہستیان یونہین ہوا کرتی ہین باہم یکذات
اپنے مطلوب سے ملجاتی ہو کل مخلوقات
ایک سے دوسرا ملتا رہے فطرت ہو یہی
کشش و جذب کی دنیا مین حقیقت ہو یہی

ہاے پھر آپکا یون مجھسے جدا ہو جانا
میری تقدیر کا ہے مجھسے خفا ہو جانا

ارشد تھانوی

مسلمانوں کی علمی ترقیاں

(۱) بادیۃ العرب کے باشندے جو زمانۂ قدیم میں تہذیب و شائستگی کے لحاظ سے دنیا کی متمدن اقوام میں شمار ہوتے تھے قرون وسطیٰ میں انپر جہالت کی تاریکی چھا گئی تھی، ان کے دل و دماغ افکار و آلام سے آزاد تھے، حملہ آوری، غارت گری، شراب خواری، قمار بازی میں انکی عمریں بسر ہوتی تھیں، تمدنی کارناموں کے مشاغل لطیفہ سے انکو کسی قسم کا تعلق نہ تھا، انکی زندگی بالکل وحشیانہ تھی، مغربی ساحل یا سرزمین حجاز کے باشندے تجارت پیشہ تھے جسکی وجہ سے انکو رومیوں، مصریوں، حبشیوں، ہندیوں، مجوسیوں سے میل جول کا بارہا موقع ملتا تھا ہوا اسکے انکے ملک میں شام کے یہودیوں نے جنھیں بخت نصر نے ۵۸۶ق م میں یروشلیم سے نکال دیا تھا آکر سکونت اختیار کرلی تھی اور دوسری صدی مسیحی میں بہت سے عیسائی قبائل بھی رومیوں کے ظلم و ستم سے تنگ آکر یہاں آباد ہوگئے تھے، ان اقوام کے اثرات سے ظہور اسلام سے ایک صدی قبل انمیں ایک قسم کی تمدنی تحریک پیدا ہوگئی تھی، ان ایام میں انمیں بکثرت سحر البیان شاعر، فصیح اللسان خطیب اور ذہین الطبع کاہن ظاہر ہوگئے تھے، دیگر اقوام کے میل ملاقات، تبادلۂ خیالات نے انمیں اس قسم کی استعداد پیدا کردی تھی جسکا میلان خاطر ترقی کی جانب پایا جاتا تھا۔

(۲) شارع اسلام اور انکے جانشینوں (۶۲۲ء تا ۶۶۱ء) نے ان نیم مہذب قوموں میں تہذیب و تمدن کی تازہ روح پھونکدی، یہ لوگ جب تمدنی اثرات سے متاثر ہوئے تو پہلے پہل پا قدم ملکی فتوحات میں رکھا، پہلے مرحلے میں فارس کی عظیم الشان سلطنت اور روما الکبریٰ کے مشرقی اضلاع تسخیر کرلیے، اسکے بعد انکے فتوحات کا سیلاب عام ہوگیا، سو برس کے اندر اندر بحر اوقیانوس

سے آنزوے آکسس کے پار تک اور بحر ہند تا در الفان تک تمام ممالک انکے حیطہ تصرف میں آگئے، اور یہ توسیع گویا انکا منتہا ے کمال تھی۔

اسلاف اسلام جب ملکی فتوحات سے فارغ ہو گئے تو علوم و فنون کی طرف متوجہ ہوے ابتدا میں علوم دینی کو لیا اسکے بعد حکمت و فلسفہ کیطرف رجوع ہوے۔ اور مغرب و مشرق کی بے بہا قدیم تصنیفات کو جو یونان و روم کی اُجڑی ہوئی خانقاہوں اور ہندوستان و ایران کے صنم خانوں اور آتشکدوں میں چھپی ہوئی تھیں لاکر عربی ترجمہ کیا اُنپر شرحیں لکھیں خلاصے کیے۔

(۳) خلفاے بنو اُمیہ (۴۱ھ/۶۶۱ء - ۱۳۲ھ/۷۵۰ء) کے عہد میں اگرچہ بہت سی کتابیں لکھی گئیں لیکن اسلامی علوم و فنون کا آغاز خلافت بنی اُمیہ کے خاتمے اور خلافت عباسیہ (۱۳۲ھ/۷۵۰ء) کی ابتدا سے تسلیم کیا جاتا ہے۔ خلیفہ ابو جعفر منصور (۱۳۶ھ/۷۵۴ء - ۱۵۸ھ/۷۷۵ء) نے اپنے بیت الحکومت بغداد میں بہت سے علما و فضلا جمع کیے اور شامیوں کی امداد سے ایرانیوں اور یونانیوں کی بہت سی کتابیں ترجمہ کرائیں منجملہ اُنکے کلیلہ دمنہ کا ترجمہ جو پہلوی سے عربی میں ہوا ہے نہایت مشہور ہے۔

ہاروں رشید (۱۷۰ھ/۷۸۶ء - ۱۹۰ھ/۸۰۹ء) علم دوست خلیفہ تھا اسنے انقرہ عموریہ اور دیگر بلاد روم سے بکثرت علمی کتابیں تلاش کرا کے منگوائیں جنکے ترجمے کیلیے بغداد میں ایک محکمہ قائم کیا جسکا افسر حکیم یوحنا بن ماسویہ تھا، مامون الرشید (۱۹۸ھ/۸۱۴ء - ۲۱۸ھ/۸۳۴ء) نے اس محکمہ کو خوب وسعت دی اور ترجمہ کیلیے تین سو علما ملازم رکھے، یہ خلیفہ علوم و فنون کا فدائی تھا جہاں سنتا کہ فلاں جگہ کوئی عالم ہے کسی نہ کسی طور سے اپنے یہاں بلواتا علما کو اطراف و جوانب میں کتابوں کی تلاش میں بھیجتا۔ اور جہاں کوئی کتاب ملجاتی اُسکو منگواتا اور ترجمہ کرا کے شایع کر دیتا، تذکرۃ الحکم میں لکھا ہے کہ اس نے بہت سے تحفے و ہدایا دیکر قیصر روم کے یہاں کئی آدمی بھیجے اور لکھا کہ کتب خانہ اثینا کی فلسفی کتابیں بھیجدیجیے، قیصر نے بہت سی کتابیں روانہ کیں جنمیں ارسطو کی

بھی تصنیفات تھیں مامون نے ان کتابوں کو ترجمہ کیلیے بیت الحکمت میں بھیجدیا۔

مامون کے بعد اسکے جانشین بھی علمی سرپرستی میں سرگرم رہے، انھوں نے ہزاروں کتبخانے قائم کر دیے، لاکھوں کتابیں تصنیف کرائیں اسپر بھی انکا علمی شوق کم نہ ہوا بلکہ روز بروز بڑھتا گیا ان کی طرف سے اہل علم پھرا کرتے جو نئی کتاب ملتی اسکو لاتے اور ترجمہ کرادیتے تھے، اس عہد میں طب فلسفہ منطق اخلاق کی کتابیں زیادہ تصنیف و ترجمہ ہوئی ہیں، عربی اقوام سے چونکہ زیادہ تر ملکی نامہ وابستہ رہتے تھے اس لیے انھوں نے علوم و فنون کی تدوین میں بہت کم حصہ لیا ہی ان اقوام سے علوم کی تدوین و اشاعت کا اہتمام متعلق زیادہ تر غیر عرب شامی اور عجمی قومیں تھیں۔

(۴) تقریبا سو برس تک یہی حالت رہی اسکے بعد خلافت کا زوال شروع ہوا، اور ملک بہت سی چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں تقسیم ہوگیا، جنمیں دو حکومتیں قابل ذکر ہیں، مصر کے خلفائے فاطمیہ (۲۹۰ھ تا ۵۶۷ھ) اور شام و الجزیرہ کے ہمدانی سلاطین (۳۳۳ھ تا ۳۹۴ھ) انکی سرپرستی میں بھی خوب علمی ترقی ہوئی اور بقول ڈاکٹر بورران کے علمی کارنامے خلفائے بغداد پر فوق لے گئے۔

دسویں صدی مسیحی کے آخر ایام میں ترکوں نے خروج کیا اور تھوڑا عرصہ گذرنے نہیں پایا تھا کہ مشرق میں اپنی چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم کریں، جب امن و امان قائم ہوگیا تو یہ بھی علوم و فنون کی طرف متوجہ ہوگئے، انمیں سلجوق کی نسلیں خاص طور سے ذکر کے قابل ہیں، انھوں نے بہت سے دار العلم قائم کیے تھے جنمیں سب سے پہلا بغداد کا مدرسہ نظامیہ ہے، اسکو ملک شاہ سلجوقی کے وزیر خواجہ نظام الملک طوسی نے (۴۵۹ھ) میں قائم کیا تھا اس زمانہ میں علوم و فنون پر بہت سی کتابیں تصنیف و تالیف ہوئیں لیکن وہ سب ایک ہی طرز کی تھیں اور کوئی نئی کتاب ایسی نہ تھی جسمیں کوئی ایسی بات ہو جو اس سے پہلے کی کتابوں میں نہ پائی جائے۔ لیکن اسمیں شک نہیں

کہ اس تصنیف و تالیف کی وجہ سے علم تباہی سے بچ گیا۔

تیرھویں صدی میں مغلوں کی یلغار سے بلاد اسلام میں ہر طرف ہلچل مچ گئی اور ابتری و پریشانی کے آثار نمایاں ہوگئے جس کی وجہ سے علوم و فنون پر ظلمت کا پردہ پڑ گیا جو اسکے بعد پھر کبھی نہ سرکا

(۵) خلافت بنی امیہ کی تباہی کے بعد مغرب میں ایک اسلامی حکومت کی بنا پڑی جو ۱۳۸ھ سے لیکر ۴۲۲ھ تک خلافت اندلس کے نام سے قائم رہی، اسکے فرمانروا جسطرح سیاست میں خلافت بغداد کے حریف تھے اُسیطرح علم و فن میں بھی اُنکے مقابل تھے، انکے زیر عاطفت اسلام کے بڑے بڑے نامور علما گزرے ہیں، خلفاے اندلس میں خلیفہ عبدالرحمٰن (۳۰۰ھ ۹۱۲ء تا ۳۵۰ھ ۹۶۱ء) کا نام خاص کر قابل ذکر ہے، اسنے ایک کتب خانہ قائم کیا تھا جسکی فہرست کتب ساٹھ جلدوں میں تھی، اس نے قرطبہ میں بہت سی عمارات بنوائی تھیں، قصر الحمرا، قصر السرور، مسجد قرطبہ، جسکی نظیر دنیا میں نہیں ملتی اسکی بیوی زُہرہ نے جو حُسن و جمال میں یکتا تھی ایک مکان عالیشان تعمیر کیا تھا جو مدینۃ الزہرہ کے نام سے مشہور ہے جسکے نقش و نگار اور جسکی صنعتیں ابتک یورپ میں زبان زد خلائق ہیں اس سلطنت کی تباہی کے بعد ملک میں طوائف الملوکی قائم ہوگئی جس کے ساتھ ہی علمی باغ بھی مرجھا گیا جو کبھی ہرا نہ ہو سکا۔

(۶) قرون وسطیٰ کے عرب اگرچہ جاہل تھے، تاہم اُنکا دماغ علمی باتوں سے خالی نہ تھا، یہ لوگ چونکہ بت پرست تھے اور انکو مدبرات الکائنات مانتے تھے اسلیے اُنکو فلکیات اور طبعیات کے بارے میں بہت سی باتوں کا علم ہوگیا تھا، بتوں کی زیارت اور قربانی کے ایام سیاروں کے نوا و منازل پر مقرر کر رکھے تھے جسکی وجہ سے اُنکے طلوع و غروب کی نسبت کسی طرح کی واقفیت حاصل کرلی تھی، انکی عقلیں حوادث طبعی کے کُنہ تک نہیں پہنچیں تاہم اُنکے عوارضات کا علم انکو بخوبی تھا، انکو علم طب سے بھی واقفیت تھی، لیکن یہ علم اُنکو تجربے کے طور پر حاصل ہوا تھا

یہی باتیں ابتدائی زمانہ کے مسلمانوں کا علمی سرمایہ تھیں، چنانچہ اس امر کا وثوق احادیث اور ابن سیرین (۳۳ھ ۱۱۰ھ) کی کتاب تفسیر الاحلام کے دیکھنے سے ہوتا ہے۔

(۷) عرب قدیم زمانہ سے یونانیوں کی حکمت اور ایرانیوں کی دانشمندیوں کے افسانے سنتے آ رہے تھے جب انھوں نے شام و ایران کو فتح کیا تو ان اقوام کے علوم سیکھنے کی طرف متوجہ ہوئے تاکہ اُنکے دانشمندانہ قواعد اور حکیمانہ اصول کی بنا پر اپنے نظام سلطنت کو برقرار رکھیں، البتہ عربی زبان علمی مضامین اور اصطلاحات سے بالکل معرا تھی، اور خود مسلمان بھی علوم کو نہیں جانتے تھے، اور نہ اُن زبانوں سے واقف تھے جنمیں علوم و فنون کا ذخیرہ تھا اس لیے وہ فارسیوں اور یونانیوں کی تصنیفات سے استفادہ حاصل کر سکے۔

سنہ ۴۱ھ میں دمشق مسلمانوں کا بیت الخلافت مقرر ہوا، یہ شہر شام میں واقع ہے، شام آٹھ سو برس سے زیادہ دولت روما کے ماتحت رہا ہے اسلیے یہاں کے باشندے اُن کی تہذیب و تمدن سے خوب متاثر ہو گئے تھے اور اُنکی زبان اور علوم و فنون کو بھی اونھوں نے حاصل کر لیا تھا یہاں مسلمانوں کو یونانی علوم حاصل کرنیکا بہت اچھا موقع ملا انھوں نے اپنے دربار میں راہبوں اور ربیوں کو جمع کیا اور یونانی حکمت کی ضروری کتابیں ترجمہ کرائیں سنہ ۱۳۶ھ میں مسلمانوں کا مستقر خلافت بغداد قرار پایا، یہ شہر شام و ایران کے مابین دونوں کی سرحد پر واقع ہے، مسلمانوں کی قدردانی سے پہلے ہی شام کے راہب و ربی جمع ہو گئے تھے بغداد میں ایران کے مجوسی موبد بھی آ گئے ہادی و ہارون کے وزرا فضل یحیٰی جعفر فارسی النسل تھے و رامون کی ماں بھی فارسی تھی جسکی وجہ سے خلافت بغداد کو فارسیوں سے خاص تعلق ہو گیا اس بنا پر بغداد میں ایرانی علما بکثرت جمع ہو گئے، ان علما کا کام تھا کہ فارسی علوم کا دروازہ بھی مسلمانوں کیلیے کھل گیا انھوں نے اُنسے بہت سی علمی کتابیں ترجمہ کرائیں

(۸) شامیوں کے تراجم سے جو ذخیرہ علمی فراہم ہوا وہ حکمت یونان کا تھا جنمیں بیشتر طب منطق طبیعیات فلکیات اخلاق کی مضامین تھے، ایرانیوں کے علمی سرمایہ میں اُنکے حکیمانہ رموز و کنایات تھے۔ فقط

محمد نعمت اللہ، حیدرآباد دکن

زمانہ اور ادیب

رسالۂ زمانہ جو کئی سال سے ملکی اور لٹریری خدمات کو نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے انجام دے رہا ہے درحقیقت اپنے ملک کے قابل اور نامور حضرت کے تازہ بہ تازہ خیالات کا آئینہ ہے اور اپنی روز افزوں ترقیوں کے لحاظ سے کسی کی تعریف و توصیف کا محتاج نہیں کہا جا سکتا۔ مگر جناب احمد علیصاحب۔ شوق نے ازراہ قدردانی زمانہ کی تعریف میں رطب اللسان ہو کر الناظر کے اپریل نمبر میں زمانہ و ادیب کا موازنہ کیا ہے۔ اس موازنہ سے ممکن ہے کہ زمانہ کی خوبیوں کا عام طور پر اظہار ہو گیا ہو لیکن یہ ضرور ہے کہ رسالہ ادیب کو بہ مقابلہ آ جانے کا موقع مل گیا چنانچہ خود رسالۂ ادیب ہی کے صفحات میں اس موازنہ کا جو جواب شایع ہوا ہے اُس سے ہمارے اس بیان کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ صاحب مضمون نے ادیب کی ثنا و صفت کرتے ہوئے جناب شوق اور رسالہ زمانہ پر جا و بیجا حملے کر کے اپنی خوش مذاقی کی پوری داد دی ہے اور اپنے محبوب رسالہ کو متانت و سنجیدگی کا قیمتی خلعت عطا کر کے ملک اور لیٹریچر کی بڑی خدمت کی ہے۔

ہمارے خیال میں تو زمانہ اور ادیب کا موازنہ کرنا بھی فضول تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جناب شوق نے ادیب کی ظاہری آب و تاب سے اثر پذیر ہو کر خامہ فرسائی کی تکلیف گوارا کی ورنہ حقیقت حال یہ ہے کہ زمانہ کے مقابلہ میں ادیب کی وہی حیثیت ہے جو خورشید عالمتاب کے سامنے ذرۂ خاک کی ہوتی ہے کیونکہ بحیثیت مجموعی رسالہ زمانہ فوقیت کے بہترین پرچوں میں ہے اور اُسکی اس نمایاں کامیابی کا سہرا منشی دیانرائن نگم کی قابلیت اور جوان ہمتی کے سر ہے۔ اول تو نام ہی کو دیکھیے۔ زمانہ ایسا مناسب اور موزوں نام ہے جس میں جدت طرازی کے ساتھ دلکشی کی خاص صفت بھی موجود ہے حالانکہ

ادیب کے سنین کو رسالہ کے لیے نام بھی میسر نہ آیا اور قسمت کی بد اخلاقی نے اسکی ہیئت بھی بگاڑ دی ہیں۔ شاید اس موقع پیش کرنے کی ضرورت نہیں کہ اسی نام کا ایک رسالہ حیدرآباد دکن سے اس زمانہ سے شائع ہو رہا ہے جب کہ انڈین پریس نے شاید ادیب کی وضع قطع کا کوئی پرچہ نکالنے کا خیال بھی نہ کیا ہوگا۔ خیر اس کو جانے دیجیے اور ذرا سرورق کو ملاحظہ فرمائیے۔ زمانہ کے سرورق پر "زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز" کا قیمتی موٹو کس قدر لطیف و معنی خیز ہے اور لفظ زمانہ کی خوشنما تحریر سے پرچہ کی دلفریبی دوبالا ہو گئی ہے۔ برخلاف اس کے ادیب الہ آبادی کا سرورق اس کی قلندرانہ شان کو ظاہر کرتا ہے اور اگرچہ جناب نظر کے اسم گرامی کی تروت نے لفظ ادیب کو دمدار ستارہ کی طرح روشن کر دیا ہے لیکن اصحاب ذوق سلیم کی نگاہوں میں اسکی کوئی وقعت نہیں ہو سکتی۔ ان ظاہری حالات سے قطع نظر کیجیے تو زمانہ کے مضامین کی بلندی و تازگی سے ادیب کو گوے سبقت لیجانا دشوار ہی نہیں بلکہ محال نظر آتا ہے۔ زمانہ میں ابتدا سے آجتک ملک کے معزز اور قابل حضرات نے مختلف مفید اور دلچسپ مباحث پر بڑے زور اور مبسوط مضامین لکھے ہیں مگر ادیب میں کوئی ایک مضمون بھی اس وقت تک ایسا نہیں نکلا جو زمانہ کے معمولی مضامین سے بھی ممتاز ہوتا۔ پریم چند کے مصنفہ قصے اور لالہ لاجپت رائے وغیرہ کے آزادانہ خیالات تو ادیب کو نصیب ہی نہیں ہو سکتے مگر مولوی عزیز مرزا صاحب اور مسٹر سید علی بلگرامی مرحوم کے عالمانہ مضامین سے بھی ادیب کے کام و دہان ہنوز سیراب نہیں ہوئے۔ کتاب تمدن ہند کے ایک باب کا ترجمہ تو گویا اس کتاب کا اشتہار تھا اس وجہ سے اسکو ہم زمرۂ مضامین سے خارج سمجھتے ہیں۔

زبان کے لحاظ سے چاہیے تھا کہ ادیب کو زمانہ پر پورا تفوق حاصل ہوتا کیونکہ لالہ نوبت رائے صاحب کی طرح مسٹر نگم کو لکھنوی ہونے کا فخر نہیں حاصل ہے مگر ایڈیٹر زمانہ کی علمی قابلیت اور بیکی لٹریری جانفشانی لالہ صاحب کی زباندانی پر بھی سبقت

ہے گئی اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ پراگ کے جاتریوں کی صحبت نے ایڈیٹر صاحب ادیب کو ہندی زبان اور دیوناگری حروف کا کچھ ایسا دلدادہ بنا دیا کہ ادیب کے خالص میں لکھے ہوئے صفحات کی دیدہ زیبی کو ناگری کے ٹائپ سے بدنما کر کے انھوں نے عبارت کی شستگی اور فصاحت کا بھی گلا گھونٹ دیا۔

اب رہا آخری جزو مشترک یعنی تصاویر جو ظاہر بین اصحاب کی نظر میں ادیب کو وقیع و ممتاز بنائے ہوئے ہیں۔ سو انکی کیفیت یہ ہے کہ زمانہ میں جیسی باموقع اور نایاب تصویریں شایع ہوئی ہیں اُن کا جواب ادیب کے ایک نمبر میں بھی نہیں ملتا۔ چونکہ ادیب کو اپنی اس خصوصیت پر سب سے زیادہ ناز ہے اسلیے ہم کسی قدر تشریح سے کام لیں گے۔ ادیب کو اس بات کا فخر ہے کہ ہندوستان کے مشہور جادو نگار مصور راجہ راوی ورما کے کارخانہ کی عموماً سستی اور معمولی درجہ کی تصاویر کی اشاعت میں وہ پیشقدمی کرتا ہے مثلاً حسن بالا اور حسن بارسی کی تصویریں مگر مسٹر نگم کی نظر انتخاب ہمیشہ اسی مصور کی قیمتی اور گرانقدر تصاویر پر پڑتی ہے جس کی مثال میں۔ دستی۔ برکھارت اور نزول گنگا وغیرہ کے نام پیش کیے جا سکتے ہیں۔ موہنی۔ خیال یار۔ اور شکنتلا وغیرہ کی تصویریں جو ادیب نے چھاپی ہیں رسالۂ زمانہ میں اس سے قبل شایع ہو چکی ہیں۔ نمایش الہ آباد کے متعلق زمانہ اور ادیب دونوں نے تصاویر شایع کیں۔ ادیب نے نمائش نمبر شایع کر کے جو سناٹا کھینچا تو نمائش کے بعد کہیں مارچ نمبر میں اُسے ہوش آیا حالانکہ زمانہ متواتر نمائش کی یاد دلانے میں زیادہ کامیاب رہا۔ زمانہ کے جنوری نمبر میں۔ نپولین۔ عروس نو۔ لیلیٰ مجنوں اور شہنشاہ گار اکبر اعظم کی تصویریں ایسی نادر و نایاب ہیں کہ انکی نظیر ادیب تو کیا کسی اور تصویردار پرچہ میں بھی نہیں ملتی۔ فروری کے ادیب میں موسم بہار کی تصویر چھپی ہے جو بظاہر کسی ایکٹریس کی تصویر معلوم ہوتی ہے مگر اس طرح کی اشتہاری تصویروں کا بہترین مصرف عطاروں کی دکان ہی پر ہو سکتا ہے۔ برخلاف اس کے اسی ماہ کے زمانہ میں موسم سرما کی

دلکش اور رنگین تصویر ہے جس کی رونق کو باموقع نظم نے اور بھی دوبالا کردیا ہے بھلا ادیب میں ایسی تصویر مع نظم کے کب شایع ہوئی تھی۔ زمانہ کے اسی نمبر میں بسنت رت کی تصویر بھی بشاشت و تازگی کا ایک دلچسپ نمونہ ہے اور شاید اسی تصویر کو دیکھکر جناب شوق نے "ایک حسین لڑکی" کے عنوان سے وہ نہایت باقاعدہ اور دلاویز نظم لکھی جو زمانہ بابت ماہ مارچ میں شایع ہوئی ہے۔ ملک کی تمدنی حالات کے خاکے اور پروفیسر آزاد کا ماتم ایسی باموقع تصویریں زمانہ کے گذشتہ پرچوں میں بارہا شایع ہوئی ہیں مگر یہ ترکیب رسالہ ادیب کے صاحب نظر ایڈیٹر کو آجتک نہیں سوجھی۔ دمدار ستارے کی تصویریں زمانہ میں ادیب سے پہلے شایع ہوئیں اور زیادہ صاف اور واضح بھی تھیں۔ رسالہ ادیب کے مارچ نمبر میں شکنتلا کی تصویر نکلی ہے اس کے ساتھ کوئی نظم نہیں صرف ایڈیٹر صاحب نے کالیداس کا وہ فقرہ لکھدیا ہے جو فارسی کے مندرجہ ذیل شعر سے ملتا جلتا ہے:-

بکوشش رفتم و در پاے دل خارے شکست آنجا
بحمد اللہ کہ تقریبی شد از بہر نشست آنجا

اسمیں شکنتلا ایک راجہ کو دیکھ کر نوکدم بھاگی جاتی ہے۔ اس کی تصویر ایسی کاواک بنائی ہے کہ دیکھکر بے اختیار ہنسی آتی ہے اور راجہ کی وجاہت بھی تصویر میں دیکھنے کے قابل ہے لیکن زمانہ کے کسی گذشتہ نمبر میں شکنتلا اور مینکا کی رنگین تصویریں بن اصحاب کی نظروں سے گذری ہونگی ایڈیٹر زمانہ کے حسن انتخاب اور مصور کی پرداز فکر کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ شکنتلا کو اسکی ماں آسمان پر اڑا لیے جاتی ہے اور تصویر سے ماں بیٹی کے جذبات اور اس موقع کے حالات بن وعن ٹھیک ٹھیک ہیں۔ ادیب کے کسی نمبر میں رام بن باسی کی تصویریں چھپی تھیں جس کی ساتھ ایک نظم بھی تھی مگر اس تمام مرقعہ میں رام لچھمن اور سیتا کی شان شاہزادگی یا کوئی

امتیازی نہیں پائی جاتی - بہت سے جوگی جنگلوں میں اسی طرح بسر کرتے ہیں عموماً گشادرنر اسی طرح عملی زندگی کے عادی ہوتے ہیں - اکثر سپاہی سیر وشکار کے لیے اسی طرح جنگل میں منگل بناتے ہیں۔ اِس تصویر میں رام اور لچھمن کے رہنے کا مکان ایسا ہے جس کی ساخت انگریزی وضع کے بنگلہ نما چھپروں یا کسی دیہاتی گرجا کی سی معلوم ہوتی ہے مگر زمانہ بابت مارچ میں سری کرشن جی کی تصویر اس خوبی سے دکھائی ہے کہ لب چمن وہ اپنی خاص اداے نے نوازی سے تمام جہان کو عالم نور بنائے ہوئے ہیں - ہر جگہ قدرت خداوندی کا ظہور یا یہ نشاط و سرور روحانی پایا جاتا ہے -

رسالۂ ادیب نے مارچ نمبر میں "بیگمات دہلی کی سیر دریا" کی رنگین تصویر اور اُسکے ساتھ ایک نظم شایع کی ہے اور دونوں قابل تعریف ہیں مگر جون سنہ ۱۲ء میں "لطف موسیقی" اور "فسون موسیقی" کے نام سے جو نظم و تصویر شایع ہوئی تھی اس کے کئی مہینے بعد ان کا شایع ہونا صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ تازہ تصویر سرقۂ تخیل کا نتیجہ ہے -

یہ بحث ضرورت سے زیادہ طویل ہو گئی - ناظرین اس سے ہمارا مفہوم بخوبی سمجھ گئے ہونگے - اور اگر ادیب کے ہواخواہوں میں کوئی صاحب اس قدر باہمت اور خوش عقیدہ بھی ہوں کہ مضامین کے لحاظ سے ادیب اور زمانہ کو بالمقابل دیکھنا چاہیں تو ہمیں اس بارہ میں اپنے خیالات ظاہر کرنے میں عذر نہ ہوگا فقط

'حق پسند'

بناخن تازہ می سازد جنون در سینہ داغ ما	چراغ لالۂ عشق است روشن از چراغ ما
چساں بلبل نماید نغمہ سنجی ہا بہ باغ ما	کہ شور خندۂ گل بر نمی تابد دماغ ما
بیاد آن کمر زانساں گرگم گشتہ ام شوخی	کہ عنقاے تصور ہم نمی یابد سراغ ما

منشی عما علی شوخی

قاسم - اور - زہرہ

الناظر پریس - خلاوررلز - لکھنؤ سے مل سکتی ہے [قیمت قسم اول گندہ دنفیس کاغذ پر فی کاپی ۱۲/ قیمت قسم دوم معمولی کاغذ پر فی کاپی ۸/]

ایک نظم کتاب کا نام ہے، جس کے مصنف ملک کے مسلم الثبوت اُستاد مشہور سحر البیان، اور قادر الکلام شاعر، منشی احمد علی صاحب، شوق، قدوائی ہیں، حضرت مصنف کی شان سخن سنجی سے اہل ملک کو زیادہ واقف کرنے کی ضرورت مجھے نہیں معلوم ہوتی، اس لیے کہ ترانۂ شوق، جمیل، لیل و نہار، حسن، نیز کثرت کے ساتھ اُن کی نیچرل نظمیں ہندوستان میں شائع ہو چکی ہیں، "حسن" کے فلسفیانہ خیالات میں جو رنگ اُنھوں نے بھرا ہے، وہ اُنھیں کے کمال سخن سنجی کا حصہ ہے، اسی "حسن" پر بلند نام انشا پرداز حضرت جوالا پرشاد 'برق' مرحوم کا فلسفیانہ دیباچہ ہے

حال ہی میں "عالم خیال" کے عنوان سے جو اعلیٰ درجہ کی نیچرل نظمیں شائع ہوئی تھیں اونکی خوبیوں - لطافتوں اور دلچسپیوں سے مسٹر مشیر حسین قدوائی بیرسٹرایٹ لا لکھنؤ اور مسٹر محمد سلیمان بیرسٹرایٹ لا کے پر لطف ریویو ناظرین الناظر کو لذت آشنا کر چکے ہیں -

میں نے یہ مختصر سی تمہید صرف اس لیے لکھ دی کہ ایسے یکتائے سخن یعنی حضرت شوق، قدوائی نے خود اپنی تمام تصنیفات میں سب سے بہتر "قاسم - اور - زہرہ" ہی کو تحریر فرمایا ہے، یہ تحریر جنوری ۱۹۱۱ء کے رسالہ "زمانہ" میں لائق اڈیٹر منشی دیانرائن صاحب نگم کے علمی سوالات کے جواب میں چھپی ہے،

جس تصنیف کو ایسا سحر البیان اور کامل فن سخنور اپنی سب تصنیفات میں بہتر سمجھے، اور کہے، وہ کس مرتبے کی ہو گی، اس کا فیصلہ ارباب سخن خود فرمالیں،

قاسم - اور - زہرہ" الناظر پریس میں زیر طبع ہے، اور وسط ماہ جولائی میں طبار، یہ قدردانِ ادب کے مطالعہ میں آسکے گی -

اس لئے احباب کتاب کی مختصری حسب ذیل ملن کے دیتا ہوں" قاسم ہیرو کا نام ہے اور زہرہ ہیروئن کا، اس میں سوا تیرہ سو اشعار سے کچھ زیادہ ہیں، شعر اول سے آخر تک اضافت کہیں نہیں ہے، قدیم مذاق شاعری کے شعارات سے پاک ہے، پلاٹ اور سین دیکھے جائیں تو ڈراما کہنے میں تامل نہ ہو متعلقین قصہ اپنی اپنی بول چال میں اپنے اپنے حالات اور خیالات کو خود ظاہر کر رہے ہیں، جذبات میں قوت مقناطیسی، نازک خیالیاں اعلیٰ درجے کی، جدّت کی خوبیاں اور دلفریبیاں بے حد، شوخیاں اپنے اپنے موقع پر لطیف اداؤں سے دل کو اپنی طرف کھینچے لیتی ہیں، جانبین سے محبت کا جوش ہے مگر پاک دامنی کے ساتھ، فطرت کے نقشے فصیح اردو میں سہل ممتنع ترکیبوں سے ایسے کھینچے ہوئے ہیں کہ اصل صورت خیال کی نگاہوں کے سامنے کھڑی ہو جائے، دونوں (یعنی ہیرو، اور ہیروئن) کا خاتمہ حسرت کے ساتھ ہے، اس حسرت کا نظارہ دل پر کیا اثر ڈالتا ہے، اس کا ادا کرنا قلم سے مشکل ہے، وہ اثر جانے اور دل جانے،

میں چند اشعار اس کتاب کے لکھے دیتا ہوں، اگرچہ موتیوں کی مالا جس کے موتی ترتیب کے ساتھ مسلسل ہیں، اس کے چند موتیوں کو الگ کر کے ترتیب دکھانا، پوری خوبیوں کو ظاہر نہیں کر سکتا، لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ اندازہ کتاب کی نفاست کا مل ہی جائے گا،

کتاب کا آغاز

قاسم، کھڑکی میں ایک حسین صورت دیکھ کر کہتا ہے

وہ ہاں ہاں، وہ اڑتے ہوئے بال وہ   وہ پھولے ہوئے پھول سے گال، وہ

وہ جھانکی، وہ منہ پھیر کر چھپ رہی — وہ پھر آئی، وہ پھر اُدھر چھپ رہی
وہ پھر آڑ سے آ گئی سامنے — چلو میرے ہاتھو، جگر تھامنے
وہ چتون کوئی چیز اُڑا لے گئی — خدا جانے پہلو سے کیا لے گئی
وہ دیکھو، جوانی ستم ڈھاتی ہے — مجھے، مجھ سے چھینے لیے جاتی ہے
وہ ہیرے سے چمکے، ہنسی آ گئی — وہ پھر ہٹ گئی، یا چھپی، یا گئی
وہ کیا آئی پھر بال کھولے ہوئے — پھنساتی ہے دل جال کھولے ہوئے
وہ باتوں میں اُبھرے ہوئے گال ہیں — کہ صیاد کے جال میں لال ہیں
وہ آواز، نکلی مگر رہ گئی — خدا جانے چپکے سے کیا کہہ گئی

قاری (زہرہ کے باپ) قلعے میں پھرتے ہوئے قاسم پہ حملہ کرنے کو باہر گئے تو زہرا گھبرا کے اپنے خیال سے باتیں کرتی ہے

بلاؤں کے جھرمٹ میں تنہا کی جان — وہ دب جائیگا جیسے دانتوں میں پان
نہ اس میں سلیماں، نہ آصف کا ڈھنگ — نہ بلقیس کا تخت میرا پلنگ
نہ ہاروت ہے وہ، نہ بابل یہ دیس — کہ بدلے گی زہرہ ستارے کا بھیس
بڑوں کے بکھیڑے بڑے، اچھل پڑے — ببولوں کے کانٹے بڑے، پھل پڑے
جدوہڈیوں پر ترس کھائے گی — تو کچھ موت بھوکوں نہ مر جائیگی
اسی پر قضا کی ٹپکتی ہے رال — کہ کچھ ہڈیاں، کچھ رگیں، کچھ ہے کھال
قضا کیا، یہ میری ادا کا ہے کام — ادا مارتی ہے، قضا کا ہے نام

زہرہ، اکسٹھے کی کھڑکی میں کھڑی ہوئی قاسم سے باتیں کر رہی تھی، اُسے کچھ کھٹکا

ہوا ، تو کہتی ہے کہ

نہیں راہ ملتی ہے ، نکلوں جدھر — میں چڑیا ہوں اور پنجرہ میرا گھر
مگر کھٹکے سے گھبرا کے ، ہیں وہ کیا کسی آہٹ اارے ! — وہ زنجیر کی کھڑکھڑاہٹ ، ارے
وہی میری بَیرن بُوا ہو تو ہو — اُسی کو جو کھٹکا ہوا ہو ، تو ہو
نہیں نہ ہو ، وہ تو باہر گئی — ہوا ہے ہَوا ، توبہ ، کیا ڈر گئی

(قاسم کی طرف مخاطب ہو کے)

تو ہاں ، تو مجھے کس طرح پا سکے — ہوا ہو سکے تو یہاں آ سکے

قاسم ، کہتا ہے

قیامت سے ڈر تو کہ حسرت کہیا نظر — پڑے تیرے دامن پہ قاسم کا ہاتھ

زہرہ ، شوخی کے ساتھ جواب دیتی ہے -

تو کیا قاسم ایسا ہی دشمن ہے تو — کہ تا کے ہوئے میرا دامن ہے تو
اگر ایک دامن کے ہاتھے گئی — تو چادر نئی اور اوڑھوں گی نئی
چلو ، ہو گئے کان ، کل کے لیے — نہ چھوڑوں گی اب تجھ کو بے جُل دیے
نہ بولوں گی منھ سے ، نہ کھولوں گی گال — چراؤں گی آنکھیں ، چھپاؤں گی بال
نہاں تجھ سے کرتی ہوئی راز کو — بدلتی ہوئی اپنے انداز کو
جھجکتی ہوئی ، اور کٹتی ہوئی — سمٹتی ہوئی ، دور ہٹتی ہوئی
زمیں پر دباتی ہوئی اپنے پاؤں — نظر سے بچاتی ہوئی اپنی چھاؤں
ادھر سے اُدھر ، یوں سے دوں جا کے میں — نکل جاؤں گی تجھ سے کترا کے میں
قیامت میں ہو گی بہت بھیڑ بھاڑ — ذرا سی تو ہوں ، کون مشکل ہے آڑ

قاسم زہرہ کے چہرے سے آنچل ہٹانے کے لیے دھوکا دیتا ہے

وہ کون آیا ! واللہ، کوئی نہیں — وہ گھونگھٹ ہٹا، وہ دہن، وہ جبیں
چمکتے ہیں دیدے، لٹکتے ہیں بال — کتابی ہے چہرہ، گلابی ہیں گال
شگفتہ جبیں، رنگ ہلکا سا ہے — یہ رُخ کیا ہے پھول اک کنول کا کھلا ہے
وہ آنچل کا جن سر سے ٹل ہی گیا — عمل میرے چھکے کا چل ہی گیا

زہرہ، شوخی کے ساتھ جواب دیتی ہے،

اُڑا میرا پردہ، کھلا تیرا چھل — چھڑا لے چھڑا لے مرے منہ کے لعل
مرے گال نازک ہیں، رحم ان پہ کر — کہ کانٹا سی چبھتی ہے تیری نظر
نہ چمکے جو بجلی، تو چمکیں نہ گال — ٹٹولا کرے مجھ کو تیرا خیال
مگر رشک سے داغ کھانے لگی — تڑپنے لگی، تلملانے لگی
شرارت سے چمکی، جلن سے جلی — مری ناک میں لیکے مشعل چلی
پلک مارنے اس طرف، اس طرف — پھری ہر طرف، میں چھپوں کس طرف
حجاب سے، جھپک نے، کیا خوب میل — ہے بدلی کے دامن پہ بجلی کی بیل
میں کہتی ہوں، اتنی نہ کر دیکھ بھال — میں کہتی ہوں، آنکھو نہیں، آنکھیں نہ ڈال
نہ کھا، دیکھ ان کافر آنکھوں کی مار — کہ ہیں ان کی پلکیں بہت خاردار
جو گھونگھر ہیں بالوں میں، پھر تجھکو کیا — جو سُرخی ہے گالوں میں، پھر تجھکو کیا
گلابی ہیں دیدے، گلابی سہی — شرابی ہیں، اچھا، شرابی سہی
گرہ میرے جوڑے کی سُوجھی نہیں — ابھی یہ پہیلی تو بوجھی نہیں
مرے دانت، کیا صاف، کیا گول ہیں — یہ جتنے ہیں موتی، سب انمول ہیں
خدا جس کا منہ موتیوں سے بھرے — اُسے ناز زیبا ہے، جتنا کرے

زہرہ، قاسم سے ملنے کا وعدہ کر آئی تھی، مگر مصنوعی بیماری کے بستر پر لٹا دی گئی، وہ اپنے خیال سے باتیں کرتی ہے۔

تو پھر، ہاں وہ گیا، اس سے وعدہ، مگر — بلائیں اِدھر ہیں، بلائیں اُدھر
بُوا، ماں، پھوپھی اب تو بیٹھی ہیں پاس — مِس دیدہ، یہ پلکیں میرے آس پاس
پھر آخر کروں کیا، تو کیا ڈر ہی جاؤں — تو کب تک ڈروں اب جگر کر ہی جاؤں
لڑوں کیوں نہ سب سے کھڑی کیوں نہ ہوں — پڑی کیوں رہوں، اُٹھ کھڑی کیوں نہ ہوں
کہاں آپ میں ہوں، کہیں کھو گئی — خدا کی قسم، میں سڑن ہو گئی
ترے دل کو بہلاؤں خاک اے جنوں — بچھونے یہ تنکے نہیں، کیا جنوں
مٹا دوں میں پلکوں سے تنکوں کا کال — کہ تنکے سمجھ کر چنوں ان کے بال
جو آنکھوں کے ڈھیلوں سے لیں آج کام — تو رکھ لیں یہ آنسو لڑکپن کا نام
ببولوں کے کانٹے ہیں پاؤں کہاں — کوئی لا کے جنگل کو رکھ دے یہاں
میں خود ہی تو ہوں ڈنٹھلوں سے ببول — مری انگلیاں پھل ہیں، منھ زرد پھول
خدا جانے اب خاک ہے کس جگہ — نہ کھیت اس جگہ ہے، نہ ریت اس جگہ
میں الفت کو سمجھی کہ ہے بد بلا — جو صدقے میں جی دوں، تو ہو رد بلا
پھر آفت تو مرنے میں ہوتی نہیں — میں کیا رات کو پڑ کے سوتی نہیں

الخ یہ بہت بڑی داستان ہے
اور بہت دردانگیز

قاسم، زہرہ کے مرنے کا غل سن کے اپنے خیال سے کہتا ہے۔

تو کیا مر گئی، غل تو ہے مر گئی — مری مجھ سے پہلے، ستم کر گئی
ہوا سے بھرا کیا جہاں اس قدر — کہ اک ایک اُس کے دم کا نہ تھا اب گذر

تو کیا وہ جہاں ہے، میں جاؤں جہاں | مگر دیکھیے اب ملے، یا نہیں
وہاں مجھ کو دھوکا جو ہو جائے، تو | وہ حوروں میں ملکر جو کھو جائے، تو
اجل نے فرشتہ کو یہ کیا ہوا | وہ محرم نہیں تھا، اُسے کیوں چھوا

الخ، یہ بہت بڑی داستاں ہے
اور بہت درد انگیز
میں نے اِدھر اُدھر کے کچھ اشعار لکھ دیئے، تاکہ ارباب فہم کو اندازہ ہوجائے
پوری کتاب جواہر خانہ ہے، اور سب جواہر انمول ہیں، کہاں تک کوئی پرکھ سکے،
جو صاحب خرید فرمانا چاہتے ہوں، وہ درخواست ارسال فرمائیں،
تاکہ تیار ہوتے ہی کتاب اُن کی خدمت میں ویلوپے ایبل روانہ کردی جائے،
یقین ہے کہ جتنی چھپ رہی ہے، سب ہاتھوں ہاتھ چلی جائے گی، دیر کرنے سے
پھر طبع ثانی کا انتظار کرنا ہوگا۔ ایڈیٹر

زمانِ شیب میں جوشِ شباب کیا ہوگا | چراغِ صبح بھلا آفتاب کیا ہوگا
نہ آئیگا اگر اے جناب کیا ہوگا | رہیگا دل کو رہے اضطراب کیا ہوگا
جہاں میں رند بلانوش ہیں ہم اے ساقی | عطا ہو خُم کوئی جامِ شراب کیا ہوگا
سوال وصل پہ اے جان کچھ تو مُنہ سے کہو | سُنیں تو ہم سخنِ لاجواب کیا ہوگا
حضور دینگے کہ بوسہ نہ دینگے دل کی عوض | ہمارے آپکے آخر حساب کیا ہوگا
فراقِ یار میں گھبرا کے دل یہ کہتا ہے | اِدھر ہے درد اُدھر اضطراب کیا ہوگا

گنا ہگار ہیں لیکن خبر نہیں ہی نجیب
مآلِ کار بروزِ حساب کیا ہوگا

قطعہ

کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ؟

آریئے ہون، یا کہ عیسائی، سبھون کا ہی خیال
طاقت شمشیر سے اسلام پھیلایا گیا

ہی مسلمانون کا یہ دعوی (نہین، ہرگز نہین،
اپنی مرضی سے ہر اک اس دین مین داخل ہوا

ہم بھی ہین آخر مسلمان، ہی ہمارا بھی خیال
زور سے تلوار کے اسلام کا ڈنکا بجا

اپنے سر پہ تیغ بران سب نے جب دیکھی علم
خوف کے مارے قبول اسلام آخر کرلیا

ایسا بھاری دین آبائی نہ تھا اُس قوم پر
خنجر اسلام نے جبراً اُسے چھڑ وا دیا

بندھ گئی تھی دھاک ایسی بانی اسلام کی
جسکی جانب اُٹھگئین نظرین سر اوسکا جھک گیا

ہان، مگر وہ تیغ تیغ آہنی ہرگز نہ تھی
خنجر اسلام ہرگز خنجر آہن نہ تھا

راستی کی تیغ تھی جو تھی مسلمانون کے پاس
خنجر آہن نتھا وہ خنجر اخلاق تھا

الراقم

ایک خنجر اسلام کا شہید
بقلم تمنا عمادی پھلواروی
عظیم آبادی غفرلہ

ہماری معاشرت

میں

کس قدر اصلاح کی ضرورت ہے

اُردو داں پبلک ہمارے عزیز بھائی مرحوم منشی احمد علی بی - اے - ایل ایل بی وکیل دربار بھنگہ کی علمی قابلیت اور ادبی منزلت سے ناآشنا نہیں ہے جن صاحبِ ذوق نے "شباب لکھنؤ" کا مطالعہ کیا ہوگا وہ انکی انشا پردازی کی داد دیں گے اور جن ارباب علم نے "تاریخ تمدن" پڑھی ہوگی وہ انکی دماغی قابلیت کا اعتراف کریں گے - مرحوم کی بے ہنگام موت سے اُن کے اعزا - اقربا اور احباب کو جو صدمۂ عظیم پہونچا اُس کے اظہار کا یہ موقع نہیں لیکن نا نیلے اردو کو جو ناقابل تلافی نقصان برداشت کرنا پڑا اُسپر اشک حسرت بہانا جائز ہوگا - جو احباب اُن سے واقف تھے وہ ہمارے اس خیال کی تائید کرینگے کہ اگر مرحوم کو سفر آخرت کی اسقدر جلدی نہ ہوتی تو اُردو علم ادب کے خزانہ میں بعض نہایت گراں بہا جواہر اُنکے ہاتھوں داخل ہوتے اور ہمارے لٹریچر کی سطح اُن کی ہمت بلند سے بہت کچھ اونچی ہو جاتی - الغرض جو صدمہ اُن سے ملتی اُنکی قدر و قیمت کا اندازہ کچھ وہی خوب کر سکتے ہیں جو انکی برادرانہ شفقت و محبت سے لذت یاب ہوئے ہوں -

ہمارے قصبہ میں "انجمن اخوان الصفا" کے نام سے ایک اصلاحی کلب قایم ہے - چند سال پیشتر تک یہ دستور تھا کہ سال میں ایکبار کسی بڑی تعطیل کے زمانہ میں جب کہ عموماً اعیان و بزرگانِ وطن کا مجمع ہوتا تھا انجمن کا ایک جلسہ وسیع پیمانہ پر منعقد ہوا کرتا تھا جس میں تمام اہل برادری اور شرفاے وطن مدعو کئے جاتے تھے - اس جلسہ میں جہاں طرح طرح کے سامان راحت اور قسم قسم کے اسباب تفریح مہیا کیے جاتے تھے وہاں ابناے وطن کی عقلی اور دماغی دلچسپیوں کا بھی لحاظ رکھا جاتا تھا - اسکی صورت یہ ہوتی تھی کہ ایک مجلس مناظرہ منعقد کیجاتی تھی جس میں مختلف سبق آموز اور مفید مطلب مضامین

سنائے جاتے تھے اور کسی خاص عنوان پر ہونہار نوجوانان وطن باہم طبع آزمائی بھی کرتے تھے اکثر بزرگ بھی ان مباحث میں شریک ہو کر ہمت افزائی کیا کرتے تھے۔

مندرجہ عنوان مضمون منشی احمد علی مرحوم نے ایسے ہی ایک جلسہ میں پڑھ کر سنایا تھا چند روز ہوئے اُس کا اصل مسودہ اتفاق سے ہمارے ہاتھ آگیا مضمون اگرچہ محض اس غرض سے لکھا گیا تھا کہ خاص اہل برادری کی توجہ اصلاح معاشرت کے اہم مسئلہ کی طرف منعطف کرائی جاسے اور اسی وجہ سے کسی قدر مقامی رنگ کی جھلک بھی اُسمیں نظر آتی ہے تاہم چونکہ حالات اور ضروریات کے لحاظ سے ہم اور ہمارے دوسرے ابنائے قوم علی الخصوص شرفائے قصبات اودھ قریب قریب ایک ہی مدرجہ پر ہیں اس لیے ہم ان اذکران مفید کار اور پُر مغز مطالب کی اشاعت کا ذریعہ بنا کر پبلک کو مرحوم کی اصلاح نیک سے فایدہ اُٹھانے اور اُن کے ادبی دسترخوان کی لذتوں سے کام آشنا ہونے کا موقع دیتے ہیں۔

مندرجہ ذیل مضمون کے علاوہ دوسرے مضامین جو مرحوم نے وقتاً فوقتاً انجمن اخوان الصفا کے مختلف جلسوں میں پڑھے غالباً ہم کو مل جائیں گے اور ہم اُن کو حسب موقع درج رسالہ کرسکیں گے۔ ایڈیٹر

اس مسئلہ کے طے کرنے کے واسطے پہلے ہمکو یہ دیکھنا چاہیے کہ معاشرت سے کیا مراد ہے یعنی اُسکے اجزاء ترکیبی کیا ہیں۔

واضح ہو کہ اس لفظ کا اطلاق اُن تمام معاملات و تعلقات پر کیا جاتا ہے جو کسی مقام کے باشندوں کے فی مابین ہوتے ہیں۔ اُس کا بڑا حصہ وہ ہے جسے ہم اخلاق سے تعبیر کرتے ہیں اور دوسرا حصہ وہ ہے جو خاص خاص موقعوں پر رسم و رواج کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اول میں تمام وہ افعال و حرکات شامل ہوتے ہیں جو مخصوص اوقات میں اظہار رنج و مسرت اور انسانی زندگی کے منتخب واقعات میں اہمیت اور سنجیدگی پیدا کرنے کے واسطے

ہمسے سرزد ہوتی ہیں۔

اب جو ہم اپنے اخلاق کو دیکھتے ہیں تو وہ کسی ایسے معیار پر جو از روئے عقل و حکمت قایم کیا جائے پورے نہیں اُترتے اور ہم لوگوں کی زندگی انتہا سے زیادہ مطلق العنان اور غیر ذمہ دار نظر آتی ہے۔ ایک عالم بیخبری ہے جس میں بوڑھے اور جوان سب الست ہیں ہر شخص صرف اپنے طبعی رجحانات ہر کام کرنا مستحسن سمجھتا ہے نہ ہم میں سے کسی کے پیش نظر کوئی معیار معلوم ہوتا ہے۔ نہ کوئی جد و جہد کسی معیار پر کامل العیار اُترنے کی نظر آتی ہے۔ گویا کہ ہم لوگ بمصداق "کل حزب بما لدیہم فرحون" محض اپنے دل کی لہروں پر چل رہے ہیں۔ خوش قسمتی سے اسلاف کی پامال کی ہوئی ایک پگ ڈنڈی بنی ہوئی ہے اُسپر نادانستہ محض بے اختیاری سے چشم بصیرت بند کیے ہوئے چل رہے ہیں۔ نہ کوئی منزل ہے نہ کبھی کسی منزل مقصود کا تصور ہی دل میں آتا ہے۔ بداخلاقیاں اسقدر عام ہو گئی ہیں کہ اب اُنکا احساس و ادراک بھی نہیں ہوتا۔ روح کی سچی پاکی اور صفائی جو اخلاق حسنہ کا حاصل ہے وہ مستثنیات میں بھی خال خال نظر آتی ہے۔ وہ گروہ جو مسند رشد و ارشاد کا زیب و زینت ہے اور جس کا صرف ایک ہی کام ہدایت ہے اخلاقی حیثیت سے اسدرجہ پستی میں ہے کہ جس کے تصور سے دل بیچین ہوتا ہے۔

پس اے برادران وطن۔ تمھاری سب سے پہلے ضرورت یہ ہے کہ تم اپنے اخلاق کے درست کرنے پر کمر ہمت مضبوط باندھ لو۔ اسے حسن اتفاق سمجھنا چاہیے کہ اس بارہ میں زیادہ قیل و قال۔ اگر مگر کی ضرورت نہیں ہے۔ تمھاری اقصا رغایت جو کچھ ہے وہ مسلمہ ہے۔ اسمیں شک و شبہ چون و چرا کی گنجایش نہیں ہے۔ شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الف تحیۃ و سلام تمھارے واسطے کافی و وافی ہے۔ تم اہل حکمت کے سبق نہ پڑھو۔ فلسفۂ اخلاق کے باریک مسایل میں اپنا وقت نہ صرف کرو۔ تمھارے پاس کتاب اللہ و کتاب الرسول موجود ہے۔ اُسی پر تمسک کرو اور جسقدر مسائل اخلاقی

میں اُن کو جان لو۔ اور یہ کوشش کرو کہ تمھاری آئندہ نسل کے روبرو ہر وقت وہ معیار رہے جو شریعت نے قائم کیا ہے۔ تم اپنے بچوں کو سچے قول کے پکے۔ وعدہ کے پورے امانت دار۔ باعصمت۔ خدا سے ڈرنے والے۔ حقوق العباد پورے کرنے والے۔ صلۂ رحم کا خیال رکھنے والے۔ عزیز و ہمسایہ پر شفقت کرنے والے۔ اور مصیبت پر رحم کھانے والے بنانے کی مسلسل و متواتر کوشش کرو۔

⁂

اخلاق حسنہ کے متعلق زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف [illegible] معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] ہم لوگوں نے دینداری کا معیار چند فرائض مذہبی کا ادا کرنا قرار دے رکھا ہے جس کے جزئیات مسائل پر طولانی بحثیں، اہل علم حضرات کا بیشتر وقت صرف کرایا کی ہیں اور جس کی وجہ سے ظاہری تشرع کی آڑ میں ہر شخص کو بدترین حرکات اخلاقی سرزد کرنے کے جرأت ہوتی رہی ہے۔ یہ طریقہ حد سے زیادہ مذموم ہے۔ اور آئندہ سے وہ لوگ جو عام رائے کا کچھ بھی احترام کرتے ہیں اُن کو یہ یاد کر لینا چاہیئے کہ زمانہ نے جو کروٹ لی ہے اُسکی وجہ سے مختلف قوموں میں مسابقت کی دوڑ نہایت گرماگرمی سے جاری ہے اور اس گھوڑ دوڑ میں ہر فرد، اور ہر مجموعہ افراد کی حیثیت بہت کچھ اُس کے اوصاف اخلاقی پر منحصر و موقوف ہے۔ اگر تم نے صرف وضع ظاہری اور بعض عبادات دینوی کے ادا کرنے ہی پر قناعت کی اور اپنے میں وہ جوہر نہ پیدا کیے جو صرف اخلاق حسنہ سے پیدا ہوتے ہیں تو سمجھ لو کہ تمھاری منفردانہ و مجموعی موت سامنے ہے اور تم اس مسابقت کے میدان میں صرف چند روزہ مہمان ہو۔

→ • ←

اب معاشرت کے دوسرے حصہ پر غور کرو۔ اسپر غور کرنے کے واسطے پہلے پیش نظر رہے کہ ہم قصباتیوں کی زندگی ایک میانہ روی کی زندگی ہے جو اہل دیہہ و اہل شہر کی طرز معاشرت کے

بین بین ہے۔ اور ہمارا مابہ الامتیاز صرف یہ ہے کہ نہ ہم اہل دیہہ کی طرح بالکل ایک محدود دائرہ میں ہیں کہ جو خیالات میں سخت تعصب پیدا کر دیتا ہے نہ اہل شہر کی طرح آشا و او تکلفات لا یعنی کے پابند۔

علی العموم قصبات اودھ میں شرفا کی زندگی پر نظر ڈالنے سے اُن کی چند مخصوصات نظر آتی ہیں بعض اُنہیں سے یہ ہیں۔

۱۔ قصباتی زندگی میں سب سے پہلے ایک برادری ہوتی ہے اور اُس برادری میں ایک گروہ خاص ہوتا ہے جس کا ہر فرد دوسرے کو اپنا کفو سمجھتا ہے۔ اسی مخصوص گروہ میں باہم مناکحت وازدواج ہوا کرتا ہے۔ اور تقریبات کے موقع پر شرکت کے سوا اور کسی موقع پر ارباب برادری سے کوئی سلسلہ تعلقات نہیں ہوتا پس گویا باہم دو گروہ اپنے گرد رکھتے ہیں۔ ایک وہ جسے بازار مناکحت کہنا چاہیے۔ دوسرا وہ جسے شریک حال شادی و غم کہہ سکتے ہیں۔

اسکی وجہ سے ایک طرف تو ہمارے سلسلہ مناکحت کی سرحد بندی ہو گئی ہے اور اُس کی جو ہے وہ استخوان پرستی ہمارا شعار ہے جس کی وجہ سے "الشرافت فی القرنے" کے ہم مصداق ہیں اور دوسری طرف ہر موقع دعوت پر ہمارے اخراجات و مصارف کا بجٹ ایک حیثیت سے ہمیشہ معین رہتا ہے کہ اُسمیں گھٹاؤ بڑھاؤ نہیں ہو سکتا۔

۲۔ اہل قصبات کی روزانہ زندگی عموماً نہایت سادی اور بے تکلف ہوتی ہے اور اُن کی خورش و پوشش کے سامان اہل شہر کی طرح زیادہ گراں قیمت نہیں ہوتے اور اس طور پر وہ اپنا اندوختہ جمع کر سکتے ہیں جو کسی موقع مناسب پر کسی معاشرتی کام میں بخوبی صرف کیا جا سکے۔

۳۔ قصباتی زندگی ایک طرح پر سنسان زندگی ہوتی ہے۔ یعنی بجز اُن خاص خاص لوگوں کے جو زمینداری رکھتے ہیں علی العموم لوگوں کی معیشت اُن کی ہنرمندی کی قیمت پر موقوف ہوتی ہے اور بجز اوقات فرصت کے یا جب کہ ناچار یا نوں بیکار ہو کر کسی کو مجبور کر

تاوقتیکہ دیں اُن کی عمروں کا بڑا حصّہ تلاش معاش میں دور دراز حصص ملک میں بسر ہوتا ہے اسوجہ سے اُن کے وطن میں اُن کی دلچسپی اور دلبستگی کا سامان نہ باغ و بوستان ہوتے ہیں نہ قصر و ایوان نہ اتنا پر شرد انبار جاری ہے دیکھے جو کچھ دلبستگی ہے اسمیں ہے کہ چار عزیز مل بیٹھیں اور تھوڑا وقت گپ شپ یا فضول کھیلوں میں گزار دیں۔

۴ - قصباتی زندگی میں عموماً قدر مشترک یہ ہے کہ دعوت اعزا صرف بسلسلہ کسی تقریب شادی و غمی کے ہوتی ہے نہ گویا جب تک کسی گھر میں کوئی خاص تقریب نہ ہو اعزا و اقربا کا نہ مجمع ہوتا ہے نہ اُن کی دعوت کیجاتی ہے۔

۵ - اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ ہر جلسہ اور مجمع میں کھانے پینے کی کچھ چاٹ ضرور رکھی جاتی ہے اور سوا مستثنے موقعوں کے عزیزوں کا اجتماع بغیر اسکے کہ کچھ کھانا کھلایا جاے یا ساتھ باندھ دیا جاے نہیں ہوتا۔ اسمیں صرف استثنا غمی کے مواقع ہیں۔ خوشی کا کوئی موقع ایسا نہیں جو خالی خولی ہوتا ہو۔

۶ - دعوتیں دو طریق کی ہوتی ہیں ایک وہ جنمیں ایک مقدار معین کے خاص کھانے کی ہر شخص کو تقسیم کر دیجاتی ہے۔ دوسرے وہ جنمیں اسباب برادری دستر خوان پر بٹھائے جاتے ہیں اور اس میں مقررہ قسمیں کھانے کی ہوتی ہیں۔ اور ہر شخص کے سامنے اندازہ معین سے سب قسمیں رکھ دیجاتی ہیں۔ جس کا جی چاہے کھائے اور جس کا چاہے باندھ لیجائے۔

۷ - معذورین اور غیر حاضرین کے واسطے اتنا اہتمام کیا جاتا ہے کہ حصہ انکے گھر بھیجا جاتا ہے۔ نہ بھیجا جاے تو شکایت ہوتی ہے۔

۸ - شادیوں میں عروس کے کپڑے۔ زیور۔ سامان۔ جہیز کے اندازے اور اعداد مقرر ہیں۔

۹ - علی العموم اہل حرفہ کو کوئی رقم سالانہ یا ماہوار نہیں دیجاتی ہے بلکہ تقریبات غمی و شادی کے موقعوں پر اُن کو اتنا دیدیا جاتا ہے کہ اُن کے خدمات سابقہ کا صلہ کافی

ہو جاتا ہے۔

۱۰۔ شادی کی تقریبات یعنی وہ مواقع جن پر اظہار مسرت کرنا چاہیئے مقرر ہیں۔ مثلاً مکتب۔ ختنہ۔ نکاح۔ ولادت فرزند نرینہ۔ یہ اہل قصبہ و اہل شہر و اہل دیہہ سب میں جاری ہیں۔

۱۱۔ علی العموم اہل قصبات حفظ صحت کے قوانین سے نابلد ہیں اور اگر کچھ واقف بھی ہیں تو اُن پر عمل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کرتے۔ اس کا نتیجہ زیادہ تر اُس جنس پر پڑتا ہے جس کی عمر کا بیشتر حصہ قصبات ہی میں صرف ہوتا ہے یعنی مرد تو کاروباری ضرورتوں کی وجہ سے باہر چلتے پھرتے رہتے ہیں لیکن عورتیں جو اس قسم کے مشاغل سے محروم ہیں علی العموم سخت امراض میں مبتلا رہا کرتی ہیں اور اب اُن کی عمریں کوتاہ ہوتی جاتی ہیں۔

اب اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ فی زمانہ جس قدر تغیرات ہمارے گرد وپیش کے حالات میں ہوئے ہیں اُن کی وجہ سے کون باتیں سب سے زیادہ قابل لحاظ ہیں۔ جو ہماری معاشرت میں کسی تغیر کی ضرورت پیدا کر رہے ہیں۔ ہمکو اس وقت یہ معلوم ہوتا ہے کہ اولاً ہم لوگوں کی مالی حالت کے لحاظ سے معاشرت کی مختلف چیزوں میں ترمیم و اصلاح کی حاجت ہے۔ اور ثانیاً حالات زمانہ کی تبدیلی کے سبب شایستگی کے خیالات جیسے کچھ بدلے ہیں اُنکا یہ تقاضہ ہے کہ بہت باتیں جو پہلے خوش آیند معلوم ہوتی تھیں اب ناپسند بلکہ ناگوار ہیں۔ اسے کسی قدر تفصیل سے یوں سمجھیئے:

۱۔ پہلے ہم اس ملک میں حکمراں تھے اس لیے ہم میں سے ہر شخص کو دولت کے پیدا کرنے کے بہت سے ذریعے اور وسیلے حاصل تھے۔ اور اس کے ہم میں ایک گروہ اہل علم حضرات کا تھا جو اس وجہ سے ممتاز و سربلند تھا کہ دیگر ہمسایہ قومیں علم سے بے بہرہ تھیں اور اسی امتیاز کے بدولت ہمارے اسلاف اعلیٰ مدارج و خدمات سرکاری پہ سرفراز تھے۔

اب یہ دونو باتیں نہیں رہیں۔ اگر ہم میں علم ہے بھی تو بمقابلہ دوسروں کے اب ہم کو کوئی امتیاز یا تفوق نہیں ہے۔ اس لیے اب دولت عسیر الحصول ہوگئی ہے اور ہم کو اب وہ شیر ملی کا حصہ نہیں ملتا جو کبھی ملتا تھا کیونکہ اب اور بھی رقیب و حریف میدان میں آگئے ہیں

۲- جس وقت کی معاشرت کی لکیر ہم پیٹ رہے ہیں اسوقت ضروریات زندگی کم تھیں سامان آسایش و آرایش کی یہ ارزانی نہتی۔ عموماً اہل قصبہ بیرونی دنیا سے بے تعلق رہتے تھے اس لیے اُنکی روزانہ زندگی نہایت سادگی سے گزر جاتی تھی اور وہ ایک اندوختہ جمع کرسکتے تھے۔

۳- معمولی اشیاء خوردنی کا نرخ دوچند سہ چند ہوگیا ہے۔ مزدوری کی شرح بڑھ گئی ہے۔ لباس میں عموماً بھی وہ سادگی باقی نہیں رہی ہے اور آمدورفت کے وسائل کی آسانی نے قصباتی اور شہری زندگی میں کوئی فرق باقی نہیں رکھا ہے۔ اب اہل قصبہ ایک محدود دائرہ میں نہیں رہ سکتے۔ ان باتوں کا اثر یہ ہے کہ اب وہ اندوختہ بمشکل جمع ہوسکتا ہے جس کے ذریعہ سے نمود و نمایش کے بڑے بڑے کام سرانجام ہوسکیں

۴- تعلیم اطفال کا خرچ اسقدر زیادہ ہوگیا ہے کہ سابق کے اخراجات تعلیم سے اُنکا کوئی مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔

۵- کاروباری دنیا کے مشغلوں میں پھنسے رہنے نے ضرورت پیدا کردی ہے کہ تفریح و دلبستگی کا کچھ سامان جمع کیا جاے ماشاء اللہ ان سامانوں کی وہ افراط ہے کہ طبیعت کو روکنا آسان نہیں ہے۔ وقس علی ہذا۔

یہ جس قدر ضرورتیں ہیں۔ ان کے رفع کرنے کی دو ہی صورتیں ہیں۔ یا یہ کہ قدیم روش بالکل ترک کردی جاے اور جس قدر اخراجات اوس روش کیواسطے ضروری و لازمی سمجھے وہ یک قلم مسدود کردیے جائیں۔ یا یہ کہ اُن میں بقدر مناسب تخفیف

کر دیجاے اور مداخل کے بڑھانے کی فکر کی جلے۔

میں اس خیال کا حامی ہوں کہ جس قدر ہنرمندی ہم لوگوں میں اسوقت موجود ہے اسکی قیمت ہمکو بازار میں اتنی نہیں مل سکتی جس سے اسلاف کی روش بھی نبھ سکے اور موجودہ زمانہ کے لحاظ سے سفید پوشی و مردانگی بھی قائم رہ سکے۔ اس لیے صرف اصول کفایت شعاری کو پیش نظر رکھ کے قدیم روش میں فی الجملہ تخفیف کیجاے اور حشو و زوائد اڑا دیئے جائیں اور نہایت مستقل اور مسلسل کوشش دولت زیادہ پیدا کرنے کی کیجائے۔ اور اُس کی صرف ایک ہی ترکیب ہے۔ یعنی۔ تعلیم۔ تعلیم۔ تعلیم۔

میں تعلیم کے مسئلہ میں کسی خاص جنس کو اپنا مخاطب قرار نہیں دیتا۔ کسی مخصوص علم کی سفارش نہیں کرتا۔ میں صاف لفظوں میں کہتا ہوں کہ تم اپنے بچوں کو تعلیم دو۔ لیکن بچیوں کو تعلیم دو۔ اُن کو جس زبان میں چاہے تعلیم دو۔ جس کتاب کا سبق چاہے پڑھاو۔ مگر حقایق الاشیا ر کا علم ضرور سکھاو۔ کتاب فطرت کے سبق ضرور پڑھاو۔ گھر میں بیٹھ کے خود پڑھاؤ۔ معلّم اور معلّمہ نوکر رکھ کے پڑھاؤ۔ یا مدرسہ و کالج بھیج کے پڑھاؤ۔ مگر پڑھاؤ اور ضرور پڑھاؤ۔ اور اگر اس سے غفلت کروگے تو تمھاری کوئی کوشش اُنکی صلاح و فلاح کی بیکار ہے۔ فضول ہے عبث ہے۔ تم معاشرت کی اصلاح کی فکر نہ کرو اور ہرگز نہ کرو کیونکہ اس سے کچھ فائدہ نہیں ہے۔

سب سے زیادہ جس اصلاح کی ضرورت مجھے محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ہماری ہر قسم کی تقریب پر مقدم تقریب یہ ہونا چاہیئے کہ ہم اُس موقع پر اظہار مسرت کے جلسہ کریں جب ہم میں کا کوئی شخص زیور علم سے آراستہ ہو کر فارغ التحصیل ہو اور یونیورسٹی کے انتہائی امتحان میں کامیاب ہو جائے۔ اور دوسرا اُس سے بھی زیادہ مسرت و شادمانی کے اظہار کا موقع وہ ہونا چاہیئے جب کہ کوئی عزیز بوجہ اپنی قابلیت و استعداد علمی کے کسی منصب

طفیل وہ بحالی پر قائم ہو۔ ان موقعوں پر اظہار مسرت نہ صرف کسی شخص کو کرنا چاہیے بلکہ ہر ذی مقدرت ہموطن کو چاہیئے کہ وہ بطور چندہ کے کچھ اپنی جیب سے دے اور عام طور سے کوئی دعوت ارباب وطن کی کیجائے۔ اس مقام پر مجھے صرف یہ کہہ دینا ضرور ہے کہ ہمارے اسلاف کے علم دوست ہونے کی یہ ایک نشانی موجود ہے کہ ہم اپنے بچوں کے مکتب کی رسم کو ایک تقریب کی شان سے کرنے کے عادی ہیں۔ لیکن ابتو بجائے اس کے کہ اس بات پر خوشی منائی جائے کہ لڑکے نے بسم اللہ کی اور الف بے شروع کی اسوقت خوشی منانا چاہیے جب کہ لڑکا کوئی علمی امتحان پاس کرے۔ آجکل کے زمانہ میں جب تحصیل علم کی اسقدر ضرورت محسوس ہوگئی ہے کہ ہندوستان کی کوئی قوم اس ذہن سے خالی نہیں ہے۔ تعلیم کا معیار اتنا بلند ہو گیا ہے کہ فارغ التحصیل ہونا گویا جوئے شیر لانا ہے اس کی کیا خوشی ہے کہ صاحبزادے مکتب میں بیٹھے۔ خوشی اگر ہو سکتی ہے تو اسی وقت جب وہ اپنی محنت اور کوشش سے ماں باپ کو وہ دن دکھائیں جو ہزاروں منتوں مرادوں سے دیکھنا نصیب ہوتا ہے۔

اسی کے ساتھ میری یہ بھی رائے ہے کہ تا وقتیکہ علمی حیثیت سے کوئی شخص اتنی قابلیت نہ پیدا کرے کہ وہ اپنی محنت اور ہنرمندی سے اپنی اور اپنی آئندہ نسل کی پرورش کر سکے اسکو تمدن کے پہلے زینہ یعنی ازدواج پر قدم رکھنے کی جرات نہ کرنا چاہیے۔ اگر یہ خیال اہل وطن کے دلمیں راسخ ہو جائے۔ اور اسپر ہر شخص عمل کرنے لگے تو اس کا نتیجہ لازمی یہ ہوگا کہ ہم میں کا کوئی شخص زیور علم سے معرّا نہ نظر آئیگا۔ یہ خیال بجدے اب بھی موجود ہے لیکن اب ہمکو اپنی معاشرت کے دستور العمل کی پہلی دفعہ اسی کو قرار دے لینا چاہیے اسی طرح ہم لوگوں کی کوشش زیادہ ترتیب اور سلسلہ کے ساتھ اپنی لڑکیوں کی تعلیم کی طرف مبذول کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب یہ خیال کہ علم کا خاصہ صرف شائستگی کو ترقی دینا اور اچھا انسان بنانا ہے اسقدر مسلم ہوگیا ہے کہ طالبعلم کی جنس

عمر۔ ذات۔ قومیت کوئی شے ایسی نہیں جس کی وجہ سے اس کلیہ میں کسی استثناء کی حاجت ہو ایس۔ اگر تم اپنی آیندہ نسل کو شایستہ اور ترقی یافتہ دیکھنا چاہتے ہو تو سب سے پہلے اپنے گھروں کی چاردیواری سے جہالت اور اسکے لازمی نتائج پستی خیالات۔ تنگی نظر اور باطل پرستی کو نکالنے کی کوشش کرو۔

دوسری اصلاح جو میں تجویز کرتا ہوں یہ ہے کہ جسقدر مذہبی فریضے یا معاشرت کے امور ہیں اُنمیں تقریب کی اہمیت پیدا کرنا ضروری نہ سمجھا جائے۔ بلکہ اُن کو معمولی اور ضروری کام سمجھ کے ادا کردینا چاہیے اور جس قدر لوازمات اُسکے بڑھا دیے گئے ہیں اُن کو رفتہ رفتہ گھٹا دینا چاہیئے۔ مثلاً علی العموم بڑی سی بڑی تقریب یا مجموعہ تقاریب ہم لوگوں میں وہ ہے جسے غیر شرعی تکلفات سے مخلع نہ کریں تو شادی اور کردیں تو نکاح کہتے ہیں۔ ایسے موقع پر متعدد مراسم جنمیں مصارف کی بہت گنجایش ہے ادا کرنا ضروری ہیں اور یہ موقع ہر قسم کے اظہار مسرت کے واسطے مخصوص کرلیا گیا ہے۔ کیوں ہ اسلیے کہ اُس وقت جبکہ نوع انسان عالم طفولیت میں تھی۔ اور اُس کے خیالات کھاؤ پیو اور خوش رہو کے دائرے سے آگے نہیں بڑھے تھے یہ انسانی تمدن کا پہلا زینہ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اب کہ تمدن نہایت وسیع پیمانہ پر ہوگیا ہے۔ شایستگی کے خیالات زمین سے آسمان کو پہونچ گئے ہیں اس رسم میں اتنی اہمیت باقی نہیں رہی ہے کہ صرف یہی ایک موقع اظہار مسرت کا قرار دے لیا جائے اور اس رسم کا ادا کرنا ایک بڑی مقدار دولت کے فراہم ہونے تک موقوف رکھا جائے۔ کم سے کم۔ اس بابت میں ہم کو اپنی شرعی سادگی کی انتہا تک ترمیم کرلے کی پوری گنجایش ہے۔ اس لیے حتی المقدور شرعی سادگی تک پہونچنے کی کوشش کا سلسلہ شروع کردینا چاہیئے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جو نظام معاشرت اس وقت ہم میں قائم ہے وہ محض حالات وقت کا قایم کیا ہوا ہے۔ قصداً کسی شخص نے اُسکو قائم نہیں کیا ہے۔ ہمارے اسلاف کے

ہوگئے ہیں۔ اسکے عادی ہو رہے تھے کہ وہ دور دست مقامات میں بغرض تحصیل معاش چلے جایا کرتے تھے۔ وسایل سفر کے آسان نہونے اور سفر میں ایک مدت صرف کرنے کی وجہ سے وہ لوگ جو باہر رہتے تھے اُنکا وطن میں آنا بدیر ہوتا تھا اس لیے طویل رخصت لے کے آتے تھے اور جب آتے تھے تو کچھ اندوختہ ساتھ لاتے تھے تاکہ چار چھ مہینے اطمینان سے اعزا سے وطن میں بسر ہوں اور اسی زمانہ میں اپنی اولاد کے فرائض مذہبی و معاشرتی سے انفراغ بھی پیش نظر ہوتا تھا جس کا سامان وہ ساتھ لاتے تھے۔ اس طور پر اظہار او الٹری اور حوصلۂ دعوت اعزا کے خیالات صرف کسی تقریب سے وابستہ کر دیے گئے تھے لیکن اب زمانہ بدل گیا ہے۔ اب کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ کیوں یہ نظام قائم رکھا جائے۔

بہرکیف۔ اسمیں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں ہے کہ کس موقع کو تقریب کی اہمیت دیجائے۔ بحسب اقتضاے حالت ہر شخص اپنے واسطے موقع کی تلاش کر سکتا ہے کہنا صرف یہ ہے کہ وہ فرائض مذہبی و معاشرتی جو چار و ناچار ادا کرنا پڑتی ہیں اُن کو اظہار حوصلہ و سیر چشمی کا تنہا موقع قرار دینا اکثر اُن فرائض کی ادائی میں غیر ضروری اور تکلیف دہ تاخیر کا سبب ہوا کرتا ہے اس لیے اس حد تک ترمیم کی ضرورت ہے کہ فرض فرض سمجھ کے کیا جائے اور اظہار حوصلہ صرف اُسوقت کیا جاے جب کہ اسکی استطاعت ہو اور کسی میں حوصلہ بھی ہو تاکہ ہر شخص اپنے فرائض سے بآسانی سبکدوش ہو سکے۔

آخر میں مجھے اپنے بیان کے طریقہ دعوت کے متعلق صرف چند باتیں کہنا ضروری ہیں۔

(۱) جو مقصد اصلی دعوت کا ہے وہ ہمارے موجودہ طریقہ سے حاصل نہیں ہوتا یعنی عزیزوں کا مل بیٹھنا اور تھوڑا وقت تفریح و بے تکلفی سے گذرنا۔

(۲) ہم لوگ جو کھانا کھلاتے ہیں - ہمارے واسطے قیمتی ہوتا ہے - اس قدر کہ اس کی فراہمی بارِ خاطر کا سبب ہوا کرتی ہے اور جس قدر قیمت ہم صرف کرتے ہیں اُس کا عشر عشیر بھی لطف کھانے والوں کو نہیں ملتا۔

(۳) یہ رسم حد درجہ مکروہ وناشایستہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل بہادری کے ہاتھوں میں حصہ دیا جاتا ہے - اس کو صرف تبرکات تک مخصوص کرنا چاہیے۔

(۴) مٹی کے برتنوں کا استعمال محض ناپسندیدہ ہے۔

(۵) کھانوں کے اقسام کا تعین بھی موجودہ خیالات کی رو سے قابل تبدیلی ہے

→ • ←

اسمیں حسب ذیل اصلاحات کی ضرورت ہے -

۱- کھانوں میں - متعدد اقسام کی بہ نسبت لطافت و نفاست کا خیال مقدم ہونا چاہیے۔

۲- سرد کھانے کے عوض گرم کھلانے کی کوشش کرنا چاہیے۔

۳- مقصد اسمیں یہ ہونا چاہیے کہ جو شخص آئے وہ کھائے نہ یہ کہ اُس کے خدم وحشم کھائیں چاہے وہ خود نہ کھائے۔

۴- اگر زیادہ آدمیوں کے اجتماع سے بے لطفی کا اندیشہ ہو تو تھوڑے تھوڑے آدمیوں کا مجمع باوقات مختلف کیا جائے۔

۵- بجائے اس کے کہ حصے ہاتھ میں دیے جائیں مختصر خوا کہ میزوں پر چن دیے جائیں۔

۶- چینی کے برتن استعمال کیے جائیں۔

۷- کھانے کی مقدار صرف اسقدر ہو کہ ایک آدمی پیٹ بھر کے کھا سکے۔

(احمد علی - بی - اے - مرحوم)

مسلم یونیورسٹی

کی تحریک سے مسلمان خواتین ہند کی دلچسپی ایک مبارک فال ہے۔ ہزہائینس آغاخان بالقابہ نے جب گذشتہ اجلاس کانفرنس کے موقع پر اس امر کا تہیہ کر لیا کہ حضور ملک معظم کے ہندوستان تشریف لانے کی قابل فخر و ناز خوش قسمتی کی یاد تازہ رکھنے کے لیے مسلمانون کو چاہیے کہ اسی سال کے اندر اندر اس مہتم بالشان تجویز کو عملی صورت مین لے آئین جس سے مسلمانان ہند کی قومی فلاح و بہبودی وابستہ ہی۔ تو لبیک کا سب سے پہلا مؤثر نعرہ حضور عالیہ بیگم صاحبہ بھوپال خلد اللہ ملکہا کی زبان دل سے نکلا تھا۔

اس واقعہ کے کچھ ہی دنون بعد مسلمان خواتین کے تعلیم یافتہ طبقہ مین یہ تحریک پھیلنے لگی اور اب خدا کے فضل سے جہان کہین تعلیم یافتہ خواتین کی کوششین بارآور ہو سکتی تھین وہان مسلم یونیورسٹی کے لیے چندہ جمع ہو رہا ہے۔ بلدہ فرخندہ بنیاد حیدرآباد (دکن) مین مسز نظامت جنگ کے عشرتکدہ پر اسی تحریک کے متعلق ایک جلسہ ہوا تھا جسمین حیدرآباد کی اکثر معزز خواتین شریک تھین۔ معزز میزبان نے اس موقع پر جو مؤثر اور دلپذیر تقریر فرمائی تھی اُسکی نقل ایک بزرگ کی وساطت سے ہمین موصول ہوئی ہی اور درج ذیل کیجاتی ہی۔ ایڈیٹر

محمڈن یونیورسٹی کے قائم کرنے کی طرف آجکل کُل روساے اسلام کا رجحان ہے اور کل ہندوستان نے اس کار خیر مین حتی الامکان مدد دی ہے حیدرآباد جو مسلمانون کا اصل مرکز اور دارالسلطنت ہی ضرور ہی کہ اس کام مین جو خاص مسلمانون کے فائدے کے لیے ہے سب سے بڑھ کر رہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ ہندوستان کی کل قومون مین مسلمان تعلیم کے لحاظ سے سب سے پیچھے ہین اور یہی وجہ ہے کہ سب قومون سے زیادہ یہی پریشان حال ہین۔ مدرسہ علیگڈھ کے قائم ہونے کے بعد سے یہ پہلا مرتبہ ہے کہ کل مسلمان ایک اس طرح کے قومی کام پر متحد ہوئے ہین۔ اس سے امید ہوتی ہے کہ آئندہ نتیجہ حسب دلخواہ ہوگا۔ اور لڑائی جھگڑون سے دست بردار ہو کر کل فرقہ مسلمانون کے اپنی حالت کو سنبھالنے کی کوشش کرینگے اور ایک دوسرے کی اور کل ان اقوام کی جنکے ساتھ ہم مدتون سے بھائی بھائی کی طرح رہے ہین۔ مدد کرینگے۔ مذہبی تعلیم جو فی الحال قابل تشفی نہین ہے

اسکا بھی قرار واقعی انتظام ہو جائے گا۔ پس ایسی حالت مین ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جو کچھ جس سے ہو سکے اس کار خیر مین مدد کرے اور سب سے بڑھ کر ہماری قوم کی مان بہنون اور معزز خواتین کا یہ فرض ہے کہ اپنی قوم کی مدد کرنے مین کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھین۔

اس مہینہ کے شریف بی بی کے پرچہ مین مین نے دیکھا کہ اکثر غریب بی بیون نے جنھین اپنی قوم کا درد ہے اور جنکے پاس کچھ اور نقد نہ تھا اپنا اپنا زیور اُتار کر اس کار خیر کے لیے بھیج دیا۔ نہ کسی کی رہی ہے نہ رہجائے گی۔ دنیا ایک گذرگاہ ہے جسمین سوا خدا کے نام کے کچھ نہین رہے گا۔ انسان آج ہے کل نہین مگر جو نیک کام آدمی کرتا ہے وہ ہمیشہ کے لیے رہ جاتا ہے اور ثواب دنیا و آخرت کا باعث ہوتا ہے انسان کی عزت بھی اسی پر موقوف ہے کہ وہ ایک ایسی قوم کا فرد ہو جو دنیا مین عزت کی نگاہون سے دیکھی جاتی ہو نہ ایسی قوم کا جو گر کر سنبھل نہ سکے لبقول۔ حالی

کسی نے یہ بقراط سے جاکے پوچھا	مرض تیرے نزدیک مہلک ہین کیا کیا
کہا دکھ جہان مین نہین کوئی ایسا	کہ جس کی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا

مگر وہ مرض جسکو آسان سمجھین۔ اور دل سے اُسکے معالجہ کی طرف متوجہ ہون تو کیا ہمارا مرض جہالت اور اسکی دوا تعلیم نہین ہی؟ پس اگر ہم اپنے لیے یونیورسٹی بناتے ہین تو گویا ہم اپنے واسطے ایک شفا خانہ قائم کر رہے ہین اور اگر ہماری رحم دل مائین اور شفیق بہنین ہماری تیمارداری کی طرف متوجہ ہون تو کیا امید ہکو صحت کی ہو سکتی ہے۔ پھر جاگنے کی امید اس قوم کی ہو سکتی ہے جسکی بی بیان اپنی ذمہ داری سے آگاہ ہون اور یہ سمجھین کہ مردہ قوم کی زندہ کرنیوالیان وہی ہین انہی کے نازک ہاتھ اور رقیق قلب جب اس کام کی طرف آمادہ ہونگے اور انہی کے نفس جب مسیحائی کرینگے تب کہین "قم باذنی" کا اثر بیجان قوم کے جسم کو جنبش مین لائیگا۔

اے ماؤ بہنو بیٹیو دنیا کی زینت تم سے ہی	ملکون کی بستی ہو تمھین قومون کی عزت تم سے ہی
تم گھر کی ہو شہزادیان شہرون کی ہو آبادیان	غمگین دلون کی شادیان دکھ سکھ مین راحت تم سے ہے

تم ہو تو غربت سے وطن تم بن ہو ویرانہ چمن | ہو دیس یا پردیس جینے کی حلاوت تم سے ہے
نیکی کی تم تصویر ہو عفت کی تم تدبیر ہو | ہو دین کی تم پاسبان ایمان سلامت تم سے ہے
فطرت تمہاری ہے حیا طینت میں ہے مہر و وفا | گھٹی میں ہے صبر و رضا انسان عبارت تم سے ہے
مرد و زمین ست والے تحت بیٹھے اپنا کب کے کھو | دنیا میں اے ستونتی والے دیکھے اب ست تم سے ہے
مونس ہو خاوند کی تم غمخوار فرزندون کی تم | تم بن ہے گھر ویران سب گھر بھر مین برکت تم سے ہے
تم آس ہو بیمار کی ڈھارس ہو تم بیکار کی | دولت ہو تم نادار کی عسرت مین عشرت تم سے ہے

یون تو اس کام مین ہر کس و ناکس کو کچھ نہ کچھ دینا چاہیے جو محنت مزدوری کرنیوالیان مین وہ تک تمام اپنے دن کی اجرت قوم کی نذر کر رہی ہین مگر انکا یا ہمارا دینا کیا - چھوٹا منھ بڑی بات بدرقرار واقعی وہی معزز خواتین کر سکتی ہین، جنکو خدا نے اپنے فضل و کرم سے صاحب ثروت بنایا ہے، جیسے آپ لوگ ہین۔

گنجینۂ احسانش تنگ ہ ہے گرد د | گر تا ابد انعام دہد صفر رقسم را

عالیجناب نواب بیگم صاحبہ بھوپال نے زرکثیر اس کار خیر کے لیے دیا ہے اور بہ نفس نفیس بھی اس کام مین شریک ہین یونیورسٹی کے ڈیپوٹیشن مین شامل ہین اور اپنی ہمت خداداد سے اپنی قوم کی مدد کر رہی ہین - اور مسلمانون کی ہمت کو بڑھا رہی ہین جس قوم مین ایسی پاک بی بیان ہون اس قوم کے پنپ جانے کی امید ہو سکتی ہے -

کل خواتین حیدرآباد سے استدعا ہے کہ آپ اس کام مین مدد کرین تاکہ ہندوستان کو ہماری معزز مستورات کی سخاوت اور ہمدردی کا حال معلوم ہو جائے اور حیدرآباد ہندوستان کے کل ممالک مین اس کار خیر مین سب سے بڑھ چڑھ کر رہے -

مسز حیدر نواز جنگ

سودائے گریبان بہ سودے کہ مینیان | گوہر عوض قطرہ ز دریا نستاند

شیخ علی حزین

بیگم صاحبہ بھوپال

یورپ مین

اعلیحضرت حضور ملک معظم کی رسم تاجپوشی کے سلسلہ مین جو والیان ریاست ہندوستان سے یورپ گئے ہین اونمین علیا حضرت بیگم صاحبہ کی ذات بابرکات اس خصوصیت امتیازی کی وجہ سے کہ روے زمین پر تنہا وہی ایک عورت ہین جو حکمرانی کی اہم ذمہ داریون کا عظیم الشان بار اوٹھائے ہوے ہین سارے یورپ کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے۔

اہل انگلستان نے جس گرمجوشی اور عزت واحترام سے آپ کا استقبال کیا اوسکی کیفیت اخبارات کے ذریعہ سے معلوم ہوئی تھی۔ ملک معظم اور ملکہ معظمہ کی ملاقات سے شرف اندوز ہوکر حضور عالیہ چند روز کیلئے دارالسلطنت فرانس کی سیر کو تشریف لیگئی ہین۔ انگلستان کے باشندے تو ہندوستانی تعلقات کی وجہ سے ریاست بھوپال کی فرمان روا سے بالکل ناواقف نتھے اسی لئے اونھون نے آپ کے ورود لندن پر اظہار مسرت اور آپکی مجمع الصفات شخصیت کی مدحت سرائی بڑی آلکنا کی مگر پیرس کے لوگ تو آپکو دیکھکر دریائے حیرت مین غرق ہوگئے اور اونکی حیرانی ہی بجا تھی کیونکہ آپ شریعت مطہرہ کی پابند ہین اپنے چہرہ انور اور جسم اطہر کو نقاب اور برقعہ کی مدد سے اونکی غیر محرم نظرون سے پوشیدہ رکھتی ہین اور وہ بیچارے مغرب کی عالی منزلت طرز معاشرت کے قوانین سے نہ واقف ہین اور نہ اونکی قدر کرسکتے ہین چنانچہ جس ہوٹل مین علیا حضرت تشریف فرما تہین اخبارات کا بیان ہو کہ اوسکے گرد دن بہر ایک جم غفیر اس امید مین جمع رہتا تہا کہ کسی طرح سے حضور عالیہ کے چہرہ مبارک کی ایک جہلک نظر آجائے لیکن اسلامی پردہ کی آہنی دیوارون نے اونکی یہ مراد پوری نہ ہونے دی۔

ایک انگریزی خاتون مس نوبٹ نامی نے آپ کے متعلق کسی فرانسیسی اخبار مین ایک مضمون لکہا تہا۔ آنریبل بیگم صاحبہ سکرٹری پرنسس آف ویلز کلب بھوپال نے اوس کا ترجمہ ہمارے پاس بغرض اندراج بھیجا ہی۔ ہم اوسکا ایک نصف حصہ درج ذیل کرتے ہین۔ مضمون کا جو حصہ شائع نہین کیا گیا وہ زیادہ تر ریاست بھوپال کی تاریخ سے متعلق تہا جو ہندوستان مین بہت مشہور ہے۔ ایڈیٹر

ریاست بھوپال کی حکمران ملکہ جناب نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ چند دنون سے پیرس مین ہین۔ یہ اونکا پہلا سفر یورپ کا ہے۔ دوسرے ہفتہ مین وہ ہز مجسٹی) جارج پنجم کی تاج پوشی کے جشن مین شریک ہونے کے لئے لندن تشریف نے جائینگی۔ جن اشخاص کو بیگم صاحبہ سے نیاز حاصل ہوا ہے وہ دیکھکر بیحد متعجب اور متحیر ہوئے۔ بیگم صاحبہ ممدوح کی روش سادی۔ اخلاق اعلے اور قد میانہ ہے۔ اونکا نقشہ سبک۔ چہرہ رعب دار اور آنکھین پرتاب ہین۔ جو ہروقت بھد غور وخوض مین ڈوبی رہتی ہین مگر ساتھ ہی اونکی نظر مین محبت اور پتلیون مین خوشگوار چمک پائی جاتی ہے۔ بیگم صاحبہ زبان انگریزی مین روانی اور نہایت صفائی سے گفتگو کرتی ہین اور فن حکمت کی بیحد شایق ہین۔ فرصت کے اوقات مین مصوری اور نقش نگاری مین مصروف رہتی ہین اور اونکی گفتگو سے زندگی کا بہت بڑا تجربہ ظاہر ہوتا ہے اور محنت و ذمہ داری کا شوق چہرہ پر نمایان ہے۔ وہ ایک پرہیزگار مسلمان ملکہ ہین۔ اور مکہ معظمہ کا سفر بھی کر چکی ہین۔ وہ فرمان روائی کی اعلے صفات سے متصف ہین اور مستعدی کے ساتھ اپنی سلطنت کے تمام کامون کو رعایا کی بہبود کو پیش نظر رکھکر انجام دیتی ہین۔

آبرو بیگم

ریویو

ہم نئے ہمعصر تمدن کا خیرمقدم کرتے ہوے اُردو لٹریچر مین اس جدید اضافہ پر اظہار مسرت کرتے ہین۔ یہ دہلی سے مولوی عبدالراشد الخیری اور شیخ محمد اکرام کی اڈیٹری مین نکلنا شروع ہوا ہے۔ ظاہری حیثیت سے عصمت اور تمدن مین سوا اسکے کوئی فرق نہین معلوم ہوتا کہ عصمت کی لوح مطلا اور سرخ رنگ کی ہوتی ہے اور تمدن کا سرورق سادہ اور آسمانی رنگ کا ہے اور ہونا بھی ایسا ہی چاہئے تھا کیونکہ اہتمام اور ملک کی نسبت سے دونون حقیقی بہن بھائی کہے جاسکتے ہین۔ مضامین کے لحاظ سے دونون مین فرق ہے۔ ایک مین عورتون کے متعلق تمام مضامین ہوتے ہین اور دوسرے

مین وہ تمام مباحث داخل ہین جو دوسرے لٹریری پرچون مین پائے جاتے ہین - ابھی تک صرف دو نمبر نکلے ہین اسلئے رسالہ کی ادبی اخلاقی حیثیت پر کسی قسم کی رائے زنی قرین مصلحت نہین معلوم ہوتی - لیکن یہ کہنا بیجا نہوگا کہ اوسکو دلچسپ بنانے مین پوری کوشش کیجاتی ہے - قیمت قسم اول کی ہے اور قسم دوم کی چار ... رکھی گئی ہے جو صاحب ہم ...ا لعقین دفتر عصمت و تمدن سے طلب کرین -

---

ہمارے دفتر مین مندرجۂ ذیل کتب بغرض ریویو موصول ہوی ہین بے

محبوب الاخلاق (مولوی سید محمد فاروق) بیاض ارشد (منشی رشید احمد ارشد تھانوی) کلام فیروز (حکیم نیر ذرالدین احمد فیروز) آئینہ مشاعرہ (سرور قادری) جذبات نادر (منشی نادر علی خان نادر) محمڈن یونیورسٹی (منشی احمد علی شوق قدوائی) تذکرہ حضرت ابو النجیب عبد القاہر السہروردی جو آئینہ (مولانا شاہ حسن میان ابن مولانا شاہ محمد سلیمان) تاریخ ابو البشر (مفتی محمد انوار الحق ایم اے مولوی فاضل) تحفۃ النسا (ڈاکٹر ح - س حسن) اساس الاخلاق (خان بہادر مرزا سلطان احمد) مبادی سائنس (مولوی معشوق حسین خان بی - اے) جنگ مذہب و سائنس (مولوی ظفر علی خان بی - اے -) نالۂ موزون و حیات زیب النسا (حکیم مظفر حسین اظہر) -

یہ ... اکثر کتابین عرصہ سے آئی ہوی رکھی ہین - لیکن ہماری علالت اونکے مطالعہ اور ریویو کی سد راہ رہی جسکی وجہ سے ہم اون حضرات سے شرمندہ ہین جنھون نے ریویو کے لئے کتابین اور رسالے عنایت ہین - اب ہماری طبیعت سنبھل رہی ہے اور انشاء اللہ جلد اس بار سے سبکدوشی حاصل کرنے کی فکر کیجائیگی - چونکہ کتابون کی تعداد زیادہ ہے اور اونمین سے ایسی بھی ہین جنپر مفصل ریویو کی ضرورت ہے اسلئے ہمین حضرت مصنفین سے یہ التماس کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اونکو انتظار کی تھوڑی تکلیف اور گوارا کرنا پڑیگی کیونکہ اتنی بہت سی کتابین پر مختلف نمبرون مین ریویو کئے جا سکین گے -

جنیرل

آہ! چمنستان اردو ۔ وہ لوگ جو تیری آبیاری مین اپنا خون جگر صرف کرتے تھے ایک ایک کرکے اوٹھ گئے ۔ داغ و امیر نے جب مسند ملک الشعرائی کو یکے بعد دیگرے خالی کیا تو دنیاے اُردو کا شیرازہ پراگندہ ہوگیا تہا اور قدیم شاعری کا دم لبون پر آگیا تہا لیکن جو چند نفوس اگلے وقتونکی یاد دلانیکے لئے باقی رہگئے تھے اونکی ذات سے امید تھی کہ بوستان اُردو مین بہار آجائیگی اور شاعری کی بیاض کہن کے اوراق پریشان پہر یکجا ہو جائین گے ۔ مگر بعد کے سانحات نے ہماری رہی سہی امیدون کا خاتمہ کردیا ۔

ابہی حضرت جلال کی تربت کے پہول خشک نہوے تھے کہ خزان کا ایک اور جہونکا آیا اور ریاض دگلزار نسیم جناب منشی امیر اللہ تسلیم نے بہی رحلت فرمائی عالم جاودانی ہوے مرحوم بغرض علاج لکہنو تشریف لائے تھے اور یہین ۲۸ مئی کو انتقال فرمایا ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حال مین پنجاب یونیورسٹی نے شمس العلما مولوی شبلی نعمانی کو اونکی بسیط تالیف "شعر العجم" کے صلہ مین مبلغ پندرہ سو روپیہ ۔ برادرم مسٹر ظفر علی خان بی ۔ اے ۔ ایڈیٹر زمیندار و پنجاب ریویو کو اونکی قابل التعریف ترجمہ "جنگ مذہب و سائنس" کے صلہ مین مبلغ پانچسو روپیہ اور خان بہادر مرزا سلطان احمد ممبر مال ریاست بہاولپور کو اونکی دقیق تصنیف "اساس الاخلاق" کے صلہ مین مبلغ تین سو روپیہ کے گران قدر انعامات عطا کئے ہین جو اُردو زبان کی قدر دانی کا بین ثبوت اور اس دعوے کی نہایت قوی شہادت ہے کہ اردو زبان روز بروز ترقی کرتی جاتی ہے ۔

اگرچہ یاران طریقت کی عنایت سے آئندہ یہ انعامات مصنفین اُردو کے حصے مین کہین تین سال کے بعد ملا کرینگے تاہم ہمین پوری امید ہے کہ علم دوست اصحاب محنت کا ثمرہ ملنے کے علاوہ دیرین آنکی وجہ سے برداشتہ خاطر نہونگے اور اُردو علم ادب کو سال بسال اضافون سے مالا مال کرکے

ملک اور قوم کو زیر بار منت بناتے رہینگے۔

ہمین یہ معلوم کرکے بہت مسرت ہوئی کہ الناظر کے قدردان اور ہمارے مخدوم [illegible]
الوزلطی ایم۔ اے۔ مولوی فاضل کی علمی کوششین بھی گورنمنٹ پنجاب کے دربار سے [illegible]
ہوئین یعنی علاوہ اسکے کہ "قوت خیال" اور "تاریخ ابوالبشر" کی بہت سی جلدین [illegible]
پنجاب نے خریدکین مبلغ تین سو روپیہ کا انعام بھی صاحب ممدوح کو ملا۔

ہم سب حضرات کی خدمت مین اس قدرافزائی پر اپنی ناچیز مبارکباد پیش کرتے [illegible]

ہم اپنے ناظرین کی توجہ سفید اشتہارات کے صفحہ اول کی طرف منعطف کراتے ہین۔ وہ دیکھینگے کہ ہم نے اونکے آرام کو مدنظر رکھکر "الناظر بک ایجنسی" قایم کی ہی جس کے ذریعہ سے وہ نہ صرف ہر قسم کی کتابین منگوا سکتے ہین بلکہ ہر طرح کی چھپائی کا کام بھی کرا سکتے ہین اور یہی نہین بلکہ لکھنے پڑھنے کے متعلق ہر طرح کا سامان بھی اونکے توسل سے بہیجا جا سکتا ہی۔

لکھنؤ مطابع اور اہل علم وفن کا ایک بڑا مرکز ہی۔ اس وجہ سے جو چیز یہان دستیاب ہوسکتی ہی دوسری جگہ ممکن نہین ہی۔ ہم اپنے وسیع تعلقات کی وجہ سے یہان کے بازار کا جو تجربہ رکھتے ہین وہ بھی ہر وقت آپکی خدمت کیلئے وقف رہیگا۔ اب اس سے فائدہ اوٹھانا نہ اوٹھانا آپکا کام ہی۔

فاسفوڈائن



کے اصل خلاف قوت اور تسکین پیدا ہو جاتی ہو
اعضا میں قوت آ جاتی ہے جبکہ بڑھ جاتی ہو اور
تبض رفع ہو جاتا ہے، غذا ہضم ہو کر آنتوں
فرحت بخش ہوتی ہو جسم بھر جاتا ہو، سب طرح
کمین ہو جاتی اور چہرہ صاف اور درست
ہو جاتی ہے، بالوں میں مضبوطی آ جاتی ہو جس سے
ہوتا ہو کہ یہ اعضاء کیسا عظیم اثر کرتی ہو۔
دنیا کے تمام حصوں کے با[illegible] اور
طبابت کے اعلیٰ ماہرون
کی شہادت [illegible]
[illegible]

[illegible] ورکنوالی [illegible] زمانہ نے ثابت
[illegible] نظام جسمانی
[illegible] کے کم ہونے
[illegible] امراض کے بقدر قابل اعتماد
[illegible] اس دوا نے چالیس برس سے زیادہ اپنی
شہرت قائم کر رکھی ہو
فاسفوڈائن کے اس مرکب سے عصبی کمزوری اور اسی
[illegible] کی دوسری بیماریوں میں فوری اور مستقل نفع
ہوتا ہو اور تمام فاسد خیالات اور [illegible]
[illegible] حیرت انگیز سرعت سے
[illegible] ہو جاتے
[illegible]

! خبردار !

"فاسفوڈائن" کا نام قانون ٹریڈ مارک
کے مطابق محفوظ کر لیا گیا ہو، اس لئے اسکی نقل و رنگ میں
یا کسی دوسری حیثیت سے، فروخت کرنیوالوں سے عدالتی چارہ جوئی کیجائیگی اور نیز
اور علم کی صرف یہی ایک دوا ہے جسکو کلکتہ کی نمائش واقع [illegible] میں اعلیٰ سند ملی تھی

اسکی قوت بخش تاثیرات پہلے ہی روز استعمال کرنے
[illegible] ہو جاتی ہیں، عصبی اور دماغی قوتوں میں
[illegible] کے ساتھ ہی مریض کے دل میں عادت

فیصلہ بخوبی ہو گیا ہے، کہ سائنس کی تحقیقات
دنیا میں فاسفورس کے کسی دوسرے مرکب کو
ایسی تنا وسعت اور شہرت کی قدر [illegible]

ہندوستان بھر کے دوا ساز اور دوا فروش بحساب فی بوتل (خورد) [illegible] (کلاں) [illegible] فروخت کرتے ہیں۔

صرف ڈاکٹر لالور کی

فاسفوڈائن لیبوریٹری" ہمپ اسٹیڈ - لندن - انگلستان میں بنایا جاتا ہو

[illegible] صفحہ [illegible]

Address:—

Doctor S. K. Burman
no 5-6, Tara chand Dutt St.
Calcutta

مطبع کارونیشن پریس حسن گنج لکھنؤ

Doctor S K Burman

جابجا حیات مقالات سے ہر صفحہ وریں

۱۳۲۹ھ

الناظر

نمبر ۲۶ — یکم اگست سنہ ۱۹۱۱ء — جلد ۵

فہرست مضامین

ایڈیٹر ظفر الملک علوی

دفتر رسالۂ الناظر [illegible] لکھنؤ سے شائع ہوا

قیمت سالانہ للعہ ۔ قیمت فی پرچہ ۱۰ر

الندوہ

نمبر ۲۶ — یکم اگست سنہ ۱۹۱۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قصیدہ نعتیہ

فصل زمستان نیمہ شب تاریک از تاریک تر — مانند قلب کافران اے الحذر ثم الحذر
کیا رات ہیبت ناک تھی جان آفرینِ باک تھی — وحشت کی ہفت افلاک تھی ظلمت کے تھے صد بوم و بر
دفتر سیہ کاری کی تھی کسکی کسی عفریت کی — وہ کون عفریت شقی ابلیس نام و خیرہ سر
یا دودۂ نارِ غضب یا کیفرِ کفران رب — پیرایہ پیرائے تعب آفت گر ظلمت ہنر
[illegible] مکان تیرہ وطن تیرہ جہان تیرہ زمن — تیرہ درون تیرہ بدن تیرہ دل و تیرہ جگر
پھر اس پہ طرہ وہ گھٹا دل پر ستم جان پر بلا — سفاک چشم پر ضیا جلاد ہر نور بصر
اک دیو مردم خوار تھا گویا کہ غصہ مین بھرا — لیکن سیہ پوش و بلا کوش و روان نوش جگر
یا خوف تیغ نالۂ مظلوم سینہ چاک سے — اس چرخ تیرہ کار نے منہ پر تھی لی کالی سپر
یا آبنوسی تخت تھا جسپر تھی کوئی ساحرہ — کھولے ہوے سر کی جٹا گرم فسون خوانی مگر

پھر دیکھا جاتا چمک اُسکی سیاہی کی جھلک — چکر مین تھا دل فلک جس کا سیاہ دیکھکر
ژالہ فشان نالہ کنان کھلی بدن کھلی رُوان — اے الاَمان صد الامان فریاد رب دادگر
بارش سی وہ بارش نہ تھی تھا ایک قہر ایزدی — ہر لمحہ قیامت تھی گھڑی ہر بوند تھی یم سر بسر
چارون بسا لکہ سے یہان بس ایک کرہ کا تھا نشان — پانی ہی پانی تھا عیان اُٹھتی نگاہین تھین جدہر
بادل گرج مین بے بدل تھا اس عالم مین خلل — جاتے کلیجے تھے دہل ظالم کی ہر آواز پر
آفت کا تھا نعرہ کنان ہلچل مین تھے دونون جہان — گروہون کے بے گمان کرتا تھا بس وہ گوش کر
قالب مین شور رعد کے روح خروس صور تھی — گویا خدا نے پھونکدی عالم تھا سب زیر و زبر
کانون کے اور آنکھون کے یان گوشون مین ہوہوکر نہان — کرتی تھین کچھ سرگوشیان بیتاب تھین سمع و بصر
تُندر نہین تن ور تھا وہ تن ور نہین جان ور کھو — جان ور بھی کسکی جان کو ہر جبال و دشت و در
سمجھے تھے یوم کورت جاتا تھا روز زُلزلت — توبہ بلب ذی معصیت ہم گنہ تھا جان بشر
تھی اس بلا پر اک بلا جانسوز بجلی کی ادا — غارتگر دل دردزا الذت بر ذوق نظر
لپکی رُکی دوڑی گری بیٹھی اوٹھی آلی گئی — چمکی جمی تڑپی تھمی بگڑی بنی بیداد گر
سوزش فزا تابش گرا یکسر گداز و جان گزا — آتش بدن آتش ادا آتش قدم آتش اثر
بل بے تری دوزخ فری مشکل تھی اُس سے جانبری — کرتی غضب غارتگری ہان خیر تھی اتنی مگر
ساتھ اُسکے چلتی تیز پا اک زمہریری تھی ہوا — گو سرد تھی پر خوف زا جوش ضرر نہ خوف خطر
موج اسکی اور بجلی کی لو تھین کم نہ خو مین ایک جو — وہ تند دو یہ تیز رو یہ سرد تر وہ گرم تر
وہ برق آتش تیز تھی یہ باد سرما ریز تھی — وہ تاب سوز انگیز تھی یہ موجۂ طوفان اثر
تابش تھی برفستان نشان بارش تھی وہ ژالہ فشان — دونون قیامت تو امان در کار تھا جن سے حذر
غل تھا کہ قصر و در گرے جاتے ہین کوہستان ہلے — بسمل سے باغ و زاغ کے تھے لوٹتے گر کر شجر
سردی کا آفت تھا غضب اہل جہان کہتے تھے سب — دیکھین ہین کرتے کیا غضب یہ ابر و باد تیز تر
وحش و طیور و دام و دد تھے دیکھکر یہ وقت بد — لغزیدہ جان لرزان جسد آزردہ دل آسیمہ سر

عالم تھا نیچ کا یہ جہان درماندہ تھے سب اہل جہان مفقود تھی امن و امان مجبور تھے جن و بشر
اُٹھے تو اُٹھ کر تھم گئے بیٹھے جہان پر جم گئے جاسے سرک جب دم گئے ہلنے لگے دل اور جگر
یہ سرد دل بار دنفس یعنی فصیح بے ہوس بیٹھا تھا چپ بے پیش و پس بیت الحزن کا بند در
ناگہ نگار شعلہ رو یک تازہ جسان آرزو صرصر خرام و تندخو سر پر تھا چتر ابر فر
سرتا بپا آرام دل دیرین مراد و کام دل غدار ننگ و نام دل جان نظر روح بصر
رخ پردہ زلف مشک سا یک عنبر افزان ادا لیکن پئے عاشق بلا چولٹ تھی وہ الٹی ہنر
زاہد کش و عابد فگن ایمان فریب و دین شکن تیور سے پیدا بانکپن مژگان پئے دل نیشتر
یا لا بلائے آسمان آنکھیں قضائے ناگہان پر لب حیات جاودان شیرین دہانی تنگ شکر
گلگون بدن گلگون قبا با صد کرشمہ عشوہ زن سیمین جبین شیرین ادا نازک بدن نازک کمر
مخمور مے لیکن وہ مے راحت بر جمشید و کے در پر پکارا کوئی ہے ہان کھول دے زنجیر در
مین نے کہا ہے کون تو کیسی ہے آفت روبرو پھرتا ہے تو دیوانہ خو ہے یہ دم سیر و سفر
برق طپان ابر گران باد وزیان شب تیرہ جان اسوقت تھا ممکن کہان جائے کسی کے کوئی گھر
بولا کہ خامش بے ادب اُٹھ کھول در جلدی سے اب کوئی تو ہے ایسا سبب آیا ہون جی پر کھیل کر
لاچار سنکر یہ سخن کھولا در بیت الحزن دیکھا تو اک سرو چمن نوخیز نورس تازہ تر
بولا یہ مین کاسے جان من تو اور یہ رنج و محن ہے گردش چرخ کہن پھرنا یہ تیرا دربدر
یک شمع شب افروز تو یک ماہ نور اندوز تو یہ شب ہے شب اور روز تو بیوقت یان کیسا گذر
تھا اختر برج ضیا یہ خانہ تار و پر بلا راحت بر و وحشت فزا تیرا گزرا اور پھر ادھر
صد یاری قسمت ہے تو صد گوہر زینت سے ہے تو صد مہر خوش طلعت ہے تو تجھ پر فدا جان و جگر
تو نے غضب پیدا کیا دکھلا کے منہ شیدا کیا اس دل کو ہے صید آ گیا ہون کشتۂ تیر نظر
آ گرم کر پہلو مرا تا دل یہ ہو قابو مرا اب مین ترا ہون تو مرا کر حال سے اپنے خبر
یہ سنکے وہ اک جوش مین آیا مری آغوش مین مین کچھ رہا جو ہوش مین بس ہونٹھ رکھکر ہونٹھ پر

بوسے کئی چہم لیے گو بہر دفع غم سے — لیکن ہوس سے کم یہ تہذیب تھی نو نظر
کہنے لگا پھر مجھ سے یون ہان تم زرای پر جنون — سمجھا مجھے مین کون ہون تجکو نہین میری خبر
مین ہون وہی درد نہان جسکی دوا تھی ترک جان — مین ہون وہی شوق گران جسکے سبب تھی چشم تر
مین بیقراری ہون تری فریاد زاری ہون تری — مین انتظاری ہون تری مین ہون ترا سوز جگر
مین ہون رہی رنج و تعب تجھے تیرے پان جسکے سبب — وہ نالہ ہای نیم شب وہ آہ ہنگام سحر
مین ہون تمناوہ مدعا جسکی تھی حق سے التجا — میری جدائی مین سدا سویا نہین تورات بھر
مین شاہد مقصود ہون لے سامنے موجود ہون — مرسولۂ معبود ہون مشکل سے آیا ہون ادہر
اس لغت کا مین ہون صلہ سنکر جسے شاہ ہدیٰ — خوش خوش ترا شافع ہوا پیش خدائے دادگر
مقصد بھی ہون حاصل بھی ہوا آرام جان و دل بھی ہون — وہ خواہش کامل بھی ہون جسکے لیے تھا منتشر
حق نے دکھایا ہے وہ دن مجھسے ہوا تو مطمئن — اب نعت شاہ انس و جن کر ورد لب آٹھون پہر
مین تو سنون اے نکتہ دان وہ مدح شاہ انس و جان — رکھتا ہے تو کیسی زبان بلبل صفت ہو نغمہ گر
مین نے کہا اے دلربا صد آفرین صد مرحبا — مطلع ہے یہ مطلع مرا سن نعت شاہ بحر و بر

مطلع

ذات محمد مین مگر ہے نور باری مستتر — یہ جس جگہ ہو جلوہ گر شان خدا آئے نظر
یہ حق مین حق اسمین نہان یہ نام ہے تو وہ نشان — رہتے مین مثل جسم و جان باہمدگر شیر و شکر
یہ نامہ ہے حق مدعا وہ متن یہ شرح خدا — یہ لفظ معنی کبریا یہ حرف وہ کلک قدر
حق دست قدرت یہ توان یہ جسم رحمت حق روان — حق مہر ہے وہ مہربان حق چشم عرفان یہ نظر
حق ذات ہے یہ پرتوا پر تو بھی وہ ذی مرتبہ — حق منظر و حق آشنا حق دان حق رس حق نگر
کھلتا نہین یہ راز رب ہے اس دوئی کا کیا سبب — ظاہر مین جو کرتے ہین سب اطلاق فرق یکدگر
محبوب مہ پارہ ہے یہ ہر آنکھ کا تارا ہے یہ — خلاق کا پیارا ہے یہ مخلوق کا ہے مفتخر
ہے کنت کنزا پر نہان یہ لی مع اللہ بالشان — اسریٰ بعبدہ اسکی شان یہ صاحب شق القمر

شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ نور الہدیٰ کہف الوریٰ   کاے ختم الانبیا ممدوح رب داور
افلاک مین طاعت گزین لولاک وصف برترین   املاک اسکی کل زمین از خاوران تا باختر
والیل سے ہے مدعا پرچم درفش جیش کا   انا فتحنا سے کھلا ہے خسرو فیروز فر
یک سرور انجم سپہ یک وارث تیغ و کلہ   شاہنشہ عالم پناہ خورشید اقبال وظفر
تھا مرد میدان غزا کافر کش کفرت ربا   شیر نیستان وغا دشمن فگن اعدا شکر
رب جسپہ صرف عون ہو اسکا مبارز کون ہو   گر سامنے فرعون ہو اسکو بھی ہو مشکل مفر
رہوار کی اسکی ڈپٹ شیر اجل کی تھی جھپٹ   دل دشت کا جاتا تھا پھٹ چلتا تھا وہ جس دشت پر
مرکوب صحرا نعل تھا اک شوخ سنبل یال تھا   خوش خو بہے وخوش افعال تھا مانند صد ابرق فر
دیکھے جب اسکا آؤ جاؤ انداز رم لاکھون بناؤ   کرتا تھا دم مین بے لگاؤ ارض تا گردون گزر
وقت ادب یک حور عین روز غضب بنیاد کین   تھا دیو ہیبت آفرین نقش قدم رو مین جگر
جھمکا تو شوخ دل نشین چمکا تو دلکش مہ جبین   اٹھا تو رعد خشمگین بیباک و سرخوش بے خبر
آزاد رو بے بیم و غم مست شراب حیدری رم   گاہے گریزان چون صنم گاہے خرامان کبک در
ہر دشت پر وقت وغا چلتا تھا طوفان سیل سا   تھی اسکے پاؤن کی صدا یا ورد ربی لا تذر
چلنے مین آفت خیز تھا ہم پائے تیغ تیز تھا   خونخوار تھا خونریز تھا یہ جان ربا وہ جان شکر
تلوار تھی یا تیر حق خلاق صد درد و قلق   جو قتل کا تھا مستحق اسکے لیے تھی داد گر
حیدر کی چشم خشمگین شیرون کی تھی چین جبین   عاشق کی آہ آتشین محبوب کی دلکش نظر
اٹھتی چلی خونین بھری چھم چھم بہری مثل پری   ممکن نہ تھا دم لے ذری جھپٹی ادھر پہونچی ادھر
تیزی پہ آئی جس گھڑی نو چھین گھٹین وہ بڑی   سر پر کسی کے گر پڑی جسم سے گئی دل پر اوتر
گردن کی کھوئی آبرو ٹکڑے پڑے تھے چار سو   قلب و جگر فرق و گلو دوش و بر و صدر و کمر
دشمن پہ جس دم آ گئی تھا سمجھ رنج جان کنی   قد قال ربی نجنی من شرہ این المفر
ہستی سے رکھتی تھی خلش جان لقا تھی مرتعش   یہ تھی عدو ہی سے روش اہل ولا کی تھی سپر

تھی یک عدو جانر با جسکی سپہبد تھی قضا — اسکے رفیق بازو فا خنجر سنان تیر و تبر
گا ہے جگر خوار عدو گا ہے دل آزار عدو — گا ہے اجل بار عدو گا ہے ز سر تا سینہ در
جلاد تھی سفاک تھی لیکن گنہ سے پاک تھی — خون کر رہی بیباک تھی کیون ہو عذر جب ہو بدر
خود منتی تھی جنگ اجل جمتا تھا کیا رنگ اجل — تھی ایک سرہنگ اجل جو ہو حریف صد حشر
آتش روش آہن جسد ہر دم دہان شکل ہے — تھا زور سے دعوائی صد سیف دو دم تیغ دو سر
اے مرحبا شاد ام صل علےٰ یا محتشم — تو صاحب سیف و قلم اللہ کا پیغامبر
تیرا غضب دوزخ فزا تیرا کرم جنت عطا — فرمان تیرا جا نفزا ارمان ترا حکم قدر
تو عمل کی یک مملکت تو علم کی یک سلطنت — تو خلق کی ہر شش جہت افضال کا ہے بحر و بر
تو افتخار اولین تو انتظار آخر ین — محبوب رب العالمین خیر الرسل خیر البشر
بخشش مین تو اے باسخا ہے دست انعام خدا — مالک ہے تو بس ہے ترا جو کچھ کہ ہے خالق کے گھر
ہان دیجیے سائل ہون اب محتاج ہون بیدل ہوا اب — اس فیض کے قابل ہون اب مین مفتقر تو مفتقر
مین رحم کا ہون مستحق حاجت روا یا بہر حق — کر حال پہ میرے قلق ہون عاجز دیبال پر
یا مصطفےٰ بہر خدا اللہ سے کر التجا — جلدی ترے مداح کا یہ وقت بد جائے گزر
تھا اب بقلب مطمئن ہو وصف ترا ہو رات دن — عزلت گزینی کا ہے یہی اب بکھولکر بیٹھے کمر
فکر معیشت اب نہو یہ سعی و محنت اب نہو — تا ترک مدحت اب نہو اے شاہ قصہ مختصر

احسان علی فصیح

طاہر ی ز پے شہادت اندر رنگ و پوست — غافل کہ شہید عشق فاضل تر از وست
در روز قیامت این بآن کے ماند — این کشتۂ دشمن ست و آن کشتۂ دوست

ابو سعید اشرف

تقدیم عالم

تعدد آدم

وفات حضرت آدمؑ سے طوفان نوحؑ تک ۲۲۴۲ سال گذرے ہین بعد طوفان سے ولادت حضرت ابراہیمؑ تک ۲۹۷ برس اور حضرت ابراہیمؑ سے حضرت عیسٰیؑ تک ۲۲۳۵ برس اور حضرت عیسٰیؑ سے ابتک ۱۹۱۱ سال ہاس حساب مین کچھ دہائیون کا فرق ہوگا کیونکہ ابن خلدون طبری اور ابن اثیر اور بعض معتبر انگریزی تاریخون سے یہ سنین دریافت کیے گئے ہین لہذا حضرت آدم کی وفات کو ۶۶۸۵ برس ہوے اور اگر انکی ولادت سے حساب لگایا جائے تو ایکہزار برس اور اضافہ کردیے جائین ۔ اگر اعداد کے شمار مین کچھ ہوگئی ہو اور تمام مورخون نے غلطی کی ہے تو یہ غلطی چار پانچسو برس سے زیادہ نہوگی لہذا حضرت آدم کی پیدائش کو جو شخص آٹھ ہزار برس سے پہلے بتائے وہ تمام دنیا کے مورخون کے خلاف ہے اور عقل اس امر کی متقاضی نہین ہے کہ تمام عالم کی مستند تاریخین چھوڑ کر کسی کا قول مانا جائے ۔ مگر اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت آدمؑ جنکی پیدائش کو ۸ ہزار برس سے زیادہ گزرے دنیا کے پہلے آدمی ہین اور کیا انسے پہلے کوئی انسان کبھی نہ تھا ۔ اس کے جواب مین یہ کہدینا تو آسان ہے کہ "ہان نتھا" مگر یہ مشکل ہے کہ علم طبقات الارض اور آثار قدیمہ کے علوم اور تمام نشانات بالکل غلط کالعدم اور ناقابل التفات سمجھ لیے جائین ۔ ایک طرح سے فن تاریخ غلط ہوسکتا ہے مگر یہ علوم غلط نہین ہوسکتے ۔ کیونکہ جسطرح دہوپ کو دیکھکر آفتاب کا علم یقینی ہوتا ہے اسی طرح آثار قدیمہ کے مطالعہ سے یہ صاف پتہ چلتا ہی کہ انسان کی آبادی دنیا مین ہزارون نہین بلکہ لاکھون برس سے ہے ۔

طبقات الارض کے نشان آبادی نے صاف بتا یا ہی کہ کم از کم ۷ امرتبہ دنیا آباد ہوئی اور خاک مین ملگئی ۔ جبال ہند کے کتبے اور مصر کے آثار قدیمہ شاہد حال ہین کہ

دنیا مین آبادی کا وہ زمانہ قدیم تھا جہان تک تاریخ کا دسترس غیر ممکن ہے۔ کوہ بند یا حل کے جو
بعض کتبہ مرور زمانہ اور روانی آب دریا سے مٹ گئے ہین وہ بھی زبان حال سے کہتے ہین
کہ سخت سے سخت پہاڑون کے نقوش پانی ایسی نرم چیز کیا دس یا پچیس ہزار برس مین
مٹا سکتی ہے ہرگز نہین اُنکی قدامت دلو ہیر نقش کا مجرہونے کے قابل ہے۔ اور بعض ایسے
کتبے جو ندیون کی گزرگاہون نہین واقع ہین بلکہ عمیق غارون مین ہین اُنکو مین نے بچشم خود
دیکھا ہے اور محسوس کیا ہے کہ انمین سے بعض تحریرین موجودہ اولاد آدم کی علم و عقل سے
باہر ہین اور بعض جو کہ اُنکے مقابل مین بالکل تازہ معلوم ہوتی ہین ممکن ہے کہ بُودھ کے زمانہ کی
ہون کیونکہ اُسی زمانہ کے کتبے ایسی شان خط رکھتے ہین۔

قدیم کتبے مٹے تو کم ہین مگر اُنکے نقوش کے اندر یہ محسوس ہوتا ہے کہ جمادات کی قوت
نامیہ جو کہ نہایت بطی ہے رفتہ رفتہ اُن نقوش کو پُر کردیگی۔ علاوہ اسکے مصر کا اہرام (مینار)
کوئی تاریخ نہین بتاتی کہ وہ کس زمانہ مین تعمیر ہوا تھا اور کس قوت کے لوگون نے بنایا تھا
کیونکہ وہ مینار اس قطع کا ہے کہ چبوترون پر چبوترے بنتے چلے گئے ہین اور ہر چبوترہ تیس تیس گز
لانبا اور دو دو گز مساوی العرض سنگی سلون سے مرکب ہے۔ اس کثرت سے اتنے پتھرون کا
جو چار سو گز تک بلند ہوتے جائین پہاڑون سے تراشنا اور اُنکو لانا اسوقت بھی جر ثقیل کی
قوت سے باہر معلوم ہوتا ہے جنات کے ماننے والے یہ نہین کہہ سکتے کہ یہ جنون کی کارگزاری ہے
کیونکہ اُنکو سوائے ہوا پر اُڑنے کے زمین پر چلنے کی ضرورت نہین حالانکہ یہ تحقیق ہوگیا ہے
کہ اسکے پتھرون کے لانے کے لیے ایک سڑک بنائی گئی تھی جو کہ دس برس مین بنی تھی تو یہ
سوائے انسان کے اور کسی مخلوق کا کام نہین۔ اسکی تعمیر اور اسکے انہدام دونون کو مشکل بدرجہ اہم
ثابت کرنے کے لیے ایک اور چھوٹا سا مینار بھی اُسی کے قریب موجود ہے۔ غالباً یہ اسی غرض سے
بنایا گیا تھا کہ جو کوئی اہرام کو منہدم کرنے کا ارادہ کرے گا وہ پہلے چھوٹے مینار سے شروع کرے گا
چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مامون رشید کے زمانہ مین چھوٹا مینار کھودا گیا حالانکہ اُس سے بہت پہلے

اسکے کھودنے کا تخمینہ لگایا گیا تھا جس سے یہ اندازہ ہوا کہ اسکا صرف ایک رخ جو کہ ایک دروازہ کے برابر تھا ۶۰ برس مین کھل سکا اسکے اندر (جو کہ سب کے نیچے کا درجہ تھا) کچھ سونا اور ایک کتبہ نکلا جسمین مصری زبان کے الفاظ یہ معنی ظاہر کر رہے تھے کہ "ہمکو نجومیہ بذریعہ یہ معلوم ہو گیا تھا کہ تم اسکے ایک پہلو کو ساٹھ برس مین کھودو گے لہذا جسقدر مال تمہارا خرچ ہوا ہے اتنی قیمت کا سونا ہم نے اس درجہ مین رکھدیا ہے یہ تم لے لو اور اسے اپنے حال پر چھوڑدو اپنی محنت دولت اور وقت ضائع نہ کرو" یہ دونون مینار ہر طرف سے بند ہین مگر اسکے اندر کیا ہے یہ کسی کو نہین معلوم بڑے مینار کی چوٹی پر ایک طائر کیکڑے کو منقار مین دبائے ہوئے مصنوعی بنادیا گیا ہے۔ ایسے عقلمندون کا یہ فعل عبث نہین ہو سکتا جنھون نے اتنے بڑے مینار کو بنایا ہے محققون نے اس امر کو طے کر لیا ہے کہ اس مینار کی بنا اسوقت ہوئی تھی جبکہ نسر طائر برج سرطان مین تھا۔ اور یہ بطئی السیر کوکب ایک برج کو ۳۰ ہزار برس مین طے کرتا ہے اب یہ بھی تحقیق ہو گیا ہے کہ اب نسر طائر برج دلو مین ہے۔ سرطان سے دلو تک آٹھ برج ہوئے۔ اگر یہ صغری کبری صحیح مانا جائے تو دو لاکھ چالیس ہزار برس کا زمانہ گزرا طوفان نوح اور طوفان عاد سے اس کا بچ جانا کوئی تعجب خیز واقعہ نہین کیونکہ یہ پہاڑون سے زیادہ مضبوط ہے۔ اسکی تردید مین صرف یہ کہنا کافی نہین ہے کہ مصر بعد طوفان نوح عالم وجود مین آیا ہے یعنے یہ کہ مصرایم بن حام بن نوح اس کا بانی ہے یہ اعتراض صرف ایک معمولی بات سے رفع ہو سکتا ہے وہ یہ کہ لفظ مصر بیشک نوح کے پوتے یا بیٹے نے وضع کیا مگر کیا یہ ممکن نہین کہ حضرت نوح سے پہلے یہ مقام کسی اور نام سے آباد ہو اور اسوقت سے یہ مینار موجود ہو یا یہ کہ صحرا مین بنایا گیا ہو اور آبادی بعد کو ہوئی ہو۔ اور اگر کوئی ایک عمارت بلکہ تمام آثار قدیمہ پے در پے اعتراضات سے نیست و نابود کر دیے جائین تو علم طبقات الارض کا کیا جواب ہے یہ کسی علم سے کالعدم نہین ہو سکتا طبقات زمین کی ۱۷ تہین آنکھ سے دیکھی گئین ہین۔ اور ہر تہ یہ صاف بتاتی ہے کہ پہلے یہان آبادی تھی

تو یا ے امرتبہ دنیا کا آباد ہو کر بالکل مٹ جانا اقل مدت قدامت ہے۔

تاریخ تو ایک ایسا معمولی فن ہے کہ سوائے دلچسپی کے اور کوئی خاص روحانی قوت اسمین نہین یہانتک کہ تاریخ عالم کا کل مجموعہ صرف اُسی زمانہ کے واقعات نہین بتا سکتا جو ۶ ہزار برس سکے اندر گزرے۔ بلکہ اسمین بھی تمام علامہ مورخین نے مذہبی کتابون سے مدد لی ہے اہل یورپ نے انجیل کی مدد سے مصر کی تاریخ لکھی ہے اور اہل عرب نے توریت سے جب تمام مشکل مسائل آخر مین مذہب کی طرف رجوع کیے جاتے ہین تو پھر ہم اس مشکل مسئلہ کو جس مین علم و عقل عاجز ہے کیون نہ مذہب کی طرف رجوع کرین مگر اس سے پہلے کہ ہم مذاہب سے اس مسئلہ مین مدد لین علم نجوم بھی ایک اہم اور نتیجہ خیز علم ہے اور اسکو فروگزاشت کرنا تحقیق کے خلاف ہے۔

اسوقت دورِ قمر ہے اور یہ ساتوان یعنے آخری نیّر ہے سبعہ سیارہ مین پہلا زحل ہے اُسکے بعد یہ ترتیب ہے مشتری۔ مریخ۔ شمس۔ زہرہ۔ عطارد و قمر۔ آخری سیارہ یعنے قمر سب مین سریع السیر ہے اور اسکا دور حضرت آدم یا اُنکے قریب زمانہ سے شروع ہوا ہے جسکو پونے سات ہزار برس گزرے تو اس سے پہلے چھ سیارون کا دور ہو چکا ہے اور اُنکے دور بھی اُسی حساب سے ہونگے جس طرح اُنکی رفتار ہے مثلاً قمر سے آفتاب بارہ گنا زیادہ بطی ہے۔ اور آفتاب سے زحل ڈھائی گنا تو اس حساب سے اگر قمر کی مدت دوری ۸ ہزار برس ہے تو آفتاب ۹۶ ہزار برس اپنا عمل کر چکا ہے اور اُس سے پہلے مشتری جو کہ قمر سے ۱۳ گنا بطی ہے یعنے اسکا دورہ ایک لاکھ چار ہزار برس ہے اور مشتری سے پہلے زحل جسکی مدت دور حساب سے ۲ لاکھ چالیس ہزار ہے ان سب کو جوڑیے اور پھر زہرہ۔ مریخ۔ اور عطارد کو بھی نہ چھوڑیے تو تخلیق عالم کو کتنا زمانہ گزرا۔ اُسکی اقل مدت ظاہر ہوگی کیونکہ یہ لازم نہین کہ زحل کے دور سے پہلے کوئی اور دور ان سبعہ سیارہ کا نہین گذرا اب رہا یہ امر کہ آفرینش عالم کے لیے انسانی آبادی کی کیا ضرورت ہے۔ یہ سچ ہے مگر اتنے عرصہ دراز تک اشرف المخلوقات کا دنیا مین نہونا نقص عالم

اور خلاف حکمت ہے۔ اب ہمکو سواے مذہب کے اور کسی سے رجوع نہیں کرنا ہے۔ کیونکہ اس تحقیق مین ہر ایک علم لپپا ہوتا ہے۔

ہندوؤن کا مذہب صاف طور پر یہ کہتا ہے کہ دنیا تو دنیا انسانی آبادی لاکھون برس سے کم نہین اور دنیا کو تو اتنا زمانہ گزرا کہ بعض سادہ لوح اسکو قدیم کہنے لگے۔ قاعدہ ہے کہ جب انسان سادہ لوح کسی حساب سے گھبرا جاتا ہے تو یہی کہدیتا ہے کہ بے حساب ہی۔ اگر پیشوایان ہنود نے نجوم سے مدد لی ہے تو ہمارا کوئی حرج نہین۔ اب رہے اہل مذہب عیسائی ان لوگون کے خصائص مین سے ایک خاص امر یہ بھی ہے کہ ہمیشہ سطحی امور پر غور کرتے ہین اس سے زیادہ قوت روحانی نہین رکھتے۔ اور چونکہ انہین سے بعض قومین سوے منفعت مال دنیا کے اور کوئی غرض نہین رکھتین۔ اسوجہ سے انکے خیالات کا احاطہ صرف صنعت اور تجارت سے محدود ہے۔ اگر اس قوم مین سے کسی نے اپنی قومی خصوصیت کی خلاف باوجود عدم مناسبت کوئی مسئلہ دماغ مین لیا تو اُس سے عجیب و غریب نتیجے اخذ کیے جاتے ہین۔ غرض یہ کہ انجیل بھی اُنھی کی مناسبت سے اُتری۔ جس مین ایسے مسائل مطلق نہین۔ البتہ توریت نے قدامت کا اسقدر پتہ دیا ہے کہ اگر وہ نہوتا تو ابن اثیر کی تاریخ کامل ناقص رہتی اور طبری اور ابن خلدون شاید تاریخ لکھنے کا ارادہ ہی نہ کرتے۔ یا اگر لکھتے تو اسکی چوتھائی بھی نہوتی کیونکہ حضرت آدم سے حضرت موسیٰ تک جسقدر واقعات کا پتہ ان مورخون کو چلا ہے اور خود یونانیون کو بھی وہ سب توریت سے (اور ان عربی و یونانی و رومی تاریخون کا ترجمہ اہل یورپ نے کرلیا ہے۔)

ہمارا مذہب سب سے زیادہ پتہ اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے دیتا ہے۔ ۱۳ سو برس ہوے جبکہ کلام مجید مین قیامت کی نسبت فرمایا گیا تھا اقتربت الساعۃ حالانکہ اتنا زمانہ گزر گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی لاکھ برس سے انسان ہے اوس حساب سے اگر دو ہزار برس کے بعد قیامت آئے تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ زمانہ قیامت قریب تھا۔

حدیث مین ہے کہ خدا نے دو لاکھ آدم پیدا کیے - اور حضرت شیخ محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکہ کے ساتوین باب مین تحریر فرمایا ہے - کہ جب دنیا کو ۷۰ ہزار برس گذر گئے تو اول آدم کی مٹی خمیر کی گئی - اور اس کتاب کے باب ۳۹۰ مین فرماتے ہین کہ اکثر ستارے فلک اطلس مین اسقدر بطی السیر ہین کہ ایک درجہ سو برس مین طے کرتے ہین (یعنے ایک برج ۳ ہزار برس مین) اور عبدالکریم جیلی صاحب انسان کامل نے لکھا ہے کہ نسر نے منارۂ مصر کی بنا کے زمانہ سے اب تک دس برج طے کیے ہین - اس حساب سے ۳ لاکھ برس اسکی تعمیر کو ہوئے - حضرت شیخ اکبر فرماتے ہین کہ ایکبار مین بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا چند اشخاص میرے ہمراہ طواف مین مشغول تھے اُنمین سے ایک نے دو شعر انکی طرف مخاطب ہو کے پڑھے اُنمین سے ایک یاد رہگیا - وہو ہذا - لقد طفنا کما طفتم سنینا بهذا البیت طراً جمیعاً ۔ (ترجمہ - ہم نے بھی برسون تمھاری طرح اس گھر کا طواف کیا ہی) پھر اُنہین صاحب نے ان سے پوچھا کہ تم مجکو پہچانتے ہو مین نے کہا نہین - بولے ہم تمھارے اول اجداد سے ہین - انھون نے کہا آپ کے انتقال کو کتنا زمانہ گزرا انھون نے جواب دیا کچھ اوپر چالیس ہزار سال - انھون نے کہا کہ ہمارے جداعلی آدم کو تو اتنا زمانہ نہین گزرا اسپر انھون نے جواب دیا کہ تم کس آدم کا ذکر کر رہے ہو اس قریب کے آدم کا یا ان سے پہلے جو آدم گزر گئے ہین -

اور حضرت علی نے بھی منارۂ مصر کی بابت ایسا ہی کچھ فرمایا ہے کہ اس حساب سے تقریباً دو لاکھ برس ہوتے ہین - یہ حدیث کہ ان اللہ تعالٰی لخلق مأتہ الف آدم حضرت ابن عباس سے مروی ہے -

الناطق

جہان بگشتم و آفاق سربسر دیدم		نہ مردمم اگر از مردمی اثر دیدم
برین رواق زبرجد بخانۂ خورشید		نگاشتہ سخن خوش بآب زر دیدم

ابن یمین

حق معرفت

کاش ہم اس منظر کا معائنہ کر لیتے جیسے ہم مین سے مرجانے والے دیکھ چکے ہین مگر جو کچھ ان
مرنے والون نے دیکھا ہے ابھی ہماری نگاہون سے پوشیدہ ہے اور وہ وقت بالکل قریب ہے
کہ یہ پردۂ حجاب سرتاسر اٹھا دیا جائے گا لیکن اگر ہم چشم بینا رکھتے ہین، اگر سامعۂ باطنی سے
بہرہ مند ہین تو ہمین وہ تمام منظر دکھا دیے گئے ہین، ایک ایک واقعہ سُنا دیا گیا ہے، اگر ہم مین
قبول ہدایت کی استعداد موجود ہے، اگر ہم ہدایت کے طلبگار ہین تو سبیل ہدایت ہم پر نہایت ہی
صحیح طریقہ سے ظاہر کر دی گئی ہے، دنیا کی عبرتون نے احوال رفتگان کو ہم پر بالکل آشکارا کر دیا ہے
قوم نوح کی حالت کا اندازہ کرو، قوم عاد پر نظر ڈالو، قوم ثمود کی عبرتناک حالت دیکھو، غرض ہمارے سامنے
عبرت کے دفتر کھلے ہوے ہین، دنیا اور اُسکی لذتین دنیا والون کے ساتھ نہایت سرعت کے ساتھ
رو گردانی کر رہی ہین، یہ وہ سرا ہے جو عنقریب فانی ہونے والی ہے اور اُسکے ساکن اس سے
باہر ہونے والے ہین، ہم مین سے غائب ہو جانے والا جیسے لیل و نہار کی نت نئی گردشون نے منزل تک
پہونچا دیا ہے اسی قابل تھا کہ بہت جلد اپنی منزل پر پہونچ جائے کیونکہ ابلق لیل و نہار نہایت تیز روی کے
ساتھ جا رہا ہے، دنیا گزر رہی ہے اور اپنے گزرنے کا اعلان کر رہی ہے، وہ کسی کے ساتھ احسان
و نیکی کے ساتھ پیش نہین آتی اور نہایت ہی سرعت کے ساتھ پشت پھرا رہی ہے، اہل دنیا کے
نزدیک یہ ایک شیرین و سرسبز چیز ہے مگر ناظر اور صاحب بصیرت کے نزدیک اسکی طراوتین
اور نزہتین مشتبہ ہین۔ آہ یہ دنیا اپنے باشندون کے لیے فنا کی قبرین تیار کرتی ہوئی اپنے
ہمسایون کو بھی جو اسکے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہین کھینچ رہی ہے، اس دنیا کی لذتین آخر مین
نہایت ہی تلخ ہین اور اسکی صاف و شفاف نہرین بالکل دُرد آمیز اور مکدر سمجھی جاتی ہین، اس
دنیا کی کوئی شے باقی نہین رہے گی مگر اس جرعہ کے مثل جو حالت سفر مین پانی کم ہو جانے کے
وقت پانی تقسیم کرنے والے پیمانے مین باقی رہ جاتا ہے، اگر کوئی پیاس کا مارا اس چیز کو چوسے

تواب یہاں نہیں بیٹھ سکتا بس اب اس گھر سے کوچ اور رحلت کا ارادہ کرنا ہی بہتر ہے، جسکے
مکینوں سے بے نیستی اور زوال مقدر ہو چکے ہیں اسکا سایہ ہم پر چھایا ہوا ہے اور بحکم خدا ہماری
فطرت ... رحلت پر آمادہ کریں ... دنیا کی خواہشیں اور آرزوئیں ہم پر غالب نہ آجائیں
اور اپنی مدت عمر کو ہم طویل اور دراز نہ سمجھ بیٹھیں۔

اے ... ہوئی زمینوں کے بچھانے والے اے آسمان بلند و مرفوع کے بحالت خود رکھنے والے
اور ... کرنے والے ہمیں ان شخصوں میں سے بتا دے جو
... غور و تعمق کرتے ہیں ... پر گہری نظر ڈالتے اور بصیرت
حاصل کرتے ہیں، ہلاکت کے مقامات میں گرنے سے اجتناب کرتے ہیں، ضلالت کی گھاٹیوں میں
گم ہو جانے سے بچتے ہیں جنکی نیتیں انہیں تکبر میں مبتلا نہیں کرتیں اور ... پشیمانی حاصل ہوتی ہے
ایسے مکان کی کیا توصیف کیجائے جسکے اول میں تو رنج و تعب ہے اور آخر میں فنا، اسکی حلال
چیزوں میں تصرف کرنے سے حساب کا سامنا ہوتا ہے اور اسکے محرمات میں مبتلا ہونے سے
عذاب کا، جو اس میں رہکر غنی اور مستغنی ہو گیا وہ مفتون اور دیوانہ ہے اور جو اس میں فقیر وہ حزن
و الم میں گرفتار ہے جسنے اسکے حاصل کرنے میں سعی اور کوشش کی اسی کے پاس سے فوت ہو گئی
اور جو اسکی طرف سے منہ پھیر کر بیٹھا اسی کی طرف متوجہ ہو گئی، جسنے اس دنیا کو گہری نگاہ سے
دیکھا دنیا نے اسے بینا اور آگاہ کر دیا اور جسکی نگاہیں اسکی زینتوں اور آرائشوں ہی میں الجھ کر
رہگئیں اسے اس دنیا نے اندھا کر چھوڑا، یہ دار العمل ہے، وہ شے جو اسی کے لیے حاصل کیجائے
کبھی نجات نہیں دیسکتی، یہ دنیا دار الامتحان ہے اسی میں اچھی طرح گرفتار کرکے لوگوں کا
امتحان لیا جا رہا ہے، اب جن لوگون نے دنیا میں سے اسی کی آرائشوں کو حاصل کیا
وہ اسسے خارج کر دیے جائینگے ان آسائشوں سے علحدہ ہو جائینگے اور انکے حاصل کرنے پر
اُنسے حساب لیا جائیگا اور جنھوں نے دنیا میں سے اسکے غیر یعنی آخرت کے لیے کچھ کما لیا وہ کمائی
دنیا سے علحدہ ہو جانے کے بعد انہیں پہونچا دیجائیگی، بیشک یہ دنیا عقلمندوں کے نزدیک

نقائص کے سایے سے زیادہ وقعت نہین رکھتی جسے ابھی پھیلا ہوا دیکھا تھا اور ابھی بالکل فنا ہو گئے
آہ یہ دنیا! اس دنیا کے چشمے نہایت تاریک و مکدر ہین اسکے آبشار نہایت ہی گندے اور
غبار آلود ہین اسکے منظر بظاہر نہایت خوش آیند اور فرحت بخش ہین مگر انجام کار ہلاک کرنیوالے
یہ دنیا مکار ہے فریب دینے والی ہے اسکی روشنی بہت جلد اوجھل ہو جائے گی اسکا سایہ زوال پذیر
اور اسکی تکیہ گاہین خراب و برباد ہو جانے والی ہین اُسے بلاؤن نے گھیر لیا ہے مکر و حیلہ کے ساتھ
مشہور ہے اسکا عیش ناپسندیدہ ہے امان اس گھر مین معدوم ہے ہم اس دنیا مین ایسے رستے پر
کھڑے ہین جس پر سے ہمارے قبل بہت سے لوگ گذر گئے اب وہ وقت قریب ہے کہ آرزوئین۔
حسرتین اور امیدین قطع ہو جائینگی دل اپنی حالتون کا اندازہ کرتے ہوے حرص و ہوا سے
کنارہ جائین گے آوازین پستی کے عالم مین لرز جائینگی چہرون پر جاری ہونے والا پسینہ لگام
کیطرح منھ تک آئیگا اور لوگون کے کان اس بلانے والے کی سخت و درشت آواز کیطرف مضطرب
ہونگے جو اُنھین جزا و عقوبت کی طرف بلائیگا اور بخشش و ثواب کے لیئے طلب کریگا
ہمین تاریکیٔ جہالت سے نکلنے کی مہلت دیجا چکی ہے واضح اور روشن راستے دکھا دیے گئے ہین
خوشنودی خدا حاصل کرنے کے لیے ہمین مدت عمر عطا ہو چکی ہے شک و شبہہ کی تاریکیون مین مشعل
ہدایت روشن کر دیگئی ہے کاش ہمارے قلوب صحیح و صائب مثالون اور شفا بخش مواعظ سے
متاثر ہون گوش شنوا انھین سُنین محتاط عقلین اثر کار بند ہون طاعت و عبادت کی طرف اقدام
کرین موت کا یقین حاصل کرین حق کو پہچانین اپنی فطرت اصلی کی طرف ملتجی ہون اپنے
مطلوب کے طالب ہو کر گناہون سے بھاگین اپنے باطن کو پاک اپنی روح کو مطہر بناتے ہوے
آخرت مین اپنے مکان تعمیر کرلین اپنے راستے اور اپنے کوچ کرنے کے دن کے واسطے توشہ اور
زاد راہ کو ذخیرہ کرین اُنکے وعدون کی حقیقت کی سچائی کا یقین کرین اور اس چیز کے مستحق ہو جائین
جس کا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ کاش ہم صحت بدن کی حالت مین کوئی سامان آخرت مہیا کرلین
اس لیے کہ شباب کی طراوتون کے مالک سوا جھکا دینے والے بڑھاپے کے اور کسی چیز کے

منتظر نہین اور صحت و تندرستی کی مسرتون کے اہل دشوار اور شدید امراض کے سوا اور کسی
چیز کا انتظار نہین کرتے بیشک حالت بقا مین زندگی بسر کرنے والون کو اوقات فنا کے سوا
اور کسی چیز کا انتظار نہین ہے عزیز و اقارب بھی دوست احباب عنقریب ہمکو اموات کے مکانات تنہا
چھوڑ دینگے، ایک تنگ و تاریک خوابگاہ کے حوالے کر دینگے ہمین ایسی غربت کے مکان مین
لیجا ئینگے جہان سے پھر ہماری زیارت کسی کو نصیب نہوگی حوادثات زمانہ ہمارے نشانات کو
مٹا دینگے برباد کر دینگے یہ تر و تازہ بدن متغیر ہو جائینگے مزور دار اور قوت والی ہڈیان گندہ
اور بوسیدہ ہو جائینگی۔ بہتر ہے کہ ہم اپنے دلی تفکرات کو امر آخرت مین مشغول کر دین زہد و تقوی
ہماری خواہشات کو روکدے ہم اپنے نفوس کو اس بقیہ وقت کے لیے طاعت خداوندی مین دائمی
کر دین تقوی و پرہیزگاری مین تساہل نکرین خوف و خطر دنیا و دین سے امین رہنے کے لیے
خوف خدا کو ہم اپنا پیشوا بنا لین ہم اپنی لذتون کے سرور اور حاجتون کے ظہور مین مست و
گمراہ نہو جائین تا کہ قبر مین ہماری نیند نہایت خوش نیند ہو اور روز حساب ہمارے لیے نہایت
مامون دن ہو اسلیے کہ آرزوے دنیا عقل کو سہو مین گرفتار کرتی ہوئی ذکر آخرت کو بھلا دیتی ہے۔
پروردگار عالم مجھے اپنے نفس پر مسلط ہونے کی توفیق عطا فرما تا کہ مین خوف خدا کو اپنا لباس
بنا لون اور شمائد دنیا کو بامید ثواب آخرت آسان سمجھ لون حقیقت امر کو دیکھ لون، اپنے
انجام کو یاد کر لون، آب خوشگوار معرفت سے سیراب ہو جاؤن دنیا کو اختیار کر کے آخرت کو
نہ چھوڑ دون، شراب صافی کو ترک کر کے دُرد آشام نہ بنون، میں شہوات نفسانیہ کے پیچون کو
توڑ ڈالون خواہشون اور ہوا و ہوس کو اپنے دل سے دور کر دون مین اپنے نفس سے خود محاسبہ
کرون قبل اسکے کہ مجھ سے حساب لیا جائے مین اپنے گناہون سے توبہ کرون قبل اسکے کہ
میری سانس کے رستہ کو موت کا پھندا تنگ اور ضیق نہ کر دے، مین اپنی فارغ البالی کے
دنون مین اور مہلت کے ایام مین عمل خیر مین مشغول ہون قبل اسکے کہ میرا مجرائے نفس گرفت
کر لیا جائے اس لیے کہ جس شخص نے موت سے پہلے ایام آرزو و زندگی مین کوئی نیک کام

بیشک وہ عمل نیک اُسے فائدہ پہونچائے گا اور مرگ ناگہانی اُسے کچھ نقصان نہ پہونچا سکے گی۔
دنیا کی خوشحالیان رنج واندوہ کے ساتھ ملی ہوئی ہین اب یہی چاہیے کہ دنیا کی وہ آرائشین جو
دلون کو لبھا لیتی ہین ہمین فریب نہ دین ہم ادہر مفتون نہو جائین یہ دنیا مکر وفریب کے ساتھ
مزین ہو رہی ہے اسکی شادیان اور مصیبتین ہمیشہ نہین رہینگی یہ انتقالہ ہے اپنے شکارون کو
کھا جانے والی ہے اپنے گرفتارون کو ہلاک کرنے والی ہے بعینہ دنیا کا یہی عالم ہے کہ ابھی سرسبز تھی
ابھی خشک پڑی ہے اور خرمن ہستی کو فنا کی ہوائین اڑائے لیے جاتی ہین کوئی ایسا
شخص نہین جسنے دنیا مین کوئی ساعت خوشی کے ساتھ گذاری ہو اور اسکے بعد ہی آنسوون کا
تار نہ بندھ گیا ہو کوئی متنفس ایسا نہین جسکے ساتھ دنیا نے اپنی مسرتون کے ساتھ ملاقات کی ہو
اور پھر اُسنے اپنی مضرتون اور سختیون کے مزے نہ چکھائے ہون اس دنیا کا یہی وطیرہ ہے اسکی
خوشی کا بالکل اعتبار نکرنا چاہیے یہ دنیا سخت دھوکے دینے والی ہے یہ سراسر فریب ہے
یہ رنج وتعب کا مکان ہے یہ عبور کر جانے کی جگہ ہے یہ متغیر ہو جانے والا مقام ہے اسکی
بلاؤن کے تیر خطا نہین ہوتے اسکی جراحتون کا اندمال نہین ہو سکتا یہ زندہ کو موت کے
گڑھے مین پھینک دیتی ہے تندرست کو مریض بنا دیتی ہے اس دنیا مین سوا سے زہد و
پرہیزگاری کے کسی چیز مین بہتری نہین جو شخص دنیا مین مطمئن بنا وہی دردرسیدہ بنگیا واللہ
دنیا کے عیش مکدر ہین اسکی شیرینیان ناگوار ہین اسکی حلاوتین تلخ ہین اسکے اسباب
مٹنے والے ہین اسکی زندگی موت ہے اور اسکا ہمسایہ آوارہ وپریشان ہے عمر رفتہ کے
واپس آنے کی اتنی بھی امید نہین جتنی کہ رجعت رزق کی امید ہے وہ رزق جسے زمانہ نے
فوت اور گم کر دیا ہے امید ہے کہ وہ کل کو زیادہ ہو جائے مگر عمر کا وہ حصہ جو کل گذر گیا آج
اُس کے واپس آجانے کی آس نہین آئندہ کے لیے امید ہے مگر گذشتہ کے لیے بالکل
ناامیدی ہے اسکی حالت یہ ہے کہ جب نفرت کرنے والا اس سے مانوس ہوا اور اس کا
انکار کرنے والا اسکی طرف سے مطمئن ہوا تو اس دنیا نے اُسے لات ماردی اپنے دام مین

اسیر کر لیا اور اپنے تیرون سے اسے ہلاک کر ڈالا اس دنیا نے انسان کی گردن مین موت کی رسی باندھ کر ایک تنگ و تاریک خوابگاہ اور وحشت ناک منزل و مکان کی طرف کھینچ لیا جہان وہ اپنے اعمال کا معائنہ کرے گا اور عمل نیک کا ثواب اور اعمال بد کی سزا پاسے گا۔

کیا ہم اُن لوگون کے مساکن مین سکونت پذیر نہین ہین جنکی عمرین ہم سے بہت زیادہ طویل تھین جنکے مکانات ہم سے زیادہ آباد تھے جنکی آرزوئین حد سے زیادہ تھین اُنھون نے کن کن طریقون سے دنیا کو اختیار نہ کیا مگر آخرکار دنیا سے کوچ کر گئے حوادث زمانہ اُنپر مسلط ہوگئے اب تو انکی قبرین پتھرون کے ڈھیر ہین مٹی انکے لیے کفن کا کام دے رہی ہے اب نہین ذرا بھی ناہمواری باقی نہین اب ان سے کیسا ہی سلوک کیا جاے مگر منع نہین کر سکتے اب کینہ اُنکے دلون سے نکل چکا ہے حسد ان سے بالکل ضائع ہوگیا ہے اب ان لوگون نے روے زمین کو تہ زمین سے مبدل کر لیا ہے وسعت کے عوض تنگی قبول کر لی ہے اپنی روشنیان تاریکیون سے مبدل کر لی ہین عبرتہاے دنیا بھی نہایت قابل غور ہین ہم نے اکثر دیکھا ہے بارہا معائنہ کیا ہے کہ ایک شخص اپنی آرزوؤن پر فائز ہوا چاہتا ہے اور اپنی تمناؤن کے بالکل قریب ہے ناگاہ موت آئی اور اُسکی آرزوؤن کو قطع کر دیا۔ اب کوئی آرزو ہی نرہی جس تک پہونچنے کی تمنا کیجاے۔ اس دنیا کی خوشحالیان کسقدر فریب دینے والی ہین اس کی سرسبزیون مین کسقدر تنگیان مضمر ہین اسکا سایہ کتنی جلد دھوپ سے مبدل ہوجائیگا دنیا مین جو شئے ناقص رہی اور اُسکے سبب سے آخرت مین زیادتی ہوگئی وہ اس سے بہتر ہے کہ آخرت مین نقص آسئے اور دنیا مین زیادتی ہو۔ بیشک حلال اشیا ان سے کہین زیادہ ہین جو ہم پر حرام کی گئین ہین بس ہم اب زیادہ چیزون کے سبب سے کم کو ترک کردین ہم اس دنیا مین وہ نشانہ ہین جنپر موت تیراندازی کر رہی ہے اسکے ہر ایک گھونٹ مین کدورت ہے اور اسکے ہر ایک لقمہ مین رنج ہے یہ دنیا لذت زندگانی کی ایک کلی ہے جس کا ذائقہ تھوڑی دیر تک چکھنے کے بعد پھر تمام کو پھینک دیتے ہین۔

ہمارے اصول (آباواجداد) گذر گئے ہم اُنکی فرع موجود ہین تو کیا اصل کے زائل ہونے پر فرع باقی رہسکتی ہے؟ ہر شخص اُس شئے سے ملاقات کرنے والا ہے جس سے اسباب دنیا جمع کرتے وقت کراہت ظاہر کیجاتی ہے، انجام کار یہ بدن روح سے خالی ہوجائے گا، یہ متحرک شئے ساکن ہوجائے گی، یہ گویا زبان بالکل بستہ ہوجائے گی: خداوندا! ہم تیرے انعام وافضال کے امیدوار ہین، تیرے عذاب وعقوبت سے خائف ہین، ہمین ناامید ہوجانے والون کی حالت مین اپنے مکانات کو نہ بھیج، اپنی رحمت کی بارشین ہم پر برسادے، ہماری عقلین ہدایت کے چراغون سے روشن ہوجائین، ہماری آنکھین پرہیزگاری کی علامتون کی دیکھنے والی ہون، ہمارے قلوب تیری معرفت کے لیے وقف ہوجائین، ہمارے عزم تیری اطاعت کے لیے کمربستہ ہوجائین، ہماری رات کی خوابگاہین اور دن کو آرام کرنے کے کمرے دنیا طلبی سے خالی ہون، ہم نہایت ہی عمدہ توشۂ اور زاد آخرت لیتے ہوے اس دنیا سے گذر جائین، اس سے بقدر کفاف ہی سوال کرین اور اپنی منزل پر پہونچنے سے زیادہ اس سے طلب ہی نہ کرین۔

باقی رہنے والون کے ساتھ زمانہ کی وہی رفتار چلی جاتی ہے جو گذشتگان کے ساتھ تھی، جس شخص نے اس سے منھ پھیر لیا وہ پھر واپس نہین آئے گا اور جو شئے اسمین باقی ہی وہ ہمیشہ نہ رہے گی، ایک ہنکانے والا ہم کو اس طرح ہنکا رہا ہے جیسے ساربان اُن اونٹون کو ہنکایا کرتا ہے جن کا دودھ خشک ہوگیا ہو، ہم دنیا سے کوچ کرنے پر مامور ہوے ہین، ہم اُن ٹھہرے ہوے سوارون کے مانند ہین جنھین کچھ معلوم نہین کہ کب کوچ کا حکم مل جائے گا، کل کا دن بہت ہی قریب ہے، آج کا دن مع اُس چیز کے جو اس مین موجود ہے گذر جائے گا اور کل کا دن آجائیگا جو اس سے بالکل ملحق ہے، ہم مین سے ہر ایک شخص تن تنہا یعنی اس منزل تک پہونچ جائے گا جو زمین مین موجود ہے۔ آہ! وہ تنہا مکان، وہ وحشتناک منزل، وہ غربت مین اکیلا مکان، وہ قبرون کی تنگی، وہ کسروانکسار کی

سختی، یہ رستہ کی درازی، یہ زاد راہ کی قلت، یہ دور دراز کا سفر اور یہ منزل کی بزرگی!
بارالہا! میرے وہ گناہ بخش دے جنھین لوگ نہین جانتے، مجھے اُس چیز سے پرہیز کرنے کی
توفیق عطا فرما جو باقی نہین رہے گی، مین اپنے قول کو فعل کے ساتھ مرکب کردون، میری لغزشین
قلیل ہون، میرا قلب خاشع، میرا نفس قانع ہو، میری خواہشین بہت تھوڑی ہون، میری روزی
آسان ہو، میرا دین محفوظ ہو، لوگ مجھ سے خیر کے ہی امیدوار رہین، میرے شر سے امین ہوجائین۔
بیشک تو سنسان بیابانون مین حیوانات وحشی کی آوازون کو سُنتا ہے، تو خلوتون مین بندون کے
گناہون سے واقف ہے، تجھے بڑے بڑے اور زخار دریاؤن مین مچھلیون کی مختلف حالتین
معلوم ہین، ہمارے مطالب کی برکت و فیروزی تیرے ہی ساتھ ہے اور تو ہی ہماری خواہشات کا
منتہا ہے، ہمارے خوف و خطر کے لیے باعث امن ہے، تیرا التقویٰ تیرا خوف ہمارے قلوب کے
درد کی دوا ہے، ہمارے دلون کے اندھے پن کے لیے بصیرت ہے، ہمارے جسمون کے امراض کی
شفا ہے، ہمارے سینون کے فساد کی اصلاح کرنے والا ہے، ہماری آنکھون کے پردون کو
ہٹا دینے والا ہے، ہماری ضلالت کی سیاہی کی ضیا ہے، ہماری قبرون کی تاریکیون کے لیے
ایک روشن چراغ ہے، اب ہم اپنے نفسون کو اُسکی عبادت کے لیے رام کرلین اور اُسکے
حق اطاعت کو ادا کرنے کی حالت مین اُسکے روبرو حاضر ہوجائین اسلیے کہ کسی اہل کی اصل
جو تقویٰ و پرہیزگاری پر ہو کبھی برباد اور ہلاک نہین ہوسکتی اور جس قوم کی کھیتیان زمین نہال
و تقویٰ پر لہرا رہی ہون وہ ہمیشہ شاداب رہے گی۔

افسوس جب کوئی شخص مرتا ہے تو لوگ کہتے ہین کہ اس نے کیا ترکہ چھوڑا اور فرشتے دریافت
کرتے ہین کہ یہ کونسا ذخیرۂ آخرت اپنے ہمراہ لایا، ہم کو لازم ہے کہ اپنے اموال کے بعض حصے کو
آگے روانہ کردین تاکہ ہمارے لیے ذخیرۂ آخرت ہوجائے اور اپنے تمام مال کو دنیا ہی مین
نہ چھوڑ جائین اس لیے کہ قریب ہے وہ وقت جبکہ ہم موت کا پیالہ پی کر گویائی کو گونگے پن سے
قوت سامعہ کو بہرے پن سے اور حرکت کو سکون سے بدل لینگے، ہماری خبرین منقطع ہوجائینگی،

یہ رنگ وروغن والی صورتین مکروہ ہوجائین گی یہ نرم و نازک بدن مٹی مین مل جائینگے ہماری خاموش منزلین ہم پر منہدم ہوجائینگی ہم ان تنگیون سے نکلکر وسعت مین نہین آسکینگے! آہ! اس زمین نے کسقدر تازہ بتازہ جسمون اور رنگ وروغن والی صورتون کو کھالیا جو دنیا مین پہلے تھے، جنھون نے نعمتون مین پرورش پائی تھی، رنج کی گھڑی بھی خوشی مین گذرتی تھی، اپنے عیش وطرب کا ترک گوارا نہ تھا، وہ اپنی دنیوی آسائشون کو دیکھ دیکھ کر ہنستے تھے ناگاہ زمانے نے انھین اپنے خس وخاشاک کی طرح ڈھنک ڈالا، مہاجن نیستی کے کمانداروں نے انپر موت کے تیر چلائے، گردش ایام نے انکی قوتین توڑ ڈالین، انھین ایسے رنج وغم کا ہمراز بنادیا جسے وہ اپنے پاس بھی نہ آنے دیتے تھے، ہم اپنے ایسے جسم کو آرام پہونچانے کے لیے کیون کسی پر ظلم کرین جوکہ اور بوسیدہ ہونے کے لیے عجلت کر رہا ہے اور جو مدتون تک ہزارون من مٹی کے نیچے پڑا رہے گا۔

پروردگارا! مجھکو توفیق عمل، توفیق توبہ عنایت فرما قبل اسکے کہ کراماً کاتبین کے قلم میرے نامۂ عمل کی تحریر سے فارغ ہوجائین، پیشتر اس سے کہ توبہ کا دروازہ بند ہو اور ملائکہ نامۂ عمل کو لے کر اوپر کو صعود کر جائین! آخر وہ کون سی چیز ہے جسنے مجھے پروردگار کی اطاعت سے مغرور کر دیا، کس چیز نے مجھے گناہون پر جری اور دلیر بنادیا، کس شے نے مجھے اپنے نفس کی ہلاکت پر مانوس کیا ہے؟ کیا میرے درد کے لیے صحت نہین؟ کیا میرے خواب کے لیے بیداری نہوگی؟ کیا مین اپنے نفس پر اتنا بھی رحم نہین کرتا جتنا کسی غیر پر کرتا ہون، کیونکہ بسا اوقات مین کسی شخص کو آفتاب کی حرارت مین بیٹھے ہوئے دیکھتا ہون تو اسپر سایہ کر لیتا ہون، کسی کو درد مین مبتلا پاتا ہون، ایسا درد جو اسکے بدن کو اذیت پہونچاتا ہے تو اسپر رحم کرکے آنسو بہانے لگتا ہون، پھر کس چیز نے مجھے اپنے درد کے واسطے صبر عنایت کر دیا، مجھے اپنے نفس پر رونے دھونے سے مغرور کر دیا حالانکہ اپنا نفس مجھے نہایت ہی عزیز ہونا چاہیے، مگر قوت احساس نہین رہی، افسوس رات کا خوف عذاب خداوندی کو میرے سامنے پیش کر کے مجھے کیون بیدار نہین کرتا، اب مین مستقل ارادے اور عقل کی کوشش سے اپنی کا [illegible]

دل مین قائم ہو جانے والے ضعف کی بیماری کا علاج کرکے خداوند عالم کا مطیع ہو جاؤن اُسکی
یاد سے غافل ہون اپنے ذہن مین اس حالت کا تصور کرون کہ مین اس سے روگردانی کر رہا ہون
اور وہ میری طرف رخ کر رہا ہے، مجھے اپنی معافی کی طرف بُلا رہا ہے میرے گناہون کو اپنے
فضل وکرم کی چادر مین ڈہانک رہا ہے اور مین اُسکی طرف سے مُنھ پھیرتے ہوے اُس کے
غیر کی طرف متوجہ ہو رہا ہون بلند و برتر ہے وہ خدا جو قوی و قادر ہے وہ مجھ اور میری فروتنی پر
جو ضعیفی ہے کسقدر رحم وکرم کرتا ہے اور میری دلیری گناہون پر کسقدر بڑہی ہوئی ہے حالانکہ
مین اُسکی چادر رحمت کی پناہ مین مقیم ہون اسکے وسیع و فراخ فضل وکرم کے دامن مین پلٹنے والا ہون
اُسنے اپنے فضل وکرم کو مجھسے روک نہین لیا مجھسے اپنے پردہ پوشش کو علیحدہ نہین کیا مین ایک
لحظہ بھر کے لیے بھی اُسکے لطف وکرم کے سبب سے نعمتون سے خالی نہین جنھین وہ میرے واسطے
ظاہر کرتا رہتا ہے یا میرے بہت سے گناہون کی پردہ پوشی کرتا ہے یا بہت سی بلاؤن کو مجھسے
روکتا ہے قسم خدا کی اگر دو برابر کی قوت والون مین اور برابر کی قدرت رکھنے والون مین یہ
صفت قدرت و قوت ہوتی تو بیشک مین پہلا حاکم ہوتا جو اپنے نفس کو اخلاق ذمیمہ اور اعمال
بد کا حکم کرتا کیونکہ حالت موجودہ یہی گو مین اپنے پروردگار کا کسی طاقت مین ہم پلہ نہین مگر پھر بھی
اُسکی نافرمانی کیے جاتا ہون، دنیا نے مجھے مغرور نہین کیا بلکہ مین ہی دنیا پر فریفتہ ہو رہا ہون
کیونکہ اس دنیا نے میری آنکھون کے سامنے سے پردے اُٹھا دیے ہین طرح طرح کی نصیحتین
میرے لیے ظاہر کر رکھی ہین وہ کمی جو میرے رزق مین ہونے والی ہے وہ بلائین جو میرے
جسم پر نازل ہونے والی ہین جنکا مجھسے اس دنیا نے وعدہ کر لیا ہے وہ بالکل سچی ہین اُنھین
ضرور وفا کرے گی، ان وعدون مین اُسنے بالکل دروغ گوئی سے کام نہین لیا مجھے کسی قسم کا
فریب نہین دیا اگر مین ویران شہرون اور سنسان مکانون سے اس دنیا کی معرفت حاصل کرون
تو مین انھین خدا کی یاد دلانے والے مواعظ و نصائح تک پہونچانے اور برائیون سے منع کرنے مین بہت
ہی اعلی پاؤنگا واہ کیا اچھا ہے اُس شخص کا مکان جو اس دنیا مین گھر بنانے پر راضی نہین ہوتا

کیا خوب ہے اُس شخص کا محل جو اس دنیا کو اپنی منزل سمجھکر اسمین متوطن نہین ہوتا۔ بیشک کل کے دن نیک بختان دنیا وہی لوگ ہین جو آج اس دنیا سے فرار کر رہے ہین جس وقت ایک ہولناک آواز دنیا کو متزلزل کردیگی ہر ایک عبادت گاہ کے ساتھ اُسکا اہل ملحق ہو جائیگا ہر ایک معبود کے ساتھ اُسکا عبادت کرنیوالا ملاقات کریگا ہر اطاعت کیے جانے والے کے ساتھ اسکا اطاعت کیے جانے والا قائم ہوگا۔ افوہ! اوس روز کسقدر حجتین ہین جو باطل ہونگی کسقدر عذر و معذرت کے رشتے ہین جو منقطع ہونگے اب مجھے لازم ہے کہ مین اُس کام کو اختیار کرون جسکے سبب سے میرا عذر قائم رہے، میری حجتین ثابت رہین اس ناپائدار دنیا سے وہ چیز حاصل کرلون جو میرے واسطے باقی رہجائے اپنے سفر کے لیے تیار ہوجاؤن، برق نجات کی روشنی پر نظر کرون اور اپنے بوجھ اُٹھانے والے اونٹون کے تنگ کس لون۔

بیشک موت لذات کو قطع کرنے والی اور خواہشات کو مکدر کرنے والی ہے، وہ ایسی قاتل ہے جس سے خون بہا نہین لیا جاسکتا قریب ہے کہ اسکے ابر خشم کی تاریکیان، اسکے آتش انتقام کے شعلے، اسکی سختیون کی ظلمتین، اسکی عالم جانکنی کی بے ہوشیان، اسکی روح کو باہر نکالنے والے آلام، اسکی گھیرنے والی تاریکیان ہمین گھیر لین، ہمارے پکارنے والون کو متفرق، ہما ہمرازون کو خاموش کردے، ہمارے آثار مٹادے اور ہمارے آباد گھر ویران کردے۔ بارخدایا۔ مجھے دنیا سے بیزاری اور عذر کی توفیق عطا فرما اسلیے کہ یہ بڑی مکارہ ہے، یہ سخت فریب دینے والی ہے دیدیتی ہے اور پھر چھین لیتی ہے پہناتی ہے اور پھر اوتروالیتی ہے اسکی آسائشون کو ہمیشگی نہین اور اسکا رنج و تعب منقضی نہین ہوتا، عاقل کو اس نعمت سے کیا کام جو فنا ہونیوالی ہے اس لذت سے کیا غرض جو باقی نہین رہے گی؟ ہم لغزشون کی بُرائی اور عقل کی بیہوشی سے تجھہی سے پناہ مانگتے ہین۔ خدایا تو ہماری پوشیدگیون کو مشاہدہ کرتا ہے تو ہماری ضمیرون اور دلی باتون سے واقف ہے، ہمارے اسرار اور بھید تجھپر ظاہر ہین۔ خدایا اگر مین اپنے سوال کرنیسے عاجز اور درماندہ ہوجاؤن یا اپنی حاجت کے سبب سے حیران ہوجاؤن تو تو مجھے میری مصلحتون پر

انتہائی نزدیک ہے کہ تجھے ہمارے اعمال کا علم ہے اور ہماری غائتین تجھپر ظاہر ہین۔
اے بلند و بالا گمردون کے آفریدگار اور ایسے بام کے مالک جسے تونے شب و روز کے ظاہر ہونے اور غائب ہونے کا مقام شمس و قمر کی سیرگاہ اور ستارون کے لیے آمد و شد کا مکان بنادیا ہے اور اے وسیع و فراخ زمین کے پیدا کرنے والے جسے تونے لوگون کے لیے قرار حضرات الارض چوپایے اور وہ حیوان جو نظر آتے ہین یا نظر نہین آتے ہین اُن سب کے لیے آرامگاہ بنادیا ہے تو کسی صاحب مال سے روزی طلب کرنے کا محتاج نہین بلکہ اپنی قدرت کاملہ سے ہر ایک شئے کو رزق پہونچاتا ہے کوئی شئے تیری سلطنت سے نکلکر تیرے غیر کی طرف فرار نہین کرسکتی، کوئی ہمسر نہین جو تیری ہمسری کرسکے کوئی نظیر اور مثال نہین جو تیرے مساوی ہو بیشک توہی موجد عالم ہے اور سوا تیرے کوئی نہین، چنانچہ اگر مخلوقات مین تمام حیوانات و پرندو چرند زندہ و مردہ جمع ہوجائین انکے مختلف اصلون اور علیحدہ علیحدہ جنسون کے اقسام حاضر کیے جائین انکے گروہ کے عقلمند جمع ہوجائین اور سب کے سب ملکر ایک پشہ کو پیدا کرنا چاہین تو اُسکی خلقت پر قادر نہو سکینگے، وہ کبھی نہ جان سکینگے کہ اسکی پیدائش کا کیا طریقہ ہے لہذا اسکی ایجاد سے عجز کا اقرار کرینگے اور اُسکے فنا کردینے پر اپنی مجبوری کا اظہار کرینگے اور بے شک خداوند تعالی دنیا کو فنا کردینے کے بعد پھر اُسی حالت تنہائی کی طرف عود کریگا جیسا کہ وہ خلقت دنیا سے پہلے تھا ویساہی اُسکی فنا کے بعد ہوجائیگا اور فنائے دنیا کے ساتھ مدتین اوقات و ساعات سب فنا و معدوم ہوجائینگی سوائے اُس واحد و اول کے کوئی چیز باقی نہین رہیگی جسکی طرف سب کی بازگشت ہے۔

اے پاک و پاکیزہ خدا تو مثال کے ذریعہ سے نہین پہچانا جاسکتا، تجھے از روے مشاہدہ نہین دیکھ سکتے، نفس موجودات کے سوائے تیرے لیے کوئی حجاب نہین، تو اے باطنی تیرا تصور نہین کرسکتے حواس ظاہری تیرے ادراک سے عاجز ہین لیل و نہار کی گردشین تجھے کہنہ نہین کرسکتین کوئی مکان تجھپر حاوی نہین ہوسکتا اور نہ کوئی زبان تیری کما حقہ توصیف کرسکتی ہے۔ نہ تو تجھسے پانی کے قطرون کا شمار چھپا ہوا ہے نہ آسمان کے تارے تجھ سے پوشیدہ ہین ہوا کا

کرۂ ہوا مین تموّج امواج کی سنگ سمت پر جنبش، اندھیری رات مین چھوٹی چھوٹی چیونٹیون کی خوابگاہین، ان مین سے ایک چیز بھی تیری نگاہون سے اوجھل نہین، تو گوشۂ چشم کے خفی سے خفی اشارے کو بھی جانتا ہے، اُنچہ پر ہموار زمین کے قطعات اور ایک دوسرے سے متصل ہونے والی رات اور حد سے بڑھی ہوئی تاریکی مخفی نہین رہ سکتی، وہ تیئے جنکے سبب سے بادلون کی بجلیان پھیل جاتی ہین، وہ پتے جو زمین پر گرتے ہین جنھین ابر کے گرنے کے مقام سے تند و تیز ہوائین اور آسمان کی متواتر بارشین کہین سے کہین اُڑا لیے جاتی ہین، انمین سے کوئی بات ایسی نہین جو تجھپر پوشیدہ ہو۔ ہم تیرے سامنے اپنی برائیون کو ظاہر کر رہے ہین اور تو ہمارے عیوب کو ڈھانک رہا ہے، ہم تیرے عذاب سے کنارہ کش ہو رہے ہین اور تو ہمین مہلت دیے جا رہا ہے، جو لوگ اس دنیا مین متوطن تھے انجام کار اُنکو اُنھین مقامات (قبور) کو وطن بنانا پڑا جن سے وحشت کرتے تھے، اسی شغل کی طرف رُخ کیا جس سے جدا ہوتے تھے، آخرکار اُن مشاغل دنیا کو چھوڑا جنکی طرف کار آخرت کو ترک کر کے متوجہ ہوتے تھے، اُنھون نے دنیا سے محبت کی اس دنیا نے اُنھین دھوکا دیا، اُنھون نے اُسپر اعتماد کیا اور اُس نے اُنھین خاک مین ملا دیا، اب ہم کو لازم ہے کہ پروردگار کی طاعت پر صابر رہکر اُسکی مصیبتون سے پرہیز کرتے ہوے اُسکی نعمتون کے اتمام کے منتظر رہین کیونکہ کل کا دن آج کے دن سے بالکل قریب ہے، ساعتین آج کے دن کو گذارنے کے لیے عجلت کر رہی ہین، مہینے کے ختم کرنے مین ایام مستعجل ہین اور سال کے ختم کر دینے کی مہینون کو جلدی پڑی ہوئی ہے اور عمر کے گذار دینے کے لیے برسون کو کسقدر عجلت ہے، اب بتاؤ اس مکان مین کونسی خوبی ہے جسکی بنیادین خراب ہوکر شکستہ ہوجائین، اس زمانہ مین کیا بہتری ہے جو مسافر کی مسافت کی طرح منقطع ہو جائے اور اس عمر مین کونسی بھلائی ہے جو آہستہ آہستہ توشۂ راہ کی طرح فنا ہو جائے۔

ہم تقواے الٰہی کے سبب سے اپنے آپ کو گناہون سے محفوظ رکھین اور دنیا مین نہایت پاکیزہ رہین، آخرت کے مشتاق و شیفتہ ہوجائین، دولت دنیا کی چکدار بجلیون کی طرف رُخ نکرین

اسکی نفاستون پر فریفتہ نہون۔ اس دنیا کی باتون کو نہ سنین۔ اسکی آواز کا جواب نہ دین۔ اس کا حال انتقال و زوال ہے۔ اسکی عزت ذلت ہے۔ اسکی کوششین فضول اور بیفائدہ ہین۔ یہ فسق و فساد کا گھر اور غارتگری کی جگہ ہے۔ یہ ہلاکت کی منزل ہے۔ دنیا والون کو انھین نیرنگیون مین صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے کہ کہین مردہ پڑا ہوا ہے عزیز و اقارب رو رہے ہین۔ اپنے بیگانے ماتم پرسی مین مصروف ہین۔ کہین مریض کراہ رہا ہے لوگ عیادت کو چلے آرہے ہین۔ ایک دوسرا شخص ہے جو ہزار ہزار حسرتون کو سینے مین چھپائے دم توڑ رہا ہے۔ ایک انسان ہے کہ دنیا کو طلب کر رہا ہے اور موت اسکی طالب ہے۔ وہ موت سے غافل ہے مگر موت اس سے غافل نہین۔ بعض لوگ تاسف کے ساتھ اپنے ہاتھون کو کاٹ رہے ہین۔ کوئی کف افسوس مل رہا ہے۔ کوئی بحر تفکر و الم مین غرق ہے۔ مگر جب ناگہانی موت سامنے آگئی تو وہ وقت حیلہ گری اور چارہ سازی کا نہین۔ ہیہات ہیہات: اب گریز کہان! جو اسباب عبادت کہ فوت ہوئے ہوگئے۔ جو زمانہ اطاعت گذر گیا گذر گیا!!

الہا قادرا پروردگارا۔ کریما منعما آمرزگارا۔ بے شک تو اسی قابل ہے کہ تیرے احسان و نعمت کا شکر ادا کیا جائے۔ اگر تیری طمع کیجائے تو یہ بہترین طمع ہے۔ اگر تجھسے امید رکھی جاوے تو یہ عمدہ ترین امید ہے۔ خداوندا۔ مجھے تیری طرف حاجت ہے۔ مین تیرا محتاج ہون اور تیرے فضل و کرم کے سواے کوئی چیز اس احتیاج کا سدباب نہین کر سکتی۔ اسکی ضروریات رفع نہین ہو سکتین مگر تیری بخشش بے اندازہ سے۔ تیرے جود و کرم سے۔ خداوندا مجھے اس دار العمل مین اپنی خوشنودی و رضا کا جامہ پہنا دے۔ مجھے اپنے سواے دوسرون کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بے نیاز کر دے۔ بیشک تو اپنی مشیتون پر قادر اور بڑا قدرت رکھنے والا ہے۔

سید علی اصغر بلگرامی

پیش دانا مسند جم خاک پا گہوارہ است   بادشاہی عالم طفلی ست یا دیوانگی

ملا وحی

رباعیات شاکر

۱

تن نے ہمین لباس کی ضرورت نہ رہی / اس قالب خاکی سے محبت نہ رہی
دل قبر ہے اور داغِ دل چادر گل / اب گور و کفن کی ہم کو حاجت نہ رہی

۲

رحلت پہلو سے ہے شکیبائی کی / رخصت ہے زبان سے آہ ا گویائی کی
اُکتا گیا بزمِ دہر سے دل شاکر / اب دُھن ہے لحد کے کنج تنہائی کی

۳

ظالم! عہدِ شباب کھویا تو نے / وہ سین تھا جو لاجواب کھویا تو نے
دن عیش کے کر دیے حرام اے پیری / راتون کا لطف خواب کھویا تو نے

۴

سانسین کبھی سینے مین اُلٹ جائین گی / دندان کی صفین صاف پلٹ جائین گی
کیون قید حیات کا ہے غم اے شاکر / اک دن یہ بیڑیان بھی کٹ جائین گی

۵

دنیا کے عذاب جان شکن سے چھوٹے / اور کشمکش روح و بدن سے چھوٹے
یارون کو غم مفارقت ہے شاکر / ہم خوش ہین کہ اس دارِ محن سے چھوٹے

۶

اس دار فنا مین عمر جاوید نہین! / یہ شام الم ہے صبح امید نہین
وہ جام نشاط ہے نہ وہ محفل عیش! / ملتا کہین اب نشانِ جمشید نہین

۷

آوارہ مزاج تھے یہاں آ نکلے روتے ہوئے گھر سے نوحہ خوان آ نکلے
ویرانۂ دہر مین عدم سے شاکر ہم خاک اُڑانے کو کہان آ نکلے

۸

بجلی کوئی چمکی آسمان سے آئی یہ عشق کی سوزش نہان سے آئی
دل روز ازل تھا ایک آنسو غم کا اس قطرہ مین آگ یہ کہان سے آئی

۹

دنیا کی نہ رہگذر مین بسیرا ہوگا اک دن زیر زمین بسیرا ہوگا
بالین پہ نہوگی شمع تک اے شاکر ہم ہونگے لحد کا گھپ اندھیرا ہوگا

۱۰

احباب مین دیرینہ محبت نہ رہی وہ صدق و صفا کی آہ عادت نہ رہی
یارون مین نہین بوے وفا اے شاکر اگلی سی وہ ان گلون مین نکہت نہ رہی

۱۱

آنسو نہ اُتر کے دل مین خوناب ہوے آنکھون مین نہ آکے دُرِ نایاب ہوے
نظرون مین سبک تھے جیتے جی ہم شاکر مرنے پہ بھی بارِ دوشِ احباب ہوے

۱۲

پیری مین بھی نہ فکر آرام گئی دل سے نہ ہواے شاہد و جام گئی
پک بھی گئے بال آہ! سر کے شاکر دُنیا کی نہ سر سے ہوس خام گئی

۱۳

آنکھون سے ہین اشک گرم ڈھلنے کے لئی سوز درون سے ہے پگھلنے کے لیے
ہم انجمن دہر مین آئے تھے مگر رو رو کے برنگ شمع جلنے کے لیے

۱۴

محفل مین رہین سنتِ شمع نہین — داغ جگری کو حسرتِ شمع نہین
ہم جلتے ہین اپنی آگ مین خود شاکر — پروانے کی طرح حاجتِ شمع نہین

۱۵

کاٹی غفلت مین عمر اچھا نہ کیا — مرنے کا خیال دل مین اصلا نہ کیا
جاتے ہین عدم کو آہ! اب خالی ہاتھ — کچھ توشۂ آخرت مہیا نہ کیا

۱۶

اس میکدہ مین ہے ہوشیاری لازم — یعنی ہے خرد کی پردہ داری لازم
ناچیز یہ خاک کا ہے پُتلا شاکر — انسان کو ہے عجز و خاکساری لازم

شاکر میرٹھی

ہمیشہ رہتے ہیں ہم عاشقِ ناکام گردش میں — نہ ہوا ایسا کسی کا بخت نافرجام گردش میں
کسی کی آنکھ کی پُتلی کا رقصِ ناز دیکھا ہے — رہیگا تا قیامت چرخِ نیلی فام گردش میں
طوافِ شمع سے ہوتا ہے پروانوں کا دل ٹھنڈا — نظر آتی ہے اِنکو صورتِ آرام گردش میں
کیا تھا قیس کو محرومیِ وصلت نے آوارہ — عجب کیا گر رہیں ہم عاشقِ ناکام گردش میں
جو عالی ظرف ہیں اُن کو نہیں فکرِ تن آسانی — کہ غیروں کے مزے کے واسطے ہی جام گردش میں
زمانے میں بہارِ زندگانی چند روزہ ہے — رہے پیمانہ کچھ دن ساقیِ گلفام گردش میں
رہِ اُلفت میں کوشش کرتے کرتے بن گئی ہم پر — غضب ہے ہوگئے ہم موردِ آلام گردش میں
سرِ محفل رقیبِ روسیہ آرام سے بیٹھے — رہے ہر دم تمھارا بندۂ بے دام گردش میں

محب اک بات رہ جائیگی بس کہنے کو دنیا میں
نہ ہم یوں ہی رہینگے اور نہ یہ ایام گردش میں

برج بھوکن لعل محب دریاباری

اسپین اور اسلام

(سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو النظر نمبر ۲۳ بابت ۱۵ مئی ۱۹۱۱ء)

اسپین کی حالت میرے نزدیک اس مقام پر اسپین کی خوبصورتی اور تعلیمی حیثیت کا کچھ ذکر کر دینا بے موقع نہوگا۔ ایک عرب مورخ نے قرطبہ کو دلھن سے تشبیہ دی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ

"وہ تمام جواہرات جو آنکھوں کو خوش اور نظر کو خیرہ کرتے ہین یہان پائے جاتے ہین، قرطبہ کے ایوانات شاہی کا طول طویل سلسلہ اُسکے واسطے عزت اور شان کا تاج ہے۔

اُسکی پچلڑی اُن بیش بہا موتیون سے بنی ہوئی ہے جو اُسکے شعرا نے علم اور زبان کے سمندر سے نکالکر جمع کیے ہین، خوبصورتی سے بنے ہوے علم کے جھنڈے اُسکی پوشاک ہین، اور دستکار لوگ اور مبصرین فن اُسکی پوشاک کی گوٹ ہین"

عمارت اسمیں شک نہیں کہ قرطبہ مثل بغداد، دمشق، غرناطہ، اور بیشمار دیگر شہروں کے جو اسلامی حکومت مین تھے بہت ہی خوبصورت شہر تھا۔

اُسکے باغات، محلات شاہی، مساجد، حمام، کتب خانہ، مدارس، بیشمار اور لاثانی تھے بیان کیا جاتا ہے کہ صرف شہر قرطبہ میں پانچ سو سے زیادہ حمام اور تین سو سے زائد مساجد اور اسی اوسط سے اور تمام عمارتیں موجود تھیں، اسپین کی عمدہ عمارات میں سے ایک مسجد ہے جو اُس زمانہ میں تمام دنیا سے اعلیٰ ترین تھی، اُسکے بیش بہا پتھر اب تک اپنی اپنی جگہوں پر موجود ہیں۔ اُس مسجد کی پچی کاری اور منبت کاری کا کام جو اسپین ہی کے کاریگروں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا اب تک مثل جواہرات کے چمک رہا ہے اور اُسکی جلا مین یہ صفت ہے کہ اب تک اُسیطرح چمکتی ہے۔ جیسے کہ گویا ابھی بنکر تیار ہوئی ہے۔

دوسری عمارت جو نہایت تعجب خیز ہے مدینۃ الزہرا ہے، اس عمارت کے دیوان خاص کی دیواریں اور چھت سنگ مرمر کی بنی ہوئی تھیں جنپر سونیکا کام کیا ہوا تھا، اس دیوان کے بیچ میں ایک پتھر کا منقش فوارہ تھا، اسی شاہی عمارت کے ایک اور کمرے میں جسکے تمام دروازے ہاتھی دانت اور آبنوس کے بنے ہوئے تھے ایک طشت پارے کا رکھا ہوا تھا، اور جب سورج کی کرنیں اُن چمکدار دروازوں سے ہوکر اُس طباق پر پڑتی تھیں تو تمام کمرہ بجلی کی طرح چمکنے لگتا تھا۔ اور حاضرین کی نگاہوں کو خیرہ کرتا تھا۔

مسلمانوں کی طہارت مسلمان لوگ اُس زمانے میں پاکی اور طہارت کے اتنے پابند تھے کہ بغیر غسل یا وضو کیے ہوئے کوئی کام نہیں کرتے تھے جس زمانے میں کہ اور مذاہب والے طہارت کو برا سمجھتے تھے اور غسل وغیرہ سے منع کرتے تھے، چنانچہ ایک گوشہ نشین درویش عورت نے اپنے حالات میں یہ بات نہایت فخریہ لکھی ہے کہ اُسنے ساٹھ برس کی عمر تک اپنے بدن کا کوئی حصہ سوائے اُنگلیوں کے کناروں تک نہیں دھویا۔

علما اور اطبا اسپین کے علما وغیرہ نے اسپین کو تعلیمی مرکز بنا رکھا تھا اور تمام یورپ کے طلبا بغرض حصول تعلیم آتے تھے اور حسب دلخواہ کامیابی حاصل کرتے تھے اُس زمانہ میں اسپین میں ہر قسم کا علم مثلاً نجوم، کیمیاگری، جغرافیہ اور تاریخ وغیرہ سکھائے جاتے تھے، اسپین کے مشہور اور لائق اطبا اور حکمانے ادویات میں بہت ترقیاں اور تبدیلیاں کیں، ابوالقاسم، ابن زہر، ابن بیطار اسپین کے مشہور حکما میں سے تھے۔

دستکاری اسپین نے مسلمانوں کے زمانہ میں دستکاری میں بھی کمال دکھا دیا چنانچہ ریشم کی وجہ سے اسپین "شہر خوباں" کہا جاتا ہے، ریشمی کپڑا بننا، اسپین کا بہت ہی نفع بخش پیشہ تھا

ے دیکھو تاریخ اسپین انگریزی مصنفہ مسٹر لین پول۔

نالۂ کش شیراز کا بلبل ہوا بغداد پر
داغ رویا خون کے آنسو جہان آباد پر
آسماں نے دولت غرناطہ جب برباد کی
ابن بدروں کے دل ناشاد نے فریاد کی

یہ بیان کیا جاتا ہو کہ صرف قرطبہ میں دس لاکھ تیس ہزار ایسے پیشہ ور تھے جو ریشمی کپڑا بنتے تھے، مگر اس کام کے واسطے المیریا[1] سب سے زیادہ مشہور تھا، برتن بنانے میں یہ لوگ اتنے مشاق اور ہوشیار ہو گئے تھے کہ وہ سونیکے سے چمکتے ہوے مٹی کے برتن بنا لیتے تھے، ٹولیڈو[2] میں تلوار وغیرہ کے دستے ایسے خوبصورت اور عمدہ بنتے تھے کہ اب تک مشہور ہیں۔ المیریا، سوائل[3]، مرسیا[4] اور غرناطہ ہتھیار اور اوزار بنانے کیواسطے مشہور تھے اسپین نے اسلامی عہد سلطنت میں درحقیقت دنیا بھر سے زیادہ شان و شوکت اور عظمت و جلال دکھایا۔

زوال اسلام لیکن افسوس صد افسوس یہ سب شان و شوکت - عزت و حمیت اور تعلیم و تہذیب تھوڑے ہی عرصہ میں نیست و نابود ہو گئیں۔ کیونکہ سلطان عبدالرحمن ثالث کے بعد تمام جانشین نہایت کمزور اور ضرورت سے زیادہ تعلیم کے شائق تھے، پس جیسا کہ عام قاعدہ ہو سلطنت کو کمزور دیکھ کر مخالفین ٹوٹ پڑے اور مسلمان لوگ اس ملک سے جنکو انھوں نے زرخیز اور مہذب بنایا تھا نہایت ظلم اور تعدی کے ساتھ نکال دیے گئے۔

سنہ ۱۴۹۲ء میں بادشاہ فرڈننڈ[5] شاہی جلوس کے ساتھ دارالسلطنت اسپین میں داخل ہوا تھوڑی دور پر اس شاہی جلوس کو اسپین کا آخری بادشاہ تن تنہا اور بے یار و مددگار کھڑا نظر آیا، جب یہ لوگ اسکے قریب پہنچے تو اس بیکس نے شہر کی کنجیاں تو فاتح لوگوں کو دیدیں اور چل کھڑا ہوا، یہ بیچارہ جلاوطن سلطان تھوڑی دیر تک اپنی سلطنت کا آخری نظارہ کرتا رہا اور آخرکار جب اسکا دل بھر آیا تو بے اختیار رونے لگا اور اللہ اکبر پکار اٹھا۔

اتفاقاً اسکی ماں جو قریب ہی کھڑی ہوئی تھی جواب میں یوں کہنے لگی کہ "اب تم اس ملک کے واسطے مثل عورتوں کے خوب رو جسکو تم مرد ہو کر مردانگی کے ساتھ نہ بچا سکے" بالآخر وہ وہاں سے

[1] Almaria [2] Toledo [3] Seville [4] Mercia [5] Ferdinend

...دہ ہوکر افریقہ میں پہنچا جہاں اُسکو اور اُسکی اولاد کو بسر اوقات کے واسطے بھیک مانگنے کا طریقہ اختیار کرنا پڑا،

افسوس صد ہزار افسوس کہ ایسا بڑا سلطان عالیشان اس ذلیل اور رذیل حالت پر پہنچا فاعتبروا یا اولی الابصار۔

تھوڑے عرصہ تک اسلامی شان و شوکت اور جاہ وجلال کا عکس چاند کی عاریتی روشنی اسپین کی سرزمین پر ڈالتا رہا مگر بعد ازاں چاند بھی گہن میں آگیا اور تمام ملک میں اندھیرا چھا گیا، اور اُس وقت سے ابتک اسپین اُسی تاریکی میں ڈوبا ہوا ہے جسمیں کہ اسلامی حکومت کے زوال کے کچھ دنوں بعد سے آگیا تھا۔

از فاتح قوم کے برتاؤ عیسائی فوج نے جب اسپین پر فتح پائی اور اچھی طرح سے قبضہ ہوگیا تو مسلمانوں کو حکم دیا کہ اپنی آبائی وضع و قطع چھوڑ کر عیسائیوں کا کوٹ پتلون اختیار کریں، پاکی اور طہارت کو ترک کرکے اپنے فاتحوں کی گندگی اختیار کریں، اپنی مادری زبان کو چھوڑ کر انگریزی کو مادری زبان سمجھیں، اور اپنی رسومات مذہبی اور عادات واطوار کو ترک کریں، حتیٰ کہ اپنے نام کو تبدیل کردیں اور عیسائیوں کے نام رکھیں، نو فاتح لوگوں نے صرف ایک عنایت مسلمانوں پر کی جسکے وہ اب تک مشکور ہیں اور ہمیشہ رہینگے وہ یہ کہ اُنکو اجازت دیدی کہ یا تو اپنا مذہب آبائی تبدیل کرکے عیسائی ہوجائیں یا سلطنت اسپین کے باہر نکلجائیں۔ چنانچہ اس شاہی فرمان کے بموجب ہزاروں مسلمان جنھوں نے اپنی جان دیدینا یا اپنے اوپر سخت سے سخت مصیبت برداشت کرنا آسان سمجھا بہ نسبت اسکے کہ مذہب اسلام تبدیل کریں ملک اسپین سے ان لوگوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے نکل گئے، اور اپنے وطن کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہا، گو اسمیں شک نہیں کہ ایک ایسے مقام سے جہاں ہر قسم کی آرام و آسائش اُنکے واسطے مہیا ہوا اور جہاں وہی حکومت

ترک کرنے پر مجبور ہوں نکل کر ایسے مقام پر جانا جہاں انکو یہ نہ معلوم ہو کہ کہاں جائیں گے، کیا کھائیں گے، کیونکر زندگی بسر کریں گے؟ بہت دشوار اور ناقابل برداشت امر ہے، مگر ان جلاوطنوں نے اپنے مذہب کے جوش میں ان سب باتوں کو نہایت صبر اور تحمل کے ساتھ برداشت کیا اور اپنے مذہب پر قائم رہے۔

تمام مساجد گرا دی گئیں اور تمام کتابیں جو مسلمانوں کی کئی صدیوں کی تعلیم اور تہذیب کا نتیجہ تھیں، جلا کر خاک سیاہ کر دی گئیں، تمام سلطنت کے حمام صرف اسی وجہ سے منہدم کر دیئے گئے کہ وہ ناپاکی کا ذریعہ[۵] تھے

افسوس صد افسوس کہ ان نو فاتح لوگوں نے یہ نہ خیال کیا کہ وہ کیا کرتے ہیں اور کس کے ساتھ کس طریقہ سے پیش آتے ہیں، افسوس کہ انھوں نے سونیکی چڑیا کو خود اپنے ہاتھ سے مار ڈالا اور اسپر ذرا بھی رحم نہ کھایا، ان لوگوں نے اپنے نو مفتوحوں کے ساتھ ایسے ظلم و تعدی کا برتاؤ کیا کہ جس وقت وہ لوگ فاتح تھے تو اپنے مفتوحوں کے ساتھ اتنی ہی آزادی اور کشادہ دلی سے پیش آئے تھے۔

القصہ اس نو فاتح قوم نے اتنی بڑی سلطنت کو اسطرح برباد کیا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں وہ اتنی ہی بدنام ہو گئی جتنی کہ کبھی مسلمانوں کے زمانہ میں نیکنام اور مشہور تھی، جہاں کہ سائنس، حکمت کا شہرہ تھا تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اس سرزمین میں کوئی حکیم نہ رہا اور اگر تھا بھی تو وہ اپنی نالایقی کے واسطے مشہور تھا، جس ملک میں کبھی ستر کتب خانے اور پانچ لاکھ سے زائد کتابیں تمام دنیا کے فائدے اور تحصیل علم کیلئے شہر قرطبہ ہی میں جمع تھیں، اسکی اب یہ حالت ہو گئی کہ اٹھارویں صدی میں کوئی کتب خانہ پبلک کیواسطے باقی نہ رہا جبکہ اسلامی حکومت کے زمانہ میں صرف ۱۶ ہزار کارخانے کپڑا بننے کے تھے اس ملک کی یہ حالت پہنچی کہ عیسائی

---

[۵] دیکھو تاریخ انگریزی مصنفہ لین پول۔

وشاہت کے زمانہ میں تمام سلطنت میں صرف تین ہزار گھر دانوں کے باقی رہ گئے تھے، وہ کھیت جو مسلمانوں کے زمانہ میں نہایت زرخیز اور فرحت بخش تھے تھوڑے ہی عرصہ میں انکا کوئی نام و نشان باقی نہ رہا اور اس قسم کے تمام مکانات ویران ہو کر کھنڈر ہو گئے وہ درخت اور فضا و ادیان جو مسلمانوں کے زمانہ میں شہرۂ آفاق تھیں انکی یہ حالت ہوئی کہ سب یکلخت خشک ہو گئیں، وہ ملک جو کسی زمانہ میں تاجدار طالب علموں اور بہادر جنگیوں سے بھرا رہتا تھا، اب اُسمیں فقیر، لٹیرے، اور ڈاکو نظر آتے ہیں، بقول شاعر

ازروے یار خرمی ایوان ہمی ہمیشہ تھی ۔ وزقدآں سرو ہی خالی ہمی ہیم چمن
برجاے رطل وجام مے گوراں نہادستند پے ۔ برجاے چنگ نای شنیے آواز زاغ ست زغن

اسلامی یادگار کی بھی یادگار ان ویران مقامات میں جہاں کبھی فرحت افزا باغات اور نہریں تھیں اور اُس بیوقوف خلقت میں جو کبھی علم میں مشہور اور لاثانی تھی ابتک پائی جاتی ہے اسپین کی گذشتہ حالت کا اندازہ کرنا بہت دشوار ہے مگر اب بھی اُسکے کچھ نشان پائے جاتے ہیں جو مسلمانوں کی گذشتہ عظمت کا ثبوت دے رہے ہیں اور جسکو مولانا حالی نے خوب دکھایا ہے

وہ سنگیں محل اور وہ اُنکی صفائی ۔ جمی جنکے کنگروں پہ ہے آج کائی
وہ مرقد کہ گنبد تھے جنکے طلائی ۔ وہ معبد جہاں جلوہ گر تھی خدائی
زمانہ نے گو اُنکی برکت اٹھائی
نہیں کوئی ویرانہ پر اُن سے خالی
ہوا اندلس اُن سے گلزار یکسر ۔ جہاں اُنکے آثار باقی ہیں اکثر
جو چاہے کوئی دیکھ لے آج جاکر ۔ یہ ہے بیت حمرا کی گویا زباں پر
کہ تھے آل عدنان سے میرے بانی

قول سلطان دو عالم سے مدن واقف کہ وہ

عرب کی ہوں میں اس زمیں پر نشانی

کوئی قرطبہ کے کھنڈرجا کے دیکھے
مساجد کے محراب و درجا کے دیکھے
حجازی امیروں کے گھرجا کے دیکھے
وہ اُجڑا ہوا کر و فر جا کے دیکھے

جلال اُنکا کھنڈروں میں ہے یوں چمکتا
کہ ہو خاک میں جیسے کندن دمکتا

یہ اسپین کی ترقی اور تنزل کا سچا اور دردناک واقعہ ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے زیر حکومت اسپین کی کیا حالت تھی اور اُنکے جلا وطن ہوجانیکے بعد اُسی عظیم الشان سلطنت کی کیا حالت ہوگئی،

عزیز ناظرین میں نے آپ کو ثابت کردیا کہ وہ مسلمان جو کسی زمانہ میں نہایت مشہور و معروف تھے اب اُنکا نام و نشان بھی باقی نہیں ہے، اور اگر مورخین اُنکے حالات نہ لکھتے تو ہمکو اُنکے ناموں سے بھی واقفیت نہوتی اُنکے کارناموں کا کیا تذکرہ۔

اسمیں شک نہیں کہ مسلمانوں نے اور کسی جگہہ اتنی ذلت اور خواری نہیں اُٹھائی جتنی کہ اسپین میں اُنکو اُٹھانا پڑی مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ہر جگہ مشہور و معروف ہوکر اخیر میں اتنے کم حیثیت ہوے کہ بیان سے باہر، اُنھوں نے صرف اپنی سلطنتیں ہی نہیں کھوئیں، بلکہ اُسکے ساتھ ہی اپنے اخلاقی اور مذہبی دبدبہ کو بھی ہاتھ سے دیدیا، اُنکی عیش پسندی کیوجہ سے صرف اُنکے قوٰے ہی نہیں کمزور ہوگئے بلکہ اُنکی عقل اور اخلاق بھی خراب ہوگئے، مذہب اسلام جسکو لوگ اُسکے عمدہ اور پسندیدہ اصولوں کی وجہ سے پسند کرتے تھے اور جسپر لاکھوں اپنی جانیں تک فدا کرتے تھے اور فدا کرنیکو تیار رہتے تھے اُسکی اب یہ حالت ہوگئی کہ ہماری عیش پسندی کی وجہ سے بدنام ہوگیا اب آجکل کے مسلمانوں کی جو ردی حالت ہے اُس سے ہر شخص خوب

آگاہ ہوا اور ہر شخص جانتا ہے کہ وہ اور قوموں کے مقابلہ میں کس درجہ پیچھے سمجھے جاتے ہیں، مگر افسوس کہ ہم جانتے ہیں اور لاعلمی کرتے ہیں، اپنی حالت سے خوب واقف ہیں اور پھر آرام سے پڑے سو رہے ہیں۔

مسلمانوں کی ردی حالت دیکھکر بیاختہ حالی کے یہ اشعار یاد آجاتے ہیں جنہیں انھوں نے اسلام کی یہی حالت کا نہایت عمدگی کے ساتھ فوٹو کھینچا ہے۔

ہماری ہر اک بات میں سفلہ پن ہے … کمینوں سے بدتر ہمارا چلن ہے
لگا نام آبا کو ہم سے گہن ہے … ہمارا قدم ننگِ اہلِ وطن ہے
بزرگوں کی توقیر کھوئی ہے ہم نے
عرب کی شرافت ڈبوئی ہے ہم نے

نہ قوموں میں عزت نہ جلسوں میں وقعت … نہ اپنوں سے الفت نہ غیروں سے ملت
مزاجوں میں سستی دماغوں میں نخوت … خیالوں میں پستی کمالوں سے نفرت
عداوت نہاں دوستی آشکارا
غرض کی تواضع غرض کی مدارا

نہ اہلِ حکومت نہ ہمراز ہیں ہم … نہ درباریوں میں سرافراز ہیں ہم
نہ علموں میں شایانِ اعزاز ہیں ہم … نہ صنعت میں حرفت میں ممتاز ہیں ہم
نہ رکھتے ہیں کچھ منزلت نوکری میں
نہ حصہ ہمارا ہے سوداگری میں

تنزل نے کی ہے بری گت ہماری … بہت دور پہنچی ہے نکبت ہماری
گئی گزری دنیا سے عزت ہماری … نہیں کچھ ابھرنے کی صورت ہماری

پڑے ہیں اک امید کے ہم سہارے
توقع یہ جنت کی جیتے ہیں سارے

واقعی حالی نے نہایت سچا اور پُردرد فوٹو کھینچا ہے اور اس سے مسلمانوں کو اپنی پستی اور ذلت کا حال اچھی طرح سے معلوم ہو سکتا ہے۔

خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اب کچھ تبدیلی ہوتی نظر آتی ہے اور ہر جگہ لوگ کوشش کر رہے ہیں کہ اپنے اخلاق کو درست کریں، مگر ان لوگوں کی تعداد ابھی بہت کم ہے لیکن ہم امید کرتے ہیں کہ اگر یہی حالت اور یہی رفتار رہی تو تھوڑے عرصہ میں مسلمان لوگ پھر کچھ کر دکھائیں گے ہندوستان میں بھی مسلمانوں کو اچھا موقع ہے کہ وہ اپنی سرپرست اور رحمدل گورنمنٹ کے زیر حکومت اپنے آپ کو درست کر لیں کیونکہ یہ سرکار ایسی ہے کہ ہمیشہ حاجتمندوں کی ضرورت پوری کرتی ہے اور اپنی رعایا میں سے کسیکو ذلت کی حالت میں نہیں دیکھ سکتی ہے پس اے مسلمانوں خواب غفلت سے بیدار ہو اور دیکھو کہ تم کسقدر نازک حالت میں ہو، لیکن اب بھی ممکن ہے کہ اگر تم چاہو کہ عزت سے دیکھے جاؤ تو ہوشیار ہو جاؤ اور اتفاق کے ساتھ کوشش کرو تب ہی تمکو وہ عزت حاصل ہو سکے گی جسکا تمہارا نام مستحق ہے، سب سے پہلی اور ضروری بات جو تمکو کرنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ خود تعلیم حاصل کرو اور اپنی اولاد کی تعلیم میں دل وجان سے کوشش کرو اور ہمیشہ زمانہ کے موافق کام کرو، خواہ زمانہ تمہارے موافق ہو یا نہو، جیسا کہ اس مقولہ کا منشا ہے۔

زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز

تعلیم صرف اس غرض سے حاصل نہیں کرنا چاہیئے کہ نوکری ملے بلکہ اس غرض سے حاصل کرو کہ تمہیں کمال پیدا کر کے قوم کی مدد کی جائے۔

اے مسلمانوں دیکھو کہ اور قومیں کیسی ترقیاں کر رہی ہیں اور تم ہو کہ ابھی تک بیخبر ہو

اور گہری نیند میں سو رہے ہو۔ بس اب بہت سو چکے، اُٹھو اور کچھ کام کرو۔ موقع اچھا ہے اسکو ہاتھ سے کھو دینا عقلمندی کے خلاف ہے۔

لہذا اب جلد اٹھ جاؤ اور کمر ہمت مضبوط باندھو اور مردانہ وار اپنی قوم کی حالت درست کرو تب ہی تم اس قابل ہوگے کہ اپنے قابل فخر آباؤ اجداد کی اولاد کہے جاسکو۔ میں نے آپ لوگوں کا بہت سا وقت ضائع کیا، اب اپنے مضمون کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں۔

الٰہی بحق رسول تہامی ۔ ہوا کے فروغ اسلام کا تھا جو حامی
جسے دور و نزدیک تعصب گرامی ۔ جلا ہو جسے کچھ وزنگی و شامی

شریروں کو ساتھ اپنے جس نے نبھایا
بروں کا ہمیشہ بھلا جس نے چاہا

انھیں کل کی فکر آج کرنا سکھا دے ۔ ذرا انکی آنکھوں سے پردہ اٹھا دے
کہیں گاہ بازی دوراں دکھا دے ۔ جو ہونا ہے کل آج انکو سمجھا دے

چھٹیں پاٹ میں تا کہ باراں سے پہلے
سفینے تیار رکھیں طوفاں سے پہلے

ابرار حسین

جو کوئی آتا ہے وہ روتا ہوا ۔ ساتھ میرے جان کو کھوتا ہوا
ڈر ہے کیا راحت ملی تابوت میں ۔ جا رہا ہوں چین سے سوتا ہوا

عزیز لکھنوی

استاد الملک

مولوی شیخ احمد عرف ملّا جیون

امیٹھوی رحمۃ اللہ علیہ

آپکا شمار ہندوستان کے ان جید علما مین ہے جنھون نے تمام دنیاے اسلام پر اپنی فضیلت کا سکہ بٹھا دیا۔ اور جنکی یاد ابھی باوجود صدیان گذر جانے کے اسی تعظیم و توقیر سے کی جاتی ہے جیسے کہ انکے زمانہ مین انکی عزت کیجاتی تھی۔ عام طور سے انکی شہرت بحیثیت مصنف کتاب نور الانوار و تفسیر احمدی کے ہے۔ لیکن ایسے لوگ بہت کم ہین جو آپ کے پورے حالات سے واقف ہون۔ چونکہ راقم کے خاندان کو حضرت ملا صاحب سے خاص نسبی تعلق ہے اسلئے مین اپنا فرض سمجھتا ہون کہ اس سرآمد روزگار بزرگ و عالم کی سوانح عمری اسلامی پبلک کے سامنے پیش کردون۔ ملا صاحب نے ایک کتاب بنام مناقب الاولیا لکھی تھی جسمین اپنے اجداد کے حالات لکھے ہین۔ اسی کتاب کے آخر مین اپنی عمر کے ہشتیرین سال تک کے اپنے حالات بھی درج کر دیے ہین۔ اسکے بعد پھر آپکو لکھنے کا شوق نہین ہوا لیکن آپکی وفات کے بعد حسب وصیت آپکے بڑے صاحبزادے ملا محمد عبدالقادر صاحب نے بقیہ حالات لکھکر اسکو پورا کردیا۔ اس کتاب کا موجودہ نسخہ سنہ ۱۱۲۰ ہجری مین لکھا گیا تھا۔ اس سے قبل کا کوئی نسخہ دستیاب نہین ہوا لہذا مضمون ہذا مین مین اسی کو راہنما بناتا ہون۔

پیدائش و سلسلہ نسب | باپ کا نام ملا ابو سعید تھا آپ بتاریخ ۲۵ شعبان سنہ ۱۰۴۷ ہجری روز پنجشنبہ وقت صبح صادق بمقام قصبہ امیٹھی (حال ضلع لکھنؤ) پیدا ہوئے

آپ مخدوم شیخ نظام الحق رح کے اولاد مین تھے جنکا سلسلہ نسب عبداللہ علمبردار کی رح تک جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔

تعلیم | آپ کی ابتدائی تعلیم آپکے والد بزرگوار ملا ابو سعید صاحب نے کی اور جب آپکا انتقال

تو اپنے بقیہ علم ظاہری و علم باطنی کو حضرت شیخ محمد صادق ستہ کہی سے حاصل کیا چنانچہ وہ فرماتے ہین جسکا ترجمہ درج ذیل ہے۔

وہوہذا

جبسے والد بزرگوار کی خدمت مین رہنے کا اتفاق ہوا اور انکی صحبت کی برکت سے ۷ سال کی عمر مین حفظ کلام اللہ کا شرف حاصل ہوا اور گو کہ قواعد تہجی و اعراب و مہملہ و منقوط کا کچھ علم نہ تھا لیکن بفضل خدائے تعالی کلام مجید شروع سے آخر تک صحیح پڑہتا تھا اور بعض وقت بلا وسیلہ علم صرف و نحو معنی بہی سمجھ مین آ جاتے تھے۔ اسکے بعد علوم ظاہری کی تحصیل شروع کی اور گو کہ پڑہنے مین کتابون کی تقدیم و تاخیر کی کچھ بہی رعایت نہین کی جاتی تھی لیکن بفضل خدا کمال قوت علمی حاصل ہوتی جاتی تھی جب میری عمر ۱۲ سال کی ہوی اسوقت والد صاحب نے انتقال فرمایا اسوقت سے علم ظاہری کی تحصیل قطب الوقت استادی شیخ محمد صادق ستہ کہی سے کرنے لگا بعدہ انہی سے سلسلہ چشتیہ کی سند بہی حاصل کی اور اکثر مشائخ وقت سے تہذیب باطن اور اذکار سلسلہ نقشبندیہ و قادریہ حاصل کئے۔ ۲۲ سال کی عمر مین تحصیل علوم سے فراغت کلی حاصل ہوی اسوقت سے درس تدریس شروع کیا اور صدہا طالب علم فائض المرام ہونے لگے۔

شاہی دربار مین رسائی

آپ کے ماموں سید عبد اللہ امیٹہوی معروف بہ نواب عزت خان شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد مین میر آتش تھے یعنی کل شاہی توپخانہ انکی سپردگی مین تھا اور دربار مین انکو بہت رسوخ حاصل تھا اس لئے آپکو بہ اصرار دہلی بلایا اور بادشاہ سے ملاقات کرا یا شہنشاہ علیم شہنشاہ کی قدر شناسی نے آپکو دہلی سے واپس نہ ہونے دیا اور ملازمت داخل ہو گئے اور تہوڑے عرصہ کے بعد بادشاہ نے آپکو خطاب (استاد الملک) کا عطا کیا اور ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ کی جاگیر مدرسہ کے لئے معاف کی۔

نوٹ) حالات مذکورہ بالا ہمکو آپکی اس کتاب سے جسکا ہم ذکر کر گئے ہین دستیاب نہین ہوی بلکہ ان ملفوظات و فرامین سے اخذ کئے گئے ہین جو حضرت ملا صاحب اور انکے مدرسہ سے متعلق ہین

اور جو راقم کے قبضہ مین موجود ہین، اصل معافی نواب سعادت علیخان نے اپنے عہد مین ضبط کر لی اور مدرسہ کی عمارت اس سے پہلے نواب آصف الدولہ کے عہد مین کھدوا ڈالی گئی تھی اور اینٹین لکھنؤ ہوکر شاہی امام باڑہ کی تعمیر مین صرف ہوئین

تصانیف | ملا صاحب خود اپنی تصنیفات کے بارہ مین تحریر فرماتے ہین-

۱۲ سال کی عمر مین والد صاحب کے انتقال کے بعد نسخہ ادب احمدی جو علم سلوک سے متعلق ہے تالیف کیا اکثر خطبات جمعہ و عیدین اور کئی کتابین زبان عربی مین بکمال بلاغت ترتیب دین اور اسکے بعد جدی حضرت شیخ عبید اللہ و جدی شیخ علیم اللہ کی بعض تصنیفات کو ترتیب دیکر تمام کیا- ۱۶ سال کی عمر مین جب شرح جامی پڑہتا تہا اُسوقت کتاب تفسیر احمدی لکھی اور تہوڑی مدت مین اسکی تصحیح سے فارغ ہوا- دوران سفر دہلی و اجمیر مین دو بار حال طاری ہوا- اور بحالت غلبہ محبت ایک مثنوی بطرز مثنوی مولانا روم جسمین ۶ دفتر اور پچیس ہزار اشعار تھے اور ایک دیوان بطرز دیوان خواجہ حافظ جسمین پانچہزار اشعار تھے تیار ہوئے - جب مین زیارت حرمین شریفین کے لئے روانہ ہوا تو عربی زبان مین ایک قصیدہ ۲۲۰ اشعار کا بر وزن قصیدہ بردہ تصنیف کیا اور اسے وسیلۂ خوشنودی روح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم گردانکر مدینہ طیبہ کو راہی ہوا بندرگاہ سورت مین پہونچکر اسکی شرح لکھی اور اسمین کچھ تغیر و تبدل بھی کیا۔ اثنائے سفر دریا مین دوبارہ پھر بلائے محبت مین گرفتار ہوا اور اس حالت مین ۲۹ قصائد بہ زبان عربی تیار ہوئے جنکی بلاغت کی تعریف اکثر علمائے عرب نے بہی کی - مدینہ منورہ پہونچکر بعض دوستون کے اصرار سے کتاب نور الانوار شرح منار دو ماہ یعنے ربیع الاول و ربیع الثانی مین بحضوری مزار اطہر تصنیف کی چنانچہ بہ برکت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہوڑی ہی مدت مین یہ کتاب مقبول عرب و عجم ہوگئی -

۶۶ سال کی عمر مین جب فقیر دوبارہ عازم حرمین شریفین ہوا تو ایک رسالہ سوانح بر مجازات سوانح ملا جامی علم تصوف مین تصنیف کیا -

بیان مذکورہ کے پڑہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسقدر بلند پایہ عالم تھے اور علاوہ علم ظاہری کے
علم باطن میں بھی کسقدر دستگاہ کامل رکھتے تھے اگرچہ ممکن ہے کہ بہت سے لوگ اسمین ایک
حصہ کو مبالغہ تصور کرین لیکن ایسا سمجھنے کی کوئی وجہ کافی موجود نہین ہے کیونکہ وہ کتاب جسمین سے
یہ جزو اخذ کیا گیا خود آپکی تصنیف ہے نہ کسی عقیدت مند شاگرد کی یا مرید کی اور یہ کسی طرح
باور نہین ہو سکتا اایسے فخر روزگار بزرگ نے اپنی فضیلت جتلانے کو تعلی سے کام لیا ہو
آپکی کل تصنیفات سوائے تفسیر احمدی و نور الانوار کے جو پہلے سے لطف سے شائع دنیائے اسلام
مین رائج ہو چکی ہین اور کتاب مناقب الاولیا جس سے یہ حالات اخذ کئے گئے ہین ہنگامہ
غدر مین مع آپکی دستار و پیرہن و دیگر تبرکات کے ضائع ہو گئین ورنہ ہم اسے کب کا پبلک
کے سامنے پیش کر چکے ہوتے بہر حال جو لوگ ان کتب مذکورہ موجودہ کی خوبیون
سے واقف ہین وہ خود سمجھ سکتے ہین کہ اور تصنیفات کا کیا حال ہوگا اور جس شخص نے
۱۶ سال کی عمر مین بحالت خواندگی شرح جامی و تفسیر احمدی لکھی ہو وہ کیا کچھ نہین کر سکتا تھا

سفر آپنے اپنے اسفار کا بھی حال لکھا ہے جسے ہم حسب معمول ہو بہو درج کرتے ہین۔

۴۰ سال کی عمر مین مجھے اتفاق سفر حضرت دہلی و اجمیر کا ہوا اور بہت مدت تک قیام رہا۔
ہزارہا آدمی علوم ظاہری و باطنی سے مستفید ہوے۔ جب فقیر کی عمر ۵۰ سال کی ہوی تو بقصد
زیارت حرمین شریفین روانہ ہوا اور ملک دکھن کی سیر کرتا ہوا براہ بندرگاہ سورت عرب
پہونچا جب فقیر کی عمر ۵۶ سال کی ہوی تو حرمین شریفین سے واپس ہو کر ملک دکھن پہونچا اور
[illegible] سال تک لشکر معلی عالمگیری مین مقیم رہا۔ بادشاہ دین پناہ حضرت عالمگیر سے ملاقات و نشست
برخاست کا اتفاق ہوتا رہا اور سیکڑون بندگان خدا کی دینوی مرادین حاصل ہوئین۔
چونکہ ہمارے نذر ثواب والدین دوبارہ حج کا مدت سے خیال تھا اور اثنائے قیام دکھن مین
مین نے والدہ کو دو بار خواب مین دیکھا کہ مجھسے اسی کی طلب فرماتی ہین پس ۱۱۱۲ ہجری مین
کہ عمر مین فقیر کی ۶۶ سال کی تھی بادشاہ سے رخصت ہو کر بہ حرمین شریفین پہونچا اور دو

سال وہان قیام کیا - ایک حج بہ نیت ثواب والد صاحب اور ایک برائے ثواب خالہ صاحبہ
ادا کیا اور وہان سے واپس ہوکر پھر دکھن پہونچا اس طرح تین سال ختم ہوئے سنہ ۱۱۱۶ ہجری
مین کہ فقیر کی عمر کا ستروان برس تھا دکھن سے واپس ہوکر وطن یعنے امیٹھی پہونچا -

نوٹ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ چالیسوین سال وطن سے نکلے اور انسٹھوین سال مراجعت فرمائے وطن ہوئے - آپنے اپنا حال بدست خاص اسی وقت تک یعنی اپنی عمر کے سترویں سال تک کا لکھا تھا - اسکے بعد آپ پر اکثر حالت استغراق طاری رہتی تھی سوائے ذکر و شغل و درس کے کسی کام مین مطلق مصروف نہوتے تھے - انہین وجوہات سے پھر کچھ نہ لکھا لیکن آپکے انتقال پر آپکے بڑے بیٹے شیخ محمد عبد القادری نے بقیہ حالات لکھ کر آپکی سوانح عمری ختم کر دی اور بطور تتمہ کتاب مناقب الاولیا شامل کر دیا جسکا ترجمہ ہم درج کئے دیتے ہین

وہو ہذا

حضرت ملا صاحب اپنی عمر کے سترویں و اکہترویں سال امیٹھی ہی مین مقیم رہے - اسی سال شاہ اورنگ زیب عالمگیر نے رحلت کی - اپنی عمر کے بہترویں سال کہ یکم سنہ جلوس محمد معظم بادشاہ خلد منزل تھا بتاریخ ۲۵ محرم طلبا کی جماعت کثیر لیکر شاہجہان آباد کو روانہ ہوئے اور ماہ صفر کے آخری چہارشنبہ کو دہلی پہونچگئے اور تھوڑے دن تک وہین مقیم رہے - جب محمد معظم بادشاہ دکھن سے واپس ہوکر اجمیر کے قریب پہونچے تو حضرت ملا صاحب نے انسے ملاقات کی اور انہین کے ساتھ ساتھ لاہور گئے - اور وہان مقیم ہوئے جب بادشاہ نے انتقال کیا تو پھر شاہجہان آباد لوٹ آئے اور اُسوقت سے اپنی عمر کے تراسیویں سال یعنے آخر تک وہین قیام کیا - اسی اثنا مین بہ سال یکم سنہ جلوس فائض الجود والسخا صاحب السیف واللوا - المنصور والناصر باللہ والمجاہد فی سبیل اللہ - ابو المظفر معین الدین محمد عالمگیر ثانی شاہ فرخ سیر بادشاہ غازی سے ملاقات فرمائی - اسوقت سے آخر تک انکی توجہات سے ہزارہا آدمیونکی حاجت روائی ہوئی اور کثیر التعداد لوگ امیٹھی و دیگر مقامات کے کامیاب

دفعۃً الحال ہو گئی۔ شروع ماہ ذیقعدہ سال ہفتم جلوس والا مطابق سنہ ۱۱۲۲ ہجری مقدس سے آپنے رحلت کی بار بار خبر دینا شروع کی۔ اس سے چند ماہ پیشتر امیٹھی جانے کا قصد ظاہر فرمایا تھا اور اکثر روانگی کے لئے اضطراب فرمایا کرتے تھے لیکن چونکہ واپسی نصیب مین نتھی نہ تشریف لا سکے۔ آخر کار بتاریخ ہشتم ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۱۲۲ ہجری دوشنبہ کا دن آیا اسدن بھی آپنے شام تک حسب معمول درس تمام کیا۔ بعد مغرب لوگون نے دیکھا کہ ایک نہایت بڑا اور روشن ستارہ مغرب سے ٹوٹ کر مشرق کی طرف گیا لوگون نے پوچھا تو آپنے اسکی تعبیر یون فرمائی کہ آج کوئی عالم اکمل دنیا سے رخصت ہوا۔ اس واقعہ کے بعد آپنے نماز مغرب ادا کی بعدہٗ نماز اوابین ادا کی اور اوراد و وظائف سے فراغت کی پھر بدستور سابق شام کا کھانا نوش فرمایا پھر نماز عشا معہ سنن و نوافل ادا کی اور حسب معمول وعظ و نصائح فرماتے رہے جب ڈیڑھ پہر رات گذری تو سینہ مبارک مین سوزش پیدا ہوئی اور تھوڑی تھوڑی بڑھنے لگی یہانتک کہ پہلو مین بھی سوزش شروع ہوئی۔ اسوقت بندہ (یعنے شیخ محمد عبد القادری) حاضر ہوا تو فرمایا کہ وقت آخر ہے یہ فرما کر اُٹھے اور جامع مسجد کے بڑے دروازے کے بالاخانہ پر جنوبی [illegible] کی کوٹھری مین لیٹ گئے اور ذکر الٰہی مین مشغول ہوئے۔ ڈیڑھ پہر رات باقی تھی کہ زبان مبارک پر کلمہ شہادت جاری ہوا اور روح مبارک قفس عنصری سے جنت الماویٰ کو راہی ہوئی۔ روز سہ شنبہ تاریخ ۹ ذیقعدہ کو کہ دن آپکی ولادت کا بھی تھا وقت ظہر آپکا تابوت میر محمد شفیع کے تکیہ مین سپرد زمین کیا گیا اور پچاس دن کے بعد بتاریخ ۱۴ ماہ محرم ۱۱۲۳ھ روز چہارشنبہ تابوت قصبہ امیٹھی مین پہونچا اور وقت عصر مقبرہ مدرسہ مین دفن ہوا۔ فضائل پناہ شیخ غلام محمد مفتی لکھنؤ نے کہ شاگرد اور استاد زادے حضرت کے تھے آپکی تاریخ وصال نظم کرکے شاہجہان آباد بھیجی تھی جو حسب ذیل ہے۔

محیط علم آن مولائے اعظم	به احمد عرف چون شد معلم
جهان را روشنی زان شمع دین بود	بعلم ظاهر و باطن مسلم
چو رحلت کرد در ذیقعده تاریخ	بوصل دوست خود گشته مکرم
بتاریخش خرد داده بگوشم	ندا او کامل و فیاض عالم [illegible]

نوٹ مسجد علاہی حکم سے تعمیر ہوئی تھی جو اب تک باقی ہے اسی کے شمال جانب روضۂ شریف جسکو اُنکے بڑے بیٹے نے دہلی سے معمار بلاکر تعمیر کیا تھا موجود ہے۔ بالین مزار شریف پر سنگ خارا کی لوح نصب ہے جسپر یہ عبارت کندہ ہے ویلہ الخفا علیہ سنہ ۱۱۳۰ ہجری

خادم حسین علوی

صبا کی طرح پھیرا کوچہ ہستی کا کرتے ہین — کہ آزادانہ آجاتے ہین مستانہ گزرتے ہین
گزرتے ہین تو مثل سیل عالم سے گزرتے ہین — ٹھہرتے ہین تو جیسے نقش پانی پر ٹھہرتے ہین
رہین منت ہستی کیا تو نے مگر یارب — لگا دیتے ہین تہمت جیسے چھدا جیسے دھرتے ہین
وہ کیا جانین جو ہین محروم لذت سے قناعت کی — کہ یہ سوکھے نوالے حلق سے کیونکر اوترتے ہین
بڑی مشکل سے ٹوٹی پھر بھی ٹوٹی توبہ زاہد — شکست سنگ کا الزام ہم شیشہ بادہ پہ دھرتے ہین
یہ کیا عادت نگین سے سیکھ لی ہے عیب مضمون نے — کہ جسپر نام پڑجاتی ہے اسکو نام دھرتے ہین
نہین ڈرتے زمانہ جتنا چاہے امتحان کرلے — کھرے ہوتے ہین جو وہ آگ مین گر کر نکھرتے ہین
نظر سر دیدۂ حسرت۔ نقش آبستن تہمت — کوئی مرنے سے ڈرتا ہوگا ہم جینے سے ڈرتے ہین
تمہارے گیسوؤن کی برہمی کچھ ہم نے دیکھی ہے — بگڑنے سے یہ بنتے ہین بکھرنے سے سنورتے ہین
مروت تو یہ کہتی ہے کہ بیدردی نہین اچھی — ادا سمجھاے جاتی ہے کہ مرنے دے جو مرتے ہین
کسی کا عکس آئینہ مین آکر کے یہ کہتا ہے — کہ آنکھون مین سما کر اسطرح دل مین اُترتے ہین
صدا طبل تہی کی ہے یہ شہرت اور یہ آوازہ — ہوا مین بھر کے ارباب ہوس ناحق ابھرتے ہین
دیے ہون دل کو جب جسکے صفائی پھر بھلا کیسی — کہین یہ داغ مٹتے ہین کہین یہ زخم بھرتے ہین
عنادل مل چکے ہین خاک مین جو کیا خبر اُن کو — کہ شاخین جھومتی ہین پھول تربت پر بکھرتے ہین
حباب اوٹھ کر قرار بحر سے تا سطح آب آیا — ابھرنے والے جو ہین ناتوان ہو کر ابھرتے ہین
قلم سے سجدہ ریزی جادۂ تسلیم مین سیکھو — جو ہین اہل وفا یون سر تہ شمشیر دھرتے ہین
غزالان حرم صید کمند بیقراری ہین — کہ جو از خود رمیدہ ہون وہ اس ڈوری مین مرتے ہین

علی حیدر طباطبائی

فراق شوہر

(ترجمہ نظم انگریزی "دی ہسبنڈس ایبسنس")

چھوٹا سا مکاں ہے سر راہ نیچے کا برآمدہ ہے کوتاہ اُس میں بیٹھی ہے ایک عورت نوعمر حسین ماہ طلعت

ہے عمر نوجکی یہ بی بی بیٹی مشہور برادری کی چہرے پہ شباب کی ہے رنگت لیکن ہے اُداس اُسکی صورت

شاید ہے کوئی ملال دل میں چھپا ہے کوئی خیال دل میں سینے سے آتی ہے صاف آواز کہتی ہے وہ آہ آہ دمساز

دو سال سے تو جدا ہے ہم سے آتا نہیں کیا خفا ہی ہم سے؟ دنیا کے تمام عیش و عشرت ہیں کلفت رنج فی الحقیقت

پھیلا تھا ابھی طلوع آ کیا تھا شام فراق کا سویدا نکلا کئی دن کے بعد خورشید ہمکو تو نہیں تھی اسکی امید

خوش ہوں سورج سے اہل لندن محبوب ہوا ان کو روز روشن ہے میری نظر میں تیرہ و تار ہے دھوپ زرد رنگ بیمار

یہ تیز شعاعیں ہیں میرے نزدیک بے نور ہیں اور سخت تاریک منظر روشن ہوا مجھے کیا ہے اداس ہی حال میرے دل کا

ہو دل کو سکون تو ہو فرحت لیکن ایسی کہاں ہے قسمت محبوب مجھے ہے میرا شوہر اُس سے نہیں کوئی چیز بڑھکر

آئیگا وہ ایک سال کے بعد پھر ہوگی خوشی ملال کے بعد باقی ہیں مگر ابھی بہت روز آتش ہے مفارقت کی جانسوز

اس کی سچی دلی محبت ظاہر جو ہوئی تھی وقت رخصت آجاتی ہے یاد دن میں سو بار آنکھیں ہوئی ہیں میری خونبار

وہ لطف وہ اسکی گرمجوشی اب تک مجھکو نہیں ہے بھولی صدمہ ہے ملال ہے تعب ہے اُسکا ہی خیال روز و شب ہے

کرتی ہوں میں کاروبار گھر کا ہے میرے سپرد سب علاقہ بہلاتی ہوں یوں رکام سے دل خوش ہوتا ہے اُسکے نام سے دل

اسکے کمرے میں آکے ہر روز آہیں بھرتی ہوں میں جگرسوز اُسکی کرسی کو پا کے خالی کلفت ہوتی ہے انتہا کی

آتی ہے نظر جو اُسکی تصویر پہروں کرتی ہوں اس سے تقریر ہوتی ہے معاملات پر بحث دنیا کی ہر ایک بات پر بحث

سنکر اُسکی دلیل کمزور کمرے بھر میں مچاتی ہوں شور اُسکی ہر شے ہے مجھکو محبوب اُسکا مطلوب میرا مطلوب

پڑھتی ہوں وہی کتاب میں بھی جو اُسنے بشوق دل پڑھی تھی تھے اُسکو پسند جو رسالے پڑھتی ہوں کلب میں منگا کے

گو نغمے میں جب اُسکے خاص احباب کرتے ہیں دلا کے یاد شباب کرتی ہوں میں دلبستگی کی عادت فرحت افزا ہے اُنکی صحبت

دن کاٹ رہی ہوں میں بمشکل | لگتا نہیں ایک کام میں دل | رکھ دیتی ہوں پھر اٹھا کے ہاتھ | خوش ہوتی ہوں میں بچا کے ہاتھ
تازہ کرنے دماغ کو میں | جاتی ہوں جو سیر باغ کو میں | ہے قابل دید میری حالت | رہتی ہے عجب طرح کی وحشت
بڑھ جاتا ہے درد سینے میں کچھ | ہوتے ہیں طیور جب لب سنج | گل سے برگ ثمر سے باتیں | کرتی ہوں یہ بیٹھ کر باتیں
آجاتی ہے دل میں یاد مشرق | چلتی ہے جو سرد باد مشرق | گذشتہ وہ گرمیوں کی راتیں | آجاتی ہیں یاد اگلی باتیں
نام مشرق - ہے محبت | دلکو ہے بڑا ہی لطف | بنگال کی نوکری میں ہے نوکر | یعنی مشرق میں میرا شوہر
آتی ہوں پلٹ کے سوئے مسکن | کرتی ہوں میں ختم سیر گلشن | بنگال میں مجکو جا کے لیجائے | اے کاش ہوا اڑا کے لیجائے
رہتا ہے ناگوار گھر میں | پھرتی ہوں میں بیقرار گھر میں | رہتی ہوں میں اشکبار و مضطر | مغموم اداس گھر کے اندر
دل ہے یاد خدا میں مصروف | ہو جاتی ہوں پھر دعا میں مصروف | نوکر چاکر ہیں سب پریشاں | گھنٹوں ہی میں زار زار نالاں
ہو ختم یہ وقت آزمائش | یارب ہے یہ میرے دل کی خواہش | کر دور یہ فرقت و تباہی | کہتی ہوں میں رو کے یا الٰہی
گردش میں پھر ایاغ آئے | پھر گھر میں بہار باغ آئے | پھر شاد ہوں دردمند ناشاد | شوہر سے ہمارا گھر ہو آباد
احباب کا دل اور دل لگی ہو | جلسے ہوں نشاط ہو خوشی ہو | دل میں جو رنج ہے نکل جائے | کلفت فرحت سے پھر بدل جائے

ا - ع شرر - کاکوروی

کلام آزاد

ہمارے ہموطن کرم فرما مسٹر اصغر علی آزاد کی طبع رسا نے ناظرین مخزن کے دلوں کو بارہا لبھایا ہے - اب افسوس ہے کہ صاحب موصوف عرصہ سے خاموش رہنے کے عادی ہو گئے ہیں - چند روز ہوئے ہمنے ان تعلقات کی بنا پر جو ہموطنی کی وجہ سے ہمارے انکے درمیان قائم ہیں تحریک کی تھی کہ الناظر کی قلمی اعانت فرمائیے اسکے جواب میں ایک غزل فارسی اور پرانی غزلیات میں سے حنا کا مضمون جہاں جہاں آیا ہے وہ اشعار مرحمت ہوئے - اشعار متفرق شکریہ کے ساتھ درج کیے جاتے ہیں جنمیں پہلا شعر انکی سب سے پہلی غزل کا ہے جسکو وہ مذاق میں تعزیرات ہند کے خلاصہ کے نام سے یاد فرمایا کرتے ہیں - ایڈیٹر

چھوٹ کر دست حنائی سے پھنسا زلف میں دل | دائم الحبس ہوا خون سے رہائی پائی!!

آج مہندی کا بہانہ ہے تو کل | درد سر کا بھی کوئی لائیے گا

کھل گئیں مہندی حنا کی باتیں | ہاتھ واللہ دو ہرا لیجے گا

حسرتوں کو مری کرکے پامال | خون سے وہ رنگ حنا چاہتے ہیں

اسلام
اور
مستورات

کے عنوان سے ایک مضمون ۲۷ مئی کے کامریڈ (Comrade) مین "انتخابات" کے ذیل مین شائع ہوا تھا۔ یہ مضمون (Contemporary Review) کے اُس مضمون کا اقتباس تھا جو اُسکے مئی نمبر مین۔ ای۔ ایس۔ اسٹیونسن کے نام سے ایک خاتون نے "جوان ٹرکی کا طبقۂ اناث" کی سرخی سے تحریر کیا تھا۔ ہمین امید ہے کہ ناظرین اور ناظرات النا ظر اسکے مطالعہ سے محظوظ ہونگے۔ اس لیے اُسکا ترجمہ درج ذیل کرتے ہین"

جبتک مین اُس یادداشت کو جو میری خاطر ایک ایسی اعلیٰ مرتبت ترکی خاتون نے تحریر کی تھی کہ پاس مرتبت اُنکے نام نامی کو مخفی رکھنے کے لیے مجھے مجبور کرتا ہے لفظ بلفظ نہ لکھ لون اس مضمون کو تمام نہین کر سکتی۔ یہ کہنا کافی ہے کہ خاتون موصوفہ نہایت ہی اعلیٰ خاندان کی رکن اور ٹرکی کے طبقۂ حامیان آزادی کی ایک پر جوش ممبر ہین۔

ہم دونون اُن محلات کی جو دریاے باسفورس کے کنارے چلے گئے ہین ایک خوب صورت چھوٹی سی محلسرا مین نہایت ہی جوش و مسرت کے ساتھ عرصہ تک گفتگو کرتے رہے دوران ملاقات مین وہ عجائب و غرائب اشیا جو قسطنطنیہ مین ہر شخص کو محظوظ و مسرور کرنے کا باعث ہین بکثرت نظر سے گذرین۔ مثلاً وہ وسیع محلسراؤں کا لاخواجہ سرا جو مجھے اُنکی دور دراز راستوں مین لیگیا جہان جا کر سرمین رومال باندھے اور بغیر ایڑیون کی جوتیان پہنے ہوے کنیزون کی عجیب و غریب حالتین پیش نظر ہوجاتی ہین۔ وہ شادان و فرحان بشرے۔ وہ ڈھیلے جوتے اور وہ خاندانی مساوات جو شرقی ممالک مین پائی جاتی ہے دیکھتی ہوئی بالآخر اُس نشست کے کمرہ مین داخل ہوئی جو مغربی وضع و قطع سے نہایت ہی مشابہ ہوا اور جسکی

کھڑکیون کے نیچے دریاے باسفورس موج زن ہے اور بالکل Venetian Plazzo (املی کی ایک محلسرا) کے کمرون کے مانند ہے۔ یہان میری میزبان نے بلا پابندی رسوم میرا استقبال کیا اور اسکے بعد حالات مستورات قسطنطنیہ کے مضمون پر گفتگو ہوتی رہی۔ انھون نے کہا کہ" بلحاظ اپنی حیثیت کے مین ان باتون کے متعلق کچھ خامہ فرسائی تو کر نہین سکتی البتہ اگر آپ پسند فرمائین تو مین آپ کو ایک یادداشت بھیجدونگی جسکو آپ اپنے مضمون مین درج کر سکتی ہین آپ جتنی مغربی مستورات ہین یہ امر نہین سمجھتی ہین کہ ہم مشرقی عورات کسی جدید استحقاق کے لیے نہین کوشان ہین بلکہ محض اُس حق کے لیے جو پیشتر بھی ہمارا تھا اور جسکو ہم کھو بیٹھے ہین"

چنانچہ انھون نے مسلمان ترکی مستورات کی نئی تحریک کی تائید مین حسب ذیل مضمون ارسال فرمایا ہے۔

"اگرچہ مسلمانون مین ہزارون فقیہا گذری ہین لیکن ہم منجملہ اُنکے صرف چند کا ذکر کرینگے جنھون نے تاریخ اسلام مین شہرت حاصل کی ہے۔ اگلے زمانے مین اسکے بالکل برخلاف جو آجکل مغربی و مشرقی ممالک مین سمجھا جاتا ہے مسلمان مرد اور عورتین بغیر کسی امتیاز کے ایک ہی مرکز علوم مین تعلیم پاتی اور ایک ہی علم حاصل کرتی تھین۔ اور باہم اُن ہدایات سے جو اُنکے معلم اور معلمہ بلا تعصب کرتی تھین یکسان مستفید ہوتی تھین۔ فقیہ اور فقیہا مردون اور عورتون کو وعظ سُنایا کرتی تھین اور مرد اور عورتین دونون مساوی توجہ سے سنا کرتی تھین علاوہ برین مستورات باعتبار اپنے علم و فضل کے اسقدر علما کے ہم پلہ تھین کہ اکثر اُنمین کی فتوےٰ دینے کی مجاز تھین۔ کیا وہ علما جو عورت کے اُس رتبہ سے جسپر وہ ممتاز ہوئی اور اس بات سے کہ کس حد تک وہ اسلامی دنیا مین باعلم و فضل تھی واقف ہین۔ اور آجکل جو اُسپر دندان شکن اعتراضات ہوتے ہین اور اس بارہ مین جو بے پایان مباحث ہوتے ہین کہ کیونکر اُسکی تعلیم محدود کیجاے اور کیا اُسکے تمدنی فرائض کی حقیقت سمجھی جاے تو انکو سنکر متاثر نہونگے۔

اسلامی دنیا مین عورت کہان تک ترقی کر سکتی ہے اور کہانتک اُسنے اپنی تعلیم مین وسعت

دینا چاہیے ؟۔ یہ ایسے سوالات ہین جو فی زمانہ ہمارے گوش زد ہوا کرتے ہین۔ اسلام نے عورت کو اپنے ارادون کے مطابق انتہائی درجہ تک ترقی کرنے کا مجاز کیا ہے۔ اس زمانہ مین باوجودیکہ یورپ اور امریکہ مین اس درجہ ترقی تہذیب ہے تاہم مستورات ہنوز اوس حد تک تحصیل علم نہین کر سکین جسقدر کہ زمانہ گزشتہ کی مسلمان عورتین کر سکتی تھین لہذا آج جبکہ ہم اُن لوگون کو اپنے مذہبی قواعد اور تاریخ سے بالکل بے بہرہ ہونے کے باوجود اس بات کا فیصلہ کرنا اپنے ذمہ لیتے ہوے سُنتے ہین کہ مستورات کی سوسائٹی مین کیا منزلت ہونی چاہیے تو کیا اُن لوگون پر ہمارا تعجب کرنا حق بجانب نہین ہے۔؟

کلام مجید ہمارے لیے نازل ہوا ہے۔ اور ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم ہماری معاشرتی منزلت قرار دیچکے ہین۔ ہم مسلمان ہین۔ ہمین اپنے سرور عالم محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اور کسی نبی کا انتظار نہین۔ اور ہمارے لیے اُنکی ہدایتین آئی اور ایسے متبرک لوگون کے ذریعے متواتر وصول ہوئی ہین کہ اس مسئلہ مین چون وچرا کی گنجایش ہی باقی نہین رہی۔ اسلامی دنیا جو مستورات کی اُس اہم منزلت سے واقف ہی جو از روے قواعد مذہبی اُنکو حاصل تھی اُن لوگون کی کمال ناقابلیتی کا ضرور معترف ہونا چاہیے جو عورتونکی اس موجودہ تنزل پذیر حالت کے سوا اور سب باتون سے لاعلم ہونےکے باوجود اب بھی اُس آزادی کی وسعت کو جو مستورات کو دی جانا چاہیے محدود کرتے اور اسپر اُنکے جھگڑنےکے حق کو غصب کرنے کی جرأت کرتے ہین۔ کیا وہ لوگ نہین سمجھ سکتے کہ اُنکی اس مزاحمت سے نتیجتاً کون متاثر ہوتا ہے۔

اُس زمانے کی مستورات نے اسقدر عالیشان منزلت جس سے ہمین کماحقہٗ وقفیت ہے کچھ کسی ذاتی قابلیت سے نہین حاصل کی بلکہ اُنکو وہ محض اُس استحقاق سے حاصل ہوئی تھی جو اُنھین اسلام نے عطا کیا تھا۔ اگر اُن اشخاص کو جو یہ کہتے ہین کہ عورتون کو مردون کے پہلو بہ پہلو جنگ مین نہین لڑنا چاہیے یہ معلوم ہو جائے کہ زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مین بہت سی مشہور ومعروف عورتین علے الاتصال لڑائیون مین لڑتی رہین اور جسکے باعث وہ مورد

دعا بھی قرار پائین تو ہرگز ہرگز وہ اپنے دعوے کو پیش کرنے کی جرأت نہین کر سکتے اور وہ لوگ جو مستورات کو تجارت سے محروم رکھنا چاہتے ہین کیا اس واقعہ سے منکر ہو جائینگے کہ بی بی آسیا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائی تھین ایک عطاری کی دوکان رکھتی تھین۔ اون لوگون کی نسبت کیا خیال کیا جاے جو یہ عذر پیش کرتے ہین کہ عورتین مردون کو نہین پڑھا سکتین درآنحالیکہ ہم جانتے ہین کہ بہت سے متبعین کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم و کمال کی طرف رجوع کرین۔

وہ اشخاص جنھون نے حال مین مستورات پر نا فرانی آیات کلام مجید کا اس وجہ سے اتہام رکھا ہے کہ وہ اپنے مرد اعزا کے ساتھ گھر سے باہر چلی جاتی ہین اور یہ کہ وہ اپنے چہرون پر سے نقاب اوٹھا دیتی ہین قرآن پاک سے بالکل لاعلم ثابت ہوتے ہین۔ کیا وہ جلیل القدر عورات جنکا ابھی ذکر ہو چکا ہے اور جو اپنے افعال کے لحاظ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نظرون مین نہایت ہی ستودہ و پسندیدہ تھین نقاب پوش رہا کرتی تھین ؟ کیا جناب رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم کی چچی صاحبہ حضرت صفیہ ہمراہی حسان بن ثابت اپنے بچون عورتون اور قصبہ کی حفاظت کے لیے جہان کی وہ رہنے والی تھین آمادہ جنگ و جدال نہین ہوئین ۔ علاوہ درآنحالیکہ عورت قانونی معاملات مین شہادت دینے کی۔ مختاری کرنے کی اور عدالت مین ایسے اوقات مین جب اسکی معاملات مین نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو حاضر ہونے کی مجاز تھی تو کیا قاضی اُسکی شکل دیکھنے پر مجبور نہ تھا۔

اگر خداوند عز و جل نے مستورات کو یہ حکم دیا ہوتا کہ آنکھین جنسے دیکھتی ہین۔ ناک جس سے سانس لیتی ہین۔ منھ جس سے بات کرتی ہین۔ سب چھپالین تو کیا وہ اپنے چہرے کو پوشیدہ نہ کرتین اور پھر وہ عورات جو اس رتبہ کی تھین کہ جنھون نے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی ہر معاملہ مین فرمانبرداری کی اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ممانعت فرماتے تو یقینی وہ مکان سے باہر نہ نکلتین۔ برخلاف اسکے اسکا تو کہین ذکر ہی نہ تھا بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے

باہر کی خدمات انجام دینے پر اُنکے لیے دعائین فرمائین۔

جو لوگ نہایت ہی شد و مد کے ساتھ اس بات کا دعویٰ کرتے ہین کہ عورت کو مردونکی سوسائٹی سے بالکل الگ تھلگ رہنا چاہیے۔ اُنکی گفتگو بالکل بے سر و پا ہے۔ کیونکہ یہی عورت ہے جسکو ہمارے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے انتخاب مین حصہ لینے کا مجاز کیا جسکو آنحضرت نے اپنی سپاہ کے گروہ مین شامل کیا اور جسکو خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلون مین مدد دینے اور فقہ و عدالت کے قضیات مین حصہ لینے کے لیے طلب فرمایا نقاب جو اُس زمانے مین ڈالی جاتی تھی نہ اُس سے مُنھ چھپانا ہی مراد ہوتا تھا اور نہ عورتون کی ترقی اور تحصیل علم مین مزاحمت ہی متصور ہوتی تھی۔ ہزارون مستورات نے فقہ اور قانون مین بہت بڑی شہرت حاصل کی جس سے ہمارے قوانین کی اندک خلاف ورزی نہین ہوئی۔

ہم اس موقع پر منجملہ اُن مستورات کے جو تاریخ مین سب سے زیادہ مشہور و معروف گذری ہین صرف قریب قریب پندرہ کا ذکر کرینگے۔

ام عیسیٰ۔ حمدہ سیطل فقہا۔ عامرہ بنت عبدالرحمن۔ فاطمہ بنت الاحمد السامانی۔ فاطمہ بنت عباس ح فاطمۃ الفقیہا۔ مریم بنت احمد۔ زمرود۔ اخت المیزانی۔ ام الوحید۔ خدیجہ بنت احمد۔ زلیخا قرین الدار وغیرہا۔

حضرت ام عیسیٰ امام ابراہیم بن اسحٰق حربی کی صاحبزادی تھین آپ فتویٰ دیتی تھین اور آپ نے ۳۲۸ھ مین انتقال فرمایا۔

حمدہ ابو بکر احمد بن علی کی شاگردہ تھین۔ آپ کا وطن بغداد تھا وعظ جو آپ کیا کرتی تھین اُنکو اُس زمانے کے بڑے بڑے عالم سُنتے تھے۔ اور ابن سیلانی آپکے شاگردون مین سے تھے

سیطل فقہا بنت ابراہیم نے ۵۲۶ھ مین رحلت فرمائی آپ کے شاگردون مین اکثر معروف و مشہور آدمی تھے مثلاً عفر الہمدانی۔ احمد بن المعز۔ عبدالرحمن بن سلیمان۔ عبداللطیف بن القبیطی وغیرہ ان سبھون نے آپ سے سند قابلیت حاصل کی۔

شیہ ابنت عمر نے فاضل کاشغر سے تحصیل علم کی آپ نے سند دینیات ثابت شریف سے حاصل کی۔ حلب میں آپ کے بہت کثرت سے شاگرد تھے۔ زین الدین جو منجملہ اُنکے سب سے مشہور و معروف آدمی تھے خود صلاح الدین سفید کے اوستاد تھے۔ جنابہ ممدوحہ کے متعلق زین الدین کا مقولہ ہے کہ صرف شیہا ہی ایک ایسی تھین کہ ہمین وہ احادیث جو محدث شیخ حافظ ضیاء الدین سے منقول ہین پڑھا سکتی تھین۔

فاطمہ بنت عباس۔ عباس ابو الفتح البغدادی کی صاحبزادی تھین آپ قوانین شرعیہ کی عالمہ اور سربرآوردگان جماعت مذہبی مین سے تھین۔ آپ وعظ کیا کرتی تھین جنکی نہایت قدر و منزلت کیجاتی تھی اور اس حد تک علم و فضل مین کامل ہوگئین تھین کہ لبسا اوقات بڑے بڑے علما کے مباحث مین آپ ہی غالب آتی تھین آپ نے ۷۱۱ھ مین انتقال فرمایا۔

فاطمۃ الفقیہا۔ علاء الدین الکاشانی کی صاحبزادی تھین اور جنابہ موصوفہ کے والد ماجد و شوہر دونون علمائے فقہ اسلام مین سے نہایت ہی جلیل القدر بزرگ گزرے ہین۔ اور دونون اہم مسائل مین آپ سے رائے لیتے تھے۔ آپ فتوی دیتی تھین جسپر یہ دونون حضرات بحیثیت ایک شاہد کے دستخط کردیتے تھے۔

زین الدار وعیہا اندلس کے قاضی صاحب کی زوجہ تھین اور بذات خود بھی قاضی تھین اپنے شوہر کے ساتھ بیٹھکر عدل و انصاف کرتی تھین۔

یہ منجملہ نہایت ہی بلند مرتبت مستورات اسلام کے چند ہین اگر یہ عورات فتوی دینے کی مجاز تھین اور پھر ایسا فتوی جسکو اُس زمانہ کے بڑے بڑے مشہور و معروف علمائے فقہ معتبر سمجھتے تھے تو ضرور ہے کہ وہ بہت بڑی سند رکھتی ہونگی۔ شاگردان سیوطی مین قریب قریب ایکسو محدثہ تھیں جو احادیث بیان کرتی تھین۔ اس سے ہمین اس جماعت کی تعداد کا اندازہ ہوتا ہے جس نے تحصیل علم کے لیے خود کو وقف کردیا اور کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نہین فرمایا ہے۔ طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة تحصیل علم

ہر مسلمان مرد و عورت کا فرض ہے۔"

باوجودیکہ مصنفۂ مضمون ہذا نے جو بہ نسبت انگریزی زبان کے فرانسیسی زبان کی زیادہ عادی ہین کہا تھا کہ اُنکی انگریزی نہایت ہی خراب ہوگی اور مجھے حسب پسند اس مضمون کو تبدیل کرنا پڑے گا تاہم مین نے اس مضمون مختصر کو بحالت اصلی تحریر کردیا ہے۔ چونکہ یہ مضمون اُن حقوق کا جو آجکل کی مستورات طلب کرتی ہین اور نیز اُن واقعات کا جنپر اُنکے حقوق کا دارومدار ہے ایک صاف و سچا بیان ہے جسے ایک ترکی خاتون نے تحریر کیا ہے۔ لہذا میرے لیے اور مین امید کرتی ہون کہ دوسرون کے لیے بھی خالی از دلچسپی نہوگا۔

(ترجمہ از کامریڈ) وصی حسن

ہوم یعنی گھر

لڑکون کی تعلیم کے لیے سب سے بہتر جگہ ہے

مسز خدیو جنگ صاحبہ جن کا یہ مضمون ہے اُن چند بیگمات مین سے ہین جنپر مسلمانان ہند بجا طور پر فخر و ناز کر سکتے ہین۔ باوجود اُن اہم ذمہ داریون کے جو ایک معزز شوہر کی بی بی کے دامن سے وابستہ ہوتی ہین قومی کامون مین اتنی دلچسپی لینا اور علمی مشاغل مین اسقدر منہمک رہنا کوئی آسان کام نہین ہے آپ کے علمی ذوق و شغف کی اس سے زیادہ بین دلیل کیا ہوسکتی ہے کہ آپ نے حال ہی مین ایف اے کا امتحان پاس کیا ہے اور اب بی اے کی ڈگری حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہین۔

آپ کی یہ کامیابی حامیان تعلیم نسوان کے لیے عموماً اور ہمارے لیے خصوصاً نہایت ہمت افزا اور مسرت انگیز ہے اور ہم آپ کی خدمت مین تہ دل سے مبارکباد عرض کرتے ہوے یہ امید ظاہر کیے بغیر نہین رہ سکتے کہ اس روشن مثال سے ہماری دوسری بہنین پورا سبق حاصل کرینگی۔

ہم افسوس کرتے ہین کہ جولائی کے اِن نظرین جو خاص اتفاقات اور اسباب کی وجہ سے معذرت مجسم کی صورت مین طالع ہوا ہے اس فرض کے ادا کرنے سے سہواً قاصر رہے ورنہ شاید عرض مبارکباد مین ہم اپنے تمام معاصرین سے ایک قدم آگے ہوتے۔

ایڈیٹر

مجھ سے ایک بی بی نے جو میری عنایت فرما ہین فرمایش کی کہ مین اس مبحث پر ایک مضمون لکھون کہ 'ہوم' یعنی گھر لڑکون کی تعلیم کے لیے سب سے بہتر جگہ ہے۔ اول تو مجھے یہ خیال آیا کہ گھر سب سے بہتر جگہ ہے لڑکون کی تعلیم کے لیے کیا معنی؟ ہونا یون چاہیے تھا کہ گھر سب سے اچھی جگہ ہے لڑکون اور لڑکیون کی تعلیم کے لیے اس لیے کہ لڑکی ہی بڑی ہو کر بی بی بنتی ہے اور وہی دراصل بانی مبانی گھر کی ہوتی ہے اسکا نام تعلیم کے زمرے سے خارج کرنا چہ معنی دارد؟ رہا دوسرا لفظ یعنی 'ہوم' تو مین پوچھتی ہون کہ یہ ہے کس جانور کا نام؟ ہماری زبان مین تو کوئی لفظ اسکے لیے نہین ہے اور ہو کیونکر؟ جہان دو بی بیون کا رواج ہو وہان 'ہوم' کہان؟ دو بادشاہ در اقلیمے نگنجند۔ آپس کے لڑائی جھگڑے۔ کشمکش طعن و تشنیع۔ دلی کدورتین تمام ہوم لائف پر پانی پھیر دیتی ہین میان کی بی بیون کی بیچ بچاؤ مین کٹتی ہے اور وہ مثل ہوتی ہے کہ "دو ملا مین مرغی حرام" بی بیان جدا نالان ہین لڑکے جون تون پلگئے انکی تعلیم کچھ مدرسہ وغیرہ مین ہو گئی۔ گھر کا اثر تو اننہی پڑا کہ کدورت۔ بغض۔ حسد۔ جھوٹ سیکھا۔ 'ہوم' کا مزا تو کچھ انگریزہی لوگ خوب جانتے ہین کہ وہ میان بی بی ایک دوسرے کے شیدا۔ ہم دل و ہمزبان ہوتے ہین اور ہر طرح اپنے بچون کی تعلیم و تربیت مین نگران رہتے ہین اگر بدنصیبی سے باپ کا سایہ بچون پر سے اٹھ گیا تو مان نے بچون کو ہر طرح سنبھال لیا اور انکی تعلیم کو اپنا فرض سمجھا۔ مگر ہم بیچارے اس نعمت عظمیٰ سے بے بہرہ ہین سوا سے برحال ان بچون کے جنکا بچپن مان باپ کی نااتفاقیان اور آپس کی خانہ جنگیان دیکھنے مین کٹتا ہے۔ جبتک باپ کا سایہ ہے خدا کا فضل ہے کسی طرح تعلیم بھی ہو رہتی ہے اگر خدا نکرے ایسا تفرقہ پڑا کہ کسی خاندان کا وارث اٹھ گیا تو وہ گھر تباہ ہو گیا۔ بی بی کو کہان اتنی لیاقت کہ بچون کی برائی بھلائی کی تمیز کر سکے۔

غرض ہوم کے لیے ایک لائق عورت کا ہونا ضرور ہے جو بلاکسی اور شریک کے اپنے گھر کی ملکہ اور اپنے خاوند کی سچی خیرخواہ ہمدم اور مونس اور اپنے بچون کی سچی شفیق۔ جہان تعدد ازدواج کا دستور ہو وہان یہ ہونا کہان ممکن اسپربھی جو کہین کوئی نامی شخص ہم مین ہوگزرتا ہے اور اُسکے حالات دریافت کیے جاتے ہین تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کی مان غیرمعمولی بی بی تھی

کسی کو اگر مقصود ہو کہ سچی 'ہوم لائف' کی تلاش مسلمانون مین کرے تو اسکو خاندان نبوت کے حالات پر غور کرنا چاہیے اس خاندان مین بھائی بھائی (حقیقی ہون یا سوتیلے) باپ بیٹے نانا نواسے ایک دوسرے کے عاشق تھے جسوقت نواسے نے کہا اور بچون کے پاس اونٹ ہین ہمارے پاس اونٹ نہین تو حضرت خود اونٹ بنگئے پھر نواسے نے کہا سب کا اونٹ بولتا ہے نانا جان ہمارا اونٹ نہین بولتا اُسوقت حضرتؐ نے اونٹ کی بولی کی نقل کر کے فرمایا عف عف اُسوقت باری تعالیٰ کا حکم جبرئیل کو ہوا کہ جاؤ اور محمدؐ سے کہو کہ اگر پھر عف کہوگے تو جہنم کی آگ بجھ جائے گی۔ بیشک کیون نہ جہنم کی آگ بجھ جاتی۔ یہ ایسا ہی واقعہ تھا۔ اس چھوٹی سی بات کی عظمت کو غور کرو کہ اس مین کون سے رموز پوشیدہ ہین۔

کتنے نانا ہمارے یہان ہین جو ایسا اپنے نواسے کے لیے کرینگے۔ اوراس سے بانی اسلام کی خوبیان کسقدر ظاہر ہوتی ہین اور وہ 'ہوم' کیا تھا جسکی روح آپ تھے اور اُسکے ممبرون کا ایک دوسرے سے کیا برتاو تھا سو دیکھا نہ کبھی عاشق و معشوق مین یہ پیار۔ بلبل کو بھی یہ گل کی محبت نہین زنہار۔ اس گھر کے لونڈی غلام بھی گھر کے آقاؤن کے اخلاق سے کسقدر متاثر تھے شیر مین سہندہ۔ فضہ کو دیکھو اور قنبر اور سلمان کو جنکے بارے مین حضرت نے خود فرمایا تھا (سلمان منا اہل البیت)

اگر ہم لوگ اس بات کی عادت کرین کہ اپنی زندگی مین بانی اسلام کی زندگی کے ساتھ کچھ بھی مشابہت پیدا کرین یا اُنکے حالات کو ہمیشہ پیش نظر رکھین تو بیشک ہمارے لیے بڑی امید ملتی ہین اگر مذہب کو رام رام جپنے ہی پر منحصر کردین تو پھر کیا ہوسکتا ہے جب تک ہم اپنے مذہب کو

نکالینگے ہم ہی نہ جاگینگے۔

غرض میرا مطلب یہ ہے کہ ہم پہلے قوم کو قائم کرلین پھر اُسکا جو کچھ اثر لڑکون لڑکیون
ہوتا ہے اُس سے بحث کرسکتے ہین اسکی بنا کے لیے بی بیون کی تعلیم ضروری ہے جبتک گھر کی بی بی
مین یہ سلیقہ نہو کہ اپنے شوہر اور متعلقین کے ساتھ کس طرح برتاؤ کرے۔ اُسوقت تک اس مدعا کو
حاصل کرنا دشوار ہے۔ اسمین شک نہین کہ کوئی اسکول یا کالج ایک مہذب اور شائستہ گھر سے
تعلیم کے لیے بہتر نہین ہوسکتا بلکہ خلاف جو اصل اصول تعلیم کا ہے آدمی گھر ہی مین سیکھتا ہے۔ وہی
سبق جو بچپن مین بوے جاتے ہین آئندہ چلکر بار آور ہوتے ہین سان ری کی گا۔ بچے کے لیے پہلا اسکول
ہے بلکہ بعض لوگون کا قول ہے کہ ا پیدایش کے قبل تعلیم شروع ہوسکتی ہے۔ جس زمانہ مین روس اور جاپان
سے لڑائی ہورہی تھی اور روس کی ناکامیابی ایک ادنی جزیرہ کے مقابل مین زار کے ذمہ لگائی
جاتی تھی اُسوقت زار روس کی بزدلی کی وجہ یہ بیان کی گئی تھی کہ ایکبار جبکہ وہ پیدا ہی ہوا تھا
اُسکی مان ایک جنگی جہاز کو دیکھنے گئی تھی اور وہان سے دہشت زدہ ہوکر بھاگ آئی جو بچے بچپن سے
بورڈنگ اسکول بھیجدیے جاتے ہین وہ مان باپ سے اسقدر مانوس نہین ہوتے جیسے کہ ہروقت
پاس رہتے ہین۔ بورڈنگ ہاؤس کے نگران کار کو انکی بہبودی کے ساتھ وہ دلچسپی نہین
ہوسکتی ہے جو انکے مان باپ دونو کو ہوتی ہے۔ اکثر لڑکے ایک دوسرے کی صحبت سے عادت
سیکھتے ہین اور بہانہ کرنے کے عادی ہوجاتے ہین جو دروغ گوئی کی پہلی بنیاد ہے۔ سچ کی
عظمت اگر بچپن سے طبیعت مین راسخ نہوجاے تو آئندہ بھی جاگزین نہین ہوسکتی۔ ایک
شائستہ گھر کی تعلیم پاے ہوے لڑکے اور ایک معمولی اسکول یا بورڈنگ کے تعلیم پاے ہوے
لڑکے مین یہ بڑا فرق ہوتا ہے کہ پہلا سچ کا بالطبع عادی ہوجاتا ہے اور دوسرا اُسے ضروری نہین
خیال کرتا۔ قول الزور سے پرہیز وہی مائین سکھا سکتی ہین جنھون نے خود اُسکو سمجھا ہو۔ معمولی
طور سے ہمارے یہان کی مائین اسکو ذرا سی بات سمجھتی ہین اور بچون کی غلط گوئی کو ناز سمجھا
ہنسی مین اوڑا دیتی ہین۔ سب سے بڑی بات جو گھر کی تعلیم سے حاصل ہوتی ہے وہ مذہبی تعلیم

اخلاق اسطرح پر سکھائے جائین اور بچے کی طبیعت پر ایک آئین نقش کی جائین۔

یا ایھا الذین امنوا لا یسخر قوم من قوم عسے ان یکونوا خیرا منھم ولا نساء من

اے ایمان والو کوئی کسی پر ہنسے نہین شاید جنپر ہنستے ہین وہ ہنسنے والون سے اچھے ہون اور نہ کوئی عورت

نساء عسے ان یکن خیرا منھن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب

کسی پر ہنسے کیا معلوم جنپر ہنستی ہین وے ہنسنے والون سے اچھی ہون اور ایکدوسرے پر طعنہ زنو اور ایکدوسرے کو نام نہ دہرو

یا ایھا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا

اے ایمان والو بدگمانیون سے بچو بعض بدگمانی گناہ کی حد تک پہونچا دیتی ہے اور کسی کے عیب کی کھوج مین نہ رہو اور

لا یغتب بعضکم بعضا ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا فکرھتموہ

کوئی کسی کی غیبت نہ کرے کیا تم سے کوئی پسند کرتا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے اور تم اس سے نفرت کرتے ہو

ولا تصعر خدک للناس ولا تمش فی الارض مرحا ان اللہ لا یحب کل مختال

لوگون سے کج رخی کرو اور زمین مین اترا کر نہ چلو اللہ اترانے والے اور شیخی کرنے والے کو

فخور واقصد فی مشیک واغضض من صوتک ان انکر الاصوات لصوت الحمیر

پسند نہین کرتا چال مین میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز آہستہ کرو سب سے بری آواز گدھون کی آواز ہے

یا ایھا الذین امنوا لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی ان اشکر لی ولوالدیک

اے مسلمانو اپنے خیرات کو احسان جتلا کر اور تکلیف دیکر اکارت نکرو۔ میرا شکر کرو اور اپنے مان باپ کا اور دنیا مین

وصاحبھما معروفا وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین

اور مان باپ کی معادت مندانہ رفاقت کرو اور تمھارے رب نے حکم دیا ہے کہ سوائے خیر کسی کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ

احسانا اما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلاھما فلا تقل لھما اف

احسان ان دونون مین سے ایک یا دونون تمھارے سامنے بوڑھے ہو جائینگے تو ان کو اف مت کہو

ولا تنھرھما وقل لھما قولا کریما واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ

اور نہ انکو زجر کرو اور باتین ایسی کرو جس سے وے خوش ہون اور مہربانی سے عاجزی کا پہلو انکے لیے جھکا دو

وقل رب ارحمهما كما ربياني صغيرا ولا تمش في الارض مرحا

اور کہو اے میرے رب اُن دونوں پر ویسا ہی رحم کر جیسا کہ اُنھوں نے بچپن میں میری پرورش کی ہو اور زمین پر اترا کر

انك لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا

یا اکڑ کر مت چلو نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ پہاڑ کے برابر اونچے ہو سکتے ہو۔

اخلاق کو مذہب کے ذریعہ سے سکھلانا۔ اخوت و یکدلی کے جذبات پیدا کرنا حب وطن اور ان کا بیج کم سنی سے دل میں ڈالنا نخوت۔ حسد و کذب کو دل سے دور کرنا اور اسکے خراب مذموم نتائج سے متنبہ کرنا نہ اس طرح کہ تمام دن بچے سے کہا جائے یہ کرو وہ نہ کرو بلکہ حکمت عملی سے ایک عمدہ اثر بچہ کے دل پر ڈالنا تعلیم یافتہ ماں باپ کا کام ہے جو کسی مدرس یا معلم سے نہیں ہو سکتا۔ گھر کی تعلیم میں ایک چھوٹی سی بات یہ ہے کہ بچوں کو اپنے پالنے والے اور قدیم ملازمین کے ساتھ ایک خاص قسم کا انس دل میں پیدا ہو جاتا ہے یہ اگرچہ دیکھنے میں ایک چھوٹا سا امر ہے مگر اسکا اثر قابل غور ہے۔ کہ پھر تمام عمر بچوں کو وہ خصوصیت کسی کے ساتھ نہیں پیدا ہوتی جو اپنے بچپن کے شفیق کے ساتھ ہوتی ہو۔

مسٹر خدیو جنگ

جوش بہار گل است بادہ کشان بیدرنگ — بادۂ گلگون کشید از کف ساقی شنگ

دل کہ نشد دردمند از خلش خار عشق — ہست بہ پیش خدا خشک تر از چوب و سنگ

عشق دژم اژدریست گر بگشاید دہان — ہر دو جہان را یکے لقمہ کند چون نہنگ

صورت حق جلوہ گر صاف بہ بیند دران — ہر کہ زداید بہ زہد ز آئینۂ قلب زنگ

دل بنہا کن گرہ بند کہ عشقش لشو — راہ ملامت بپرو دست کش از نام و ننگ

تنو سبلے سینج باش مرنجان مرنج — نے بکسے صلح جوئے نے بکسے جوئے جنگ

موسم گل شوقیا تو بشکن بر ملا — مے خور و مستی نما دور شو از ہوش و ہنگ

محمد عالم علی شوقی

اطلاع

بھارت بیوپار جنتری سنہ ۱۹۱۲ء اُردو بتر دو سمت ۱۹۶۹ سے زیر طبع ہین جن صاحبون کو اپنے اشتہار جنتری اور پترون مین چھپوانا منظور ہون وہ اپنا اشتہار مطبع ہذا مین عنایت فرمائین۔ مناسب اجرت سے درج کیا جائیگا۔ نمونہ اور اجرت کی شرح مطبع سے طلب کر لیجیے۔

المشتہر مینیجر نولکشور پریس لکھنؤ بکڈپو

نولکشور پریس لکھنؤ مین

آج کل ہندو و مسلمانون کی مذہبی کتب رعایت کے ساتھ فروخت ہو رہی ہین فہرست پتہ ذیل سے مفت طلب کیجیے

المشتہر

مینیجر نولکشور پریس لکھنؤ

کارخانہ چکن محمد عبد الرحمن و خلیل الرحمن مقام لکھنؤ گلی پارچہ

حضرات ہماری مہربان گورنمنٹ نے بسلسلہ حسن خدمات و عمدگی مال کارخانہ ہذا کو نمائش گاہ [illegible] مین تمغہ اور سارٹیفکٹ عنایت فرماکر سودیشی اشیاء کی حمایت اور دیسی تاجرون کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ مگر ہماری ملکی امرا اور روسا کچھ بھی توجہ نہین فرماتے۔ لہذا اگر آپ کے دل مین کچھ بھی قومی درد ہے تو سب سے پہلے ملکی اشیاء کی خریداری مین سعی فرماکر صنعت و حرفت کی ترقی مین مدد دیجیے صرف ملکی اشیاء کی خریداری سے ہندوستان فارغ البال ہو سکتا ہے۔ مختصر فہرست ہدیہ ناظرین ہے۔

تھان کامدانی سچی بیل بوٹی کا	[illegible] سے [illegible] تک
تھان کامدانی و چکن	[illegible] سے [illegible] تک
تھان چکن بیل بوٹہ دار	[illegible] سے [illegible] تک
دوپٹہ کامدانی بیل بوٹے کے	[illegible] سے [illegible] تک
دوپٹہ چکن بیل بوٹہ دار	[illegible] سے [illegible] تک
ساری چکن بیل بوٹہ دار	[illegible] سے [illegible] تک
کرتے چکن ہر جسم کے لائق	۱۲ر سے [illegible] تک
کلاہ چکن و ٹوپی دوگول و چوگوشیہ	۸ر سے [illegible] تک
پلنگ پوش پختہ	[illegible] سے [illegible] تک
لحاف پختہ چھپے ہوئے	[illegible] سے [illegible] تک
[illegible] و رضائی پختہ	[illegible] سے [illegible] تک

المشتہر

محمد عبد الرحمن و حافظ خلیل الرحمن تاجران چکن مقام لکھنؤ گلی پارچہ

مایۂ عیش آدمی شکم است

ہمارے شفاخانہ کی مشہور و معروف **سنیاسی گولیان** جنکے سریع التاثیر ہونے کا آوازہ مشرق سے مغرب تک بلند ہو [illegible] ہیضہ۔ قبض۔ ریاح۔ تخمہ۔ ہیضہ۔ کھٹی ڈکار۔ کمی اشتہا۔ نفخ۔ درد شکم۔ درد گردہ۔ قولنج۔ طحال۔ آتشک۔ سوزاک۔ اسہال۔ کثرت بول۔ ضعف گردہ و مثانہ۔ تبخیر وغیرہ وغیرہ دور کرنے مین اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ خون صالح پیدا کرنا۔ بھوک بڑھانا۔ معدہ کو قوی کرنا انکا خاص فعل ہے۔ ان گولیون سے آجتک لاکھون آدمی فائدہ اٹھا چکے ہین۔ انگریزی عمدہ دان ڈاکٹرون حکیمون نے انکے پر اثر اور بے ضرر ہونے کی صرف تقریظ ہی نہیں کی بلکہ انکا استعمال دائمی صحت کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ یہی وہ گولیان ہین جو اسوقت تمام دنیا مین اپنی آپ نظیر ہو رہی ہین۔ [illegible] شتہاری تک جنکے تیزابی اجزا رفتہ رفتہ غذا کے ساتھ معدہ کی اصلی قوت کو بھی ہضم کر جاتے ہین نہایت خطرناک ہین۔ سنیاسی گولیان اُن خطرات سے پاک اور بے ضرر ہین جو معدہ کی اصلی قوت کو بڑھاتی اور تمام خرابیون کو بہت جلد زائل کر دیتی ہین۔ [illegible] عمر بچہ تک اسکا استعمال کر سکتے ہین۔ قیمت ۴۰ گولیون کا بکس ایک روپیہ علاوہ صرف ڈاک

نوٹ: ہمارے شفاخانہ کی ادویات جو فقرا و ویدک و حکما کے مجربات سے سالہا سال کے تجربون کے بعد انتخاب کیے گئی ہین تمام ہندوستان مین مقبولیت کے ساتھ مشہور ہین۔ نوکل غربا کے لیے دوا مفت۔ ہزارہا اسناد تیر بہدف دوا اُن کی فہرست درخواست آنے پر بلا قیمت پیڈ روانہ کی جائے گی۔

(ہزارون مین سے چند تازہ سارٹیفکیٹ)

۱۔ عالیحضرت جناب مولانا حافظ محمد سراج الیقین صاحب سجادہ نشین کرسی شریف۔ اودھ

۲۔ اعلیحضرت جناب مولانا محمد ابراہیم شاہ صاحب وارثی سجادہ نشین

۳۔ جناب مولانا حفیظ اللہ صاحب پروفیسر عربی اسکول ڈھاکہ۔

۴۔ جناب آنریبل سر راجہ محمد تصدق رسول خان صاحب بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ اودھ

۵۔ جناب [illegible] میان شیخ محمد [illegible] علی صاحب ریاست گنڈارہ ضلع بہرائچ

۶۔ جناب منشی سخاوت علی صاحب پروپرائٹر رسالۂ الناظر خلاو [illegible] لکھنؤ

۷۔ جناب سید اشفاق حسین صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس گونڈہ

۸۔ جناب منشی سجاد حسین صاحب اڈیٹر اودھ پنچ لکھنؤ

۹۔ طبیب اعظم جناب حاذق الملک حکیم حافظ محمد اجمل خان صاحب رئیس دہلی

۱۰۔ جناب خان بہادر حکیم مرزا ظہیر حسن خان صاحب رئیس آنریری مجسٹریٹ سپرنٹنڈنٹ یونانی شاہی شفاخانہ لکھنؤ۔

۱۱۔ جناب حکیم مولوی خواجہ کمال الدین صاحب۔ لکھنؤ

۱۲۔ جناب حکیم مولانا سید محمد عبدالحی صاحب رئیس بریلی ناظم ندوۃ العلما۔ لکھنؤ۔

۱۳۔ جناب ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب اسسٹنٹ برٹش کانسل جدہ

۱۴۔ جناب ڈاکٹر محمد سلیم صاحب قدوائی انگلاس ضلع علی گڑھ

۱۵۔ جناب ڈاکٹر محمد لطف کریم صاحب اسسٹنٹ سرجن ملک متوسط

۱۶۔ جناب ڈاکٹر محمد عبدالعزیز خان صاحب سابق اسپتال اسسٹنٹ [illegible]

المشتہر

منیجر۔ اودھ شفاخانہ۔ ایس۔ اے حکیم لکھنؤ امین آباد

ڈاکٹر ایس کے برمن کی بنائی ہوئی مشہور دوائین

عرق کافور

دیکھو گرمی کا موسم [illegible] جہان ہیضہ کا آنا بھی ممکن ہے
اس سے بچنے کا آسان طریقہ ڈاکٹر ایس کے برمن کا اصل عرق
کافور ہے - یہ دوا ۲۷ برس سے تمام ہندوستان مین مشہور
ہے - یہ عرق گرمی کے دست پیٹ کا درد اور متلی کے لیے اکسیر کا
اثر رکھتی ہے ہمیشہ ایک شیشی اپنے پاس رکھو قیمت فی شیشی چار آنہ
محصول ڈاک چار تک ۵/

عرق پودینہ

[illegible] پودینہ کی ہری پتیون سے یہ عرق بنا ہے - اسکا رنگ پتی
کے رنگ کا سا ہے اور خوشبو بھی تازی پتیون کی سی آتی ہے
ڈاکٹر برمن کی صلاح سے ولایت کے نامی دوا فروش نے
بنایا ہے - ریاح کے لیے یہ نہایت مفید دوا ہے - پیٹ پھولنا
ڈکار آنا - پیٹ مین درد - بدہضمی - متلی - اشتہا کم ہونا وغیرہ
ریاح کی [illegible] جاتی ہے -
[illegible] (۵/
[illegible] آنہ (۵/

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت سٹریٹ کلکتہ

ڈاکٹر ایس کے برمن کی بنائی ہوئی مشہور دوائین

جلاب کی گولیان

رات کو دو گولی کھا کر سو جاؤ دوسرے دن صبح کو دست صاف ہوگا
پیٹ مین گری درد وغیرہ کچھ نہین ہوگی حسب معمول نہانے اور کھانے
[illegible] رکاوٹ نہین ہوگی - ۲۷ برس سے ڈاکٹر برمن صاحب
[illegible] کو دیتے چلے آئے ہین - یہ گولیان کل ہندستان مین [illegible]
[illegible] مین گولیان برابر ہین - ہر عیالدار کو ایک ڈبیہ رکھنی
چاہیے - قیمت ۲۷ گولیون کی ڈبیہ (۵/ ایک سے چھ ڈبیا تک
محصول ڈاک پانچ آنہ (۵/

درد سر اور ریاحی درد کی دوا

[illegible] یہ دوا لحظہ مین اسکو [illegible] کردیتی ہے -
[illegible] رگون مین [illegible]
[illegible] آرام ہوجاتا ہے - درد سر نصف
[illegible] فوراً دور ہوجاتا ہے -
[illegible]
چھ ڈبیا تک ۸/
ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر [illegible]

Address:—
Doctor S. K. Burman
No 5-6, Tara chand Dutt Street
Calcutta

مطبع کارونیشن پریس حسن گنج لکھنؤ

جامعیت جہان نمائے بہر صحیفہ دیدہ
١٣٢٧

الناظر

نمبر ۲ | یکم ستمبر سنہ ۱۹۱۱ء | جلد

فہرست مضامین

[illegible] زیادہ اسکا مطلب ہے کہ اس نمایاں کمی سے وہاں کی آب و ہوا پر کتنا گہرا اثر پڑتا ہوگا۔ یہ سچ ہے [illegible] آب و ہوا اور موسم زیادہ تر خود اس ستارے کے کرۂ باد کی حالت پر موقوف ہوتے ہیں۔ چنانچہ [illegible] و ہماری ہی زمین پر منطقہ حارہ کے بھی اونچے اونچے پہاڑ ہمیشہ برف پوش رہتے ہیں۔ لیکن [illegible] بھی کرۂ باد خود گرمی یا سردی پیدا نہیں کرسکتا۔ صرف اسے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اور اسکی یہ قوت حفاظت بھی اسکے بخارات آبی کی وجہ سے ہے کیونکہ پانی کو خدا نے یہ صفت دی ہے کہ حرارت کی بہت بڑی مقدار کو اپنے اندر رکھ سکتا ہے۔ اب یہ سوال ہے کہ آیا مشتری کے کرۂ باد میں

الناظر

نمبر ۲۷ — یکم ستمبر ۱۹۱۱ء — جلد ۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برجیس فلک

اپریل میں اکثر شام کے بعد جانب جنوب ایک بہت روشن ستارہ نظر آیا کرتا ہے۔ یہ ستارہ مغرب کے ستارۂ شام یعنی زہرہ کے [illegible] ہوتا ہے۔ مشتری

آئیے اب ذرا یہ دیکھیں کہ علم ہیئت اسکی بابت کیا کہتا ہے۔ اور دوربین کی غائر نظر اسمیں کیا کیا خصوصیتیں دیکھتی

علم ہیئت کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بظاہر بے حقیقت سا ستارہ اتنا بڑا ہے کہ ہماری زمین کی اس سے وہی نسبت ہے جو مٹر کی نارنگی سے۔ زیادہ صحت کے ساتھ یوں کہنا چاہیے کہ اگر اس ستارے کے بارہ سو تیس ۱۲۳۰ ٹکڑے کر دیے جائیں تو انمیں سے ہر ایک ٹکڑا ہماری کرۂ زمین کے برابر ہو۔ گویا حجماً مشتری زمین سے ۱۲۳۰ گنا بڑا ہے۔ وزن اور مادے کے لحاظ سے گو یہ نسبت تو قائم نہیں رہتی۔ پھر بھی اس ایک اکیلے کے مقابلے میں تین سو زمینیں دوسرے پلے میں رکھنی پڑیں۔ اس اختلاف نسبت کی وجہ یہ ہے کہ مشتری کا مادہ ابھی اتنا زیادہ پھیلا ہوا ہے کہ وہ زمین کے مادے کی نسبت تقریباً چار گنا زیادہ جگہ گھیرتا ہے اسلیے گویا وہ اس سے تقریباً چار حصے ہلکا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جو نسبت دونوں کے حجم میں ہے وہی وزن میں بھی ہوتی۔ اور یہ ستارہ زمین کی نسبت وزن میں بھی ۱۲۳۰ گنا زیادہ ہوتا۔ روشنی کے لحاظ سے یہ ستارہ جو چاند کے سامنے صرف ایک چمکتا ہوا نقطہ معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت میں اتنا بڑا ہے کہ خود اسکے گرد چار چاند چکر لگا رہے ہیں۔ جنمیں سے سب سے چھوٹا ہمارے چاند کے برابر ہے۔ اور ایک تو مریخ سے کم نہیں ہے۔ رفتار کے اعتبار سے یہ ستارہ اور بھی زیادہ عجیب ہے۔ کیونکہ یہ بظاہر ساکن اور بے حقیقت نقطہ اپنے اتنے بڑے جسم کو۔ جو باقی تمام سیاروں کے یکجائی حجم سے بھی زیادہ ہے اور اپنے ساتھ اپنے چار چاندوں کے عجیب و غریب نظام کو لیے ہوئے آٹھ میل فی سکنڈ ۲۸۸۰۰ [illegible]

[illegible]

یہان جسوقت دونون کی سمتین مختلف ہوجاتی ہین - اُسوقت البتہ اس چاند کی رفتار صرف ۳ میل فی سیکنڈ یعنی ۱۰۸۰۰ میل فی گھنٹہ رہجاتی ہے - اسیطرح باقی تین چاند بھی اپنی اپنی مختلف رفتارین اور جداگانہ سمتین رکھتے ہین - ہماری آنکھ انکی گوناگون رفتارون اور انکی سمتون کو تو کیا دیکھے گی - سرے سے ان چاندون ہی کو نہین دیکھ سکتی - جو حقیقت مین ہمارے چاند سے بھی بڑے ہین -

مگر مشتری کے اس عظم و شان اور اسکے ایسے عجیب و غریب نظام کا تصور کرتے ہی دل مین یہ خیال بھی آجاتا ہے کہ ضرور اس تمام انتظام کا کچھ منشاء و مآل بھی ہوگا - آخر یہ تو نہین کہا جا سکتا کہ یہ سب چیزین بیکار ہی پیدا کی گئین ہین اور انکی کوئی غایت و غرض ہی نہین - اور جہانتک ہمارا وہم و قیاس کام دیتا ہے ہم تو کسی عالم کا اسکے سوا اور کوئی مدعا نہین سمجھ سکتے کہ اسمین ذی حیات اشیا کا مسکن ہو - یہ سچ ہے کہ انسان ضعیف البنیان اکثر صانع حقیقی کے منشار کو اپنے فہم ناقص کے مطابق سمجھنا چاہتا ہے اور اسمین عموماً غلطی کرتا ہے - اور حقیقت مین یہ بجا نہین - کہ چونکہ زمین آباد ہے - اس لیے صرف اسی بنا پر مشتری کو بھی خواہ نخواہ قابل رہایش تسلیم کر لیا جاے - تاہم اکثر لوگون کے نزدیک مشتری کا اتنا بڑا ہونا ہی اسکے آباد ہونے کے لیے کافی دلیل ہوگی - بہر کیف ہمکو دیکھنا چاہیے کہ تحقیقات ہیئت کے مطابق مشتری مین قیام حیات کی قابلیت بھی ہے یا نہین - اور اگر نہین ہے تو پھر اس شاندار کرے کے وجود سے کیا فائدہ ہے ؟

مشتری کے آباد ہونے پر سب سے بڑا اعتراض تو یہ ہے کہ یہ سیارہ آفتاب عالمتاب سے اتنے فاصلے پر ہے کہ اسکو اسکی جان بخش روشنی اور حرارت کا بہت کم حصہ ملتا ہوگا - اندازہ کیا گیا ہے کہ ہماری زمین کی نسبت مشتری کو پچیسوین حصے سے بھی کم روشنی اور گرمی نصیب ہوتی ہے - زیادہ اسکا امکان ہے کہ اس نمایان کمی سے وہان کی آب و ہوا پر کتنا گہرا اثر پڑتا ہوگا - یہ سچ ہے آب و ہوا اور موسم زیادہ تر خود اس ستارے کے کرۂ باد کی حالت پر موقوف ہوتے ہین - چنانچہ خود ہماری ہی زمین پر منطقہ حارہ کے بھی اونچے اونچے پہاڑ ہمیشہ برف پوش رہتے ہین - لیکن تو بھی کرۂ باد خود گرمی یا سردی پیدا نہین کر سکتا - صرف اسے محفوظ رکھ سکتا ہے - اور اسکی یہ حیثیت حفاظت بھی اسکے بخارات آبی کی وجہ سے ہے کیونکہ پانی کو خدا نے یہ صفت دی ہے کہ حرارت کی بہت بڑی مقدار کو ۔۔ رکھ سکتا ہے - اب یہ سوال ہے کہ آیا مشتری کے کرۂ باد مین

بخارات آبی کی اتنی مقدار موجود ہو جو وہان کافی حرارت کو جمع رکھ سکین۔ ہم سب جانتے ہین کہ پانی سورج کی گرمی سے بھاپ بنکر ہوا مین مل جاتا ہے۔ اور ہمکو یہ بھی معلوم ہے کہ ہمارے کرۂ ہوا مین نسبتہً بھاپ کی مقدار کچھ بہت زیادہ نہین ہے۔ پھر کیونکر ممکن ہو کہ مشتری کے کرۂ باد مین بخارات آبی کی کافی مقدار ہو کیونکہ وہان تو پانی کو بھاپ بنانے والی طاقت یعنی حرارت آفتاب زمین کی نسبت ۲۵ حصہ کم ہے۔ اور اسقدر گرمی شاید بحالات معمولی کسی طرح پانی کی قلب ماہیت نہین کر سکتی۔

آیئے اب یہ دیکھین کہ دوربین سے مشتری کے کرۂ باد مین کیا کیا تماشے نظر آتے ہین۔ قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ مشتری کا سا کمزور سورج وہان کی ہوا کو بھی تحریک نہ دے سکتا ہوگا کیونکہ ہوا کی بھی تمام لہرین۔ ساری حرکتین۔ آندھیان۔ طوفان۔ بادل۔ مینھ۔ اولے غرض سب کچھ سورج کی ہی طپش کے نتیجے ہین۔ اسلیے جہان جسقدر سورج کی طپش کم ہوگی۔ وہان اسیقدر سکون زیادہ ہوگا مگر مشتری کی اصلی حالت کچھ اور ہی ہے۔ طاقتور دوربینون کے ذریعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہان نہایت ہی سخت طوفان آتے رہتے ہین۔ مشتری کے آس پاس ہر طرف ہر وقت گہرے بادلون کی گھنگھور گھٹائین چھائی رہتی ہین۔ اور انکی ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہان ہمیشہ بہت تیز ہوائین چلتی رہتی ہین۔ کبھی کبھی ان بادلون کے بہت بڑے بڑے قطعے (جو کسیطرح ہماری تمام روے زمین سے کم نہوتے ہونگے۔ ورنہ نظر بھی نہ آتے) ایسی جلدی اپنی صورت اور اپنا مقام بدلتے نظر آتے ہین کہ تعجب ہوتا ہے۔ اس تغیر و تبدل کی دو ہی وجہین ہو سکتی ہین۔ یا تو یہ کہ یکایک بادل مینھ بنکر برس گیا ہو۔ اور اسکی جگہ دوسرا بادل آگیا ہو۔ یا وہ بادل نہایت تیز اور طاقتور ہوا کے جھونکون سے بہت سرعت سے ایک جگہ سے دوسری جگہ چلا گیا ہو۔ بعض موقعون پر تو یہ نہین کہا جا سکتا کہ اسکا اصل کیا ہے۔ مگر کبھی کبھی اس بات کا یقین ہوجاتا ہے کہ یہ اثر تموج ہوا ہی کی وجہ سے ہے۔ لیکن ہمکو اس سے چندان بحث نہین ہے کیونکہ ان دونون مین کوئی وجہ ہو۔ بارش ہو یا آندھی اس سے یہ تو ثابت ہوجاتا ہے کہ مشتری کے اندر ایسی زبردست طاقتین کام کر رہی ہین جو صرف حرارت آفتاب پر مبنی نہین سمجھی جا سکتین۔ خیر۔ بہرکیف مشتری کے کرۂ باد مین دونون حالتین پائی جاتی ہین۔ اور گو بارش کی شدت کا اندازہ نہین کیا جا سکتا۔ مگر آندھی کی رفتار کا تخمینہ کیا گیا ہے۔ اور ایسی ہی صحت کے ساتھ جیسے کوئی آدمی یہان کے بادلون کے

ساسنے کو دوڑتے ہوے دیکھ کر انکی رفتار کا قیاس کر سکتا ہے۔ اور اس سے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ مشتری کی آندھیون کی رفتار کسیطرح ۲۰۰ میل فی گھنٹہ سے کم نہو گی۔

ان آندھیون کی بابت ایک عجیب بات اور بھی قابل ذکر ہے۔ ہمارے یہان کی آندھیان اکثر چند گھنٹون سے زیادہ نہین رہتین۔ اور اگر بہت ہی زیادہ ہین تو تین چار دن۔ اور کسی طوفان کا ایک ہفتے تک رہنا تو نہایت ہی عجیب اور شاذ ہے۔ مگر مشتری کی آندھیان چھ چھ سات سات ہفتے تک برابر یکسان چلتی ہوئی دیکھی گئی ہین۔ جب ہم اس مدت کے ساتھ انکی سرعت رفتار کا تصور کرتے ہین تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہین۔ اور خیال آتا ہے کہ کچھ ہی ہو۔ کم از کم ہم تو ایسے بیہودہ ملک مین زندگی بسر نہین کر سکتے۔

ہمارے کرۂ زمین کی آندھیون کی نسبت سرجان ہرشل لکھتا ہے کہ جو طوفان ۹۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتا ہے وہ مضبوط مکانون کو گرا دیتا ہے۔ اور جو مکان نہایت ہی پائدار اور مستحکم ہو وہ اسکا مقابلہ نہین کر سکتا۔ اور جنگل کے تو بڑے سے بڑے اور پرانے سے پرانے درخت بھی اس طوفان کے سامنے ٹھہر نہین سکتے۔ اور اس رفتار سے ایک ایک میل فی گھنٹہ کی ترقی بھی اس کی قوت انہدام کو دوبالا کرتی جاتی ہے۔ زمین پر اول تو ایسے طوفان آتے ہی بہت کم ہین اور آتے بھی ہین تو زیادہ دیر رہتے نہین۔ پھر خیال کرنے کی بات ہے کہ اگر کوئی طوفان اس سے دوگنی ۔ سے بھی زیادہ تیز رفتار ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو مہینے تک برابر چلتا رہے اور ہو بھی اتنا وسیع کہ روے زمین کا کوئی گوشہ اس سے محفوظ نہ رہے تو اسکا کیا نتیجہ ہوگا۔ یقیناً کوئی جانور۔ کوئی درخت۔ مضبوط سے مضبوط مینار اور پائدار سے پائدار قلعے اسکے سامنے پر کاہ سے زیادہ نہین ہین۔ اور تنکون سے زیادہ اسکا مقابلہ نہین کر سکتے۔ لیکن مشتری پر ایسے طوفان عام ہین اور آے دن آتے رہتے ہین [illegible] اسکے جواب مین کہا جا سکتا ہے کہ خیر۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مشتری ہم جیسے آدمیون کا [illegible] نہین ہو سکتا۔ ممکن ہے کہ وہان کے رہنے والے بھی ہم سے اسیقدر بڑے ہون جسقدر [illegible] مشتری زمین سے بڑا ہے۔ اور جسقدر وہان کے طوفان یہان کی آندھیون سے زیادہ سخت ہین یہ درست ہے۔ مگر ہماری اصلی دلیل ان طوفانون پر مبنی نہ تھی۔ بلکہ یہ دیکھنا مطلوب تھا کہ خود ان طوفانونکے وجود کی کیا وجہ ہے؟ یہ تو باور نہین ہو سکتا کہ مشتری کا کرۂ وجود زردرو آفتاب

ان طوفانون کا محرک کیا ہے؟ - ہوا مین تموج تو حرارت ہی سے پیدا ہوتا ہے - اور جسقدر زیادہ تموج ہوا ہوگی - اسیقدر اسکے لیے زیادہ اختلاف حرارت کی بھی ضرورت ہوگی - پھر مشتری مین یہ اختلاف حرارت کہان سے پیدا ہوتا ہے؟ - لیکن اگر سورج کو اسکا سبب نہین ٹھہرا سکتے تو پھر یقیناً اسکی وجہ خود سیارے ہی مین موجود ہوگی - اس لیے قیاس ہے کہ غالباً مشتری مین ابھی تک بہت زیادہ حرارت پائی جاتی ہے - اور وہی حرارت ان طوفانون کی ہی نہین بلکہ ان بادلون کی بھی وجہ ہے جو مشتری کے گرد لپٹے ہوے نظر آتے ہین یعنی مشتری کی سطح ابھی تک اسقدر تپ رہی ہے کہ اسکا وہ تمام پانی جو ٹھنڈا ہوکر سمندر بن جاتا - ابھی تک بھاپ کی صورت مین اسکے کرۂ ہوائی مین اٹکا ہوا ہے - ایسی حالت مین ظاہر ہے کہ وہان کسی قسم کی زندگی کا وجود بھی ممکن نہین معلوم ہوتا - یہ تو بے شک کہا جا سکتا ہے کہ شاید وہان اسی قسم کی مخلوق رہتی ہو جو ان تمام مخالف حالتون مین رہنے کے قابل ہو لیکن اگر بالفرض کوئی ایسی ذیحیات اشیا ہون - جنکو دہکتی ہوئی آگ سے کوئی نقصان نہو تو گو ہم عقلاً انکی تردید نہ کرسکین - مگر کم سے کم ہمارا قیاس اور تصور تو انکے وجود کو تسلیم نہین کرسکتا - اور یہ ہم دیکھ ہی چکے ہین کہ مشتری کی غالباً ابھی تک یہی حالت ہے - صرف یہ خوفناک طوفان ہی مشتری کی اس آتشین حالت کے گواہ نہین ہین - بلکہ جب کبھی ذرا دیر کے لیے کہین سے بادلون کی تہ پھٹتی ہے اور ہماری دوربین نظر سیارے کی اصلی سطح تک پہونچتی ہے تو وہ ہمکو سرخ انگارے کی طرح دہکتا ہوا معلوم ہوتا ہے - جس سے خیال ہوتا ہے کہ یقیناً یہ کرہ ابھی تک آگ ہو رہا ہے - اسکے علاوہ اسکی اندرونی روشنی اور حرارت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ مشتری کی روشنی ناپی گئی ہے تو وہ اس مقدار سے زیادہ ثابت ہوئی ہے جو یہ ستارہ سورج سے لیکر منعکس کرتا ہے - ان سب باتون سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کرہ ابھی تک فی الواقع کرۂ نار ہی ہے -

غرض یون یہ ماننا ہی پڑتا ہے کہ ابھی تک یہ شہزادہ سیارگان - جو باقی تمام سیارون کے مجموعے سے بھی وزن اور حجم مین بڑھا ہوا ہے - یون ہی پڑا ہے - ابھی تک اسکی غیر محدود سطح اسکی بے انتہا وسعت بیکار ہے - یہ تو قیاس مین نہین آتا کہ یہ اتنا بڑا ستارہ صرف زمین کو روشنی پہونچانے کے لیے ہی بنایا گیا ہو - یا اسکا عجیب و غریب نظام صرف کرۂ خاک کے منجمون اور ہیئت دانون کا دل بہلانے اور عقل آزمائیان کرنے کے واسطے ہی پیدا کیا گیا ہو - گو ہم مانتے ہین کہ یہ خود بھی بہت

..نمار ہے سدو راسکا نظام بھی بے مثال ہے۔ اچھا تو اسکا مصرف کیا ہے۔ آپ کہتے ہین کہ اس مین ...آبادی ہو نہین سکتی۔ اور کوئی فائدہ نظر نہین آتا تو پھر ؟

کیا یہ ممکن نہین کہ یہ سیارہ خود اپنے چارون چاندون کے نظام مین بمنزلہ آفتاب ہو۔ اور ...ان چاندون مین آبادی ہو ؟۔

اس دلچسپ مسئلہ پر ہم آیندہ بحث کرینگے۔

انوار الحق

خیر الامور اوسطہا

بہترین شئے زمانہ مین ہے یاد اعتدال اسکی خوبی مین کبھی پایا نہین ہم نے زوال
ہے یہ فضل کبریا

ہون تو ہون اوصاف اچھے قابل تحسین مگر اپنی حد سے جب تجاوز کر گئے ہین پُر خطر
شک نہین اسمین ذرا

یہ عناصر زیست کا انسان کی ہے جس پر مدار وہ یہی ہین چار یعنے خاک و باد و آب و نار
اور نہین اسکے سوا

معتدل ہونے پہ تھی انسان کی خلقت منحصر جسکی آمد کے تھے سب جن و ملائک منتظر
سمجھے تھے شان خدا

اعتدال انگیز جب رنگ عناصر ہو گیا اور ہیولیٰ صورت انسان مین ظاہر ہو گیا
اسکا پھر کیا پوچھنا

...کون انسان ہے نہین اسمین کلام دنگ ہین جس سے فرشتے یہ وہ کرجاتا ہے کام
لائق مدح و ثنا

...لاتے ہین تارے جاکے یہ افلاک کے موم کردیتے ہین آہن کو یہ پتلے خاک کے
ہے عجب ذہن رسا

...لیتے ہین طنابین یہ زمین کی سر بسر انکی مٹھی مین سمٹ آتے ہین دونون بحر و بر

جیسے کاہ و کہربا

وہ سمندر جنکا ملتا تھا نہ ہرگز اور چھور ۔ وہ بیابان جنکی پیمائش میں چلتا تھا نہ زور

ناپ ڈالا جا بجا

خاک ہی ہے جس سے بنتی ہیں عمارات بلند ۔ جنمیں رہنے سے پہونچ سکتا نہیں کوئی گزند

ابر ہو یا ہو ہوا

پھر یہی وہ خاک ہے جب اسکی کثرت ہوگئی ۔ قافلے دب دب گئے گویا قیامت ہوگئی

ہوگیا محشر بپا

آگئی ٹلی پر آفت جب ہوا طوفان خاک ۔ خاک میں اور راکھ میں دب کر ہوا عالم ہلاک

آگئی سر پر قضا

اس ہوا سے زیست ہر ذی روح کی ہے لاکلام ۔ اور اسی کے دم سے ہے دوران خون کا انتظام

اور چلنا سانس کا

ابر کو کہسار سے باغوں میں لاتی ہے ہوا ۔ اور تماشا رحمت حق کا دکھاتی ہے ہوا

ہوتی ہے نشو نما

ابر کے ٹکڑوں کو اک جا جمع کرتی ہے یہی ۔ دشت و در میں لیکے ساتھ اپنے گزرتی ہے یہی

ہوتا ہے جنگل ہرا

ہے ہوا کی وجہ سے آپس میں یہ گفت و شنید ۔ ورنہ تصویر خیالی بن کے رہتے ہم دید

حرف ہوتا بے صدا

مثل گونگوں کے اشارے کر کے جیتے ہم اگر ۔ ہر جگہ شہر خموشاں ہی ہمیں آتا نظر

ہوتی پھر وحشت سوا

ہے ہوا کے فیض سے مسرور ہر اک کاشتکار ۔ اس سے کھیتوں میں طراوت اس سے باغوں میں بہار

اس سے صحرا میں فضا

ہیں ہوا میں خوبیاں لیکن ہے جبتک اعتدال ۔ جب بڑھی حد سے تو آجاتا ہے ہر شئے میں زوال

ہے نمونہ قہر کا

جب یہ آدمی بن کے آئے پھر قیامت خیز ہے — اسکی آمد کی صدا بھی کیسی ہول انگیز ہے
اور کیسی جانگزا

وہ شہر تھین چوٹیان جنکی نہایت ہی بلند — وہ محل جو عرش سے کرتے تھے باتین بے گزند
تھا فلک سے سر ملا

یچ وبن سے اسطرح اوکھڑے نہین انکا نشان — گہرے گہرے غار اب اُنکی جگہ پر ہین عیان
اور ہین عبرت فزا

پھر مین آجاے تو طوفان یہ برپا کرے — ایک جھونکے مین جہازون کو تہ و بالا کرے
مضطرب ہونا خدا

آب بھی ہے ایک عنصر جو کہ ہے اصل حیات — اسکا ہے محتاج ہر ذی، وح ساری کائنات
ہے یہی آب بقا

یہ نہو تو زندگی انسان کی دشوار ہے — کشت و بالیز و گلستان کے لیے درکار ہے
جھوم کر آئی گھٹا

یہ نہو تو پھر گہر کی آبرو کچھ بھی نہین — یہ نہو تو پھر گلون مین رنگ و بو کچھ بھی نہین
ہے بہار جانفزا

یہ نہو تو تیغ ہر ساونت کی بیکار ہے — یہ نہو تو منھ شریفون کو دکھانا عار ہے
ہے عجب اسمین صفا

یہ نہو تو آئینہ مین شکل کیا آئے نظر — یہ نہو تو چشمۂ خور بھی ہے مانند حجر
اسمین ایسی ہے جلا

یہ نہو تو دامن کہسار کیا شاداب ہو — یہ نہو گر تو جڑی بوٹی ہر اک نایاب ہو
ہاتھ کیا آئے دوا

یہ رحمت کبریا کی جب تلک ہے اعتدال — اپنی حد سے بڑھ گیا تو پھر ہے زحمت اور وبال
بلکہ ہے قہر خدا

اُسکی کثرت سے تلاطم پڑ گیا طوفان ہوا — اُسکی شدت سے ہر اک انگشت در دندان ہوا

اور کف حسرت ملا

وحشت سے بستی مین آیا اور قیامت آ گئی   جس طرف کو رخ کیا بس ایک آفت آ گئی

کر دیا سب کو فنا

یاد رکھینگے قیامت تک دکن کے خاص و عام   تیرہ سو چھبیس ہجری عشرۂ ماہِ صیام

اور وہ دن تھا پیر کا

کر دیا دریا کو نالا مال لوٹا اس نے شہر   دو برس پہلے اسی پانی نے کیا ڈھایا تھا قہر

اک قیامت تھی بپا

ایک عنصر نار ہے ظاہر ہین جسکی خوبیان   جو کہ ہر اک چشم خشک و تر مین رہتی ہی نہان

ہے عجب شانِ خدا

پخت و پز کیونکر غذا کی ہو - نہو آتش اگر   خون مین ذی روح کے اسکا نہوتا گر - اثر

کب رگون مین دوڑتا

کارخانون مین اسی آتش سے سب چلتا ہی کام   سب کلین بیکار ہون اس کا نہو اگر انتظام

ہے یہی تو جابجا

ہے اسی کا سب کرشمہ ریل ہو یا ہو جہاز   اور تجارت کو اسی نے کیا دیا ہے امتیاز

اسکا جھنڈا گڑ گیا

ہو گئی ہین نازنین سیکڑون اسمین ستی   اسکے آگے سجدہ مین جھکتے ہین لاکھون لکھ پتی

اٹھتے ہین دست دعا

ہے زراعت جسکی باعث وہ حرارت ہی تو ہی   ناز و نعمت جسکے باعث وہ حرارت ہی تو ہے

فیض جاری ہی سوا

ہے خواکہ اور میوؤن کو اسی سے یہ نمود   ہے گلون کی بوٹیون کی پتیون کی ہست و بود

سب کی اس سے ہے ابا

حد سے بڑھ کر پھر کسی کی آشنا ہوتی نہین   غیظ مین یہ دوست کی بھی آشنا ہوتی نہ

کھینچ کر تیغ جفا

جنگلون کو اور شہرون کو یہ کرتی ہین تباہ — بھاگ جانے کی بھی انسان کو نہین دیتی ہے راہ
صورتِ پیکِ قضا

الغرض دنیا مین بہتر ہے ہر اک شے معتدل — جو ہے اوسط اسکی خوبی کا ہے قائل سب کا دل
ہے یہ قول رہنما

چال چلتا ہے وسط کی جو ہے مرد ہوشیار — اُسکے خوش حالی مین ہوتے ہین لبسر لیل و نہار
خوش وہ رہتا ہے سدا

کوئی حد بخل پر پہونچا تو وہ منحوس ہے — لوگ کہتے ہین اُسے کنجوس کبھی پوس ہے
نام لینا نا روا

ہو عبادت یا ریاضت یا سخاوت یا کہ حلم — حد اوسط تک مناسب جانتے ہین اہل علم
اس سے بڑھنا ہے خطا

ہو جو موسم معتدل ہر طرح کا آرام ہے — کچھ تجاوز کر گیا تو موجب آلام ہے
جینا دو بھر ہو گیا

خوبیان ہین خوبیان لیکن بحدّ اعتدال — اپنی حد سے جب بڑھین پھر آ گیا اُنپر زوال
ہے مساجب تل ڑھا

مرزا محمد بہادر ریاورؔ وکیل ہائیکورٹ

جوشِ شباب یار کبھی ہے کبھی نہین — اس پھول پر بہار کبھی ہے کبھی نہین
رکھ رکھ کے ہاتھ سینہ پہ کیا دیکھتے ہین آپ — دل کو مرے قرار کبھی ہے کبھی نہین
یکسان نہین ہے چشم عنایت حضور کی — یہ لطف یہ پیار کبھی ہے کبھی نہین
دو دن کی چاندنی ہے نہ اتنا غرور کر — اس حُسن پر بہار کبھی ہے کبھی نہین
مہمانِ خانۂ دل پر درد و بے قرار — تیرِ نگاہ یار کبھی ہے کبھی نہین
کوچہ مین تیرے یار کبھی مین ہون گاہ غیر — یان خواہش مزار کبھی ہے کبھی نہین
اے طالبانِ دید لڑی ہے عبث نظر — کوٹھے پہ وہ نگار کبھی ہے کبھی نہین
ہر شب شب وصال ہو کس طرح اے عجیب — قابو مین اپنے یار کبھی ہے کبھی نہین

کیا اور کیون

بچہ پیدا ہونے کے ساتھ ہی گو منھ سے بولتا نہین لیکن فطرت یا قدرت نے اُسکے ضمیر مین طاقت کی جو طاقت ودیعت کی ہوتی ہے وہ اُسے اس دنیا مین آنے کے ساتھ ہی اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ جو کچھ اُسکی ننھی ننھی سی نگاہون مین سے گذرے یا جو کچھ اُسکے سامنے پیش آئے یا جو کچھ وہ سُنے یا جس جس چیز کا وہ احساس کرے اُسکی بابت وہ سوال کرے پوچھے جبکہ کوئی ایسی کیفیت اُسے ایک گھبراہٹ یا ایک تعجب مین ڈالے۔
یہ صرف انسانی نسلون ہی سے مخصوص نہین دیگر حیوانات کی نسل اور بچون پر بھی حاوی ہے حیوانات تک ہی نہین نباتات اور جمادات بھی اسکے آثار سے متاثر ہین۔
نئی نسلون ابھی ابھی پیدا ہونے والے بچون اور خلقتون کی خوش آیند پیاری پیاری حرکات و سکنات سے یہ تماشا بآسانی ہو سکتا ہے کہ اُنکے ضمائر اُنکی آنکھون اور اُنکے کانون کی قوتین پیدا ہونے یا نشو و نما کے شروع مین ہی کن کن امور کے مشتاق اور دلدادہ ہوتی ہین گو ایسی نسلین بول نہین سکتین لیکن اُنکی آنکھین اُنکے کان اُنکی حرکات و سکنات اپنے رنگ مین ایک مسلسل آواز سے کہہ دیتی ہین کہ اُنکا منشا کیا ہے اور وہ زبان حال سے کیا کچھ بول رہی ہین اور کیا کچھ اپنے ارد گرد والون سے دریافت کرتی ہین۔

زبان حال سے تصویر کہتی ہے
نگار و نقش کی تفسیر کر دیجیے

اگرچہ ارد گرد کے لوگ یا نوکر چاکر اور والدین بہن بھائی بچون کی ان حرکات ان سکنات لگاتار نگاہون نہ ٹھہرنے والی نظرون اور متجسس چہرون سے معمولی حالات مین یہ نہین جان سکتے کہ یہ ننھی ننھی جانین اس ننھی سی عمر مین کیون اسے گھور گھور تکتی اور دیکھتی ہین انکے معصوم دلون مین ایسا کیا کچھ بھرا ہوا اور کیا کچھ ودیعت کیا گیا ہے جسکی لے مین وہ اسطرح بیتاب اور بیقرار ہین اور ان حیرت بھری نگاہون سے نئی دنیا نئی مخلوق کو تاڑ تی ہین

کون کہہ سکتا ہے کہ انکے دل انکی نگاہین اُن کے دماغ ایک نئی چیز دیکھکر کیا کچھ سوچتے اور کن کن اثر خیالات سے گزیدہ ہوتے ہین۔

ان کا دیکھنا انکا گھورنا۔ انکا تاڑنا اور انکا تکنا بے مطلب بے مصرف اور فضول نہین انھین قدرت نے جو ضمیر دیا اور جو دماغ بخشا ہے اور جو مادہ تجسس اور سرمایہ تفتیش انکے ضمیر مین ودیعت کیا گیا ہے وہ انھین چین نہین لینے دیتا۔ پیدا ہوتے ہی کسی خلاف کسی شئے اور کسی منظر کو دیکھتے ہی انکی آنکھوں مین تجسس کی روح حلول کر جاتی ہے اگر یہ زبان سے بول سکتے یا انکی طلاقت کا مواد مکمل ہوتا تو ویسے ہی بولتے اور بحث کرتے جیسے کہ ایک دانا و بینا انسان ایسے مواقع مین کرتا ہے۔

اگر امعان نظر سے انکے چہرے کی کیفیت کا مطالعہ کیا جائے اور دیکھا جائے تو کہا جا سکے گا کہ یہ تماشائے قدرت کی بابت حیران ہو کر سوال کرتے اور گھبرا کر پوچھتے ہین یہ کیا ہے اور کیون ہے۔

گو انکی زبان چلتی نہین اور گو انکی طلاقت معرض لکنت مین ہوتی ہے اور گو وہ مافی الضمیر کے طرز اظہار سے محض ناآشنا ہوتے ہین لیکن انکی حیرانی انکی بے چینی کہہ دیتی ہے کہ وہ ایک شئے ایک منظر کو دیکھتے ہوے یا دیکھ کر اضطرار سے یا شوق سے یہ دریافت کرتے ہین کہ انکی سمجھ مین یہ راز نہین آتا اور وہ اس عقدہ پیش آمدہ کے حل سے موجودہ حالات مین عاری اور قاصر ہین وہ چاہتے ہین کہ اس کیفیت سے آشنا ہون اس حقیقت سے اطلاع پائین اس عقدہ کو ناخن تفحص سے کھولین لیکن انکی نئی نئی اثر قوت اور یہ سرمایہ احساس باوجود اس شوق اور اس اضطرار کے انھین آسانی سے اس منزل پر پہونچانے سے قاصر رہتا ہے اور انکی حیرت اور اضطرار رفتہ رفتہ بڑھتا جاتا ہے۔

ایک پیارا بچہ کبھی لیمپ کو دزدیدہ نگاہی سے دیکھتا اور کبھی اُسکی خوش آیند شعاعون سے آنکھین بند کر لیتا ہے۔ کبھی ٹکٹکی باندھے ہوے گھڑیون یا مٹھون ملیانہ وار

[illegible] رہتا ہے اور کبھی اور طرف دیکھ کر اپنے اضطرار اپنی حیرت کی تلافی کرتا ہے
کبھی [illegible] چڑیا کی طرف دیکھ کر اس سے مین ہنستا اور روتا ہے کہ وہ اُسکے قابو مین
آ جاوے تاکہ وہ اُسے جی بھر کے دیکھے کہ وہ ہے کیا -

یہ تمام حرکتین اور یہ تمام آثار کس بات کا مقدمہ اور کس قضیہ اور کس حجت کا
ثبوت اور پیش خیمہ ہین اور انسے قدرت کی کس ودیعت کا ثبوت ملتا اور کس امر پر روشنی
پڑتی ہے انھین قبل نہ سمجھو انھین شوق اور امعان کی نظرون سے تماشا کرو ان حرکات
سکنات مین وہ خصوصیتیں وہ آثار مخفی اور مستتر ہین کہ جن سے صدہا علوم اور صدہا فنون کا
بنیادی پتھر رکھا جاتا اور ادراکات متنوعہ کی داغ بیل پڑتی ہے یہ اضطراری حالت یہ
حیرانی صرف بچون سے ہی مخصوص نہین ننھی ننھی جانین ہی اسکی گرویدہ نہین ہین ننھے ننھے
دل ہی اسکے مشتاق نہین الغرض آنکھین ہی اس نظارے کی دیوانہ نہین ہین بڑے
بڑے فلاسفر بڑے بڑے حکیم نوجوان متوسط العمر بوڑھے بینا و نابینا امیر و غریب دانا و نادان
سبکے سب اس کوچہ مین سے گذرے اور انھین راہون مین سے گذرنے والے ہین ہر نفس
ہر انسانی خلقت کا ضمیر اسکا شیدائی اور ہر انسان کی آنکھین اسکی گرویدہ اور مشتاق ہین -

گو بدقسمتی سے کوئی شخص زبان نہ کھولے کسی کی طاقت اسطرف متوجہ نہ ہو
کوئی آنکھین بند کیے ہوے ہی گذر جائے کسی کی رگ مین یہ نور حرارت پیدا نہو لیکن
ضمیر ہر ایک کا ان ضروریات سے واقف اور ان امور سے آشنا ہے ہر ہستی مین یہ جوہر
اور ہر خلقت انسانی مین یہ مادہ ودیعت کیا گیا ہے

خلقتے نیست کہ محروم شود زین جوہر

ہر انسانی خلقت کی سرشت مین - کیا اور کیون - کی ہستی یا وجود ودیعت کیا گیا ہے
گویا ایک ہستی کے اندر ایک دوسری ہستی اور ایک ضمیر کے اندر دوسرا ضمیر

سکھا گیا ہے گو یہ دوسری ہستی ظاہر میں نظر نہیں آتی لیکن عملی رنگ میں اسکی کیفیت اسکے آثار نمایاں ہیں اور ہر انسان رات دن اس سے کام لے رہا ہے گو بعض لوگ یہ نہ جان سکیں یا نہ جانیں لیکن جسطرح کانشنس یا ضمیر گھڑی گھڑی وقت پر خبر دینے اور ٹوک ٹوک سے باز نہیں رہتی اور ہر انسانی ضمیر اپنا فرض ہر حالت میں پورا کرتا ہے اسی طرح یہ ہستی بھی اپنے فرائض کے پورا کرنے سے کبھی نہیں چوکتی۔

تندرستی - بیماری - سفر - حضر - امیری - غریبی وغیرہ وغیرہ سب حالتوں میں یہ طاقت کام دیتی ہے چاہے کوئی اسکی دلکش آوازوں پر خیال کرے اور چاہے نہ کرے اسکی طرف سے کوئی دریغ اور قصور نہیں جب ہم کوئی نئی شئے کوئی جدید منظر دیکھتے اور کوئی نیا سمان پاتے یا کوئی نئی آواز نیا واقعہ سنتے یا کوئی نئی صورت محسوس کرتے ہیں تو فوراً ہمارا ضمیر زبان حال سے بول اٹھتا ہے۔

(الف) یہ کیا ہے۔

(ب) یہ کیوں ہے۔

اپنی ہر روز کی زندگی ہر روز کی سرگذشت کا مطالعہ کرکے دیکھو اور پھر کہو کہ کیا تمہارا ضمیر تمہاری زبان کبھی بھی ان سوالات سے ناآشنا رہی ہے اگرچہ تم کیسے ہی خلجان میں ہو پھر بھی تمہارا ضمیر تمہاری زبان ان سوالات کے اٹھانے سے غافل اور قاصر نہیں رہے گی چار و ناچار یہ الفاظ نکل ہی جائیں گے۔

ز کیوں اطلاق ہو گیا اور کیوں کا
یہی تفسیر دو عالم کے گر ہیں

نظر اٹھتے ہی آنکھیں چار ہوتے ہی کیا اور کیوں کی صدائیں آنے لگتی ہیں۔ طبیعت میں ایک گدگدی سی پیدا ہو کر انسان کو مجبور کرتی ہے کہ وہ فوراً ہی پوچھے دریافت کرے۔ "یہ کیا ہے" "یہ کیوں ہے" چاہے کوئی سنے یا نہ سنے کوئی بدے

جواب دے یا نہ دے کوئی مخاطب ہو یا نہو یہ سوالات ضرور ہونگے چاہے زبان سے ان دونون لفظون کا لفظی رنگ مین اطلاق ہو یا نہو ضمیر کی زبان ضرور ان کا اطلاق کرے گی ضرور ان سے کام لے گی۔

ان وجوہ سے ان دونون لفظون کی قیمت ہستی اور شان اور تمام الفاظ سو یقیناً کہین زیادہ ہے اور الفاظ قالب ہین اور یہ اُنکی جان ہین انھین دو لفظون پر ہمارے تمام علوم اور تمام فنون کا مدار اور انحصار ہے اور یہی دو لفظ تفسیر دو گیتی ہین ایک ایک علم اور ایک ایک فن کو جدا جدا پڑتا لتے جاؤ اور دیکھتے جاؤ اُنکا بنیادی پتھر اُنکی علت یہی دو لفظ یہی دو گُہر نکلین گے۔ اُنکا شروع یہی دو لفظ ثابت ہونگے یہی سب کی بنیاد اور یہی سب کا سرمایہ نکلے گا انھین پر سب کا مدار اور انھین پر سب کا انحصار ہوگا طبعیات۔ منطق فلسفہ۔ علم الارض۔ علم السمار۔ علم الھوا۔ علم النار علم الماء شاعری فصاحت بلاغت تمام فنون لطیفہ و فنون عجیبہ کا شروع انھین دو الفاظ سے ہوا اور انھین کی بدولت ان تمام کا نشوونما ہوا اور انکی بنیاد پڑتی گئی۔

سقراط کے مُنھ سے۔ ارسطو کی زبان سے۔ افلاطون اور ملٹن ہملٹن ہربرٹ اسپنسر بوعلی سینا ابن الرشد کے ضمیر سے پہلے پہل یہی دو لفظ نکلے تھے اور انھین سے اُنکی صدائین اُنکا استقرا اُنکی دریافت مرکب تھی یہی اُنکا شروع تھا یہی اُنکی ابتدا۔

سقراط کی شہرت۔ ارسطو کی فضیلت افلاطون کی عظمت۔ ہومر۔ کانٹ۔ شوپن ہار۔ ملٹن۔ ہربرٹ اسپنسر۔ بوعلی۔ فارابی۔ ابن الرشد۔ منو۔ شکسپیر کی مکرمت کا موجب یہی دو لفظ تھے نہ صرف فلاسفرون اور حکیمون کی شہرت ہی ان دو لفظون کی محتاج رہی ہے بلکہ روحانی فلاسفرون کی روحانیت کا شروع بھی انھین دو لفظون سے ہوا ہے اور انھین پر تمام شرائع اور قوانین مذہبی کا انحصار رہا ہے۔

پھر یہی ہر اوتار کی زبان سے فطرت نے یہی دو لفظ نکلوائے اور انھین سے اُنکی روحانیت کا

وہ شروع ہوا۔ ابراہیم علیہ السلام نے انھین دو لفظون سے ذات صمدی کی شناسائی
اور تحقیقات کی بنیاد رکھی اور انھین کے بدولت ابراہیمؑ کے ضمیر نے خدا کی وحدت اور
عظمت پر شہادت دی اور یہین سے دنیا مین از سر نو توحید کا بنیادی پتھر رکھا گیا۔

ابراہیم نے آسمان پر آفتاب دیکھکر جب پہلا سوال کیا تو اُسکے الفاظ یہی تھے۔
(۱) یہ کیا ہے؟ (۲) یہ کیون ہے؟ انھین دو لفظون نے اُسکے دل و دماغ مین
وہ گھبراہٹ پیدا کی اور یہی دو لفظ اُسکی ہدایت اور اُسکے رشد کا باعث ہوے۔ ان سوالات کے
اُٹھانے مین اُسکی فطرت زبردست اور جامع تھی۔ اور یہ دونون مقدس لفظ اُسکے صفحہ
فطرت پر کندہ اور منقوش تھے۔

یہ دونون لفظ اپنے مفہوم مین ایسے وسیع اور جامع واقع ہوے ہین کہ اسکے
اطلاق کے بعد اصولی رنگ مین کسی اور سوال کی ضرورت باقی نہین رہتی جب انسان یہ سوال کرتا ہے
کہ "یہ کیا ہے" اور "کیون ہے" تو وہ یہ چاہتا ہے کہ جس شے یا جس منظر کی بابت سوال کیا گیا ہے
اُسکی کیفیت اور اُسکی حقیقت سے اُسے حتی الامکان واقف اور شناسا کیا جائے گو کوئی
اُسے آگاہ نہ کر سکے یا پوری پوری حقیقت اور کیفیت کا انکشاف نہو اور چند در چند ابہام ہی
رہین لیکن پھر بھی انسانی کشش کی روح کچھ نہ کچھ تگ و دو کرتی ہی ہے۔ اور دامن تحقیق
جواہر علوم اور مقاصد فنون سے بھر لیا ہوکر ہمیشہ کے واسطے انسانی نسلون کے لیے ایک علمی
ذخیرہ وسعت کے ساتھ قائم کرتا ہے۔ اب یہ پوچھو کہ

"بجائے خود کیا اور کیون کی حقیقت یا کیفیت کیا ہے"

"اور کیون انکی ہستی وجود مین آتی ہے؟"

"اور ان کا مستقر کیا ہے؟"

سب سے پہلے تیسرے سوال کا جواب دینا ضروری ہے۔
کیا اور کیون کا مستقر یا تو دماغ ہے اور یا ضمیر اور دل ہے اگرچہ ضمنی طور پر کسی قوت سے ہی

ان کا تعلق اور انکی وابستگی ہو لیکن مجموعی رنگ مین یا تو انکی وابستگی دماغ سے ہے یا دل سے
اور یا دونون سے جب ہم کوئی شے یا کوئی منظر دیکھتے یا کوئی واقعہ سنتے یا کسی صورت کا
احساس کرتے ہین تو ایک دفعہ ہمارے دماغ اور دل مین ایک کیفیت اضطراریہ پیدا ہوتی
اور ہمین دفعتہ رفتہ اسطرف لیجاتی ہے کہ یہ کیسا سمان ہے یہ کیا ہے اور کیون ہے یہ اضطراری
حالت کسی اور قوت کی تحریک سے نہین پیدا ہوتی بلکہ دماغ اور دل کی تحریک سے ہی اسکا
نشو و نما ہوتا ہے دماغ اور دل کا ایسا نازک تعلق اور وابستگی ہے کہ ہم ایسی کیفیتون کے
پیدا ہونے سے خود ہی دنگ ہین یہ نہین کہہ سکتے کہ اسکا شروع دماغ سے ہوا ہے یا دل اور
ضمیر سے بعض دفعہ دماغ اور دل دونون کی آواز یا حرکت ایسی کیفیتون کے متعلق بالکل
یکسان صورت مین واقع ہوتی ہے۔ جو رشتہ اور جو نسبت دماغ اور دل مین قدرت نے رکھی ہے
وہ ثابت کر رہی ہے کہ ایسی کیفیتون کا نشو و نما دماغ اور دل دونون کی حرکت سے ہوتا ہے
لیکن مستقر "کیا اور کیون" کا باین ہمہ حالات دماغ ہی کہا جائے گا۔

"کیا اور کیون" کی حقیقت فلسفی رنگ مین یہ ہے کہ انسان اس جذبہ کے ذریعہ
اُن چیزون اور مناظر سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہے جو اسکے ارد گرد پائی جاتی ہین
اور جنھین وہ ہر ساعت ہر لحظہ تماشا کرتا ہے اور اس جذبہ پر اُسکی زندگی اور ہستی کی
عمدگی اور خوبی کا مدار رکھا گیا ہے۔ اور اس وجہ سے اُسے اور مخلوق کے مقابلہ مین اشرف المخلوقات کا
ممتاز لقب دیا گیا ہے اگر یہ جذبہ اُسمین نہوتا تو اُسمین اور ایک طوطہ مین کوئی فرق نہوتا اصل
فرق اور اصل امتیاز اسی جذبہ کی بدولت ہے رہا یہ سوال کہ "کیا اور کیون" کی ہستی وجود پذیر
کیون ہوتی ہے اسکا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ

(الف) مناظر اور کیفیات مناظر انسان کو اپنی طرف کھینچتی ہین اور اپنا تماشائی کرتی ہین۔

(ب) انسان کا ضمیر ہمیشہ پیش آمدہ مناظر کے دریافت کے واسطے ساعی رہتا ہے۔

(ج) یہ دونون اندرونی اور بیرونی صورتین یا جذبات اجتماعی صورت مین اس کیفیت کے نشو و نما کے

فت ہوتے ہین۔

ان جذبات کی ودیعت اور موجودگی سے یہ ثابت ہے کہ قدرت نے انسان کو بمقابلہ سب دیگر مخلوق کے زیادہ تر اس لیے یہ سواد دیا ہے کہ انسان اپنی محدود زندگی مین ان جذبات سے کام لے اور خدا کی خدائی اور نظام قدرت کے دریافت سے اپنی دماغی قوتون اور روحانی قوتون کی استواری اور وسعت کا باعث ہو۔ ایک حکیم نے کہا ہے کہ انسان کو ہمیشہ ایک لڑکے کے مانند مشتاق مناظر و کیفیات مناظر ہونا چاہیے جسطرح ایک بچہ ہر چیز کے دیکھنے اور ہر منظر کے نظارہ سے حیران ہوتا اور اُسکی تہ تک پہونچنے کی کوشش کرتا ہے اسی طرح ہر انسان کا فرض ہے۔ بعض لوگ اس رفتار سے اس واسطے نفرت کرتے ہین کہ اُنکے خیال مین اس سے کوئی فائدہ نہین۔ اور یہ رفتار صرف اسی زندگی تک ہے۔ یہ دونون خدشات غلط ہین فائدہ بھی ہے اور یہ سلسلہ صرف اسی زندگی تک ختم اور بس نہین ہوجاتا بلکہ اسی زندگی مین بھی یہ جاری رہتا ہے۔ اور انسان ان مدارج مین لگاتار ترقی کرتا جاتا ہے۔۔

ایک ہندو حکیم کا قول ہے کہ انسان اپنی سفلی زندگی مین جس سلسلہ مین لگا رہتا ہے وہی سلسلہ دوسری علوی زندگی تک چلا جاتا ہے۔ ضروری ہے کہ اس سفلی زندگی کا سلسلہ علمی رنگ سے رنگا جائے۔ تاکہ دوسری علوی زندگی مین بھی وہی حالت اور وہی کیفیت رہے۔

جب انسان "کیا اور کیون" کی منزلین طے کرنے مین مشتاق ہوجاتا ہے تو پھر کیا اور کیون کی دیگر دریات کیسے۔ کسطرح۔ کن وجوہ۔ کن دلائل وغیرہ وغیرہ سے بھی رفتہ رفتہ آشنا ہوتا جاتا ہے۔ اور ان منازل مین اُسکا ذہن اُسکی عقل اُسکی دانش اُسکا تجربہ لگاتار ترقی کرتا جاتا ہے بقول ایک حکیم کے "کیا اور کیون" کی منزلون تک عام لوگ ہی جاتے ہین اور اُس سے اوپر کی منزلون تک وہ لوگ جاتے ہین جنھین حکیم اور فلاسفر کہا جاتا ہے۔ یا یہ کہ "کیا اور کیون" علم کا ایک پہلا زینہ ہے اور اُسکی دیگر دریات ایک آخری زینہ۔

سلطان احمد

ہندوستان کے نوشتہ ہائی اسلامی

علوم جدیدہ مین آثار قدیمہ کی جو منزلت ہے اُسکا اندازہ اُن واقعات کے تجزیہ سے ہوسکتا ہے جو کچھ عرصہ سے اسلامی دنیا کی توجہ کا مرکز بنے ہوے ہین یعنی بیت المقدس کے تبرکات کے چوری جانے اور مسجد عمر مین انگریزی محققین کے داخل ہونیکے حالات جنکی تفصیل کی بیان حاجت نہین۔

ہندوستان مین علوم جدیدہ کا چرچا نہین ہے اور مسلمانون مین بلحاظ اُس تناسب کے جو میدان علم مین ہمسایہ اقوام کے ساتھ اُنکو حاصل ہے اُنکی اشاعت بہت ہی کم ہوئی ہے۔ مگر اب زمانہ کی رفتار سے متاثر ہوکر ہم عالم خواب سے بیداری مین آگئے ہین اور اپنی بے مائیگی و بے بساطی کا کم و بیش احساس ہونے لگا ہے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ ہر طرف سے طرح طرح کی تحریکات کی صدائین آرہی ہین۔

ہمارے مکرم حکیم سید شمس اللہ قادری نے جنکی علمی قابلیت کسی تعارف کی محتاج نہین چند روز ہوے آثار قدیمہ کی تحقیقات کے لیے ایک سفر کیا تھا جو بلحاظ نتائج نہایت کامیاب ہوا۔ برہانپور۔ مانڈو (شادی آباد) اورنگ آباد۔ گلبرگہ دولت آباد۔ خلد آباد ورنگل۔ بیجاپور۔ بیدر وغیرہ مقامات سے وہ بیش بہا سرمایہ معلومات حاصل کرکے لائے ہین آثار قدیمہ کی تفتیش۔ عمارات کی پیمائش اور کتبون کا تجزیہ یہ سب کام ایسے ہین کہ ذوق و شوق تحقیق کے سوا اُنکے لیے بڑی محنت سرگرمی اور استقلال کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم حکیم صاحب کو اس علمی کوشش کے لیے قابل مبارکباد سمجھتے ہین اور امید کرتے ہین کہ گورنمنٹ۔ اہل ملک اور اعیان قوم کی جانب سے علیٰ قدر مراتب اُنکی ہمت مردانہ کی پوری داد دیجائیگی۔

مسرت کا مقام ہے کہ صاحب موصوف اپنے سفر اور کتبات و عمارات اسلامی کے متعلق مبسوط سلسلہ تالیف قلمبند کرنا چاہتے ہین۔ اور ہم نہایت شکر گزار ہین کہ ازراہ ہمدردی اسلامی و الطاف کریمانہ اُنھون نے الناظر مین اس دلچسپ اور سبق آموز سلسلہ کی تدریج اشاعت کا وعدہ فرمایا ہے جو یقیناً ناظرین و ناظرات کی ضیافت طبع کا باعث ہوگا۔

سفر۔ کتبات اور عمارات کے متعلق علیحدہ علیحدہ مضامین ہونگے مگر بعض اسباب کی وجہ سے اشاعت مین یہ ترتیب قائم نہ رہیگی اور سردست کتبات کے سلسلہ کا پہلا مضمون ہمارے پاس آیا ہے جو ہدیۂ

ناظرین ہوتا ہے آئندہ انشاءاللہ ماہ بماہ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

ایڈیٹر

برہان پور

نصیرخان نے خاندیس کے مشہور قلعہ اسیر کو فتح کیا تو شیخ زین الدین رح دولت آباد سے مبارکباد کے لیے تشریف لائے۔ اور دریائے تاپتی کے کنارے قیام فرمایا۔ اور جب واپسی کا قصد ہوا تو نصیرخان نے اخراجات خانقاہ کے لیے چند قصبات دینا چاہے۔ لیکن شیخ نے نامنظور کیا اور جب نصیرخان کا بیحد اصرار ہوا تو فرمایا کہ جہان اب لشکر اسلام فرد کش ہے وہان ایک شہر میرے پیر شیخ برہان الدین غریب رح کے نام پر آباد کرا اور اُسے اپنا دارالحکومت بنا اور اس جگہ ایک قصبہ اور مسجد تعمیر کر کے اُسکا نام زین آباد رکھ۔ نصیرخان نے شیخ کے اس ارشاد سے بہت خوش ہو کر اُسی وقت ان مقامات کی آبادی کا حکم دیا۔ شیخ نے حسن انجام کی دعا کی اور فاتحہ پڑھا اسکے بعد دولت آباد کو واپس چلے گئے۔ یہ واقعہ ۸۰۳ھ ہجری مطابق ۱۴۰۰ عیسوی کا ہے۔

جامع مسجد کے کتبے

اس عالیشان اور خوبصورت مسجد کو سلطان عادل شاہ بن مبارک شاہ فاروقی نے ۹۹۷ھ مطابق ۱۵۸۸ء مین تعمیر کرایا تھا۔

کتبہ نمبر (۱)

مسجد کے اندر وسطی محراب پر محمد مصطفیٰ خطاط کا لکھا ہوا خط نسخ مین حسب ذیل کتبہ کندہ ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم، وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا، الحمد للہ الموفق للطاعات، المعین بفضلہ علی العبادات، والصلوۃ والسلام علی اشرف الخلق محمد الذی حرض العباد علی العبادۃ وعلی آلہ وصحابہ الذی قاموا بواجبہا وزیادۃ، وبعد فان اولی ما ینفق فیہ تر الیف الاحوال القربات التی یعود نفعہا فی المال، ومن اجل ذلک

الصدقات الجاریۃ، فان ثوابھا مدی الازمان ساریۃ، وقد وردت السنۃ بان یصرف الیھا الاعنۃ ولا نمار بنیان المساجد من شعائر الذین وھم المقربین لما یترتب من بانیھا مزید الثواب، وان بانیھا ملھم الصواب، حیث ورد عنہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من بنی للہ مسجدا ولو کمفحص قطاۃ بنی اللہ بیتاً فی الجنۃ، فلذلک امر مولانا السلطان الاعظم والخاقان المکرم الفائق بفضلہ علی سلاطین العرب والعجم، عادل شاہ بن مبارکشاہ الفاروقی خلد ملکہ، ھذا المسجد الذی ھو بالوصف جدید، لانہ قل ان یوجد لہ نظیر، خالصا لوجہ الکریم و طالبا لمرضاتہ الجسیم، تقبل اللہ ذلک منہ بفضلہ، ومزید کرمہ، وطولہ، وکان ابتداءہ سنۃ سبع وتسعین وتسعمائۃ، واتمامہ سنۃ خدم بکتابتہ اقل عبید الداعی الدولۃ مصطفیٰ بن نور محمد خطاط عفی اللہ عنہ۔

کتبہ نمبر (۲)

جنوبی مینار کے نیچے میر معصوم نامی کے ہاتھ کا کندہ کیا ہوا حسب ذیل کتبہ ہے جسمین شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کے خاندیس مین تشریف لاکر قلعہ آسیر کو فتح کرنے اور پھر ۲۶ شوال ۱۰۰۹ھ (مطابق ۱۶۰۱ء) کو لاہور واپس جانے کا ذکر ہے۔

تاریخ الٰہی عبارت ست از زمان جلوس حضرت شاہنشاہ ظل اللہ اکبر بادشاہ غازی کہ از تائید جوان بخت قلعہ آسیر کشاد۔

گشت آباد اسیر از ان نامی سنہ بخشش بگفت الہ آباد

تاریخ ۱۱ خورداد ین ماہ الٰہی ۴۵ موافق ۵ رمضان ۱۰۰۹ حضرت شاہنشاہ فلک بارگاہ ظل اللہ برای نمود را مقتربان ظفر آیات ساختند وبہادر خان آمدہ بپابوس مشرف شد۔ و او را باتباع جان بخشی کردند و قلعہ آسیر فتح شد۔

شاہ غازی جلال دین اکبر آن بتائید بخت قلعہ کشا
کرد فتح اسیر از ان نامے گفت بگرفت قلعہ اعلاء

لقائلہ وکاتبہ محمد معصوم المتخلص بہ نامی بن سید صفائی الترمذی اصلاً والبھکری سکناً ومدفناً والمنتسب

اما الی سید شیر قلندر ابن بابا حسین ابدال سبزواری مولداً والقندہاری موطناً در قندہار بتاریخ روز ماہ دوازدہم اردی بہشت سنہ موافق ۲۶ شوال ۱۰۱۰ھ بندگان حضرت عازم لاہور شد۔

فتح خاندیس و دکن چون کرد شاہ ۔ عازم ہندوستان فی الفور شد

یک عدد نامی فزود آنگاہ گفت ۔ شاہ والا عازم لاہور شد

نوٹ

نصیر خان خاندیس کی مشہور سلطنت فاروقیہ کا پہلا خود مختار بادشاہ ہے۔ ۸۰۱ھ/۱۳۹۹ء سے ۸۴۱ھ/۱۴۳۷ء تک حکمران رہا۔ بعد ازان ۲۰۸ برس تک حکومت اسکے خاندان مین رہی اور یکے بعد دیگرے گیارہ بادشاہ ہوئے جنکے حالات مورخ محمد قاسم فرشتہ نے اپنی تاریخ کے مقالہ ششم مین تفصیل کے ساتھ لکھے ہین۔

شیخ برہان الدین غریبرح۔ حضرت نظام الدین محبوب الٰہی کے نہایت مشہور اور باکمال خلفا مین سے ہین۔ چار سو فقرا کو ہمراہ لیکر دہلی سے دولت آباد مین تشریف لائے اور ۱۱ صفر ۷۳۸ھ/۱۳۳۷ع کو چہارشنبہ کے دن آپ نے وصال فرمایا۔ روضۃ الاولیا از آزاد بلگرامی صفحہ ۱۴

شیخ زین الدین اولیا خواجہ برہان الدین غریب کے خلیفہ تھے۔ محمد شاہ بہمنی کے زمانہ مین گذرے ہین۔ ۲۵ ربیع الاول ۷۷۱ھ/۱۳۶۹ع کو آپنے وفات فرمائی۔ روضۃ الاولیا صفحہ ۴۰

عادل شاہ بن مبارک شاہ فاروقی المشہور بہ راجہ علیخان۔ خاندان فاروقیہ کا بارھوان بادشاہ ہے۔ اپنے بھائی میران محمد شاہ کے مرنے پر ۹۷۴ھ/۱۵۶۶ء مین تخت نشین ہوا اور اکیس سال سے کچھ عرصہ زائد حکومت کرکے ۷ جمادی الثانی ۱۰۰۵ھ/۱۵۹۶ء کو ایک معرکہ مین مارا گیا۔ اسکے بعد اسکے بیٹے بہادر خان کو بادشاہت ملی جسیر ۱۰۰۹ھ/۱۶۰۰ء مین سلطنت فاروقیہ کا خاتمہ ہوگیا۔

شہنشاہ اکبر کا خاندیس کو فتح کرنا۔ ۱۰۰۸ھ/۱۵۹۹ء مین اکبر تسخیر دکن کے ارادہ سے مانڈو مین آکر فروکش ہوا تو بہادر خان جنگ و جدل کا سامان درست کرکے قلعہ آسیر مین متحصن ہوگیا۔ اکبر نے سفیر بھیجے اور نصیحت کی کہ اپنے باپ راجہ علیخان کی طرح وہ بھی بادشاہ کا مطیع و فرمانبردار رہے۔ مگر جب اسکا کچھ اثر نہوا تو خود برہان پور مین آکر قلعہ آسیر کا محاصرہ کیا۔ اسیطرح دس مہینے گزر گئے اور محصورین پر بھوک پیاس کی تکلیف گزرنے لگی تو بہادر خان نے گھبراکر جان و

مال کی امان چاہی اور ۵ رمضان ۱۰۰۹ھ کو قلعہ چھوڑ کر اکبر کی خدمت مین حاضر ہوگیا۔ اسی اثناء
مین احمد نگر بھی فتح ہوگیا اور شاہان بیجاپور اور گولکنڈہ نے بھی اطاعت قبول کر لی تو اکبر نے واپس
ہونے کا ارادہ کیا۔ ۲۶ شوال ۱۰۰۹ھ کو برہان پور سے نکلکر لاہور کی جانب کوچ ہونے لگے
اکبر بہادر خان اور اُسکے دونون بیٹون کو اپنے ہمراہ لاہور لیگیا اور وہان اُنکے لیے وظیفے مقرر
کر دیے۔ اسکے بعد بہادر خان نے اور ۲۳ برس زندہ رہکر ۱۰۳۲ھ مین جب کہ جہانگیر بر سر حکومت تھا
بمقام آگرہ انتقال کیا۔

میر معصوم نامی۔ اصلش از سادات عظام شہر ترمز است، والدش میر سید صفا از وطن
اصلی برکندہ در بھکر اقامت گزید و میر معصوم ہمین جا متولد شد و بعد تحصیل علوم رسمیہ و علم طب و مہارت
در فن شعر سلک بسیدہ بزمرۂ امراء اکبر بادشاہ انتظام یافت و در ۱۰۱۲ سنہ دوازدہم از حضور شاہی بسفارت
ایران مامور گشت و مورد تفضلات شاہ عباس ماضی گردیدہ ہمراہ موکب شاہی بہ تبریز رفت و ہنگام
مراجعت در اصفہان با حکیم شفائی و تقی اوحدی در مشاعرات ہم طرح ماند و بعد ورود ہندوستان انداز داد
سفارت اوپسند بہ خاطر اکبر بادشاہ افتاد و بحضور شاہی قبول عظیم یافت۔ و در عہد جہانگیر شاہ نیز
مورد الطاف خسروانی بودہ در ۱۰۱۹ھ تسع عشر والف رخصت حاصل کردہ بوطن رفت و
ہمان سال در آنجا بجوار رحمت ایزدی پیوست و از مولفاتش تاریخ معصومی در بیان حالات
سلاطین سندھ و طب نامی و مثنوی و دیوان یادگار ہست (ماخوذ از تذکرہ روز روشن مطبوعہ
۱۲۹۶ھ صفحہ ۶۷۹)

ریمارک

۱۔ فرشتہ نے لکھا ہے کہ وہ اکبر کے لحاظ سے راجہ علیخان نے شاہ کا لفظ اپنے نام کے
ساتھ مستعمل نہین کیا تھا مگر کتبہ نمبر (۱) سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسنے اپنا لقب عادل شاہ رکھا تھا
۲۔ فرشتہ نے لکھا ہے کہ اکبر نے ۱۰۰۸ھ مین قلعہ اسیر کو فتح کیا تھا لیکن کتبہ نمبر (۲) مین
۵ رمضان ۱۰۰۹ھ فتح کی تاریخ مندرج ہے۔

حکیم سید شمس اللہ قادری
حیدرآباد دکن

نظم قومی

مشرق سے جب طلوع ہوا آفتاب دین　　　چمکا بہ آب و تاب رُخ بے نقاب دین
پہونچی جو جاہلون مین عرب کے کتاب دین　　　وا ہو گیا نصیب سے اُن سب کے باب دین

ظلمت کا نام سارے جہان سے مٹا دیا
اُس روشنی نے راستہ سیدہا بتا دیا

اہل عرب جو حق سے کبھی آشنا نہ تھے　　　اور مانتے نبی کو رسول خدا نہ تھے
وحشی تھے اور قائل روز جزا نہ تھے　　　گویا ملامتون کا جہان کی نشانہ تھے

علم و کمال و فضل مین سب طاق ہو گئے
ایسے بڑھے کہ شہرۂ آفاق ہو گئے

ہر قسم کے علوم پہ اُنکو عبور تھا　　　جو شخص تھا وہ علم کے نشہ مین چور تھا
سینون مین اُنکے عشق الٰہی کا نور تھا　　　اسواسطے خدا بھی نہین اُنسے دور تھا

حیوان تھے پہلے صاحب ادراک ہو گئے
ایسے بنے کہ خاک سے سب پاک ہو گئے

تھی ضرب اُنکی تیغ کی مشہور روزگار　　　یہ جانتے تھے سب کہ بڑے ہین وہ شہسوار
جب چھوڑتے کمان سے تھے وہ تیر ناگہان　　　ممکن نہ تھا کہ سینۂ دشمن کے ہو نہ پار

لرزان تھے اُنکے خوف سے کفار جتنے تھے
ترسان تھے اُنکی تیغ سے اشرار جتنے تھے

فتح و ظفر تھی ساتھ وہ جاتے جہان جہان　　　اقبال ہم رکاب حکومت تھی ہم عنان
یکسان دلیری کرتے تھے کیا پیر کیا جوان　　　پورے اُترتے جنگ مین یہ وقت امتحان

پامال اُنسے سلطنت شام و روم تھی
اُنکی بہادری کی زمانہ مین دھوم تھی

پابند تھے یہ صوم و صلوٰۃ و زکوٰۃ کے　　　ذاکر تھے دن کے جاگنے والے تھے رات کے

سچے قسم قول کے سچے دھنی اپنی بات کے الغرض یہ لوگ تھے عمدہ صفات کے
فرصت انہیں نہ ملتی تھی گو سلطنت کے کاروبار سے
غافل نہ رہتے پر وہ کبھی حق کی یاد سے

اسلام کی وہ شان وہ شوکت کدھر گئی جبروت وہ کہاں ہے وہ سطوت کدھر گئی
وہ جوش وہ خروش وہ طاقت کدھر گئی ہمت وہ کیا ہوئی وہ شجاعت کدھر گئی
وہ کون تھے کہ صفحہ عالم الٹ دیا
تختہ جنھوں نے کفر کا سارا الٹ دیا

وہ علم کیا ہوا وہ لیاقت کدھر گئی وہ تیز یان کہان وہ ذہانت کدھر گئی
طباعیان کہان گئین جودت کدھر گئی وہ فلسفہ کہان ہے وہ حکمت کدھر گئی
کچھ جانتے نہین وہ سبھی علم و فن سے
ویرانہ رہگیا ہے وہ سارے چمن مٹے

ہم مین وہ انس اور وہ محبت نہین رہی وہ اتفاق اور اخوت نہین رہی
دولت وہ اپنے پاس وہ ثروت نہین رہی دنیا کی اور قومون مین عزت نہین رہی
کس کس کو کیجیے ہاے کہ کیا کیا بگڑ گیا
قسمت کچھ ایسی بگڑی کہ جو تھا بگڑ گیا

جو قوم اور قومون کی پشت و پناہ ہو اور جسکی عدل وداد پہ ہر دم نگاہ ہو
عالم مین جسکی دھوم ہو اور واہ واہ ہو صد حیف ہے کہ چشم زدن مین تباہ ہو
ایسی گرے کہ پھر نہ سنبھلنے کا نام لے
گو لاکھ اپنی کوشش و طاقت سے کام لے

اس باغ قوم مین کبھی دور خزان نہ تھا عالم کے گرم و سرد سے اسکو زیان نہ تھا
لالہ کے دل مین یان کوئی داغ نہان نہ تھا اسکے اجڑنے کا تو کسی کو گمان نہ تھا
پھر کیا ہوا کہ باغ سے ویرانہ رہگیا
بلبل رہی نہ گل فقط افسانہ رہگیا

سوچا ذرا جو سر کو گریبان مین ڈال کے | لب مین رہا جو اپنی تب ہی خیال کے
جانا یہ ہم نے بعد بہت قیل و قال کے | باعث ہم آپ ہی ہوئے اپنے زوال کے

موڑا جو منھ کو قافلہ کے ہم نے ساتھ سے
ماری کلہاڑی پیر مین خود اپنے ہاتھ سے

ہے شکر کی جگہ کہ ہوا ہم کو انفعال | اللہ نے بچایا مصیبت سے بال بال
کانٹے جو راہ مین تھے دیے کچھ نہ کچھ نکال | سیکھی ترقی یافتہ قومون کی چال ڈھال

پھر پھیلا زیان سے خرد سود کی طرف
ہم جا رہے ہین منزل مقصود کی طرف

دنیا تو مل ہی جائے گی اسکا خیال کیا | جب علم ہاتھ آیا تو مال و منال کیا
ہم سے وہ جائے بھاگ کر اسکی مجال کیا | حاصل نہو گا پھر ہمین علم و کمال کیا

لیکن یہ چاہیے کہ خدا کو نہ بھول جائین
جسنے دیا ہے اسکی عطا کو نہ بھول جائین

محمد تقی حیدر آزرمی

غزل آزاد

اگست کے پرچہ مین جس فارسی غزل کا ہم نے تذکرہ کیا تھا وہ ماہ صیام مین لکھی گئی تھی اسکی اشاعت کا موقع اسوقت سے نہین دیا جا سکتا۔ لہذا ہدیۂ ناظرین ہے۔

بہار آمد جنون آورد یغما سے بعریانی | زقبلہ رو کشید ابر سیہ برد پر دیدہ دانی
بہار آمد بہار آمد چہ باد خوشگوار آمد | ہوائے بادہ کرد افشا مِن سر زبانی
طواف کعبۂ دل میکند عشق بت کافر | برہمن سان خیال یار شد مصروف دربانی
رخش قرآن و چشم وا بروش آیات قرآنی | تلاوت خوش بود در صوم این آیات قرآنی
جنون آمد و من تار نفس را تار تار آرد | ننالد تا ز ہجر و ہستیم از دست ... مانی
شبیہ آن بت کافر بجا در قبلۂ دل شد | چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی
بقا جستم فنا گشتم۔ فنا ہم رفت از دستم | فنا ہم چون نمی یابم بدانم کان نمی دانی
حلاوت بخشش لبہا یم زلال انگبین بلب | طراوت بخشش ... بجد چاہ زنخدانی
الا یا جام عشر مستی بیا ... | نمی بینی کہ ... آزاد مصروف غزل خوانی

شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی

رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ

شیخ کا سلسلہ نسب اسد قریشی تک پہونچتا ہے اور امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہ آپکے جد مادری ہیں۔ آپ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اعظم تھے اور بعد وفات حضرت شیخ الشیوخ مرتبہ غوثی پر فائز ہوئے۔ صاحب مراۃ الاسرار آپ کی شان میں تحریر فرماتے ہیں کہ "وے را درین طریق شانے عظیم وحالے قوی بود در ریاضات ومجاہدات نظیر نداشت ودر کشف وکرامات میان مشائخ کبار ممتاز بود" آپ دیار ملتان کے صاحب ولایت تھے اور آپ ہی کے وجود باجود سے سلسلۂ عالیہ سہروردیہ کی اشاعت ہوئی آپ کے بکثرت مریدان صادق الحال وخلفاے صاحب کمال تھے۔

سیر العارفین میں مذکور ہے کہ آپ کے جد بزرگوار حضرت کمال الدین علی شاہ قریشی مکہ مبارکہ سے خوارزم میں آئے وہان سے ملتان پہونچے۔ ایک مدت تک یہان سکونت اختیار فرمائی۔ یہان شیخ وجیہ الدین محمد آپکے صاحبزادے پیدا ہوئے جنکا عقد مولانا حسام الدین کی صاحبزادی سے ہوا۔ مولانا حسام الدین کا حال یہ ہے کہ چنگیز خان کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے تھے اور قلعہ کوٹ کرور میں جسے سلطان محمود غزنوی نے ضبط ہندوستان سے پہلے ملتان کے قریب بنایا تھا اقامت گزین ہوئے تھے۔ چونکہ مولانا وجیہ الدین محمد آپکے دادا تھے وہ بھی یہین آپ کے ہمراہ کوٹ کرور مین رہنے لگے۔ اسی قلعہ مین حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پیدا ہوئے۔ جب آپ کی دس سال کی عمر ہوئی تو آپکے والد ماجد نے اس عالم فانی سے انتقال فرمایا۔ شیخ نے حفظ قرآن فرماکر خراسان کا رخ کیا اور سات سال تدریس علوم مین مشغول رہے۔ بعد ازان بخارا کا ارادہ فرمایا۔ وہان سے مکہ معظمہ تشریف لیگئے اسکے بعد پانچ سال حرم مدینۃ الرسول اللہ صلعم مین مجاور رہے اور شیخ کمال الدین محمد یمنی کے حضور مین سماع حدیث فرمائی۔ اسکے بعد بیت المقدس تشریف لیگئے اور انبیا علیہم السلام کے مزارات کی

ارت فرماکر وہان سے بغداد شریف روانہ ہوئے اور حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ العزیز کی خدمت بابرکت مین پہونچے۔ حضرت شیخ الشیوخ کے دلبستہ و ارادتون مین شریک ہوکر تربیت پذیر ہوئے اور بہرۂ خلافت حاصل فرمایا۔

سلطان المشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہین کہ حضرت شیخ الشیوخ کی خدمت مین آپ صرف سترہ دن رہے تھے اور انھین معدودے چند ایام مین یہ سب دولت جاودانی اور معارف روحانی حاصل فرمائے۔ بعض درویش ایسے بھی تھے جو حضرت شیخ الشیوخ کی خدمت مین مدتون سے تھے اور بڑی بڑی ریاضتین کرچکے تھے انھین اس حالت پر تعجب ہوا کہ ایک مرد ہندی آیا اور صرف چند دن رہا اور یہ تمام نعمائے عظمیٰ اوسے حاصل ہوگئین اور ہم سب ویسے کے ویسے ہی رہے۔ حضرت شیخ الشیوخ نے فراست باطن سے دریافت فرماکر جواب دیا کہ مشوش مت ہو تمھارے پاس ہیزم تر تھی جسمین یکبارگی آگ نہین لگ سکتی اور زکریا ہیزم خشک لایا تھا جسمین فوراً آگ لگ اٹھی۔ بعدازان شیخ بہاءالدین کو رخصت فرماکر ارشاد کیا کہ ملتان مین بودوباش رکھو اور وہان کے لوگون کو فیض پہونچاؤ۔

اخبار الاخیار مین ہے کہ جب شیخ بہاءالدین زکریا اس نعمت و کرامت کے ساتھ ملتان تشریف لائے تو اکابر دیار کو آپ پر حسد ہوا اور کنایہ کے طور پر ایک پیالے مین دودھ بھر کر آپکے پاس بھیجا اس بات کے اظہار کے لیے کہ اس شہر مین کسی دوسرے کی اب گنجائش نہین ہے۔ شیخ نے فوراً یہ مطلب سمجھ کر ایک پھول اس پیالہ پر رکھکر واپس کردیا جس کا مطلب یہ تھا کہ مین یہان اس طرح رہونگا جس طرح دودھ پر یہ گلاب کا پھول ہے۔ کسی پر بار نہونگا۔ وہ لوگ آپ کی حسن لطافت سے حیران رہگئے اور آپ کے مطیع و منقاد ہوئے آپ کی کشش باطنی نے یہ غلبہ کیا کہ تمام اکابر و عوام الناس یکبارگی آپ کی جانب جھک پڑے اور بہت سے خلفائے صاحب کمال آپ کے رشد و ارشاد سے مرتبہ تکمیل پر فائز ہوئے اور ہزارون دیندار صادق الاعتقاد مریدون زمرۂ حلقہ بگوشان مین شامل ہوئے فتوحات کے دروازے کھل گئے اور بے انتہا تصرف آپ کی ذات پاک سے ظاہر ہوا۔ اسکے بعد حضرت شیخ متاہل ہوئے اور شیخ صدرالدین عارف رحمۃ اللہ کے مانند صاحب حال صاحبزادے متولد ہوئے۔

آپ مین اور حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ مین باہم مودت عظیم تھی اور اکثر دونون مین مہربانہ صحبتین ہوتی تھین۔ یہ بھی بعض کہتے ہین کہ ایک دوسرے کے خالہ زاد بھائی تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے آپ کے متعلق کوئی ناخوش کلمہ حضرت شیخ گنج شکر کی سماع مبارک تک پہونچایا جو حضرت گنج شکر کی مجلس کے موافق نہ تھا۔ آپ نے یہ معلوم کر کے فوراً حضرت گنج شکر کی خدمت مین ایک رقعہ بھیجا کہ "درمیان ما و شما عشق بازی است سخن دیگر گنجائش ندارد" حضرت گنج شکر نے جواب تحریر فرمایا کہ "درمیان ما و شما عشق است بازی نیست" حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہین کہ حضرت گنج شکر بہت کم افطار فرماتے تھے اگرچہ تپ ہی کیون نہو یا فصد ہی کیون نہ لی ہو اور شیخ بہاءالدین زکریاؒ روزے کم رکھتے لیکن طاعت و عبادت بہت فرماتے اور اکثر اوقات دو رکعت نماز مین ختم قرآن پاک فرماتے۔

سیر العارفین مین ہے کہ ایک روز حضرت شیخ بہاءالدینؒ خانقاہ مین تشریف فرما تھے کہ خادم نے آکر عرض کی کہ فلان صندوق مین پانچ ہزار اشرفیان کم معلوم ہوتی ہین۔ آپ نے تھوڑا تامل فرمایا اور کہا الحمدللہ۔ اسکے کچھ دن بعد خادم نے التماس کیا کہ وہ اشرفیان جو گم ہوئی تھین اب مل گئین۔ آپ نے پھر تھوڑا تامل فرمایا اور کہا الحمدللہ۔ حاضرین نے عرض کیا کہ ان دونون موقعون پر الحمدللہ کہنے کے کیا معنے ہین آپ نے فرمایا کہ اہل اللہ کے نزدیک دنیا کا عدم و وجود برابر ہے نہ جانے سے انھین فکر ہوتی ہے اور نہ آنے سے خوشی۔ دونون محل شکرگزاری کے تھے۔ پھر اُن پانچہزار اشرفیون کو منگا کر اُسیوقت فقرا کو تقسیم کر دیا۔

آپ کی ہمت بے انتہا بلند تھی اور عجیب حالت تھی کہ معرض تحریر مین نہین آسکتی آپ بے اندازہ بخشش فرماتے۔ مجلس مین نہایت لطیف طعام خرچ ہوتا۔ جو مہمان آتا اسکے برابر بیٹھکر خود تناول طعام فرماتے اور ہر طرح اُسکی خاطرداری کرتے۔

حضرت سلطان المشائخ سے ایک نقل مروی ہے کہ عبداللہ نام ایک قوال تھا بغداد شریف سے آیا ہوا تھا حضرت گنج شکرؒ کی خدمت مین حاضر ہوا اور چندروز آپ کی خدمت مین رہکر عازم ملتان ہوا اور رخصت ہونے کیلیے حضرت گنج شکرؒ کی خدمت مین حاضر ہوا کہ فاتحہ خیر فرمائین کیونکہ ملتان کے راستے مین قطاع الطریق بہت تھے۔ حضرت

گنجشکر رح نے ارشاد فرمایا کہ یہان سے فلان حوض تک کہ ملتان کی سرحد ہے مجھ سے متعلق ہے انشاءاللہ تعالیٰ تیرا نگہبانی کرونگا۔ اس حوض سے ملتان کی سرحد ہے اور برادرم شیخ بہاءالدین کی عملداری ہے اُنسے مدد طلب کرنا۔ عبداللہ مذکور اس حوض تک سلامتی کے ساتھ پہونچا جیون ہی آگے قدم بڑھایا ایک طرف سے سوار تلوارین علم کیے ہوے نظر آئے۔ عین پریشانی مین اسے حضرت شیخ گنجشکر رح کا ارشاد مبارک یاد آیا اور حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی رح کی طرف اس نے توجہ کی سنے الفور سوار خود بخود متفرق ہو گئے اور عبداللہ قوال منزل بمنزل حضرت شیخ کی خدمت مین ملتان پہونچا۔ اُسوقت عبداللہ سرخ گلیم اوڑھے ہوے تھا شیخ نے فرمایا سرخ شیطان کا لباس ہے کیون پہنتا ہے۔ عبداللہ کے دل مین یہ خطرہ گزرا کہ خود حضرت شیخ کے پاس اس قدر نا محصور مال منال ہے اُسپر نظر نہین کرتے میری پُرانی گدڑی کو ٹوکتے ہین۔ شیخ نے فراست سے دریافت فرمایا کہ وہ دائرہ ادب سے قدم باہر رکھتا ہے فرمایا کہ اے عبداللہ ہوش مین آ۔ حوض کے کنارے زکریا کی کوشش سے چورون کے ہاتھ سے نجات پائی ورنہ تو تماشہ دیکھتا۔ عبداللہ نے شرمندہ ہوکر سر قدم پر رکھدیا اور اپنے فعل سے تائب ہوا۔

آپ سے اتنی کرامتین ظہور مین آئین کہ شمار مین نہیں آسکتین اور بکثرت خلفاے صاحب حال فیضان صحبت سے مراتب جلیلہ کو پہونچے۔ انہین سے ایک حضرت مخدوم جہانیان میر سید جلال بخاری رح کے دادا حضرت میر سید جلال سرخ بزرگ تھے جو بخارا سے آکر آپ کی خدمت مین رہے اور خرقہ خلافت واجازت حاصل کر کے اُوچ مین سکونت پذیر ہوے۔ انکے علاوہ آپکے خلفا مین حضرت شیخ فخر الدین عراقی رح۔ میر سید حسین رح صاحب نزہت الارواح اور حسن افغان رح تھے۔ حضرت حسن افغان رح کی شان مین حضرت شیخ بہاءالدین فرمایا کرتے تھے کہ اگر قیامت کے روز حقتعالیٰ مجھ سے سوال کریگا کہ زکریا ہماری درگاہ مین کیا لایا ہے تو مین عرض کرونگا کہ حسن افغان کو لایا ہون۔ یہ اُمی تھے اسقدر کہ حرف تک نہین پہچانتے تھے لیکن بقول صاحب مراۃ الاسرار "اما گویا بالوح محفوظ در آئینۂ دلش عکس انداختہ بود ہیچ علم او را مشکل نمی شد" پیر گانون قدس سرہ جنکا مزار اودھ مین ہے آپ ہی کے خلفا مین سے تھے اور حضرت شاہ عالم المشہور بہ پیر مٹیہ قدس سرہ جنکا مزار ٹھٹھہ مین ہے اور جو کشف وکرامات مین

اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے آپ ہی کے خلفا مین سے تھے اُنکے علاوہ میر سید عثمان المشہور لال شہباز قدس سرہٗ جنکا طریقہ ملامتیہ تھا آپ ہی کے خلفا مین سے تھے۔

حضرت سلطان المشائخ رح فرماتے ہین کہ آخر حیات مین حضرت شیخ بہاءالدین ذکریا ملتانی رح حجرہ مین برابر مشغول بحق رہتے تھے۔ ایک دن شیخ صدرالدین عارف آپکے صاحبزادے اور سجادہ نشین در حجرہ پر کھڑے تھے کہ ایک مرد نورانی ایک نامہ سربمہر ہاتھ مین لیے آیا اور شیخ صدرالدین عارف رح کے ہاتھ مین دیا اور کہا کہ حضرت شیخ کو جاکر دیدو۔ شیخ صدرالدین عارف کا رنگ یہ دیکھکر متغیر ہوگیا مجبوراً خط حضرت شیخ کے پاس لیگئے۔ جیون ہی حضرت شیخ بہاءالدین رح نے خط کو مطالعہ کیا جان بحق تسلیم ہوے اور حجرے کے ہر طرف سے آواز آنے لگے کہ دوست بدوست رسید۔ حضرت سلطان المشائخ سے منقول ہے کہ یہ چند بزرگ ایک دوسرے کے ہمعصر تھے اور ایکبارگی چند ہی دنون مین یکے بعد دیگرے سب نے انتقال فرمایا۔ اول شیخ سعدالدین حمویہ رح نے وفات فرمائی اسکے تین سال بعد شیخ سیف الدین باخرزی نے انتقال فرمایا۔ اسکے تین سال بعد حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی رح نے وصال فرمایا اسکے تین سال بعد حضرت فریدالدین گنجشکر رح نے رحلت فرمائی۔

حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی رح بن شیخ وجیہ الدین قریشی رح بمقام قلعہ کوٹ کرور ملتان سے متصل ۵۶۵ھ مین پیدا ہوے اور سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانہ مین بتاریخ ہفتم ماہ صفر ۶۶۶ھ سو سال کی عمر مین انتقال فرمایا اور ملتان مین مدفون ہوے آجتک آپ کا مزار مبارک زیارت گاہ خلائق ہے۔ اور حیات جاوید کا پتہ دیتا ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

و عبداللہ

دردِ دل

میں بھی جہاں میں ارشد تصویر رنج و غم ہوں
مرہون ناامیدی منت کش الم ہوں

مایوسیوں کے نقشے اور عالم تمنا
میرا دل حزیں ہے اور ماتم تمنا

اندوہگینیاں ہیں افسردگی دل ہے
حرماں نصیبیاں ہیں پژمردگی دل ہے

حسرت سے مٹ چکا ہے ارمان دل کے اندر
سب یاس کے بھرے ہیں سامان دل کے اندر

مایوسیوں میں میری پنہاں ہیں آرزوئیں
ناکامیابیوں پر قربان ہیں آرزوئیں

کوئی سکون دل کی اب آس ہی نہیں ہے
مجھ کو مسرتوں کا احساس ہی نہیں ہے

ناکامیاں سلامت ناشادیاں مبارک
ان نامرادیوں سے بربادیاں مبارک

میرے لیے نہیں ہے لطف بہار ہستی
داماں آرزو ہے اور خار زار ہستی

اس این و آں سے مجھکو کچھ واسطہ نہیں ہے
دنیا کی کوئی شے اب تسکین نما نہیں ہے

گو دلفریبیاں ہیں لطف آفرینیاں ہیں
محروم ذوق لیکن نظارہ چینیاں ہیں

لطف خلش نہیں ہے اب اس چمن میں مجھکو
ذوق تپش نہیں ہے اس انجمن میں مجھکو

میری حیات کا گل کاش اب چراغ ہوتا
ان کاہشوں سے حاصل مجھکو فراغ ہوتا

ممنون بے نشانی گر ہست و بود ہوتی
گمنامیوں سے ارشد میری نمود ہوتی

ارشد تھانوی

[illegible]

ماہیت شکر

(سلسلہ کے لیے الناظر نمبر ۳ ۲ بابت ماہ مئی ۱۹۱۱ء ملاحظہ ہو)

خدا کی نعمتوں کا نہ کسی سے انحصار ہوا ہے اور نہ کوئی کرسکتا ہے، ہم قدرت کے جس منظر کو بغور دیکھتے ہیں وہ بجائے خود ایک نعمت عظمیٰ ہے، مثلاً تمازت آفتاب ہمارے لیے بظاہر جانکاہ ہے لیکن اگر وہ دنیا سے معدوم ہو جائے تو ہماری زیست دشوار ہے، درختوں کا سرسبز ہونا بلبلوں کا چہچہانا، پھولوں کی خوشگوار مہک، الغرض ذلیل ترین اشیا بھی ہمارے لیے نعمت یزدانی ہیں صرف قلب منصف اور دیدۂ حقیقت بین درکار ہے۔

ہم چیونٹی، کھٹمل، مچھر وغیرہ کو تکلیف دہ اور ذلیل خیال کرتے ہیں لیکن اگر یہ نہوں تو اجزائے حیات میں خلل عظیم واقع ہو، مکھی سے ہوائے متعفن میں لطافت آتی ہے، کھٹمل خون فاسد پیتے ہیں، ان سے قطع نظر کریجیے شیخ سعدی نے فلسفیانہ طریق سے انفاس کو نعمت ثابت کرکے ہر نفس کے لیے شکر واجب کیا ہے وہ گلستان کے دیباچہ میں فرماتے ہیں۔

"منت خدائے را عزوجل کہ طاعتش موجب قربت است و بشکر اندرش مزید نعمت ہر نفسیکہ فرو میرود ممد حیات است و چون برمی آید مفرح ذات پس در ہر نفسی دو نعمت موجود است و بر ہر نعمتے شکرے واجب ؎

از دست و زبان کہ برآید | کز عہدۂ شکرش بدر آید"

حکیم قاآنی نے "پریشان" کی حمد لکھکر جنبش مژہ میں شکر واجب کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

"تو انا خدائے کہ ہیچو د آن بزم محبت گاہے مست قدرت او دیدہ گاہے مست رحمت او چہ ہر جنبش بے خود برہم زنند برہان قدرت اوست، و چون باز کنند دلیل رحمت او پس در جہان ہر نظرے دو شکر آورند و در ہر شکرے چندین ہزار شکر ؎

جنبش مژگان دلیل جنبش جانست | جنبش جان چیست پیک قدرت یزدان
ہر کہ بود ہش آگہی ز جذبۂ قدرت | آنکہ ندارد خبر ز جنبش مژگان

ہر نعمت را شکرے درخور ست و باز ہر شکر ش نعمتے پس شکر ہر نعمت نعمتے دیگرے دارد تا بحدیکہ در شکر ہر نعمتے ہزار نعمت شکر نہفتہ آید و ہنوز شکر نعمت نخستین ناگفتہ، و چون بچشم تامل و نگری ہر شکرے کفرانے ست و در ہر کفرانے غفرانے،،

گو چشم زدن نہ مفرح ذات ہے نہ ممد حیات جسکے لیے شکر واجب ہو۔ مگر ہان اس قدرت و صنعت الٰہی کا تماشا ہوتا ہی جسکے سبب سے شکر کو واجب ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ شکر منعم کے صلے کی عوض مین ہونا چاہیے لیکن یہ کہہ سکتے ہین کہ کسی تماشہ کے دیکھنے سے آنکھون کو سرور حاصل ہوتا ہے اور یہی آنکھون کا سرور مفرح ذات ہو سکتا ہی، اس کی مثال یون خیال کیجئے کہ ہم کسی دلچسپ منظر دیکھنے کے محض اسلیئے مشتاق ہوتے ہیں کہ طبیعت خوش اور دل کو مسرت ہو اسی کا نام تفریح ذات ہی۔

علماء کے نزدیک حمد اور شکر مین فرق ہی۔ وہ کہتے ہین کہ حمد تہلیل و تسبیح کی قسم سے ہی اور حمد کی معنی ہین کہ کسی شخص کی بلحاظ تعظیم و تکریم تعریف کیجانے خواہ کسی نعمت کے مقابلہ مین۔

علمانے ملامت کو حمد کا مقابل ٹھہرایا ہی اور ملامت صرف زبان ہی سے کیجاتی ہی لیکن شکر اوس فعل کا نام ہے جو نعمت کے مقابلہ مین ہو اور اُس سے منعم کی تعظیم سمجھی جائے اسکا مقابل کفران نعمت ہی اور کفران نعمت کا انحصار صرف زبان پر نہین بلکہ اُسکی مختصر تعریف یہ ہی کہ کوئی شئے غیر مصرف مین صرف کیجائے، مثلاً آنکھ کا شکر قرآن شریف دیکھنا یا زیارت حرمین وغیرہ ہے، کفران نعمت یہ ہی کہ آنکھوں سے ایسی چیز کا نظارہ کرے جو حدود شرع کے خلاف ہی جیسے کسی غیر محرم پر نگاہ ڈالنا وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح شکر کیلئے بھی کوئی عضو مخصوص نہیں۔

حمد باعتبار مورد (جس سے حمد کیجائے) شکر سے خاص اور شکر بلحاظ تعلق (یہ کہ شکر مقابلۂ نعمت ادا ہوتا ہی) حمد سے خاص ہی اور امام ابو علی فارمدی نے تو حمد کو جمیل اختیاری کے ساتھ مختص کر دیا ہی۔ شکر کی تعریف کا مسئلہ مختلف فیہ ہے ایک وہ تعریف ہے جو عامہ اہل علم نے

کی اور اوپر مذکور ہوئی، دوسری تعریف ابن عباسؓ نے کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ علانیہ اور پوشیدہ ہر حال میں ہر عضو سے خدا کی اطاعت کرنیکا نام شکر ہے۔

مشائخ نقشبندیہ کا ایک فریق کہتا ہے کہ ظاہر و باطن میں اطاعت کرنے کو شکر کہتے ہیں اعضا اور جوارح کی کوئی قید نہیں ہے بعض مشائخ کا قول ہے کہ گناہوں سے بچنے اور حدود شرع کی حفاظت کرنیکا نام شکر ہے۔

نعمت کے مقابلہ میں وجوب شکر پر سب کا اتفاق ہے لیکن اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جب کسی شخص پر مصیبتیں نازل ہوں تو اُسوقت بھی اپنے منعم حقیقی کا شکر لازم ہے یا نہیں بعض علما کی رائے ہے کہ شکر واجب نہیں بلکہ صبر درکار ہے اسلئے کہ شکر کی تعریف یہ ہے کہ کسی نعمت کے معاوضہ میں ہو اور یہاں برعکس اُسکے مصائب کا نزول ہے اور جب نعمت اور مصیبت دو متضاد چیزیں ہیں تو مصیبت کے مقابلہ میں شکر بےموقع ہے لیکن چونکہ رونے چلّانے اور گھبرانے کی اسلام میں ممانعت ہے لہذا شارع علیہ السلام نے صبر کی تلقین فرمائی ہے۔ اور جو لوگ اس حالت میں بھی شکر کو واجب قرار دیتے ہیں اُنکے نزدیک وجوب شکر کی یہ دلیل ہے کہ مصائب ممکنات سے ہیں اور ہر ممکن فانی ہے لہذا مصائب بھی ہمیشہ باقی رہنے والے نہیں ہیں، اور جب مصائب مٹ جائینگے تو نعمتوں کا نزول شروع ہوگا اور جو شکر حالت مصائب میں کیا گیا ہے وہ ان نعمتوں کا قبل از وقت معاوضہ سمجھا جائیگا، کیونکہ مصائب کیحالت میں بھی انسان کو نعمتوں کی خدائیتعالی سے امید ہوتی ہے، پس شکر کیلئے اسوقت کوئی امر مانع نہیں رہا۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں جب میں کسی بلا میں گرفتار ہوتا ہوں تو اسوقت خدائیتعالے کی مجھپر چار نعمتیں ہوتی ہیں۔

(۱) یہ بلا میرے دین میں مخل نہیں ہوتی،

(۲) اس بلاسے بڑھکر میں اور کسی مصیبت کو نہیں سمجھتا،

(۳) میں اس حالت میں خدا کی رضا کو نہیں چھوڑتا ہوں،

(۴) مجھے اس بلا کے عوض میں ثواب کی امید ہوتی ہے،

امت محمدیہ کے بعض روحانی طبیب یعنی علمائے ربانی فرماتے ہیں کہ "مصائب میں بھی شکر ضروری ہے اسلئے کہ اسکا نعم البدل ضرور ملتا ہے خواہ دنیا میں ملے یا آخرت میں، اگر یہاں ملا تو نعمت الٰہی کہتے ہیں اور وہاں ملا تو ثواب اور عفو گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور آخرت کا ثواب دنیا کی بہترین نعمتوں سے زیادہ بہتر ہے" وہ اسکی یہ تمثیل پیش کرتے ہیں کہ جنکو خدا نے چشم بینا اور دیدۂ انصاف عطا کئے ہیں انکی نگاہوں نے ناواقفیت کے پردے کو چاک کر ڈالا ہے اور ماہیت اشیاء کے نظارے سے لطف اُٹھا رہے ہیں، مثلاً ڈاکٹر آلات جراحی، اور تلخ ترین ادویہ مریض کو اس اُمید پر استعمال کراتا ہے کہ یہ سیدھا عمل جراحی یہ سیدھا علاج صحت نفس بحالی جسم کی طرف متعدی ہوگا، اور مریض بھی اسی امید موہوم پر ان سخت ترین تکالیف کا متحمل ہوتا ہے کہ جلد تر اپنے امراض سے نجات حاصل کرے اور تندرستی کی نعمت سے فیض پائے، اور یہ بات صحیح طور پر تجربے سے ثابت ہو چکی ہے کہ کڑوی دوائیں، عمل جراحی وغیرہ باوجود تکلیف دہ ہونے کے حقیقت میں جدا جدا نعمتیں ہیں، گو انکی صورت مکروہ ہے مگر پھر بھی حکیم اور ڈاکٹر کی خاطر و مدارات کا کوئی دقیقہ نہیں اُٹھایا جاتا، یہی کیفیت ہر تکلیف کی ہے کہ اسکے پیچھے راحت لگی ہوئی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات تکالیف میں بھی اسیطرح شکر کرتے تھے جس طرح کہ آپ ہر کامیابی اور آرام کی حالت میں حمد و شکر کے عادی تھے چنانچہ سند میں آیا ہے "الحمد للہ علی ما ساء و سرا"

انسان گو کتنا ہی فہیم ہو جائے اور دنیائے عقل کا آفتاب بنکر چمکنے لگے لیکن وہ قدرت

کی رنگارنگ صناعیوں کی ماہیت کے ادراک کرنے سے عاجز ہے ، جن اشیا کو انسان مضر اور نقصان دہ خیال کرتا ہو بسا اوقات وہی اشیا اُسکے لیے کارآمد اور مفید ثابت ہوتی ہیں ، عسیٰ ان تکرہوا شیئًا ویجعل اللہ فیہ خیرًا کثیرًا ، جن اشیا میں یدقدرت نے خیر کا رنگ بھرا انسانی طاقت سے باہر ہو کہ کچھ اُنکا اکتشاف کرسکے ، بطریق تمثیل غور کیجئے مقتضاے طبع انسانی کے موافق اشتہا نفس اور تحصیل تلذذ بذاتہ نعمت کہی جاتی ہیں لیکن انھیں مدارج خیر سے کوئی تعلق نہیں ، بلکہ نعمت غیروہ نعمت ہو جس سے حصول درجات عالیہ اور اُسکی ترقی کی امید وابستہ ہو ، جب یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ تکالیف رفع درجات کا ذریعہ ہیں تو میرے خیال میں تکالیف پر اس وجہ اطلاق نعمت سے کوئی قباحت متصور نہیں ہوتی ، گو بادی النظر میں ہم یہ کہدیں کہ تکالیف اور رفع درجات دو جدا جدا چیزیں ہیں اور اُنمیں کسی قسم کا لگاؤ نہیں لیکن فہم سلیم کے نزدیک آفتاب خاک ڈالنے سے غبار آلود نہیں ہوتا۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ صبر و شکر دونوں کا مصداق ایک ہو یا نہیں ، یہ غور طلب مسئلہ ہے جو لوگ شکر کو صبر سے افضل کہتے ہیں وہ بطریق استدلال آیت شریف وقلیلٌ من عبادی الشکور کو پیش کرتے ہوے کہتے ہیں کہ آیت کے الفاظ ظاہری اور سیاق کلام ہمارے دعوے کے مؤید ہیں ، اس سے بھی قطع نظر کر لیجئے تو بھی ہمارا مدعا ثابت ہوے بغیر نہیں رہ سکتا ، کیونکہ خاص عام کی نسبت کم ہوتا ہو اور عام میں جس قدر سواد تخصیص زیادہ ہوتا جاتا ہے اسکی خصوصیت بڑھتی جاتی ہو آیت شریف میں عباد کا مفہوم عام جس طرح اہل اسلام پر اسکا اطلاق ممکن ہو اُسی طرح ہم مشرک اور کافر کو بھی کہہ سکتے ہیں ، اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو قصۂ داؤد علیہ السلام میں ذکر کیا ہو اور عباد کی اضافت یاے متکلم کی جانب کرکے اس مسئلہ کو اور بھی واضح کردیا کہ عباد سے

سلہ جس چیز کو کرہ جانتے ہو تم عنقریب اللہ اسمیں بہت بھلائی کریگا ۔ سلہ فکر گزار بندے بہت ہی کم ہیں

اس مقام پر کوئی مقصود نہیں، اسکے علاوہ حضرت نوح علیہ السلام کے تعصین ؎۱ انہ کان عبداً شکورا اور ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ میں ؎۲ شاکراً لانعمہ" وارد ہوا ہے، اور یہ جملے انکو سراہنے کے لئے کافی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بنازل انعام و عافیت میں رہکر شکر کرنا اس سے افضل ہے کہ گرفتار مصیبت ہوکر صبر کیا جائے۔

جو لوگ صبر کو بہتر خیال کرتے ہیں انکو عذر ہے کہ جب صبر تکلیف کے مقابلہ میں شکل اور دشوار ہے اس لئے بلحاظ شدت مصائب صابروں کو اجر عظیم بھی دیا جاتا ہے، شاکر کا شکر ایک نعمت عظمیٰ کے مقابلہ میں ہوتا ہے بخلاف صابر کے جسے مصائب اور مشکلات سے رہائی نہیں ہوتی اور یہ سب بظاہر ایسی صفات ہیں جن سے طبعاً انسان نفرت کرتا ہے۔ یہ دلائل وہ تھے جو عقلی طور پر پیش کئے جاتے ہیں، نقلی دلائل کی زمرہ میں ترجمان صبر کہتے ہیں کہ کلام ربانی میں مذکور ہے ؎۳ "انا وجدنٰہ صابراً نعم العبد" اور "وانما یوفی الصابرون اجرہم بغیر حساب" یعنی صابرین کو بے حساب اجر عطا کیا جائیگا۔

امام حجۃ الاسلام نے صبر و شکر کی تمیز دور کر دی، انھوں نے منہاج العابدین میں اس کی تعریف کی ہے، امام عالیمقام کی رائے اس امر میں نہایت عمدہ ہے، غور کیجئے جب شکر کی تعریف میں یہ امر ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ منعم کا حق تعظیم اس طرح ادا کیا جائے جو شائبۂ کفران نعمت سے بھی پاک ہو، اور دوسرے الفاظ میں دنیا کا دوسرا نام دار المحنۃ ہے پس شاکر بھی ہاسے دنیوی سے محفوظ نہیں رہ سکتا اور چونکہ تکالیف بھی بجائے خود نعمت یا نعمت کی مقدمۃ الجیش ہیں اور ان کا بھی شکر واجب ہے لہذا شاکر بھی بفحوائے تعریف شکر جزع و فزع نہیں کرسکتا ناچار صبر

؎۱ نوح علیہ السلام شکرگزار بندے تھے ؎۲ ابراہیم علیہ السلام خدا کی نعمتوں کا شکر کرتے تھے

؎۳ ہم نے انکو صابر پایا، کیسے اچھے بندے ہیں۔

اختیار کرے گا۔ اسکو تفصیل کے ساتھ یوں سمجھئے کہ آدمی دنیا میں رہ کر دنیا کے مصائب سے کسی طرح نہیں محفوظ رہ سکتا اور چونکہ شکر کی تعریف میں تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اسے شائبۂ کفر سے بھی منزہ ہونا چاہئے، اور جب شکر ایک شخص پر واجب ہونے کی وجہ سے کوئی جزو فراغ کرنے میں مستثنیٰ نہیں ہو سکتا ہے، پس ناچار صبر کرے گا اور چونکہ گذشتہ تحقیق میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مشقت بھی بجائے خود نعمت ہے الغرض جب کوئی مصیبت میں گرفتار ہو کر صبر کرے گا تو گویا وہ صبر بعینہٖ شکر ہے اس لئے کہ اُس گرفتار الم نے خدا کی تعظیم کی وجہ سے عنانِ استقلال کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا پس معلوم ہوا کہ صبر بعینہٖ شکر ہے اور جب شاکر اپنے نفس کو کفران نعمت سے باز رکھتا ہے تو گویا معاصی سے اجتناب اور نفس کو شکر کا خوگر بنانے کی کوشش کرتا ہے، جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ شخص صابر ہے کیونکہ صابر کو خواہ وہ کیسی ہی تکلیف دہ مصیبت میں گرفتار ہو اللہ کی عظمت کبھی اجازت نہیں دیتی کہ حرف شکایت زبان پر لائے بلکہ بقول[1] "لاتقنطوا من رحمۃ اللہ" خدا کے انعام سے کبھی مایوس نہیں رہتا، بلکہ ہر حال میں خدا کا شکر اُسکی وردِ زبان رہتا ہے، پس جو شخص ابھی ابھی صابر ثابت ہو چکا ہے شاکر بھی ثابت ہوا۔

اب ناظرین خود فیصلہ کریں گے کہ امام عارف باللہ امام احمد غزالیؒ کی دلیل دونوں فریق کے مقابلہ میں کیا وقعت رکھتی ہے۔

راقم سید ابوالحسن، الہ آبادی۔

[illegible]

[1] خدا کی رحمت سے نا امید نہو۔

کھلونہ

پراسرار سوسائٹیون کے ہتکنڈے ایک عورت کی دانائی

عظیم الشان شہر سینٹ پیٹرسبرگ کے ہر گلی کوچے مین آجکل ایک رقاصہ کے حسن و خوبی اور کمال موسیقی کی شہرت ہو رہی ہے جسکی زبان سے سُنیے یہی چرچے ہین جس اخبار کو دیکھیے اُسی کی تعریفون سے لبریز ہے۔ جس مجمع مین جائیے اُسی کے تذکرے ہو رہے ہین۔ اس پر جمال رقاصہ کا نام لالی ٹا ہے جو ملک اسپین کی رہنے والی اور اُس خوبصورت قوم کی یادگار ہے جو گاتھ کے نام سے مشہور تھی اور شمال یورپ سے آکر اسپین مین آباد ہوئی تھی اسکا سن بمشکل سے ۲۰ یا ۲۲ سال کا ہوگا صحت و توانائی کے ساتھ شباب کا زمانہ ہے اور رعنائی ادا حسن و جمال پر ملک اسپین کی آب و ہوا نے رنگ رخسار کو گلنار بنا دیا ہے مملکت روس کے اکثر امرا و رؤسا نے بہت چاہا کہ یہ نوخیز رقاصہ ہمیشہ کے لیے وہین کا قیام منظور کرلے اور امیرانہ تزک و احتشام سے کسی ریاست کی ملکہ بن بیٹھے لیکن اسنے اپنی آزادانہ روش اور اپنے ہنر و کمال کی شہرت کے آگے اُن پرستانی ملکون کی اقامت اور دولت و ثروت پر ذرا بھی اعتنا نہ کی۔

ایکدفعہ ایوان شاہی مین بڑی دھوم دھام کی دعوت تھی اور محفل رقص و سرود آراستہ ہوئی جسمین لالی ٹا کی رقص کو دیکھ دیکھکر حضار محفل تحسین و آفرین کے نعرے بلند کر رہے تھے اور ہر طرف سے بے اختیار واہ واہ کی صدائین آرہی تھین۔ دستور کے موافق ہزارون قسم کے گلدستے اور پھولون کے ہار تحفہ مین پیش کیے جا رہے تھے ان تحفون مین لالی ٹا نے ایک گلدستہ بہت ہی پسند کیا اور بڑے شوق سے ہاتھ مین لیے ہوے علیحدہ کمرے مین چلی آئی۔ محفل رقص برخاست ہوچکی تھی اور وہ اپنے کمرے مین آکے خادمۂ خاص سے اس طرح مخاطب ہوئی۔

لالی ٹا — ذرا اس گلدستے کو تو دیکھو اسکی بندش کیسی عجیب و غریب صنعت کا نمونہ ہے اور اسکی شوخ رنگ پھولون کی مہک سے دماغ کیسا معطر ہوا جاتا ہے۔

خادمہ۔ حضور اسے پھینک بھی دیجیے آپ دیر سے ہاتھ مین لیے ہوے ہین اور مجھے خوف آتا ہے کہ ہو نہو اسمین کوئی اسرار ضرور ہے بھلا ایسے نایاب پھولون کا اور ایسا لطیف و خوشنما گلدستہ تیار کرنا کسی انسان سے کب ہو سکتا ہے اور یہ بھی نہین معلوم ہوتا کہ آخر کس کی

طرف سے آیا ہے مین تو یہی سمجھی تھی کہ آپ چلے لیے پرستان سے بن کے آیا ہوگا۔

لالی ٹا۔ خیر یہ تو تمھاری ضعیف الاعتقادی ہے لیکن یہ گلدستہ ہے بہت پسندیدہ اور اس بات کا بھی بیحد تعجب ہے کہ آخر اسکی پیش کرنے والا کون ہے جو اپنا نام و نشان ظاہر نہین کرنا چاہتا ورنہ اوباش اپنی تحفون کے لیے تو لوگ آتے ہین اور اپنے تحائف کا شکریہ چاہتے ہین۔۔۔۔ آہین یہ تو کچھ اس مین ایک پرزہ کاغذ کا بھی نظر آرہا ہے۔ (کسی قدر خوف زدہ ہو کر) لالی ٹا نے اس کاغذ کے پرزے کو کھینچا تو اسکے ساتھ بیش بہا لعل کا ایک ٹکڑا نکل آیا۔ اور اس کاغذ فقط اتنا لکھا تھا "ایک ناچیز عاشق کی طرف سے یہ تحفہ لعل کا ٹکڑا لطف نازنین کی زینت کے لائق ہے"

لالی ٹا۔ (متحیر ہو کر) یہ طرفہ تماشہ ہے کہ ایسا بیش قیمت تحفہ اور یہ نہین کھلتا کہ آخر عطیہ کسکا ہے کئی بار ایسا ہوا کہ رقص و سرود کے جلسون مین اسی قسم کے تحائف متواتر ملتے رہے کبھی لکھا ہوتا تھا کہ "ایک ناچیز تحفہ لعل کا ٹکڑا زیب گلو کیا جائے تو اچھا ہے" کسی مرتبہ لکھا ہوا ملا کہ "یہ لعل سینہ سے لگا رہے تو خوب ہے"۔ لیکن اس قسم کے بیش قیمت اور نایاب تحفے بھیجنے والے کا پتہ نہین چلتا تھا۔ آخر ایکدن سفارت خانہ فرانس مین جلسۂ رقص کا بڑا اہتمام تھا اور ضروری تھا کہ اس جلسہ مین یہ شہرۂ آفاق رقاصہ بھی مدعو کیجائے۔ اس روز لالی ٹا نے اپنے دل مین یہ قصد کر لیا تھا کہ جس طرح بنے گا آج اپنے غائبانہ عنایت فرما کا پتہ لگا لیا جائے گا جسنے کئی بار ایسے قیمتی لعل پوشیدہ طور پر تحفہ مین دیے ہین۔ یہ سوچکر وقت معینہ سے کچھ دیر پہلے ہی سے ایوان سفارت مین جا پہونچی اور ادہر ادہر ٹہلنے کے بعد وہ بیرونی برامدے مین ایک صوفہ[1] پر آکے بیٹھ گئی۔ جلسہ شروع ہونے مین ذرا دیر تھی۔ اتفاقاً لالی ٹا کی نظر ایک شخص پر پڑی جو کچھ دور آگے ایک ستون سے ملا کھڑا تھا۔ جسکا حلیہ حسب ذیل تھا۔ پستہ قد، رنگ رخسار زردی مائل آنکھین چھوٹی چھوٹی مگر تیز نظر اور چہرے پر داڑھی بکرے کے جھونج کی طرح نمایان۔ لالی ٹا اُسکی طرف دیکھ رہی تھی کہ ادہر سے کمشنر پولیس آتے ہوے نظر آئے۔ ان دونون صاحبون مین کچھ باتین ہوئین اور کمشنر پولیس ان صاحب کو ساتھ لیے ہوے آگے بڑھے۔

کمشنر پولیس۔ مس لالی ٹا مین آپ سے موسیو پالسکی کا تعارف کراتا ہون۔ یہ اکثر دور و دراز ملکون مین

---

[1] صوفہ ایک قسم کا کوچ۔

پھرتے رہتے ہیں ابھی حال میں برہاکی کا تماشہ لعل ویاقوت میں کام کرتے تھے جنگل پہاڑ شفق دیوار میں یہاں بھی آئے ہوئے ہیں

لالی ٹانے مسکرا کے ذرا گردن جھکائی اور دونوں صاحبوں سے ہاتھ ملائے۔ کمشنر پولیس اور کسی طرف چلے گئے۔ رقاصہ اور موسیو پالنسکی مین باتیں ہونے لگیں۔

موسیو پالنسکی۔ آج اس سادہ لباس پر صرف یاقوت کے زیورات کسقدر موزون معلوم ہو رہے ہیں لیکن غالباً آپ کو یہ فکر ہوگی کہ یہ لعل کہاں سے آئے ہیں۔

لالی ٹا۔ میں سمجھ گئی کہ آپ نے بھیجے ہیں مگر ان تحائف کے بھیجنے کی غرض و غایت مجھے ابتک نہیں معلوم ہوئی

موسیو پالنسکی۔ کیا آپ میری طرف سے اپنی محبت کے ثبوت میں ان حقیر تحائف کو نہ قبول کرینگی۔

لالی ٹا۔ پہلی ہی ملاقات اور اظہار عشق۔ کیا خوب معاف کیجیئے گا میں اسطرح کے تحفے کبھی قبول نہیں کرتی ہوں۔ یہ کہکے لالی ٹانے وہ سب زیورات واپس دیدیے۔

موسیو پالنسکی۔ یہ پہلی ملاقات نہیں ہے بلکہ مختلف ملکوں میں میں آپ کے ساتھ مخفی طور پر گھومتا رہا ہوں مگر آپ کو علم بھی نہ ہو سکا۔ اب میں اپنی زبان سے کچھ کہہ نہیں سکتا لیکن اجازت ہو تو کل دوبارہ حاضر ہو کر اپنی دیرینہ نیازمندی کا ایک اور ثبوت خاموشی کے ساتھ پیش کروں۔

اس گفتگو کے بعد محفل رقص و سرود شروع ہو گئی اور تھوڑی دیر کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔ دوسرے روز لالی ٹا اپنے مکان میں بیٹھی ہوئی اپنی خادمہ سے کہہ رہی تھی۔

لالی ٹا۔ مجھے خوامخواہ اس ہیرے کے دیکھنے کا شوق ہے جسکے پیش کرنے کا وعدہ ہوا ہے شاید اسکے آنے کا وقت قریب ہے۔

خادمہ۔ حضور میں کیا کہوں یا تو دوبارہ ملاقات کے لیے محض بہانہ ہے یا پھر وہی میرا خیال کہ ہو نہ ہو ان باتوں میں کچھ اسرار ضرور ہے۔

لالی ٹا۔ خیر دیکھنا تو چاہیے۔

اس عرصہ میں کسی کے باہر آنے کی اطلاع ہوئی اور لالی ٹاکو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا کیونکہ جو شخص کمرے میں داخل ہوا وہ پالنسکی ہی تھا۔ اسنے آتے ہی معمولی ادائے سلام کے بعد اپنے ساتھ کے ایک چھوٹے سے چرمی بیگ سے چند متفرق چیزیں نکالیں

اور ایک میز پر اُن سب چیزون کو توڑ جوڑ کے رکھدیا دفعتہً اُس میز پر ایک خوبصورت پُتلی ناچتی ہوئی نظر آنے لگی - لالی ٹا اور اسکی خادمہ حیرت سے دیکھ رہی تھی آخر لالی ٹا نے کہا "یہ عجیب و غریب کھلونہ ہے معلوم نہین موسیو پالٹسکی آپ نے کہان سے بنوایا - پتلی شکل و شباہت مین تو بالکل میری ہی تصویر معلوم ہوتی ہے"

موسیو پالٹسکی - "دو سال سے آپ ہی کا تصور رہتا تھا اسکا یہ نتیجہ ہے کہ مین نے خود مہینون کی محنت جانفشانی سے یہ کھلونہ تیار کیا ہے - آپ نے میرے جواہرات واپس کر دیے لیکن آپ اس کھلونے کو اگر میری نشانی کے طور پر اپنے پاس رہنے دیجیے تو مین اسی کو اپنی دیرینہ محبت والفت کا صلہ سمجھونگا اور بس -

لالی ٹا نے اسکی یہ درخواست منظور کر لی اور موسیو پالٹسکی شکریہ ادا کر کے رخصت ہوے

لالی ٹا جب کسی جلسہ مین جاتی اس کھلونے کو بھی ساتھ لیجاتی تھی اور اکثر احباب اسکو دیکھ کر نہایت محظوظ ہوتے تھے - رفتہ رفتہ شہر بھر مین اس نادر الوجود کھلونے کی بھی شہرت ہو گئی اور جا بجا بڑے بڑے جلسون مین لالی ٹا کے ساتھ یہ کھلونہ بھی ضرور طلب کیا جاتا تھا - اخبارون مین لالی ٹا کے مشابہ کھلونے کے حالات اور تصویرین بکثرت شائع ہونے لگین یہانتک کہ ایک روز نیم سرکاری اخبار مین یہ خبر شائع ہوئی کہ "آیندہ شنبہ کے روز ایوان شاہی مین ایک جلسۂ رقص و سرود قرار پایا ہے - ہز امپیریل میجسٹی زار و زارینہ نے مع خاندان شاہی کے اس جلسہ مین لالی ٹا کے رقص اور اسکے مشہور کھلونے کا معائنہ فرمانا منظور کیا ہے" لالی ٹا نے ایکہفتہ پیشتر سے اس جلسہ مین جانے کی تیاریان شروع کر دی تھین اور تمام شہر مین اس جشن کے متعلق سرگرمی سے انتظامات ہو رہے تھے اتفاق سے انعقاد جشن کے صرف ایکروز پیشتر لوکل اخبارون مین لالی ٹا کے مکان سے قیمتی جواہر و لباس کے چوری جانے کی خبر گشت کرنے لگی پولیس پتہ لگانے مین مصروف ہے مگر ہنوز سراغ نہین ملتا -

شنبہ کے روز صبح کا وقت ہے لالی ٹا اپنے مکان مین اُداس بیٹھی ہے دفعتہً موسیو پالٹسکی ملاقات کے لیے آئے اور یون گفتگو ہونے لگی "مس لالی ٹا - مجھے اس وقت

آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی صرف دو وجوہ سے جرأت ہوئی ہے - ایک تو قیمتی زیور وغیرہ کے کھو جانے پر اظہار افسوس اور دوسرے مجھے یہ بھی فکر ہے کہ میری اُس نشانی کا گم ہو جانا میرے حق بدرجہ بدقسمتی کا باعث ہوگا کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ کھلونہ بھی چوری گیا جسکو مین نے بڑی محنت سے تیار کیا ہے -

لالی طا - مین آپ کی ہمدردی کا شکریہ ادا کرتی ہون - وہ کھلونہ گم تو نہین ہوا مگر اسکی وجہ سے مین اور زیادہ پریشان ہو رہی ہون - آج ہی شب کو مجھے حکم ہے کہ وہ کھلونہ ایوان شاہی مین دکھایا جائے مگر مین نے دیکھا تو چورون نے اس پتلی کو شکستہ کر دیا ہے - آپ کی بڑی مہربانی ہوگی اگر اسکے کل پرزے اسطرح درست کر دیجیے کہ وہ بخوبی ناچ سکے ورنہ مجھے عتاب شاہی کا خوف ہو گیا ہے - لیجیے یہ کھلونہ حاضر ہے - یہ کہکے وہ دوسرے کمرے سے وہی ٹوٹا ہوا کھلونہ لے آئی -

موسیو پالشکی - ہائے افسوس اسکے ایک ایک پرزے کو مین نے کس دقت سے بنایا تھا جب جاکے مدتون مین یہ مکمل ہو سکا مگر مین دیکھتا ہون کہ اسمین صرف ایک پرزہ ٹوٹ گیا ہے جسکے لئے ایک ہفتہ کی مہلت چاہتا ہون اسلیے کہ اب میرے پاس وہ سب اوزار بھی نہین رہے ہین -

لالی طا - مین بمنت عرض کرتی ہون کہ جسطرح ممکن ہو آج ہی شب تک اسکو درست کر دیجیے -

موسیو پالشکی - آپ کی خاطر سے مین کوشش تو کرون گا مگر کامیابی مشکل معلوم ہوتی ہے -

موسیو پالشکی وہ کھلونہ لیکے چلا گیا اور رقاصہ شام تک مختلف خیالات مین ڈوبی ہوئی اسکا انتظار کرتی رہی - شام کے ۷ بج چکے ہین اور جلسہ مین جانے کے اب صرف چند گھنٹہ باقی رہ گئے اس عرصہ مین موسیو پالشکی وہ کھلونہ لیے ہوے آئے مگر کسیقدر افسوس کے لہجہ مین کہنے لگے " مس لالی طا مین نے بہزار دقت اسکو درست تو کر دیا ہے مگر مین مجبور ہون کہ اسوقت یہ درستی بالکل عارضی سی ہے آپ اسکو آج کی رات ایوان شاہی مین لیجا سکتی ہین مگر مین کل ہی سے اسکو مکمل بنانا شروع کرون گا -

لالی طا - مین بہت شکرگزار ہوئی لائیے اس کھلونہ کو چلا کے دیکھ بھی لون -

موسیو پالشکی - نہین نہین - ہرگز یہ ارادہ نہ کیجیے گا ورنہ اندیشہ ہے کہ ایک ہی بار چلنے کے بعد یہ پھر

نہ ہو جائے ۔ [illegible] کہ مین نے صرف اسوقت کے لیے درست کر دیا ہے اگر تو پھر تبدیل ہو گیا تو خود اور ہوش غافل ہو گی مگر مجھے اطمینان ہے اور آپ یقین کر لیجیے کہ اسکا تماشا در بار عالی مین [illegible] کامیابی کے ساتھ آپ ضرور ہی دکھا سکینگی۔

لالی ٹا۔ [illegible] آپ ذرا تشریف رکھیے مین ابھی آتی ہون - یہ کہکے وہ کھلونہ لیے ہوے دوسرے کمرے مین چلی گئی اور فوراً ٹیلیفون کے ذریعے سے کمشنر پولیس سے یہ الفاظ کہے "آپ مع ایک دستہ فوج کے میرے مکان پر اسیوقت آجائیے اور جو شخص مکان سے باہر نکلے فوراً گرفتار کر لیا جائے" جواب مین یہ الفاظ تھے "مین آپ کے حسب الحکم جلد آتا ہون اور آپ کے بیان کی چوری کا سراغ ملجائے تو مین نہایت خوش ہونگا" یہ جواب سنکے لالی ٹا ملاقات کے کمرے مین چلی آئی۔

لالی ٹا۔ (موسیو بالشکی سے مخاطب ہوکر) معاف کیجیے مین نے آپ کے ارشاد کی تعمیل نہین کی مگر مین شکر گزار ہون کہ وہ پتلی بخوبی ناچ رہی ہے۔ مین ابھی دوسرے کمرے مین اسکا امتحان کر آئی ہون۔

موسیو بالشکی۔ آمین یہ تم نے کیا غضب کیا اور یہ کہتا ہوا بدحواس ہوکر مکان سے باہر نکلا ہی تھا کہ مسلح پولیس نے فوراً گرفتار کر لیا۔

کمشنر پولیس۔ (تعجب سے) میرے دوست موسیو بالشکی تم کہاں ہو کچھ جواب نہین ملا تھا کہ اتنے مین لالی ٹا خود باہر آگئی اور کمشنر پولیس سے مخاطب ہوکر کہنے لگی۔

لالی ٹا۔ موسیو بالشکی نے مجھے یہ کھلونہ دیا تھا جو آج ایوان شاہی مین دکھایا جاتا مگر مجھکو شک ہے کہ اس کھلونے مین کوئی خوفناک آتشی مصالحہ بھرا ہوا ہے۔ اگر میرا شک صحیح ہے تو بالشکی مجرم ہے ورنہ مین معافی کی طالب ہونگی۔

حسب حکم کمشنر پولیس وہ کھلونہ فوراً دار الحکمت مین تحقیقات کے لیے بھیجدیا گیا اور بالشکی زیر حراست کر لیا گیا۔

دوسرے روز صبح کو لالی ٹا سے اُسکے مکان مین کمشنر پولیس یہ گفتگو کر رہے تھے۔

کمشنر پولیس۔ مین آپ کو مبارکباد دیتا ہون کہ آپ کا گمان صحیح نکلا اور تحقیقات سے معلوم ہوا کہ

اس کھلونے میں واقعی ایسا تباہ کن مصالحہ بھرا ہوا تھا کہ [illegible]
عورتوں کو فانک وسیاہ چادر پہنکے پہنکا لی تھا۔ [illegible]
بلکی [illegible] غلط درحقیقت اس واقعہ سے آپ کے بہت [illegible]
واقعہ کے متعلق مفصل یادداشت ایوان شاہی میں پیش کردی ہے اور شہنشاہ کی خوشنودی
آپ کو عنقریب حاصل ہوگی۔ مگر معاف کیجیے گا میں اس رپورٹ میں [illegible] لی گیا کہ
پالشکی سے آپ کی ملاقات کا باعث میں خود تھا۔

لالی پاشا۔ میں آپ کی عنایت کا شکریہ ادا کرتی ہوں [illegible] مگر کیا یہ صحیح ہے کہ اس شخص سے
میری ملاقات کا ذریعہ آپ ہی تھے؟

نوجوان کمشنر پولیس کے ذی وجاہت چہرے پر [illegible] ہوئے اور
آہستہ سے کہا "ماشا اللہ سے خوبصورتی اور رعنائی کے ساتھ ہی آپ کی ذہانت و
ظرافت بھی لاجواب ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آج سے مجھے اپنا [illegible] تصور کیجیے"

ق۔ک (ترجمہ)

فاعتبروا یا اولی الابصار

وہ دن گئے کہ اپنا اقبال تاجِ سر تھا
تھی ہمطریق دولت ہمدوش کروفر تھا

منزل پہ جا رہے ہیں نزدیک و دُور والے
وہ قافلہ ہے پیچھے جو سب کا راہبر تھا

گُم ہوگیا ہی رستہ یعنی کہ غبارِ رہ میں
وہ راہ زیرِ پا ہے جسکا کہ اک خطر تھا

یہ انقلابِ عالم رکھتا ہے کیا تماشے
وہ خاک پر قدم ہے جو پہلے تخت پر تھا

سلہ اسکے لفظی معنی غداری پھیلانے والے کے ہیں یورپ کے ارتقاء عقلی نے ایک گروہ ایسا پیدا کردیا ہے جسکا مقصد [illegible]

سسلی لب سمندر لہروں سے کہہ رہی ہے
وہ کیا ہوئے کہ جن سے اہلِ جہاں کو ڈر تھا

آواز آرہی ہے غرناطہ کے کھنڈر سے
میں تھا عروسِ عالم میں علم و فن کا گھر تھا

حسرت برس رہی ہے دلی کی سرزمیں پر
یہ وہ جگہ ہے جس میں اسلام تاجور تھا

وہ کون سی تھی بستی جس میں نہ ہم تھے ساکن
لنکا میں اپنا خیمہ، بربر میں اپنا گھر تھا

ہندوستاں کو ہم نے اک گلستاں بنایا
بنجر زمیں تھی جس کی جو وحشیوں کا گھر تھا

دنیا میں مثلِ حیواں صحرا نشیں تھیں قومیں
جن کا گزارہ ہر دم بس لوٹ مار پر تھا

تہذیب ہم سے سیکھی دنیا کے وحشیوں نے
ورنہ تمام عالم نیچر سے بے خبر تھا

اب رہ گیا ہے ٹھنا مثلِ شرار اپنا
کس کو سنائیں جا کر ہم حال زار اپنا

فضل احمد زار ہوشیارپوری

حسب

نیک اور اچھے خاندان کی عزت کرنا قابل تعریف بات ہے یہ تعظیم نہ صرف اُس بھلائی کا بدلہ ہے جو خاندان موصوف نے بنی نوع انسان کے ساتھ کی بلکہ اس سے نیکی کرنے کی ترغیب ہوتی ہے۔ برگزیدہ اسلاف کے اخلاف کا فرض ہے کہ اپنے بزرگون کے قدم بقدم چلکر منزل عزت پر پہنچین محض بزرگون کی شہرت کی وجہ سے طلبگار تعظیم ہونا اعلےٰ درجہ کی پست خیالی ہے۔ جو صاحب اسلاف کے کارنامون کو یاد دلاکر خواستگار عزت ہوتے ہین۔ وہ پبلک کو اس بات کی جانچ کا موقع دیتے ہین کہ آیا یہ اخلاف بھی ویسے ہی واجبی تکریم کے مستحق ہین یا نہین۔

آباو اجداد کی گذشتہ قابلیت علمی۔ جاہ و حشمت۔ وجاہت سے جو صاحب فائدہ اُٹھانا چاہتے ہین وہ اپنی ذات مین ان خوبیون کو پیدا نہین کرتے۔ ارسطو کا قول ہے کہ اگر تمام عالم کے خاندانی شجرے تیار ہو سکتے تو اُنکے مطالعہ سے غالباً ایک شخص بھی اپنے نسبی سلسلہ کی وجہ سے قابل عزت یا تحقیر نہ خیال کیا جا سکتا۔ گلیون مین ایسے گداگر بہت سے ملتے ہین جو معزز آدمیون کی اولاد سے ہوتے ہین۔ اور بہت سے اہل منصب و صاحب خطاب ایسے موجود ہین جنکے آبا و اجداد محض فرومایہ اور بے عزت شخص تھے۔ وہ شجرۂ نسب البتہ قابل عزت ہی جسمین ایک بھی قابل نفرت نظر نہ آئے مگر ایسا ہوتا شاذ ہے۔

سر چارلس ہنری اپنے ایک مضمون کے سلسلہ مین حسب ذیل رقمطراز ہین۔

مین حال مین ایک دہقانی رئیس سے ملنے گیا تھا۔ یہ صاحب فخر نسب کے خبط مین مبتلا تھے۔ جب مین پہونچا تو آپ نسب نامہ کے مطالعہ مین مصروف تھے مجھے دیکھکر خوش ہوے اور فرمانے لگے۔ کہ دل خوب آئے اور موقع سے آئے۔ چونکہ تم کو ہمارے خاندان سے پرانا نسبی تعلق ہے۔ لہذا تم بھی اس شجرہ کو بنظر غور دیکھو۔ اور جو شاخین نکال ڈالنے کے قابل ہون اُنھین علحدہ کردو۔ بتعمیل ارشاد مین بھی اس کتاب کے مطالعہ مین شریک ہوا۔ دو ایک نامون کے

بعد ایک بزرگ ایسے نظر آئے جو لندن مین مجسٹریٹ تھے۔ مجھ پر تو کچھ اثر نہین ہوا مگر رئیس صاحب کو بڑی
خوشی سے اچھل پڑے۔ مگر جب ان مجسٹریٹ صاحب کے والد نامدار کے سامنے کے بیان کے
الفاظ پڑھے گئے تو انکا چہرہ اتر گیا۔ افسردگی اور بڑھ جاتی مگر خیریت یہ ہوئی کہ اسی سطر کے
نیچے انکا معزز پوتا بھی تحریر تھا۔ پھر مطالعہ شروع ہوا دیکھتے چلے جاتے تھے کہ ایک بزرگ
وہ بھی نظر آئے۔ ہمارے رئیس صاحب کی رائے ہوئی کہ انکا نام فوراً خارج کیا جائے۔ مگر ابھی
نوبت اخراج نہین آئی تھی کہ انکے صاحبزادے کے نام کے محاذی "جنٹلمین" کا لفظ دکھائی دیا۔
اس وجہ سے والد کا نام بھی رکھا گیا۔ یہ صاحب "جنٹلمین" اس وجہ سے کہے گئے تھے کہ کسی نامعلوم نے
اپنے والد کی پیدا کی ہوئی جائداد رہن رکھکر لندن کی سوسائٹی مین داد عشرت دی تھی اور
بڑا نام پیدا کیا تھا۔ انکے بعد اسی نسب نامہ مین ایک صاحب "جولاہے" اور دوسرے
صاحب "کاشتکار محض" درج تھے۔ وہ شجرہ سے نکالے گئے۔ آگے چلکر ایک بزرگ کی بابت
لکھا ہوا تھا کہ آپ نے حکومت کے مقابلے مین سخت بغاوت کی تھی لہذا سر قلم ہوا۔ اس عبارت نے
ہمارے عزیز رئیس کے فخر کو حد سے بڑھا دیا۔ تھوڑے فاصلہ پر ایک صاحب کی بابت یہ ریمارک تھا
کہ ملکہ میری کے عہد دولت مین یہ بوجہ تنازع مذہبی زندہ جلائے گئے۔ یہ بھی نسب مین رکھنے کے
قابل نہ تھے نکالے گئے۔ شجرہ کی ایک شاخ مین ایک صاحب کی نسبت یہ تحریر تھا کہ انھین
سر کا خطاب ہوا تھا مگر افسوس ہے کہ وہ لاولد فوت ہوئے۔ اس عبارت نے بہت ملول کیا
مختصر یہ کہ یہ نسب نامہ بعد قطع و برید بیٹھک کے کمرے مین لٹکا دیا گیا اور اس غرض سے
کہ جو کوئی آئے پڑھے گا۔ رئیس صاحب کو خاندانی نواب تصور کرے۔ انکے "سر" اور "جسٹس
آف دی پیس" ہونے کی بابت کوشش کرے گا۔ مگر افسوس ہے کہ مجھے کچھ بھی مسرت
نہین ہوئی۔ اس سبب سے کہ ہمارے معزز رشتہ دار مین ذاتی خوبی کچھ نہین ہے۔ محض اسلاف کا
فخر ہے۔ جو سوسائٹی مین صرف باعث تمسخر و تفریح ہو سکتا ہے۔"

اب زمانہ اور ہے۔ خیالات مین عظیم الشان اختلاف پیدا ہوگیا ہے۔

بزرگون بھا اس وقت فخر کرو جب تم بھی قابل فخر خود بن ہو لو

ڈرائی ڈن شاعر کہتا ہے - (ترجمہ)

وہ جو ہستی کی رگون میں خون علیشان آئی کا — بہت مغرور تھا وہ روز اسپر فخر کرتا تھا
وہ خون جو میں گنہگاری سے بہیون نے کچل ڈالا — بہت عبرت نے ڈھونڈھا کچھ پتا اُسکا نہیں پایا

اعجاز تنزیل کاکوروی

غزلیات

ماہ و خور کہتے ہین جب چلتے ہو تم — انظروانا نقتبس من نورکم
ہے کہان اے ماہ تجھ سا شہسوار — رخشِ دولت پشت انگندست سُم
مردے جی اُٹھتے ہین کیا اعجاز ہے — قلقل مینا ہے یا عیسیٰ کا قُم
ایک ساغر بھی ہے ساقی کوئی چیز — کم سے کم یا چاہیے دو چار خُم
گوہر مقصود گو پایا گیا پر — راہِ الفت مین ہوا جو کوئی گُم
کس کی دُزدیدہ نگاہین لیگئین — دل ہمارا ہوگیا پہلو سے گُم
اپنے بیمارون سے اتنا پوچھ لو — یا مریض العشق کیف حالکم
اے تمنا چھوڑتے ہو مے کشی — اس جوانی مین یہ کیا کرتے ہو تم

تمنا عمادی پھلواروی

بیچ پہ بکھری ہوئی جو زلف دوتار رکھتے ہین — تجھ پہ الزام وہ ملنے باد صبا رکھتے ہین
کیا کہون مین کہ وہ میرے لیے کیا رکھتے ہین — غمزہ آفت کا قیامت کی ادا رکھتے ہین
اُنکے کوچہ ہی مین ہر پھر کے رہو خاک اپنی — تجھ سے امید یہ اے باد صبا رکھتے ہین
قتل پہ میرے اس انداز سے ہاتھ انکا اُٹھا — مین یہ سمجھا مرے زخمون پہ دوا رکھتے ہین
دولت حسن پہ تم اپنی بہت بھولے ہو — اے تبو یاد رہے ہم بھی خدا رکھتے ہین
شوخیان یاد ہین وہ ناز بھری آنکھون کی — آج جن آنکھون مین وہ شرم و حیا رکھتے ہین
کبھی ہم بھی دل کا مدعا ہوکے دیدار کا ہو — وہ ہر اک بات قیامت پہ اُٹھا رکھتے ہین

منحصر یک تصور یہ رہا کام اپنا
ہم نہ قاصد نہ کبوتر نہ صبا رکھتے ہین

کیا شرارت ہے کہ محفل مین جلانے کے لیے
دل جلوا رکھتے ہین وہ شمع جدا رکھتے ہین

عشق مین نالہ و فریاد یہ کیسی بلبل
منہ سے کم کہتے ہین جو دل مین سوا رکھتے ہین

باندھ سکتے ہین وہ تلوار مگر کیون باندھین
بڑھ کے تلوار سے ایک ایک ادا رکھتے ہین

جو ہین مشتاق شہادت کے انھین صبر کہان
دوڑ کر خود ترے خنجر پہ گلا رکھتے ہین

ہاتھ جب سینہ پہ رکھا مجھے تسکین ہوئی
آپ تو نام خدا دست شفا رکھتے ہین

لاکھ وعدے سہی پر فائدہ کیا اس سے ظہور
آپ معشوقون سے امید وفا رکھتے ہین

سید ظہور الدین احمد ظہور کاکوروی

نالے مرے دُکھے ہوئے دل سے نکل گئے
اب آسمان کی خیر نہین تیر چل گئے

جھوکے ہوائے باغ کے آئے نکل گئے
کیا کیا قفس مین تیرا سیرون پہ چل گئے

اے برق حسن یار نہ دی فرصت نگاہ
ہم تجھکو دیکھنے بھی نہ پائے کہ جل گئے

ہم کیا نکالتے کہ مروت سے دور تھا
خود دل کو توڑ کر ترے ناوک نکل گئے

حیرت سے دیکھتے ہین جوان ہو کے آئینہ
پہرون وہ سوچتے ہین کہ ہم کچھ بدل گئے

وہ زار تھے کہ جا کے قفس تھا در قفس
صیاد دیکھتا ہی رہا ہم نکل گئے

محشر مین مسکرا کے گلے سے لگا لیا
کشتون سے اپنے چال قیامت کی چل گئے

اب دیکھنا ہے دل سے نکلتے ہو کسطرح
آغوش سے تو خیر تڑپ کر نکل گئے

سب حسرتین مٹین دل پر داغ کی فضا
گلشن مین پھول رہ گئے کانٹے نکل گئے

محمد عالیجاہ فضا لکھنوی

عورتون کے حقوق

ہم کئی مرتبہ ثابت کرچکے ہین کہ عورت اور مرد دونون باعتبار آفرینش ہمرتبہ اور مساوی الحق ہین کوئی وجہ نہین ہے کہ ہم عورتون کو مردون سے کم اور حقیر سمجھین۔ اگر مرد قالب ہین تو عورتین اُنکی جان اور وجود انسان ہین تو یہ اُنکے ہاتھ پاؤن اور آسائش کے سامان۔ یا یون سمجھو کہ مرد حواس ظاہر ہین تو وہ حواس باطن اگر یہ طالب ہین تو وہ مطلوب۔ غرض دونون ایک توے کی روٹی یا ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہین۔

مذہب اسلام نے جو آزادی۔ اختیار اور حق عورتون کو مردون کے برابر دیا ہے وہ دوسری قومون اور مہذب ملکون مین بھی نہین ہے۔ انگلستان مین بڑی آزادی عورتون کی علانیہ باہر پھرنے اور اسکی مرضی کے موافق روٹی کپڑا دینے یا دیگر ضروریات کی خبر لینے مین خیال کیجاتی ہے۔ بظاہر یہ بہت بڑا اعزاز ہے۔ مگر درحقیقت پورا پورا اعزاز اور آزادی یہ بھی نہین ہے۔ وہان کے قانون پر یہ بہت بڑا اعتراض ہے۔ کہ عورت منکوحہ ہوتے ہی اپنی تمام ذاتی اور موروثی جائداد سے محروم ہوجاتی ہے۔ جو کچھ باپ کے گھر سے لیکر آئی وہ بھی خاوند کا اور جو کچھ یہان جان مار کر کمائے وہ بھی خاوند کا۔ اگر کچھ ساس دے تو اور خسر دے تو سب کا خاوند دعویدار ہے اور وہ بیچاری اس سب سے نادار کسی قسم کے معاہدہ کا اُسے اختیار نہین۔ کوئی دستاویز خاوند کی مرضی کے خلاف لکھی ہوئی اُسکے کار آمد نہین۔ جو کچھ مان باپ یا کسی رشتہ دار کے ورثہ سے آئے وہ بھی خاوند کا حق ہے اور جو کچھ اُسکا ذاتی اسباب مال ومتاع۔ نقد وجنس۔ جائداد شادی سے پہلے اُسکے قبضہ مین تھی اُسکا بھی اب خاوند ہی مالک ہے نہ تو وہ کسی پر دعوی کرسکتی ہے اور نہ کوئی اور ہی اُسپر کسی قسم کا دعوی رجوع کرسکتا ہے۔ وہ بغیر اپنے خاوند کی اجازت پیے نہ اپنی کوئی چیز بیچ سکتی ہے اور نہ خرید سکتی ہے گویا انگلستان کے قانون کے موافق عورت کے حق مین شادی کا ہونا قرقی کے ہونے سے کم نہین۔ جسکی نسبت آجکل مباحثہ درپیش ہے اور شاید کبھی نہ کبھی یہ قانون منسوخ کیا جائے۔ رہین اور قومین انمین بھی شادی کے بعد بیٹے کے ہوتے بیٹی کا حق مان باپ کی جائداد یا مال پر قانوناً نہین رہتا۔ یون سلوک کردینا اپنی طرف سے بانٹ دینا دوسری بات ہے۔ مگر مذہب اسلام کے موافق اُسکو۔ اُسکے بچے اور یہ بھی نہون تو خاوند تک کو بیوی کا ٹھوان حصہ ملتا ہے۔

چنانچہ ہم اس باب میں اول تو اپنے دو ایک سابقہ مضامین سے ان [illegible]
بطور اختصار کچھ باتین لکھتے ہین اسکے بعد اپنے وجوہ اور اہل فقہ کی وہ روایت تحریر کرینگے [illegible]
جسنے اس تمہید کو اٹھایا ہے۔ مسائل ذیل کے دیکھنے سے ہم لوگ جان سکتے ہین [illegible]
عورتون کو کس درجہ عزت دی ہے اور کہانتک مردون کے برابر انکے حق [illegible]
لوگ فی زمانہ حسن سلوک اور حسن معاشرت مین کہانتک اسکے خلاف کرتے ہین جسکے [illegible]
گرفتار ہوکر بداقبالی اور ادبار کے پنجے مین پھنسے ہین۔

عورتون کی نسبت اسلامی قانون

(۱) نابالغی کی حالت مین جسطرح مرد بے اختیار اور ناقابل معاہدہ متصور [illegible]
اسی طرح عورت بعد از بلوغ مختار اور ہر ایک معاہدہ کے لائق ہے۔

(۲) جس طرح مرد اپنی شادی کرنے مین مختار ہے یعنی جسطرح مرد کو بے رضامندی [illegible]
اسی طرح عورت کے خلاف مرضی عقد جائز نہین۔

(۳) عورت اپنی تمام ذاتی جائداد کی ہمیشہ مالک اور مختار ہے اور [illegible] تصرف کرنے کا [illegible]
کامل اختیار حاصل ہے۔

(۴) عورت مرد کی طرح ہر قسم کے معاہدہ کی صلاحیت رکھتی ہے اسکی ذمت [illegible]
اور دستاویزون کی پابند جو اسکے نام سے لکھی گئی ہین۔

(۵) جو جائداد شادی سے پیشتر یا بعد عورت کی ملکیت مین آئی ہو وہ خود ہی اسکی مالک [illegible]
خود ہی اس کی [illegible] کی [illegible]۔

(۶) عورت مرد کے مانند خود بھی دعوی کر سکتی ہے اور اسپر بھی دعوی ہو سکتا ہے۔

(۷) عورت اپنے مال سے ہر ایک چیز خرید سکتی ہے اور بعد میں اس چیز کو جب چاہے [illegible]
مثل مرد کے ہر قسم کی جائداد کو ہبہ وصیت اور وقف کر سکتی ہے۔

(۸) عورت رشتہ دارون اور خاوند کی جائداد مین سے بترتیب وراثت ورثہ پا سکتی [illegible]

(۹) عورت تمام مذہبی [illegible] کو جو مرد حاصل کر سکتا ہے آپ بھی حاصل کر سکتی ہے [illegible]
گو کہ مردون کے عورتین دنیا اور آخرت [illegible] پا سکتی ہین جو مرد پا سکتا ہے۔

[illegible] عورت کے [illegible] [illegible] ہو [illegible] موجود ہے [illegible]
یا [illegible] ہوا [illegible] [illegible] ہے۔ مگر جس وقت [illegible] سلوک
[illegible] عورت بھی انسانی [illegible] [illegible] ہم بھی [illegible]
[illegible] ہوتی ہے کہ [illegible] [illegible] ہے۔ لیکن جہاں کا سے
[illegible] نہیں [illegible] گھروں [illegible] [illegible] مستعمل ہو گئی ہے [illegible] جاتا [illegible]
اسکا تعلق ہے۔

— ترجیح [illegible] [illegible] بہت زیادہ ہیں۔ مگر [illegible]
[illegible] آرام [illegible] آسایش [illegible] ہوتی۔ انکی [illegible] پیش قدم رہتی ہیں۔ وہ لوگ
[illegible] نہیں [illegible] نہیں رہا ہیں۔ [illegible] جہاں [illegible] قوت باز
[illegible] [illegible] عورتیں بھی [illegible] کتاب رکھتے اور مخالفت کا موا
میں [illegible] خاوند کا ہاتھ بٹانے اور اُس کی آگ میں [illegible] موجود ہو جاتی ہیں۔ اگر انصا
سے دیکھو تو ہمارے ہندوستان کی عام اور غریب عورتوں میں [illegible] اُن سے زیادہ پائی جاتی ہے
[illegible] محنت اپنی نزاکت کے باعث گوارا نہیں کر سکتی ہیں [illegible] کے ساتھ [illegible] کھیت [illegible] کسی کا
[illegible] چلاتی [illegible] رکھوالی کرتی ہیں جنکے [illegible] نہیں کہہ سکتے یا چرانا [illegible] ہو جاتی ہیں
اُنکی [illegible] نہیں کر۔ چرخہ کاتکر [illegible] آمدنی [illegible] اور بچوں کو پالتی ہیں۔ مگر وہ لوگ
بھی اس احسان کو احسان نہیں سمجھتے۔ اسکے بجائے سختی سے پیش آتے [illegible] گھر کے [illegible] او
[illegible] حالت میں رکھتے ہیں۔ بجائے کہ تعلیم و تربیت دے کر انکو اس پستی کی حالت سے نکالنا اور [illegible]
آپ کے آدمی بنانا؟ اور سچ بھی ہے جو آپ پست ہمت پست حوصلہ ہوں وہ کیا دوسرے کو اٹھا سکیں۔
[illegible] ہمیں معلوم ہے۔ تہذیب یافتہ ملکوں میں عورتوں کے ساتھ سلوک ہوتا
[illegible] لوگ [illegible] کو مذہب اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں یہ انکی یقیناً غلطی ہے۔ بلکہ
[illegible] ہندوستان میں [illegible] عورتوں کی حالت میں تنزل ہے اسکا باعث صرف مذہب اسلام —
[illegible] احکام [illegible] پابندی نہیں۔ اگر اُن احکام کی پابندی کی جائے تو بلا شبہ یہ ساری خرابیاں دور ہو جا[illegible]

ان خرابیون کا بڑا سبب مسلمانون کے غیر مہذب - غیر تعلیم یافتہ بے تربیت اور بد اخلاق ہوجانے کے سوا
[illegible] ہے اور اسکی جڑ یہی عورتون کی بے تعلیمی ہے - جسکا پیٹنا ہم پیٹ رہے ہین۔
مہذب قومون نے باوجودیکہ اُنکے یہان عورتون کی متعلق نہایت ہی ناقص اور خراب قانون تھا
[illegible] اپنی عورتون کو اعلیٰ درجہ کی ترقی پر پہونچا کر چار چاند لگا دیے ہین - جس سے عورتون کو اپنی
معلومہ حق تلفی کا خیال بھی نہین آتا - اور مسلمانون نے حالانکہ اُنکا مذہبی قانون عورتون کو عمدہ حالت
مین رکھنے اور اُنکو وہ جبھی آزادی بخشنے کی بابت تمام دنیا کے قانون سے بہتر اور عمدہ تھا - اپنے
نامہذب ہونے سے ایسا خراب برتاؤ عورتون کے ساتھ اختیار کیا کہ اُسکے باعث تمام قومین اُنکی حالت پر
ہنستی ہین اور ہماری ذاتی برائیون کے سبب (اس وجہ سے کہ قوم کی قوم ایک حالت پر ہے "الا
ماشاء اللہ") اس قوم کے مذہب پر عیب لگاتی ہین - پس اب وہ زمانہ نہین ہے کہ ہم ان باتون کی
خبر نہ لین اور اپنے چال چلن کو درست نہ کرین - مناسب ہے کہ جیسا مذہب اسلام روشن ہے خود اپنے
چال چلن سے اس کی روشنی کا لوگون کو ثبوت پہونچائین -

کیا ہمارے رسولِ مقبول صلعم نے نہین فرمایا کہ "تم مین بہتر وہی شخص ہے جو اپنی بیوی سے
بھلائی کرے - مین اپنی بیویون کے حق مین سب سے بہتر ہون" کیا یہ آپ کا ارشاد نہین ہے کہ
"جس نے اپنی بیوی کی بدخلقی پر صبر کیا - وہ اُس ثواب کا مستحق ہوا جو حضرت ایوب علیہ السلام کو اُنکی
مصیبتون پر ملا تھا اور جس بیوی نے یہ بات کی وہ حضرت آسیہ کے ثواب کی مستحق ہوئی" کیا
حضرت نے اپنی وفات کے وقت تین بار وصیت نہین فرمائی کہ "مین عورتون کے مقدمہ مین خدا کا
واسطہ دیتا ہون - یہ تمہارے بس مین ہین - ان سے حسن معاشرت برتنا" کیا یہ حدیث نہین ہے
کہ "میان بیوی کے ساتھ کھانا کھانے مین ملائک اُنپر درود بھیجتے ہین" کیا تم نے نہین سنا کہ "نکاح
مین بڑی آفت عورتون کے حقوق سے مقصر رہنا ہے" کیا تم نے نہین پڑھا کہ "اپنے تئین اور اپنے
گھر والون کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ" یعنی اپنی عورتون کو ارکانِ نماز - حج - روزہ - زکوٰۃ - طہارت
وغیرہ سکھاؤ - اور اگر تم سکھانے مین قصور کرو تو عورتین مجاز ہین کہ علماء کے پاس جاکر بقدر ضرورت سیکھا
کرین - ہمارے نزدیک اسلام نے عورتون کی قدر و منزلت مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کیا -
گھر کا انتظام - کنبے کی زیادتی - نفس کا مجاہدہ - اولاد صالح کی امید - یہ ساری باتین عورتون کی ذات پر

موقوف ہین۔ پس اگر ہم انکی خاطر و مدارات نہ کرین اور انھین اس جہالت کی ظلمات سے نہ نکالین تو ہمارے لیے حیف اور ہماری اولاد کی نہایت کم نصیبی ہے۔

ہم صرف اس سبب سے عورتون کے حقوق پر زور نہین دیتے: کہ وہ ہمارے جسم کا ایک جزو یا ہمارے عیش و عشرت کا سامان ہین۔ کیونکہ اس صورت مین تو جہان ہمین اپنے اور اعضا کی پرورش و حفاظت لازم ہے۔ وہان مستورات کی تربیت اور حقوق معاشرت بھی ہمارے اوپر واجب بلکہ فرض ہین۔ مگر نہین انکے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنے مین ہماری آیندہ نسل کا ایک خاص فائدہ ملحوظ ہے۔ ہم نے اوپر کے مضمون مین لکھا ہے کہ اولاد صالح کی امید عورت ہی پر موقوف ہے۔ اسکی وجہ کیا ہے؟ یہی کہ جسقدر ہم انکی بدخلقی پر صبر کرکے عورتون کا مزاج بگڑنے نہ دینگے۔ اور جہان تک ہم ملائمت اور خوش خلقی سے پیش آئینگے۔ اُسیقدر ہماری اولاد اُن اسباب کے اثر سے خوش خلق متحمل مزاج۔ گمبھیر اور صالح پیدا ہوگی۔ مہذب اور تربیت یافتہ ملکون مین جو کلیانہ طبیعت کے اشخاص نے بیوی کا غلام بننا اور اُسکے دل کا ہاتھون مین رکھنا اختیار کیا ہے۔ اسمین یہی نکتہ ہے۔ ہمارے ہندوستانیون کی بدمزاجی۔ خشونت طبع کج اخلاقی۔ زود رنجی۔ مغلوب الغضبی گواہی دیرہی ہے کہ یہ سب خانگی نااتفاقی کا نتیجہ ہے۔ ہمارا ملک بہ لحاظ آب و ہوا عقل کا پتلا ہے۔ مگر ہماری تیزی اس عقل کو جلاکر خاک مین ملادیتی ہے۔ صبح کا بھولا شام کو گھر آئے تو اُسے بھولا نہین کہتے۔ اب بھی اگر ہمارے یہان کی سب قومین اس امر مین کوشش کرین تو جلد ہمارے دن پھر سکتے ہین۔ چنانچہ ہم چند امور جنپر عام مردون کو عمل کرنا واجب ہے۔ اس جگہ معرض تحریر مین لاتے ہین۔ یہ باتین وہ ہین جنسے اجڑا گھر بنتا اور بنا گھر دوگنا سنورتا ہے۔

جہانتک ہوسکے۔ عورتون کے ساتھ خانگی معاملات اور تمام برتاو مین خوش اخلاقی۔ تحمل۔ نرمی اور ہمدردی برتین۔ کیونکہ انکا دل بہت تھوڑا سا ہوتا ہے۔ آنکھ کی مار انکے حق مین تلوار کی مار سے زیادہ ہے۔ اور سیدھی طرح نرم الفاظ مین سمجھا دینا۔ تحکمانہ گفتگو سے بدرجہا بہتر اور پُر اثر ہے۔ ہم دیکھتے ہین۔ بعض لوگ سیدھی بات بھی اس طرح کہتے ہین جیسے کوئی لٹھ یا پتھر مارتا ہے۔ عورتون کی غیرت اس قابل نہین ہے کہ وہ حق و ناحق تمہاری باتین سنکے دے۔ انہین خدا تعالی نے یہ جوہر لطیف کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے۔ جسکا ثبوت ہم کسی مضمون مین دے چکے ہین اور

اسباب خودکشی مین اسکو مفصل بیان کردین گے۔
جہانتک ممکن ہو۔کسی بات کا باہم پردہ نہ رکھین۔کیونکہ اسمین اکثر اوقات بڑی بڑی
خرابیان نکلتی ہین جسکی تفصیل وقت کی کہانی مین موجود ہے۔اول تو ان باتون سے مغائرت
ثابت ہوتی ہے اور انکو بھی مجبوراً ہمارے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرنا پڑتا ہے۔دوسرے انتظام خانہ داری
مین بڑے بڑے فتور پڑتے ہین تیسرے نفاق کی ابتدا یہی ہے۔چوتھے اعتبار اٹھ جاتا ہے۔پانچوین
جن عورتون مین یہ بات آجاتی ہے انکی اولاد باپ پر حرکات ظاہر نہونے کے سبب خراب ہوتی ہے
علیٰ ہذا القیاس اور بہت سی خرابیان ہین جو اپنے اپنے موقع پر بیان ہوتی رہین گی۔عورتون کو بیوقوف
نہ جانین اور یہ بات بالکل اپنے دل سے نکال ڈالین۔اس سے بھی ہمارے بہت سے کام بگڑتے
ہین۔ہم انکو بیوقوف جانکر کوئی اعلےٰ درجہ کا کام سپرد نہین کر سکتے اور نہ انکو اپنے کامون مین
دخیل ہونے دیتے ہین۔جس سے سارا بوجھ ہمارے اکیلے ہی دم پر آن پڑتا ہے۔اور ایک شوہر
چنا بھاڑ کو نہین پھوڑ سکتا۔اسکے علاوہ یہ ایک طرح کا خدا تعالیٰ پر بھی اعتراض ہے۔ہمیشہ خندہ
پیشانی۔خوش مزاجی۔خوش طبعی سے پیش آئین۔جس گھر مین یہ باتین نہین ہوتین۔وہ میان بیوی
دونون کے واسطے قید خانہ سے کم نہین۔غم غلط کرنے کو بیوی سے بہتر خیر خواہ اور سچا ہمدرد ملنا دشوار
ہے۔ہان اعتدال ہر امر مین شرط ہے۔
عورتون کی نسبت طرح طرح کی بدگمانیان بھی مردون کو بیوقار اور بے وقعت کردیتی ہین۔
نفاق کی دوسری سیڑھی یہی ہے۔جو حاکم اپنے ماتحتون پر بدگمان رہتا ہے اسکا کام کبھی نہین چلتا
اور وہ بہت پشیمان ہوتا ہے۔البتہ بحالتِ ثبوت اسکو بخشتا بھی نہین۔غیرت ایک بڑا جوہر ہے
اسپر خود بھی قائم رہین اور اپنی عورتون کو بھی قائم رکھین۔جو کچھ کمائین گھر مین لاکر دین۔جو کچھ اٹھائین
باہم صلاح ومشورہ کرکے اٹھائین پھر دیکھین کیسی برکت اور فارغ البالی ہوتی ہے۔اگر بیوی سلیقہ مند
نہو تو سلیقہ سکھائین۔عورتون کی ذات مین اسکا مادہ طبعی موجود ہے۔تعلیم اخلاق۔تعلیم معاشرت۔
پابندیِ مذہب۔پردہ داری۔آداب الصالحین۔اور دیگر مفید اشغال مین انکو ہمیشہ مصروف رکھین کھانے
سے شوق دلانا زیادہ مفید ہوتا ہے۔ایک سے زیادہ نکاح نہ کرین کیونکہ اسکے لیے انصاف اور عدل کی
بڑی سخت شرط ہے۔جسکا ہونا دنیادار سے ناممکن اور خود پا بزنجیر ہونا ہے۔بالاوسط ایک آدمی

ایک ہی آدمی کے قابل کہا سکتا ہی جن اسباب سے چار تک نکاح جائز ہوے تھے۔ وہ اب نہین ہین۔ اُس زمانہ مین ایک ایک عرب سیکڑون بیویان رکھتا تھا۔ جب بانیٔ اسلام نے دیکھا کہ ایک دفعہ مین اس رسم کا دور کرنا دشوار ہی تو چار کی اجازت دی۔ ماسوا ایک اور مصلحت بھی تھی جسکا اب وقت نہین رہا۔ لیکن اسکے ساتھ جو شرطین لگائی گئی ہین صاف امر پر دلالت کرتی ہین کہ ہم ایک سے زیادہ بیوی نہ کرین۔ کبھی فرصت مین ہم اس امر کا بخوبی بیان کرینگے اگر عورت کسی امر مین حق پر ہو۔ تو اُسکا ساتھ دو اور ناحق پر ہو تو اُسکی سمجھ کے موافق سمجھاؤ اور کسی طرح گھر مین مار کا اتفاقی کا موقع نہ آنے دو۔ مارنے دھاڑنے سے عورت بیحیا اور بے غیرت ہی نہین بنتی بلکہ اُسکے حسن اُسکی محبت۔ اُسکے خلوص مین فرق آ جاتا ہی اور تم بھی جوہر ادب یا تہذیب سے معرا ہو جاتے ہو۔ اگرچہ یہ باتین سنوانے کی نہین ہین۔ مگر عوام کو اسپر ذرا توجہ چاہیے۔ طلاق کا ارادہ سخت مجبوری اور حفاظت عزت کی غرض کے سوا کبھی نکرو۔ کیونکہ اگرچہ مباح ہی لیکن اُس سے خدا اور اُسکا رسول خوش نہین۔ بے لطفی کے علاوہ اپنا ہم جنس کی نظرون مین خفیف و ذلیل ہونا پڑتا اور اپنا راز فاش ہوتا ہی۔ جسے کوئی غیرت مند اور مہذب پسند نہ کریگا۔ سب سے زیادہ احتیاط نکاح کرنے سے پہلے چاہیے اور جو مجبوراً تمھین یہ کام کرنا پڑے تو عورت پر کسی قسم کا عیب نہ لگاؤ بلکہ عیب ہو تو اُسکو چھپاؤ۔ ایک غیرت مند سے کسی نے پوچھا کہ آپ اپنی بیوی کو کیون طلاق دیتے ہین؟ اُس نے کہا کہ مین اپنی بیوی کا راز کیونکر کہدون۔ جب طلاق دینے کے بعد اُس سے پھر دریافت کیا تو جواب دیا کہ غیر عورت سے مجھے کیا کام جو اُسکا ماجرا بیان کرون۔ پس انسانیت کے یہی معنی ہین کہ اپنی طرف سے کسی کو تکلیف نہ پہونچے۔ گو اپنے کو پہونچے تو پہونچا کرے۔ یہ باتین جو ہم نے اوپر بیان کین۔ یہ سب اُن حقوق مین داخل ہین۔ جو مردون پر فرض اور واجب ہین۔ اب کسی موقع پر صرف عقلی دلائل سے عورتون کے حقوق ثابت کرینگے۔

ہمارے اس مضمون کی بوجہ احسن وہ رسالہ تائید کرتا ہے۔ جو حال مین میان بیوی کے باہمی اور اخلاقی سلوک کے متعلق تسخیر شوہر یا ساحر موہنی کے نام سے چھپکر مشتہر ہوا۔ اور اُسپر گورنمنٹ کی طرف سے دو سو روپیہ کا انعام مرحمت کیا گیا۔ چنانچہ خواجہ الطاف حسین صاحب حالی مدظلہ العالی نے اپنی تقریظ مین اسے مفید عام دیکھکر یہ سفارش فرمائی۔ کہ اس رسالہ کی قیمت کم کرکے تمام ملک پر ایسا ہی احسان کرنا چاہیے۔ جیسا تصنیف سے کیا ہی چنانچہ بجاے آٹھ آنے کے بجاے ساڑھے چھ آنے قیمت کردی اور ملک نے نہایت قدردانی کے ساتھ خریداری فرمائی۔ فقط

سید احمد دہلوی

عالم حال

منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی کے عالم خیال کے رخ شایع ہو چکے ہین آخری رخ ادیب کے جولائی کے پرچہ مین نکلا ہے۔ سلسلہ "حضور آ گئے" پر ختم ہوا۔ خیال کا سد باب ہوا اب حال کی ضرورت ہے حال کا رُخ میری طرف سے ہدیۂ ناظر ہے۔

اے یہ ہوا کو کیا ہوا کہتی ہے آ گئے حضور
آتے ہین دیکھتے ہوے ہین تو قسم ہے کٹ گئی
پوچھتے ہین مزاج وہ کیا کہون کس طرح کہون
دیر ہوئی جواب مین کیا وہ کہینگے اُف غضب
دل کو دبا تو لون مگر آنکھو مین دون جواب کیا
اے یہ زبان کو کیا ہوا چلتی نہین ہے رک گئی
منتظر جواب ہین کیا کہون اضطراب کو
حیرت خوش گوار سے ہے جو کشاکش بیان
ہاتھ مین کپکپی سی ہے دون اُنھین کیسے خاصدان
سامنے خاصدان ہے پان نکالین اور کھائین
خامشی میری اُنسے سب حال مرا سنا گئی
(باقی آیندہ)

مین نہ سنبھل سکی ذرا سمجھی تھی مین ابھی تو دم
آ رہی تھی کچھ ہوا کی سو وہ بھی سرک کے ہٹ گئی
بن نہ پڑے گا مجھ سے کچھ جا ہے مین جس طرح کہون
لاکھ دھڑک رہا ہے دل اسکو دبا ہی لون مین اب
کہہ دون کہ خیریت سے ہون اُنسے مجھے حجاب گیا
آنکھ اُٹھی کہ کچھ کہے وہ بھی جھپک کے جھک گئی
آتی ہے بات منھ تلک آگ لگے جواب کو
ہاتھ سے خیر کام لون سامنے کر دون خاصدان
وہ بھی ستانے کے لیے بیٹھے ہین بنکے میہمان
یہ نہین بنکے اجنبی ایک غریب کو بنائین
ہنس دیے مجھ کو دیکھ کر اور مین سٹ پٹا گئی

امین الحسن بسمل

ریویو

(کلیات اسمٰعیل ۔ دی اورنٹیل پبلشنگ کمپنی ۔ اورنٹیل ہاؤس میرٹھ)

اصناف شاعری میں سب سے زیادہ کار آمد اور قابل ترویج وہ صنف لطیف ہے جسکا مقصد عالی یہ ہے کہ بچون کے دل و داغ مین ابتدا ہی سے اخلاق حسنہ کی خوبی اور اعمال صالحہ کی بہتری کے نقوش بیٹھ جائین ۔ چنانچہ ہمارے ہیا کا قدیم نصاب اس قسم کی تصانیف کے لئے شیخ شیراز کی مشہور و معروف شخصیت کا ہمیشہ زیر بار احسان رہے گا ۔ مگر ملک مین اب فارسی کا رواج نہین رہا اور جو تھوڑا بہت باقی ہے وہ بھی یاران وطن کی ریشہ دوانیون کی بدولت چند دن کا مہمان ہے ۔

پیاری اُردو اگرچہ لعبت پارسی کی تقلید مین عیش و طرب کے تمام ساز و سامان رکھتی تھی لیکن افسوس کہ اس رنگ مین محض بے مایہ تھی ۔ اہل علم و بنیش اوسکی بے ہنری پر حرف گیر تھے اور درد مند دل اوسکی ذلت اور رسوائی کے حالات سے متاثر ہوکر بے چین ہو ہو جاتے تھے ۔ بارے رحمت باری تعالےٰ نے نزول فرما ہو کر جناب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی ذات کو سراپا فیض بنایا اور اوُنکی طبع عالی نے اس میدان مین جولانگاہی کر کے اُردو لٹریچر کی جبین صاف سے یہ بدنما دھبہ مٹا دیا کہ وہ اس طرح کی اخلاقی شاعری سے تشنہ ہے ۔ مولانا حالی مدظلہٗ اور اونکے ہمنوا حضرات نے اس بارہ مین جو کوششین کی ہین اونکا اعتراف نہ کیا جاے تو یقیناً انصاف کا خون ہوگا ۔

کلیات اسمٰعیل ہمارے سامنے ہے ۔ ظاہری دیدہ زیبی اور خوشنمائی سے قطع نظر کر کے جب ہم اوسکی ورق گردانی کرتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ پونے چار سو صفحون مین سے تقریباً تین سو صفحے پر حصہ اُردو ختم ہوا ہے اور اس مین بیشتر سرمایہ اسی قسم کی گران مایہ اور بیش قیمت نظمون کا ہے جنکی خوبی اور اہمیت اوپر ندکور ہوئی ہے ۔ مولانا کو زبان اُردو پر جو دستگاہ حاصل ہے اور فکر شعر مین آپ کی ہمت جس قدر بلند ہے یا اداے مطالب مین تہذیب و متانت کا جتنا پاس آپ کو رہتا ہے اوسکی شہرت عام سے پبلک بخوبی گوش آشنا ہی

اور ان اوراق کی خوشہ چینی سے لذت یاب ہونے کے بعد کوئی شخص ایسا نہین جو ہمارا ہم آہنگ ہوکر اونکی درازی عمر کی دعا نہ کرے۔

(محبوب الاخلاق - کارخانہ پیسہ اخبار لاہور)

اس مختصر رسالہ مین پیغمبرون - فلسفیون - بزرگان دین اور مصلحان قوم کے سبق آموز نصائح اور نصیحت کوش اقوال جمع کر دئے گئے ہین - ہندوستان ایسے ملک مین جہان مختلف ملل و مذاہب کی کثیر آبادی کے یکجا ہونے کی وجہ سے تمام قومون کے اصول معاشرت خلط مبحث ہوکر رہ گئے ہون اور جہان کے باشندون کی اخلاقی حالت روز بروز پست ہورہی ہو اس قسم کی تالیفات خاص فائدہ رکھتی ہین - کیونکہ ہر ملت کا پیرو اپنے اپنے عقاید کے مطابق اپنی اخلاقی زندگی کا دستور العمل بنانے مین اس کتاب سے مدد حاصل کرسکتا ہے - اپنی نوخیز اولاد کے مطالعہ کے لئے تمام والدین کو اس قسم کی کارآمد کتابین جمع کرنا چاہئے تاکہ اونکے دماغ شروع ہی سے ان قیمتی ہدایتون کو اپنا رہبر طریق بنا سکین -

---

ہمارے پاس مندرجہ ذیل کتابین بغرض ریویو موصول ہوئی ہین - سوانح عمری حضرت محمد صاحب (شردھے پرکاش دیوجی) حیات الاسلاف فی ہدایت الاخلاف (مولوی محمد صدرالدین خان کاکوروی) اشکال (خان بہادر مرزا سلطان احمد) خمخانہ سرور (دفتر زمانہ کانپور)

یہ معلوم کرکے ہمین بہت مسرت ہوئی کہ آخرکار مسلم پریس ایسوسی ایشن کے باقاعدہ قیام کا وقت آہی گیا - اوائل فروری ۱۹۳۱ء مین جب ہم لاہور ہی مین تھے تو وہان کے اخبار نویسون کے ایک گروہ نے اپنی جماعت کے نام سے ایک انجمن کی بنیاد ڈالی تھی اور اسیوقت سے ہمکو مسلم پریس ایسوسی ایشن کی شدید ضرورت کا احساس ہونے لگا تھا - اب پنجاب سے خبر آئی ہے کہ وہان ایک ایسوسی ایشن قائم ہوگئی ہے اور اوسکا ایک جلسہ عام ۳ ستمبر کو ہونیوالا ہے - ہمارے بھائی ظفر علی خانصاحب نے بحیثیت سکریٹری ہمکو بھی دعوت دی ہے مگر افسوس کہ ہم حاضری سے معذور رہینگے - کسی آیندہ نمبر مین انشاءاللہ مفصل لکھا جائیگا

نشان تجارت

ڈاکٹر لالور
کا
فاسفوڈائن



جو ماغی کمزوری قلق، کمخوابی، ڈراونے خواب دیکھنا، قوی کا قبل از وقت انحطاط، نظام جسمانی کی وہ تمام بدنظمی اور عوارض جو حرارت نامیہ کے کم ہو جانے سے لاحق ہوتے ہیں ان امراض کے بے ضرر اور قابل اعتماد علاج ہیں اسی دوا نے چالیس برس سے زیادہ اپنی عام شہرت قائم کر رکھی ہے۔
فاسفورس کے اس مرکب سے عصبی کمزوری اور سی ذیل کی دوسری بیماریون مین فوری اور مستقل نفع ہوتا ہے تمام فاسد خیالات اور علامات تکلیف حیرت انگیز سرعت سے معدوم ہو جاتے ہیں

کے بالکل خلاف تقویت اور تسکین پیدا ہو جاتی ہے، ہاضمہ مین قوت آجاتی ہے بھوک بڑھ جاتی اور قبض رفع ہو جاتا ہے نیند آرام سے آتی اور فرحت بخش ہوتی چہرہ بھر جاتا ہے، لب سرخ آنکھین روشن اور جلد صاف اور صحت مند ہو جاتی ہے بالون مین مضبوطی آجاتی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اعصاب نغذیہ پر کیسا عظیم اثر کرتی ہے۔
دنیا کے تمام حصون کے باشندون اور فن طبابت کے اعلیٰ ماہرون کی ہزارون مستند شہادتون سے عالمگیر

خبردار!

"فاسفوڈائن" کا نام قانون ٹریڈ مارک کے مطابق محفوظ کر لیا گیا ہے، اس لیے اسکی نقل (رنگ مین یا کسی دوسری حیثیت سے) فروخت کرنے والون سے عدالتی چارہ جوئی کی جائے گی اس قسم اور نام کی صرف یہی ایک دوا ہے جسکو کلکتہ کی نمائش واقع سنہ ۱۹۰۳ء مین اعلیٰ سند ملی تھی۔

اسکی قوت بخش تاثیرات پہلے ہی روز استعمال کرنے سے ظاہر ہو جاتی ہین، عصبی اور دماغی قوتون مین زیادتی سے ساتھ ہی مریض کے دل مین حارت

فیصلہ بخوبی ہو گیا ہے، کہ سائنس کی تحقیقاتی دنیا مین فاسفورس کے کسی دوسرے مرکب کو ایسی شاد صفت اور معززین کی قدردانی نصیب نہین ہوئی

ہندوستان بھر کے دوا ساز اور ادویہ فروش بحساب فی بوتل (خوند) ہر دکان پر فروخت کرتے ہین۔

صرف ڈاکٹر لالور کی

فاسفوڈائن لیبوریٹری، ہیمپ اسٹیڈ لندن، انگلستان مین بنایا جاتا ہے

[illegible]

[illegible]

Address:-

Dr S. K. Burman
5/6 Tara Chand Dutt Street
Calcutta

مطبع الناظر پریس ڈالی گنج لکھنؤ

یکم اکتوبر ۱۹۱۱ء

بخار اور طاعون کی ابتدائی حالت مین باٹلی والا

کی بخار کی دوائی یا گولیان استعمال کیجیے قیمت...... ۸؍

ہیضہ کے لیے باٹلیوالا کا کالرا بہترین دوا ہی قیمت... ۸؍

باٹلیوالا کا خضاب جسمین نئے اضافے ہوئے ہین بھورے بالون کو اپنے قدرتی رنگ مین لے آتا ہے قیمت...... ۱؍

باٹلیوالا کی مقوی گولیان۔ اعصاب کی کمزوری اور جسمانی بے طاقتی کو دور کرتی ہین قیمت...... ۱؍

باٹلیوالا کا سفوف دندان۔ دیسی اور ولایتی دواؤن سے تیار ہوا ہے۔ ٹاپیل اور کاربولک ایسڈ کے مانند اجزا اس مین شامل ہین قیمت فی پیکٹ........ ۴؍

باٹلیوالا کا کیڑون کا مرہم۔ ایک دن مین اچھا کر دیتا ہی قیمت ۴؍ یہ ادویہ ہر جگہ ملتی ہین اور شہر سے بھی ملتی ہین

ڈاکٹر ایچ۔ ایل باٹلیوالا۔ وارڈن لیبوریٹری دادر بمبئی

شہاب الدین اینڈ سنز حضرت گنج

الناس باللباس

ہمارا کارخانہ ہر قسم کی ... انگریزی ہندوستانی فیشن کی اعلیٰ ... اعلیٰ پوشاک نہایت خوشنما اور موزون تیار کرتا ہے ... یہ کارخانہ پبلک کی خدمت انجام دیتا ہے کاشی سلک۔ جاپان سلک۔ جامہ وار سلک۔ اور علاوہ اسکے جاپانی اور ولایتی اطلسین صوفیانے و خوشنما الپکے ڈ بسی اور گون وغیرہ بھی بافراط مہیا رہتے ہین ایکبار ہمین آرڈر دیکر پھر کہین فرمائش دینے کو آپ کا جی نہ چاہے گا۔ پیمایش کا فارم اور کپڑون کے نمونے طلب کیجیے۔

قطب الدین منیجنگ پروپرائٹر

فہرست اشیاء موسم گرما

تھان کامدانی بوٹیدار۔ ... سے ... تک

تھان کامدانی چکن قابل دید۔ ... سے ... تک

تھان چکن بیل بوٹیدار۔ ۸؍ سے ... تک

دوپٹہ کامدانی بیل بوٹہ۔ ۔ ۔ ... سے ... تک

دوپٹہ چکن کامدانی نفیس۔ ... سے ... تک

دوپٹہ چکن بیل بوٹیدار ۸؍ سے ... تک

ساڑی چکن کامدانی ہر قسم کی ۸؍ سے ... تک

ساڑی چکن بیل بوٹیدار۔ ... سے ... تک

کرتے چکن ہر جسم کے لائق۔ ۱۲؍ سے ... تک

کرتے بچون کے متفرق عمر کے ۔ ۶؍ سے ... تک

شلوکے زنانہ قابل دید۔ ۱۲؍ سے ... تک

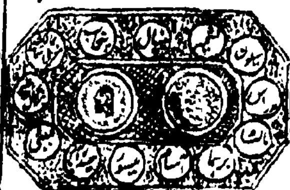
رومال دستی انگریزی طریقے ۔ ۲؍ سے ... تک

علاوہ وبیڑی چکن کی۔ ۲؍ سے ... تک

علاوہ گول چکن کی ۔ ۲؍ سے ... تک

علاوہ میرٹھ وامروہہ ودہلی کی۔ ۸؍ سے ... تک

کارخانہ محمد عبد الرحمن و حافظ خلیل الرحمن لکھنؤ پارچہ گلی



حضرات ہماری مہربان گورنمنٹ نے بسلسلہ حسن خدمات و عمدگی مال کارخانہ ہذا کو تمغہ اور سند ... عطا فرماکر سودیشی کی حمایت اور دیسی تجارت کی حوصلہ افزائی فرمائی مگر ہمارے ملکی بھائی اور ہندوستانی ... دیشی اشیا کے دلدادہ مین۔ لہذا اگر آپ کے دل مین کچھ بھی قومی درد ہے تو سب سے پہلے ملکی اشیا کی خریداری مین سعی فرماکر صنعت و حرفت کی ترقی مین مدد دیجیے۔ صرف ملکی اشیا کی خریداری سے ہندوستان فارغ البال ہو سکتا ہی ... فہرست ہدیہ ناظرین بالکین ہی۔

المشتہر

محمد عبد الرحمن و حافظ خلیل الرحمن

چکن مرچنٹ لکھنؤ گلی پارچہ

فہرست اشیاء موسم سرما

فرد رضائی سلی ہوئی مع استر گرٹ گرنت منگواتے ہی استعمال کیجیے ... سے ... تک

فرد لحیفہ سلی ہوئی پختہ... ... سے ...

لحاف مین سکھ پختہ بغیر ... سے ... تک

پلنگ پوش پختہ .... سے ...

... تمباکو کی گولیان قوام ...

نہایت خوشبودار خوش ذائقہ مقوی دل و ... قلب ... رطوبات فضلیہ دافع ... معنی ... وغیرہ ... تمام ملک مین مقبول ہو ... کے خلاف یا کسی ... کیجیے قیمت مع ... تفصیل یہ ہی۔ گولیان ... کے فی روپیہ ... ورق سیاہی ... قوام جسکی گولیان بنتی ہین فی روپیہ ... مندرجہ ...

الناظر

جلد ۲۸ یکم اکتوبر ۱۹۱۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضور نظام
کی
وفات حسرت آیات

ستمبر کا پرچہ تیار ہو چکا تھا۔ آخری کاپیان پتھرون پر جمی ہوئی تھین کہ اُس بادشاہ ہ کے انتقال پر ملال کی الم انگیز خبر پہونچی جو اپنی اٹھائیس سالہ حکومت کے زمانہ مین ایک کرور سے مخلوق بگوشان ریاست کی امیدون اور تمناؤن کا منتہا اور پانچ کرور سے زاید مسلمانان ہند کی عقیدت کا مرکز بنا رہا۔ رسالہ کی بروقت اشاعت کے خیال سے مجبور ہو کر ہم نے اسوقت صرف اتنا کیا کر حاشیہ پر یہ المناک خبر درج کر دی۔ اب بخلوص نیت و صدق دل اس قومی و ملکی نقصان عظیم پر اپنا رنج و اندوہ ظاہر کرتے ہین۔

ہندوستان کا کوئی اخبار یا رسالہ خواہ کسی زبان اور کسی حصۂ ملک مین کیون نہ شائع ہوتا ہو ایسا نہین جسنے اعلیٰحضرت میر محبوب علی خان آنجہانی کی ناگہانی اور بیوقت موت پر اپنے

کالموں اور صفحات کے ذریعہ سے اشک ہاے حسرت و افسوس نہ بہائے ہوں۔ اور اُن کی زندگی کے مہتم بالشان کارناموں کے تذکرے اور خسروانہ صفات کی مدح سرائی مین اپنے قلم کی جولانی نہ دکھائی ہو۔ نظر برآن ہم اس دردناک خدمت کی اعادہ سے قصداً احتراز کرتے ہین

فرمان روایان ریاست ہاے ہندوستان مین جو منزلت دکن کے عالی مقام حکمران کو حاصل ہے اُسکے لحاظ سے اور نیز مرحوم بادشاہ کی غیر معمولی ہر دلعزیزی اور حاتم مثال فیاضی کی وجہ سے ملک بھر نے اُس محبوب خلائق کا سوگ منایا ہے۔ چنانچہ خاص ہمارے شہر مین متعدد ماتمی جلسے منعقد ہوے۔ مخدوم قوم مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی اے آنریری سکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ سابق ہوم سکرٹری ملکت نظام کے دولت کدہ پر ۴ ستمبر کو ایک جلسہ لکھنؤ کے اُن حضرات کا منعقد ہوا جو ریاست حیدرآباد کے متوسل ہونے کے باعث اس دردانگیز حادثہ سے مخصوص طور پر متاثر ہوے تھے۔ اور سب نے یک زبان ہوکر اپنے دلی حزن و ملال کا اظہار کیا اور بالاتفاق اپنی مخلصانہ ہمدردی کا رزولیوشن پاس کرکے مرحوم بادشاہ کے نوجوان جانشین اعلیٰ حضرت نواب میر عثمان علیخان بہادر نظام سابع دام اقبالہ کی خدمت مین تعزیت کا تار روانہ کیا۔

اس جلسہ مین حضرت بے نظیر شاہ صاحب (جنکی شاعرانہ تخئیل کی بلند پروازی سے ملک ناآشنا نہین ہے) بھی تشریف رکھتے تھے اور صاحب خانہ کی خاص تحریک پر دو پُر درد نظمین لکھکر لاے تھے جو اُنھون نے اپنے قابل رشک لہجے مین حاضرین کو سنائین اور ہماری درخواست پر الناظر مین شائع ہونے کے لیے ہمین مرحمت فرمائین۔ ہم ان نظمون کو درج ذیل کرتے ہوے ہز ہائنس نواب میر محبوب علیخان آنجہانی کے لیے دعاے مغفرت کرتے ہین ہمین یقین ہے کہ تمام معزز ناظرین اور معزز ناظرات ہماری ہم آہنگ ہوکر ایسے پرشور نعرہ آمین بلند کرین گی کہ ملاے اعلیٰ کے مقربین انکو بارگاہ صمدیت مین فی الفور پہونچا کر سند قبولیت حاصل کرلین۔

ایڈیٹر

(۱)

بیاو گستے قلب محزون بگریہ | کہ بر رود موسی جو جیحون بگریہ
نگویم کہ گردون فشاند سرشک | مگر خود ستردا آنکہ او خون بگریہ

بگو خاک لیلی شود آب یکسر — بگو روح مجنون چو هامون بگرید
نظام دکن شاه محبوب کو — که جز مرگ او دور گردون بگرید
زهی قدردان هنر فضل پرور — که بر تربتش عهد مامون بگرید
ببین رودکی را که بر یاد نظمش — چه زیبا سراید چه موزون بگرید
ظلافی طمع داشت از دست جودش — به قعر زمین چون نه قارون بگرید
زهی ذکر محبوب محبوب دلها — که بر قلب او درد مقرون بگرید
بگریم چها بر نم چشم ساقی — که بر یاد آن چشم میگون بگرید
گر یاد آرد نه دیوانگانش — که لیلی به تربت چو مجنون بگرید
فلک هم بعهدش یکی را ندیده — که از شکوهٔ بخت واژون بگرید
ز مرگش جهان عالم شد رسم گریه — که خود حاسدش هم بافسون بگرید
عجب نی که در آب ازین شور ماتم — برون آید ازخم فلاطون بگرید
نزار نیست شوکت کنون از وفاتش — نه بر یاد عهد فریدون بگرید
ز هندوستان تا حرم هر که بینی — همیدون به نالد همیدون بگرید
چه افتاد بر سر که چشم فلک هم — بر آن آستان همایون بگرید
چه چشم کرم داشت تا هر عدیلش — چو شیدا بنالد چو مفتون بگرید
نه نشناخته قدر او در حیاتش — کنون هر به اندیشه مطعون بگرید
به معدن همه خون شده لعل رمان — هم اندر صدف دُر مکنون بگرید
چو یاد آید احسان حسنش دلم را — برد رنج هر دم دگرگون بگرید
چو پرسد کسی از کسی وجه گریه — بنالد ز دل بار افزون بگرید
چه از نامه های دکن رنج دیده — که هر فرد ناخوانده مضمون بگرید
هنوزش بچشم است آن ساز عشرت — که مطرب به آهنگ قانون بگرید
بیا بی نظیر آن دم آمد که هر کس — بگرید ورنه اندازه بیرون بگرید
قضا را ازین علم و دانش او — که روح تقرب خود اکنون بگرید

بخواز در دے دہر بخالش
بدرگاہ غفار بے چون بگرید

(۲)

ہے شاہون کا بھی بیکسون مین شمار — یہ کیا بے بسی ہے مرے کردگار
یہ صورت یہ دولت یہ مرگ شتاب — ہے عبرت کی جا بس جہان خراب
بقائے جہان اعتباری نہین — کوئی شے یہان اختیاری نہین
کہان بزم کیخسرو و جشن جم — خوشی چل بسی اور باقی ہے غم
کبھی جلوہ گر دن کبھی رات ہے — جہان مطلع اختلافات ہے
کبھی چاند ڈوبا کبھی آفتاب — زمانہ ہے یا ورطۂ انقلاب
ملے چین کیا دور افلاک مین — ہزارون بھرے گھر ملے خاک مین
جہان تھی خرامان نسیم بہار — وہان اڑ رہا ہے خزان کا غبار
ہزارون شگوفے کھلے تھے جہان — ہر اک پتا نہین اب وہان
وہ گلشن جو تھا رشک باغ ارم — وہان تنکا تنکا ہے اب خار غم
جہان ڈھیر پھولون کے تھے بیشمار — وہان آج ہر سو ہین انبار خار
تھی طوبیٰ کو جس گلستان کی ہوس — وہان بید مجنون کا سایہ ہے بس
محل جنکے تھے قطعۂ نو بہشت — وہ ہین ریزہ ریزہ تہ کہنہ خشت
جو تارون بھری رات کے چاند تھے — وہ مہر و سحر ہوتے ہی ماند تھے
کسی کے کہان ساتھ میلے چلے — اکیلے سب آئے اکیلے چلے
وہ جسکے خزانہ مین کیا کچھ نہ تھا — جو وعدہ برابر ہوا کچھ نہ تھا
یہ دو روزہ دلبستگی کیا ضرور — ہے اس گھر سے اک روز جانا ضرور
نہ عاشق نہ کوئی حسین رہگیا — گیا جو وہان بس وہین رہگیا
تھین اشک کیا چشم نمناک مین — غضب صورتین ملگئین خاک مین
وہ گلدستے تھے جو حسن و خوبی مین فرد — ہوا مین اڑی پھرتی ہے انکی گرد

مہ و خور سے جو داغ سینوں کے ہین — یہ سب داغ غم ان حسینوں کے ہین
وہ جو اوج مین رشک افلاک تھے — وہ گرتے ہی اک تودۂ خاک تھے
جو مشہور تھے گنج مین زور مین — نہین ہڈیان انکی اب گور مین
وہ تیموریہ تھے جو کل اہل تاج — وہ محتاج نان شبینہ ہین آج
نہ وہ ہشت خلد اور نہ آرام ہے — کہان گور بس نام ہی نام ہے
مکین وہ نہین وہ مکان بھی نہین — بہت نامیون کے نشان بھی نہین
نہ لیلیٰ نہ مجنون ہین زیر فلک — مگر نوحہ خوان عشق ہے آجتک
نہ کامل نہ کوئی نبی رہ گیا — زمانہ بس انکا ولی رہ گیا
ثمر ہان جو مل جاے انجام نیک — حیات ابد ہے یہی نام نیک
ملے جسکو یہ دولت پایدار — کوئی اس سے بہتر نہین یادگار
سراہون کس انداز مرغوب کو — ملا سب یہ مرحوم محبوب کو
دعا بےنظیر اب ہے اللہ سے — ولی عہد کو اُسکے تو صبر دے
ہر انداز اس کا بھی مرغوب ہو — کہ عثمان علی فخر محبوب ہو
جو کالج کو تھا اُنکے دم سے قیام — یونیورسٹی کو یہ بخشین دوام
یہ خیر سرتاج اکرام ہے — یہ مجموع اسلام کا کام ہے
الٰہی سلامت یہ سلطان رہے — مع الخیر عثمان علیخان رہے
جو مرحوم آئے بہت ہمکو یاد — اسے دیکھکر اپنی آنکھین ہون شاد

ملے اسکو جنت مین اعلےٰ مقام
یہ دنیا مین ہر دم رہے شادکام

سچا ماتم

بادی النظر مین یہ جملہ کوئی معنی نہین رکھتا۔ لیکن اسی جملہ کو اگر عمیق نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ جملہ بذات خود ایک نتیجہ خیز جملہ ہے۔

کائنات مین بہت سی چیزین ایسی ہین جو لازم و ملزوم ہین مثلاً صبح شام۔ بہار خزان حیات ممات۔ اقرار انکار۔ وغیرہ وغیرہ اسوقت ہمکو صرف لفظ اقرار کی شرح کرنا منظور ہے۔

اقرار کی دو قسمین ہین۔ اقرار باللسان اقرار بالقلب اول الذکر کے اسباب مین سب سے بڑا سبب (خوشامد) ہے۔ جسکا دیرپا ہونا ممکن ہی نہین۔ البتہ آخر الذکر کے سبب کا قیام حق بجانب ہی مگر اسکے استحکام کا موضوع ہونا لازمی ہے۔

اسوقت اسکا مفہوم ایسی ذات ستودہ صفات کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے جو قسم اول سے کوسون دور ہی یعنی ہمارے آقائے ولی نعمت حضور پر نور بادشاہ جمجاہ لفٹنٹ جنرل ہز ہائنس مظفر الملک مظفر الممالک نظام الدولہ نظام الملک آصف جاہ سادس اعلیٰ حضرت نواب میر محبوب علیخان بہادر فتح جنگ جی سی بی جی سی ایس آئی کا انتقال پر ملال۔

عنوان بالا کے ثبوت مین چند خصوصیات پیش ناظرین کیجاتی ہین حضرت کی ذات فیض البرکات سے نہ صرف دکن ہی مین بلکہ چار دانگ عالم مین جیسا فیض پہونچا ہے وہ کسی نظر سے پوشیدہ نہین ہے۔

سب سے پہلے امور مملکت جیسے آپ کے عہد مبارک مین جو جو ترقیان ظہور مین آئین اگر انکو بالتفصیل بیان کیا جائے تو ایک دفتر درکار ہے۔ مختصر یہ کہ آپ کے عہد مین ریل اور تار کا سلسلہ قائم ہوا۔ محکمہ جات مہذب و شائستہ بنائے گئے۔ آبپاشی کے ذرائع وسیع ہوئے۔ سڑکین تعمیر ہوئین۔ جدید مدارس جاری کرکے ملک کو تعلیم یافتہ بنایا۔ شفاخانے قائم ہوئے۔ ڈکیتی اور راہزنی کا انسداد کیا گیا امن و امان کے قانون بنائے گئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اسکے بعد آپ کی فیاضی۔ علاوہ قلمرو دکن کے ممالک غیر مین ضرب المثل ہے۔ کوئی ملک اور کوئی مقام ایسا نہین جہان آپ کے دریائے سخاوت سے سیرابی نہو۔ حضرت کی طبیعت مین تعصب نام کو نہ تھا۔ ہر ایک قوم و ملت کے آدمی کو آپ نے ہمیشہ ایک

۱ مفصل حالات حضرت کی سوانح عمری مین دیکھیے جو عنقریب طبع ہو نیوالی ہو اور بجائے خود ایک مبسوط تاریخ ہوگی۔

نظر سے دیکھا اور مراحم خسروانہ سب پر یکسان تھے جہان مساجد و مزارات کی خدمت آپ کو مد نظر رہی وہان سیون مندر گرودوارے چرچ وغیرہ کو بھی امداد پہونچتی ہے۔

سیکڑون غیر مذاہب کے علما و فضلا آپ کے بحر کرم سے سیراب ہین۔ پس یقین ہو گیا کہ جب ایسے مجمع الفیوضات کا سایہ سرون سے اُٹھ جاے تو ایسے کا ماتم بیشک

سچا ماتم ہے

قبل اسکے کہ حضرت کے کچھ حالات زندگی بیان کیے جائین۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے آپ کے آبا و اجداد کے مختصر حالات بیان کرکے آپ کے حالات پر مضمون ختم کیا جائے۔

تاریخ رشید الدین خانی مین اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے آبا و اجداد ترکستان کے علاقہ ماورار النہر مین رہا کرتے تھے۔

خواجہ میر اسمعیل جنکا سلسلہ نسب حضرت شیخ شہاب الدین سُہروردی سے ملتا ہوا حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے۔ وہ شہر سمرقند مین رہا کرتے تھے اور وہان کے حاکم کی طرف سے ملک العلما کا خطاب حاصل تھا۔ اُنکے دو فرزند تھے۔

میر بہاء الدین   میر عابد خان

اول الذکر تو اپنے والد کی وفات کے بعد سمرقند کے قاضی مقرر ہوے۔ اور دوسرے صاحب نے ہندوستان مین آکر شاہجہان بادشاہ کی ملازمت حاصل کرلی۔

اورنگ زیب عالمگیر نے جسوقت ابو الحسن تانا شاہ کے مقابلہ مین گولکنڈے کا محاصرہ کیا تو اس موقع پر عابد خان بھی شریک معرکہ آرائی تھے اور ۲۴ ربیع الاول ۱۰۹۸ ہجری کو ضرب توپ سے جان بحق تسلیم ہوے۔ اور انکے دو فرزند تھے۔ منجملہ اُنکے نواب غازی الدین خان بہادر کو اورنگ زیب نے فیروز جنگ کا خطاب دیکر منصب ہفت ہزاری پر مامور کیا۔ انھون نے یہانتک ترقی کی کہ اورنگ زیب کے وزیر اعظم ہوگئے اور انھین کے ساتھ وزیر النسا بیگم صاحبہ دختر نواب سعد اللہ خان وزیر شاہجہان آباد دہلی منسوب ہوئی تھین۔ جنکے بطن سے ۱۰۸۲ھ مین نواب میر قمر الدین خان بہادر پیدا ہوے۔ ابتدائی زمانہ مین انکو عالمگیر نے منصب پنجہزاری عطا کیا اسکے بعد چین قلیچ خان کا خطاب دیکر بیجاپور کی صوبیداری عنایت کی۔

بہادر شاہ اول نے اپنے عہد مین خان دوران خان کا خطاب دیکر اودھ کا صوبہ دار بنایا۔ اور اسکے بعد مدارج مین ترقی ہوتی رہی۔

فرخ سیر کے زمانہ مین حیدرآباد فرخندہ بنیاد کے صوبہ مقرر ہوے۔ اور سنہ ۱۱۵ھ مین محمد شاہ نے آصف جاہ کا خطاب دیکر قلمدان وزارت عطا فرمایا۔ تھوڑے دنون تک انھون نے اس خدمت جلیلہ کو بہت ہی نیکنامی کے ساتھ انجام دیا۔

اسی دوران مین نادر شاہ نے دہلی پر فوجکشی کی جس سے ملک بہت کچھ تباہ و تاراج ہوگیا اور انتظام سلطنت مین بہت سی خرابیان پیدا ہوگئین جسکے دفعیہ کے لیے نواب آصف جاہ بہادر نے بہت کچھ کوشش کی مگر جب ناکامی معلوم ہوئی تو مجبوراً وزارت سے مستعفی ہوکر دکن کی مستقل صوبہ داری حاصل کرلی جو کہ انکے خاندان مین موروثی ریاست ہوگئی۔ اس واقعے کے بعد قریباً ۵۹ سال حکمران رہکر ۴ رجادی الثانی سنہ ۱۱۶۱ھ کو نواح بیجاپور مین وفات پائی۔

اسکے بعد یکے دیگرے سات بادشاہون نے قلمرو دکن پر حسب نقشہ ذیل حکومت کی۔

نمبر شمار	نام فرمان روا	سن ولادت	سن جلوس	مدت سلطنت	مدت عمر	سن وفات
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۱	نواب ناصر جنگ بہادر	سنہ ۱۱۲۰ھ	سنہ ۱۱۶۱ھ	۳ سال	۴۴ سال	سنہ ۱۱۶۴ھ
۲	نواب صلابت جنگ بہادر	سنہ ۱۱۳۳ھ	سنہ ۱۱۶۴ھ	۱۱ سال	۴۴ سال	سنہ ۱۱۷۷ھ
۳	نواب میر نظام علیخان بہادر غفران مآب	سنہ ۱۱۴۶ھ	سنہ ۱۱۷۵ھ	۴۳ سال	۷۲ سال	سنہ ۱۲۱۸ھ
۴	نواب سکندر جاہ بہادر مغفرت منزل	سنہ ۱۱۸۲ھ	سنہ ۱۲۰۸ھ	۲۶ سال	۶۲ سال	سنہ ۱۲۴۴ھ
۵	نواب ناصر الدولہ بہادر غفران منزل	سنہ ۱۲۰۸ھ	سنہ ۱۲۴۴ھ	۲۹ سال	۶۵ سال	سنہ ۱۲۷۳ھ
۶	نواب افضل الدولہ مغفرت مکان	سنہ ۱۲۴۳ھ	سنہ ۱۲۷۳ھ	۱۳ سال	۴۲ سال	سنہ ۱۲۸۵ھ
۷	نواب میر محبوب علیخان بہادر طاب ثراہ و ۶ ذی الحجہ [illegible]	سنہ ۱۲۸۳ھ	سنہ ۱۳۰۱ھ	۴۸ سال	۴۶ سال	سنہ ۱۳۲۹ھ

اب یہان سے وہ حال ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے جسکی بہت دیر سے آنکھین مشتاق تھین۔

اعلیحضرت قدر قدرت حضور پرنور میر محبوب علیخان بہادر ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۳ھ یوم
بنت شب پیدا ہوے (چراغ دکن) سے ولادت باسعادت کی تاریخ برآمد ہوتی ہے۔
نواب افضل الدولہ بہادر غفرت مکان کی وفات کے بعد دو برس سات مہینے کی عمر میں ۱۸
ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ یوم دوشنبہ کو آپ تخت نشین ہوے۔ اور امور سلطنت کی انجام دہی کے لیے نواب
مختار الملک اور امیر کبیر نواب شمس الامرا کا انتخاب ہوا۔ ۱۰ شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ کو رسم تسمیہ خوانی ادا ہوئی
جسکی تقریب مین خاص چو محلہ مبارک مین ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا گیا۔ اور شہر کے تمام اعیان امرا
و علما و فضلا مدعو کیے گئے۔ اور تمام شہر مین عام روشنی کی گئی جس مین خصوصیت کے ساتھ چار مینار
سر وچراغان نظر آرہا تھا۔
اب حضرت کی تعلیم و تربیت کا زمانہ شروع ہوا جبکہ یہ افضل العلما مولوی محمد زمان بمشاہرہ گیارہ
سو روپیہ ماہوار مامور ہوے۔ اور انکے تحت مین حسب ذیل علما کا تقرر عمل مین آیا۔
(۱) حاجی محمد انوار اللہ خان صاحب (۲) مولوی محمد مسیح الزمان خان صاحب (۳) آغا مرزا صاحب
سرور الملک (۴) حافظ انوار الدین خان محبوب نواز جنگ (۵) مرزا نصر اللہ خان دولت یار جنگ (۶) مسٹر جی کلارک (۷) مسٹر کرون (۸) مسٹر ہاڈسن۔
۱۲۹۳ھ مین بمقام دہلی دربار قیصری منعقد ہوا جس مین حضور بندگان عالی بھی مدعو کیے گئے
تھے چنانچہ ۱۸ ذالحجہ ۱۲۹۳ھ کو سواری مبارک دہلی پہونچی۔ اسکے دوسرے روز حضور وایسرائے
کا ورود ہوا۔ ۸ تاریخ کو اعلیحضرت نے وایسرائے بہادر سے ملاقات فرمائی۔ اور ۱۳ تاریخ کو وایسرائے
سے ملاقات بازدید کی رسم ادا فرمائی۔
۱۵ تاریخ دربار منعقد ہوا جسمین ہندوستان کے تمام والیان ریاست شریک تھے۔ اعلیحضرت
کی کرسی حضور وایسرائے کی محاذی تھی اور انکے یمین و یسار امراے دولت آصفیہ متمکن تھے۔ اور
انکے بعد تمام روسا اور مہاراجگان کی نشست تھی۔ اس جلسہ مین تین لاکھ آدمیون کا مجمع تھا جس مین
ملکہ معظمہ وکٹوریہ آنجہانی نے قیصرۂ ہند کا خطاب قبول فرمایا۔
۲۲ تاریخ کو بندگان عالی نے مراجعت فرمائی اور ۲۸ کو حیدرآباد تشریف لائے جسکی خوشی
میں رعایا نے تمام ملک مین خوب روشنی کی جس سے اظہار عقیدت مندی ظاہر ہوتا تھا۔

جبکہ ۲۹ ربیع الاول ۱۳۰۰ھ کو نواب سالار جنگ نے انتقال فرمایا تو اعلیٰحضرت نے انکے فرزند نواب میر لائق علیخان عماد السلطنۃ کو قلمدان وزارت عطا فرمایا۔ اسی سال مین اعلیٰحضرت بندگان عالی بنفس نفیس لارڈ رپن بہادر گورنر جنرل کی ملاقات کے لیے کلکتہ تشریف لیگئے۔ یہان حضور والا کی شاہانہ طور پر مہمانداری ادا کی گئی اور اسی روز وہان ایک عظیم الشان نمایش ہوئی تھی جسمین اعلیٰحضرت بندگان عالی بذات خاص زینت بخش نمایش ہوئے۔ اور لاکھ روپیہ کی چیزین خریدی گئین اور پندرہ ہزار روپیہ محتاج خانون مین عطا فرمایا۔ اسکے بعد آپ حیدرآباد فرخندہ بنیاد مین واپس تشریف لائے۔ اسکے بعد ۴ ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ کو لارڈ رپن بہادر ویسرائے ہند حیدرآباد دکن مین تشریف لائے اور ۶ ربیع الثانی کو ایک عظیم دربار منجانب دولت آصفیہ منعقد کیا گیا جسمین ویسرائے بہادر نے ایک طویل اور پرمغز اسپیچ کے بعد اعلیٰحضرت کو قلمرو دکن کے اختیارات عطا فرمائے جسکی خوشی مین کئی روز تک جشن منایا گیا۔ ۱۳۰۲ھ مین اعلیٰحضرت نے مدراس اور نیلگری کی سیاحت فرمائی اور ۱۸۹۹ء مین لارڈ کرزن بہادر کے مدعو کرنے پر حضرت اقدس و اعلیٰ کلکتہ تشریف لیگئے اسوقت حضور کی مشایعت مین بزمانہ شہزادگی اعلیٰحضرت قدر قدرت حضرت پرنور نواب میر عثمان علیخان بہادر موجودہ فرمانروائے دکن خلد اللہ ملکہ بھی موجود تھے۔

۱۹۰۱ء مین مادر مہربان کوئین وکٹوریہ ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند کا انتقال ہوگیا اور انکی جگہ شہنشاہ معظم اعلیٰحضرت ایڈورڈ ہفتم آنجہانی کی تخت نشینی عمل مین آئی جسکی تقریب مین بمقام دہلی جنوری ۱۹۰۳ء مین ایک عظیم الشان دربار منعقد ہوا جس مین حضور پرنور بھی مع ارکین دولت کے تشریف لیگئے۔

جبکہ ۱۳۲۳ھ مین اعلیٰحضرت کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو حسب قاعدۂ قدیم یہان بھی جشن چہل سالہ ترتیب دیا گیا جسکا بالتفصیل حال سوانح عمری کلان مین مندرج ہے جو عنقریب ہدیہ ناظرین ہوگی۔

۱۹ شوال ۱۳۲۳ھ سے جشن جوبلی کے کاروبار شروع ہوے جنکا کئی ہفتہ تک سلسلہ جاری رہا۔ باغ عامہ مین ایک دربار منعقد کیا گیا تھا جسمین حضور والا نے بنفس نفیس شرکت فرمائی تھی۔ رعایا کی جانب سے جو ایڈریس پیش ہوا تھا اسکے جواب مین حضرت نے ایسی [illegible] فرمائی کہ جس سے رعایا کے ساتھ آپ کی دلی ہمدردی اور شاہانہ شفقتون کا پورا پورا اظہار ہوتا [illegible]

آپ کے عہد مبارک مین حسب ذیل وزرا مقرر ہوتے رہے۔

سلسلہ	نام وزیر دکن	مدت وزارت
۱	نواب مختار الملک بہادر سالار جنگ اول	۱۸۵۳ء سے ۱۸۸۳ء تک
۲	نواب عماد السلطنۃ سالار جنگ دوم	۱۸۸۴ء سے ۱۸۸۷ء تک
۳	امیر کبیر نواب سر آسمان جاہ بہادر	۱۸۸۷ء سے ۱۸۹۳ء تک
۴	نواب سر وقار الامرا بہادر	۱۸۹۴ء سے ۱۹۰۱ء تک
۵	سر مہاراجہ یمین السلطنۃ بہادر	۱۹۰۱ء سے اسوقت تک

ان مختصر حالات مین اسوقت اعلیحضرت کی زندگی کے صرف چند واقعات قلمبند کیے گئے ہین اب ہم اس پر آشوب گھڑی کو بیان کرتے ہین جسنے ایسے جلیل القدر اور رعایا پرور بادشاہ کو ہم سے ہمیشہ کے لیے چھوڑا یا۔

۲۰ رمضان ۱۳۲۹ھ تک حضور کا مزاج اچھا تھا دفعۃً آپ کو فلک نما پر ایک چکر آیا پاس والون نے آپ کو سنبھال کر بستر پر لٹا دیا اسیوقت سے آپ پر بیہوشی طاری ہوگئی۔

اس خبر وحشت اثر کے سنتے ہی عالیجناب مہاراجہ مدار المہام بہادر سراسیمہ ایوان وزارت مین داخل ہوے اور اس جوش عقیدت کے تقاضہ سے جو آپ کو اعلیحضرت کے ساتھ تھا قصر فلک نما پر تشریف لیگئے۔ کسیقدر مزاج سنبھلنے کی خبر پاکر واپس تشریف لے آئے صبح کو مہاراجہ بہادر اور دیگر امراء مزاج پرسی کو حاضر ہوے اسوقت بھی حالت ایسی خطرناک نہ تھی۔ مگر مرض مین زیادتی ہوگئی تھی تھوڑی دیر کے بعد تشنج کا دورہ ہونے لگا۔

مہاراجہ مدار المہام بہادر اور صاحب رزیڈنٹ بہادر اور دیگر امرا حاضر ہوے اسی عرصہ مین ڈاکٹر لاکین ڈاکٹر عبد الغنی ڈاکٹر کورلا والا بھی حاضر ہوے اور انھون نے حالت دیکھکر مایوسی ظاہر کی مرض بڑھتا گیا یہانتک کہ ۴ رمضان یوم سہ شنبہ کو بارہ اور ایک بجے کے درمیان مین ۱۲ بجکے ۴۴ مرحلے طے کر کے عالم فانی سے ملک جاودانی کی طرف سدھارے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اس خبر کے سنتے ہی رعایا نے فرط رنج وغم مین اپنا تمام کاروبار بند کردیا۔

قریب ایک بجے کے قصر فلک نما سے جسد مبارک چو محلہ مین لایا گیا۔ اور بروئے وصیت مکہ مسجد مین

لحد کی تیاری ہوئی۔

الحاصل رات کے ایک بجے کے بعد آپ کو سپردخاک کیا گیا۔ اسوقت ایک ماتم برپا تھا ہرطرف سے سوائے آہ وزاری کے اور کچھ سنائی نہین دیتا تھا اور ہرکس وناکس آٹھ آٹھ آنسو رو رہا تھا۔

جب رعایائے دکن کے سر سے اعلیحضرت نواب میر محبوب علیخان بہادر کا سایہ اوٹھ گیا تو اسی روز سہ پہر کو آپ کے شہزادۂ اکبر نواب میر عثمان علیخان بہادر نے اہل دکن کو اپنے سایۂ عاطفت مین لے لیا۔ جسکا اعلان نواب شہاب جنگ بہادر روز یہ کوتوالی نے متصل چارمینار بہ آواز بلند پڑھ کر سنایا۔ پھر نواب سلطان یار جنگ بہادر کوتوال بلدہ نے اپنے ساتھ مختصر سی جمعیت لے کر گلی گلی کوچہ کوچہ اُس اعلان کی تشہیر کی جسکو سنکر تمام رعایا کو اطمینان اور سکون قلب حاصل ہوا۔ اور ہر ایک کے دل سے یہی دعا نکلی کہ

الٰہی بخت تو بیدار بادا ترا دولت ہمیشہ یار بادا
گل اقبال تو دائم شگفتہ بچشم دشمنانت خار بادا

این دعا از من وز جملہ جہان آمین باد

از حیدرآباد دکن
۵ رمضان المبارک

دعاگوئے دولت آصفی
صبر دہلوی

حضور جنت میں

(چوتھی رمضان المبارک یوم سہ شنبہ وقت ۱۲ بجے اور ایک بجے دن کے)

فردوس گیٹ کے بیرونی گول برامدے مین ابھی ٹیلیفون سے رضوان نے کان ہٹایا تھا اور اپنے کسی اسسٹنٹ کو آواز دینے والا تھا کہ سبز نورانی موٹر کار گرجتی ہوئی پھاٹک پر آکر رک گئی رضوان آگے بڑھا موٹر کار کا دروازہ کھولا گیا۔ اعلیحضرت میر محبوب علیخان جی سی بی اپنی مخصوص سراپا نور ادا سے محبوبیت سے اوتر پڑے۔ رضوان نے عرض کیا کہ ابھی ابھی سرحدی گورنر دل کے ٹیلیفون حضور کے داخلہ کے متعلق آئے ہی تھے کہ حضور کی موٹر پہونچ گئی ویلکم کی شاندار رسم جو ضرور ہونی چاہیے تھی نہو سکی۔ لیڈیز کے شگفتہ گلدستہ حسن افروزی نگاہ ظل سبحانی سے محروم رہے حضور مسکراتے ہوے گل افشان ہوے کہ "ہان پہلے سے اطلاع کا موقع نہ ملا دفعتہً جی چاہا کہ اب خلد برین کی آب و ہوا سے لطف اٹھانا چاہیے۔ جب دیدۂ و بیج آگیا یہانتک کہ کسی سے کچھ کہا سنا بھی نہین۔ استقبال وغیرہ کے تکلفات یہان بھی! مسٹر رضوان مین تکلفات دنیا سے اوکتا کے یہان آیا ہون کہ شاداب و خموش کنجہاے باغ مین رحمت الہی کی آغوش مین پڑا رہون جھوٹے نمایشی برتاؤ کرنے والے نہون نہ نظر فریب آداب شاہی"۔ رضوان نے فوراً آراستہ موتی محل کے دروازے کھلوا دیے اور حضور سے استدعا کی گئی کہ تھوڑی دیر آرام فرمالین تو پھر آرزومندان باریابی حاضر ہون۔

چشم زدن مین بے تار کے ٹیلیفون نے تمام جنت و مضافات مین یہ خبر پہونچادی کہ آصف سادس تشریف فرما ہو گئے ہین اور رہین رہینگے جنتیون کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ آصف جاہان سابق کی شادمانی قابل دید تھی چہرے گلابی ہو رہے تھے منتظر تھے کہ "صاحبزادے" آرام پا چکین کہ تشنۂ دیدار سیراب ہون۔ قصر عالی کے گرد اسقدر جنتیون کا مجمع ہو گیا کہ کئی ہزار جانباز فرشتہ پولیس انتظام کے لیے آگئی محل کے گرد کی گیلریز پر تمام حورین آراستہ پیراستہ ہو بیٹھین۔ محل کی جانب شمال وسیع اور چمکدار دالانون مین جو فرنیچر الٰہی سے آراستہ تھے آصف جاہان دکن منتظر بیٹھے تھے جانب جنوب مخدرات عالیہ شاہی خاندان کی خواتین نورانی رنگ برنگ کی نقابون مین بیچینی سے انتظار کر رہی تھین کہ اکبر تبہ غلمانون مین سرگوشیان شروع ہوئین۔ ڈوریان کھنچین

سرا پردۂ شاہی کو جنبش ہوئی غیبی آواز ہوشیار باش نے ایک مودبانہ ہلچل پیدا کر دی باطن کی آنکھیں
نظر افروز ہوئیں آصف جاہ سادس کے پر رعب مگر دلکش چہرے نے بوڑھے شاہان مغلیہ کی ترسی پیا[سی]
نگاہوں کی ایسی سیرابی کی کہ نیند سی چھا گئی۔ بندگان عالی نے بڑھ کے ہر ایک کی دست بوسی کی جنوبی
مالاؤں سے گود بھر بھر کے دعاؤں کے ساتھ سامعہ نواز نغمے ایک عجب کیفیت پیدا کر رہے تھے حضور ادھر بڑھے
قریب ہو پہنچے سر تسلیم خم کیا کسی نے بلائیں لیں کسی نے پیار کیا کسی نے کہا واہ بیٹا واہ کوئی اتنا ترساتا ہے
ہماری آنکھیں تو راہ دیکھتے دیکھتے سفید ہوگئیں غرض مختلف کرشمہ شفقت کے دیکھتے محبت بھری باتیں
سنتے آصف جاہی گروہ میں ہو پہنچے سب کے ساتھ اُس عام مجمع کی طرف بڑھے جو چاروں طرف سے
اُس نورانی محل کے بیرونی فضا میں سمایا ہوا تھا اُسکے گرد اگرد گیلریوں میں حوریں تار نظر سے نورانی سہرے
اعلیٰحضرت کے باندھ رہی تھیں مجمع نے بڑی گرمجوشی سے چیرز دیے حضور نے خندہ پیشانی سے سلام
لیے حوروں نے گلدستہ پھینکے حضور نے بوڈ کیا (Bowed) غرض اس مجمع کو جس میں مقدس
رعایائے حیدرآباد و بالعموم مسلمانان ہندوستان کا گروہ تھا حضور آسودۂ نظارہ کرکے محل ہمایوں
کے بڑے ہال میں رونق افروز ہوئے اکثر جان نثاران سابق کی نذریں ہوئیں حضور انکسار [illegible]
بزرگوں کی طرف ہاتھ نذر دینے والے کا بڑھا دیتے تھے مگر وہ مجبور کرکے حضور ہی کو نذر لینے کیواسطے
ہدایت کرتے تھے خوردی و بزرگی کے راز و نیاز ہو رہے تھے کہ حضرت ناصر الدولہ بہادر آصف
جاہ رابع نے پوچھا کہ میاں کہو حیدرآباد کا کیا حال ہے ہم لوگ یہاں دس بیس سال سے بڑے
سکھ کی نیند سوتے تھے تمھاری حکومت کی امن و امان و ترقی کی خبریں ہمکو عذاب بیداری سے
بچائے ہوئے تھیں۔ تمھاری افزونی وجاہت تمغہ والی ملک معظم سے تازہ دوستی۔ رعایا کی
خوشحالی تمدن دکن کی روز افزوں سرسبزی و باقاعدگی ہم لوگوں کو بہت خوش کیے تھی اب
خدا جانے کیا حشر ہوگا!! ابھی یہ سلسلہ تقریر ختم نہ ہوا تھا کہ دنیا کی تازہ ڈاک پیش ہوئی مشیر دکن کا
ذاتی پرچہ ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور "عروس دکن کا نوحہ" پڑھا گیا سب چشم پر آب ہوگئے اور خود
حضور اس موقع پر جہاں شہزادوں کے نام اور اُنکی اولادوں کا ذکر تھا منہ پھیر کے آنکھیں [illegible]
سے معاف فرمانے لگے ناصر الدولہ بہادر بولے دیکھا جسکا خیال تھا ٹھیک نکلا بیٹا تمہارے
جان نثار رعایا تمہارے لیے بےچین ہوگی انہیں لوگ خودکشی نہ کریں حضور نے ضبط گریہ کرکے [illegible]

بھرائی ہوئی آواز مین فرمایا کہ گو اوا جان مین جنت کی سیر کی آرزو قرب ربانی کی تمنا مین ایسا محو ہوا کہ چشم زدن مین آ پہونچا گو مجھے اس عالم ماتم نوحہ خوانی کا اندیشہ تھا مگر اُسوقت شوق مین کچھ خیال نہ رہا خیر امتداد زمانہ وطول فراق قدرت کی زبردست تدبیر جو حوادث کے پہاڑ دلون پر سے ہٹا دینے مین یدطولی رکھتی ہے میرے غم کو میری رعایا کے دلون سے کم کردیگی اور بڑی اچھی بات یہ ہے کہ میری مرضی کے مطابق میرے محترم دوست حضور ملک معظم کے ایما سے لخت جگرم میر عثمان علیخان بہادر بہت وقت سے تخت نشین کیے گئے اور رعایاء دکن کے زخمون پر بہت جلد مرہم لگایا گیا اب سکون ہو گیا ہوگا اور ہوتا جائیگا کل پرسون کی خبرین انشاء اللہ تعالی اطمینان بخش ہونگی" حضور کی اس تقریر سے سب ذرا مطمئن ہوے غلامون کی چھوٹی سی جماعت نے چار بہشتی تازہ میوؤن کی کشتیان پیش کین کیا، نوشی ہوئی! اسکے بعد غیر مرئی وغیر محسوس راحت افزا حسین وجمیل سواریون مین یہ سب حضرات سیر جنت کو نکلے۔

شمالی جنت کے ایک پرفضا مگر خاموش حصہ مین چند بلورین کوٹھیان دیدہ زیب بنی ہوئی تھین سامنے آبشارون اور سبزہ زارون کی قدرتی سینری تازگی بخش چشم شوق ہے ان کوٹھیون مین وہ اولوالعزم خدا کے مقبول بندے رہتے ہین جنھون نے دنیا مین قومی کام کیے اور اپنا دل ودماغ وصحت وآرام فداے قوم کر گئے۔ سید احمد خان۔ سید مہدی علیخان اسی پر تکلف حصہ جنت مین فروکش ہین۔ جسوقت کی کیفیت ہم لکھ رہے ہین اُسوقت سید احمد خان آرام کرسی پر لیٹے بڑے غور سے مسلم یونیورسٹی کا کانسٹیٹیوشن جو دنیا کی تازہ ڈاک نے پہونچایا تھا دیکھ رہے تھے کہ سید محمود آئے اور آتے ہی سرسید سے بہت غمگین لہجہ مین کہنے لگے کہ ہین تو کچھ مسلم یونیورسٹی کے آثار اچھے نہین نظر آتے سر سید چونک پڑے بولے خیر تو ہے یہ تم نے کیا کہا انھون نے کہا کہ حضور آصف جاہ سادس غمکدۂ دنیا سے بیزار ہوکر ہجرت فرماکے یہان آ گئے ہین ابھی ابھی مجھے خبر ملی ہے ظاہر ہے کہ اب یونیورسٹی کا گران بہا سرپرست سب سے زیادہ معاون کون رہا اور کیا خاک سرسبزی ہوگی! سید آہ سرد کھینچکر خاموش ہوے پھر کہنے لگے چلو چلو حاضر ہون حضور کو دیکھے ہوے مدتین گزرین۔ باپ بیٹے اپنی کوٹھی سے درباری لباس پہنکر مہدی علی کی کوٹھی مین گئے وہ پہلے سے خبر پاکر تیار ہو رہے تھے یہ سب مل کر

قصر معلیٰ کے ویٹنگ ہال مین جا پہونچے۔ ملکوتی چوبداروں نے خبر کی یہ لوگ سنبھلنے بھی نہ پائے تھے
کہ یاد ہوئی۔ سب سے زیادہ منور اور سجے ہوئے کمرے مین جہان ہر آن و ہر لحظہ انوار قدسی کا نزول
ہوتا رہتا تھا اعلیحضرت جلوہ افروز تھے یہ لوگ سامنے پہونچے ہی تھے کہ تاذب کی پر عظمت دبدبے
سر تسلیم خم کرنے کی تحریک کی پر شوکت ضیا گستر چہرہ مبارک کی سطوت نے اور نورانی شعاعون
کی چھوٹ نے ان حضرات کو باوجود استقلال مزاج مرتعش کردیا بہرحال سر سید نے بہت جی کڑا کرکے
آگے بڑھ کر حضور کے ویلکم کی تہنیت عرض کی۔ کچھ جھجک نکلی جرأت آئی سلسلہ تقریر مسلمانان ہندوستان
کی بدقسمتی اور مسلم یونیورسٹی کی بیکسی تک پہونچا۔ سید احمد خان نے ساتھ ہی یہ عرض کیا کہ گو بعد جود ہ
تاجدار دکن سے بھی ہماری قوم کی امیدین وابستہ ہین مگر جو دلچسپی یور ہائینس لیتے وہ بہت زیادہ
قیمتی ہوتی۔ بندگان حضرت سید کی ختم تقریر تک مسکراتے رہے اور اس حصہ تقریر پر چشم
پر آب بھی ہوے جہان سید نے خدا کی رحمتوں اور مسلمانون کی ناقابلیت و مصیبتون کا مقابلہ کیا تھا۔ ختم
تقریر کے بعد اعلیحضرت فرمانے لگے "سید صاحب مجھے اس سے اتفاق ہے کہ مجھے بہت گہری دلچسپی
مسلم یونیورسٹی کے آئیڈیل سے تھی اور مین اچھا اور بہت موقع کا منتظر تھا کہ خاطر خواہ آغا خان کو خوش
کرتا مگر مجھے اس سے اتفاق نہین ہے کہ برخوردار میر عثمان علیخان بہادر مجھسے کم دلچسپی مجھسے کم ہمدردی
مسلم یونیورسٹی سے کرینگے آپ انکی بہت ہی صغیر سنی مین یہان آگئے اسوجہ سے آپ کو پورے طور پر
انکے نشو و نما وسعت معلومات۔ ذو تعلیمی و مسلمانان عالم سے قدرتی محبت ایثار نفسی وغیرہ کے
صفات سے واقفیت کا اتفاق نہین ہوا مین آپ کو یقین دلاتا ہون کہ وہ خاطر خواہ ہمدردی کرینگے
اور مسلم یونیورسٹی کو مستغنی سوال کردینگے" حضرت کے اس فرمانے سے فرط طرب سے تینون فدائیان
قوم کے آنسو نکل پڑے اور سب نے بالاتفاق کہا کہ یور ہائینس کا ارشاد ہم سب کے لیے تسکین بخش ہے
حضور میر عثمان علیخان بہادر خدا انکو مسلمانون کے انتہائے ترقی و انتہائے آرزو تک دنیا مین
شادکام اور بار آور رکھے ضرور ہم سے بے وسیلون کے لیے کافی سہارا ہین اور کیون نہون کس کا
سے انھون نے کسب ضیا کی ہے۔ ذاتی جوہر اور پھر اسپر پر فیض شعاعین نور گستری کا کیا عالم
ہوگا!! یہ تقریر ہو ہی رہی تھی کہ بارگاہ احکم الحاکمین سے پولٹیکل سکرٹری کی آمد کی اطلاع ہوئی
آداب بجا لاؤ کے شور کر کے ساتھ علیگڈھ کو واپس ہوے۔ پولٹیکل سکرٹری سے دوگھنٹہ

خلیہ رہا اُسکے بعد مشہور ہوا کہ اب بندگان اعلحضرت قرب اختصاص کے تمغۂ اخلاص سے سرفراز فرمائے جائینگے۔ اور شہنشاہ حقیقی سے کچھ ایسے قرب مین مہمان رہینگے کہ

نہ کسے بہ رود آنجا نہ کسے می آید

قطعہ تاریخ انتقال حضرت آصفجاہ سادس طاب ثراہ

جنکے احکام کی کل تک تھی دھوم — آج وہ زیر زمین ہین معدوم
سنئے انھین مین سے شہ آصفجاہ — آیت رحمت حی القیوم
اے فلک موت کا ان سے رشتہ — ہے یہ پیوند نہایت مذموم
جوڑ تھا خوب حیات جاوید — اور محبوب علیخان مرحوم

دہم رمضان شریف ازکیل — امین الحسن کیل

قطعات تاریخ وفات حسرت آیات اعلحضرت نظام الملک نواب

میر محبوب علیخان بہادر آصفجاہ۔ جی سی الیس آئی جی سی بی مرحوم
مغفور نور اللہ مرقدہٗ۔ از محمد عبد الحق مقصود ساکن قصبہ میلا لواسکن ضلع اناؤ

اک شہ اک روز ہم کو دیتا ہے — رنج و غم ہائے ہائے چرخ کہن
روز بھیر آگیا مصیبت کا — ہائے جاتی رہی بہار چمن
خون رلاتی ہے اک زمانے کو — خبر انتقال شاہ دکن
صاف گو۔ بزم شعر کی رونق — طوطی خوش بیان باغ سخن
از سر آہ آہ اے مقصود — لکھ سخن فہم و قدردان سخن
سنہ ۱۹۱۱ء — سنہ ۱۹۱۱ء

دیگر

حیف صد حیف مرگ آصف سے — مٹ گیا ہائے عز و جاہ دکن
تکلمہ میں سال فوت لکہ مقصود — شاعر دیوقار شاہ دکن
سنہ ۱۹۲۸

(زاید واز جلنگ ام)

لالہ قطعہ کے مصرعے کے اور آخر حرف کے اعداد سے سن تاریخ نکلتا ہے۔

سیر کشمیر

اڈیٹر صاحب الناظر۔ آپ کی فرمائشات مضمون نویسی کو ٹال کر مین اس باغ جنت نظیر یعنے خطۂ کشمیر پہونچا۔ مین سال گزشتہ ولایت جانے کے قبل بھی یہان ہو گیا تھا جبتک مین نے اس حصۂ ملک کو نہین دیکھا تھا مین مطلق وطن پرست نہ تھا۔ ہندوستان سے الفت مجھے اسکو دیکھکر پیدا ہوئی۔ اور مجھسے زیادہ میرے بچون کو جنھین ولایت لے جانے سے قبل مین یہان لایا تھا۔ اب وہ انگلستان مین برابر کشمیر کی مدح سرائی کیا کرتے ہین اور ہندوستان کی بڑائی۔

کشمیر کی توصیف مین میرا قلم عاجز ہے۔ یہان آکے بھی اگر کسی انسان مین فطرت پرستی کا ذوق نہ پیدا ہو تو اُسے بے روح سمجھنا چاہئے۔ فطرت کی ہر چیز یہان دلربا ہے۔ پہاڑ سی بھیانک چیز یہان پری نظر آتی ہے۔ اور پری بھی ایسی جو سبز پیشواز (جسمین چوڑا چکیلا ٹھپا لگا ہو) پہنے ہوئے نشاط سے رقص کرنے کو موجود ہو۔ دور سے دیودار اور چیر کے درخت اُس پیشواز کی ایک خاص دلفریب انداز کی چھینٹ معلوم ہوتے ہین۔ الغرض یہانکے پہاڑون مین بھی جادو ہے۔

دریا ہر جگہ دیکھے۔ اور تو اور خود جھیلم ہی بہہ کر میدانون مین گیا ہے۔ مگر وہان یہی ایک میلا اور کالا واک سا دریا ہے۔ برخلاف اسکے وہی جھیلم کشمیر کے راستکی سینری کی نصف جان ہے وہ اُسکی اٹکھیلیون کے ساتھ روانی۔ وہ اُسکا معشوق کی کمر کی طرح بل کھانا۔ وہ اُسکی موجون کا پتھرون سے ٹکرا کر خوشگوار آواز ین پیدا کرنا اور دل مین قریب قریب ویسا ہی سرور لانا جیسا کہ پیانو (Piano) کے سفید پردون پر کسی لعبت فرنگ کی انگلیون کے پڑنے سے اکثر پیدا ہوتا ہو وہ اُسکا جگہ جگہ پر رنگ بدلنا۔ کبھی کف سے سفید کہین سبزے کے عکس سے سبز کہین دور کہین نزدیک کہین پھسلتے ہوے آہستہ ہونا۔ کہین زور شور سے چلنا۔ الغرض کشمیر کی سرحد شروع ہوتے ہی اس دریا مین ایک کیفیت خاص پیدا ہوتی ہے۔ نغمہ سا جھوم جاتا ہے اور مستانہ انداز چھلکنے لگتا ہے۔

سڑکین ہمارے لکھنؤ مین بھی ہین۔ پی گورنمنٹ کے پاس پاس بھی مجلس صاحب کی خوش خلقی کا

بنائی گئی ہے۔ بڑے بڑے پارکون کے پاس سے سڑکین نکالی گئین ہین اللہ خدا بھلا کرے لکھنؤ ڈسٹرکٹ اور میونسپل بورڈ کے بد دماغ ممبرون کا کہ اُن حضرات نے اپنی جدت پسند مگر تکلیف رسان طبیعت سے پتھر کی سڑکین بھی شہر مین دوڑائی ہین۔ مگر وہ اکیلی سڑک جو ہیین کے پتھرون کو پاش پاش کرکے بنائی گئی ہے کوہ اے سے سری نگر تک بےنظیر لطف دکھاتی ہے۔ دن کو دیکھو یا چاندنی رات مین اس سڑک کا منظر اور اس سڑک کا روپ ہی کچھ اور ہے۔ مجھے تو نہین معلوم کہ دنیا مین کہین اور اس طرح انداز واواسے اونچی اور نیچی ڈھلوان اور برابر چوڑی اور پتلی ہوتی ہوئی کوئی دوسری سڑک ایک جنگلی دریا کے ساتھ ساتھ سیکڑون میل تک قریب قریب مسلسل دوڑتی ہو[1]

مین نے ایک اور دریا پر بھی اس سے پہلے دل دیا تھا یعنی دارالسلطنۃ ہنگری (Hungary ~) کے شہر بوداپیسٹ (Budapest) کے دریائے ڈینوب (Danube) پر۔ مجھے وہان اُس دریا کی شاہانہ رفتار۔ شاہانہ انداز بہت بھلا معلوم ہوا تھا۔ مگر اسکا یہ انداز اور یہ رفتار حسن جوانی سے بھی کم دیر پا تھا۔ برخلاف اُسکے اس راہ کشمیر کے دریا کی خوبی اور حسن کا لطف سیکڑون میل تک برابر اُٹھایا جا سکتا ہے۔ سڑک اور دریا بھا بہون کی طرح ساتھ ساتھ چلتے ہین۔ دریا دور ہو جاتا ہے مگر سڑک پر چلنے والون کی نگاہون سے اوجھل بہت ہی کم ہوتا ہے۔ یہ سڑک ملا سے اعلیٰ تک پہونچنے کی کہکشان اگرنہ بھی ہو میرے خیال مین تو ہے اتنی اس مین

شہر سے خاص انس ہے اور اُنھون نے اپنے زمانہ مین شہر کی آراستگی اور خوشنمائی کے لیے بڑی کوشش کی چنانچہ بیان کی میونسپلٹی کو جو راہ اُنھون نے دکھادی تھی اُسکو اُسنے ہنوز نہین چھوڑا ہے اور اگر ممبران میونسپل بورڈ کے تعصبات اور رجحانات سے قطع نظر کر لیا جاے تو بلا شبہ بہت کچھ شہر کی درستی ہو گئی ہے۔ اسی کی طرف لائق مضمون نگار نے اشارہ کیا ہے۔

[1] جاپان مین موجی (Moji) اور ناگاساکی (Nagasaki) کے درمیان اسی قسم کی سڑک بنی ہوئی ہے۔ دونون شہرون کے درمیان فاصلہ کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ریل اس مسافت کو نو گھنٹہ سے زیادہ مین طے کرتی ہے۔ سمندر کے کنارے کنارے یہ سڑک اور ریل کی پٹری ایک دوسرے سے اسطرح دست و گریبان چلے گئے ہین کہ کبھی سڑک بالکل لب آب ہے اور ریل کی پٹری پہاڑ کی دامنگیر ہوتی ہے اور کبھی شہنشاہ سلسلہ کوہ کی قدمبوسی کرتی ہے تو ریل کی پٹری ساحل سمندر سے گلے ملتی ہے۔ صبح کے وقت جب آفتاب عالمتاب پہاڑون کی بلندی پر پہونچ کر جہان آرائی میں جھلک دکھاتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شوخ و شنگ حسین اپنے چہرہ کو سرمئی نقاب اور دریا کی سیر مین مصروف ہو۔ ایڈیٹر

تو شک نہین کہ یہ باغ جنت کی راہ ضرور ہے۔

اس باغ جنت کی راہ کی سینری کا حال قلم کیا لکھے۔ دل ہی کچھ اسکے مزے سے آشنا ہے سینری بھی مین نے فرانس اور انگلستان قسطنطنیہ اور بروسہ کی دیکھی ہے اور اُس مقام کے مناظر بھی دیکھے ہین جسپر سارے یورپ کو ناز ہے یعنے سوئٹزرلینڈ ([illegible]) کے۔ مگر کجا ملک کشمیر اور کجا ذرا سا مقام سوئٹزرلینڈ۔ کہان یہ فطرتی منظر کے تمام و کمال حسن کا ایک نظر مین مشاہدہ ہوجانا اور کہان وہ مناظر کا الگ الگ جدا کاوش سے ڈھونڈھ نکالنا۔ مین نے کشمیر کے مقامات ابھی بہت ہی کم دیکھے ہین مگر مین تو دنیا کے کسی خوش منظر سے خوش منظر مقام کے مقابلہ مین صرف راہ مری نگر کے بیمثال منظر کو پیش کرنے کے لیے تیار ہون میری آنکھون مین تو اسی راہ مین سب کچھ موجود ہے۔ اگر کسی کا دل حسن پرست اور چشم خوش نظر ہو تو میرے ساتھ آئے مین اپنے دعوی کو سچا کر دکھاؤنگا۔

ینگ[1] ہسبنڈ نے جو یہان ایک وقت رزیڈنٹ تھے ایک ضخیم کتاب کشمیر کے متعلق لکھی ہے ایک مقام پر اُنھون نے ایک دلفریب صوفیانہ بات لکھدی ہے وہ لکھتے ہین کہ ایک مرتبہ بارہ سنگھے کے شکار کے لیے وہ بہت سے شکاریون کے ساتھ پہاڑون پر گئے۔ باوجودیکہ پہاڑون پر بہت اونچے چلے جانے کے بارہ سنگھا تو نہین ملا مگر اونھون نے اوپر ایسا خوش آیند منظر دیکھا کہ روح پھڑک اٹھی لیکن اونھون نے اس منظر کا اثر نہ اپنے ساتھ کے شکاریون پر پایا نہ گھوڑون پر اور نہ اڑتی چڑیون پر اسپر اُنھین تعجب ہوا۔ اور اسی حالت استعجاب مین اُنپر یہ بات منکشف ہوئی کہ بینائی کے لیے صرف یہ آنکھین کافی نہین ہین بلکہ روح کی مدد کی ضرورت رہتی ہے۔ اوسی وقت چیزون کے اصلی اور صحیح حسن و قبح کا ادراک ہوتا ہے۔

ایک اور مقام پر سابق رزیڈنٹ نے لکھا ہے کہ ایک اُنکے انڈیا آفس[2] کے دوست دس روز کے لیے کشمیر کی سیر کو آئے اتفاق سے آٹھ روز تک برابر پانی برستا رہا۔ میزبان اور مہمان

[1] سر فرانسیس ینگ ہسبنڈ جنھون نے لارڈ کرزن کے زمانہ مین مہم تبت مین خاص شہرت حاصل کی اور اب ایک عہدہ جدید یعنے لفٹنٹ گورنر ہین۔ آج کل بوجہ ناسازی مزاج رخصت پر ولایت گئے ہوئے ہین۔

[2] حضور ملک معظم کے وزیر ہند کا دفتر بمقام لندن۔

دونون حالت افسوس مین تھے کہ نہ کچھ دکھا یا جا سکا نہ کہین آنا جانا ممکن ہوا آخر ایک دن خوش قسمتی سے پانی کھل گیا اوس روز شفق کا منظر ایسا بھلا تھا کہ مہمان نے کہا کہ وہ محض اسی ایک نظارے کے دیکھنے کے لیے تمام مسافت اور تکلیف خوشی سے برداشت کر سکتے تھے۔

کشمیر مین گو چشم ظاہر بین کے لیے بھی ایسا سامان ہے کہ وہ پھڑک اُٹھے۔ مگر جسمین روح سے کام لینے کی بھی قوت ہو وہ پہلے جوش مین تو فطرت پرست بن جائے گا مگر پھر مضبوط خدا پرست ہو جائے گا۔ یہان بلاشبہ

هر گیاهے که از زمین روید — وحده لا شریک له گوید

کا تماشا نظر آتا ہے۔

یہان کا سبزہ واقعی فرش مخمل سا ملائم ہے۔ جو چاہے ہمارے کروکے[۵۱] کی لان[۵۲] پر آکر اسکی تصدیق کرے۔ فارگٹ می ناٹ (Forget-me-not) کے سے نازک پھول یہان خودرو جمتے ہین۔ اور یہان کی زبان مین بیچارے جنگلی پھول کہلاتے ہین۔ جسکو فطرت کے بچھائے ہوئے رنگین قالین دیکھنا ہون وہ گلمرگ جا کر آنکھ ٹھنڈی کرے۔ راستہ مین وہ فارس کے بہترین قالینون کے نمونے دیکھ لے گا۔ اور اپنے جسم مین بھی خون کا یہ زور پائے گا کہ خود بھی کا شوق آئینہ مین سرخ سرخ گال دیکھنے سے پیدا ہو جائے تو کچھ تعجب نہین۔

اجی کیا کہین اُس ظلم اور بدعت کو جسکے ہم یہان مرتکب ہوئے ہین۔ نازک حسین۔ دلربا پھولون کو اپنے بھدے پاؤن سے روندا ہے۔ اور غضب پر غضب یہ کہ گھوڑون کے سمون کے نیچے کچلا ہے۔ کبھی کسی خونی اور خودسر بادشاہ نے بھی اسقدر ظلم نہ کیا ہوگا۔ ایسی قیمتی جانین اس سفاکی و بیرحمی سے کسی نے نہ لی ہونگی جس طرح ہم نے یہان بیگناہ پھولون اور نازک و نازنین گھاسون کی جانین لی ہین جنکو ہم اگر قدرشناس ہوتے تو اپنی آنکھون مین جگہ دیتے۔ اپنے کوٹ کے کاجون مین لگاتے یا کسی معشوق کو نذر کر کے اُسکے سینہ مین لگا دیتے۔ اگر خود اُن پھولون اور پتیون کی خودفراموشی

---

۵۱ کروکے (Croquet) ایک انگریزی کھیل کا نام ہے۔

۵۲ ناہموار سبزہ جس مقام پر قینچی سے درست کیا جاتا ہے اُس جگہ کو لان (Lawn) کہتے ہین۔ آج کل کے اکثر کھیل اسی قسم کے مقامات پر کھیلے جاتے ہین۔

جسکو انگریزی قانون کی اصطلاح مین کانٹریبیوٹری نگلیجنس[1] [illegible]
کہتے ہین ہمارے بچاؤ کی پر زور دلیل ہوتی تو بلا شبہ اپنی غارتگری کے باعث قتل کے قابل
ہم ہمہ تن مجبور تھے اس لیے معذور۔ یہ نازک پھول خود ہی ہماری راہ گھیر لیتے تھے۔ جس طرف چلو وہ قدمون
کے نیچے۔ یہ حسن اور اسپر یہ انکسار۔ اے حسین انسانی معشوقو! سبق لو۔ وہ تمام پھولون کا تاجدار
گل گلاب بھی یہان کثرت سے خود رو جمتا ہے۔ کوئی انسان اسکو قدمون کے نیچے لانے کی جرأت
تو کرہی نہین سکتا۔ اس کا رعب حسن اسکے گرد کے کانٹون کی سنگینین اسمین مانع ہین لیکن یہان اُسکی
جھاڑیان کھیتون کے گرد لگی مین نے خود دیکھی ہین۔ افراط سے گلاب کے پھول ہوتے ہین۔ کیسے
خوش قسمت ہین وہ لوگ جو ایسے گلاب رکھتے ہین اور کیسا بدقسمت ہے وہ جو ایک گلاب کو
بھی ترستا ہو۔

یہان کے نشو و نما اور جوش کی حالت کیا بیان ہو۔ جبتک ہم یہان نہین آئے عرفی کے اس شعر
کو مبالغہ سمجھتے تھے۔

ہر سوختہ جانے کہ بہ کشمیر در آید   گر مرغ کباب ست بر و بال برآید

ہم نے دیکھا کہ خشک ٹہنیان جو انگریزی پھلیون سوئیٹ پیز [illegible]
کے چڑھانے کے لیے باغ مین لگائی گئی تہین اب درخت ہو گئین۔ سیب کے درخت کے
ایک سال قلم لگا کے دوسری فصل مین انھون نے پھل دیا۔ پانی کی سطح پر تھوڑی مٹی اور گھاس
پھوس ڈالکر وہان بو دیا تو کھیت تیار ہو گیا۔ سُنتے ہین کہ والیسرائے کے کیمپ کی بعض میخین
جوش سے درخت ہو گئین۔ اور یہ تو ہم نے اپنی آنکھون سے دیکھا کہ مرزبندی کی جعفری کے ستون
مین پتیان نکل آئین۔ ورنہ تو اور ہم اپنے جوش کی مثال پیش کرتے ہین۔ چند روز کا عرصہ ہوا کہ ہم صرف
دو روز گلمرگ اور آئل پتھری مین گزار کر رمضان کے باعث سرینگر واپس آ رہے تھے۔ گلمرگ سے
اُتر کر نیچے کی وادی کے منظر نے مست کر دیا۔ پہاڑ پر سے نیچے کا منظر آنکھون مین کھب گیا
ایک صاف صاف چشمہ سیاہی مائل سبزی سے آراستہ پہاڑون کے دامن مین [illegible]
کھیتون کے درمیان۔ جگہ جگہ خوشنما درخت۔ معلوم ہوتا تھا کہ کسی خوش مذاق انسان نے [illegible]

[1] غفلت تائیدی۔

صرف کرکے میلون کی وسعت کا ایسا دلفریب باغ آراستہ کیا ہے۔ روشین بنائی ہین۔ نہرین نکالی ہین۔ درخت نصب کیے ہین۔ سبزہ اُگایا ہے۔ القصہ اس نظارہ سے طبیعت کو ایک خاص حرکت ہوئی۔ بینڈ و پر بیٹھے۔ یہ منظر دور تک دیکھتے چلے گئے۔ ہاتھ مین رضا علی وحشت کا دل پسند دیوان تھا جس سے غالب کی یاد آتی تھی ہم کو بچپنے سے حافظ اور غالب کا سودا ہے۔ حافظ کا تو اسقدر کہ اکثر یہ ہوس ہوتی ہے کہ کاب رکن آباد ہو۔ گلگشت مصلےٰ ہو اور دیوان حافظ۔ بس پھر ہم راحت قلب کے لیے کسی دوسری شے کے محتاج نہ رہین۔ وحشت کے دیوان کے اشعار وادی تنگ مرگ کا نظارہ۔ دل مین امنگ نتیجہ یہ کہ ہم کو کبھی شاعر ہونے کا دعویٰ نہوا۔ نہ اب ہے۔ مگر ہم نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ اس دیوان سے کوئی مصرع طرح دو تو غزل کہین۔ اونھون نے کسی قدر تعجب سے اپنی پسند کا یہ مصرع دیا۔ ع یہ اقتضائے رسم مروت ہے کیا کرون۔ ہم پر تبسم کہتے ہین کہ ہمکو نہ تقطیع کرنا آتی ہے۔ نہ بحرون پر عبور ہے۔ پھر بھی کوئی آدھ ہی گھنٹہ مین یہ غزل تیار ہوگئی۔ جو بحر اور تقطیع مین چاہے ناقص ہو جوش قلب کو تو ضرور ظاہر کرتی ہے۔[۲]

دل آگیا جو اُنپہ۔ طبیعت ہے۔ کیا کرون ۔۔۔ جاتی رہے جو جان۔ قیامت ہے۔ کیا کرون
مانع نگاہ شوق نقاہت ہے۔ کیا کرون ۔۔۔ دل زیر بار لطف و عنایت ہے۔ کیا کرون
بیٹھے ہیں تیلیون مین مرے دل سے روٹھکر ۔۔۔ خون گشتہ دل سے اُنکو عداوت ہے۔ کیا کرون
حاضر ہے نقد جان تصدق کے واسطے ۔۔۔ اُس گل سے دلکو ایسی محبت ہے کیا کرون
کیونکر رقم کرون قلم روسیاہ سے ۔۔۔ اس سبزی مین ایسی نفاست ہے۔ کیا کرون
حاضر ہو جان بدلے نگاہ کرم کی ہے ۔۔۔ یہ مقتضائے جوش شرافت ہے کیا کرون
پوچھو جو مجھ سے کیون ہو نہین اس ملک مین اسیر ۔۔۔ "مین صاف دون جواب حماقت ہے کیا کرون"
آنکھون کا کام لیتا ہون روح لطیف سے ۔۔۔ کشمیر مین کچھ ایسی لطافت ہے۔ کیا کرون

---

[۱] دفتر الناظر سے مدد مین مل سکتا ہے۔ [۲] ہم غلط اور غیر فصیح کلام کے شائع کرنے کے حامی نہین اور حتی الامکان ایسے موقعون پر تصرف کرنا اپنا خاص حق جانتے ہین۔ مگر یہ ایک خاص حالت ہے اور صاحب مضمون نے جس طریقہ سے مقدمہ کی ہے اسکے بعد ان غزلیات کی بجنسہ اشاعت مناسب معلوم ہوتی ہے۔ ایڈیٹر

کیون مرگیا نہ اک نگہ شوق سے تشنیر ۔۔۔ اُس زود رنج کو یہ شکایت ہی کیا کرون

اسپر بھی طبع موزون کا شوق پورا نہ ہوا ۔ دوسرے مصرع طرح کی فرمایش کی اور بہم برجستہ یہ غزل کہی ۔

مسیحا چھوڑ دو مجھکو مین اچھا ہو نہین سکتا ۔۔۔ جو اُن ترچھی نگاہون کا مُداوا ہو نہین سکتا

تمھارا حسن ۔ میرا شوق ۔ دونون پردہ در جب ہین ۔۔۔ اُٹھا دو مہربان پردا ۔ کہ پردا ہو نہین سکتا

نہ ہو حرکت لبون کو ۔ مردے زندہ ہون اشارے سے ۔۔۔ یہ کھیل اُس نرگس کا ہی ۔ تم سے مسیحا ہو نہین سکتا

زبان حق گو بھی اُنکی ۔ کہ اُٹھے میری شہادت پہ ۔۔۔ تمھارا ایسا پتھر دل کسیکا ہو نہین سکتا

نگہ سے قتل کرکے ۔ جان تازہ بخش کر لب سے ۔۔۔ کہا ۔ ایسا کسی سے بھی تماشا ہو نہین سکتا

ہے مانع وضعداری دل کو واپس مانگ لینے مین ۔۔۔ نکل جائے ہماری جان ۔ تقاضا ہو نہین سکتا

زمین پر زعفران کھلتا ۔ پہاڑون پر ہے یخ جمتا ۔۔۔ بہت منظر ہین دنیا مین ۔ پر ایسا ہو نہین سکتا

تشنیر ہو لاکھ پر شرافت نور دل اوس کی ۔۔۔ بتون کے عشق و الفت سے وہ رسوا ہو نہین سکتا

اب کیا تھا چسکا پڑ گیا ۔ روز کے گزارنے کا مشغلہ ہاتھ آیا ۔ صبح اور کبھی سہ پہر کو دو تین روز یہی ہوتا رہا کہ ہم مصرع طرح کی فرمائش کرتے اور اُسی پر غزل تیار کرتے ۔ وہ یہ حاضر ہین ۔

چلین چلکر یہ آئین آب طاہر ۔ حوض کوثر سے ۔۔۔ محبت کی شراب اُنکو پلا بیٹھین نول کے ساغر سے

نہ آئے گفتگو کی نوبت آرے ۔ دور ہی بیٹھو ۔۔۔ کہانتک دیدۂ عاشق نگاہ ناز کو ترسے

مین مسکن گیر ہون کوہ فلک فرسا پہ بھی جاکر ۔۔۔ بچاؤن کسطرح دل لیکن اُس بیباک دلبر سے

نشیلی آنکھین اُنکی ۔ مجھ کو متوالا بنا لی ہین ۔۔۔ وہ مژگان ہین یہ فصاد رگِ دل نوک نشتر سے

یہ گلگشت اور یہ چشمے ۔ یہ سبزہ اور یہ وادی ۔۔۔ حبیب اپنا ہو پاس اپنے ۔ گھٹا ہو پانی بھی برسے

ہوس رکھو ہماری ۔ کہتے ہین کشمیر مین آ کر ۔۔۔ چلین جنت کو وان شاید ہو بڑھکر اسکے منظر سے

ہوائی ہو جہاز ۔ اور ہو تے کل ہو رہنما اپنی ۔۔۔ ملون اُس سے گزر کر مین پہاڑون اور سمندر سے

جو ظالم ہین وہ اپنے ظلم سے گرتے ہین آخر کو ۔۔۔ لو تم اسے تشنیر بنیاد ستم گر سے

محویت ایسی ہوگئی ہے خیال یار مین ۔۔۔ بیگانہ ہوگئے ہین ہم اپنے دیار مین

جان پر بنی ۔ ہمارے یہان انتظار مین — مصروف ہین وہ اپنے بناؤ و سنگار مین
راحت کا شوق ہم یہ جتاتے ہین کہکے یہ — تکلیف ہو جو بیٹھین دل بیقرار مین
کٹتی ہے رات تارون کو گنکر فراق مین — سوئینگے نیند بھر کے اب اپنے مزار مین
بلبل کے مثل ہون مین نوا سنج زمزمہ — ملجائے مجھکو "گل" وہ جو فصل بہار مین
دل سے خفا ہین ۔ شوق ہے پر سیر باغ کا — چھوڑینگے ہم بھی دل کو کسی لالہ زار مین
کشمیر آنے والون کے دل سے یہ پوچھیے — کیا خوبصورتی ہے درخت چنار مین
دشمن تمھارے چوری کا الزام کیون اُٹھائین — دل پاس ہو تمھارے ۔ تم آؤ کنار مین
ہر شخص ہے اسیر ۔ غلامی مین یان مشیر — کب تک رہوگے تم کھوا لیسے دیار مین

فیر کی مدح سے ۔ کیون ۔ دلکو وہ ناشاد کرے — کس لیے طرز نیا ۔ جور کا ایجاد کرے
زیر لب ہنسکے کہا مجھ سے بوقت رخصت — چھوڑ دے دل کو مرے پاس کہ تو یاد کرے
یاد گل سے ہین مرے دل مین شگوفے کھلتے — پاس کیون آئے ۔ کہ گلشن مرا برباد کرے
مرنے پر آئے تو دم بھر کی اذیت کیا ہے — جس طرح چاہے مجھے قتل وہ جلاد کرے
اُنکا پتھر ہوا دل ۔ میرا ہوا خون یک لخت — دونون بیدل ہین ۔ زبان کس لیے فریاد کرے
فرق فردوس برین سے نہ رہے کچھ باقی — جو وہ آکے جو کشمیر کو آباد کرے
رہین وہ خوش بیٹھکے اغیار کی صحبت مین مشیر — تو ہوا خواہ ہے ۔ تو کیون اُنھین ناشاد کرے

چھپا لیتی ہے نظرون سے کسی کے روئے تابان کو — یہ اچھی دل لگی سوجھی ہے اُس زلف پریشان کو
پسند آیا ہے دل تم کو ۔ مگر ہے پردہ ارمان سے — ہے دل حاضر بتاؤ پر نکالون کیسے ارمان کو
مین ہون نچون تپلیون مین کھینچکے جادو ہے آنکھون مین — اگر پر خم کمانون سے نہ چھوڑو تیر مژگان کو
مروت دل کی خاطر دختِ رز کا کیون ہو شرمندہ — مین رکھتا دل مین ہون اپنے خیال چشم جانان کو
بھر آئین آرزومین دل کی ۔ دل ہو فکر سے خالی — جو سونپا اپنے کو تم عاجزون کے بیسر و سامان کو
ہمارے پاس ہے ذوق سب اکدل اُسکو کسے دیدین — نگہ کو ۔ ناز کو ۔ عشوہ کو ۔ یا انداز جانان کو

جو قومین ہین یہان آباد ہون شیر و شکر ل کر — مرا بسمل ہو دیا دون مین نفاق انگیز حیلون کو

نہ ہو کشمیر کی الفت تو ہندوستان کو چھوڑون — کرون آباد آزادی کی خاطر مین بیابانکو

ہو "تبستوئی"[1] کے ویرانہ مین وہ "جنگل" ہاتھ آجائے — تصدق مین کرون کشمیر کے سارے گلستان کو

تو کشمیر سے ریا علتی یہان یہ ہے ریاکاری — اٹھاؤ رخت اپنا تم۔ بچاؤ اپنے دامان کو

اس خطۂ عالم کی مٹی تک فیاض ہے۔ پھلون کی تو یہ کثرت کہ سیب۔ بکرے بھیڑ [illegible] گھوڑون کو خود ہمارے یہان کھلائے جاتے ہین۔ دور اندیش فرمان روائے ملک نے یہان کا غلہ باہر جانے کی ممانعت کردی ہے۔ اور اسکی وجہ سے یہان اناج خوب سستا رہتا ہے۔ یہان کی ارضی مین یہ قوت ہے کہ جو چاہو پیدا کرلو۔ جناب بھائی صاحب وزیر مال ریاست نے لکھنؤ کے خربزہ کا بھی تخم جمایا ہے۔ یورپ کے پھل یہان آسانی سے پیدا کیے گئے ہین۔ ایک قسم کی امریکہ کی تمباکو بھی بوئی۔ جن لوگون کو شکار کا شوق ہے اُنکو بھی لطف رہتا ہے۔ (Trout ٹراؤٹ مچھلی کے شکار مین بھی مزہ ہے۔ والا! نکہ مین نہین جانتا کہ جان لینے مین کیا لطف اور کیا مزہ خاص ہو سکتا ہے) مرغیان دودو آنہ ملتی ہین جسقدر چاہو کھاؤ۔ الغرض پیٹ کی مار یہان بعزلیں خورش خور انسان کو ہے۔ بیچارے بے زبان جانورون کو۔ اگر چاہین تو فرانس کی لطیف ناشپاتیون اور مسقط کے شیرین انگورون ہی سے پیٹ بھر لیا کرین۔ دوسرے خودرو والی ([illegible]) اور نازک فارگٹ می ناٹ (Forget-me-not) پر زندگی گزار سکتے ہین۔ بیچارے غریب قانع لوگ چاول۔ جنگلی پھلون۔ اور۔ دودھ۔ انڈون پر بآسانی و بلا زحمت بسر اوقات کر سکتے ہین۔

مجھے اکثر صرف ایک آدھ گھر فلک فرسا پہاڑ پر دیکھ کر تعجب ہوا۔ اور وہان رات کو کبھی روشنی پر حیرت معلوم ہوئی۔ لیکن اگر سچ کہنا ضروری ہے تو یہ کہے بغیر چارہ نہین کہ سب مجھے اُس مکان اور اوس روشنی کو دیکھکر رشک بھی ہوا ہے۔ کیسے مزے مین ہونگے وہ لوگ جو دنیا کے آلام سے دامن بچا کر اپنے چوپایون کے ساتھ ایسے دور اور کوہ راہ مقام پر جاکر آباد ہو گئے ہین فطرت کے مناظر سے ہم صحبت رہتے ہین۔ فطرتی چشمون کا پانی پیتے ہین۔ خودرو [illegible] یا بے احسانی پیدا کی ہوئی ایک نبی گھاس (دشابی) کے تخم پر بے غل و غش زندگی بسر [illegible] خوشیت انکو ہم پر ہے یا نہی ہو

[1] تبستوئی نام مقام نزدیک لکھنؤ

قمر اس مین تو کسی حق گو کو شک نہین ہو سکتا کہ اُنکی جگہ ہم سے ضرور بلند اور بہت بلند ہے۔ ہم زمین پر ہین۔ تو وہ آسمان پر۔ ہم یہان فرضی و خیالی تہذیب کے چکر مین ضروریات زندگی کو بڑہاتے چلے جاتے ہین۔ اور اُسی کے ساتھ کلفت اور ہوس سے دل کو بے چین رکھتے ہین۔ آنکھون۔ ہاتھون۔ اور تمام اعضا کو کمزور اور راحت طلب بناتے ہین کشمیر مین رہکر ہمین یہ سودا ہے کہ برقی روشنی ہمارا کام دیتی ہی۔ روشنی کے عکس کو جہیلم مین دیکھکر انوکھی آتشبازی کا لطف اُٹھاتے تھے۔ اور نئے چاند کے پرتو پر تو دل ہی نثار ہوتا تھا۔

جس طرح کھانے کا یہان آرام ہے اُسی طرح رہنے کا بھی۔ چاہے پانی پر ہاؤس بوٹ[۱] (House boat) مین رہو۔ چاہے زمین پر پُرلطف مکانات مین۔ چاہے پہاڑ پر۔ آج کل گرمی پسند ہو سری نگر حاضر ہے۔ خوشگوار سردی کی خواہش ہو خیمہ گلمرگ کی راہ پر گلمرگ موجود ہے سب سے زیادہ لطف ہاؤس بوٹ پر آتا ہے۔ ہاؤس بوٹ مین کافی اچھی خاصی ہوتی ہے۔ اور ہر طرح کا آرام رہتا ہے۔ معلوم نہین کسی منچلے نے بی گومتی کی سطح کو ہاؤس بوٹ سے زینت دینے کا خیال کیون نہ کیا۔ لکھنؤ کے لوگون مین لاکھ نقائص ہون مگر مذاق مین نفاست اور طبیعت مین رسائی تو وہ ضرور رکھتے ہین۔ اکتوبر نومبر یا فروری مارچ مین ہاؤس بوٹ مین گومتی پر بھی کچھ نہ کچھ لطف آہی جاوے۔ طاعون سے شاید الگ حفاظت رہے۔ مگر کشمیر کا مقابلہ ہونا تو محال ہے۔ یہان کا سمان ہی کچھ اور ہے۔ جس طرح زمین بدلی ہے اُسیطرح آسمان بھی بدلا ہو تو کچھ عجب نہین۔

یہان مصنوعات دستکاری مین جو شخص شالامار اور نشاط باغ دیکھے وہ مغلیہ مذاق اور نفاست پسندی پر احسنت کہنے کے لیے مجبور ہوگا۔ ہزار صعوبت راہ برداشت کرکے دور دراز مقامات سے کشمیر سال بہ سال آنا ہی اُن مرحومین کی تازگی روح کا پتہ دیتا ہے۔ پھر یہان ایسے نفیس دل آویز باغات کا لگانا اُنکی خوش مذاقی کو اور چمکاتا ہے۔ قدرت کی کاریگری سے ایسی لطیف سادہ سر پر دل عش عش کرتا ہے۔ سفید پہاڑی چشمون سے اُنھون نے نازک اور لطیف کام لیے ہین۔ افسوس کہ زمانہ کی گردش ان پیاری یادگارون پر بھی دست درازیان کر رہی ہے کام نہ آن کر دو سو روپیہ بجلی کے بے مصرف کارخانہ مین لگا دیا گیا ہے۔ جو ابھی لاکھون ابتک جہیلم کو

---

[۱] یہان ناؤ کشتیان اس طرح کی بنی ہوئی ہوتی ہین کہ چھوٹے سے مکان کا کام دیتی ہین۔

بعض جگہ گہرا کرنے مین سال بسال محض اتفاقی طغیانی کے خیال سے صرف ہوتا ہے لاکھون
دس پانچہزار ان لاجواب باغون کی درستی مین صرف کیا جاتا جس سے روزانہ لوگون کی روح کی پرورش
ہو سکتی تھی۔ اور ایک ایسے زمانہ کی یاد بھی تازہ رہسکتی تھی جسپر تاریخ عالم کو ناز ہونا چاہیے۔

شہر سری نگر کے ہر مقام سے دکھائی دیتی ہوئی ایک بلند پہاڑی ہے جسکو تخت سلیمان کہتے
ہین۔ اسکی چوٹی پر سے جہان ایک مندر بنا ہوا ہے جہلم اور وادی سری نگر کا نظارہ دنیا کے خوبصورت
ترین نظارون مین سے ہے معلوم نہین وہ مقام تخت سلیمان کیون کہلاتا ہے۔ اسمین شبہہ نہین کہ وہ
مند اہل ہنود کی فطرت پرستی کا پیارا نمونہ ہے۔

اُس زمانہ کے مصنوعات جسکو ہم اپنے زعم باطل سے نیم وحشت کا زمانہ کہتے ہین شالامار
ور نشاط باغ ہین۔ اِس "مہذب" اور "ترقی یافتہ" زمانہ کے مصنوعات کا نمونہ شہر سری نگر ہے۔ اس
سے زیادہ اس جنت نظیر ملک پر ظلم ہو نہین سکتا تھا کہ یہ شہر اس طرح گندہ رکھا جاوے۔ اور
اس بے ڈھنگے طریقہ سے آباد کیا جاوے۔ برقی روشنی یا طغیانی سے حفاظت کے سامان کرنی بھی
اس بدمذاقی۔ اس بدانتظامی کی تلافی نہین کر سکتے ہیضہ سیکڑون جانین بیچارے غریبون کی لیجا لے
بلا سے۔ مگر اہل دولت ٹھنڈی روشنی مین ضرور رہین۔ اور ریاست پر کرورون کا بار بیکار خرچ
پڑ جاوے۔ افسوس۔

میری سمجھ مین ایک بات اور نہین آتی کہ دفتر دربار گرمیون مین سری نگر آتے ہی کیون
ہین گل مرگ کیون نہین جاتے۔ گل مرگ کی لطیف ہوا کام مین لانے کے قابل ہے۔ ہندوستانی
اپنی شامت، سے فائدہ نہین اُٹھاتے۔ دور دور کے یورپین آکر آباد ہوتے ہین!! عبرت۔
عبرت۔ عبرت!!!

موجودہ مغربی تعلیم پائے ہوئے پرایوٹ سکرٹری کی خوش مذاقی سے دو ایک فنِ
لطیف موسیقی کے اوستاد بھی آجکل یہان آگئے ہین۔ اصل تو اپنا ہے کہ یہان کے پہاڑون کو
جنبش دینے کے لیے وہ لکھنؤ کا اُستاد چاہیے تھا جسکو سنے خان کہتے ہین مگر ایک بھالا ستار
بجانے والے کے پُرجوش راگ اور دوسرے نہایت سوہنی اور دلنشین ادا سے بینا بجانے والے کی
موشگافیان یہان کے لطیف سمان سے ہم ساز ہوجاتی ہین۔

ریاست کشمیر کی آبادی کہتے ہین پچانوے فیصدی مسلمانون کی ہے - مگر افسوس اور صد ہزار افسوس کہ یہ مسلمان ایسے جاہل - کثیف - قبر پرست - دروغ گو - اور بزدل ہین کہ اسلام کو ان سے عار ہوگا - انکو مسلمان بنانا مسلمانون کا فرض اولین ہونا چاہیے مگر انکو ہندوؤن اور آریہ مہاجون کے مقابلہ وجہاد سے کب فرصت -

کشمیر کے مہاراج بھی سرزمین کشمیر کی فیاضی کا اثر مکمل طور سے ہے - اگر انکے ہم صحبت اور مشیر اچھے ہون تو وہ اس ملک کے بہترین بادشاہ ہون -

از سری نگر کیمپ
یکم ستمبر سنہ ۱۹۱۱ء

مشیر حسین قدوائی
(بیرسٹر ایٹ لا)

پیری

پیری سے رہا نہ کوئی چارا ہم کو — قوت کا قویٰ کی تھا سہارا ہم کو
تنہا موت آکے کیا بنا لیتی رشید — پیری نے شریک ہوکے مارا ہم کو

پیری آئی عذاب غم سہتی ہے — چل سوئے عدم قضا یہی کہتی ہے
یہ ریش سفید ہے سفر کا سامان — گویا تحت الحنک بندھی رہتی ہے

افسوس جوانی کی نہ کچھ قدر ہوئی — ہونی تھی جو کیفیت بہ صد طور ہوئی
دانتون نے کیا قصد جدا ہونے کا — آنکھون کی بھی اب ہم سے نظر اور ہوئی

کیون کنج لحد کے متصل جاؤن گا — کہنے کے لیے مطلب دل جاؤن گا
پیری سے بنون گا منکسر اور رشید — جھکتے جھکتے زمین سے مل جاؤن گا

مدت سے جدائی کا الم باقی ہے — ایک عمر سے یہ نشان غم باقی ہے

یون جھک کے جوانی سے ملا وقت وداع
جب سے اب تک کمر مین خم باقی ہے

* * *

پیری سے ہوسے ہین سفری کی صورت
اُٹھتے ہین تو دود جگری کی صورت
ہم بیٹھتے ہین غبار خاطر کی طرح
چلتے ہین نسیم سحری کی صورت

* * *

پیری مین سفر عدم کا اک آفت ہے
جاتا ہے دور ضعف مین دقت سے
یون جو جھکا ہوا نہین ہون مین رشید
پانؤن سے پوچھتا ہون کچھ طاقت ہے

* * *

پیری نے حواس و ہوش سب کھوئے ہین
کب عہد جوانی کے لیے روئے ہین
ہشیار شباب مین تھے پیری مین ہین غش
شب بھر جاگے تھے صبح کو سوئے ہین

* * *

پیری سے ہین خم راہ جنان کیونکر لین
اک عمر بھرے مین دم ذرا دم بھر لین
سوسے ہین لحد مین اے فرشتو نہ اٹھاؤ
چلتے ہین ذرا اکمر تو سیدھی کر لین

* * *

دنیا سے سبھی بُرے بھلے جائین گے
کیا خلق سے جرگاہ سے جائین گے
پیری سے ہین خم حشر مین دیکھے گا کون
جنت مین جھکے جھکے چلے جائین گے

* * *

نزدیک دم فراق پاتا ہون مین
ہستی سے عدم کی سمت جاتا ہون مین
پیری سے نہین ہون خم سفر ہے نزدیک
دل بیٹھ گیا جھک کے اُٹھاتا ہون مین

* * *

دنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی
ہر چیز یہان کی آنی جانی دیکھی
جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا
جو جاکے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

رشید لکھنوی

ہندوستان
کے
نوشتہ ہائی اسلامی
نمبر ۲

اورنگ آباد
تکیہ شاہ مسافر

بابا سعید پلنگ پوش اور اُنکے مرید شاہ مسافر کی درگاہ ہے۔ قبرون پر سنگ سرخ کا خوبصورت گنبد بنا ہوا ہے جسکے بیرونی دروازے پر حسب ذیل کتبے کندہ ہین۔

کتبہ نمبر (۱)

پیر کامل سرآمد عرفان	خاص درگاہ رب عرش مجید
قطب روے زمین وغوث زمان	اختر برج سعد شاہ سعید
در نظر داشت دار باقی را	چشم از ین دار بے بقا پوشید
سال تاریخ وصل گفت خرد	شد جنت بود مکان سعید

کتبہ نمبر (۲)

گشادہ باد بدولت ہمیشہ این درگاہ	بحق اشہدان لا الہ الا اللہ
مسافر شاہ اقلیم حقیقت	مقیم عرش شد از فرش این طاق
چو وقت وصل آمد از رہ شوق	بحق پیوستہ از بس بود مشتاق
خرد تاریخ سال رحلتش گفت	مسافر شد ز عالم قطب آفاق

یہ قطعہ تاریخ مرزا عنایت اللہ بیگ اندجانی متخلص بہ راجی کا تصنیف کیا ہوا ہے۔ [1]

[1] ۔ مآثر الکرام صفحہ ۱۴۵

[redacted]

نوٹ

بابا شاه سعید پلنگ پوش - از اکمل خلفاے شیخ درویش عزیزان است - وجه تلقب آنکه همیشه پوست پلنگ در بر داشت، مولد بابا غجدوان است - پدر ایشان متمول بود - بابا در اوائل تحصیل علوم رسمی می پرداخت - و بر اقران لواے فوقیت می افراخت - روزے بعد درس با شرکا مقابله داشت همان حال دید که جوقی از قلندران در گذر است و شخصی است در میان ایشان بس منور - بمجرد دیدن منجذب شده در پے او رفت - چون شخص بمسکن خود رسید التماس هم رنگی نمود - او فرمود فقیری کار دشوار است بتحصیل مقید باید شد که سن شما تقاضاے آن دارد - در آن وقت هفت ساله بود - دست از طلب باز نداشت آن بزرگ او را برهنه ساخته ازارے مرحمت نمود - همان ساعت آن قدر جذب قوی در گرفت که راه بیابان پیش گرفت و قریب یازده سال در صحراها برین منوال برهنه می بود - در قرشی هفته دو بار بازار علی العموم می شد - گاہے روز بازار می آمد - هر چند مردم لباس می دادند قبول نمی کرد - بین الجمهور به دیوانه سعید مشهور بود - بعد یازده سال روزے در بازار قرشی در هجوم مردم به افاقه آمد و لباس شخصے را گرفته خود را پوشیده مردم در شگفت ماندند که دیوانه سعید هشیار شد - و آن شخصے که ایشان را جذب کرده بود بابا قل فرید نام داشت - بعد افاقه بازار بخارا بخدمت بابا قل فرید رسید - و همراه به حرمین شریفین رفت و هم در رکاب سعادت به بخارا مراجعت نمود تا آنکه روزے بابا قل فرید دست او را گرفته بخدمت شیخ درویش عزیزان گفت که این فرزند ماست تربیت او حواله شما می کنم که مرا وقت نزدیک رسیده است بابا قل فرید در همان ایام رحلت کرد - بابا شاه سعید خدمت شیخ لازم گرفت از فیض تربیت والا به درجهٔ کمال و تکمیل فائز گشت بابا قل فرید پیر خرقه است و حضرت شیخ پیر ارادت - بابا شاه سعید بعد ورود هندوستان به حراست لشکر نواب غازی الدین خان فیروز جنگ پدر نواب آصف جاه مامور گردید لهذا همیشه همراه این لشکری بود و او را اشراق عام و خوارق عادات بسیار است - رحلت ایشان هفتم رمضان سنه ۱۱۱۰ عشر و مائة والف در لشکر نواب فیروز جنگ در سواد شهر گلبرگه واقع شد نعش مبارک را به اورنگ آباد آورده در تکیه شریف دفن کردند ماخوذ از ماثر الکرام ملخصاً

بابا شاه مسافر از ارشد خلفاے بابا شاه سعید پلنگ پوش است - مولد و منشاء بابا شاه مسافر غجدوان است - و نام اصلی او حافظ محمد عاشوره - بابا شاه سعید ایشان را مسافر خطاب

فرمود۔ در اوائل بخدمت میر عطاء اللہ ساکتری پیوست و بطریق کبرویہ ریاضت ہا کشید۔ بعد چندے میر عطاء اللہ ایشان را رخص بہ سیاحت نمود از انجا در غور آمدہ دوازدہ سال اقامت نمود و با مشائخ آنجا صحبت داشت۔ از انجا بہ کابل آمدہ با شاہ سعید ملاقات یافت و بہ حلقہ ارادت در آمد و بعد ہفت سال رخصت گرفتہ بہ حرمین شریفین شتافت۔ و بعد تحصیل این سعادت در اوائل عہد خلد مکان (اورنگ زیب) بہ ہند معاودت نمود۔ و در اورنگ آباد جاے کہ الان تکیہ مرقد مبارک است طرح اقامت ریخت۔ و تا نفس واپسین ہر نہ خواست و حاشیہ نشینان بساط ارادت را بہ صدر کمال و تکمیل رسانید و چہارم رجب ۱۱۲۶ست و عشرین و مائۃ والف دامن از عالم سفلی بر چید و پہلو بر خود جانب قبلہ آسائش گزید۔ (ماخوذ از ماثر الکرام تصنیف میر غلام علی آزاد بلگرامی المتوفی ۱۲۰۰ہجری (ص ۲۷۴)

مکالمہ کبک و ماہ

حکیم سید شمس اللہ قادری

عزلت گزین غرب ہے اسوقت مہر خاوری ماہ مبین کو ملگئی منصب گر روشنگری
گلشن ہوا سرتا بپا۔ روشن مصفا پر ضیا نرگس نے آنکھون سے کہا بجھپر ہے ختم فسونگری
گل کی قبا خوشرنگ تھی۔ تصویر تھی۔ ارژنگ تھی شبنم تماشا دنگ تھی اللہ ری صورت گری
ہر سرو کی بانکی ادا۔ جان پر ورو نزہت فزا ہر نخل تھا گلزار کا بس قاف قدرت کی پری
شبّو و نسرین و سمن۔ نرگس۔ شقائق۔ نسترن بتخانہ تھا صحن چمن ۔ تھے بتان آذری
نہر لبالب تھی روان۔ موجون کے جیبین کاروان تھا سبزۂ ساحل جہان اک خضر ہمرہ رہبری
پانی کی موجین اکطرف۔ بگلون کی فوجین اکطرف انکی تھی انسے بہتری۔ انکی تھی انسے برتری
قطرون کی وجدانیتین۔ امواج کی کیفیتین دونون کی بیہوشیتین ظاہر تھی وضع داوری
دریاے جہلم تھا روان۔ موج مسلسل تھی دوان جاتا تھا گویا کاروان منزل تھی گرم رہبری

نوٹ۔ اورنگ آباد اور دولت آباد سے ہم نے بہت سے کتبے فراہم کیے تھے۔ مگر افسوس کہ راہ مین انکا بہت سا حصہ تلف ہو گیا۔ جو بچ رہے ہیں وہ تدریجاً ناظرین ہو۔ اگر کسی وقت پھر وہان جانے کا اتفاق ہو گیا تو وہ کتبے بھی پیش کردیے جائینگے۔

دونون طرف دریا کے تھا اک سلسلہ کہسار کا — سبزہ مین یون لپٹا ہوا جیسے طرح سبز رخ پری
چھٹکی ہوئی تھی چاندنی پھیلی ہوئی تھی روشنی — لب پر تھا اللہ الغنی۔ اللہ ری شان اکبری
جب ۔ہ اثر انداز تھا سب کچھ نظر انداز تھا — ہر دل قدرانداز تھا آما جگہ تھی سینہ ری
پہونچی مری پہلی نظر۔ اک آشنائے عشق پر — کہتا ہون مین اب کھول کر وہ کون تھا کبک دری
اتنے مین جاری ہوگیا۔ اک سلسلہ تقریر کا — جسکا مخاطب ماہ تھا۔ درگاہ تھی تارون بھری
طلعت ہے تیری بیگمان چشم و چراغ آسمان — اے چاند۔ اے آرام جان۔ آسوز۔ ای رشک پری
پیکر ترا ہے تابناک۔ سرچشمۂ نور و ضیا — ہان ہان رخ زیبا ترا رشک بیاضِ انوری
ہے بحر اخضر ہر طرف۔ تو اسمین مانند صدف — بل بے مصفا منظری۔ اُف رے درخشان گوہری
تارے بھی ہین سرگرم طی۔ چلتے ہین تیری پے بہ پے — کچھ اور ہی کچھ اور ہے لیکن تری خنیاگری
فوجِ کواکب سے ہوئی۔ زینت مصافِ چرخ کی — لیکن وہ ہین سب لشکری۔ تو زیبِ تختِ افسری
تجھسا جو روشن چہرہ ہو۔ حیرت ہے گر بے مہر ہو — بایدز رحمت گستری۔ سوے غریبان بنگری
سہ سہ کے صدمے بارہا پتھر کلیجا ہوگیا — کہسار ہے مسکن مرا میری غذا ہے کنکری
منقار دیا۔ دونون مرے رنگین ہین خونِ ناب سے — قاتل ہوئی میرے لیے شکلِ ہلالِ خنجری
خنجر کے لگے جو قلب پر۔ گہرے ہوئے وہ اسقدر — منقوش ہین پشت و کمر مانندِ چرخِ چنبری
پھر مہ سخن آسا ہوا۔ ہر لفظ اک تارا ہوا — روشن فلک سارا ہوا۔ بولا کہ اے کبکِ دری
دیکھا ہے میرا داغِ دل۔ پھولا پھلا ہے باغِ دل — دشت جنون ہے راغِ دل۔ مین رشکِ قیسِ عامری
ہر وقت کیون گردش مین ہون۔ آخر کسی خواہش مین ہون — کسوقت آسائش مین ہون۔ کس دم ہون کلفت سے بری
کیا کیا کہون۔ کیا کیا ہوئین گھٹتا ہون مین بڑھتا ہون مین — آفات کا مارا ہون مین یہ ہے مری بد اختری
بس ہے صدا یہ آخری۔ اے کبک خدمتمین تری — یہ ایک بیتِ خسروی۔ یہ صاف یہ سچی۔ کھری
من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی — تا کس نگوید بعد ازین من دیگرم تو دیگری

شکوے تھے جسدم جور کے جب تھے وفا کے تذکرے
اسوقت کبک و ماہ سے پایا تھا قمرا مرتسری

محی الدین احمد۔ قمر

شیخ اوحدالدین کرمانی قدس سرہٗ العزیز

(ماخوذ از مراۃ الاسرار)

شیخ اوحدالدین کرمانی قدس سرہ بے باکان روزگار و رندان محرم اسرار مین سے تھے اور کمال قرب حضرت عزوجل کی وجہ سے خلق کے رد و قدح کی طرف کوئی التفات نہین فرماتے تھے اور ہمیشہ آراستگی باطن کی طرف متوجہ رہتے تھے۔ آپ حضرت شیخ رکن الدین سنجاسی رحؒ کے مرید تھے اور وہ شیخ قطب ابہری رحؒ کے مرید تھے اور وہ حضرت شیخ ابوالنجیب سہروردی رحؒ کے مرید تھے الخ۔

سیر العارفین مین شیخ چلپی حسام الدین رحؒ سے منقول ہے کہ شیخ اوحدالدین کرمانی نے ابتدائی حال مین حضرت خواجہ بزرگ شیخ معین الحق والدین چشتی قدس سرہ العزیز سے بھی آپکے قیام بغداد کے زمانے مین خرقہ پہنا ہے چنانچہ اسکا ذکر خواجگان چشت کے ملفوظات مین اکثر جگہ آیا ہے۔ صاحب نفحات الانس فرماتے ہین کہ شیخ اوحدالدین اپنے زمانہ کے بہت بڑے لوگون مین سے تھے اور حضرت شیخ اکبر محی الدین بن عربی قدس سرہ کی صحبت با برکت کے بیٹھنے والون مین سے تھے۔ حضرت شیخ اکبرؒ کی مشہور و معروف کتاب فتوحات مکیہ مین حضرت شیخ اوحدالدین کرمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ذکر ہی اور یہ نقل اُنکی زبانی منقول ہے کہ جوانی مین مین اپنے شیخ حضرت رکن الدین سنجاسی رحؒ کی خدمت مین رہا کرتا تھا۔ ایکمرتبہ حضرت کے ساتھ سفر کا اتفاق ہوا۔ شیخ عماری مین تشریف فرماتے اور درد شکم کی تکلیف تھی۔ چلتے چلتے ہم ایک جگہ پہنچے جہان ایک شفا خانہ تھا۔ مین نے درخواست کی کہ اگر اجازت ہو تو مین جاکر دوا لے آؤن شاید کچھ نفع اللہ جل شانہ بخشے۔ غرضکہ میرے اضطراب کو دیکھکر حضرت شیخ نے اجازت دی مین گیا اور ایک شخص کو مین نے دیکھا کہ خیمہ مین بیٹھا ہے اور چہار طرف ملازم کھڑے ہین اور اُسکے سامنے ایک شمع جل رہی ہے۔ نہ اُس نے مجھے پہچانا اور نہ مین نے اُسی پہچانا لیکن مجھے اپنے ملازمون کے درمیان مین دیکھکر کھڑا ہو گیا اور میرے سامنے آکر دونون ہاتھ میرے پکڑکر کہنے لگا کہ حاجت کیا ہے۔ مین نے اپنے شیخ کا حال بیان کیا یہ سُنکر فی الفور دوا لاکر مجھے دی اور میرے ہمراہ باہر تک آیا اور نوکر ہمراہ شمع لیے ہوے میرے آگے آگے روانہ ہوا

مین ڈرا کہ کہین حضرت شیخ اس طرح دیکھ لینگے تو ناخوش ہو نگے اسلیے مین نے سمجھا بجھا کر تو گر کو وہین
کر دیا اور مین شیخ کی خدمت مین واپس حاضر ہوا اور روداد پیش کی اور جو احترام واکرام میرا ہوا تھا اُسی
بیان کیا۔ حضرت نے تبسم فرمایا کہ "جب مین نے تیرا اتنا اضطراب دیکھا تو مجھے رحم آیا اور تجھے مین نے
جانے کی اجازت دی لیکن جب تو وہان پہونچا تو مجھے اندیشہ ہوا کہ یہ شخص اس موضع کا رئیس ہے تیری
طرف اگر التفات نکریگا تو تو شرمندہ ہوگا اس خیال مین اپنی ہیکل سے مجرد ہو کر اُسکی صورت مین
متشکل ہوا اور اسکی جگہ بیٹھ گیا۔ جب تو آیا تو مین نے تیرا احترام واکرام کیا اس کے بعد جو کچھ تجھپر
گزرا تو خود جانتا ہے"

چہل مجلس مین حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رح بیان فرماتے ہین کہ شیخ الشیوخ حضرت شیخ
شہاب الدین سہروردی رح آپ کو مبتدع کہتے تھے اور سامنے نہین بلاتے تھے۔ ایک دن اسکا ذکر
شیخ اوحد الدین رح کے سامنے ہوا۔ آپ نے کہا گو حضرت شیخ الشیوخ رح مجھے مبتدع کہتے ہین لیکن
یہ کیا کم فخر کی جگہ ہے کہ میرا نام تو آپ نے زبان سے لیا۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رح نے
جب یہ سُنا تو آپ کے اخلاق کی بہت تعریف کی۔ صاحب نفحات شیخ الشیوخ کے اس قول
کی توجیہ اسطرح کرتے ہین کہ مبتدع سے غالباً حضرت کی مراد یہ ہوگی کہ شیخ رکن الدین شہود حقیقت
مین مظاہر صوری سے توسل حاصل کرتے تھے اور جمال مطلق کا مشاہدہ صور مقیدات مین کرتے تھے۔
ایکمرتبہ خواجہ شمس الدین تبریزی رح نے آپ سے پوچھا "درچہ کاری" آپ نے جوابدیا "ماہ را در طشت آب
می بینم" خواجہ نے فرمایا "در قفا دنبل نہ داری چرا بر آسمان نمی بینی" مولانا جلال الدین رومی رح
کے سامنے ایکمرتبہ ذکر ہوا کہ شیخ اوحد الدین کرمانی "شاہد باز ست اما پاکباز است" مولانا نے فرمایا
"کا شکے کردی و در گذشتی"۔ اسی معنی مین آپ کی یہ ایک رباعی مشہور ہے۔ ؎

زان می نگرم بچشم در صورت   زیرا کہ ز معنی است اثر در صورت
این عالم صورتست ما در صوریم   معنی نتوان دید مگر در صورت

صاحب نفحات نقل فرماتے ہین کہ "چون در سماع گرم شدے پیراہن امردان چاک کردے
و سینہ بسینۂ آنہا باز نہادے" ایکمرتبہ کا قصہ ہے کہ جب آپ بغداد مین پہونچے تو خلیفہ وقت نے
یہ حالات سن کر کہا کہ مبتدع اور کافر ہے اگر ایسی حرکت بیان کرے گا تو قتل کر دونگا۔

اکدفعہ سماع کا جلسہ ہوا اور خلیفہ کا لڑکا جو نہایت صاحب جمال تھا وہان موجود تھا جب مجلس گرم ہوئی تو حضرت شیخ نے یہ رباعی اسکی طرف مخاطب ہوکر پڑھی ؎

سہل است مرا بر سر خنجر بودن | دربایٔے مراد دوست بے سر بودن
تو آمدہ ای کہ کافرے را بکشی | غازی چو توئی رواست کافر بودن

لڑکے نے آپ کے قدمون پر سر رکھدیا اور مرید ہوا۔

نفحات مین اسی سلسلہ مین مذکور ہے کہ اہل تحقیق و توحید کے نزدیک کامل وہ شخص ہے کہ جمال حق سبحانہ تعالی کو مظاہر حسی مین اسیطرح مشاہدہ کرے جسطرح مظاہر روحانی مین مشاہدہ کرتا ہے یعنے وہ مطلق کا پتہ مقید مین پاتا ہے اور وحدت کا مشاہدہ کثرت مین کرتا ہے۔ یہ مقام نہایت بلند ہے اور خاص خاص کو عطا ہوتا ہے چنانچہ بعض بزرگون نے فرمایا ہے کہ حق سبحانہ و تعالے سے ہم پناہ مانگتے ہین کہ پہچاننے کے بعد بھی نہ پہچانین اور انکشاف حقیقت کے بعد بھی صور کونیہ سے محجوب رہین۔ ایسے بزرگون کے ساتھ حسن ظن رکھنا چاہیے۔ اس قسم کے لوگون مین سے حضرت شیخ احمد غزالی رح۔ شیخ فخرالدین عراقی رح اور شیخ اوحدالدین کرمانی قدس سرہم تھے ان لوگون نے مظاہر صوری حسی کے جمال کے مطالعہ سے شغل رکھا ہے لیکن درحقیقت انکی حالت یہ تھی کہ اس جمال ظاہری مین جمال مطلق حق انہین نظر آتا تھا اور محض صور حسی کے ساتھ مقید نہین رہے تھے لیکن بعض بزرگون نے جو ان لوگون کی شان سے انکار کیا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اُنھون نے احتیاط کا پہلو مدنظر رکھا ہے کہ کہین محجوب لوگ اس طریقہ کو اپنا دستور نہ بنالین اور اپنی حالت کو بھی اسیطرح سمجھنے لگین جیسی کہ ان بزرگون کی حالت تھی۔

حضرت شیخ اوحدالدین کرمانی رح کے بہت سے صاحب کمال مرید تھے جنمین سے ایک شیخ صدرالدین علی یمنی رح تھے جنھون نے میر سید قاسم تبریزی رح کو تربیت فرمائی تھی انکا انتقال حام مین ۶۳۵ھ مین ہوا تھا اور وہین مدفون ہوے تھے۔

حضرت شیخ کے دوسرے مرید حضرت شیخ اوحدالدین اصفہانی رح تھے جنکی کتاب مثنوی جام جم حدیقہ حکیم سنائی کے وزن پر تھی۔ اس مثنوی کے چند شعر یہ ہین ؎

اوحدی شصت سال سختی دید | تا شبے روے نیک بختی دید

سرگفتار مجازی نیست — بازکن دیدہ کین بہ بازی نیست
سالہا چون فلک بہ سرگشتم — تافلک وار دیدہ در گشتم
برسرپاے جلہ داشتہ ام — چون نہ از بہرذلہ داشتہ ام
ازبرون در میان بازارم — وزدرون خلوتے ست با یارم

شیخ اوحدالدین اصفہانی رح نے ۶۹۷ھ میں مقام تبریز انتقال فرمایا اور وہین مدفون ہوے
شیخ اوحدالدین کرمانی رح کے کرامات وخرق عادات بہت مشہور ہین۔ حضرت فرید الدین گنجشکر راحت القلوب مین فرماتے ہین کہ ایک مرتبہ ابتداے حال مین سیستان کی طرف گزر ہوا اور شیخ اوحدالدین کرمانی رح کی صحبت مین پہونچا۔ مجھے کنارمین لے کر فرمایا کہ مشائخ روزگار کے پاس تم گئے ہو اچھا ہوا کہ یہان بھی آئے۔ آپ کے جماعت خانہ مین دس درویش صاحب نعمت تھے۔ اظہار کرامت کا ذکر ہوا۔ شیخ اوحدالدین رح نے فرمایا کہ اس شہر کا والی مجھے آزار دینے کے درپے ہے تعجب ہوگا اگر آج میدان سے سلامت واپس آئے۔ کچھ عرصہ بعد سنائی دیا کہ اس شہر کا والی چوگان کھیلتے کھیلتے گھوڑے سے گر کر ہلاک ہو گیا۔ اسکے بعد ان درویشون نے میری طرف رخ کیا کہ تم بھی کچھ دکھاؤ۔ مین نے مراقبہ مین سر جھکالیا اور تھوڑی دیر سر بلند کرکے کہا کہ سامنے دیکھو۔ میرے کہنے کے ساتھ ہی مجھکو اور اپنے کو سب کو خانہ کعبہ مین دیکھا۔ الغرض چند روز شیخ اوحدالدین رح کی خدمت مین گذارے کچھ نعمت دعا گو کو انھون نے مرحمت فرمائی۔ اسکے بعد اجازت حاصل کرکے وہان سے روانہ ہوا
حضرت شیخ اوحدالدین کرمانی رح اشعار لطیف کہتے تھے چنانچہ آخر کتاب مصباح الارواح سے یہ چند شعر نقل کیے جاتے ہین۔

تاجنبش دست ہست مادام — سایہ متحرک ست ناکام
چون سایہ زدست یافت مایہ — پس نیست وجود اندر اصل سایہ
چیزے کہ وجود او بخود نیست — ہستیش نہادن از خرد نیست
ہست است ولیک ہست مطلق — نزدیک حکیم نیست جز حق
ہستی کہ بحق قوام دارد — او نیست ولے کہ نام دارد
برنقش خود ست فتنہ نقاش — کس نیست درین میان توخوش باش

پس باد یقین کہ نیست واللہ موجود حقیقی سوے اللہ

رباعی

ذاتم زبرائے حرف بیرون زحد است وز چشمۂ لطف آب حیاتم مدد است

علت زاحد ماوحد آمد حرفے علت بگذار اینک او عدا احد است

صاحب منتخب التواریخ لکھتے ہین کہ ابوجعفر منصور بن طاہر ملقب بہ مستنصر باللہ خلیفہ عباسی کے زمانہ مین آپ نے بمقام بغداد ۶۳۵ھ مین انتقال فرمایا لیکن صاحب حبیب السیر لکھتے ہین کہ شیخ قدس سرہ نے سلطان ابقا خان بن ہلاکو خان کے زمانہ مین جو ۶۶۳ھ مین تخت نشین ہوا تھا انتقال فرمایا ہے۔

"عبداللہ"

بسمل ادائیون کی مری داستان نہ پوچھ کیا کر رہا ہے سینہ مین درد نہان نہ پوچھ

آئینہ لے کے اس نگہ جانستان کو دیکھ میری حکایت اجل ناگہان نہ پوچھ

سنتا ہے جسکی آہ و فغان روز و شب صدا گو اس سے پوچھ ہم سے ہمارا نشان نہ پوچھ

اے حاصل حیات مری کون ہے مرا یان عشرت و حیات و نشاط روان نہ پوچھ

مجکو زمین نے بھی تو چھپایا نہ وقت پر تنہا حکایت ستم آسمان نہ پوچھ

آیا نکل کے کنج قفس سے ہون باغبان گم کردہ آشیان ہون مرا آشیان نہ پوچھ

کچھ خون واشک غم نے مژہ پر دیا نہ کام کیسے ہوے یہ لعل و گہر رائگان نہ پوچھ

اس بیوفا نے قدر نہ کی کچھ بھی ہمنشین ہم نے دیے وفا کے ہین جو امتحان نہ پوچھ

اے خضر تجھ کو ہوگی میسر نہ۔ ہم جسے کہتے ہین اپنی زندگی جاودان نہ پوچھ

دل خوش ہے جسکی لذت آزار سے مرا سینہ مین کونسی یہ لگی ہے سنان نہ پوچھ

ہون مین تو ایک بلبل نادیدہ بوستان مجھ سے زمانِ فصل بہار و خزان نہ پوچھ

کہتا ہے کچھ جنون مین نکلتا ہے منہ سے کچھ
کیفیت فصیح پریشان بیان نہ پوچھ

احسان علی فصیح

تواریخ ارتحال پُر ملال جناب منشی امیر اللہ صاحب تسلیم

در صنعت زبر و بینات

رنگ مغربی کا جب چڑھا ہی دل　　ہو گئی پست مشرقی تعلیم　　اب کہاں وہ پرانی وضع کے لوگ
یادگار سلف بہارِ قدیم　　ہوئی کایا پلٹ تغزل کی　　اب کسے وہ دماغ ذوقِ سلیم
رہ گئے تھے بس ایک دے کر　　اس زمانہ میں حضرت تسلیم　　جو دلاتے تھے یاد اگلوں کی
جنکی تخئیل میں تھا رنگِ قدیم　　چل بسے وہ بھی ہائے دنیا سے　　لوٹ لی موت نے بہارِ نسیم
رسم اردو یہ بھی نہ آیا کچھ　　کہ یہ بیچاری آجکل ہے سقیم　　کہہ رہا تھا میں دل سے یہ نالہ کا
غیب سے آئی اک صدائے الیم　　مہر روکو زبان کو چپ بیٹھو　　چھوڑ دو یہ ذکر کچھ کرو ترمیم
زبر اور بینات میں جس سے　　سال اس سانحہ کا ہو تفہیم　　ناگہاں اس صدا کے سننے سے
دل کو پیدا ہوئی جو فکر عظیم　　نکلی منھ سے اجل کے بالتکرار　　مہر آواز جان بحق تسلیم

(الف مکرر)

۱۱۰۷ + ۲۲۲ = ۱۳۲۹　　　　۱۱۱ × ۲ = ۲۲۲

الف مکرر اجل　　جان بحق　　تسلیم
(الف الف)　　(جا الف نون ہا حا قاف　تا سین لام یا میم)
۱۱۱ + ۱۱۱ +　　۴ + ۱۱۱ + ۱۰۶ + ۳ + ۹ + ۱۸۱ + ۴۰۱ + ۱۲۰ + ۷۱ + ۱۱ + ۹۰ = ۱۳۲۹

دیگر منہ در معما

قائم از جان تہی شد چون رسید او را خبر　　کام تربت کرد لقمہ حضرت تسلیم را
پس بتم آہے کشید و شد ہمہ زیر و زبر　　با معما گفت سال رحلت تسلیم را

(بتم آہ)　　(۳)

۴۴۴ × ۶ = ۲۶۶۴ ÷ ۲ = ۱۳۲۶ + ۳ = ۱۳۲۹ھ

نوٹ

معمہ یہ ہے کہ بتم کے اعداد ۴۴۴ کو آہ کے اعداد ۶ کے ساتھ کھینچا یعنی ضرب دیا تو ۲۶۶۴ ہوئے اب بتم کو لوٹ دیجیے یعنی زیر و زبر کر کے نیچے کا نقطہ اوپر اور اوپر کے نقاط نیچے کر دیجیے تو نیم ہوا جسکے معنی نصف کے ہیں اسی ۲۶۶۴ کو نصف کیا تو ۱۳۲۶ ہوئے اسمیں با کے اعداد ۳ ملائے تو ۱۳۲۹ ہوئے جو سنہ ہجری کے مساوی ہیں۔

سید خورشید علی مہر دہلوی

نامۂ سر

مخدومی و مکرمی - تسلیم - گرامی نامہ مورخہ ۲۹ اگست بوجہ اسکے کہ مین دورہ پر تھا ابتک زیر جواب رہا معاف فرمائیے الناظر کا خریدار مین خود تو نہین ہون لیکن مسٹر وجیہ صاحب جو میرے ساتھ رہتے ہیں پرچہ منگاتے ہین مین بھی دیکھ لیتا ہون مین الناظر کے مضامین کو بڑی قدر کی نظر سے دیکھتا ہون - ×××××× ۔

مین ایک تجویز پر مدت سے غور کر رہا ہون - آپ کے عنایت نامہ کی وجہ سے خیال ہوا کہ آپ سے مشورہ لون مصنفون اور مولفون کو جو تکلیف اور پریشانی ملک مین اشاعت گاہ نہونے کی وجہ سے ہوتی ہے اُس سے آپ بخوبی واقف ہین - اگر کوئی بدنصیب مؤلف (مولانا شبلی جیسے مصنف کو چھوڑ کر جنکی کتابین محض اُنکے نام کی وجہ سے ہاتھون ہاتھ بکتی ہین سلہ) اپنے شوق سے کوئی کتاب چھپواتا ہے تو برسون سنگ گران کی طرح مطبوعہ کتابین اسکے سینہ پر دھری رہتی ہین غریب لکھتا ہے پروف کی تصیح کرتا ہے - مالکان مطابع کی سختیون کو جھیلتا ہے اپنی جیب سے یا قرض دوام کرکے روپیہ لگاتا ہے مگر جب کتاب مطبع سے چھپ کر آتی ہے تو حیران ہوتا ہے کہ کیا کرون - کہان رکھون اور کسطرح علحدہ کرون - کتاب لکھنے کے بعد اُسے ان پریشانیون سے کچھ سروکار نہونا چاہیے تھا - مگر اب اُسے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کا لکھنا آسان - چھپوانا ایک حد تک مشکل مگر اشاعت ناممکن ہے - اگر اشاعت چاہتا ہے تو اشتہار بھی خود دینا پڑتے ہین اُسکی اجرت علحدہ - اور روزانہ پارسلین روانہ کرنے کی زحمت مزید برآن - غرض کہ پبلشنگ ہاؤس نہونے کی وجہ سے علم کی اشاعت مین بڑی رکاوٹ ہے اور نادار اور غیر سرمایہ دار مولف بیدل ہو جاتے ہین اور ایک دو ناکامیون کے بعد کتاب لکھتے لرزتے ہین ۔

کسی پبلشنگ ہاؤس کا قائم کرنا سردست ممکن نہین - اسکے لیے کثیر سرمایہ چاہیے اور ابھی ملک علم کی قدر کا عادی نہین ہوا ہے - لیکن اس اہم مشکل کے رفع کرنے کی ایک تدبیر ہوسکتی ہے جسکے لیے کسی سرمایہ کی ضرورت نہین ہے یعنی یہ کہ ایک فہرست ایسے

سلہ یہ محض آپ کا حسن ظن ہے ہم نے خود مولانا کو شکایت کرتے پایا - ایڈیٹر

لوگون کی تیار کیجائے جو اردو کی عمدہ اور مستند کتابین خریدنے پر آمادہ ہون - ایسے بکثرت اصحاب ہین جو اپنے کتب خانون مین اردو کی عمدہ کتابین رکھنا چاہتے ہین مگر بجز چند نامور مصنفین کے وہ کسی نئے مصنف کی کتاب پر روپیہ صرف کرنے خوف کہاتے ہین - کسی اخبار مین اشتہار دیکھا تو یہ سوچتے ہین کہ ممکن ہے روپیہ کی پوری قیمت وصول نہو - اور نئی کتاب خریدنے سے پرہیز کرتے ہین -

اس دقت کو رفع کرنے کے لیے اردو علم ادب کے ماہران کا ایک بورڈ مقرر کیا جائے جسمین علم کی ہر شاخ کا مستند ماہر شامل ہو - فرض کیجیے کہ اس بورڈ کی تعداد ایک درجن عالم رکھی جائے - اسمین دو ایک مورخ ہون - دو ایک شاعر - ایک آدھ سائنس دان - دو ایک ماہر علم سیاست یا ایک آدھ فلسفی - جب کوئی نئی کتاب لکھی جائے یا کوئی ترجمہ کیا جائے تو کتاب ممبران بورڈ کے پاس بغرض اظہار رائے بھیجی جائے اور جب کثرت رائے سے یہ طے پا جائے کہ یہ کتاب اس قابل ہے کہ انکی سند کے ساتھ ملک مین شایع کیجائے تو یہ سند کتاب کی عمدگی کیلیے بہترین گارنٹی ہوگی - اسوقت جملہ اصحاب مندرجہ فہرست خریداران کو یہ کتاب لازمی طور پر خریدنا ہوگی -

سال بھر مین فرض کیجیے کہ عسہ یا عسہ روپیہ مجموعی قیمت جملہ مستند کتابون کی ادا کرنا کسی کو گران نہ گزرے گا یعنی جو شخص اپنا نام درج فہرست کرائیگا وہ تحریری وعدہ کریگا کہ سال بھر مین جتنی مستند کتابین بورڈ مندرجہ بصدر کی منظور شدہ شائع ہونگی اور جنکی مجموعی قیمت سال بھر کے اندر عسہ سے زائد نہو وہ لازمی طور پر خریدیگا - اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ غریب مصنف کو چھاپنے اور اپنا روپیہ لگانے سے پہلے یہ یقین ہو جائیگا کہ کم از کم اتنی کتابین جتنے خریداران مندرجہ فہرست ہین فوراً فروخت ہو جائینگی - اس اطمینان پر وہ اپنی گرہ سے یا قرض کا روپیہ لگا سکتا جب یہ کام کامیابی سے چل نکلے اور ممبرون کی تعداد زیادہ ہو جائے تو یہ ممکن ہے کہ انجمن ناظم تمام مستند کتابون کو اپنے اہتمام سے چھپوالے اور ایک حصہ منافع کا مصنف کو ادا کر دے - یا ایسے بہت سے مطابع ملین گے جو بخوشی کسی مستند کتاب کو جسکے فوراً بک جانے کی گارنٹی ہوگی چھاپنے پر تیار ہو جائینگے - اگر آپ اس کام کو اپنے ذمہ لین تو مین سمجھتا ہون کہ قوم اور ملک کی

بڑی خدمت کرینگے ملک مین عمدہ لٹریچر کی اشاعت ہوگی اور نادار مصنفین کو بہت بڑی ترغیب دماغی محنت کرنے کی حاصل ہوگی۔

کم ازکم آپ اس تجویز کو الناظر مین شائع کیجیے اور اپنے احباب سے مشورہ کرکے دیکھیے اگر فی الحال ۲۵۰ آدمی ایسے مل جائین جو مستند کتابین خریدنے پر آمادہ ہون اور چار سال بھر مین عـه روپیہ سے زیادہ فی الحال نہ صرف کرین تو کم ازکم پانچ چھ عمدہ کتابین سال بھر مین شائع ہوجائینگی جب مؤلف کو یقین ہوگا کہ ۲۵۰ جلدین فوراً نکل جائینگی جنکی قیمت سے مطبع کی اجرت ادا کر سکے گا تو پانچسو جلدین بآسانی چھپوا سکتا ہے۔ باقی ۲۵۰ جلدون کو دوسرے نہج پر بیچ کر اپنی محنت کا ثمرہ پاسکتا ہے۔ کم ازکم اُسے کوئی نقصان نہوگا۔

اگر کتاب مین کوئی بات قابل اصلاح ہوگی تو قبل چھپائی کے ماہران فن اسکی تصحیح کی طرف توجہ دلائینگے اور بعض حالتون مین اضافہ وغیرہ بھی تجویز کرینگے۔ اس طرح پر نہایت صحیح اور نفیس کتابون کے شائع ہونے کی توقع ہوسکتی ہے۔ × × × × × ×

خاکسار
ظفر عمر

بدایون۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۱۱ء

مندرجۂ بالا تجویز کی سودمندی اور اہمیت پر نظر کرکے یہ کہنا بیجا نہوگا کہ عموماً سب لوگ اس سے اتفاق کرینگے۔ مگر اس سے کچھ کام نہ نکلے گا۔ ضرورت اسکی ہے کہ عملی طور پر کچھ کیا جائے۔

مرحوم انجمن ترقی اردو اس کام کو کر رہی تھی مگر جب سے مولانا شبلی نے اُس سے علٰحدگی اختیار کی اُس مفید انسٹیٹیوشن کا گویا خاتمہ ہوگیا۔ سنہ ۱۹۰۹ء کے آخر مین جب مولوی عزیز مرزا صاحب علیگڈھ تشریف لائے تو ہمین یہ امید ہوئی تھی کہ انجمن ترقی اردو کے قالب مین از سرنو جان پڑے گی۔ چنانچہ اُنھون نے اسکا اہتمام اپنے ہاتھ مین لے بھی لیا۔ مگر قوم کی متفقہ خواہش کے مطابق اوائل سنہ ۱۰ء مین مسلم لیگ کا مہتمم بالشان کام اُنکے سپرد کیا گیا جسکی وجہ سے اُنکو اسکا موقع نہ ملا کہ وہ ترقی اردو کی فکر مین ہمہ تن مصروف ہوسکین۔ ہماری قوم مین کام کرنے والون کا جسقدر قحط ہے اُسکی وجہ سے مصیبت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص پر بہت سے مختلف کامون کا بار پڑ جاتا ہے۔ اور ایسی صورت مین کہ قانون قدرت اُسکے شب و روز کے اوقات مین کوئی اضافہ نہین کرتا ظاہر ہے کہ وہ کس قدر مجبور ہوجاتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے

گویا تو سب کام ادھورے رہتے ہین اور یا کوئی ایک پورے طور پر انجام پاتا ہے اور باقی رہ جاتے ہین جیسا مولوی عزیز مرزا صاحب نے مسلم لیگ کا کام جس خوبی کے ساتھ کیا ہے اور انکی سخت جانفشانی اور محنت سے قوم کی سیاسی حالت جسقدر سدھر گئی ہے اس سے واقف ہونے کے بعد ہم جناب موصوف سے کوئی شکایت اس بارہ مین نہین کر سکتے کہ انجمن ترقی اردو کا کام کیون ابتر حالت مین ہے -

ہماری رائے ناقص مین اس قسم کے کام ایسی انجمنون ہی کے ذریعہ سے ہو سکتے ہین - مسٹر ظفر عمر بدایون مین تشریف رکھتے ہین جو نے الحال آل انڈیا اردو کانفرنس کا صدر مقام ہے - کیا ہم یہ امید کرین کہ اردو کانفرنس کے ممبران اور ہمارے عزیز ترین دوست مولوی سید محفوظ علی صاحب کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کرینگے کہ اس کام کو وہ اپنے ذمہ لین - آل انڈیا اردو کانفرنس ہو یا انجمن ترقی اردو اس قسم کی کارروائیون کے لیے دونون موزون ہین - دونون پر ملک کو کسیقدر اعتبار ہے اور دونون کے پاس ایک حد تک ایسے ذرائع موجود ہین جنسے اگر پوری طرح کام لیا جائے تو کامیابی ہوگی -

ملک مین اسوقت متعدد مطابع ایسے موجود ہین جو پبلشنگ ہاؤس کہے جا سکتے ہین - خود خاص لکھنؤ مین ایک پبلشنگ ہاؤس قائم کرنے کی تجویز ہمارے ذہن مین عرصہ سے ہے بلکہ سال گزشتہ ہمین اسکے روبراہ آنے کی امید بھی ہو چلی تھی لیکن افسوس ہے کہ ابھی ہماری منزل بہت دور معلوم ہوتی ہے - تاہم اس خیال کو ہم نے ترک نہین کیا ہے اور یقین ہے کہ جلد یا دیر اسمین کامیابی بھی ہو جائے گی -

ایڈیٹر

خدا رکھے لڑکپن کو عجب پیارا زمانہ ہے

دیکھ کر خوش ہو رہی تھی چاند کو اک مہ جبین
دل سے اپنے آپ یہ کہتی تھی وہ غنچہ دہن

سچ بتا رے چاند ہے تجھ مین یہ کس کی روشنی
کس سے سیکھا ہے یہ تونے دلفریبی کا چلن

عکس اپنا کون سے عالم سے دکھلاتا ہے تو
کون سی دنیا ہے وہ تیرا جہان ہے جو وطن

خسرو انجم ہے تو کیا نجم ہے تیری سپاہ
تیری جولانگاہ کیا ساحت چرخ کہن

کیون تجھے تشبیہ دیتے ہین رخ معشوق سے
کیون تجھے رکھتے ہین یاد اس موقع پر اہل سخن

دیکھتا ہے کسکو تو چھپ چھپ کے اکثر رات کو
پردے پردے مین کسی سے لگ گیا کیا تیرا من

تیری یہ سرخی غضب ہے اور آفت یہ حجاب — جی کو کچھ بھاتا نہیں ہے اپنے یہ تیرا چلن
بزم میں آکر ہماری گرم صحبت ہو ذرا — ساتھ لے آ دو گھڑی کو اپنی ساری انجمن
مجھ میں اب قوت نہیں ہے بار فرقت جو اٹھاؤں — ہجر میں تیرے کہاں تک میں سہوں رنج و محن
خود نہ آ مجھکو بلا لے اپنی بزم ناز میں — ڈال دے تو آسمان سے میرے گھر میں اک رسن
سن رہا تھا یہ مبارک اوسکی بھولی گفتگو — عاقبت گویا ہوا اس لہجہ میں وہ خستہ تن
پیاری بچی چاند سے کرتی ہو باتیں کیا یہ تم — دل میں ہیں جذبات معصومانہ شاید موجزن
چاند میں جو روشنی ہے یہ خدا کا نور ہے — راز قدرت اسمیں ہے مسطور اے میری بہن
کس میں طاقت ہے کہ اسرار الٰہی جان لے — عقل انسانی ہے عاجز کھل نہیں سکتا دہن

مبارک بھوپالی

دلفریب سامعہ طرز بیان لکھنؤ — ذوق بخش اہل دل لطف زبان لکھنؤ
لاکھ ڈھونڈھی آنکھ لیکن اب کہاں اے انقلاب — وہ زمین لکھنؤ وہ آسمان لکھنؤ
خون رلا کر ہمدموں کو دیکھئے طرز بہار — چھیڑیے گلشن میں رنگین داستان لکھنؤ
خوب پیسا واہ اے سنگ جفائے دور چرخ — بنگیا ہوں سرمۂ چشم بتان لکھنؤ
سرمۂ عبرت بنائے دیدۂ یوسف طلب — اے عزیزو میں ہوں گرد کاروان لکھنؤ
کیوں نہ بہ جائے لہو ہو ہو کے دل اشکوں کے ساتھ — پھرتے ہیں آنکھوں میں رنگین نوجوان لکھنؤ
ہائے وہ محراب ابروے بتاں کی دلکشی — سجدہ گاہ عاشقی تھا آستان لکھنؤ
سُنکے نغمے ہم صفیران چمن ماتم کریں — بلبل خوش خواں ہے لیکن نوحہ خوان لکھنؤ
اب بھی اس ویرانے پر قربان لاکھوں بستیاں — جانتے ہیں لکھنؤ کو قدر دان لکھنؤ
قالب بیجان ہے یہ معمورۂ ویرانہ اب — جان عالم تھا فقط روح روان لکھنؤ

لکھنؤ اندھیر ہے آنکھوں میں اے بدر آہ آہ
اب کہاں اختر وہ شاہ حکمران لکھنؤ

بدر لکھنوی

کلام فیضی کی تنقید پر ایک نظر

ہندوستان کی خاک سے فارسی گو شعرا مین دو بڑے باکمال پیدا ہوئے - حضرت خسرو کی جامعیت کا تو فارس مین بھی کوئی کم نظر آتا ہے جو ہر صنف سخن پہ یکسان قادر ہو - انکے بعد اگر کوئی اس ملک مین سوا اردو عرفی کا معصر اکبر کے نورتن مین جوہر فرد فیضی فیاضی ہے -

فی الحال ادیب کے اگست نمبر مین جناب شوکت میرٹھی کا وہ مضمون شائع ہوا ہے جسمین کلام فیضی پر تنقید کی گئی ہے اور حصے تو خیر جیسے ہین ضمیمت ہین آخری حصہ جو خاتمہ کا بند ہے زیادہ ترقیہ نظر کا محتاج ہے فیضی کی مشہور رباعی جو طاہر وحید کی رباعی کے جواب مین فی البدیہ موزون ہوئی چار اعتراضون کی نشانہ بنائی گئی ہے اور یہ بھی مان لیا گیا ہے کہ اور شعرا کی رباعیان اسکے جواب مین مربع نشین چار بالش ترجیح ہو سکین -

(طاہر وحید) زنگی بفزون لشکر نازد ، رومی بسنان و تیغ و خنجر نازد ، اکبر بخزانہ پر ز زر نازد ، عباس بذوالفقار حیدر نازد

اس رباعی کا پہلا مصرع جناب شوکت نے صحیح نقل نہین کیا میری یاد غلط نکلی ہو تو اسطرح ہے "زنگی بسپاہ و خیل و لشکر نازد" سنان و تیغ و خنجر کے مقابل ایک طرف سپاہ و خیل و لشکر ترتیب الفاظ و تناسب اوزان کی عمدہ مثال ہے -

(فیضی) دریا بگہر فلک باختر نازد ، فردوس بسلسبیل و کوثر نازد ، عباس بذوالفقار حیدر نازد ، کونین بذات پاک اکبر نازد

جناب شوکت کا پہلا اعتراض یہ ہے کہ مصرع آخر مین لفظ "پاک" حشو ہے - ایسی صنعت جو اپنے موصوف کے ساتھ زبان زد خاص و عام مستعمل کلام فصحا ہو حشو کیونکر کہی جا سکتی ہے - ذات پاک کون نہین کہتا؟ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ "کونین" تثنیہ اور "نازد" مفرد درست نہین "نازند" چاہیے - میرے خیال مین جس آشنائے زبان فارس سے پوچھا جائے وہ یہی کہے گا کہ نازد فصیح ہے نازند غیر فصیح ہے - کوئی لفظ تثنیہ یا جمع اصطلاح مین اگر مفرد قرار پا گیا ہو تو فعل جمع کی قید اسکے لیے بیکار ہے - تیسرا اعتراض یہ ہے کہ تیسرا مصرع طاہر وحید ہی کا لوٹا دیا عطائے تو بہ لقائے تو - اسکا جواب یہ ہے کہ جس مصرع خاص کا جواب بالذات مقصود تھا وہ نہ لایا جاتا تو مضمون خبط اور مدعائے اصلی فوت ہو جاتا مطلب یون کہ عباس کو اگر ذوالفقار حیدر پر ناز ہے تو یہ ناز اسکا بنفس نفیس آپ اپنے اوپر ہے یہان سلطان خدائی کو ذات پاک اکبر پر ناز ہے - اپنے اوپر آپ ناز کرنے سے دوسرون کا ناز کرنا قابل فخر ہے

جو تھا اعتراض یہ ہے کہ ذات پاک اکبر سے اگر ذات خدا مراد ہے تو کونین کا ناز کرنا کوئی اہم بہ امر نہین اور اگر ممدوح شاہ اکبر مراد ہے تو خلاف واقعہ خوشامد و غلو ہے۔ کیا عباس صفوی کو ذوالفقار حیدر کا ہاتھ لگ جانا اور اسپر ناز کرنا خلاف واقعہ غلو نہین ہے فیضی کے ذو معنی پہلو پر جناب شوکت کو دھوکا ہوا ہے۔ شعر کے مجازی مضامین کو حقیقت واقعہ پر محمول کرنا اور مدح مین واقعی اصلی صفت کو ڈھونڈنا ایشیائی مدح سرائی کے مذاق سے بعید ہے۔ جناب شوکت نے اس مصرع مین تصرف فرماکر اصلاح سے بھی فیضی کی روح کو شاد کیا ہے فرماتے ہین :۔

ہر ذرہ بذات مہر اکبر نازد

ماہ انور یا مہر خاور مشہور ہے لیکن اکبر کا نام لانے کے لیے مہر اکبر ایجاد بندہ ہے۔ کیا مہر اصغر بھی کوئی ہے؟ کسی صاحب ذوق سلیم کو یہ مصرع پسند نہ ہوگا۔

غلامین چوتھا جواب قابل قدر شوخی ہے اسکے پہلے شعر حمد پر بھی اصلاح و ترمیم کا حق ادا کیا گیا ہے

اے در تگ و پوے تو ز آغاز عنقاے نظر بلند پرواز

آپ فرماتے مین کہ "عنقاے نظر" کی جگہ "طاؤس نظر" تھا کسی نے بلند پروازی کی اعتبار سے اعتراض کیا تو یون بنا دیا گیا حالانکہ طاؤس اوڑتا بھی ہے اور بلند اوڑتا بھی ہے جہانتک قیاس کیا جاتا ہے فیضی نے طاؤس نظر نہ نظم کیا ہوگا جس طرح جناب شوکت نے تگ و پو کی لفظی رعایت کا خیال کیا ہے کسی نے کہا ہوگا کہ طاؤس نظر تھا۔ تگ و پو بمعنے غایت جستجو ہر شخص جانتا ہے پھر خواہ مخواہ مساعدت لفظی چہ معنی دارد؟ عنقاے نظر کو صرف لفظ بلند پروازی سے مناسبت نہین ایک معنوی خوبی یہ بھی ہے کہ جس طرح عنقا آنکھون سے پوشیدہ ہے طائر نگاہ کے پر پرواز بھی نظر نہین آتے۔ جناب شوکت نے پہلے مصرع سے تگ و پو کا لفظ اڑا دیا تھوڑا تصرف کرکے اسکی جگہ اوج کا لفظ رکھدیا تاکہ دوڑ دھوپ کی خلش نہ رہے۔

اے آنکہ در اوج تو ز آغاز

مختصر یہ ہے کہ ایک علامۂ فن ماہر زبان کے کلام پر تنقید کے یہ معنی نہین کہ اظہار قابلیت کے ساتھ بے ضرورت اصلاح دیجاے۔ اور نکتہ چینی کا فرض خواہ مخواہ ادا کیا جائے۔ فہم سلیم کی جودت زبادانی کی مہارت منصفانہ پیراے مین دکھائی جائے۔ اتنا ہی کافی ہے۔ اگر مناسب وقت

فرصت ملا اور زبان قلم نے یاری دی تو اپنی استطاعت کے موافق یہ ناچیز بھی کچھ لکھے گا۔

برائے وصف زلف و روئے لیلیٰ شبے می باید خوش روزگارے

محمد اسمعیل ذبیح کراچی

غزلیات

بسکہ دشوار ہے مشکل مری آسان ہونا
المدد عشق ذرا سلسلہ جنبان ہونا

فصل گل مین وہ مرا چاک گریبان ہونا
چھوڑ کر گھر کو روان سوے بیابان ہونا

سرد آہین کبھی بھرنا کبھی حیران ہونا
مضطرب ہجر مین مجکو کسی عنوان ہونا

چشم خونناب سے وہ بارش نیسان ہونا
گھر کی دیوارون پہ وہ سبزہ نمایان ہونا

دل کو وہ خواہش نظارہ میدان ہونا
پھر قیامت ہے مقفل در زندان ہونا

آرزو ہے دل وارفتہ کہ آزاد رہو
ہے تقاضاے جنون داخل زندان ہونا

خون ہونا تری شمشیر کا مجھ پر قاتل
میرے زخمون کا وہ منھ کھول کے خندان ہونا

دل وارفتہ نے کیا جانے کہا کیا کہ انھین
پھرون کچھ سوچنا اور سوچ کے حیران ہونا

آپ ہی چھیڑنا قصہ مری بیتابی کا
اور پھر سن کے اُسے خود ہی پریشان ہونا

آپ ہی تیغ نگہ سے مجھے زخمی کرنا
آپ ہی زخم جگر پر نمک افشان ہونا

کہنے جاتے ہین پریشانی خاطر اُنسے
جو نہین جانتے کیا شے ہے پریشان ہونا

انکی رسوائی کا باعث مرا مرنا ٹھہرا
یون لکھا تھا مری قسمت مین پشیمان ہونا

زیست کہتے ہین کسے بیٹھنا پہلو مین ترے
موت کیا شے ہے نظر سے ترا پنہان ہونا

دل بیتاب کو تم شوق سے زخمی کردو
کون کہتا ہے ستم کر کے پشیمان ہونا

ہمت عشق یہ کہتی ہے کہ اے درد فراق
مر بھی جانا تو نہ منت کش درمان ہونا

تیرا بیجا ہنسنا وہ مرے رونے پر
اور پھر خندۂ بیجا سے پشیمان ہونا

ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوائین وہ بہار صحرا
حیف اس وقت مرا داخل زندان ہونا

نہین ثانی کوئی تیرا یہ پتا دیتا ہے
ذرے ذرے سے ترا نور نمایان ہونا

بال کھولے ہوئے اگر وہ کسی میت پر | ہائے کیا سین تھا اُس شوخ کا گریان ہونا
قابل دید ہے اُس وقت کی حالت خنجر | دوست کی لاش پر اک دوست کا گریان ہونا

مرزا فدا علی خنجر لکھنوی

ناز بردار دل زار کہان سے لائین | ایسا معشوق وفادار کہان سے لائین
سامنا ساقیٔ مہوش کا نشاطِ صہبا | اب وہ سرمایۂ گفتار کہان سے لائین
سخت جانی کی شکایت جو گلے ملکے کرے | تیز طرار وہ تلوار کہان سے لائین
دل ہے آزار پسند اور فلک بے پروا | اب نیا چرخ ستمگار کہان سے لائین
میکدہ مین جسے کونین فراموش رہے | ہائے وہ دل وہ گنہگار کہان سے لائین
دل ہے محروم فراغت کہین کیا قصۂ غم | بے خلش فرصت بسیار کہان سے لائین
تیر پہلے ہی سے پیوست جگر ہے بسمل | اب نئی لذت آزار کہان سے لائین

امین الحسن بسمل

پرتو افگن وہ اگر چاند سی صورت ہوگی | ابھی کافور شبِ غم تری ظلمت ہوگی
خواب مین عارض جانان کی جو رویت ہوگی | صاف کافور شبِ غم تری ظلمت ہوگی
یعنی زنجیر جو گیسو کی تو سودا ہوگا | سایۂ زلف پڑا سر پہ تو وحشت ہوگی
شور پازیب سے سوتے ہوئے فتنے نہ جگا | مردے قبرون سے جو نکلے تو قیامت ہوگی
جلوۂ حسن نے لے جان جہان نقش پر آ | چاردن مین نہ یہ نقشہ نہ یہ صورت ہوگی
یاد یاران وطن آتی ہے ہر دم یارب | دور کب سر سے بلائے شب فرقت ہوگی
عرصۂ حشر مین دیکھا جو کبھی اُنکا جمال | آنکھ روشن تری خورشید قیامت ہوگی
شمع تربت پہ بھی للہ نہ لائے کوئی | بیکسی سے مجھے تا حشر ندامت ہوگی
جلوۂ حسن صفا صاف نظر آئے گا | دور ہو آئینۂ دل سے جو کدورت ہوگی
دل کی لگی خلد مین حورون سے رہیگی لیکن | گر کہین وہ نظر آیا تو قیامت ہوگی
کاکلین اتنی جو بڑھ جاتے تو ہو پر یاد رہے | چاندنے منھ یہ جو گھیر لیگی تو خفت ہوگی
سیر گلزار کو جاتے ہو بغیر اُنکے ظہور | اور گلگشت چمن سے تمہین وحشت ہوگی

سید ظہور الدین احمد ظہور

مسلمانان ہند کی معاشرت اور اوسکی اصلاح

نمبر ۱

امثان غریبتان فاحتملوھا کلمۃ حکم من سفیہ فاقبلوھا و کلمۃ سفہ من حکیم فاغفروھا[1]

تمہید

مین نے مندرجہ بالا عنوان پر ایک سلسلہ مضامین لکھنے کا ارادہ کیا ہے اگر خداوند عالم نے مدد کی تو اسمین یہ ترتیب ملحوظ رہے گی کہ معاشرت کے ذکر کے بعد آداب معاشرت پر بھی بحث کیجائے اور چند لفظون مین تہذیب یورپ کی تقلید کے فوائد اور عیوب دونون بتائے جائینگے ایسے اصطلاحی مضمون پر قلم اٹھاتے وقت مجھے یقین ہے کہ ذی فہم ناظرین کو بہت سی باتین ان مین نئی نہ معلوم ہونگی اسلیے امید ہے کہ وہ اپنے آپ کو مخاطب نہ سمجھینگے اور راقم کی اس جرأت کو معاف فرمائینگے کیونکہ اسکا خاص منشا اُس کثیر التعداد گروہ کی اصلاح ہے جسے ہدایت کی سخت ضرورت ہے اگر کسی ایک فرد کو ان صفحات کے مطالعہ اور ان چند مفید اصول زندگانی کے اتباع سے کچھ بھی فائدہ حاصل ہو سکا تو یہ میرے انبساط اور اطمینان دلی کے لیے کافی ہے اور مین سمجھونگا ایک بڑے اور اہم فرض کی ادائی مین میری ناچیز کوشش رائیگان نہین گئی۔

میرا یہ دعوے نہین کہ مندرجہ ذیل آرا تمامہ درست اور مکمل ہین اور اس بڑے اور عظیم الشان مسئلہ پر چند صفحات لکھکر تمام دقتین حل کردی گئین - یہ کام ایک شخص واحد کی کوشش اور مشاہدات وعلم سے باہر ہے اور مجھے امید قوی ہے کہ دوسرے لوگ بھی ضرور اس مضمون پر قلم اٹھائینگے اور جو خامیان اس مختصر مضمون مین پائینگے اُسکو پورا کرینگے۔ قوم کے لٹریچر

---

[1] دو باتین نادر ہین انھین گوارا کرو (۱) دانائی کی بات جو نادان سے سنے قبول کرو۔ (۲) نادانی کی بات جو دانا کہے اُسے بخش دو۔

فرقہ سے یہ مدعا ہے کہ قبل اسکے کہ اپنا فیصلہ خلاف صادر فرمائیں حاز راہ کرم و انصاف پسندی کسی قدر دوہ خیالی۔ مد غور و فکر ضرور راہ دین اسیوقت ذہن نشین رکھین کہ میری حقیقی خواہش تمدن معاشرت قومی کی ترقی ہے جسکے لیے مجھے اندھی تقلید سے پرہیز کرنے کا ہمیشہ خیال رہا ہے۔ اور جو کچھ اس ناچیز قلم سے ممکن ہو سکا ہے وہ اُن تجربات پر مبنی ہے جو اپنے دیس اور ممالک غیر کی مہذب سائیٹیون کی کیفیت مشاہدہ کرنے سے حاصل ہوئے ہین اور ایسے معیار کی جستجو کی گئی ہے جو اخلاقی مذہبی اور سائنٹفک اصولون پر مبنی ہو اور طریقہ زندگی کے عملی پہلو سے بھی کسی طرح متبائن نہو۔

میرے خیال مین مسلمانان ہند کی بہبودی کے لیے معاشرتی اصلاح کی ایسی ہی سخت ضرورت ہے جیسی پودے کو دھوپ کی۔ بیمار کو دوائی۔ راہ گم گشتہ کو صراط مستقیم کی۔ موجودہ حالت پر نظر ڈالنے سے انکی جماعت مین صرف معدودے چند ایسے نئے خیالات اور تعلیم کے لوگ نظر آتے ہین جو بلحاظ اپنی اختیار کردہ معاشرت کے قابل تعریف ہین اور عمدہ مثالین تقلید اور پیروی کے لائق پیش کرتے ہین ورنہ عوام الناس درجہ متوسطہ اور امرا سب کی حالت بلحاظ تہذیب جدیدہ کے ابھی تک نہایت پست نظر آتی ہے اور وہ اُن عادات اور طریقون کو جو مہذب اقوام اور شایستہ سوسائٹی کے لیے لازم ہین اپنی روزانہ زندگی مین داخل کرنے سے قاصر بلکہ بے پروا نظر آتے ہین کچھ سمجھ مین نہین آتا کہ قومی رفتار کی ترقی کیون اس اہم اور ضروری مسلک کی جانب اسقدر سست ہے اور یہان کے مسلمان کیون اس سے اسقدر اجنبی اور غیر مالوف نظر آتے ہین جب ہم دیگر ممالک یعنی مصر و شام عرب و روم کے مسلمانون کا اپنے سے مقابلہ کرتے ہین تو گو انہین بھی بہت سی ناقص اور قابل اصلاح باتین ابھی تک موجود نظر آتی ہین مگر پھر بھی یورپین میل جول نے ہم سے کہین زیادہ ان کی طرز معاشرت کو بدل دیا ہے۔

اگرچہ اس ملک کے مسلمان مدت دراز سے یورپ کی ایک نہایت مہذب قوم کے اطوار کا مشاہدہ کر رہے ہین مگر کوئی ایسی قابل تعریف ترقی انکی طرز معاشرت مین ظاہر نہین ہوئی اور نہ کوئی ایسا انقلاب اُن پرانے قابل ترک عادات مین پیدا ہوا جو دور سے مشاہدہ کرنے والی تہذیب پسند اقوام کی نگاہ مین اُنکے لیے وقعت و عزت پیدا کرتا۔ انکی موجودہ حالت نہایت حیرت انگیز اور قابل افسوس ہے۔ گزشتہ چھ سالون مین ترقی اُنھون نے ضرور کی ہے مگر خاص کر تعلیمی

حالت مین یا بیکس بھی اُس سے کم اور اصلاح معاشرت مین سب سے کم مین جانتا ہون کہ تعلیم اصلاح معاشرت کا پہلا زینہ ہے اور اسکی وجہ سے آخر الذکر پر بہت عمدہ اثر پڑنا چاہیے لیکن جو واقعات جو ہمارے مشاہدہ مین آتے ہین ثابت کرتے ہین کہ مغربی تعلیم نے ایسا عمدہ اثر ظاہر نہین کیا ہے جسکی اس سے امید کیجا سکتی تھی اور کوئی نقص اُسکے طرز و طریقہ مین ضرور ہے جو وہ ابھی تک ہماری معاشرت کو پستی کی حالت سے نکالنے مین کامیاب نہین ہوئی اور تہذیب تمدن پر وہ اثر نہین ڈال سکی جو قومی ترقی اور افتخار کے لیے لابد و ضروری ہے۔ اس مسئلہ پر غور کرنے والے کے سامنے چند اسباب پیش ہوتے ہین جو بہت کچھ اس انحلال قومی کا سبب اور باعث سمجھے جا سکتے ہین۔

بمقابلہ دیگر ممالک کے مسلمانان ہند زیادہ تنگ خیال اور پرانی طبیعت کے واقع ہوے ہین۔ یہ اُنکی ہمسایہ قوم کی معاشرت کا اثر ہے۔ کیونکہ اسمین شک نہین کہ اہل ہنود نئے اوضاع و اطوار کے اختیار کرنے مین بہت سست اور مذبذب واقع ہوئے ہین جسکی مثال لباس عادات و اطوار آلات زراعت اور دیگر باتون سے ظاہر ہے حتیٰ کہ اس بیسوین صدی مین بھی اگر تم گھرون مین انکی ہزارون برس کی دیرینہ معاشرت کے نمونے ہو بہو نظر آئینگے۔

مسلمانان ہند کو بوجہ محکوم ہونے کے مغربی فاتح قوم سے ارتباط کا اتنا موقع نہین ملا جیسا کہ دیگر ممالک کے مسلمانون کو مختلف اقوام یورپ کے ساتھ باہمی مساوات کی وجہ سے شیر و شکر ہونے اور اُنکی معاشرت سے اثر پذیر ہونے کے موقع حاصل ہوئے ہین۔ سب سے زیادہ امید اُن لوگون سے تھی جنھون نے مغربی تعلیم حاصل کی ہے اور اقوام متمدنہ سے صحبت رکھی ہے مگر ان مغربی تعلیم یافتہ اور نئے خیالات کے نوجوانون نے اپنے آپ کو اصلاح معاشرت کے اہم کام مین نا قابل ثابت کیا۔ اس گروہ سے یہ امید تھی کہ وہ ایسی مثالین پیش کریگا کہ سوسائٹی کو تقلید کی رغبت اور خواہش پیدا ہوگی اور خاندانون پر عمدہ اثر پڑے گا لیکن یہ امید بے سود گئی اور باستثناے چند سب پر یہ الزام عاید ہوتا ہے کہ انھون نے اپنا مشن پورا نہین کیا۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے ہمکو دیکھنا چاہیے اور وضاحت کے ساتھ یہ بیان کرنا چاہیے کہ آخر وہ کیا اسباب ہین جنکی وجہ سے اس جماعت کو جسمین قومی ترقی اور اصلاح معاشرت کی تمام قابلیت موجود ہونا چاہیے اور جسکے افعال پر اُن لوگون کی نگاہین لگی ہوئی ہین جنھین مغربی تعلیم حاصل کرنے کے موقع نصیب نہین ہوے

مجھے ایسے اہم مشن مین نا امیدی اور ناکامیابی کی صورت دیکھنا پڑی۔ تھوڑے تامل کے بعد یہ معمہ نہایت آسانی کے ساتھ حل ہو جاتا ہے۔ میرے خیال مین ان اصلاح پسند لوگون کے تین گروہ ہین

(۱) بہت سے ایسے لوگ ہین جن پر مغربی تعلیم کا اثر مفید اور مناسب نہین پڑا اور اگر انکے دلون مین موجودہ خرابیون کی اصلاح کے خیال پیدا بھی ہوئے تو نا پائداری کے ساتھ۔ چند سال کی ولایت کی تعلیم یا علی گڈھ کی تربیت کا ایک عرصہ تک انکی اطوار پر اثر ضرور باقی رہا مگر اوائل عمر کی خراب تربیت کے اثر سے پیچھا نہ چھوڑا سکے اور بہت جلد پُرانی طبیعت عود کر آئی اور انکے اطوار اور آداب اس قابل نہ رہے کہ ان سے مثال قائم کیجاوے۔

(۲) اس سے بھی ایک درجہ بڑھا ہوا وہ گروہ ہے جسکا طبعی رجحان مذہبی معاشرت کی طرف تھا۔ انہین گروہ اول الذکر کی طرح صرف اندھی تقلید نہ تھی بلکہ اُنھون نے زمانہ کے اثر سے متاثر ہو کر یہ عہد بھی کر لیا تھا کہ ضرور اپنی سوسائٹی مین اصلاحات کرینگے۔ لیکن کچھ عرصہ کے جوش وخروش کے بعد چارون طرف کے دامنگیر واقعات اتفاقات وحالات قدیمی کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور رفتہ رفتہ اُسی پُرانے ڈھنگ پر آگئے جسے پہلے اسقدر بُرا اور مذموم کہتے تھے۔ اسکی تائید مین ایک عزیز دوست کی مثال میری نظر کے سامنے ہے کہ ولایت مین جب مجھ سے ملتے تو ہندوستانیون کے طریقۂ ملاقات کو بہت کچھ بُرا بھلا کہتے اور اصلاحات کے بڑے حامی بنتے۔ ہندوستان پہونچکر اُنسے ملاقات کا اتفاق ہوا تو کیا دیکھا کہ شام کے وقت کرتا پائجامہ پہنے ایک چارپائی پر جلوہ افروز ہین۔ پان چبا رہے ہین حقہ کی مہنال منہ مین ہے اور یار دوستون سے ہدا مذاق اور ہنسی دلگی ہو رہی ہے اور لطف یہ کہ جس بات کو پہلے اسقدر نفرت سے دیکھتے تھے وہی کھاتے وقت اُنسے ظہور مین آئی یعنے دسترخوان پر ہاتھ سے نوالہ بنا کر چپڑ چپڑ کھانا شروع کیا مین نے تخلیہ مین ہنسکر پوچھا کہ کیون حضرت وہ آپ کی پرانی بلند پروازیان کیا ہوئین۔ اسپر ایک آہ سرد بھر کر کہنے لگے بھائی کیا کیا جائے بزرگون کے سامنے کچھ نہین چلتی اور مین اتفاقات سے مجبور ہون۔ مین نے کہا آپ کی مثال تو اُن فرشتون کی سی ہے جو زمین پر بہت کچھ دعوے کے ساتھ اُترے تھے مگر یہان اگر حضرت انسان کی صحبت مین اس پتلۂ خاک سے بھی بدتر ہو گئے۔ فرمانے لگے کہ فرق یہ ہے کہ اُن کو

تید سخت ہوئی تھی اور میرا کانشنس (ضمیر) دن رات ملامت کرتا رہتا ہے۔ مین نے جواب دیا کہ گھبرایئے نہیں یہ خیال بھی تھوڑے دلون بعد رفع ہو جائے گا۔

اصلاح کے ایسے جھوٹے دعوے کرنے والون کے لیے ایک سوشل ٹریبونل یا معاشرتی عدالت کی ضرورت ہے جو ایسے لوگون کی جنھون نے اپنے اصولون کو ادنےٰ فرو عاسے اور اتفاقات کی نذر کردیا ہے۔ اس اخلاقی بزدلی کی مناسب سزا دے سکے۔

(۳) اس گروہ مین معدودے چند وہ باہمت لوگ ہین جو اپنی سوسائٹی کے تمام عیوب کو اگرچہ کلیتۃً دور کرنے مین قاصر رہے ہین مگر پھر بھی بہت سی اصلاحین انکی وجہ سے ہوگئی ہین۔ یہ اصلاحین گو صرف چند خاندانون ہی تک محدود رہی ہون مگر ہین تو اصلاحین اور اسوجہ سے بہرحال بہت زیادہ قابل تحسین وشکرگزاری ہین۔ یہ لوگ اپنے مضبوط ارادون کے زور سے تمام وقتون کو حل کر گئے جس سے انکے کمزور طبیعت بھائیون کو شرم اور سبق حاصل کرنا چاہیے۔

اسمین شک نہین کہ معاشرتی اصلاح کرنے والون کے لیے مضبوط ارادے حسن اسلوب اور دانشمندی کی سخت ضرورت ہے اور اگر قوت امتیاز یہ بھی موجود ہے اور خدا صفادع ما کدر کے مسئلہ پر عمل ہے تو ایسے لوگون کو کبھی ناامیدی کا سامنا نہوگا۔ اور انکی راست بازی اور کوشش اصلاح اپنا اثر ضرور دکھائے گی اور دوسرون کو تہذیب اور تمدن کا بہت عمدہ سبق سکھائیگی انکی مثالین ہماری معاشرت کا معیار بنکر رہنمائی کرینگی اور گمراہون کے لیے مشعل ہدایت کا کام دینگی۔

(۴) آخری گروہ وہ ہے جس مین استقلال رائے اور قوت عمل موجود ہے مگر دوسرے صفات سے وہ بے بہرہ ہے۔ یعنے قوت امتیازی اور وقت شناسی انمین مفقود ہے اور احتیاط اور موقع محل کی تمیز انمین تام کو نہین۔ اسیلیے ان کو سخت مایوسیون کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پرانی معاشرت کی طرف سے انکو دلی نفرت ہے مگر بجاے اصلاح کی کوشش کرنے کے وہ ابنائے جنس سے الگ تھلگ رہنا پسند کرتے ہین۔ حتےٰ کہ اپنے عزیزون تک سے ربط رکھنا خلاف مذاق اور ناگوار ہوتا ہے اس گروہ کو لوگ طرح طرح کے نامون سے یاد کرتے ہین مثلاً یہ کہ فلان صاحب ہوگیا ہے کرسٹان ہوگیا ہے اسکو انگریزی چڑ گئی ہے۔ میرے سامنے ایک ایسے ہی صاحب کی مثال موجود ہے۔ انکی یہ حالت ہے کہ جب وطن جاتے ہین تو ماں باپ کے گھر مین نہین ٹھہرتے ڈاک بنگلہ

یا ہوٹلون مین قیام کرتے ہین۔ ہندوستانیون سے ملنا باعث عار سمجھتے ہین غرور کی وجہ سے نہین بلکہ بقول انکے ہندوستانیون کی باتون مین اُنکو لطف نہین آتا حقیقت یہ ہے کہ ان لوگون کے اطوار اور آداب قدامت پسند لوگون سے متغائر ہین اور وہ اپنے ہم مذاقون ہی سے ملنا پسند کرتے

بدقسمتی سے ہمارے ملک مین اس گروہ کی تعداد روزافزون ترقی پر ہے انکی حالت قابل نفرین نہین بلکہ قابل افسوس ہے کیونکہ یہ معلوم رہے کہ ایسے افراد کی زندگی اور راحت ہندوستان آکر بالکل تلخ ہو جاتی ہے۔ مزید برآن جو سوسائٹی انکے مناسب مذاق ہے اُسمین انھین دخل نصیب نہین ہوتا۔ عمدہ کلبون اور انگریزون کی محفلون مین قومی تعصب اور گورے چمڑے کے امتیاز کی وجہ سے لیے نہین جاتے ہین اسلیے ان کے یہ زندگی دماغی اور ذاتی تنہائی کے باعث سوہان روح ہو جاتی ہے۔ میرے مذکورہ بالا آشنا صاحب نہایت تلخی اور غصہ سے فرماتے ہین کہ مین کیا کرون وقت کسی طرح کاٹے نہین کٹتا۔ میری طبیعت تنہائی پسند نہین ہے مگر کوئی معقول ملنے والا نظر نہین آتا اور شام کو کسی جگہ تفریح کا سامان بھی نہین (اس شہر مین کوئی ایسا ہندوستانی کلب بھی نہین تھا جسکی طرف انکو متوجہ کیا جاتا) غرض کہ یہ اپنی قوم کو صلواتین سُناتے ہین اور لطف یہ ہے کہ قوم خود اون کے سے لوگون کو قابل ملامت تصور کرتی ہے لیکن درحقیقت انصاف سے دیکھا جائے تو دونون قابل نفرین ہین۔ یہ گروہ اسلیے کہ بغیر خود کوشش کیے اپنی قابل اصلاح سوسائٹی کو شائستہ پانے کی آرزو رکھتا ہے اور سوسائٹی اسلیے کہ اپنے تنگ خیالات اور تعصب کی وجہ سے جدید معاشرت کو خوف حیرت اور نفرت کی نگاہون سے دیکھتی ہے اور اسکے اتباع کرنے والون سے نہ ہمدردی کرتی ہے اور نہ اُسکی رہنمائی مین کوشش کرتی ہے۔ یہ اس کا فرض ہے کہ اپنے مذموم طریقون مین اصلاحات کر کے اپنے آپ کو ایسی خوبی کے ساتھ آراستہ کرے کہ ان دل شکستہ افراد کو غیر قومون مین اپنے مذاق کی صحبت اور سامان تفریح تلاش کرنے کی ضرورت نہ پڑے اور وہ یورپ مین سوسائٹی کو تمنا اور حسرت کی نگاہون سے نہ دیکھین۔

اسکے جواب مین کہا جائیگا۔ کہ اُن بیشمار افراد کا کیا علاج ہے جنکو پرانی معاشرت مین لطف آتا ہے۔ اور تمدن اور بود و باش کے جدید طریقے انکے لیے کلفت اور زحمت کا باعث ہوتے ہین۔ یہ جواب بالکل فضول ہے۔ کیونکہ اگر اصلاح بتدریج کیجائے اور ساتھ ہی موزون اور مناسب

تعلیم و تربیت کی طرف بھی خیال رہے جو کتابی علمی اور مثالی ہر سہ اصولون پر مبنی ہو تو یقیناً نئے اور بہتر طرز زندگی کے اختیار کرنے مین ہماری موجودہ یا آئندہ نسلون کو اجنبیت اور تکلیف محسوس نہوگی اور اُن تسلیم کردہ عمدہ اصولون کی پابندی مقبول عام ہوجائیگی جو فی زمانہ ایک خاص جماعت کے ساتھ مخصوص ہین - ایک حد تک ایسے جاہل اور متعصب لوگ ہمیشہ رہینگے جو سرے سے ہر قسم کی اصلاحات ہی کے مخالف ہون اور ہر فرقہ اور قوم مین ایسے لوگ موجود ہین - پس اگر یہ لوگ جدید طریقون کو قبول نہ کرین تو ان کو اپنی حالت پر رہنے دینا چاہیے کیونکہ انکا وجود عام پسند ترقی اور آئندہ اصلاحات کا سدراہ نہین ہوسکتا -

زمانہ کی موجودہ حالت پر نگاہ ڈالنے سے یہ کامل یقین ہوتا ہے کہ ایک نہ ایک دن ہماری قدامت پسند جماعت کو وہ عادات اختیار کرنا پڑینگے جنکو آج وہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتی اور جنکا وہ ابھی مضحکہ اوڑاتی ہے - ہمیشہ دنیا مین اصلاح یافتہ سوسائٹی کی عزت کیجاتی ہے یہی حالت آج بھی ہے اور میرے خیال مین وہ زمانہ بھی دور نہین ہے کہ اصلاح یافتہ سوسائٹی مین داخل ہونا شرافت کا معیار تصور کیا جانے لگیگا اور اسکا اتباع نہ کرنے والے بے عزتی اور کس مپرسی کی حالت گمنامی مین رہکر اُس شایستہ گروہ سے خارج کردیے جائینگے جو ہماری قوم کو ہم جنسون اور غیرون کی نظرون مین ممتاز کریگا اور جو مغربی اور مہذب قومون سے کسی طرح کم نہ ہوگی اور شایستگی مین پیچھے نہوگا - اصلاح معاشرت کے لیے نہایت ضروری ہے کہ تعصب اور دیرینہ خیالی کا بہت سختی کے ساتھ مقابلہ کیا جائے - یہی تعصب اور دیرینہ خیالی تھی جسنے کفار مکہ کو اسلام لانے سے باز رکھا اور یہی آزادی خیال اور نور قلب تھا جسنے مدینہ منورہ کے لوگون کو صف اول مین جگہ دی - مگر ہندوستان کی موجودہ سوسائٹی کی اصلاح مین میری یہ رائے نہین ہے کہ تمام درجے ایکدم سے طے کرنے کی کوشش کیجائے بلکہ یہ غلطی ہے اور یہ یاد رہے کہ کسیطرح شروع مین اس درجہ تغیرات نہ پیدا کیے جاوین کہ سختی کے ساتھ مخالفت کیجائے اور ہماری کوششون کا کچھ بھی اثر نہ پیدا ہو - اسلیے ضروری ہے کہ عوام کی مذہبی اور زمانہ دراز کی مروج عادتون اور رسوم کا پاس و لحاظ رکھکر میانہ روی کی تحریص دلائی جاوے - اور اصلاحات ایسے درجہ بدرجہ پیش کیے جاوین کہ لوگ انھین اختیار کرنے سے گریز نہ کرین - مثلاً اگر ہماری قوم کو اصلاح کی یہ صلاح

دیجائے کہ مستورات پردہ کو فوراً بالکل توڑ دین اور سب کھلے منہ باہر آنا جانا شروع کردین تو یہ محض حماقت ہوگی کیونکہ خواہ یہ صلاح بذات خود کیسی ہی فائدہ بخش کیون نہو مگر پرانے رواج کا اثر لوگون پر ابھی اسقدر ہے کہ وہ ہرگز اسپر عمل نہ کرینگے اور مصلح کی کوشش رائگان جائیگی۔ لیکن بتدریج کوشش کیجائے تو تھوڑے ہی عرصہ مین وہ سب مقاصد حاصل ہوسکتے ہین جو فی الحال ناممکن معلوم ہوتے ہین۔ مین مکرر کہتا ہون کہ معاشرتی اصلاح کرنے والون کے لیے دانشمندی اور محل شناسی کی بہت سخت ضرورت ہے اور نیز یہ بھی کہ انکو ظاہری ناکامیون سے دل شکستہ نہونا چاہیے اور اسدرجہ قومی الفت کا جوش دل مین رکھنا چاہیے کہ کوئی مشکل اُسکے سامنے عظیم نہ معلوم ہو اور وہ اصلاح کو اپنی زندگی کے بڑے فرائض مین سے جانین۔ ایسے اشخاص کی ذاتی کوششون کے نتائج بہت بڑے ظہور پذیر ہوتے ہین۔ یہ اپنی جیتی جاگتی مثالین قائم کرکے دوسرون کو اسکی تقلید پر آمادہ کرتے ہین۔ یہ اپنے طرز عمل سے عوام مین تحریک اور اُنکے خیالون مین نئی روشنی ڈالتے ہین اور انکی قائم کردہ جماعتین اتحاد اور اتفاق کے ساتھ اپنے مقصد اصلی کے حاصل کرنے مین جد وجہد کی قوت سے کارہاے نمایان کرتی ہین۔

اس قسم کی جماعتین افسوس ہے کہ مسلمانون مین بمقابلہ دیگر اقوام کے بہت کم نظر آتی ہین اور اگر کسی کا وجود ہے بھی تو اسکے ممبر ایسے جوش سے کام نہین لیتے جو انکا فرض ہے اور اس لیے تھوڑے عرصہ کے بعد وہ مفقود ہوجاتی ہے۔ میرے خیال مین اصلاح حال و تہذیب معاشرت کے لیے انکا قائم کرنا بشرطیکہ پائداری کے ساتھ ہو نہایت ضروری ہے ان جماعتون کو سب سے پہلے یہ کام کرنا چاہئے کہ لوگون کے دماغون مین اس امر کو پوری طور سے جاگزین کردین کہ مجوزہ اصلاحات کسی نصرانی قوم کی تقلید پر مبنی نہین ہین بلکہ دنیاے تہذیب مین (جسمین ہر قوم اور ملت کے لوگ شامل ہین) انکا یہی معیار قرار پایا ہے اور یہ تقلید درحقیقت اصول معاشرت کے اُن آسان اور زود فہم مسائل کی ہے جنپر کشادہ دلی کے ساتھ بے تعصبانہ اگر غور کیاجائیگا تو کسی سمجھدار آدمی کو محل اعتراض نہوگا۔ اگر مذکورۂ بالا حقیقت لوگون کے ذہن نشین نہ کیجائیگی تو انکی طبیعت نئی باتون کو ہرگز قبول نہ کریگی خصوصاً وہ قدامت پسند طبقہ جسکی تعداد ہماری قوم مین بہت زیادہ ہے اور جسکا ہمارے خاندانون پر اسقدر اثر ہے کہ بلا اُسکی استمداد اور ہمدردی کے کامیابی حاصل ہونا مشکل ہے۔

"ڈاکٹر"

ریویو

کلام فیروز۔ فروری سنہ ء کے شروع مین ہمین لاہور جانے کا اتفاق ہوا۔ ایک ہفتہ کے قریب قیام رہا۔ اور وہان کے اکثر علم دوست اور صاحب کمال حضرات سے ملاقات کی عزت حاصل ہوئی۔ ایک روز مشفقی شیخ عبدالحکیم صاحب سے کچھ شعر و سخن کا ذکر ہو رہا تھا۔ اثناے گفتگو مین شعراے پنجاب کا تذکرہ ہونے لگا تو اُنھون نے جناب فیروز کے کمالات سے آگاہ کیا۔ ہمین آرزو ے ملاقات ہوئی اور اُنکے جاے قیام کا پتہ دریافت کر کے حاضر خدمت ہوے۔ اُس دن سے اُنکی عظمت کا سکہ دل پر نقش تھا اور اس بات کی جستجو رہتی تھی کہ کسی طرح اُنکے نادر کلام کا ذخیرہ ہمین ہاتھ آ جائے۔ مگر جناب فیروز جسقدر باکمال ہین اُسیقدر شہرت اور ناموری سے مستغنی بھی ہین۔ اس وجہ سے ابتک اُنکے کلام کا کوئی مجموعہ زیور طبع سے آراستہ نہوا اور سواے بعض نظمون کے عموماً آپکا کلام اصحاب ذوق کی نظر سے بھی نہین گذرا۔ اب اُنکے عزیز شاگرد پیرزادہ عبدالعزیز عزیز مخدومی امرتسری کی توجہ سے ایک مختصر سا مجموعہ شایع ہوا ہے جسے ۸ ر مین طغرائی بک ایجنسی امرتسر سے منگا کر ہر سخن فہم لذت آشنا ہو سکتا ہے۔

پنجاب کے شعرا پر یہ بڑا الزام ہے کہ اُنکا کلام باوجود شاعرانہ ندرتون سے پُر ہونے کے غلطیون سے پاک نہین ہوتا۔ اب اگرچہ نقادانِ فن کا غلو اس بارہ مین کم ہو گیا ہے اور زمانۂ حال کے شاعرون کی نازک خیالی۔ جدت۔ بلند پروازی اور شیرین بیانی کے افسون نے قلم تنقید کو سر تسلیم خم کر دینے پر مجبور کر دیا ہے پھر بھی وہ لوگ جنھین خدا نے ذوق سلیم عطا کیا ہے اس قسم کی لغزشون کو پسندیدہ نگاہون سے نہین دیکھتے۔ جناب حکیم فیروزالدین فیروز کے کلام کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اُنکا کلام عموماً پختہ اور فن کی غلطیون سے پاک ہوتا ہے۔

آئینۂ مشاعرہ۔ سال گزشتہ بھوپال مین ایک نہایت پر لطف مشاعرہ ہوا تھا۔ غالب کی مشہور غزل "شوق ہر رنگ رقیب سر و سامان نکلا" سے مصرع طرح لیا گیا تھا اور اسی نسبت سے یہ مجموعہ اُنھین کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔ بھوپال کے شعرا کے علاوہ باہر سے بھی خاص خاص شعرا سے فرمایش کر کے غزلین منگائی گئی تھین۔ ان غزلیات کا مجموعہ شایع کیا گیا ہے اور اُسکے شروع مین مکرمی جناب قیصر ایڈیٹر الحجاب کا ایک مختصر مقدمہ شاعری پر ہے۔ شائقین ۲ ر مین دفتر الحجاب سے منگا کر لطف اُٹھا سکتے ہین۔

جذبات نادر - (حصہ دوم) ہمارے عزیز منشی نادر علیخان نادر کسی تعارف کے محتاج نہین ہین ہندوستان کے تمام معزز رسائل مین آپ کی پر لطف نظمین بکثرت شایع ہوتی رہتی ہین اور النا ظر کے اوراق کو بھی اکثر آپکے کلام سے زینت دیگئی ہے۔ مخزن - خدنگ نظر - زمانہ اور ادیب وغیرہ مین جو نظمین وقتاً فوقتاً شایع ہوئی ہین اُنکو یکجا کر دیا ہے تاکہ عام شایقین اُنکے مطالعہ سے سرور حاصل کر سکین - مثنوی نور محل (ترجمہ لائٹ آف حرم) جو اس مجموعہ کے آخر مین ضم کر دیگئی ہے خاص طور پر قابل دید ہے قیمت ۸ ملنے کا پتہ نولکشور پریس بک ڈپو لکھنؤ -

محمڈن یونیورسٹی - سال رواں اس وجہ سے مسلمانان ہند کی تاریخ مین ہمیشہ یادگار رہے گا کہ اسی سال مین اُس مہتم بالشان تجویز نے عملی صورت اختیار کی جسکی بنیاد سر سید احمد خان مرحوم مغفور کے مبارک ہاتھون نے علیگڈھ مین ڈالی تھی - تمام مسلمانان ہند نے جو گہری دلچسپی اس تجویز کو بارآور کرنے مین لی اُسکی تحریک کا سہرا اگرچہ ہز ہائینس سر آغا خان کے سر رہیگا لیکن اسمین کچھ شبہہ نہین ہے کہ اُنکی کوششون کو کامیاب بنانے اور قوم کو یونیورسٹی کی تحریک پر متحد الخیال کرنے مین ہمارے ملک کے اہل قلم طبقہ نے بھی کم حصہ نہین لیا -

تمام اردو اخبارات و رسائل نے یونیورسٹی کے متعلق مضامین اور نظمین شایع کین اور اکثر باکمال انشا پردازون اور شاعرون نے بسیط مدلل مضمون اور جوش دلانے والی اور مؤثر نظمین لکھین - چنانچہ جناب منشی احمد علی شوق قدوائی نے جو نظم تحریر فرمائی وہ بعنوان بالا حضور کرنل حاجی حافظ محمد عبید اللہ خان بہادر بالقابہ (یعنے علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال کے منجھلے صاحبزادے صاحب) کے حکم سے بکمال زیبائش طبع ہوگئی ہے -

خبرین

جسوقت آصف جاہ سادس نور اللہ مرقدہ کے داعی اجل کو لبیک کہنے کی خبر سُنائی گئی اسی وقت نواب شہاب جنگ بہادر وزیر کوتوالی نے یہ مژدۂ جانبخش بھی مشتہر کر دیا کہ ماتمکدۂ دکن کی مسند حکومت پر اعلیحضرت قدر قدرت حضور پر نور نواب میر عثمان علیخان بہادر دام اجلالہ آصف جاہ سابع نے

جلوس فرمایا ہے۔ رعایاے دکن کے سراپا درد و الم دلون کو اس نوید خوش آئند سے بڑی تقویت حاصل ہوئی اور اگرچہ بچارے رنج و غم کا چند لمحون مین دھو جانا ممکن نہ تھا تاہم ایک گونہ قلب کو سکون و اطمینان ہوگیا۔ دکن سے جو خطوط ہمارے پاس آئے ہین اُنسے معلوم ہوتا ہے کہ تمام طبقہ کے لوگ اس جانفرسا حادثہ سے اس درجہ متاثر ہوے ہین کہ قریہ قریہ کے بسنے والے یاد محبوب سے بیتاب ہو کر گلی کوچون مین لوٹتے پھرتے ہین۔

۔۔۔ کو محلہ مبارک مین ایک دربار منعقد ہوا جسمین عمائدین سلطنت اور امرا و روسا کے علاوہ رزیڈنٹ بہادر معہ اسٹاف اور دوسرے انگریزی افسرون کے جمع تھے۔ کرنل پنہے رزیڈنٹ نے گورنمنٹ آف انڈیا کی جانب سے اور نیز اپنی طرف سے حضور پرنور آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہ کی خدمت مین مسند نشینی کے مسرت بخش موقع پر مبارکباد دی۔

۱۲ ۔۔۔ کو ہز ہائنس مہاراجہ کوچ بہار نے لندن مین جہان آپ شرکت دربار تاجپوشی کی غرض سے تشریف لیگئے تھے انتقال فرمایا۔ آنجہانی نہایت روشن ضمیر حکمران خیال کیے جاتے تھے اور بانی برہمو سماج مسٹر کیشب چندر سین آنجہانی کے داماد ہونے کی وجہ سے اس فرقہ کی تعلیم سے بہت کچھ بہرہ اندوز ہو رہے تھے۔ ہم حضور مہارانی صاحبہ و دیگر پسماندگان کی خدمت مین اپنے دلی رنج اور مخلصانہ ہمدردی کا اظہار کرتے ہین۔

ناظرین الناظر یہ سُنکر خوش ہونگے کہ ہمارے عزیز دوست مولوی معشوق حسین خان بی اے (علیگ) نے اُنکے لیے ایک نہایت ہی دلچسپ اور سبق آموز تاریخی کتاب کا ترجمہ شروع کیا ہے۔ "محاربات اسلام" کے چند صفحات ہر پرچہ کے ساتھ شائع ہوتے رہینگے تا آنکہ دسمبر ۱۲ء تک کتاب اختتام کو پہونچ جائے گی۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ مصنف اُسکا ایک عیسائی ہے اور لندن کی Religious Tract Society (مذہبی رسائل کی شائع کرنے والی انجمن) کی طرف سے اُسکی اشاعت ہوئی ہے۔ "جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے" اسی کو کہتے ہین۔ کاش واقعات کے اظہار مین دوسرے مورخین بھی مبالغہ اور غلط بیانی سے اپنا دامن تعصب اسی طرح پاک رکھنے کی کوشش کرتے !!

محاربات صلیب

فہرست مضامین

باب اول

محاربات صلیب کی ابتدا (سنہ ۶۲۲ء و غایت سنہ ۱۰۹۰ء)

باب دوم

واقعات ابتدائی (سنہ ۱۰۹۹ء و غایت سنہ ۱۰۹۶ء)

باب سوم

حرب اول (سنہ ۱۰۹۶ء و غایت سنہ ۱۰۹۹ء)

محاربین کا سفر۔ شاہنشاہ یونان کی حکمت عملی۔ اسکا برتاؤ ہیوغ اعظم اور گاڈفری وغیرہ کے ساتھہ انکے قیام قسطنطنیہ کا اثر۔ محاربین صلیب ایشیائے کے میدانون مین۔ محاصرہ نکائیہ ذلت تسخیر شہر۔ جنگ دوری لیوم۔ محاصرہ انطاکیہ۔ مکر کے ساتھ تسخیر کرنا۔ محاربین صلیب جو انطاکیہ مین تھے خود محصور ہو گئے۔ مصائب۔ برچھے کے عقائد باطلہ۔ ترکون سے مقابلہ۔ فتح محاربین صلیب۔ یروشلیم کی جانب پیش قدمی۔ نظارۂ شہر۔ ناکامیاب حملہ۔ محاصرہ یروشلیم۔ مذہبی جلوس۔ فتح شہر۔ محاربین صلیب کے مظالم اور بے رحمیان۔ انکی عبادت۔

باب چہارم

(سلطنت یروشلیم (۱۰۹۹ء لغایت ۱۱۴۵ء)

اسکے حدود۔ انتخاب گاڈفری برائے سلطنت۔ جنگ عسقلان۔ نظام سلطنت لاطینی۔ فوجی مراتب۔ ہاسپٹلر۔ انکی حقیقت۔ لباس۔ فوجی قابلیت۔ حکومت۔ مراسم۔ شہرت۔ ٹمپلر۔ انکی حقیقت۔ مکانات۔ عادات۔ حکومت۔ مراتب فوجی کا انجام۔ حالات کلیسائی گاڈفری کے خصوصیات طبع وطرز عمل۔ بطریقون کی حرص وغارت گری۔ انکی نزاعات۔ جنگ مابعد۔ سپہ سالار اور انکے پیرو۔ نتیجہ۔ سلاطین لاطینی۔ فتح اڈیسہ۔

باب پنجم

حرب دوم وسوم (۱۱۴۵ء لغایت ۱۱۹۲ء)

حرب ثانی۔ فتح اڈیسہ پر جوش۔ لوئی ہفتم کا سلطنت لاطینی کی مدد کرنا۔ یوجینیس ثالث سینٹ برناڈ کو وعظ کے لیے مقرر کرتا ہے۔ اسکی حیرت انگیز کامیابی۔ شاہنشاہ جرمنی کی پیش قدمی۔ اسکی شکست۔ یلغار لوئی۔ فتوحات فرانس۔ مصائب۔ دارالسلام کی جانب پیش قدمی۔ دمشق کا ناکامیاب محاصرہ۔ مراجعت کانراڈ ولوی۔ حرب ثانی پر ایک نظر۔ فلسطین کی حالت۔ صلاح الدین کا عروج۔ اسکا حملہ فلسطین پر۔ فتح دارالسلام۔ صلاح الدین کی شفقت ورحم۔ حرب ثالث۔ معرکہ فریڈرک وفلپ وہنری دوم۔ روانگی فریڈرک۔ اسکی کامیابی اور مرگ ناگہانی۔ روانگی فلپ ورچرڈ۔ صقلیہ مین باہمی جھگڑے۔ فلسطین مین پہونچنا۔ جھگڑے اور نااتفاقیان۔ مراجعت فلپ۔ رچرڈ کے کارہاے نمایان۔ اسکی پیش قدمی۔ ترک مہم

صلح - مراجعت یورپ ۔

باب ششم

حروب ہاے چہارم وما بعد (سنہ ۱۱۹۳ء لغایت سنہ ۱۲۹۱ء)

حرب چہارم صلاح الدین کی وفات و خصائل - اسکی سلطنت کی تقسیم - سلٹین ثالث

حرب صلیبی کے لیے تحریک کرتا ہے - صرف اہل جرمنی اسکی تحریک کا جواب دیتے ہین - یہ قلیل المدت جنگ - اسکے غیر مہتم بالشان نتیجے - جنگ پنجم - فوک کا وعظ - سفراے وینس جہاز کرایہ پر لینے کے لیے بھیجے جاتے این - حملہ و تسخیر زارا (Zara) - محاصرہ قسطنطنیہ - بعد کی ہلچل - لاطینیون کا قیام قسطنطنیہ مین - حرب ششم - بچون کی لڑائی - شاہ ہنگری کی روانگی - محاصرہ دمیاط - مہم فریڈرک ثانی - حرب ہفتم - مجوزہ گریگوری نہم - فرانسسکن اور ڈومی نکین کے وعظ تائید حرب مین - نئے محاربین صلیب کی روانگی - مہم رچرڈ اسل کارنوال - حرب ہشتم - خوارزمیون کا خروج - مہم لوی نہم - محاصرہ دمیاط - بادشاہ کی گرفتاری - اسکی مراجعت - حرب آخر - لوی کی مہم ثانی - اسکی موت طونس مین - مہم ایڈورڈ - دیگر کوششین فتح مکہ

باب ہفتم

انگلستان و محاربین صلیب (سنہ ۱۰۹۶ء لغایت سنہ ۱۲۷۲ء)

انگلستان کے باشندون نے حروب صلیبیہ کے لیے اتنا شوق ظاہر نہین کیا جتنا کہ دوسری اقوام نے - اسکے وجوہات - انگریزی سپہ سالار - رابرٹ والی نارمنڈی - رچرڈ اول - رچرڈ ارل کارنوال - شاہزادہ ایڈورڈ - مالی مدد - ولیم روفس - کا ٹکس - رچرڈ اول کی مہم - انگلستان کے فوجی عہدے - ٹمپلرس کا عروج انگلستان مین - فلیٹ اسٹریٹ مین کلیسا - کلیسا - ہاسپٹلر - مکانات - دولت وغیرہ -

باب ہشتم

عام تنقید

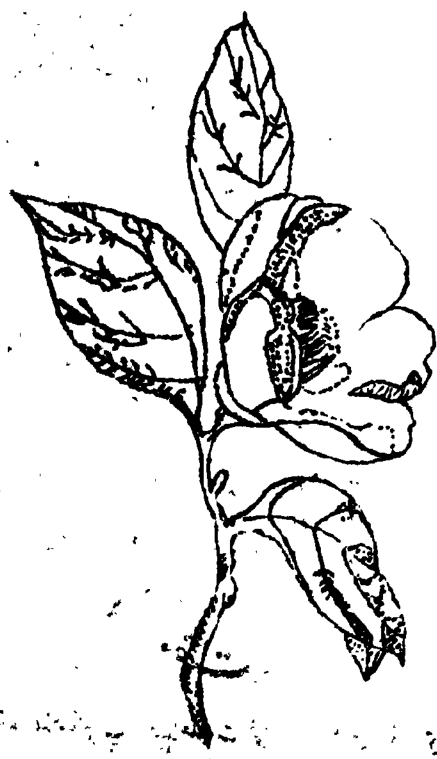
بعد وفات جنکی مدد سے جنگہاے صلیب کی آتش شعلہ خیز قائم رکھی جاتی تھی

انکے انحطاط کے اسباب۔ ناکامیابی مصر۔ تاتاریوں کی آمد کی ...

باب نہم

عام تنقید (بسلسلۂ ابواب ما قبل)

حروب صلیبیہ کے نتائج۔ ترقی یورپ۔ وسعت خیالات۔ ایک گونہ حریت مذہب۔ وسعت تجارت۔ نظام سوسائٹی۔ شاہی ترقی۔ اصول یکجائی کی ترقی۔ ترقی تہذیب۔ آزادی غلامان۔ زمانہ وسطی اور زمانہ حال کی زنجیر سلسلہ۔ حروب صلیبیہ کا اخلاقی پہلو۔ حقیقت مہم۔ اسکی ظاہری اغراض کی بے حقیقتی۔ وسوسات اور باطل خیالات جنسے وابستہ ہوئی۔ حروب صلیبیہ پر ایک مذہبی نظر۔ اصلی جنگ صلیب۔



TO BE HAD OF

DR 8.K. BURMAN

5/6/ TARA CHAND DUTT STREET

CALCUTTA

[illegible]

الناظر

نمبر ۲۹ | یکم نومبر سنہ ۱۹۱۱ء | جلد ۵

ایڈیٹر ظفر الملک علوی

دفتر رسالۂ الناظر فلاور منزل لکھنؤ سے شائع ہوا

ہیضہ اور طاعون کی ابتدائی حالت میں باٹلی والا

کی ... گولیان استعمال کیجیے قیمت ..... عہ

... باٹلیوالا کا کلرل ... دوا ہے قیمت عہ

باٹلیوالا کا خضاب جسمین نئے اضافے ہوئے ہین بھورے بالون کو اپنے قدرتی رنگ مین سے آتا ہے قیمت ۱ے

باٹلیوالا کی مقوی گولیان۔ اعصاب کی کمزوری اور ... جسمانی ... قوت کو دور کرتی ہین قیمت ۱عہ

باٹلیوالا کا سفوف دندان۔ دیسی اور ولایتی دونون سے ... کی مانند ...

... ۱۴ر

باٹلیوالا کا کیڑون کا مرہم۔ ... مین اچھا کردیتا ہے قیمت ۱۴ر۔ یہ ادویہ ہر جگہ ملتی ہین اور ... سے ملتی ہین۔

ڈاکٹر ایچ ایل باٹلی والا ... لیبوریٹری دادر بمبئی

شہاب الدین اینڈ سنز حضرت گنج۔ لکھنؤ۔

الناس باللباس

ہمارا کارخانہ ہر قسم کی مردانہ زنانہ انگریزی ہندوستانی فیشن کی اعلیٰ سے اعلیٰ پوشاک نہایت خوشنما اور موزون تیار کرتا ہے ... سے یہ کارخانہ پبلک کی خدمت انجام دیرہا ہے کاشمی سلک۔ جاپانی سلک۔ جامہ دار سلک۔ اور علاوہ انکے جاپانی اور ولایتی اطلسین صوفیانے وخوشنما الپکہ ڈریس اورگون وغیرہ بھی بافراط مہیا رہتے ہین ایکبار ہمین آرڈر دیکر پھر ہمین اور فرمایش بہنے کو آپ کا جی نہ چاہے گا پیمایش کا فارم اور کپڑون کے نمونے طلب کیجیے۔

قطب الدین مینجنگ پروپرائٹر

فہرست اشیاء موسم گرما

تھان کامدانی بوٹی دار	صہ ر سے للعہ تک
تھان ... جکن قابل ...	۱ے ر سے عہ تک
تھان جکن بیل بوٹے دار	۱ہ ر سے ... تک
دوپٹہ کامدانی ...	۱ے ر سے ... تک
دوپٹہ جکن کامدانی نفیس	۱عہ ر سے صہ تک
دوپٹہ جکن بیل بوٹے دار	۱عہ ر سے صہ تک
ساریاں جکن کامدانی ہر قسم کی	۱عہ ر سے للعہ تک
ساری جکن بیل بوٹے دار	عما ر سے صہ تک
کرتے جکن ہر قسم کے لائق	۱۱ ر سے صہ تک
کرتے بچون کے متفرق عمر کے	۱۲ ر سے عما تک
شلوکے زنانہ قابل دید	۱۱ ر سے عما تک
رومال دستی انگریزی طرز کے	۱۲ ر سے عما تک
کلاہ دوپلڑی جکن کی	۱۲ ر سے عما تک
کا...وال جکن کی	۱۲ ر سے صہ تک
کلاہ ... دہلی کی	۱۰ ر سے صہ تک

کارخانہ محمد عبد الرحمن وحافظ خلیل الرحمن لکھنؤ پارچہ گلی



حضرات ہماری مہربان گورنمنٹ نے بسلسلہ حسن خدمت وعمدگی مال کارخانہ ہذا کو تمغہ اور سارٹیفکٹ عطا فرماکر سودیشی کی حمایت اور دیسی تجارکی حوصلہ افزائی فرمائی مگر ہمارے ملکی امرا اور روسا پردیسی اشیاء کے دلدادہ ہین۔ لہذا اگر آپ کے دل مین کچھ بھی قومی درد ہے تو سب سے پہلے ملکی اشیاء کی خریداری مین سعی فرماکر صنعت وحرفت کی ترقی مین مدد دیجیے۔ صرف ملکی اشیاء کی خریداری سے ہندوستان فارغ البال ہوسکتا ہے مختصر فہرست ہدیہ ناظرین بالتمکین ہے۔

المشتہر

محمد عبد الرحمن وحافظ خلیل الرحمن

چکن مرچنٹ لکھنؤ گلی پارچہ

فہرست اشیاء موسم سرما

فرد رضائی سلی ہوئی مع استر وگوٹ گرنٹ سنگراتے ہی استعمال کیجیے۔ صہ ر سے عہ تک

فرد بغیر سلی ہوئی بخیتہ۔ عما ر سے صہ تک

لحاف مین سکھ بخیتہ بغیر سلے ہوئے۔ ۱۲ ر سے صہ تک

پلنگ پوش بخیتہ ..... عما ر سے صہ تک

پان مین کھانیوالی تمباکو کی گولیان وقوام تمباکو زرد

نہایت خوشبودار خوش ذائقہ مقوی دماغ مفرح قلب جاذب رطوبات فضلیہ دافع درد دندان مصفی دہان وغیرہ وغیرہ ہین عرصہ چالیس سال سے تمام ملک مین مقبول ہورہی ہین۔ اگر ہماری تحریر کے خلاف یا کسی وجہ سے ناپسند ہون واپس کردیجیے قیمت مع محصول واپس کی جاویگی تفصیل یہ ہے۔ گولیان نقرہ ... مشک ... کے فی روپیہ ۱۰ تولہ ... تولہ گولیان ... سادی فی روپیہ ... تولہ ... تولہ قوام جسکی گولیان بنتی ہین فی روپیہ ... تولہ ... زردہ مشکی خشک فی سیر ...

الناظر

نمبر ۲۹ — یکم نومبر سنہ ۱۹۱۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نذر تہنیت

آسمان پر لکہ ہاے ابر نمایان ہوے۔ فضا پر کالے کالے دیو اُڑنے لگے سارا جہان تیرہ و تار ہو گیا۔ اس غضب کی اُمس ہوئی کہ لوگ دم گھٹ کر مر گئے۔ چند ساعت کے بعد ہواے تند کے جھونکے آنا شروع ہوے اور موسلا دھار پانی برسنے لگا۔ جھڑی لگ گئی۔ جل تھل بھر گئے۔ بڑے بڑے درخت جڑ سے اوکھڑ گئے۔ بستیان کی بستیان بہ گئین۔ عالیشان محل۔ آراستہ چمن سجے ہوے بازار تموج باد اور طوفان بارش سے نقش کالعدم ہو گئے۔ ہر طرف ویرانی۔ بربادی اور تباہی کے خوفناک مناظر پیش نظر ہونے لگے۔

اب سین بدلا۔ بارش رُکی۔ ہوا مین اعتدال آیا اور مطلع ابر نے گریبان چاک کیا۔ افق پر خورشید خاوری کا زرنگار چہرہ دکھائی دیا۔ عالم مین روشنی پھیل گئی

مرغان خوش الحان مصروف نواسنجی ہین۔ چوپاے کھیتون مین کلیلین کررہے ہین تماشائیون کے میلے لگ گئے۔ پری وشان نازنین بن ٹھن کر سیر گلگشت مین مصروف ہوئین۔ طبل وارغنون کی آوازین ہوامین گونجنے لگین۔ ہرطرف چہل پہل تازگی و فرحت۔ خوشی و خرمی کے آثار ظاہر ہونے لگے

آفتاب غروب ہونے کے بعد تاریکی کا پھیل جانا اور پھر ماہ منیر کی روپہلی مشعل کے نمودار ہوتے ہی سارے جہان کا سراپا نور ہوجانا کیسا دلفریب اور خوش آیند منظر ہے۔ رمز آشنایان آئین فطرت کو تماشاگاہ عالم کے اسٹیج پر صبح سے شام تک ایسے ہی مناظر دکھائی دیتے ہین۔ چنانچہ تاجدار دکن حضور نواب میر محبوب علیخان مرحوم و مغفور کی وفات حسرت آیات کی وجہ سے رنج و الم کی جو تاریکی کل مملکت ہندوستان مین اور خاصکر ممالک محروسۂ سرکار نظام مین پھیلی ہوئی تھی وہ اعلیحضرت قدر قدرت حضور پرنور نواب میر عثمان علیخان بہادر دام اجلالہ کے تخت شاہی پر جلوہ فگن ہوتے ہی کافور ہوگئی اور ملک بھر مین مسرت و شادمانی بہجت و انبساط کے نغمہ سنائی دینے لگے۔

اس مبارک و مسعود موقع پر ہم بھی دل کی گوناگون کیفیتون سے متاثر ہوکر حضور آصف جاہ سابع کی پیشگاہ اقدس و اعلیٰ مین تہنیت کی نذر محقر گزرانتے ہین اور درگاہ رب العزت مین دعا کرتے ہین کہ امت رسالت پناہی کی فوج کا یہ سپہ سالار اور مخلوق دکن کے گلہ کا یہ نگہبان اپنی شاہانہ جلالت اور بزرگانہ عظمت کے تمام لوازم کے ساتھ ہمارے سرون پر تا ابد سایہ فگن رہے اور عدل و انصاف۔ فکر و تدبیر رحم و کرم ہمیشہ اُسکے جلو مین ہم رکاب رہین۔ آمین۔

ایڈیٹر

حضور نظام خلد اللہ ملکہ

اعلیٰ حضرت قدر قدرت حضور میر عثمان علیخان بہادر خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ آصفجاہ

سلخ ربیع ۱۳۰۳ھ مین متولد ہوے شہر مین جابجا تہنیت کے جلسے ہوے۔ مین اُس زمانہ مین کلکتہ سے بطور سیر کے حیدرآباد مین آیا ہوا تھا اُسوقت تک واجد علیشاہ جنت آرامگاہ زندہ تھے اور مین شاہزادون کی تعلیم پر مدرسۂ مٹیا برج مین معین تھا اس ولادت کی تقریب مین اکثر شعرانے تہنیت کے قصیدے قطعے تاریخین لکھین ایک قطعہ مین نے بھی لکھا تھا۔

نظام الملک آصف جاہ سادس فروغ ملک دین ظل الٰہی
مبارک ہو یہ فرزند خوش اقبال مبارک یہ نگین تاج شاہی

جب مین نظام کالج مین پروفیسر مقرر ہوا ہون تو اُسی زمانہ مین کنگ کوٹھی جو نظام کالج کے قریب واقع ہے ولی عہد بہادر کو عطا ہوئی اور اتالیقون مین خان دوران رکن الملک نواب تہور جنگ بہادر۔ نواب دائم جنگ بہادر۔ نواب شہزور جنگ بہادر۔ نواب شہباز جنگ بہادر۔ نواب فیروز یار جنگ بہادر۔ انکے بعد نواب صادق جنگ بہادر اعلیٰ حضرت غفران مکان کی تجویز سے مقرر ہوے۔ نظام کالج کے طلبہ مین سے اکثر مرشد زادے اور امرازادے غفران مکان نے انتخاب فرمائے کہ کنگ کوٹھی مین ولی عہد بہادر کے ساتھ کھیلنے کے لیے جایا کرین مثل اسکے کہ مرشد زادہ میر تلاوت علیخان صاحب بی اے جو بالفعل مدارس بلدہ کے انسپکٹر ہین اور مرشد زادہ میر خورشید علیخان صاحب جو خدمت تحصیلداری پر اضلاع مین ہین اور نواب معتمد الدولہ بہادر مرحوم کے دونون صاحبزادے

نواب میر عبداللطیف خان صاحب اور نواب میرزا حسین خان صاحب اور دولت یار جنگ مرحوم کے دونون فرزند مرزا یوسف خان اور مرزا فریدون خان۔ میر احمد علی صاحب فرزند میر امیر علی صاحب تعلقدار۔ صاحبزادہ میر جہانگیر علیخان صاحب۔ صاحبزادہ خواجہ سیف الدین خان صاحب۔ صاحبزادہ خواجہ برہان الدین خان صاحب۔ صاحبزادہ میر معز علیخان صاحب۔ شاہ مرزا بیگ صاحب۔ میر مظہر علی صاحب۔ محمد عبدالباسط خان صاحب۔ محمد نبی یار خان صاحب۔ میر آفتاب علی صاحب۔ سید علی رضا صاحب کپتان یہ سب شہر کے لائق و فائق امیرزادے ولیعہد بہادر کے ساتھ کھیلے ہوے ہین۔ اور نظام کالج مین بھی برابر کھیل کے جلسے ہوا کرتے تھے اور ہر جلسہ مین ولیعہد بہادر رونق افروز ہوتے تھے اور اپنے ہاتھ سے انعامات تقسیم فرماتے تھے۔ اوستادون مین آپ کے نواب عماد الملک بہادر اور سنادالملک مولوی سید علی صاحب شوستری اور مولوی انوار اللہ خان صاحب حسب تجویز عفران مکان اور مسٹر ایجرٹن صاحب اور مسٹر برنٹ صاحب پروفیسر نظام کالج بھی مقرر ہوے۔

معین المہام عدالت و امور عامہ سرکار نواب فخر الملک بہادر دام اقبالہ کے صاحبزادون کے لیے مین نے عربی کے دو رسالہ المبنیات والمعربات اسی زمانہ مین تصنیف کیے تھے نواب عماد الملک بہادر نے انھین رسالون کو ولیعہد بہادر کے درس مین داخل کیا۔ ذہن خداداد و طبع وقاد کے بدولت اسقدر جلد عربی مین ترقی کی کہ ایک روز نواب صاحب ممدوح نے مجھسے فرمایا کہ ولیعہد بہادر نے مجھے ایک رقعہ عربی عبارت مین آج لکھا ہے جسمین کہین نہ اعراب کی غلطی ہے نہ محاورہ کی۔ مین نے سُن کے کہا کہ خدا نظر بد سے محفوظ رکھے۔

ان اساتذہ کے علاوہ اکثر دفاتر سے کاغذات اہم معاملات کے مددگارون کے ذریعہ سے ملاحظہ مین ہمیشہ پیش ہوا کرتے تھے تاکہ مہمات امور ملکی پر اطلاع حاصل ہوتی رہے۔ ملک کے اکثر اضلاع کا دورہ بھی فرما چکے ہین۔

۱۹ صفر ۱۳۲۴ھ کو آپ کا عقد مرشد زادہ جہانگیر بادشاہ خان صاحب کی صاحبزادی سے ہوا اس تقریب مسعود مین اکثر شعرا نے سہرے کہے جنکا انتخاب کر کے چند شعر لکھتا ہون کہ اس علمی و ادبی رسالہ کے ناظرین کے لیے لطف سے خالی نہین۔

اختر مینائی

شاہ نے باندھا ہے شہزادہ کے سر پر سہرا — آج موقع ہے کہ دے نذر مین اختر سہرا
طرہ کہتا ہے کہ سرتاج زمانہ ہون مین — سہرا کہتا ہے کہ ہے آج مرے سر سہرا
نگہ شوق کو رخ تک ہے رسائی دشوار — جاتی ہے اور پلٹ آتی ہے چھو کر سہرا
ایسے موتی ترے دامن مین کہان اے گردون — دیکھ لے اپنے ستارون سے ملا کر سہرا
آج بہتا ہے یہان جود و عطا کا دریا — اس لیے لائے ہین کشتی مین لگا کر سہرا
کہتی ہین آج مرادین یہ بلائین لے کر — چشم بد دور جوانی کا ہے زیور سہرا

نظم یہ ہو گئی مقبول اگر اے اختر
تیری قسمت کا بھی چمکا ئے گا اختر سہرا

اُستاذ السلطان جلیل

سر نوشہ پہ کھلا خوب ہی بندھ کر سہرا — بن گیا حسن کے اوڑ چلنے کو شہپر سہرا
جبہٗ فرق مبارک پہ مرصع افسر — مرحبا چاند سے چہرہ پہ منور سہرا
اُس طرف خلعت شادی سے مخلع نوشہ — اس طرف عطر عروسی سے معطر سہرا

دیکھیے اسکو تو پتلی مین سما جاتا ہے
ناپیے اسکو تو ہے قد کے برابر سہرا

دامن دولت و اقبال کا گو ہر نو شہ
گلشن عیش و مسرت کا گل تر سہرا

دیدۂ شام عروسی کے ہین تارے دونون
چرخ پر کا کہکشان آپ کے سر پہ سہرا

موتیون کا ہے جو سہرا سر نوشہ پہ جلیل
ہم بھی کہہ لائے ہین گنجینۂ گوہر سہرا

علی حیدر طباطبائی پروفیسر نظام کالج

خوش گلوؤن کی زبان پر ہے ثنا سہرے کی
بندھ گئی محفل عشرت مین ہوا سہرے کی

سرو سے قد پہ ہے طرہ کا تفاخر جا ہے
گل سے رخسار پہ نازش ہے بجا سہرے کی

کیون نہ رخسار کے بوسے سو دہنون سے بولے
ہی معاف آج کے دن تو یہ خطا سہرے کی

مسکرانے سے چمکنے جو لگے سلک گہر
آب و تاب اس سے ہوئی اور سوا سہرے کی

جلوہ حسن چھپاتا ہے دکھاتا ہے کبھی
شوخیان دیکھنا اس عشوہ نما سہرے کی

بوسہ لینے پہ وہ اس سے لڑی یہ اس سے لڑی
اک لڑی ایک لڑی سے ہے جدا سہرے کی

ہو ولی عہد بہادر کو مبارک سہرا
مدتون نظم نے مانگی ہے دعا سہرے کی

ایک سال کے اندر ہی مشکوے ہمایون مین شاہزادہ متولد ہوا اور یہ اشعار دعائیہ اس دعاگو نے عرض کیے

قطعہ تہنیت

ہو ولیعہد بہادر کا فزون اقبال و جاہ
آفتاب عمر و دولت کو درخشانی رہے

حق تعالیٰ نے عطا فرمایا فرزند حسین
دیکھکر لب کو خجل یاقوت رمانی رہے

ہو ہمایون ومبارک یا خدا اُس کا قدم بخت و دولت کا ستارہ اسکی پیشانی رہے
عمر ہو اسکی دراز اقبال ہو اسکا بلند لطف و مہر حق تعالیٰ اُس پہ ارزانی رہے

غفران مکان کے انتقال کے دن حسب قاعدہ مستمرہ عہدہ داران کوتوالی نے تمام شہر مین آپ کی مسند نشینی کا اعلان کردیا۔ اسکے تیسرے دن ۷ رمضان کو ایوان شاہی مین دربار فرمایا۔ امرائے نذرین گذرانین صاحب رزیڈنٹ بہادر نے تہنیت کی اسپیچ دی اور ہز اکسلنسی ویسرائے کی طرف سے مبارکباد دی۔ اعلیحضرت نے تہنیت کا شکریہ ادا کیا۔ سلامی کی توپین سر ہوئین اکثر غربا و مشائخ کے نام پانچ روپیہ سے لیکر دو دو روپیہ روزنہ کے یومیہ جاری فرمائے جو پشت در پشت رہینگے۔ مدار السلطنت مہاراجہ کشن پرشاد بہادر وزیر الممالک دام اقبالہ کو کئی لاکھ روپیہ کا جواہرات عنایت فرماکر سرفراز کیا۔ اس داعی دولت ابد مدت نے بھی دعائیہ قطعہ عرض کیا ہے۔

سایۂ لطف خدا تجھپر رہے اے ظل حق تیرے سایہ مین جہاندار ہی جہانبانی رہے
خیر خواہون کا رہے تیرے سدا پلہ گران تیرے بدخواہون کو اندوہِ گران جانی رہے
نام تیرا ہی رہے وقت دعا ورد زبان جب تلک زاہد کو شغل سبحہ گردانی رہے
معدلت تیری ضعیفون کو ہوئی ہے دستگیر کیون نہ اک چیونٹی کو دعواے سلیمانی رہے
ملک تیرا برقرار اور تیری دولت پائدار
ملک مین امن اور دولت مین فراوانی رہے

علی حیدر طباطبائی

سال تخت نشینی جانشین دکن آصف دوران فلاطون زمان اعلیحضرت غفران مآب دام اقباله

۱۹۱۱ء ۱۹۱۱ء ۱۹۱۱ء

ہے جوانانِ چمن مین غل مبارکباد کا — لیکے آئی ہے نوید تہنیت بادِ سحر
مسکراتی ہین کہین کلیاں کہین ہنستے ہین پھول — کیا صبا لائی ہے کوئی مژدۂ فرحت اثر
سبزۂ نوخیز کی دونی بڑھی ہے آب و تاب — اوس نے فرش زمرد پہ بچھائے ہین گہر
خوشنما سروسہی کے قدِ آدم سبز جھاڑ — رشک نخل طور گویا بنگیا ہے ہر شجر
آئی ہے باغ دکن مین پھر نئے سر سے بہار — ہے نظام حال اب مسند نشین با کرّ و فر
آصفِ ہفتم کے مجرے کو سر چرخ بلند — ہے ادب سے خم ہلال عید کی نازک کمر
لو مسلمانو! تمھاری دوہری عیدین ہوگئین — لو! دعائین دو گلے مل ملکے سب باہمد گر
بارک اللہ! اے جوان دولت جوان طالع نظام — چشم بد دور اے شہ محبوب کے نور نظر
آسمان کرتا ہے تجھ پہ گوہر انجم نثار — چتر بنکر پھرتے ہین سر پہ ترے شمس و قمر
تخت کو ہے مسند آرائی پہ تیری افتخار — تاج کو ہے ناز تیرے فرق عز و جاہ پر
عیسوی مین ہے شفق کا مصرعِ سالِ جلوس — شاہ آصف جاہ ہفتم کو مبارک تاج زر

سنہ ۱۹۱۱ء

دیگر ہجری

نظام الملک سادس جب گئے ایوان جنت مین — تو ٹھہرے مسند آرائی کے قابل آصف ہفتم
شفق سالِ جلوس میمنت مانوس ہجری لکھ — شہ ملک دکن نواب عادل آصف ہفتم

سنہ ۱۳۲۹ھ

دعاگو سنہ شاہ آصفجاہ ہفتم ادام اللہ ملکہ ۱۳۲۹ھ

شفق ۔ عمادپوری

آصفِ سابع

ہمارے بادشاہ عالیجاہ اعلیحضرت قدر قدرت حضور پرنور ظل سبحانی بندگان عالی ہز ہائینس نواب میر عثمان علیخان بہادر خلد اللہ ملکہ و حشمتہ سلخ جمادی الثانی ۱۳۰۳ھ یوم سہ شنبہ کو شب کے ۹ بجے حویلی قدیم مین تولد ہوئے ۲۵ شعبان سنہ الیہ کو رسم چلہ ادا ہوئی۔ اسی تقریب مین نواب میر لائق علیخان بہادر عماد السلطنت سالار جنگ ثانی مدار المہام سرکار عالی نے بارگاہ خسروی مین جھولا داخل کرکے شرف قبولیت و افتخار حاصل کیا۔

ماشاء اللہ جب آپ نے پانچوین برس مین قدم رکھا تو بتاریخ ۳ ذیقعدہ ۱۳۰۸ھ یوم یکشنبہ کو عشرت محل کی خوابگاہ مین رسم تسمیہ خوانی ادا کی گئی۔ یعنے مولوی نور الحسنین صاحب نے بسم اللہ پڑھوائی۔

اسکے بعد آپ کے واجب التعظیم والد ماجد نے آپ کی تعلیم کا انتظام فرمایا۔ عربی و فارسی کے لیے مولوی انوار اللہ خان بہادر سلطان العلما مولوی سید علی صاحب شوستری سناد الملک۔ نواب عماد الملک بہادر مولوی سید حسین صاحب بلگرامی وغیرہ مقرر ہوئے۔ اور خاص طور پر مسٹر بی ایجرٹن کو ۱۵۰۰ روپیہ کلدار کی تنخواہ پر مقرر فرمایا۔ ان تمام زبانون مین آپ نے اپنی علمی کوشش اور استادون کی شفقت آمیز محنت سے اعلی درجہ کی قابلیت حاصل فرمائی۔

آپ کے واجب الاحترام والد ماجد کو چونکہ آپ کی تعلیم و تربیت کا عمدہ انت

خاص خیال تھا۔ تاکہ آپ کے مشاغل نوشت و خواند مین ہرج واقع نہو۔ اس لیے آپکے قیام کے لیے کنگ کوٹھی (جو کہ نواب کمال یار جنگ بہادر کی ملکیت تھی مگر اسی خاص غرض کے لیے سرکاری طور پر خرید کی گئی) تجویز ہوئی جس مین آپ یکم صفر ۱۳۱۱ھ کو نہضت افروز و جلوہ فرما ہوے۔ بہ خیال ضرورت اسکے متصل کی کوٹھی (جو کہ پہلے نواب مکرم الدولہ بہادر کے پاس تھی) بھی ملحق کردیگئی بفضلہ تعالی آج وہی کوٹھی بارگاہ سلطانی ہے۔ فی زمانہ کارہاے فرمانروائی کے ساتھ اب بھی وہی علمی شوق جاری ہے اللھم زد فزد۔

بہ زمانہ شہزادگی آپ کے واجب التکریم والد نے آپکو معاملات سلطنت سے واقف کرانے کی نیت سے یہ انتظام فرمایا تھا۔ کہ معتمدین کے کاغذات مثلہ مدگارون کے ذریعہ سے ملاحظہ عالی مین پیش کیے جائین۔ چنانچہ یہی انتظام جاری رہا۔

۱۵ ارشعبان ۱۳۱۷ھ کو اپنے مکرم و معظم والد ماجد کے ہمراہ بغرض ملاقات لارڈ کرزن بہادر ویسراے ہند کلکتہ تشریف لیگئے۔ پھر ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۱۹ھ کو بغرض شرکت دربار تاجپوشی حضور ایڈورڈ ہفتم آنجہانی اپنے والد نامدار کے ہمراہ شاہجہان آباد (دہلی) تشریف لے گئے۔

مورخہ ۱۹ صفر ۱۳۲۴ھ کو عالیجناب جہانگیر بادشاہ صاحب کی دختر بلند اختر کے ساتھ ایڈن گارڈن مین آپ کا عقد مبارک ہوا۔ اور حسب الحکم سرکار عالی بذریعہ جریدۂ غیر معمولی مورخہ ۱۳ ارخورداد ۱۳۱۵ف م ۲۱ صفر سنہ الیہ تمام دفاتر کو ایکدن کی تعطیل ملی۔

۴ شعبان ۱۳۲۵ھ روز شنبہ صبح ۹½ بجے گوداوری لین سے اورنگ آباد تشریف لیگئے۔ ہمراہی مین نواب صادق جنگ بہادر مہتمم خزانہ صرف خاص (حال

پرائیوٹ سکرٹری وائسرائے ڈی سی/ مسٹر بی ایجرٹن اُستاد انگریزی۔ نواب ممتاز الدولہ بہادر کمانڈنگ افسر پلٹن صرف خاص۔اور دیگر ملازمان حاضر تھے۔

اس زمانہ مین نصیب دشمنان۔اب سے دور آپ کو نین حادثات پیش آئے۔جو قابل ذکر ہین۔

(۱) ۲۴ شوال ۱۳۱۵ھ کو آپ کنگ کوٹھی مین نشانہ بازی کی مشق فرما رہے تھے۔کہ یکایک آپ کے دست مبارک مین بندوق پھٹ گئی۔مگر الحمد للہ کسی طرح کا گزند نہین پہونچا۔

(۲) ۱۲ شوال ۱۳۲۳ھ کو کنگ کوٹھی مین آپ ٹٹیان پھاندنے مین گھوڑے سے گر پڑے مگر بفضل حافظ حقیقی ہر طرح خیریت گذری۔

(۳) آپ ایک جنگل مین شیر کے شکار کے لیے ٹانڈ پر بیٹھے ہوئے تھے ادہر تو شیر کا ہانکہ ہوا اُدہر وہ ٹانڈ یکایک ٹوٹ پڑی۔چونکہ اللہ تعالی نگہبان تھا لہذا نہ چوٹ آئی نہ کوئی خطرہ پیش آیا۔

پہلے آپکی اتالیقی مین نواب اقبال یار جنگ بہادر۔نواب فیروز یار جنگ بہادر نواب صادق جنگ بہادر مقرر ہوے۔جنمین سے اب نواب صادق جنگ بہادر رہ گئے ہین جو اپنے موجودہ فرائض کو نہایت نیک دلی اور مستعدی کے ساتھ انجام دیرہے ہین

بفضلہ تعالی ۸ محرم ۱۳۲۵ھ روز پنجشنبہ کو شام کے ۵ بجے آپکے مشکوئے معلے مین ایک صاحبزادہ صاحب اور ۵ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ روز شنبہ کو رات کے ۱۱ بجے دوسرے صاحبزادہ صاحب تولد ہوے جنکی خوشی مین علی الترتیب ایک روز صفر سنہ الیہ کو تمام ممالک محروسہ سرکار عالی مین تعطیل دیگئی اور دوسری بذریعہ

جریدۂ غیر معمولی مورخہ ۲ر اسفندار ۱۳۱۸ف تمام دفاتر مین تعطیل ہوئی۔ اللہ تعالے دونون شہزادون کی عمر و اقبال مین ترقی عطا فرماے۔ آمین یارب العالمین۔

چونکہ رعایاے دکن کے آقاے ولی نعمت محبوب خلائق رعایا پرور رعیت گستر بادشاہ لفٹنٹ جنرل ہزہائنس مظفر الملک مظفر الممالک نظام الدولہ نظام الملک نواب سر میر محبوب علیخان بہادر فتح جنگ جی سی بی۔ جی سی ایس آئی طاب ثراہ نے مورخہ ۴ر رمضان ۱۳۲۹ھ یوم سہ شنبہ کو انتقال فرمایا۔ جسکے صدمہ نے رعایا کے دلون کے ساتھ جو سلوک کیا وہ خارج از بیان ہے۔

لہذا اُسی روز بوقت سہ پہر ہمارے خداوند نعمت رحم دل عدل گستر اعلیحضرت قدر قدرت حضور پرنور بندگان عالی متعالی مدظلہ العالی نے سریر آرا سلطنت ہوکر تمام خستہ دل رعایا کو اپنے سایہ عطوفت مین لیا۔ اول نواب شہاب جنگ بہادر وزیر کوتوالی نے زمام حکومت سنبھالنے کا اعلان متصل چارمینار باواز بلند پڑھکر سب رعایا کو سُنایا۔ اسکے بعد نواب سلطان یار جنگ بہادر کوتوال بلدہ نے بسواری اسپ مختصر سی جمعیت کوتوالی ہمراہ لیکر گلی گلی کوچہ کوچہ اس اعلان کی شہرت کی جسکو سنکر تمام رعایا نے اطمینان قلب حاصل کیا۔

اُسی روز حسب فرمان اعلیحضرت مدظلہ العالی وحسب الحکم عالیجناب سر مہاراجہ بہادر یمین السلطنت پیشکار و مدارالمہام سرکار عالی دام اقبالہ علاقہ فینانس سے تمام دفاتر سرکاری کو سات روز تک بند رہنے کا حکم ملا۔ جسکی اطلاع جریدۂ غیر معمولی جلد ۴۲ نمبر ۹۴ مطبوعہ ۲۲ مہر ۱۳۲۰ف م ۴ر رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ کے ذریعہ دی گئی۔

اسکے بعد حسب الحکم عالیجناب سر مہاراجہ بہادر یمین السلطنت۔ مدار المہام بہادر مورخہ ۲۲ اردیبہشت ۱۳۱۱ف م ۱۸ رمضان ۱۳۱۹ھ کو بذریعہ جریدۂ غیر معمولی جلد ۴۴ نمبر ۵ تمام ممالک محروسہ سرکار عالی مین اطاعت وانقیاد احکام و نیز امن وامان ملک و آسائش و فلاح مین کوشان رہنے کا حکم نافذ ہوا۔ جو کہ تمام ممالک محروسہ سرکار عالی مین پڑھا گیا۔

حضور پر نور کے طرز حکومت کو انشاء اللہ کسی اور وقت بصورت کتاب (یا جیسے مناسب ہو) مفصل طور پر ہدیہ ناظرین کیا جاوے گا۔ اس وقت اس شعر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

عمرت دراز باد کہ تا دور مشتری
ما از تو بر خوریم و تو از عمر برخوری

اللہ تعالی ہمارے آقا و ولی نعمت کو ہمارے سرون پر تا ابد الآباد سلامت رکھے آمین ثم آمین

دعا گوے دولت آصفی

صبر دہلوی



ذکاوت یا اخلاق

اگر ذکاوت اور اخلاق متشکل کرکے انسان کے روبرو رکھدیے جائیں اور اُسے اختیار دیا جائے کہ اُسمین سے جو ایک چاہے لیلے، تو ہماری رائے مین تقاضائے عقل یہی ہے کہ "انسان اخلاق پر نظر انتخاب ڈالے، اور ذکاوت سے درگزرے"

اس بارہ مین عام رائین ہم سے خلاف ہی ہونگی بلکہ وہ معاً جرأت سے سوال کرین گی۔ کہ انسان جو اپنی ذکاوت ہی کی بدولت دیگر حیوانات سے ممتاز، جملہ کائنات پر حاوی، اور دوسری مخلوق پر حکمران ہے، اُسکی آئے دن کی یہ ترقیان، آگ، پانی، اور ہوا کی تسخیر اور کل تک خیال مین نہ آنے والی باتون کا آج وجود مین آجانا، جب ایک اسی ذہنی اور معجز نما مادہ کی کارفرمائی ہے، جس نے انسان کے دماغ کو اختراعات کا مبدأ بنایا، اور اُسکے سر کو مادی فتوحات کا تاج پہنایا، تو ہم کیسے کہدین کہ ذکاوت پر اخلاق کو ترجیح اور فوقیت ہے، اور انفرادی صورت مین انسان انسانیت کا مصداق صحیح بننے کے لیے جیسا محتاج اخلاق کا ہے، ذکاوت کا نہین ہے"

اسے ہم بالکل راست اور صحیح مان کر، اپنی رائے کے مخالف رائے رکھنے والون کو انسان کے منشا تخلیق اور اُسکے دنیا مین آنے کی اصلی غرض و غایت کی طرف توجہ دلاتے ہین

انسان کو دیگر حیوانات پر جو شرف عطا ہوا ہے، وہ از روے اتحاد، اجتماع، وابستگی علائق اور مدنی الطبع ہونے کے ہے، اور یہی انسانی و حیوانی طبائع کا امر فارق ہے، جسکی تکمیل عین منشا تخلیق، اور شرط انسانیت ہے،

اب آپ غور کیجیے کہ کیا اس منشار کی تکمیل انسان مین بغیر اوصاف ذیل یعنی اخلاص۔ صدق۔ امانت۔ شفقت۔ آشتی۔ ایثار۔ علو ظرف۔ وقار و تحمل پاے جانے کے ہو سکتی ہے؟ عادت مستمرہ، اور طبعی لوازم کے اصول سے جب یہ صفات حسنہ انسان مین نہ پائی جائین تو انکے متناقض اوصاف مثل فریب۔ جھوٹ۔ دغا۔ سنگدلی۔ دنائت۔ [illegible] سبکسری۔ وغیرہ کے پائے جائینگے۔ جو نہایت درجہ خطرناک، اجتماعیہ پر برا اثر ڈالنے والے از روے مدنیت کے رو سے سنگین جرائم ہین،

پس جب کسی شخص مین وہ اخلاقی محاسن وا وصاف جو اغراض تخلیق کے لیے بمنزلۂ دلیل راہ کے بتائے گئے، پائے جائینگے تو اُسے مقاصد حیات مین ایک گونہ کامیابی حاصل ہوگی۔ ربط وضبط باہمی مین اُسکی ذات شگفتگی کا باعث ہوگی، ابناء وطن کے لیے اُسکا وجود موجب برکت، اور اہل معاملہ کے لیے وہ ایک معتبر اور قابل وثوق معاملہ دار ہوگا۔ اگرچہ یہ شخص ذکاوت سے بکلی بے بہرہ، اور محض ایک غیر متحرک انسان کیون نہو، تو بھی وہ اپنی اخلاقی قوت سے اپنے ہرادا شناس کے لیے آیۂ رحمت ہوگا، اور ایک دُنیا کی نظر مین سُہانے گا۔

مگر ایک وہ بندۂ حرص وہوا، پابند مکروہات، جسکی زشتی اعمال نے اُسے اخلاقی حدود سے دور پہونچا دیا ہو، اور اُسکی خفیف الحرکتیون نے اُسکے اخلاقی احساس اور قوت تمیز کو بالکل مسخ کر لیا ہو، اُسکے دائرہ معلومات اور حیطہ نظر مین اگرچہ علم اوّلین وآخرین کیون نہ جمع ہوجائین۔ وہ شخص اخذ نتائج اور معاملہ فہمی مین اپنی ذکاوت سے برق ہی کیون نہو، مگر اُسکا یہ علم اور اُسکی غیر معمولی تیزی اور طراری جسمین اخلاقی عناصر کا کوئی جزو شریک نہو، آل اندیشی کے اصول سے غیر مفید ہی نہین بلکہ مضر عطیات فطرت مین سے شمار کیا جائے گا جس سے اُسکی ذات انواع واقسام کے مفاسد ومظالم کی مبدأ انتزاع تصور کیجائے گی۔

ایک ہوشیار، فرزانہ، اور صاحب جوہر انسان کا فریضۂ انسانی باعتبار اپنے دوسرون کے لیے زیادہ مفید بننا ہے،

بھلا خیال کرو ایسے دولتمند کا ڈھیر سا مال کیا خاک فائدہ مند ہوگا، جسکا مقصد اُسکے جمع کرنے سے ایک بیش قرار رقم کا مالک بن بیٹھنا ہو، اور بس! اگر اُسسے مفلوک الحال غرباء کی اعانت بھوکون کی شکم سیری، اور ننگون کی ستر پوشی نہوئی۔ رفاہ عام یا ابناء جنس کے کام مین اُسکا ایک حبہ نہ لگا اُن احباب اور اعزہ کے کام نہ آیا جنکے حقوق اُس سے متعلق ہین، اور خود اپنی جائز آسائش و آرام مین نہ صرف ہوا، تو وہ مال دو کوڑی کا۔ اور ہمارے خیال مین وہ مال مال نہین بجان کا وبال ہے[1]،

ایک دولتمند انسان کو تجمل کے اعتبار سے فیاض، عمیم الاحسان، اور اسراف کے

[1] کیونکہ ہمارے عقیدہ کے مطابق قرآن مین اُسکے لیے بایں الفاظ سخت وعید ہے، الذین یکنزون الذھب والفضۃ ... فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم الخ

لحاظ سے کفایت شعار ہونا چاہیے۔

اس مال اور اس علم سے کیسے اہم اور مفید نتائج معاشرت اور تمدن کے باب مین حاصل ہوتے۔ اگر اس مال کا قابض اور متصرف کوئی ایسا شخص ہوتا جو اپنے دولتمندی کے فرائض اور واجبات کو پہچانتا، یہ علم یا گنجینۂ دقائق و معارف کسی سینۂ صاف مین ودیعت ہوتا، تو اُس کی اصلاح و تبلیغ سے سیہ کارون کی فضاء تاریک مین ارشاد و ہدایت کا نور پھیلتا، اور انکے مجموعی اثر سے رفاہ و سعادت کا ایسا چشمہ اُبلتا جو تشنہ کامون کے حق مین آب حیات کا حکم رکھتا؛

جن اخلاق کا ہم نے اوپر ذکر کیا، باعتبار وسعت اثر کے انکی تین تقسیمین ہوسکتی ہین:

اول وہ ہین جنکا فعل و انفعال محض ذات واحد پر محدود ہے مثلاً صدق- استقلال- خوش اوقاتی پر مزاولت اشتغال وغیرہ۔

دوسرے وہ اخلاق، جنکا فعل اگرچہ ذات واحد سے متعلق ہوتا ہے، مگر اُنکا انفعال اثر ایک قوم یا ایک جماعت پر ہوتا ہے، جن لوگونکے سر کسی قسم کی قومی یا اجتماعی ذمہ داریان ہین، اُنہین مثال قومی کا نمونہ بننا چاہیے- اور اُسکے لیے جن اخلاق کی ضرورت ہے اُنہین کامل العمل ہونا چاہیے۔

تیسرے وہ اخلاق ہین جو دونون مین مشترک ہین، یعنی ہر دو صورتون مین انکی ضرورت ہے۔

موجودہ تہذیب نے دنیا کے بڑے انقلابات اور قومون کے عروج و زوال کو گذشتہ زمانے سے بالکل علحدہ اصول پر تیغ بیدریغ کی جبری اور علی الاطلاق حکومت سے نکال کر فیصلہ نویس اور ضابطہ دان قلم کے حوالہ کردیا ہے، اور ہر ایک کو اختیار دیا ہے کہ اپنے طرز عمل کا ثبوت پیش کرکے اپنی قسمت کا موافق یا مخالف فیصلہ لکھا لے،

آج زمانہ نے جب قلم کو یہ وقعت اور اہمیت دے رکھی ہے کہ اُسکا لکھا قسمت کا لکھا ہوجاتا ہے تو ارباب قلم کو بلا مبالغہ کاتب تقدیر کہنا ایک حد تک زیبا ہے،

اس زمرہ کی صف اول مین اُن لوگون کی نشست ہے، جنکے قبضہ اقتدار مین انتظامی یا پولیٹکل اور مہام سلطنت ہین- مگر اُنسے عین دوسرے درجہ کی صف مین ہیرال ایڈیٹرون اور جریدہ اور

عالی مذاق مصنفین کی جگہ ہے، جسکا پریس قومی اور ملکی خیالات کا سچا ترجمان اور راجہ و پرجا کے تعلقات کا محافظ ہے۔ اسی سلسلہ مین اُن ذی وجاہت لیڈران قوم کی جگہ سمجھنی چاہیے جو قوم اور ملک کے سپوت، اور ریفارمر ہین، جنھون نے اپنی بیش بہا عمرین ملکی ریفارم و اصلاح پبلک ورکس اور اسپیچون کے لیے وقف کر رکھی ہین،

صف اول مین بیٹھنے والون یعنی قوم اور ملک کی نیابت کرنے والون کے فرائض مین قوم کے حقوق واجبی کی بے لاگ پیروی کرنا اور ذاتی فوائد کے خیال کو پاس تک پھٹکنے نہ دینا ہے،

ایک اخبار نویس جیسکے فرائض (ملک اور رعایا کے دعاوی گورنمنٹ کے سامنے عمدہ پیرایہ مین پیش کرنا اور اُنکی سفارش کرتے ہوے نیک نیتی سے اُنپر قابل اطمینان ریمارک کرنا، ملک مین معتدل اور وفادارانہ خیالات کو پھیلانا، گورنمنٹ کی رایون کے صحیح اقتباسات ملک کے سامنے پیش کرنا، اور اُنپر ایسے اڈیٹوریل نوٹس لکھنا جن سے ایک کا منشا دوسرا سمجھ جانے، اور باہمی تعلقات مین شگفتگی پیدا ہو، وغیرہ وغیرہ) ہین۔

ایک قومی مصنف کا لٹریری فریضہ ہے، کہ قوم کے موجودہ مذاق کی تھیوری اور اُسکی خیالی معیار کے فلسفہ پر غور کرکے اپنے دلکش سلسلۂ تصنیف کو تدریجی اور ارتقائی عنوان سے شروع کرے، کہ کسی خیال یا مسئلہ کے قبل از وقت چھیڑنے یا موقع پر اُسکے ترک کرنے سے عام خیالات مین افراط و تفریط کا زہریلا اثر نہ پیدا ہو سکے۔

ایک قومی واعظ یا قومیت مین شغف رکھنے والے کا فریضہ (اپنے اثر اور زور تقریر سے ایسے شائستہ خیالات پیدا کرنا، اور پاکیزہ جذبات پر اُبھارنا، قوم کے دل و دماغ مین جسکا عمدہ اثر حاصل کرنے کی صلاحیت موجود ہو) ہے۔

المختصر! تحریر و تقریر کے ان فرمانرواؤن کا نقطۂ خیال اگر مرکز صداقت سے ہٹ جائے اور ادائے فرض کے لیے اُنمین جن جن اخلاق کا ہونا ضروری ہے اُنسے معرّی ہون، اُسلیے اُنکے فرض کا کسی حد تک ادا ہونا بعید از امکان ہے، اور ایسے دیانت دارون کا ملکات زائد و قطامت مین جسقدر حصہ ہوگا اُسی قدر اُنکی ذات اُنکے عام فرائض کے حق میں اور قوم و ملک اور تمدن کے لیے سم قاتل اور سخت جالب النفع ہوگی۔

کیونکہ ایسے لوگ اپنی غیر معمولی قوتوں سے جو کام لینگے، اُنکی آخری حد علم فروشی یا صاف الفاظ مین وطن فروشی ہوگی۔

(باقی)

طالب علم کو ہدایات

حالی

طالب علم اگر ہو تو کرو تم محنت — اسی محنت کا نتیجہ ہے ہمیشہ راحت
دن کے آرام کو پڑھنے پہ مقدم سمجھو — رات کے جاگنے کی چاہیے تم کو عادت
جسقدر علم کی تحصیل مین غم ہونگے تمین — زندگی ساری بسر ہوگی بعیش و راحت
بھول جاؤ جو سبق اپنا تو پھر یاد کرو — سمجھو اُستاد کے غصہ کو پدر کی شفقت
ہاتھ سے چھوٹنے پائے نہ قلم اور دوات — لکھنے پڑھنے کی طرف ذہن کو ہو رغبت
سامنے ہو صفت آئینہ ہر وقت کتاب — سمجھو ایام جوانی مین اسی کو زینت
خواب مین بھی وہی دکھلائی دے جو کچھ کہ پڑھو — لیٹو بستر پہ اگر سونے کو بہر راحت
اپنے اُستاد کا لازم ہے تمھین دل سے ادب — اُنکی عزت سے تمھاری بھی بڑھیگی عزت
کھانا وہ کھاؤ کہ جس سے ہون قوی قلب و دماغ — کپڑا وہ پہنو نہ مقصود ہو جس سے زینت
اپنے ہم درس جو ہون اُنسے کرو علم کی بحث — اتفاقاً جو میسر ہو کبھی کچھ فرصت
اُنسے ہرگز نہ ملو جنکے ہون اخلاق خراب — کہین گمراہ نہ کردے تمھین ایسی صحبت
کھیلنا چاہیے تم کو مگر اتنا کھیلو — بعد پڑھنے کے ہو جس سے کہ دماغی صحت
اُسکے پابند رہو جو کہ کتابون مین پڑھو — چاہیے علم کے ہمراہ عمل کی قدرت
اس سے کیا ہوگا اگر پڑھ کے بنے تم لقمان — ترک کرہی نہ سکے جاہلون کی سی خصلت
علم سے ہوتے ہین ہر چند خیالات وسیع — ہے مگر طرز عمل باعث حسن سیرت
علم کے ساتھ رہے گا جو عمل بھی باقی — کبھی بھولوگے نہ اُستاد کا حق خدمت
ہے اگر علم و عمل دونون پہ قدرت تم کو — دین و دنیا کی نہ آئے گی کوئی بھی آفت
عمر بھر قول یہ محشر کا تمھین یاد رہے — آدمی کے لیے ہے علم عجب اک نعمت

مشتری اور اُسکا نظام

یہ تو ہم کہہ ہی چکے ہین کہ گو مشتری نظام شمسی کا نہایت ہی شاندار رکن اور اُسکے متعلقہ سیارون مین سب سے بڑا سیارہ ہے۔ مگر ہمارے خیال مین اسکی موجودہ حالت ایسی نہین ہے کہ اُسمین کوئی جاندار رہ سکے۔ پھر سوال یہ ہے کہ آخر اُسکا یہ قد و قامت۔ یہ ڈیل ڈول یہ عظمت و شان۔ اُسکا اتنا وسیع مدار۔ اتنی تیز رفتار۔ اُسکی یہ چمک دمک۔ اُسکے یہ عجیب و غریب نظام اور اسکا ایسا دلچسپ انتظام آخر یہ سب کس لیے ہے؟ اسکا کوئی مآل۔ اسکے سوا اور ہو ہی کیا سکتا ہے کہ وہ یا تو خود ذیحیات اشیا کا مسکن ہو۔ یا دوسرے کرون کے رہنے والے جاندارون کی ضرورت بہم پہونچائے۔ ہم تو تمام نظام کائنات اور تمام کواکب افلاک کی یہی غایت و غرض سمجھتے ہین۔ اور اسکے سوا انکا اور کوئی منشا و مدعا ہمارے ذہن مین آتا ہی نہین۔ خود ہمارے چاند اور سورج کو بھی ہم سب سے زیادہ اسی لحاظ سے قابل وقعت تصور کرتے ہین۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہین کہ ان عظیم الشان کرون کی ہر ایک حرکت۔ ہر ایک حالت کسی نہ کسی طرح خود ہمارے حق مین مفید اور سودمند ہوتی ہے۔ غرض کچھ ہی ہو۔ ہماری فطرت مین خود غرضی اتنی دخیل ہے کہ ہم ہر ایک چیز کی بابت سب سے پہلے یہی سوال کرتے ہین کہ اس سے فائدہ کیا ہے؟

ہم دیکھ ہی چکے ہین کہ مشتری کی بابت اس سوال کا خاطر خواہ جواب دینا کتنا مشکل ہے اور پھر جب ہم اسکے چار چاندون کا خیال کرتے ہین تو دقتین اور بھی بڑھ جاتی ہین۔ کیونکہ طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ چار چاند کس کام کے ہین۔ اگر مشتری غیر آباد ہے تو پھر کیا یہ چارون چاند بھی فضول ہی ہین۔ ہان اگر اُسمین آبادی ہوتی تو خیر انکا بھی کوئی فائدہ سمجھ لیا جاتا۔ اور ہم خیال کر لیتے کہ جس طرح ہمارا چاند ہمارے لیے بہت مفید ہے۔ اسی طرح یہ چارون چاند وہان والون کے لیے مفید ہونگے۔ گو مشتری کی حالت پر خیال کرین تو یہ چاندون بھی چندان کار آمد نہ پائے جائینگے۔ کیونکہ اول تو سرے سے ابھی تک یہی نہین معلوم کہ مشتری کی کوئی منجمد اور خشک سطح بھی ہے یا نہین۔ اور اگر ہو بھی تو اُسکا کرہ باد بخارات آبی کی کثرت سے اتنا غلیظ ہو رہا ہے کہ ان چاندون کا وہان سے نظر آنا نہایت بعید از قیاس ہے اور اگر یہ بھی مان لین

کہ اُسکی سطح بھی ہے۔ اور یہ چاند وہان سے دکھائی بھی دیتے ہین تو بھی اسمین تو کوئی شک نہین کہ یہ راتکو بہت کم روشنی پہونچاتے ہونگے۔ کہنے کو تو کسی کے چار چاند لگ جانا بہت بڑی بات ہے۔ مگر اصل یہ ہے کہ مشتری کو ان چار چاندون کے لگ جانے سے کچھ بہت فائدہ نہین ہوا۔ اصل معلومہ حالات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ چارون چاند ہمارے ایک چاند کے برابر بھی روشنی نہین پہونچا سکتے۔ مشتری سے انکی مسافت اتنی ہے کہ ایک سب سے پاس کا چاند تو البتہ ہمارے چاند سے بڑا معلوم ہوتا ہوگا۔ مگر باقی تینون اس سے بہت چھوٹے نظر آتے ہونگے۔ اور سب سے چھوٹا تو اس کی قرص کے چودھوین حصے سے زیادہ بڑا نہ دکھائی دیتا ہوگا لیکن اگر یہ سب چاند کے برابر بھی معلوم ہوتے۔ تب بھی نتیجہ کیا تھا۔ یہ بھی تو یاد رکھنا چاہیے کہ آفتاب کی جو روشنی اُنکو پہونچتی ہے۔ وہ اس روشنی سے پچیس حصہ کم ہے۔ جو ہمارے چاندکو منعکس کرتی ہے۔ اس لیے یقیناً اگر انکی سطح بھی اسیقدر قوت انعکاس رکھتی ہو جسقدر ہمارے چاند کی سطح۔ تو انکی روشنی ہمارے چاند سے پچیس حصے کم ہونی چاہیے۔ جب ان سب باتونکا لحاظ رکھکر ان چارون چاندون کی مجموعی روشنی کا مقابلہ ہمارے چاند سے کیا جاے تو معلوم ہوتا ہے کہ واقع مین اب سب کی مجموعی روشنی اسکے سولھوین حصے سے زیادہ نہین ہے۔ اور پھر یہی نہین۔ یہ کسی طرح ممکن نہین ہے کہ مشتری کے چارون چاند ایک ہی وقت مین اکٹھے نظر آسکین۔ سب سے بڑا اور سب سے پاس والا چاند تو حقیقت مین مشتری کے سائے ہی مین چھپا رہتا ہے۔ اور نصف وقت تک اسپر سورج کی روشنی پڑ ہی نہین سکتی۔ دوسرے کا بھی یہی حال ہے۔ مگر اس سے کم۔ اور خیر پھر اگر ان سب باتون کو نظر انداز بھی کر دیا جائے۔ اور ان سب کو اپنے چاند کے برابر بلکہ اس سے کچھ زیادہ بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی کیا حاصل ہے۔ چاند ایک چھوڑ دس بھی ہون تو آفتاب عالمتاب کی حرارت اور روشنی کے پچیس حصون مین سے چوبیس حصون کا نعم البدل نہین ہو سکتے۔

غرض یون معلوم ہوتا ہے کہ مشتری کے چارون چاند کسی طرح اسکے لیے کمتفی نہین ہو سکتے۔ اور سورج کی روشنی کی کمی کی کچھ بھی تلافی نہین کر سکتے۔ اسطرف یہی احتمال رہجاتا ہے کہ شاید یہان معمولی حالت کا عکس ہو گیا ہو۔ اور مشتری کے آباد ہونے کی جگہ

اُسکے چاند آباد ہون۔ اگرچہ یہ بات ہمارے تجربے کے بالکل خلاف ہے۔ تاہم ممکن ہے کہ حقیقت الامر یہی ہو اور جس طرح ہمارا چاند ہمکو روشنی اور بہت سے فائدے پہونچاتا ہے اسطرح ان چاندون کو مشتری روشنی اور اور فائدے دیتا ہو۔

اسمین شک نہین کہ جب ہم مشتری اور اُسکے چارون چاندون کا مقابلہ آفتاب اور اسکے نظام کے چار سب سے قریبی ستارون یعنی عطارد۔ زہرہ۔ زمین اور مریخ سے کرتے ہین تو بعض حیرت انگیز مشابہتین پائی جاتی ہین۔ یہی چارون سیارے سورج کے سب سے زیادہ نزدیک ہین۔ اور گویا اس سے سب سے قریبی رشتہ رکھتے ہین۔ مشتری بھی وزن اور حجم مین اپنے چارون چاندون سے تقریباً اسیقدر زیادہ ہے۔ جسقدر آفتاب ان چارون سیارون سے بڑا ہے۔ اسکا بھی تیسرا چاند باقی سب سے بڑا ہے۔ اور باقی تینون کا مادہ ملکر اس کے برابر ہوتا ہے۔ اسی طرح سورج کا بھی تیسرا سیارہ (یعنی کرۂ زمین) باقی تینون سے بڑا ہے اور عطارد۔ زہرہ اور مریخ ملکر تقریباً زمین کے برابر وزن رکھتے ہین۔ مشتری سے اُس کے چارون چاندون کا فاصلہ بھی قریب قریب اسی نسبت سے ہے جس نسبت سے یہ چارون سیارے آفتاب سے دور ہین چنانچہ انکا فاصلہ ۴ - ۷ - ۱۰ - اور ۱۶ کی نسبت سے ہے۔ اور ان چاندون کا فاصلہ ۴ - ۶½ - ۱۰ - اور ۱۸ کی نسبت سے ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مشتری کے چاندون اور ہمارے چاند کی حالتون مین فرق کسقدر ہے۔ مشتری کا سب سے بڑا چاند وزن مین مشتری کا ایک لاکھ دس ہزاروان حصہ ہے۔ حالانکہ ہمارا چاند ہماری زمین کے اسّی وین حصے کے برابر ہے۔ اور حقیقت مین اسے بالکل کم درجے کا ستارہ نہین کہنا چاہیے۔ بلکہ اسکی وقعت ان چارون سیارون کے نظام مین پانچوین اور سب سے چھوٹے سیارے کی سی ہے عطارد ہمارے چاند سے اتنا بڑا نہین ہے جسقدر ہماری زمین عطارد سے بڑی ہے۔ لیکن مشتری کے چاند ایک بالکل جداگانہ درجے کے معلوم ہوتے ہین۔ اور وہ اپنے سیارے اور اسکے ساتھیون کے مقابلے مین اس سے زیادہ رتبہ نہین رکھتے جو ہماری زمین اور اُسکے چاند کے سیارے آفتاب عالمتاب کے مقابلہ مین رکھتے ہین۔

پس ان قیاسات سے یہ بات ممکن معلوم ہوتی ہے کہ غالباً یہ چاند بھی آباد ہون

اور مشتری آفتاب کے زیر اثر اپر حکمرانی کرتا ہو۔ اسمین تو کوئی شک ہی نہین ہوسکتا کہ انمین سے ہر ایک چاند سورج کے گرد بھی چکر لگا رہا ہے۔ اور اسکے بھی جدا جدا سال۔ دن اور غالباً موسم بھی ہونگے۔ اور کوئی وجہ نہین کہ دہان کے رہنے ولے بھی ہماری طرح اپنے ہی چھوٹے سے کُرے کو تمام کائنات کا مرکز کیون نہ سمجھتے ہون۔ کیونکہ انکی بھی سب باتین بالکل اس طرح معلوم ہوتی ہونگی۔ جس طرح ہماری چشم ظاہربین کو اس سرزمین پر۔ مشتری انکو ایک نہایت عظیم الشان چاند معلوم ہوتا ہوگا۔ جو سورج کی قلیل حرارت اور دھیلی روشنی کی بہت کچھ تلافی کردیتا ہوگا۔ بلکہ یہی ممکن ہے کہ وہان والے اس عظیم الشان سیارے کو اپنا سورج اور حقیقی سورج کو اپنا چاند تصور کرتے ہون۔ کیونکہ اندازہ کیا گیا ہے کہ وہان کے سب سے پاس والے چاند سے مشتری کا قرص ہمارے چاند کی ظاہری جسامت سے ۱۴۰۰ سوگنا بڑا معلوم ہوتا ہوگا اور ۱۵۰۰ سوگنا زیادہ روشنی پہونچاتا ہوگا۔ اور سب سے دور والے چاند سے بھی اسکی ظاہری جسامت ہمارے چاند سے ۶۵ گنا سے اور اسکی روشنی آٹھ گنا سے کم ہرگز نہ ہوگی۔ یہ یاد رہے کہ ہم نے اس اندازے مین مشتری کی روشنی کو پچپیس حصہ کم نہین کیا ہے۔ جیساکہ بظاہر ہمکو کرنا چاہیے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ جیسا ہم کہہ چکے ہین مشتری بذات خود بھی کسیقدر روشن ہے اور اسکی نسبت بہت زیادہ روشنی منعکس کرتا ہے جو وہ سورج سے پاتا ہے۔

یہ ضروری بات ہے کہ ان سب باتون کے باوجود بھی ان چاندون کی حالت بالکل زمین کے مطابق نہ ہوگی اور اگر ہمکو لیجاکر چھوڑ دیا جائے تو ہم انمین آسانی سے زندگی بسر نہ کرسکین گے تاہم حالات کا جو کچھ فرق ہے۔ وہ صرف اختلاف مدارج ہے۔ اختلاف کیفیت نہین ہے۔ اس لیے دہان کسی نہ کسی قسم کی آبادی کا ہونا خود مشتری پر کسی قسم کی آبادی کے ہونے سے بہت زیادہ قرین قیاس اور مطابق عقل ہے۔

اگر یہ قیاس درست ہے توان چاندون کے رہنے والون کے سامنے کیسا عجیب اور شاندار منظر رہتا ہوگا۔ فی الحقیقت یہ بہت زیادہ قرین قیاس ہے کہ وہ ضرور مشتری کو سورج اور سورج کو چاند سمجھتے ہون۔ کیونکہ وہان سے سورج کی ظاہری جسامت اس جسامت کے پچیسوین حصے سے زیادہ نہ معلوم ہوتی ہوگی۔ جو یہان سے ہمکو نظر آتی ہے۔ اور مشتری

دوسرے دور کے چاند والون کو بھی اس چھوٹے سے آفتاب سے کم سے کم ۱۶ سو گنا بڑا - اور نزدیک والے چاند کو ۲۵ ہزار گنا بڑا معلوم ہوتا ہوگا - اسکے علاوہ وہ لوگ اس عجیب و غریب سیارے کے وہ گوناگون رنگ اور عجیب حالتین بھی تھوڑی بہت تو دیکھ ہی سکتے ہونگے جنکا کچھ یون ہی سا تصور دوربین کی طاقتور نگاہ سے ہمارے ذہنون مین منتقل ہوتا ہے - اور اور جسکے محض خیال سے ہم قدرت صانع پر عش عش کرنے لگتے ہین - گردش محوری سے اُسکے ہر ایک پہلو کا تماشا اور اوسکے چارون طرف پھیلے ہوے بادلون کی تبدیل ہیئت بھی ایک نہایت ہی عجیب سیر ہوگی - اور کوئی شک نہین کہ اگر نفس الواقع وہان کوئی ذیعقل جاندار ہونگے تو وہ بھی ہماری طرح اپنے گرد و پیش کی ہر ایک چیز مین صانع حقیقی کی قدرت اور کاریگری سر دھنتے ہونگے - اور کہتے ہونگے -

ہزار آئینہ چون طاؤس میخواہد تماشایت
بقدر شوخیے رنگے کہ داری چشم حیران شو

مفتی انوار الحق عفی عنہ

(ترجمہ)

آئینہ کسب لذت حیرت اگر کرے | بنکر مری نگہ ترے رخ پہ نظر کرے
چاہے جو کوئی اس گذری سے گذر کرے | عمر روان سے مشق طریق سفر کرے
اس بیخودی مین نالۂ دل کیا اثر کرے | جو آپ بیخبر ہو وہ کس کو خبر کرے
وہ مضطرب نہون مجھے تسکین ہو نہ ہو | نالہ میرا کوئی نہ الٰہی اثر کرے
یون تو کہین گے ہم اُسے عرض غبار غم | نالہ وہی ہے جو ترے دل مین اثر کرے
خط تجھکو وہ لکھے جو تری یاد چھوڑ کر | دل محو فکر واپسیٔ نامہ بر کرے
قدرت خدا کی ہے کہ میرے دل کے سامنے | گم گشتگی پہ ناز تمھاری کمر کرے
کیا جانین وہ کہ خاک ہوا فرط سوز سے | سینہ مین دم کہان جو تلاش جگر کرے
زخم جگر گشا ہی نہین جب نصیب مین | پھر کوئی کس طرح پہ تلاش جگر کرے
راضی ہے دل جفا کہ وفا چاہو جو کرو | پر ایسی ہو کہ یاد تمھین عمر بھر کرے
اُس سنگدل کے دلسے ہے مجبور اے فصیح | ورنہ یہ آہ وہ ہے جو پتھر مین گھر کرے

ہلال

اتنی رسیدگی نہ دکھا اے ہلال تو — صحرائے آسمان ہے نہ کوئی غزال تو
منظر ترا گواہ کہ زہ نو خمیدہ ہے — ابرو اشارہ ریز کہ تو شوخ دیدہ ہے
اس لاغری پہ بھی ہے غضب جستجو تجھے — شکلِ کمان ہے تیر کی لیکن ہے خو تجھے
عقدہ کشائے دون کا بہانہ ہوا ہے تو — زلفِ عروس شام کا شانہ ہوا ہے تو
کہتے ہین لوگ خنجر ترک فلک تجھے — محراب کعبہ مان رہے ہین ملک تجھے
چمکا ہے روشنی سے تری کوکب سحر — تجھسے عیان ہے خندۂ زیرِ لبِ سپہر
ہرچند دیکھنے مین پتلا سا ہے ماند سے — رقاصۂ سپہر کے ماتھے کا چاند ہے
جلوہ ہے چشم دہر مین تیرے جمال کا — شہرہ ہے ہفتگاہ مین غنج و دلال کا
ہوتا ہے بے حجاب جو ترا رخ نقاب سے — ملتا ہے رونمائی مین نور آفتاب سے
ہوتا ہے رام بخت شب افروز دمبدم — بڑھتا ہے حسن روز فزون روز دمبدم
تو بھی حسین ہے دل بھی وفا کوش ہے ترا — پھیلا ہوا تپاک سے آغوش ہے ترا
ظاہر ہے تجھ مین شان خمِ زلفِ نور کی — تو نیم رخ شبیہ ہے غلمانِ حور کی
جلوہ تری جبین مین ہے صبح امید کا — تو ہے شمیمہ مادرِ روزِ سعید کا
تو روزہ دار کے لیے پیغام عید ہے — قفلِ دہان بند کی گویا کلید ہے
مشتاق ہر نگاہ ہے تیرے جمال کی — بیقدر آب و تاب ہے بدرِ کمال کی
تو بوستان چرخ کی شاخ خمیدہ ہے — تو نخلِ نور کا ثمرِ نو رسیدہ ہے
کشتی ہے تیرے ہاتھ مین گویا گدا ہے تو — ہان چشمِ آفتاب سے کچھ لے رہا ہے تو
مین نے خیال خام سے کیا کیا کہا تجھے — بدر الکمال کا نہ ہیولا کہا تجھے
زینت فزائے عارض زیبائے شب ہے تو — یعنے کہ گوشوارۂ لیلائے شب ہے تو
تیری خمیدگی سے معما یہ حل ہوا — پاتا ہے احتشام کو جو مبتذل ہوا
اہلِ نظر کو تیری تواضع پسند ہے — جو سرنگون ہے آج وہ کل سربلند ہے
گر زا محاق طالع فیروز ہو نصیب — اے ماہِ نو ترقی لا یہ روز ہو نصیب
وا باد چشم چہرہ کشائے جہان تو — آباد باد محفل کون و مکان تو

ہندوستان
کے
نوشتہ ہائی اسلامی
نمبر۳

اورنگ آباد
مسجد شایستہ خان کے کتباب

اس مسجد کو نواب شایستہ خان نے ۱۰۶۲ھ مین تعمیر کرایا ہے اور اسکے بیرونی دروازہ پر مفصلہ ذیل تاریخ کندہ ہے۔

(۱) مسجد بنیاد شایستہ خان   ساخت بہ یک سال محمد شریف

مسجد کے اندرونی حصہ مین محرابون اور چھت کے اطراف نستعلیق خط مین متعدد تاریخین لکھی ہوئی ہین جنکی نقل ذیل مین درج کی جاتی ہے۔

(۲) وہ کتبہ جو جانب جنوب کندہ ہے۔

روے آوردہ بہ دیوار آفتاب   چون بہ آئینہ نکوروے نقاب
خور چو بر دیوار مسجد تافتہ   قدر نور خویش را دریافتہ
چون شدم در فکر تاریخ بنا   آمدہ مینی بہ گوشم این صدا
یافت کار از صد تاریخ انتظام   مسجد از لطف الٰہی شد تمام

کتبہ مرزا احمد ابن محمد شریف یمنی ۱۰۶۵ھ

(۳) وہ کتبہ جو بیش دالان مین تحریر ہے۔

مسجد شایستہ و جنت فضا   در جہان شایستہ خان کردہ بناد
ہم چو قدر رحمت و بخشش بلند   دل نشین و دل کشا و دل پسند
پایہ اش بر آسمان ہفتمین   آسمان بر پایۂ قدرش زمین

پنج نوبت می زند دین بر درش | برتر از نه آسمان رفته سرش

(۴) وہ کتبہ جو اندرونی دالان مین لکھا ہوا ہے۔

هم چو کعبه اجر بخش جرم سوز | هم چو صبح نور دین عالم فروز
از عطا حاجت روای پایه اش | آسمان آورده رو در سایه اش
سایه از رفعت فگنده بر سما | در رکن چون در بدن دل کرده جا
تاج در چون آسمان از آفتاب | تاجداران از سجودش کامیاب
تاجش از قدر آمده خورشید سا | سایهٔ تاجش شده خورشید زا
تاجدارے را چو خورشید افتخار | تاجداران سر به خاکش سایه دار
نقطهٔ دور فلک آمد سرش | سجده گاه آفتاب و ماه درش
پیش طاقش مشرق صبح مراد | گشت خورشید آن که بر در سر نهاد
در طوافش آسمان سربلند | چون به کعبه محرمان احرام بند
سرکشان را کار سر افگندگی | اندرین مسجد برای بندگی
چون بفیض دل کشائی شد مثل | می شود با کعبه این مسجد بدل
سربلند آن روی فرسا بر زمین | هم چو نور مهر و چون ماه مبین
از زمین تا عرش رفته بے حجاب | از سعادت چون دعاے مستجاب
گنبدش چون سر ز بام افراخته | نور بر عالم چو مهر انداخته
سطح صحن از عکس نقش جبه ها | آسمان بخت را اختر نما
مهر تابان بلبل گلدسته اش | بلبل و گل عاشق دل خسته اش

(۵) جانب شمال یہ کتبہ تحریر ہے۔

زهے نیک بختی که از نیک رائی | بنا کرد مسجد باین دل کشائی
شرف داد شایستگی را وجودش | چو خورشید مه را بهر روشنائی
پے حق پرستی نهاد این بنا را | که چون کعبه شد در مبارک بنائی
دو کام از تو با حق دو رکعت نماز است | برو راه این ست راه رسائی
بزن در که حاجت ازین جا برآید | که شد این بنا بهر حاجت روائی
درین جا چو خورشید روشن دلان را | سر سربلندی دهد جبه سائی

ہمہ نور آید چو طور از تجلی | خدایں تنوی گر بو موسی در آئی
زند طعنہ در رحمت مرغ عیسیٰ | زفیض صوافش بہ ظل ہمائی
بہ شہر آب دادہ دو حوض روانش | چو انہار جنت سپے جان فزائی
منزد گر بنازند اہل زمانہ | کہ شد زینت عالم بادشاہی
چہ تاریخ جستم خرد گفت یعنی | ہمیں دل کشا جائے حاجت روائی

نواب شایستہ خان جسکا اصلی نام میرزا ابوطالب ہے۔ یمین الدولہ آصف جاہ کا فرزند اور اورنگ زیب عالمگیر کا مشہور امیر الامرا تھا۔ ۱۱۰۵ھ میں بمقام آگرہ انتقال کیا۔ اسکے مفصل حالات کے لیے دیکھو مآثر الامرا جلد دوم از صفحہ ۶۹۰ تا صفحہ ۷۰۶

مقبرہ رابعہ دورانی بیگم کا کتبہ

رابعہ دورانی بیگم کا اصلی نام دل رس بانو ہے۔ شاہ نواز خان کی دختر اور عالمگیر اورنگ زیب کی بیوی تھی۔ ۲۳ ذی الحجہ ۱۰۴۷ھ کو چار لاکھ روپیہ مہر پر عقد ہوا محمد اعظم شاہ اور مشہور شاعرہ شاہزادی زیب النسا بیگم اسی کے بطن سے تھیں [۱]

(۱) دروازے کی پینی پر یہ عبارت کندہ ہے۔

این دروازہ باہتمام رفعت پناہ آقا ابوالقاسم بیگ داروغہ تیار شدہ۔

(۲) اسی پینی کے دوسرے پہلو پر یہ الفاظ ہیں۔

این روضہ منورہ در معماری عطاء اللہ بعمل ہیبت رائے تیار شد ۱۰۸۱ ہجری

حکیم سید شمس اللہ قادری

نہ خوف کرنا مہ بروز را بھی مجھے فقط تجھسے کام یہ ہے | مری خبر انکو اسقدر دے کہ نام یہ ہے مقام یہ ہے
خدا کی مخلوق ہے ہر اک شئے خوشی ہی بندگی جسکو چاہیں | سمجھ تو واعظ عبث ہی جھگڑا حلال یہ ہے حرام یہ ہے
نہیں ہیں جنت کی آرزوئیں مدینہ کی لو لگی ہے ہمدم | کہ ہم سے دیوانوں کی سکون تپش کا اصلی مقام یہ ہے
ہیں غیر سے چپکے چپکے باتیں وہ خود بھی گھبرائے پھر رہے ہیں | کوئی زخود رفتہ آہ جائے کہیں مگر انتظام یہ ہے

کسی کی باتیں کہیں کا قصہ ستم کے جھگڑے وفا کے شکوے
کسی کو جاکر غزل سنائیگے خاک بسمل کلام یہ ہے

---

[۱] ماثر عالمگیری۔

مولانا جلال الدین محمد بلخی الرومی رح

مولانا جلال الدین محمد بلخی الرومی قدس سرہ بن مولانا بہاء الدین ولد سلسلۂ نسب مین حضرت امیر المومنین ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی ذات پاک سے وابستہ تھے۔ صاحب مرآۃ الاسرار فرماتے ہین کہ "ویرا کمالات بسیار و خوارق عادات بیشمار است میان این قوم شانے عظیم و حالے قوی داشت و بر صحت احوال وے ہیچ اہل بصیرت را اعتراض نیست۔ در دیوان خود سخن بسیار بے پردہ میگوید و از کمال عشق مستانہ نالیدہ است اما یک کلمہ مخالف این طائفہ واقع نشدہ"۔ مولانا کی مثنوی کے متعلق اہل بصیرت کا اتفاق ہے کہ تمام عارفون کے لیے حجت ہے۔ مولوی جامی فرماتے ہین کہ؎ مثنوی مولوی معنوی ✤ ہست قرآن در زبان پہلوی ✤ اور خود مولانا کی تعریف مین فرماتے مین کہ؎ من چہ گویم وصف آن عالیجناب ✤ نیست پیغمبر و لے دارد کتاب۔ نفحات الانس مین مذکور ہے کہ مولانا روم ۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ مین بمقام بلخ متولد ہوے اور ابھی پانچ ہی سال کی عمر تھی کہ صور روحانی اور اشکال یعنی فرشتگان نویسندہ اور نیکوان جن وخواص انس کہ ستودان قباب عزت ہین آپکے سامنے ظاہر ہوتے تھے چنانچہ مولانا بہاء الدین ولد نقل فرماتے ہین کہ جلال محمد رض بلخ مین چھ برس کے تھے کہ جمعہ کے دن ایکمرتبہ لڑکون کے ساتھ بالاخانہ پر سیر کر رہے تھے۔ ایک لڑکے نے دوسرے سے کہا آؤ اس کوٹھے سے اُس کوٹھے پر کود ین۔ جلال الدین محمد رض نے فرمایا کہ ایسی حرکتین تو کتے بلی وغیرہ بھی کرتے ہین حیف ہے کہ ہم آدمی ہوکر ایسی باتون مین مشغول ہون اگر تمھاری جان مین کچھ قوت ہے تو آؤ آسمان کی طرف اوڑین یہ کہکر اسی حالت مین لڑکون کی نظر سے غائب ہوگئے۔ تمام لڑکے رونے چلانے لگے۔ لیکن ایک لحظہ مین۔ رنگ بدلا ہوا۔ آنکھین متغیر واپس آئے اور فرمایا کہ جسوقت مین تم سے باتین کر رہا تھا مین نے ایک سبز پوش جماعت کو دیکھا۔ یہ لوگ مجھے تمھاری جماعت سے اوٹھا لیگئے اور آسمانون کے گرد پھرا کر عجائب وغرائب ملکوت کو دکھلائے۔ جب تمھارے رونے دہونے کی آواز سُنی تو پھر اس جگہ لاکر چھوڑ گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس عمر مین بھی تین تین چار چار روز بعد افطار فرماتے اور در حقیقت ولی مادر زاد تھے۔

ایک مدت تک مولانا نے اپنے والد ماجد سے تعلیم پائی۔ اُنکی وفات کے بعد نو برس حضرت برہان الدین محقق قدس سرہ کی خدمت مین رہکر فیوض وبرکات فراوان حاصل کرتے رہے۔ ایکمرتبہ مولانا کے والد بلخ سے مکہ معظمہ جارہے تھے۔ نیشاپور مین شیخ فرید الدین عطار قدس سرہ کی

صحبت مین پہونچے۔ مولانا بھی والد کے ساتھ خدمت سے فیض مند ہوے۔ شیخ فریدالدین عطار قدس سرہ نے آپ پر بہت مہربانی فرمائی اور اپنی تصنیف کتاب اسرارنامہ عطا فرمائی۔ اس کتاب کو مولانا ہمیشہ اپنے پاس رکھتے اور حقائق و معارف مین اسی کی اقتدا فرماتے۔ لیکن مرتبہ کمال آپ کو خواجہ شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صحبت مین حاصل ہوا۔ چنانچہ خود ایک بیت مین اس جانب اشارہ فرمائی ہے

ے کرد عطار کشف مولانا + شربت از دست شمس بودش نوش

آپکے دیوان کے اشعار دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کو فیض خاص روحانیہ حضرت مصطفوی صلعم و حضرت مرتضوی رضہ سے حاصل ہوا تھا چنانچہ غلبہ شوق سے بیخود ہوکر وجد و حال کی حالت مین فرماتے ہین ے

ز خلق احمد مختار مستیم + ز مہر حیدر کرار مستیم +
نسیم یافتم از صبح توفیق + ز طیب روضۂ اسحار مستیم + چو من تم ز مینا سے الٰہی + نہ از مینا کہ از دیدار مستیم +
ز مشک و عود و عنبر گشتہ فارغ + ز بوے طرۂ دلدار مستیم + سحر گہ ہاتفی درداد پیغام + ازان پیغام و بوے یار مستیم +
بیا اے زاہد شوریدہ احوال + کہ من از عطر آن خمار مستیم + تو از اسلام می لافی و طاعت + من از احسان آن غفار مستیم
چو منصورم درین انوار توحید + انا الحق گفتہ و بردار مستیم + من از یکبار زلفش بوے بردم + کہ از لوے خوش تاتار مستیم
نسیمے یافتم از شمس تبریز + کہ من زان سالک اسرار مستیم + خمش کردم نخواہم گفت دیگر + کہ در انوار و در اسرار مستیم +

صاحب نفحات نے مولانا کے کلام قدسی کو کہین کہین نقل کیا ہے۔ انہین سے کسیقدر یہان انتخاب کیا جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہین ”کہ من این جسم نیستم کہ در نظر مردم منظورم بلکہ آن ذوقم و آن خوشی ام کہ در باطن مریدان از کلام نام من سر بیرزند۔ اللہ اللہ چو آن دم را یابی و آن ذوق را بچشی غنیمت میدار و شکرہا می گزار کہ من آنم“ پھر حضرت چلپی حسام الدین کی طرف رخ کرکے فرمایا ”الا الا با اولیاء حق زانو بہ زانو باید نشستن کہ آن قرب را اثر ہاست عظیم ے یکے لحظہ ازان دوری نشاید + کازدوری خرابی ہا فزاید + بہر حالے کہ باشی بیش او باش + کہ از نزدیک بودن مہر زاید“ آپ فرمایا کرتے تھے ”مرغے کہ از زمین بالا پرد اگرچہ بآسمان نہ رسد اما این قدر باشد کہ از دام دور تر باشد کہ از زمرۂ خلق و اہل بازار ممتاز باشد و از زحمتہاے دنیا برہد و سبکبار گردد“ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ”آزاد مرد آنست کہ از رنجانیدن کسے نہ رنجد و جوانمرد آن باشد کہ مستحق رنجانیدن را نہ رنجاند“

مولانا سراج الدین قونوی صدر وقت تھے لیکن مولانا سے خوش نہ تھے۔ انکے سامنے ذکر کیا کہ مولانا کہتے ہین کہ مین تہتر دین مذہب سے متفق ہون۔ چونکہ صاحب غرض تھے مولانا کو رنج دینے کی خواہش کی اور اپنے مقربون مین سے ایک کو جو دولتمند ذی استعداد تھا بھیجا کہ مجمع عام مین مولانا سے سوال کرے کہ آیا آپ ایسا اور ایسا کہتے ہین۔ اگر اقرار کرین تو خوب انہین صلواتین سنانا جب پہونچا

وہ صاحب تشریف لائے اور سب کے سامنے مولانا سے یہی سوال کیا مولانا نے اقرار کیا جسپر اُس سخت دل نے زبان درازی شروع کی اور بُرا کہنے لگا۔ مولانا نے مسکرا کر فرمایا کہ جو کچھ تم کہتے ہو مین اس سے بھی بدتر ہون تو وہ شخص شرمندہ ہو کر چلا گیا۔ شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی قدس سرہ جل مجلس مین فرماتے ہین کہ "مرا این سخن از وے بسیار خوش آمد"۔ مولانا کی مجلس مین ایکمرتبہ حضرت شیخ اوحدالدین کرمانی رح کا ذکر ہوا۔ کہا کہ شاہد باز آدمی تھے لیکن پاکباز تھے اور کبھی کوئی ناشائستہ کام انسے سرزد نہین ہوا۔ مولانا نے فرمایا "کاشکے کردے و درگذشتے" اور فرمایا "کہ او از ارباب مرید رہشت است کہ مامی شنوزیم"۔ ایکمرتبہ ایک جماعت نے مولانا سے امامت کی درخواست کی۔ شیخ صدرالدین قونوی بھی اس جلسہ مین موجود تھے۔ مولانا نے جواب دیا کہ "ما مردم ابدالیم ہر جا کہ می رسیم می نشینیم و می خیزیم امامت با ارباب تصوف و تمکین لائق اند"۔ یہ کہکر شیخ کی طرف اشارہ فرمایا کہ امامت کرین۔ اسکے علاوہ مولانا کا ایک شعر بھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ زمرہ ابدال مین سے تھے بلکہ اس مرتبہ سے بھی آگے ترقی فرمائی تھی۔ فرماتے ہین ؎ از زبستی سوے بالا شدم ✤ طالب آن لعل زیبا شدم ✤ خار بدم مدتے در کوہ دشت ✤ مدتے چون گلبنے بو یا شدم ✤ از زمان ابدال گشتم از یقین ✤ بطریق منزل دنیا شدم ✤ بازی خواہم کرد آنجا نگذرم ✤ زانکہ اینجا بے سر و بے پا شدم ✤ شمس تبریزی تو دادی سر عشق ✤ در میان عاشقان گویا شدم ✤

ایک دفعہ مولانا سے پوچھا کہ درویش بھی گناہ کرتا ہے۔ فرمایا اگر طعام بے اشتہا کھاتا ہے تو گناہ کرتا ہے کیونکہ بے اشتہا طعام کھانے سے زیادہ عظیم درویش کے لیے کوئی دوسرا گناہ نہین ہے۔ کتاب مناقب العارفین مین سلطان ولد رح سے روایت ہے کہ ایک دفعہ صوفیان اخیار نے حضرت والد سے سوال کیا کہ خواجہ بایزید رح نے فرمایا ہے کہ "رأیت اللہ علی صورۃ امرد" اس سے کیا مراد ہے فرمایا "این معنی دو حکم دارد یا در صورت امرد حق را می دید۔ یا حق تعالی خود بصورت امرد متصور میباشد بصورت میل بایزید"۔

مولانا کے ملفوظات مین ہے کہ ایکمرتبہ مولانا روم قدس سرہ اول ماخلق اللہ القلم کے اسرار بیان فرما رہے تھے۔ اسی سلسلہ مین یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایکمرتبہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اسرار اخوان صفا کو حضرت علی مرتضی کرم اللہ تعالی وجہہ سے خلوت مین بیان فرما رہے تھے اور وصیت فرما رہے تھے کہ یہ اسرار عظیم کسی نامحرم سے مت کہنا۔ حضرت شیر خدا رضی اللہ تعالی عنہ نے چالیس دن تک تحمل فرمایا اسکے بعد اتنے بیقرار ہوے کہ دم گھٹنے لگا۔ ناچار الامر بے خود وار صحرا کی طرف تشریف لیگئے ۔ ایک کنوئین مین سر مبارک ڈال کر تمام راز ایک ایک کرکے بیان فرمائے۔ اس حالت مین

غایت مستی سے دہن مبارک سے کف جاری تھا اور کوئین مین گرتا جاتا تھا۔ اسکے بعد طبیعت کو گونہ سکون ہوا۔ کچھ عرصہ بعد اس کنوئین سے ایک نے بلند ہوئی اور روز بروز بڑہنے لگی۔ ایک چرواہا روشن دل تھا وہ اس حال سے مطلع ہوا اور اس نے کو کاٹ کر لیگیا اور چند سوراخ کرکے رات دن عاشق زار کی طرح بجایا کرتا اور گلہ بانی کیا کرتا۔ عرب کے قبائل مین اسکی بہت شہرت ہوئی کہ حیوانات تک اسکے گرد جمع ہوجاتے ہین اور چرنے سے باز رہتے ہین اور تمام عرب اسکے پاس آکر گانا سنتے ہین اور نے کی آواز کی غائت لذت سے ڈاڑھین مار مار کر روتے ہین اور لطف حاصل کرتے ہین رفتہ رفتہ یہ حکایت سمع مبارک حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم تک پہونچی آپ نے حکم فرمایا کہ اس نے نواز کو بلا لائین۔ اُسنے آکر صحابہ کے سامنے نے بجانی شروع کی۔ صحابہ کو آواز سنکر اتنا ذوق حاصل ہوا کہ بیخود ہوگئے آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ این نواہا شرح آن اسرار است کہ من با علی درخلوت گفتہ بودم۔ یہ حکایت بیان کرکے مولانا فرماتے ہین کہ اسی طرح جبتک کہ کوئی خود اہل صفا مین سے نہو اسرار اہل صفا کو نوائے نے مین سمجھنا اور ذوق حاصل کرنا ممکن نہین کیونکہ الایمان کلمۃ ذوق ؎ آہ در دست

راندارم محرمے ✣ چون علی آہے کنم در قعر چاہ ✣ چہ بجوشد نے برویداز لبش ✣ نے بنالد راز من گردد تباہ ✣

سلطان ولد رح فرماتے ہین کہ ایک روز سلطان اسلام نے ایک کیسۂ زر جناب والد ماجد کی خدمت مین بھیجا۔ مولانا نے یارون کی طرف رخ کرکے فرمایا کہ اسم اعظم کیا ہے۔ سب نے کہا حضور ارشاد فرمائین۔ آپنے اشارہ کرکے فرمایا "کہ اسم اعظم این زر و سیم است کہ ہم تحت میرساند و ہم باطل می آرد چہ بے وجود این نہ دنیا معمور است ونہ اہل آخرت مغرور و مسرور" ؎ نشاط مردمان از زر و سیم است ✣ خوشی ہاے جہان از زر و سیم است ✣ آپنے ارشاد فرمایا کہ "صحبت عزیز است کہ درین معنی حضرت خداوندم شمس الدین تبریزی فرمودہ است قدس سرہ کہ علامت مرید قبول یافتہ آنست کہ اصلا با مردم بیگانہ صحبت نتواند داشت و اگر ناگاہ در صحبت بیگانہ افتد چنان نشیند کہ منافق در مسجد و کودک در مکتب و اسیر در زندان"۔ آپ مرض الموت مین اصحاب سے فرماتے تھے کہ میرے جانے سے غمناک مت ہو کہ نور منصور رح نے صد و پنجاہ سال کے بعد روح حضرت شیخ فریدالدین عطار رح پر تجلی فرمائی اور انکے مرشد ہوے۔ پس جس حال مین تم ہوگے میرے ہمراہ ہوگے جب حق تعالیٰ کی عنایت سے فرد و مجرد ہوجاونگا اور عالم تجرید و تفرید ظاہر ہوگا اس تعلق کے وجود بھی مین تمھارے ساتھ رہونگا۔ حضرت صدرالدین قونوی آپ کی عیادت کو تشریف لائے اور فرمایا کہ شفاک اللہ امید است کہ صحت یا شد خدمت مولانا جان عالمیان است۔ فرمایا شفا

نہین مبارک ہو جب کہ عاشق و معشوق مین اس ایک پیراہن سفر کے سوا کچھ باقی نہین رہا ہے تو کیا تم نہین چاہتے کہ نور سے نور مل جائے ؎ من شدم عریان ز تن او از خیال + من خرامم در نہایات وصال + شیخ و دیگر اصحاب یہ سنکر رونے لگے۔ مولانا نے یہ غزل فرمائی ؎ چہ دانی تو کہ در باطن چہ شاہے ہمنشین دارم + رخ زرین من منگر کہ پائے آہنین دارم۔ پھر ارشاد فرمایا کہ یاران ما این سر بگشتند خواجہ شمس الدین آنجانب میخواند۔ اے قوم اجابت کنید و پاس دارید آن کس را کہ بجانب حق میخواند۔ اصحاب نے آپ سے التماس کیا کہ خلافت کے لیے کسے حکم ہوتا ہے فرمایا چلپی حسام الدین۔ تین بار یہی سوال کیا اور یہی جواب پایا چوتھی مرتبہ پوچھا کہ سلطان ولد کے لیے کیا ارشاد ہوتا ہے فرمایا وہ پہلوان ہے اسے کچھ وصیت کی حاجت نہین چلپی حسام الدین نے پوچھا کہ آپ کی نماز کون پڑھائے۔ فرمایا صدر الدین قونوی رح۔

مولانا سعید الدین سے بعض لوگون نے پوچھا کہ حضرت شیخ صدر الدین رح مولانا کی شان مین کیا فرماتے تھے۔ فرمایا سبحان اللہ اکبر ایک مرتبہ حضرت شیخ خاص خاص لوگون کے ساتھ یعنی مولانا شمس الدین مکی رح و شیخ فخر الدین عراقی و شیخ شرف الدین موصلی و شیخ سعید فرغانی رح وغیرہ کے ہمراہ تشریف فرما تھے کہ مولانا کی سیرت و سریرت کا ذکر ہوا حضرت شیخ نے فرمایا کہ اگر بایزید رح و جنید رح اس عہد مین ہوتے وہ بھی اس مرد مردانہ کی غاشیہ برداری کرتے اور اپنی جان پر احسان سمجھتے۔ وہ فقر محمدی صلعم کا خوان سالار تھا ہم سب اسی کے طفیل مین ذوق حاصل کرتے ہین"۔ سب نے داد انصاف دی اور آفرین کی بعد ازان شیخ سعید الدین رح نے فرمایا کہ مین بھی اس سلطان کے نیازمندون سے ہون۔

مولانا کی وفات ۵ جمادی الثانی سنہ ۶۷۲ھ مین بزمانہ سلطان اباقاخان بن ہلاکو خان قونیہ مین واقع ہوئی۔

آپ کے صاحبزادون مین حضرت بہاء الدین ولد الملقب بہ سلطان ولد سب سے زیادہ قابل ذکر ہین آپ مولانا کے لڑکون مین سب سے زیادہ محبوب تھے۔ صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہین کہ آپ اس طائفہ کے مقبولون مین سے تھے۔ صاحب نفحات الانس فرماتے ہین کہ مولوی نے و سے را خطاب کردے کہ "تو مانند ترین مردمانی بمن از روے صورت و سیرت"۔ یہ بھی فرمایا کہ ہمارا بہاء الدین نیک بخت ہے۔ عمدہ زندگی بسر کرتا ہے اور اچھی طرح جاتا ہے۔ ایک روز مہربانی فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ بہاء الدین اس عالم مین میرا آنا محض تیرے ظہور کی خاطر تھا

یہ سب باتین میری قول ہین اور تو میرا فعل ہے۔ سلطان ولدنے سید برہان الدین محقق و خواجہ شمس الدین تبریزی کی بہت خدمت کی تھی۔ شیخ صلاح الدین زرکوب کی لڑکی سے انکی شادی ہوئی تھی۔ انسے بھی بہت ارادت تھی۔ مولانا کی وفات کے ساتوین دن چلپی حسام الدین آپکے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آج سے آپ اپنے والد ماجد کی جگہ تشریف فرمائیے اور مریدین اور مخلصین کو رشد و ارشاد فرمائیے اور ہمارے شیخ راستین بنیے۔ ہین آپکی رکاب مین غاشیہ کندہ پر رکہ کر بندگی کو حاضر ہون ؎ ای برخاستہ دل ایجان آن کیست ایستادہ + بر تخت شہ کہ باشد جز شاہ و شاہزادہ۔ سلطان ولدنے سر جھکا لیا اور بہت روئے اور فرمانے لگے کہ خلعت آپکے لیے ہے اور سوز و مفارقت میرے لیے۔ جسطرح حضرت والد ماجد کے زمانہ مین خلیفہ و بزرگوار تھے اسی طرح اس زمانہ مین ہمارے خلیفہ و بزرگوار ہو۔ گیارہ برس تک چلپی حسام الدین کو اسی طرح قائم مقام اپنے والد ماجد کا بنا رکھا اور بہ برس تک اپنے والد ماجد کے کلام کی شرح و تصریح فرماتے رہے۔ ایک مثنوی بھی آپنے حدیقہ حکیم سنائی کے رنگ پر کہی ہے اور بہت سے معارف و اسرار اسمین بیان کیے ہین۔

صاحب نفحات بیان کرتے ہین کہ ایک روز مولانا نے سلطان ولد سے فرمایا کہ دمشق جاکر خواجہ شمس الدین تبریزی قدس سرہ کو لے آئین اور اتنا سیم و زر اپنے ہمراہ لیتے جائین اور اس سلطان کی کفش پر نثار کرین اور روم کی جانب کفش مبارک پھیرین۔ کہا کہ جب دمشق پہونچنا تو محلہ صالحیہ مین ایک گھر مشہور ہے۔ وہان جاؤگے تو حضرت خواجہ کو ایک فرنگی بچہ صاحب جمال کے ساتھ شطرنج کھیلتا پاؤگے۔ جب وہ جیتتے ہین تو زر لیتے ہین اور جب فرنگی بچہ جیتتا ہے تو تھپڑ کھاتے ہین۔ خبردار اس حال کو دیکھکر بدگمان مت ہونا کیونکہ وہ فرنگی بچہ بھی اسی طائفہ مین سے ہے لیکن اپنی حالت نہین جانتا ہے۔ خواجہ چاہتے ہین کہ اُسے اپنی کیفیت معلوم ہوجائے۔ سلطان ولدنے دمشق کا رخ کیا اور جو پتہ بتایا گیا تھا اُسی پتہ سے خواجہ شمس الدین کو پایا کہ اُس لڑکے کے ساتھ شطرنج کھیل رہے ہین۔ سب جماعت کی جماعت آداب بجالائی۔ فرنگی بچہ نے جب یہ دیکھا تو خواجہ کو پہچانا اور اپنی بے ادبیون سے شرمندہ ہوا اور سر برہنہ کرکے ایمان لایا اور سامنے کھڑے ہو کر چاہا کہ تمام مال و دولت خیرات کرکے ہمراہ ہوے مگر خواجہ شمس الدین نے اجازت نہ دی اور فرمایا کہ فرنگستان جاؤ اور وہان کے لوگون کو مشرف بایمان کرو اور اس جماعت کے قطب بنو۔ اسکے بعد سلطان ولد نے جو کچھ زر و سیم ہمراہ لائے تھے آپکی کفش مبارک پر نثار کیا اور کفش مبارک کو روم کی جانب رخ کرکے رکھدیا اور مولانا روم اور تمام مخلصین روم کی طرف سے استدعا کی۔ آپنے قبول فرمائی۔ پاس ایک گھوڑا تھا اُسنے

جھکا کر سوار ہوے۔ اور سلطان ہمراہ رکاب ہوے۔ خواجہ نے فرمایا کہ بہاءالدین سوار ہو تو آپنے سر آگے جھکا کر فرمایا شاہ سوار اور بندہ سوار یہ کیسے ہو سکتا ہے اور اسیطرح دمشق سے قونیہ تک پیادہ پا ہمراہ رکاب رہے۔ جب قونیہ مین پہونچے تو خواجہ شمس الدین نے سلطان ولدؒ کی خدمتون کا مولانا سے ذکر کرنے لگے اور فرمانے لگے کہ مین نے اس سے یہ کہا اور اسنے مجھے یہ جواب دیا بلکہ اس سے بھی زیادہ خدمتین کین۔ یہ بیان کرکے فرمایا "مرا از محبت حق تعالےٰ دو چیز است سر و سیر سر را در راہ مولوی با خلاق فدا کردم و سیر را بہ بہاءالدین ولد بخشیدم۔ اگر بہاءالدین را عمر نوح بودے ہمہ را درین راہ صرف کردے آتش میسر نشدے کہ درین سفر از من بوے رسید و امید ہست کہ از شما نیز نصیبہا یابد"

ایک دن مولانا نے سلطان ولد سے فرمایا کہ بہاءالدین اگر چاہتے ہو کہ ہمیشہ بہشت برین مین رہو تو ہر شخص کے دوست بنے رہو اور کسی کی طرف سے کین و بغض کو اپنے دل مین جگہ مت دیا کرو پھر یہ رباعی ارشاد فرمائی سہ خواہی کہ ز ہیچ کس بتو بد نرسد ✦ بدگوے و بد آموز و بداندیش مباش ✦ تمامی انبیا علیہ الصلوۃ والسلام این کردہ اند و این سیرت را بصورت آوردہ اند لاجرم کافۂ عالمیان مغلوب خلق ایشان گشتہ اند و مجذوب لطف ایشان شدہ۔

سلطان ولد کی تصنیفات سے بہت سی کتابین اور رسالے ہین ایک کتاب فیہ ما فیہ ہے۔ ایک جگہ اسمین بیان کرتے ہین کہ اس راہ مین درست اعتقاد رکھنا چاہیے کیونکہ عالم حادث ہے نہ کہ قدیم۔ اسکی ایک مثال یہ بھی ہے کہ مثلاً ہماری ساٹھ سال کی عمر ہے یہ گھر جسمین ہم بیٹھے ہوے ہین دیکھتے ہین کہ پہلے نہ تھا۔ چند سال ہوے کہ یہ گھر تیار ہوا ہے۔ اگر اس گھر مین عنکبوت و موش وغیرہ حیوان پیدا ہون تو انھین یہ گھر آباد نظر آئیگا اور اسے قدیم کہینگے لیکن انکا یہ قول ہمارے نزدیک صحیح نہوگا کیونکہ ہم نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے کہ یہ گھر کب تیار ہوا ہے اور یہ جانور اسکے در و دیوار سے پیدا ہوے ہین۔ اسی طرح مخلوق بھی اس خانۂ دنیا مین پیدا ہوئی ہے۔ اور یہین زیر زمین چلی جائے گی۔ اگر یہ لوگ عالم کو قدیم کہین تو انبیا و اولیا کے نزدیک جنکا وجود عالم حق مین اس عالم سے چند ہزار سال پہلے ہوا ہے اور انھون نے اس عالم کو پیدا ہوتے دیکھا ہے لوگون کا قدیم کہنا صحیح نہین ہو سکتا۔ استغراق کے معنی یہ ہین کہ وہ خود درمیان مین نہو اور کوئی جہد و حرکت نہ رہے اور جو فعل کہ اس سے سرزد ہو اسکا فعل نہ سمجھا جاے۔ اور اگر کوئی ابھی تک پانی مین ہاتھ پاؤن مار رہا ہے تو اسے

غرق نہین کہتے اور اگر اس حالت اضطرار مین چلایا کہ آہ مین ڈوب گیا تو اُسے بھی استغراق نہین کہتے جو لوگ انا الحق کہہ گزرے ہین اُسکے یہی معنی ہین۔ لوگ سمجھتے ہین کہ بڑا دعویٰ کیا۔ لیکن درحقیقت انا العبد کہنا اور دعوی عبدیت کرنا بڑا دعوی ہے اور انا الحق کہنا بہت بڑی تواضع کرنا ہے۔ جو کوئی کہ انا العبد کہتا ہے وہ دو ہستیون کا اثبات کرتا ہے ایک اپنی ہستی کا دوسرے خدائے بزرگ و برتر کی ہستی کا لیکن جو انا الحق کہتا ہے وہ اپنے آپکو معدوم و برباد کرتا ہے اور کہتا ہے انا الحق یعنی من نیستم ہمہ اوست۔ جز خدا را ہستی نیست اور یہ کہنا غایت تواضع و افگندگی کے باعث ہے لیکن لوگ یہ نہین سمجھتے کہ ایک آدمی بندگی کرتا ہے اگرچہ خدائے بزرگ و برتر کے واسطے کرتا ہے لیکن آخر بندگی درمیان مین ہے اپنے آپ کو دیکھتا ہے اور خدا کو بھی دیکھتا ہے اور غرق آب نہین ہوتا۔ غرق آب وہ شخص ہوتا ہے کہ اُسمین کوئی حرکت و فعل باقی نہ رہے۔ جو حرکت ہو پانی ہی کی حرکت ہو۔

سلطان ولد رح اپنی وفات کی رات کو یہ بیت پڑھتے تھے ؎ امشب شب آنیست کہ بینم شادی دریابم از خدائے خود آزادی۔ دسوین شب ماہ رجب ۷۱۲ھ کو آپ نے وفات پائی۔

انکی وفات کے بعد چلپی عارف آپکے صاحبزادہ باپ دادا کی جگہ پر متمکن ہوئے اور سولہ سال حق سجادہ ادا فرماتے رہے۔ چلپی عارف عارف مادر زاد تھے۔ پانچ ہی سال کی عمر مین آپ سے خوارق عادت ظاہر ہونے لگین۔ خود مولانا روم نے اُنکی تربیت فرمائی تھی۔ اسقدر کرامتین اُنسے ظاہر ہوئین کہ مولانا روم رح و خواجہ شمس تبریز رح سے بھی اتنی ظاہر نہ ہوئی تھین۔ آپکا مشرب ملامتیہ تھا۔ کتاب مناقب العارفین مین آپ کے کمالات و حالات کا مفصل ذکر ہے۔ اس مختصر مین نہین سما سکتا۔ ۷۱۹ھ مین آپ نے وفات پائی۔ آپ کے بعد آپکے چھوٹے بھائی چلپی عابد بن سلطان ولد مسند ارشاد پر بیٹھے۔ وہ بھی صاحب کرامات و عالی درجات تھے۔ بکثرت خوارق عادات آپ سے ظہور مین آئین۔ مناقب العارفین مین آپ کا بھی ذکر تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ ۷۳۹ھ مین آپ نے وفات فرمائی۔ آپ کے بعد بھی چند پشت تک سجادہ مشیخت اس خاندان بزرگ مین قائم رہی اور آپ کی اولاد امجاد بھی خلق کی تعلیم مین اپنے آباو اجداد کے طریقہ پر مشغول رہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

عبد اللہ

یارون سے تمنائے ملاقات گئی — وہ ہم نہ رہے عزیز وہ بات گئی
یہ کہکے جوانی ہوئی رخصت ہم سے — نیند آئی ہے سوئین گے بڑی رات گئی

عزیز لکھنوی

گاؤ خر

چراگاہ مین ہے وہ اک رودبار   بہت صاف پانی بہت خوشگوار
چمکتے ہین پتھر تہ آب نہر   کنارے کنارے ہے سب سبزہ زار
درختون کا سایہ بھی ہے جا بجا   ہوا ہے خوش آئند دلکش بہار
سبھی جانور دھوپ سے بھاگ کر   یہین آکے لیتے ہین دم برقرار
عجب ایک دن کی حکایت سنو   کہ یکجا ہوے گاؤ خر ایک بار

لب آب اک گاے آئی کہین   کہ پیاس اور گرمی سے تھی بیقرار
پیا آکے پانی وہان خوب سا   تو آنکھون مین آنے لگا کچھ خمار
ندی کے کنارے ٹہلتی رہی   جگالی بھی کرتی رہی بار بار
پس از چند ساعت وہین ایک خر   تھکا ماندہ پہونچا بعد انتشار
پیے آکے پانی کے دو چار گھونٹ   تو گویا ملی راحت جان زار
مزے مین جو خرمستیان کین شروع   قریب آکے لی گاے نے اک ڈکار
کیا خر نے فی الفور جھک کر سلام   کہ عادت ہے مسکین کی انکسار
ادب سے جو پوچھا مزاج شریف   تو کچھ گاے کے دل مین بھی آیا پیار
دیا سر جھکا کر یہ خر کو جواب   کہ ہان خیریت ! شکر پروردگار

زیادہ نہ تھی فرصت قیل وقال   مگر بول اُٹھی گاے خر سے کہ یار
سنا ئین کسے جاکے ہم درد دل   بشر کے مظالم تو ہین بے شمار
بنایا ہے انسان نے ہم کو غلام   حکومت ہے ان کی بہت ناگوار
غلامی سے آزاد ہون جانور   اسی فکر مین ہون مین سینہ فگار
نکالو تمھین کوئی تدبیر اب   کہ نکلے کسی طرح دل سے غبار

کہا ہنسکے خر نے کہ آخر سبب   مناسب نہین ہے یہ غم زینہار
خداوند نعمت کا واجب ہے شکر   کہ احسان سے اسکے ہین ہم زیربار

خفا ہو کے بولی کہ او بیوقوف   خبر کیا تجھے ہے جو کچھ حال زار

ذرا دیکھ تو کھول کر چشم غور — کہ ہے دست دہقان سے اپنا فشار
بلا سے جو بچے ہون بھوکھے مرے — کرون دودھ کم ہو سب زہر مار
مری آہ و فریاد سنتا ہے کون — نہین ذات پر اپنے کچھ اختیار
کبھی دل مین آیا رہا کر دیا — کبھی ہے گلے مین رسن استوار
گھما کر یہ دُم ایک ہنٹر لگاؤن — یہی جی مین آتا ہے بس بار بار

کہا خر نے بی گائے کچھ خیر ہے — ذرا خواب غفلت سے ہو ہوشیار
شکایت نہین چاہیے آپ کو — کہ احسان دہقان کے ہین آشکار
میسر ہے سب آب و دانہ تمہین — زراعت سے کھلتے ہین بیل و نہار
ہری کھیتیان پُر فضا سبزہ زار — اسی کے یہ دم سے ہے ساری بہار
بشر حضرت حق کا ہے اک سفیر — ملا ہے اسی کو یہ سب اقتدار
زمانہ مین ہے اسکا سکہ روان — یہی تو چلاتا ہے سب کاروبار

یہ سب سُنکے وہ گائے جھنجھلا گئی — چلی دیکھتی جانب سبزہ زار
مگر اپنے دل مین یہ کہتی چلی — کہ کہتا ہے سچ یہ خر نابکار

نظم سفیر

(ترجمہ)

وجہ بیتابی فراق و وصل دلبر ہو گئے — جب نہ دیکھا رو دیے دیکھا تو مضطر ہو گئے
دیکھکر وہ آنکھ بے حس ہو گئے سب اہل بزم — آدمی تاثیر سے جادو کی پتھر ہو گئے
بات مانو یا نہ مانو رحم کھاؤ یا نہ کھاؤ — یہ بتا دو کیون جوان ہو کر ستمگر ہو گئے
ابر نیسان و شعاع مہر کا دعوی غلط — ہان ترے نیرنگ قدرت لعل و گوہر ہو گئے
بھر گئی مستی اُن آنکھون مین جوانی آ گئی — اب شراب حسن سے لبریز ساغر ہو گئے
یہ بھی شوخی ہے کوئی شوخی پر بسے بیدرد تو — ایسی چٹکی لی کلیجہ مین کہ مضطر ہو گئے
سادگی مین شاہد گل کی ادا ہی اور تھی — قطرۂ شبنم عبث کانون مین گوہر ہو گئے
خانہ بربادی سے پائی ہر حسین کے دل مین جا — سیکڑون گھر مل گئے ہم کو جو بے گھر ہو گئے
لذت زخم جنون شاید نہین تقدیر مین — میرے سر تک آتے آتے پھول پتھر ہو گئے

اے قضا کہتے ہین رنگ حافظ شیراز ہم
ذکر کیا اُنکا جو اُردو مین سخنور ہو گئے

جلال الدین محمد اکبر بادشاہ
کے
ایک سپہ سالار کی بہادری کا قصہ

آج سے تین سو برس پہلے کا قصہ ہے کہ دو سو بہادر مغلون کا ایک رسالہ راجپوتانہ کی سرحد پر سے گزر رہا تھا کہ اکبر کی فوج سے جا ملے۔ ان دنون اکبر گجرات کے فتح کرنے مین مشغول تھا۔

سورج کی شعاعون مین انکے ہتھیار جگمگا رہے تھے اور رانکی رنگین وردیان عجب بہار دکھا رہی تھین۔ یہ چھوٹی سی جماعت سر سے قدم تک اونچی بنی ہوئی زرہ بکتر پہنے ہوئے ہتھیارون سے مسلح لوہے مین غرق تھی۔ انکے چہرون پر شان برس رہی تھی اور رانکے اسلحہ کی چمک اور صورتون کی تازگی سے معلوم ہوتا تھا کہ ان لوگون کو اپنے گھرون سے نکلے ہوئے زیادہ عرصہ نہین گزرا۔ انکا نوجوان رئیس عباس خان ایک مغل سردار کا بیٹا تھا۔ جسکے محل سے یہ رسالہ چند ساعت پہلے نکلا تھا۔

عباس خان بلند بالا اور خوش رو جوان تھا اور جب اُسکو یہ خیال آتا کہ عنقریب اپنے غازی شہنشاہ کے پرچم کے نیچے اپنی بہادری اور جوانمردی کے جوہر دکھائیگا اور دربار شاہی سے ناموری کے تمغے پائیگا تو اُسکا پرجوش چہرہ چمک اوٹھتا تھا۔ اسی رسالہ سے چند میل کے فاصلہ پر ایک اور جماعت عباس خان کے راستہ کی طرف آ رہی تھی یہ ہندوؤن کی برات تھی کہ دولھن کو اُسکی سسرال لیجا رہے تھے۔ آفتاب اب غروب ہوگیا اور اندھیرے نے اپنی سیاہ چادر سے تمام جہان کو ڈھانک لیا ہندوؤن کی جماعت اسوقت نہر وہنی کے کنارے مرگھٹ مین سے گزر رہی تھی کہ اتنے مین لٹیرون کے ایک گروہ نے اُنپر حملہ کیا اور باسانی اُن تھوڑے سے راجپوتون پر جو دولھن کے ہمراہ تھے غالب آگئے اور منتشر کر دیا اوسکے بعد اُنھون نے پینس پر حملہ کیا اور پردون کو چیر پھاڑ کر اپنے بیرحم ہاتھون سے ایک خوبصورت ماہ وش نازنین کو باہر کھینچ لیا۔ تلسی بائی خوف زدہ ہو کر ان خونخوار چہرون کی طرف تکنے لگی۔ افسوس! اسکی عمر صرف پندرہ برس کی تھی اور یہ اکلوتی لڑکی اپنے ماں باپ کے آنکھون کا نور اور دل کا سرور تھی پندرہ برس اُسنے عیش و آرام مین بسر کیے تھے اور اُسکے ناز اُٹھانے مین

لے اوس دولھن کا نام ہے۔

سکے والون نے کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا تھا۔ اب جو بیچاری یکایک راہزنون کے ہاتھ مین پھنس گئی تو اُسکے خوف و دہشت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اُنکو تو وہ بھولے بھالے بچپن مین عفریت اور دیو سمجھا کرتی تھی۔ اس تک بھی اُسنے ایسے ظالمون کو دیکھا نہ تھا۔ فقط نام سُنا تھا۔

اگر یہ بات ٹھیک ہو کہ خوبصورتی وحشی سے وحشی جانور کو رام کر سکتی ہے تو ان سنگدلون کو موم بنانے کے لیے اُسکا دلربا چہرہ کافی تھا۔ لیکن اُسکی سرگین نگاہون اور التجا کرنیوالی آنکھون کے جادو نے بھی اُنپر کچھ اثر نہ کیا۔ بلکہ نہایت درشت و سخت آواز سے اُنھون نے زر و جواہر اُس سے مانگا انتہا خوف کی وجہ سے وہ گہنا اُتار نہ سکی۔ اُسکے کانپتے ہوے نازک ہاتھ اُن بے بہا موتیون تک جو اُسکے کان اور گلے مین تھے نہ پہونچ سکے اس حکم کی تعمیل مین یہ تاخیر دیکھکر اُنکے گستاخ ہاتھ اُس غریب کی طرف بڑھنے والے ہی تھے کہ عباس خان اور اُسکے ہمراہی خدا کی طرف سے مدد کے لیے پہونچگئے۔ بزدل لٹیرون کو ان سوارون کے مقابلے کی تاب کہان تھی سب کے سب فرار ہوگئے ہیں سوارون نے اُنکا تعاقب کیا تلسی بائی عالم حیرت مین زمین پر بیٹھ گئی ابتک یہ سارا واقعہ اُسکی سمجھ ہی مین نہ آیا اور ابھی تک یقین نہ آیا کہ اب ظالمون کے پنجہ سے نجات پاکر اپنے ایک محسن کی حفاظت مین آگئی۔ افسوس اُسکے بھولے بھالے دلکو خبر تک نہوئی کہ ظلم کے پنجہ سے نجات ملگئی تو کیا ہوا اب اُس سے بڑھکر ظالم یعنی عشق کے پھندے مین پھنسنا ہے۔

عباس قریب آیا تو تلسی بائی کی نظر اُسپر پڑی اُسکے چہرہ پر سرخی چھاگئی ساتھ ہی اُسمین چمک بھی پیدا ہوگئی۔ اب اس سرخی کو شرمندگی احسان خیال کیجیے یا کچھ اور۔ غرضکہ اُسکے خیال مین اگر وہ ڈاکو دیو تھے تو عباس فرشتہ معلوم ہوا۔ عباس کے چہرہ پر بھی اسوقت وہ جلالت اور رونق برس رہی تھی کہ تلسی بائی نے کبھی ایسا خوبصورت شاندار جوان نہ دیکھا تھا خصوصاً اس زرق برق زرہ مین جو عباس اُسوقت زیب بدن کیے ہوے تھا۔ اودہر عباس نے بھی کبھی ایسی حور وش نازنین کو نہ دیکھا تھا اور پھر اس حالت مین کہ اُسکی جادو اثر نگاہون کی دلفریبی کو آنسوؤن نے دوبالا کر دیا تھا اور عروسانہ پوشاک نے اُسکے دلربایانہ انداز مین چار چاند لگا دیے تھے۔ ایک ہی نظر مین دونون گھائل ہوگئے۔ عباس کا دل بے قابو ہوگیا اور اُسپر ایسا جادو چل گیا کہ وہ عباس جو پہلے عشق کے نام سے ناواقف تھا اب جلوہ گاہ حُسن مین بندہ بے درم بنا کھڑا ہے اور وہ عباس جو ابھی تھوڑی دیر پہلے دشمن کو پسپا کرنے کے صلہ مین انعام شاہی کا تصور باندھے ہوے تھا اب عشق نے اُسکو ایسا [illegible] دیا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ میری ناموری ہے تو اسی مین کہ میری جان اس نازنین کے قدمون پر [illegible]

میدان مقام ہے تو یہی کہ اتنی بات اُسکے مُنھ سے نکل جائے کہ "عباس تو ہارا ہو چکا اب دوسرے خیال چھوڑ دو"
اُسکے جی میں تھا کہ بس اب باقی عمر اُسی کے ساتھ بسر کیجیے جسکے حوالہ دل کر دیا ہے۔ اب مجھ دنیا سے کیا مطلب"
لیکن غیب سے آواز آئی کہ "عباس دیکھا کیا کرتا ہے۔ تیرا خیال غلط ہے۔ تیری ناموری اسمین
ہرگز نہین ہے کہ تو ایک بے بس اور بے کس لڑکی پر اس طرح تعجب کرے تو اپنے فرض کو بھول گیا تیری شان
کے ہرگز شایان نہین کہ دشمن کو نشانہ بنانے کے عوض تیر عشق کا خود ہدف بن جائے اور ایک غریب لڑکی
کی خوبصورتی دیکھ کر اسقدر بزدل ہو جائے کہ اپنے اور اپنے آبا و اجداد کی عزت کو فدا کر دینے کو مستعد ہو۔ ہرگز
نہین! ہرگز نہین! جا اپنا کام کر۔"

تھوڑی دیر تک عباس طرح طرح کے خیالات مین اُلجھتا رہا۔ سوچا کیا کہ آخر اسکو کیا کرنا چاہیے
کبھی کہتا تھا کہ میدان جنگ مین مارنا اور مرنا اس سے بہتر ہے کہ وہ عشق کا شکار بنجائے۔ کبھی یہ خیال آتا تھا
کہ کچھ ہو مین تو تلسی کو نہین چھوڑون گا پھر سوچتا کہ ساری دنیا مجھے کیا کہے گی مین جا رہا ہون کس کام کو
اور مشغول کس کام مین ہو جاؤن۔ غرض کہ عزت کے خیال نے اُسکو اکبر کے پاس جانے پر آمادہ کر دیا اور
اپنے مضطرب دل کو دونون ہاتھون سے تھام کر تلسی بائی کو پینس مین بٹھا دیا اور جب اُس کے ہمراہی جو
ادہر اودہر چھپے ہوے تھے واپس آ گئے تو سب ملکر تلسی بائی کے سسرال کے راستہ پہ ہو لیے۔ عباس پالکی
کے ساتھ ساتھ کچھ سوچتا جا رہا تھا تلسی بائی کو وہ تو دیکھ نہ سکتا تھا لیکن تلسی بائی بار بار پینس کے پردون
مین سے اُسکی طرف محبت کی نظرون سے دیکھتی جاتی تھی اور ہر ایک نظر اُسکے دل مین اُس نوجوان
اجنبی کی محبت اور توقیر زیادہ کرتی جاتی تھی۔ تلسی بائی کے سسر کا محل اب نظر آنے لگا اور یہ جماعت
اُس مقام پر پہونچی جہان تلسی اور عباس اپنے اپنے دلون کو ایک دوسرے کے حوالے کر کے ہمیشہ کے لیے خیرباد
کہنے والے تھے۔ عباس آواز حزین سے "خدا حافظ" کہتا ہے اور وہ نازنین بیقرار ہو جاتی ہے اور پردہ
کو اوٹھا کر ایک بیش بہا الماس کی انگشتری اپنے حامی مونس محسن کے ہاتھ مین دے دیتی ہے۔ آخر مرتبہ
نظرون دوچار ہوتی ہین اور دونون حسرت و یاس سے ایک دوسرے کا دم بھرتے ہوے اپنی اپنی منزل
مقصود کی طرف روانہ ہو جاتے ہین۔ اسمین کچھ شک نہین کہ تلسی کی اس حرکت پر اُسکو سخت مصیبتین جھیلنی پڑین گی
لیکن اُسکے دل سے اس پیاری تصویر کو کون مٹا سکتا تھا جو ہمیشہ کے لیے نقش ہو گئی تھی اُسکی شادی
ہو بھی جائے اور خدا اولاد بھی عطا فرمائے لیکن جو یاد کہ اُسکی جان کے ساتھ وابستہ ہو گی وہ اُسی خوبصورت
خوب رو نوجوان اجنبی کی ہو گی۔ اور ہر عباس سے وہ بھولی بھالی پیاری شکل کہان بھولی جا سکتی تھی
میدان کارزار ہو یا اپنا گھر۔ جنگ کا وقت ہو یا امن و امان کا وہ ہمیشہ حسرت آگین نگاہون سے اُسکی

نازنین کا دم بھریگا۔ جسکو اُسنے لیٹیرون سے بچایا تھا۔

باب دوم

اس واقعہ کو ایک سال گزر گیا اور عباس خان کو نہر رودہنی کے کنارے کنارے جانے کا دوسرا مرتبہ اتفاق ہوا۔ وہ ایک عربی نژاد گھوڑے پر سوار تھا۔ یہ خوبصورت جانور اُس غنیمت مین ملا تھا جو فتح گجرات کے بعد عباس خان کے حصہ مین آئی تھی۔ اسکے زرہ بکتر خود سپر اُسی آب وتاب سے چمک رہی تھی جیسے اُس موقع پر جب ہم نے اُس سے اور ناظرین سے تعارف کرایا تھا۔ لیکن اس سبب سے کہ سال بھر جنگ وجدال کرنے کے بعد واپس آرہا تھا اُسکی سپر پر تلوارون اور نیزون کے نشان پڑے ہوے تھے اکبر کے ساتھ اُسنے سورت مین دشمن کا مردانہ وار مقابلہ کیا تھا اور صرف ایک سورت ہی مین نہین بلکہ کئی اور موقعون پر بھی اپنی دلیری اور ہمت کا بڑی خوبی سے امتحان دیا۔

اب جنگ ختم ہو گئی تھی اور عباس کا باپ اس دار فانی سے کوچ کر چکا تھا اور یہ اپنے باپ کے مال واملاک پر قبضہ کرنیکے لیے جارہا تھا۔ ایک سال کی مدت گزری کہ اُسنے اسی مقام پر ایک نازنین کا جمال جہان آرا دیکھا تھا جو تھوڑی دیر کے بعد ایک خواب کی طرح اُسکی نظرون سے غائب ہو گیا۔ وہ ایسے مقام پر جارہا تھا جہان اُسکو اکیلے زندگی بسر کرنا پڑے گی۔ وہ سوچتا تھا کہ عزت اور نشان کو لیکر کیا کریگا جب اسکے دورہم نشینی کے لیے جہان مین بجز اُنکی یاد کے جن سے اُنکو محبت تھی اور کوئی مونس نہین۔ اُسکو خیال آتا کہ رفتہ رفتہ اُن عزیزون کی یاد بھی بھول جائے گی جسکے بعد افسوس وہ خیال یار بھی نہ رہے گا جو اُسکی بیچینی کے وقت ہمدرد کا کام دیتا۔ انھین غمگین خیالون مین مستغرق وہ رہنی کے کنارے کنارے چلا جارہا تھا اور اُسکے خیال کا حال تازی کی چال سے ظاہر ہورہا تھا عباس اپنی آیندہ حالت کی تصویر ہو بہو اس بیت مین پاتا تھا۔ ؎

نہ مونسے نہ رفیقے نہ ہمدمے دارم　　حدیث دل بہ کہ گویم عجب غمے دارم

چلتے چلتے اُسکی نظر ایک ارتھی پر پڑی جو مرگھٹ کی طرف جارہی تھی۔ یہ میت ایک لڑکے کی معلوم ہوتی تھی جسکے ریشمی کفن اور ہمراہیون کے جم غفیر سے معلوم ہوتا تھا کہ کسی امیر کا لڑکا ہے عزیز اقارب دوست احباب سبھی ساتھ تھے۔ ریشمی لباس پہنے ہوے چار برہنہ سر برہمن ڈولے کو اُٹھائی ہوے تھے جسکے آگے آگے برہمنون کی ایک اور جماعت ننگے پیر سر پر سفید کپڑا باندھے ہوے رام رام ست ہے پکارتی ہوئی جارہی تھی۔ یہ جماعت وقتاً فوقتاً چاول اور جوار اور پیسے مٹھی بھر بھر کے

ہوئے پرستے نثار کرتی تھی بداریت اُسکے آگے آگے ایک انگیٹھی مین آگ لیے ہوے تھا جس سے
اُس میت کو جلانا چاہتے تھے۔ اس غول مین دو گھوڑے تھے۔ ایک پر نقارہ تھا اور دوسرے پر ایک
سوار لپٹا ہوا جھنڈا ہاتھ مین لیے جا رہا تھا۔

جس وقت یہ ارتھی مرگھٹ کے پاس پہونچی تو یہ بات فوراً ظاہر ہوگئی کہ یہ لوگ ستی کی رسم
ادا کرنے والے ہین میت کے نزدیک ایک کمسن عورت کھڑی تھی جسکی صورت سے ظاہر ہوتا تھا کہ
یہ وہ بدنصیب بیوہ ہے جو اپنے شوہر کے ساتھ عنقریب آگ مین جھونکی جائیگی۔ اکبر بادشاہ ایسی ظالمانہ
اور وحشیانہ رسم کے بالکل خلاف تھا اُسنے ایک قانون بھی جاری کیا تھا جسکے رو سے کوئی بیوہ اپنی
مرضی کے خلاف شوہر کے ساتھ نہ جلائی جاوے۔ عباس اس منظر کو بہت دیر تک حیرت اور شوق
سے دیکھتا رہا۔ ہمیشہ وہ بڑے جوش و خروش سے اپنے ہر دلعزیز بادشاہ کے احکام کو پورا کرنے کی
دل سے کوشش کیا کرتا تھا۔ اب جو اُسکو معلوم ہوا کہ ستی کی خوفناک رسم ادا ہونے والی ہے تو اُسنے
مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ ہرگز اس موقع پر اپنی آنکھوں سے بادشاہ کے حکم کی خلاف ورزی ہوتے دیکھیگا
بلکہ بجبر اسکا حکم جاری کرا کے چھوڑیگا۔

اس خیال سے وہ آگ کے قریب بلا خوف و خطر پہونچ گیا اور اُس لعنت و ملامت کی کچھ پروا
نہ کی جو برہمنون نے اُسکی اس بیجا حرکت پر کرنا شروع کی تھی۔ نزدیک پہونچتے ہی اُسکی آنکھون نے
ایسے شخص کو دیکھا جس سے ملنے کی امید نہ تھی اُسکے حیرت اور تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ عورت جسکے
نازک بدن اور گورے گورے جسم کو آگ کے مہیب شعلے جلا کر راکھ کر دینے والے تھے وہی بدنصیب تھی
جسکو ایک برس پہلے عباس نے لٹیرون کے پنجہ سے نجات دی تھی۔ تلسی بائی کا شوہر ایک دائم المرض
نحیف کمسن لڑکا تھا۔ تلسی اُسکے ساتھ شفقت اور محبت کرتی تھی اور وہ اُسکو اپنی بہنون سے بڑھکر
چاہتا تھا اور اُسکے پیارے ہاتھون کے سوا کسی اور کے ہاتھ سے دوا نہ پیتا کسی علاج سے اُسکو فائدہ
نہوا اور آخر اُسکا وقت آگیا۔ قضا کے آگے کسی حکیم یا ڈاکٹر کی کچھ چل نہ سکی سچ کہا ہے ع چون قضا
آید طبیب ابلہ شود۔ اور بموجب آیہ کریمہ اذا جاء اجلهم لا یستاخرون ساعة ولا یستقدمون
تپ مزمن کی مہلک شکایت سے جان بحق تسلیم ہوا۔

بیچاری تلسی بائی کو خود جینے کی اب خواہش نہین رہی کیونکہ ہنود مذہب مین نکاح ثانی
کی ممانعت تھی اور اسی وجہ سے نکاح کی خواہش اگر اُسکو تھی بھی تو وہ اُسکو پورا نہ کر سکتی تھی۔ وہ
جانتی تھی کہ اُسکے بالون مین اب خوشبودار تیل نہین لگایا جائیگا اور وہ پیاری پیاری زلفین جنکا

کام دلون کو پھانسنا تھا افسوس کہ اب کس بیکسی کی حالت مین پڑی رہیگی۔ انمول اور بیش بہا جواہرات اور قیمتی پوشاک کے عوض اب اُسکو سفید لباس پہننا ہوگا۔ اور سب سے زیادہ وہ چیز جو اُسکو مرنے پر اُبھار رہی تھی یہ خیال تھا کہ شریر النفس لوگ اُسکے شوہر کے مرنے سے بدگمانی کرینگے اور جو کوئی دیکھیگا حقارت اور ذلت کی نظر سے دیکھیگا ان تمام وجوہات سے ممکن ہے کہ اُسنے برہمنون سے اپنی رضامندی ظاہر کردی ہو جنھون نے اس بدنامی سے بچنے کا سہل طریقہ یہ بتایا تھا کہ شوہر کی محبت کا دم بھرتی ہوئی اُسکے ساتھ آگ مین جل جاے۔ تلسی بائی نے چند لحظون کی تکلیف کو عمر بھر کی مصیبت کے خوف سے گوارا کرلیا۔ اُسکی شکل زندہ درگور کی سی ہوگئی تھی۔ اُسکے گلے مین بیش بہا جواہرات تھے جو عنقریب برہمنون کو ملنے والے تھے۔

عباس خان کی نظر تلسی بائی پر پڑی دیکھا کہ ایک بےحس و حرکت پتھر کی مورت سامنے کھڑی ہے۔ اب تلسی بائی کی آنکھون نے بھی پہلی مرتبہ عباس کو دیکھا جسکے دوبارہ دیکھنے کی امید اُسکو ہرگز نہ تھی۔ اُسکی صورت پر جو مردنی چھائی ہوئی تھی وہ رفع ہوگئی۔ چہرہ دمکنے لگا اور فوراً امید نے اُسکو اپنی جھلک دکھادی۔ تلسی بائی کو یہ خیال پیدا ہوا کہ بیشک اس عمر مین دنیا کو خیرباد کہنا اور بیحسرتون اور آرزوٗن کو دل ہی دل مین لیے ہوے اُنکی تمام امیدون پر پانی پھیرنا اپنی جان پر صریح ظلم کرنا ہے۔ عباس تو پہلے ہی تلسی بائی کو دل حوالہ کرچکا تھا اب جو اُسکو اس بیکسی اور لاچاری کی حالت مین دیکھا تو اُس سے نہ رہا گیا۔ گھوڑے کو ایڑی دی اور برہمنون کے سردار کے پاس پہونچا اور ڈانٹ کر یاد دلایا کہ "اکبری فرمان اس رسم کی ممانعت کرتا ہے جبتک کہ خود بیوہ راضی نہو"

برہمن نے استقلال سے جواب دیا "جناب آپ خود دریافت کرلین اس نے خود اپنی رضامندی ظاہر کی ہے تاکہ اپنے شوہر کے ساتھ جل کر اپنی محبت کا ثبوت دے"

عباس پھر تلسی بائی کی طرف مخاطب ہوا اور بولا "اے مصیبت کی ماری عورت سُن لے کہ اکبر بادشاہ کسی بیوہ کو بغیر اُسکی مرضی کے ستی ہونے کا ہرگز روادار نہین۔ کیا تیری یہی مرضی ہے کہ اس اُٹھتی جوانی مین اور ایسے موسم شباب مین جان سے ہاتھ دھوئے"

ان الفاظ نے تلسی بائی پر یہ اثر کیا کہ گویا اُسکے تمام بدن مین بجلی دوڑ گئی۔ دونون ہاتھون کو عباس کی طرف پھیلا کر نہایت دردناک آواز مین چلائی "میرے آقا! میرے سردار! آپنے پہلے بھی ایک مرتبہ میری جان بچائی ہے للہ ان ظالمون کے پنجہ سے مجھے چھڑائیے۔ لیکن افسوس وہ تو میرے جلانے پر تُلے ہوے ہین اور اگر آپ اُنکے ارادون مین مزاحم ہوے تو مجھ سے پہلے آپکو

قتل کر دیجئے جلد نکل جائیے اس ہیبت ناک مقام سے اپنے تئین بچائیے اور مجھے میری تقدیر پر چھوڑ دیجئے"۔

تلسی بائی کی اس فریاد نے برہمنون کو خوف دلایا کہ کہین وہ اپنے شکار سے محروم نہ رہجائین فوراً انھون نے عباس خان سے کہا "یہ پہلے دلی رضامندی ظاہر کر چکی ہے۔ آخری وقت کے الفاظ جو محض موت کے خوف سے نکلے ہین وہ قابل سماعت نہین ہین" اسکے ساتھ ہی انھون نے اوس آتشکدہ سے لکڑیون کو اٹھا لیا کہ عباس اگر انکو اس ارادہ سے باز رکھیگا تو وہ بھی جان توڑ کر مقابلہ کرنگے

عباس خان گھوڑے کو آہستہ آہستہ تلسی بائی کے نزدیک لیگیا اور فوراً اسکے کان مین کہا کہ "اگر مین بھی اتر پڑون تو اچھا نہین ہوگا۔ میری رکاب مین پاؤن رکھیے اور میرے ہاتھ کو مضبوط تھام لیجیے۔ مین آپ کو اپنے پیچھے بٹھا لونگا۔ آپ گھوڑے پر آ جائینگی تو یقین جانیے کہ ہم غول ہاے بیابانی سے بچ گئے" شہزادی نے فوراً اسکے حکم کی تعمیل کی اور آن کی آن مین اپنے عاشق کا ہاتھ پکڑ کر گھوڑے پر چڑھ گئی۔ اور ساتھ ہی عباس خان نے اپنے مکان کی طرف باگ موڑی اور بآسانی اس مجمع کو چیرتا پھاڑتا نکل گیا۔ یہ سب واقعہ اسقدر جلد ہوا کہ برہمنون کو مقابلہ کا موقع ہی نہ رہا۔ اگر تعاقب کرتے تو کہانتک؟ یہ گھوڑے پر باد پیمائی کر رہا تھا اور وہ پیدل غرض کہ اس طرح سے عاشق و معشوق نے اس مصیبت سے نجات پائی۔

لیکن تھوڑی ہی دور نہ گئے تھے کہ انکو ایک اور مصیبت کا سامنا ہوا۔ وہین ہی قریب دو راجپوت سوار عباس خان اور برہمنون کا واقعہ دیکھ رہے تھے لیکن دوری کی وجہ سے انکی مدد کو نہ پہونچ سکے۔ اب انھون نے اسکو روکنا چاہا۔ فوراً عباس نے اپنی محبوبہ سے دونون ہاتھ کمر مین ڈالنے کو کہا۔ اسنے ایسا ہی کیا۔ عباس نے تلوار نکال لی اور اپنے داہنی طرف کے راجپوت پر جو زیادہ تر زور آور معلوم ہوتا تھا وار کیا تھوڑی دیر تک تینون مین تلوار چلتی رہی آخر کار عباس نے بائین طرف کے راجپوت پر ایسی ضرب لگائی کہ اسکو بیکار کر دیا اور فوراً دوسرے راجپوت پر جھپٹا اور اسکو اسکے گھوڑے سمیت زمین پر الٹ دیا۔ پہلا راجپوت اپنے ساتھی کی مدد کرنے کے لیے گھوڑے پر سے اتر پڑا۔ عباس کا راستہ صاف ہو گیا۔ فوراً چل نکلا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے باپ کے محل مین پہونچ گیا جہان اسنے تلسی بائی سے شادی کر لی۔ تلسی بائی کا باپ عباس کو اس سے روک تو نہ سکتا تھا مجبوراً راضی ہو گیا بلکہ دل ہی دل مین خوش ہوا کہ کہین تو تلسی بائی سلامت رہے۔

عباس خان نے پہلے ہی سے اپنی جوانمردی کی وجہ سے اکبر کی نظرون مین عزت حاصل

کرلی تھی اب جو اُسنے ستی سے ایک عورت کی جان بچائی اور بادشاہ کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہونے دی تو اور بھی مقرب ہوگیا۔ خلعت سے سرفراز ہوا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ مین اکبری دربار کا ایک نامور سردار اور محترم مشیر بنگیا۔

محمد قطب الدین حسین

مجذوب کی بڑ

مین نے بی اے کی ڈگری حاصل کرلی ہے۔ لوگون نے مجھے انجمن کا پریزیڈنٹ تسلیم کرلیا ہے اب مین کونسل کی ممبری کی درخواست کرونگا۔ اسکو کامیابی کی بہت بڑی امید ہے۔

مجھے کونسل کی ممبری نہین چاہیے۔ مین ایسے محکمہ کی ممبری لیکر جان جوکھون مین نہین پڑنا چاہتا یہ عہدہ میرے لائق ہی نہین۔ پارلیمنٹ کی ممبری کی کوشش کرونگا ذرا دقت پڑے گی مگر ناامیدی کی کوئی وجہ نہین۔

لیکن اگر مین پارلیمنٹ کا ممبر بننا چاہتا ہون تو مجھے تہذیب یورپ کی تقلید کرنی چاہیے مین انگلستان مین رہکر مشرقی تہذیب کا پابند نہین رہسکتا۔ میرے ساتھ میری جتنی بی بیان ہونگی مجھے ابھی سے اُنکا پردہ تڑوا دینا چاہیے تاکہ بے پردہ رہنے کی عادی ہوجائین اور میرے دوستون کو بھی پردہ کی ناگوار تکلیف نہ اٹھانا پڑے۔ پردہ ترقی مین بھی حارج ہوتا ہے اور مین ایسی عادتون کے بالکل خلاف ہون جن سے ترقی پر بُرا اثر پڑتا ہے۔

لیکن نہین مین پردہ نہین تڑواؤنگا مجھے پردہ سے اُنس ہے مین اپنی سب بی بیون کو پردہ مین رکھونگا۔ پردہ عصمت و عفت کا محافظ اور روحانی ترقیون کا ذریعہ ہے۔ عورتون کو خوش ہونا چاہیے کہ پردہ کی بدولت مردون سے زیادہ پاکباز ہین۔

مجھے اپنے آدمیون کو انگریزی پڑھانا چاہیے تاکہ وہ بھی اعلیٰ جنٹلمین ہوجائین اور رئیس یورپین بہادر سے ملنے مین نہ جھجکین۔ نہین مجھے انگریزی سے نفرت ہے۔ انگریزی تو نہ پڑھواؤنگا اس سے آدمی مین بدماغی آجاتی ہے وہ اپنے کو میرے برابر سمجھنے لگینگے آقا اور نوکر کا فرق اُٹھجائیگا

مین کوٹ پتلون پہنونگا۔ ان سے بدن بھی چست رہتا ہے اور صحت بھی عمدہ میرے ہم قوم مجھے دیکھکر خوف کھائینگے۔ اور یورپین میری عزت کرینگے۔ غور کیا جائے تو یہی تبدیل لباس میری ترقی کا ذریعہ اور ترقی کا اچھا ذریعہ ہوسکتا ہے۔

مین کوٹ پتلون نہ پہنونگا مجھے ہاتھ پاؤن کو قید مین رکھنے کی ضرورت نہین اپنی طرح اپنے
ہاتھ پاؤن کو بھی آزاد رکھنا چاہتا ہون مین ہندوستانی ہون ا ہندوستانیون کے لیے انکا دیسی لباس
ہی زیادہ مناسب ہے۔ کوٹ پتلون پہن لینے سے صاحب بہادر حقارت سے دیکھینگے اور قوم کے
نزدیک کرسٹان سمجھا جاؤنگا۔ اور مجھے اٹھنے بیٹھتے سخت تکلیف ہوگی۔
مجھے ہوادار بنگلے مین رہنا چاہیے۔ سول سرجن نے کہا تھا کہ علم الاجسام کی رو سے کھلے ہوے
مکان صحت کے لیے مفید ہوتے ہین وہان مین تندرست بھی رہونگا اور سرسبز منظر بھی پیش نظر رہے گا
دوسرے نئی تہذیب کی پرلطف زندگی ہوگی۔ ہان ہان آجکل تو وبائی امراض کا زور ہے ضرور ایسا ہی کرنا چاہیے
مین نئی تہذیب کے جوش محبت مین جنگل مین نہ بسونگا۔ مجھے اپنی قوم سے نفرت نہین ہے اور نہ تقلید
بیجا کا دماغ ہے مین آبادی ہی مین ہندوستانی طرز کا مکان بنوا سکتا ہون۔ یہان مجھے اپنی صحت کے لیے خوف
رکھنا چاہیے۔ اور اگلے زمانہ مین بھی تو مکانات تنگ گلیون مین تھے اسوقت وبائی امراض کی کبھی کثرت نہوئی۔
مین گریجوئیٹ ہون مجھے انگلش وائف حاصل کرنا چاہیے بغیر اُسکے میری انگریزی کو فروغ نہین ہو سکتا
میری قوم بالکل وحشی نہین ہے اسکی زندگی بھی متمدن ہے عورتین بھی لکھی پڑھی بکثرت ہین مجھے
اسکی ضرورت نہین کہ دوسری قومون سے ناتا جوڑون۔
میرے لیے ہندوستان کی سب سے بڑی سربرآوردہ ریاست نے وزارت کی خواہش کی ہے اور
برطانیہ عظمی بھی اپنا سفیر بنا کر جرمن بھیجنا چاہتا ہے۔ مین ہندوستان کی ملازمت نہ کرونگا اسمین صرف
ہم قومون ہی مین عزت ہوگی اور گورنمنٹ کی ملازمت سے ہر جگہ۔ اگر یہان رہکر وزیر کہلاؤنگا تو وہان
سفیر سلطنت۔ بادشاہون سے انٹروڈکشن ہوگا۔ وہ میری عزت کرینگے اور مین نائب السلطنت خیال کیا جاؤنگا
نہین نہین مین ایسا کرنے کے لیے مستعد نہین ہون۔ ہندوستان میرا وطن ہے اور اسکی ایک ایک
چیز میرے لیے مسرت بخش ہے۔ اسکے چھوڑنے کا خیال غلط یہانسے مسافرت کا قصد بیجا۔ مین اپنے
پیارے وطن کو تخت سلیمان سے خوشتر سمجھتا ہون۔ ہندوستان میرا پیارا ہندوستان نہایت دلفریب جگہ
ہے اسے کیونکر چھوڑ دون؟ یہان رہکر قوم وملک کی نفع رسانی کا موقعہ ملیگا تنخواہ بھی معقول ہوگی۔ ہندوستان
ہندوستان ہی ہے یہانکے دس اور جگہ کے سو سے بھلے ہین۔ اور یہان کا سا آرام اور چین کسی جگہ میسر نہین آسکتا۔
اچھا مین ہندوستان مین رہونگا۔ لیکن میرے جلیس خلوت انگریزی تہذیب سے آراستہ ہون۔
ابھی میری قوم پوری مہذب نہین ہوئی ہے مجھے خوف ہے کہ میرے خیال بوڑھون کے سے پست نہو جائین
نہین میری قوم مین اب بیداری پھیل گئی ہے اُسکے بکثرت ممبر روشن خیال ہین مجھ پر خراب اثر

نہین پڑ سکتا اُن مین قوت ہے اور ترقی کے راستون پر چل سکتے ہین۔

مین تہذیب مغرب کی قدر کرتا ہون کیونکہ وہ ترقی کے شاہراہ سے بہت قریب ہے اُسمین اخلاق بھی اچھا ہے اور تمدن بھی۔ جوش بھی ہے اور ہمت بھی۔ مین تہذیب مشرق سے نفرت کرتا ہون اسکی کوئی چیز تہذیب مغرب کا مقابلہ نہین کر سکتی اوسمین ضرورت سے زیادہ انکسار ہے۔

نہین مین غلطی کرتا ہون۔ مین منصف ہون اور انصاف کو پسند کرتا ہون۔ مشرقی تہذیب اچھی ہے اور بہت اچھی اُسنے سیکڑون سال تک ملک کو سیراب کیا اُسمین اعلیٰ اخلاق بھی ہے اور بہتر تمدن بھی یہ ہماری غلطی ہے کہ ہم نے اُسے برا سمجھکر چھوڑ دیا۔ اُسنے ہمین علو ہمتی شجاعت مروت احسان اور اخوت کا سبق دیا ہے۔ ہان مین انکسار کو اچھا جانتا ہون اُس سے آدمی ہر دل عزیز ہو جاتا ہے بیشک وہ بہت بڑھا تا ہے اسیر پست ہمتی کا جرم بے سرو پا جرم ہے۔ تہذیب مغرب اُسکی خوشہ چین ہے سینکڑون سال تک اُسنے تہذیب مغرب کو درست کیا ہے۔

مشرقی تہذیب! دنیا پر تیرا بڑا احسان ہے تو نے ترقی کی شاہراہ بتائی ہے۔ بیشک ہم تیرے مجرم ہین اور سخت مجرم۔

'وارفتہ مزاج'

مشاعرہ

کیننگ کالج کے بعض انگریز پروفیسرون اور جناب حامد علیخان بیرسٹرایٹ لا کی کوشش سے کالج کی عمارت مین ایک بزم مشاعرہ منعقد ہوئی تھی جسمین اکثر شعرائے لکھنؤ نے بھی غزلین پڑھی تھین۔ ذیل مین چند طرحی غزلیات کے چیدہ اشعار درج کیے جاتے ہین:۔ ایڈیٹر

جناب مولانا ثاقب قزلباش لکھنوی

نہ دل کا غم نہ فکر خانہ برباد کرتے ہین
ہم اپنے آپکو بھولے ہین تم کو یاد کرتے ہین

اسیرانِ قفس خود بھی بہت کچھ کہہ گزرتے ہین
چمن کے تذکرے آپسمین جب صیاد کرتے ہین

ہماری داستانِ غم رولاتی ہے زمانہ کو
وہ ہم ہین جو زبان غیر سے فریاد کرتے ہین

خدا آباد رکھے ہمصفیرانِ گلستان کو
جو کوئی پھول کھلتا ہے تو ہمکو یاد کرتے ہین

نہین معلوم مین کس حال مین ہون باغ عالم مین
قفس والے بھی مجھکو دیکھکر فریاد کرتے ہین

لحد پر چلنے والے تھم سکے ہم کچھ کہہ نہین سکتے
زمین رکھتی ہے منھ پر ہاتھ جب فریاد کرتے ہین

جناب مسٹر حامد علیخان حامد بیرسٹرایٹ لا

ہزارون طرح سے صاحب تمھین ہم یاد کرتے ہین
کبھی چپ ہین کبھی روتے کبھی فریاد کرتے ہین

اثر ہے یہ پریشانی مری جب یاد کرتے ہین
الٰہی خیر کرنا یہ دعا جلاد کرتے ہین

اوڑین جو خاک کے ذرے تو پیدا فرد کامل ہون
بجا ہے اسلیے مٹی مری برباد کرتے ہین

رگیں کھنچتی ہیں غش آتا ہے فرط ناتوانی سے
ہماری جان پر بنتی ہے جب وہ یاد کرتے ہیں

تری قدرت کا اے خالق یہ ادنیٰ سا نمونہ ہے
کہ ہم اس عالم ایجاد میں ایجاد کرتے ہیں

ہم انکے حکم سے آئے رہے کچھ دن گئے یاں سے
ہمارے حق میں اب کیا دیکھیے ارشاد کرتے ہیں

جناب مولانا سید علی نقی صفی

...رہ جاتے ہیں دل انکے بھی جو بیداد کرتے ہیں
کلیجہ تھام کر جب ناتوان فریاد کرتے ہیں

فنا کے خوق میں برسوں جنوں نے خاک چھانی ہے
وہ ہر ذرہ میں سیر عالم ایجاد کرتے ہیں

شمیم میکدہ آتی ہے بے باکانہ مسجد تک
جناب شیخ کیا اس باب میں ارشاد کرتے ہیں

نظر ہے محضر خون شہیدان محبت پر
کسی کا نام کٹتا ہے کسی پر صاد کرتے ہیں

زمانہ کی ہوا یہ بھی ورق اک دن الٹ دیگی
مگر اے کنج مرقد ہم تجھے آباد کرتے ہیں

لگی ہیں ہچکیاں دم توڑتا ہوں بستر غم پر
صفیؔ شاید وہ بیماروں کو اپنے یاد کرتے ہیں

جناب مرزا محمد ہادی عزیز

حقیقت میں جو سیر عالم ایجاد کرتے ہیں
وہ ہر ذرہ میں اک دنیائے آباد کرتے ہیں

اسیران محبت آپکو جب یاد کرتے ہیں
حجاب قدس الجھتا ہے یوں فریاد کرتے ہیں

ہمارے ضبط میں پنہاں ہے نظم عالم ہستی
نہ ہو تم کو یقین اسکا تو ہم فریاد کرتے ہیں

نہ پوچھ اے عشق پرمایہ حقیقت انکی ہلکنی کی
جو اپنے ساتھ اس دنیا کو بھی آزاد کرتے ہیں

نہ دیکھا ہوگا تونے یہ تماشہ دور دنیا میں
سنبھل اے پیر گردون دیکھ ہم فریاد کرتے ہیں

عدم کے قافلے سبکو خبر دیتے ہیں آآ کے
عزیزان وطن تمکو عزیزؔ اب یاد کرتے ہیں

جناب مرزا کاظم حسین محشر

وفور سوز غم میں جبکہ تم کو یاد کرتے ہیں
دھوئیں اٹھتے ہیں دل سے اسطرح فریاد کرتے ہیں

نہ جانے کیا گذر جاتی ہے زندان میں اسیروں پر
کسیکو جب کسی کے سامنے آزاد کرتے ہیں

سمجھنا تھا ہمیں کچھ حقیقت رنج پنہان کی
یہ مانا اور ہم خون دل ناشاد کرتے ہیں

شب فرقت میں جو جو حرکتیں ہیں اپنی اضطراری ہے
کبھی چپ بیٹھکر ہنستے کبھی فریاد کرتے ہیں

قفس کی تیلیوں پر گن رہے ہیں دن رہائی کے
حیات اپنی بسر یوں قیدی صیاد کرتے ہیں

کرشمہ سنجی نازک مزاجی میں ترے صدقے
حسین جسوقت کرتے ہیں یہی بیداد کرتے ہیں

مسلمانان ہند کی معاشرت

اور

اُسکی اصلاح

نمبر ۲

آجکل جو جوش کہ مسلمانان ہند کے ہر طبقہ مین اصلاح تعلیم کی طرف نظر آتا ہے اسکے قابل تحسین ہونے مین کسی کو کلام نہین اور عملی ثبوت جو وہ دے رہے ہین کسی محب قوم کے دل کو خوشی اور انبساط سے بھر دینے مین قاصر نہین رہ سکتا۔ مگر یہ واضح رہے کہ اتفاق و اتحاد اور ترقی کی چیخ پکارین کہین وہ اسکے حصول کے ایک بہت بڑے ذریعہ کو بھول نہ جائین اور صرف مغربی درسی تعلیم پر بھروسہ کرکے تمام امراض کے واسطے اُسے کافی نہ سمجھنے لگین کیونکہ ہمین کئی سال کے تجربہ کے بعد افسوس کے ساتھ اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ہمارے مصلحون نے اپنے آپ کو اس فرض کے انجام دینے مین چندان قابل رشک نہین ثابت کیا ہے جسکو قومی قوام بنانا کہہ سکتے ہین۔ اس نئی تعلیم کو ابھی دیکھنا ہے کہ وہ آئندہ زمانہ مین کہانتک ہماری رہنمائی کر سکیگی اور معاشرت کی اصلاح مین کس حدتک حالت موجودہ کو ترقی دیگی اسلیے ضروری ہے کہ بغیر اسکے کہ ہم کوئی ذریعہ اصلاح ڈھونڈھین حالات موجودہ کو انکی حالت پر چھوڑ دین۔ ہمین آزادانہ طور سے اس خاص مسئلہ کی طرف توجہ اور کوشش مبذول کرنا چاہیے اور مشرقی اور مغربی دونون طرح کے تعلیم یافتہ گروہون کو یکجہتی کے ساتھ زمانہ ماضی کے اخوان صفا کی پیروی کرکے اپنی قوم کو اُن عیوب معاشرت سے جنکی وجہ سے مہذب قومین اُسکے نام دھرتی ہین پاک اور مبرا کرنا چاہیے۔

ایسے بہت سے حقیقت دان اور ذی فہم مصلحان قوم نکلین گے جنکے دلون مین مسلمانون مین اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی تمنائین جوش مار رہی ہین مگر شاید وہ پورے طور سے اس راز کو نہین سمجھتے کہ یکجہتی معاشرت حصول مدعا کا سب سے پہلا زینہ ہے اور بلا اسکی مدد کے سچا اتفاق کبھی پیدا نہین ہو سکتا۔

[redacted]

جو نوعیت ہمین اس ملک کے مسلمانون کے مختلف طبقات کے طریقہ ہائے بود و باش مین نظر آتی ہے اسکی مثال نہ زمانہ حال کے اسلامی ممالک مین اور نہ زمانہ گذشتہ کی تاریخ مین کہین پائی جاتی ہے۔ میرا یہ منشا نہین کہ تمام دنیا کے مسلمان ایک ہی وضع قطع اختیار کر لین کیونکہ یہ ناممکنات سے ہے بلکہ یہ کہ ایک ہی ملک یا ایک ہی قوم۔ ایک ہی ملک بلکہ ایک ہی شہر اور محلہ کے رہنے والون کے طرز رہائش مین اسقدر فرق نہ ہو جیسا کہ ہمارے یہاں ہے۔ یہان ہم ایک ہی حیثیت اور مرتبہ کے افراد مین اگر ایک کو بیلون یا پاجامہ پہنے ہوئے دیکھتے ہین تو دوسرا انگریزی ٹوپی اور سوٹ سے آراستہ دکھائی دیتا ہے۔ اگر ایک کے سر پر عمامہ ہے تو دوسرا ترکی یا دوپلی ٹوپی پہنے ہے۔ اگر ایک کشادہ ہوادار کوٹھی مین رہتا ہے تو دوسرا شہر کے اندر ایک تنگ و تاریک مکان مین۔ غرضکہ صدہا قسم کے فرق دکھائی دیتا ہے۔ جسکی وجہ مغربی تعلیم کا اسقدر رائج ہونا اور عوام کا بلا کسی معیار کے بے ترتیبی سے ساتھ اپنے مذاق کے جدا جدا فیشنون مین بھٹکتے پھرنا ہے۔ مگر زمانۂ حال کا تمدن ہرگز اس امر کا روادار نہین ہے کہ ایسی مختلف المشارب جماعتون کو اصلاح اور ترقی کے راستون پر بڑھنے دے۔ اگر یقین نہو تو یورپ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھو کہ انکو اسقدر عروج جو اتفاق قومی کی بدولت نصیب ہوا اُسمین بہت بڑا معین و مددگار معاشرت کا یکسان ہونا ہے۔ اس جملہ کے یہ معنی نہین ہین کہ غریب و امیر ہر طبقہ کے لوگ وہان ایک ہی حیثیت کے مکانات۔ لباس اور سامانون کے ساتھ رہتے ہین۔ یہ ممکن ہے اگرچہ وہان کے سوشلسٹ[1] فرقہ کا یہی آئیڈیل (منتہائے اعلیٰ) ہے مگر جبتک کہ بنی نوع انسان پر دماغی۔ اخلاقی اور جسمانی تعلیم کے مختلف اثرات اور دوسرے مقدرات اثر پذیر ہوتے رہینگے اوسوقت تک معاشرتی مساوات سب کو یکسان طور پر حاصل نہین ہو سکتی۔

میرا مطلب صرف یہ ہے کہ زندگی کے طرز و طریق مین اعلیٰ و ادنیٰ تمام حیثیت مین یکسان ہین گو جذبات مین یہ حالت نہین ہے۔ اور فرق صرف سامان زندگی کے مدارج و مقدار پر مبنی ہے نہ کہ عام اصول معاشرت پر۔ تمثیلاً انکے طریقہ بود و باش کا مقابلہ کیا جائے تو آپ دیکھین گے کہ ایک متمول لکھ پتی اگر اپنے پر تکلف محل مین رہتا ہے تو اُسکا ادنیٰ نوکر بھی اُسی طریقہ سے رہتا ہے اُسکا مکان گو چھوٹا ہے مگر خاندان کے ہر فرد کے لیے علٰحدہ کمرے ہین۔ اُسکے کمرہ کی دیوارین

---

[1] اس جماعت کے افراد کا یہ خیال ہے کہ روئے زمین کی تمام موجودات سے ہر شخص کو یکسان طور پر مستفید ہونا چاہیے۔ انکے خیال مین امیر و غریب۔ بادشاہ و گدا مین معاشرتی حیثیت سے کوئی فرق نہ ہونا چاہیے اسلامی تعلیم سے یہ خیال بہت ملتا جلتا ہے۔

نہین ہین بلکہ انپر کم قیمت کا کارپٹ لگا ہوا ہے۔ کھڑکیون مین بھی معمولی قسم کی جالی کے پردے پڑے ہین نیز کرسیان بھی موجود ہے۔ گو ایسی قیمتی میزین اور بیش بہا کرسیان نہین ہین جیسی کہ اسکے آقا کے مکان مین۔ دیوارون پر تصاویر بھی لگی ہوئی ہین گو انکی قیمت شاید چند ہی شلنگ ہوگی اور مالک کی تصاویر کی قیمت ہزارون پاونڈ ہوگی اور گو اُسے اتنا بڑا باغ میسر نہین مگر چند خوشنما گملے ادہر اودہر رکھے نظر آتے ہین۔ گو اسکے پاس ایک مزین لائبریری (کتب خانہ) نہین ہے مگر کم قیمت دلچسپ کتابونکی اُسکے یہان بھی کمی نہین۔ اُسکے مالک نے اگر اپنے ایک سوٹ پر دس پاونڈ خرچ کیے ہین اور بیش بہا قیمت ٹوپیان خریدی ہین تو نوکر کے پاس بھی اپنی حیثیت کا ۳ شلنگ والا سوٹ اور اُسکے مناسب حال ٹوپیان موجود ہین جنکی طرز مین بادی النظر مین کچھ فرق نہین معلوم ہوتا۔ اگر مالک دو پاونڈ خرچ کرکے تھیٹر دیکھنے جاتا ہے اور ناچ اور اپنے طبقہ کی دیگر تفریحات سے حظ اُٹھاتا ہے تو خدمتگار بھی اسی نمونہ اور اُسی طرز پر اپنی حیثیت کی سوسائٹی مین لطف زندگی حاصل کرتا ہے اور کسی طرح اپنے مالک سے کم نہین رہتا۔ کھاتے وقت دونون میز کرسی پر بیٹھتے ہین اور دونون کے دسترخوان پر اتوار کے ڈنر مین روسٹ بیف Roast Beaf (بھنا ہوا گاے کا گوشت) اور ٹارٹ پڈنگ Tart Pudding (ایک قسم کی کھیر) دکھائی دیتی ہے۔ اخبارات کا مطالعہ بھی نوکر کرتا ہے مگر روپیہ سے زیادہ خرچ نہین کرتا اور اگر بالکل غریب ہے تو لائبریری مین جاکر مفت پڑھ آتا ہے۔ دونون معاملات ملکی مین اپنی اپنی راے رکھتے ہین اور واقعات اور اخبارات عام کو دلچسپی کے ساتھ دیکھتے اور ان پر بحث کرتے ہین۔

یہی تمثیل اُس ملک کے ہر چھوٹے بڑے پر صادق آتی ہے خواہ وہ غریب کسان ہو یا عالی مرتبہ زمیندار۔ معمولی بینک کا محرر ہو یا بڑا متمول تاجر۔ چھوٹا دستکار ہو یا اعلی رتبہ کا لارڈ۔ پہرے کا سپاہی ہو یا وزیر اعظم۔ حتی کہ معمولی خانہ نشین بیگم، مزدور تک۔ اپنی حالت مین کسی سے کم نہین ہے۔ اسی طرح اُس قوم کے مختلف افراد اپنے اپنے علٰحدہ گروہون کے دائرون مین باہم ملتے جلتے رہتے ہین گو انکی سوسائٹی ایک دوسرے سے الگ ہے اور ہر ایک کا اپنا جدا دائرہ ہے لیکن سب ایک ہی رنگ مین رنگے ہوے ہین ایک ہی روشنی سب پر پڑ رہی ہے۔ خواہ کسی پر کم پڑتی ہو اور کسی پر زیادہ۔ ہر شخص ایک ہی دھن مین ہے اور سب کے سب ایک ہی مرکز معین کے گرد گردش کر رہے ہین۔ اسی کا نام یکجہتی معاشرت ہے سچا اتفاق و اتحاد اور یکدلی خیال اسکے مفید نتائج ہین۔

ہماری قوم کو اس مثال سے سبق اور نتیجہ حاصل کرنا چاہیئے اور سعی کرنا چاہیے کہ ایسا ہی اتحاد ان مین پیدا ہو جائے جسکا قدرتی نتیجہ ترقی تمدن اور رفاہ حال پر منعکس ہو کر زندگی کے تمام لوازم اور ذلت کو دور کر دیگا۔ مین اوپر لکھ چکا ہون کہ یہ سمجھ لینا کہ محض مغربی تعلیم دلا دینا کافی ہے اور یہی دوا تمام امراض کا علاج کر دیگی سخت غلطی ہے اور اپنے آپ کو دھوکے مین ڈالنا ہے۔ تعلیم کتابون پر منحصر نہین ہے بلکہ اسکا انحصار نتیجہ خیز مشاہدات۔ پاکیزہ محسوسات اور انکی غیر متعصبانہ اتباع اور معیار حسنہ کی دانشمندانہ تقلید پر ہے۔ عوام الناس کی زندگی مین انقلابات پیدا کرنے کے لیے حب قومی۔ فائدہ رسانی کا سچا اور مضبوط ارادہ اور اپنے اصول حسنہ پر مستقل مزاجی کے ساتھ قائم رہنے والی صفات کی سخت ضرورت ہے۔ کیونکہ جیسا ہم اوپر لکھ گئے ہین بہت سی نئی تہذیب کے روشن خیال اور یورپ کی تعلیم سے بہرہ مند حضرات کو اس آخر الذکر صفت کے موجود نہونے کی وجہ سے اپنے مشن مین پوری کامیابی نہین ہو سکی ہے گو انھون نے اپنے چند خاندانون کی حالت کی ایک حد تک اصلاح کر لی ہو مگر عام سوسائٹی کے پرانی تعلیم و تربیت یافتہ لوگون کو فائدہ پہونچانے سے قاصر رہے ہین اسلیے درستی انتظام و تربیت عامہ مین کوئی مفید اصلاح نہین کر سکے۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ سوسائٹی کے سامنے کوئی ایسا دلپذیر اور پسندیدہ معیار نہین پیش کیا گیا جسکی تقلید پر اسکی طبیعت آپ سے آپ مائل ہو جاتی۔ بخلاف اسکے گروہ مہذب نے خود غرضی سے صرف اپنی ذات کے لیے چند طریقے مشرقی و مغربی تہذیب سے ماخوذ کر کے بلا اسکے کہ عوام سے اس باب مین رائے لیجاتی محض خود مختارانہ طریقہ پر اپنی پسند کے موافق ایک خاص طرز معاشرت اختیار کر لیا جسے نہ تو قبولیت عام کا تمغہ مل سکا اور نہ جسکا مجموعی حیثیت سے عوام پر کوئی عمدہ اثر مترتب ہو سکا۔

ایسے مصلحان قوم کو لازم تھا کہ عوام کو اپنی جانب مائل کرنے کی کوشش کرتے اور اس کوشش مین مستعدی اور فراست سے کام لیتے اور انکے تعصبات کو نفرت سے نہ دیکھتے اور خود اپنی ذات کو ایک قابل تقلید نمونہ بناتے جو نہ تو دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جاتا اور نہ زمانہ جدید کی حالت سے متبائن ہوتا یعنے ایک ایسا معیار پسندیدہ قوم کے سامنے پیش کرتے جسکی پیروی اور تقلید مین کسی کو اعتراض نہوتا اور ایسا نہوتا جیسا کہ آجکل ہر شخص اپنے اپنے علیحدہ طریقہ پر بھٹکتا نظر آتا ہے بلکہ انکے سامنے ایک ایسی شاہراہ کھل جاتی جسپر چلنے سے اتحاد قومی و مدنی کے ساتھ ساتھ خیالات و معاشرت مین یکجہتی پیدا ہوگی اور سب کے سب انقلاب حال کے پل صراط کو بے دغدغہ عبور کرتے۔

اس اصلاح کے ساتھ ہی معاشرت و اخلاق کے وہ مسائل بھی قابل لحاظ ہین جنکی پیروی

نہ جو ہونی ہر شخص پر لازم ہے اور جس سے افسوس کہ ہماری قوم بالکل بے بہرہ معلوم ہوتی ہے۔ ہماری تربیت و تعلیم سے اس بارہ میں بھی ہمیں زیادہ مدد نہیں ملتی کیونکہ تجربہ بتاتا ہے کہ اکثر وہی لوگ جنھیں اچھی مذہبی تعلیم پہنائی ہے جو فقہ و حدیث سے خوب واقف ہیں۔ اخلاق محسنی۔ اخلاق جلالی۔ گلستان اور بوستان سب چاٹے بیٹھے ہیں اور صوم و صلوٰۃ کے بھی سخت پابند ہیں اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا رہے ہیں۔ زیادہ تر انھیں کے لیے سخت ضرورت ہے کہ تہذیب معاشرت کے سبق سیکھیں اور سکھائیں اور دنیا میں زندگی بسر کرنے کے آداب سے واقف ہوں۔

محض کسی کتاب کا پڑھ لینا خواہ وہ علوم جدیدہ کی ہو یا قدیمہ کی کارآمد نہیں۔ حتیٰ کہ محض مذہبی کتب کا پڑھ لینا بھی کافی نہیں۔ علم کے ساتھ عمل چاہیے۔ عمدہ صحبت چاہیے اخلاق حسنہ کی حقیقی پیروی چاہیے۔ مذہب کی سچی تقلید بھی اسی وقت ہوگی۔ مگر ایسے بہت سے لوگ نظر آتے ہونگے جو صوم صلوٰۃ کے ترک پر تو کافر بناتے پھرتے ہیں مگر کسی کو جھوٹ بولنے۔ دغا کرنے اور منافقت سے باز رہنے سے منع نہیں کرتے۔ افسوس کہ انکی نظر نہ ظاہر پر ہے نہ باطن پر اور نہ اپنے مذہب کی پیروی کرتے ہیں اور نہ اُس سے درحقیقت وہ متنفر ہیں بلکہ اپنے نفس کے بندے ہیں جو اپنی طبیعت کو بُری نہیں معلوم ہوتی وہی سب کچھ ہے۔ نفسانیت کا یہ زور ہے کہ کوئی شخص بھی صفائی باطن سے کبھی اپنی اور اپنے بھائیوں کی اصلاح کا خیال نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ نہ خیالات میں یکسوئی ہے اور نہ معاشرت میں۔ اصلاح معاشرت کو ترقی تعلیم اور تمول قومی کے دوش بدوش چلنا چاہیے۔ یہ ضرور ہے کہ حالات موجودہ اخراجات زندگی کو افزون کردینگے جسے ایک گروہ آسانی سے اُٹھا سکے گا مگر عوام بغیر ترقی اسباب دولت کے برداشت نہ کرسکینگے اسیلیے تعلیم صنائع و فنون و تجارت وغیرہ کو بھی ترقی کے لیے ایسا ہی ضروری سمجھنا چاہیے اور اس جانب جد وجہد سے ہرگز غافل نہ رہنا چاہیے

ہمین سوشل ریفارم کو اب ایک دوسرے رخ سے بھی دیکھنا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ ہماری حکمران ایک ایسی قوم ہے جسکو اپنی تہذیب و معاشرت پر بڑا ناز ہے اور یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اُسکا یہ ناز بہت سی باتون کے لحاظ سے بالکل بجا ہے مگر اسکے ساتھ اُسکے دل مین مشرقی قومون کی طرف سے ایک قدرتی تعصب پیدا ہوگیا ہے جسکی وجہ سے وہ اُنکو اپنے سے کمتر اور حقیر تصور کرتی ہے اور اُنکے عادات واطوار کو مضحکہ اور تمسخر کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور اسیلیے اُنسے الگ تھلگ رہنا پسند کرتی ہے کپلنگ کا یہ شعر اُسکے مدِ نظر رہتا ہے۔

"مشرق مشرق ہے اور غرب غرب۔ اور دونون ایک دوسرے سے کبھی نہ مل سکین گے"

اب کیا یہ حالت حاکم محکوم دونون کے لیے انتہا درجہ کی مضر نہین ہے؟ کیا یہ باہمی خبیث اور دوری آپس کی غلط فہمیون کا سبب ہو کر بہت سے خراب نتیجے جو ملک کی بہبودی کے لیے سخت نقصان رسان ہین پیدا نہین کرتی؟ اور آیندہ بھی کیا اس سے ضرر پہونچنے کا اندیشہ نہین ہے؟ میرے خیال مین دونون کا یہ فرض ہے کہ اس اندیشہ کی پوری اہمیت کو سمجھکر ایک دوسرے سے میل جول شروع کرین اور ہمیہ لازم ہے کہ پہلے اپنے قدم آگے بڑھا ئین - یہ مانا کہ ایک عرصہ دراز تک ہنا ممکن ہے کہ ہماری سوسائٹی مغرب کی تہذیب اثر پذیر ہو کر اسکی طرح متمدن ہو جائے تاہم چند اصلاحات ضروری اور مناسب حال سوسائیٹی کو ایسے پایہ تک پہونچا سکتی ہین کہ وہ نشانہ تضحیک اور ہدف مذلت بننے سے محفوظ رہے - اور یہی نہین کہ مغربی قومین ہمین ری نگاہ سے دیکھنے پر مجبور ہون بلکہ ہماری ستھری اور پاکیزہ سوسائیٹی سے اپنے لیے سبق حاصل کرین اور اسمین شامل ہونے کو اپنا فخر سمجھین نہ کہ عزت بخشی اور بندہ پروری جیسا کہ آجکل دیکھنے مین آتا ہے -

اس قسم کے مضامین پر قلم اٹھاتے وقت یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق و آداب تہذیب جدیدہ پر بھی تھوڑی سی بحث کیجائے کیونکہ وہ ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہین اور کوئی شخص خواہ وہ کیسا ہی تعلیم یافتہ متمول اور نئے فیشن کا گرویدہ کیون نہ ہو اگر اخلاق حسنہ سے بے بہرہ ہے تو شریف کہے جانے کے قابل نہین ہے - زمانہ حال کی سوسائیٹی پر نظر ڈالتے وقت ہمارے سامنے چند مختلف گروہ پیش ہوتے ہین :-

(۱) پرانے اخلاق و آداب سے متصف لوگ - انکی تعداد افسوس ہے کہ دن بدن کم ہوتی جاتی ہے

(۲) پرانے طرز پر زندگی بسر کرنے والے مگر عمدہ اخلاق سے بے بہرہ - افسوس کہ انکی تعداد بھی کچھ کم نہین -

(۳) نئے طرز اور فیشن کے شیدا مگر خراب عادت رکھنے والے اور نئی تہذیب کے آداب سے بے بہرہ - یہ بھی افسوس کہ بہت کثرت سے نظر آتے ہین -

(۴) جنھون نے نئے اور پرانے دونون آداب کو پوری طرح سے نہ سمجھکر ایک کو دوسرے کے ساتھ بری طرح خلط ملط کر دیا ہے -

(۵) معدودے چند وہ لوگ جنھون نے "خذ ما صفا دع ما کدر" کے اصول پر عمل کیا ہے - انکی مثالین البتہ قابل تقلید ہین -

یہ واضح رہے کہ مشرقی اور مغربی تمدن دونون کے قوانین آداب و اخلاق اصولاً ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہین ہین - مثلاً دروغ گوئی - بدچلنی - بے ایمانی اور اور طرح کی بہت سی باتین دونون مین مذموم سمجھی جاتی ہین اور دونون اس مسئلہ پر متفق ہین کہ شرافت کی صفت سے ایک دوسرے کا پاس عزت کرنا - بری باتون سے پرہیز کرنا - اچھی عادتون کو اختیار کرنا بدیدانطبع نہونا - غیور ہونا اور آئین آداب کا اپنی خود مختاری اور رجحان طبائع کو تابع بنانا مہذب قوم شعار ہونا چاہیے - یعنی معیار تہذیب و شرافت دونون کا یہی ہے - اگر اپنی ذات پر اس قسم کی پابندیا نہ لازم کیجائینگی اور ہم حلقہ تہذیب کو توڑکر باہر نکل جائینگے تو تمام شیرازہ درہم و برہم ہوجائیگا اور انسان اپنی سالہا سال کی حاصل کی ہوئی صفات سے معرا ہوکر قدیم اور وحشی حالت پر لوٹ جائیگا

غرضکہ اصولاً دونون قومین ان مسائل کو مانتی ہین لیکن موجودہ طرز معاشرت کو دیکھکر یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یا تو لوگ ان پرانے مہذب اصولون کو بھول گئے ہین یا مذموم رسم و رواج نے دخل پا کر اُنکو اسقدر بدل دیا ہے کہ بہت سے نقائص و عیوب پیدا ہوگئے ہین جنکی اصلاح ضروری ہے مگر یہ ضروری نہین کہ انکی اصلاح مغربی معیار آداب ہی پر ہو - البتہ اگر یہ تمام مقامی اور قومی خصوصیات کو نظر مین رکھکر عمدہ اور مناسب حال معلوم ہون تو کوئی وجہ نہین کہ ہم بے تعصبی کے ساتھ اُن کو اختیار نہ کرین یا اُنکے قبول کرنے مین پس و پیش کرین - لیکن ساتھ ہی اسکے اندھون کی طرح تقلید بھی نہ کرین اور یاد رکھین کہ بہت سی خوبیان ہمارے یہان ایسی موجود ہین جنکو حاصل کرنے کی یورپ کوشش کر رہا ہے اور مذہب اسلام کی مبارک تعلیم ہماری زندگی کے لیے ایسی رہنما ہے کہ اگر اسکو سمجھتے اور کاربند ہوتے تو آج کسی کو رونے کا موقعہ نہ ملتا -

اس طول طویل تمہید کے لیے ناظرین مجھے معاف فرمائین - بنظر اختصار مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس تمہید کے اختتام پر نفس مضمون کی وضاحت کے لیے ایک شجرہ پیش کیا جائے تاکہ میرا ما فی الضمیر ناظرین کے پورے طرح ذہن نشین ہوجائے اور سمجھنے مین آسانی ہو - یہ ملحوظ رہے کہ معاشرت کے کن پہلوؤن سے ابتدا کی گئی ہے اور کس طرح ترقی قومی کے درجہ اعلی پر پہونچنے کی کوشش کی گئی ہے اور نیز یہ کہ ایک درجہ کو دوسرے کے ساتھ کس طرح نسبت لازم و ملزوم حاصل ہے -

شجرہ حسب ذیل ہے -

ترقی قوم

تہذیب قوم

تہذیب افراد

تعلیم و تربیت شائستہ

حسن معاشرت

حسن مذاق بود و باش — انتخاب مسکن، تفصیل جمال، آداب

حسن مذاق اکل و شرب — انتخاب طعام، آداب طعام

ڈاکٹر

حُبِ شوہر

اک بیل کو دیکھ کر شجر پر — پوچھا اُس سے یہ مین نے جاکر
کیا اسکا سبب ہے یہ بتا تو — لپٹی ہوئی کس لیے ہے اسپر
منت کشِ غیر کیون ہوئی ہے — چلتی نہین اپنے زور بل پر
احسان لیا ہے دوسرے کا — احمق نادان ہے سراسر
جب بیخ جدا تنا جدا ہے — ہو تو بھی روان الگ زمین پر
نازک ہے حسین بھی ہے تو بیل — یہ تیری روش نہین ہے بہتر
جب بیل نے یہ سُنی ملامت — کہنے لگی اے حسین دختر

اے میری شریف پیاری لڑکی — اس کا الزام رکھ نہ مجھ پر
واقف نہین اصل واقعہ سے — ظاہر نہین راز اس کا تجھ پر
قابل ہوئی جب مین پھیلنے کے — لپٹا دیا مجھکو اس شجر پر
رشتہ کیا جس نے میرا قائم — تیرا ہی تو تھا کوئی برادر
قائم جب ہو گیا تعلق — ہو جاؤن جدا مین اس سے کیونکر
اب فرض ہوا نباہ کرنا — کس طرح جدا ہوون ساتھ رہکر
جھیلین گے جو آفتین پڑین گی — بجلی ہو گری جلین گے مل کر
طوفان ہوا کے تند جھوکے — دونون کو ستائین گے برابر
ہمدم ہے مرا مین اسکی دمساز — عاشق ہے ہر ایک دوسرے پر
وہ مجھ سے ہے خوش مین اس سے راضی — ہین عیش کے دن ہمین میسر
باہم ہے جو رشتۂ محبت — کچھ بار نہین ہے میرا اس پر
کرتی ہون دعا خدا سے ہر دم — لپٹی رہون تا حیات اسپر
کرتی ہون تجھے بھی مین نصیحت — ہو عقد ترا جو پاسے شوہر
ساتھ اسکے اسی طرح لبسر کر — لپٹی ہون مین جس طرح شجر پر
ہو عہد وفا کا پاس تجھکو — ہرگز نہ جدا ہو اس سے ملکر
ہو عمر بسر ہنسی خوشی سے — بھولے سے بھی دل نہ ہو مکدر
ہمدرد ہون ایک دوسرے کے — جھیلین تکلیف دونون مل کر

بیشک ہے وہ قابل ستایش
جس زن کے ہو دل مین حب شوہر

محمد اصغر اصغر وارثی

اصحاب ذیل کا شکریہ اس توجہ و امداد کے لیے کیا جاتا ہے جو صاحبان موصوف نے الناظر کی توسیع اشاعت کے متعلق وقتاً فوقتاً ظاہر کی ہے۔ مس عطیہ فیضی۔ زہرا خانم صاحبہ۔ ایس بی نبت سید محمد شاہ۔ مولانا سید علی حیدر طباطبائی نظم۔ منشی احمد علی شوق قدوائی۔ منشی ضمیم بھونا تھ۔ مولوی سید ظہور الدین احمد۔ شیخ شبیر حسین قدوائی۔ منشی رشید احمد ارشد۔ حکیم محبوب حسن۔ منشی محمود حسن۔ شیخ عبد الحکیم لسبل۔ شیخ اشتیاق علی۔ منشی ابرار حسین بی اے۔ مفتی احسان الحق۔ مولوی بدر الدین احمد بی اے۔ منشی سید حسن رضا۔ مولوی شیخ معصوم علی۔ مولوی بشیر الدین علوی۔ مولوی ثامن علی عباسی۔ منشی محمد شفیع مینائی۔ منیجر

خبرین

افسوس کہ ہمارے شہر کے معزز رکن ہندوستان کے طبیبون کے سرخیل اور فن طب کے قدرتہ اجیش حکیم عبدالعزیز نے ۱۱ اکتوبر بروز پنجشنبہ کو اس دار فانی سے رحلت فرمائی - انا للہ وانا الیہ راجعون طب یونانی جو درحقیقت طب اسلامی کہے جانے کی مستحق ہے، کو اس زمانہ مین جن بزرگون پر فخر وناز ہو سکتا تھا اونمین مرحوم کی ذات مبارک بلاشبہ سب سے اعلیٰ مقام پر تھی او حقیقت یہ ہے کہ بقول علامہ شبلی نعمانی ایسے زمانہ مین جبکہ ایک طرف تمام علوم مشرقی کی کساد بازاری ہو چکی ہے اور قدیم علوم کے جاننے والون کو خود اہل ملک نہایت بے وقعتی کی نظر سے دیکھنے لگے ہین اور دوسری طرف فن ڈاکٹری کو انکشافات و ترقیات جدیدہ اور طرح طرح کے آلات سے مسلح ہونے کے علاوہ حکام والا تبار کی نگاہ توجہ کا آب حیات بھی میسر ہے یہ امر نہایت تعجب، مسرت اور فخر کے قابل ہے کہ طب یونانی صرف ڈاکٹری کے مقابلہ مین ذلیل وخوار نہین ہے بلکہ واقعات اور تجربہ اس بات کو روز روشن کی طرح ظاہر کر رہا ہے کہ باوجود ادویہ کے خراب انتظام اور آلات کے فقدان کے فن ڈاکٹری کی وہ پوری مد مقابل ہے بلکہ بسا اوقات اس سے افضل و اعلیٰ ثابت ہوئی ہے اور طب یونانی کی اس عظمت کو قائم رکھنے کے لیے بلاشبہ حکیم عبدالعزیز کا نام اس فن شریف کی تاریخ مین ہمیشہ نہایت جلی حروف مین ثبت رہے گا -

حکیم صاحب مرحوم کی ذات پر صرف لکھنؤ ہی کو ناز کرنے کا موقع نہ تھا بلکہ سارا ہندوستان بجا طور پر اُنکے تبحر علمی پر فخر کر سکتا تھا کیونکہ ایسے لوگون کی زندگی جنکے چشمۂ فیض سے ایک عالم سیراب ہو رہا ہو کوئی مقامی زندگی نہین بلکہ دراصل وہ بمنزلہ ایک قومی اور ملکی انسٹیٹیوشن کے ہے - ہمارے ملک مین جہان بدقسمتی سے تبحر علمی کا روز بروز فقدان ہوتا جاتا ہے وہان ہماری بدبختی سے جو چند باکمال اصحاب موجود تھے اُنسے بھی دنیا خالی ہوتی جاتی ہے اور یہ کہنا بالکل مبالغہ سے خالی ہوگا کہ مرحوم کے قبل از وقت انتقال سے فن طب کا قصر عالی مسمار و منہدم ہو کر رہگیا -

ہمین معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مرحوم کی اعلیٰ علمی قابلیت اور کثیر فیض عام کا اثر یہ ہوگیا تھا کہ گورنمنٹ اُسکا اعتراف ایک پر معنی اور بلند پایہ خطاب کی صورت مین کرنا ضروری جانتی تھی اور اس مبارک کام کے لیے دربار شاہی کا مسعود موقع تجویز کیا گیا تھا -

آسمان طب پر ایسے باکمال شخص کے اُٹھ جانے سے سردست جو اندھیرا سا چھا گیا ہے اُسکو رفع کرنے والی اگر کوئی روشنی ہو سکتی ہے تو ایک یہی شعل امید کہ اُن کے صاحبزادگان جناب حکیم عبدالرشید

جناب حکیم عبدالحمید کو بھی اپنے فن سے وہی محبت و شوق ہے جو جناب مرحوم کے فضل و کمال کو اعلے منزلات پر پہونچانے مین مہمیز اور تازیانہ کا کام دیتا رہا ہے۔

ہمین مرحوم کے اعزا و احباب سے عموماً اور اُنکے صاحبزادگان سے خصوصاً نہایت سچی ہمدردی ہے اور ہم اس موقع پر اپنے دلی حزن و ملال کا اظہار کرتے ہوے جناب حکیم عبدالرشید و جناب حکیم عبدالحمید کی خدمت مین یہ عرض کیے بغیر نہین رہ سکتے کہ حکیم صاحب مرحوم کے کثیر التعداد مداحین اور اس فن شریف کے تمام سچے بہی خواہون کی نظرین اُنپر جمی ہوئی ہین اور آئندہ کی تمام امیدین اُنکی ذات سے وابستہ ہین۔

سلطنت مغلیہ کے چراغ گل ہوتے ہی فارسی زبان کا بازار سرد پڑ گیا۔ اور جو زبان کبھی ہندوستان کی عدالتی اور علمی زبان ہونے کا شرف رکھتی تھی آج اُسکی حالت زبون یہ ہے کہ آشنایان مذاق فارسی کی تعداد انگلیون پر شمار ہوسکتی ہے فارسی زبان مین شعر کہنے والے اگرچہ اب بھی تھوڑے بہت نکلین گے لیکن قدردانون کی کمی سے رفتہ رفتہ یہ حالت ہوئی ہے کہ اُستادان فن مین سنجر عزیز اور گرامی کے سوا کسی کا نام نہین لیا جا سکتا۔

یہ خبر نہایت رنج کے ساتھ سُنی جائے گی کہ آغا کمال الدین سنجر جنکے کمال کی شہرت ہندوستان بھر مین پھیلی ہوئی ہے اور جنکے کلام کی لذت سے ناظرین الناظر کو بھی بہرہ اندوز ہونے کا موقع ملا ہے رہگراے عالم بقا ہوے۔ مرحوم عرصہ سے فیاض والی رامپور کے دربار مین رہتے تھے اور جب کبھی لکھنؤ تشریف لاتے تو ہمین بھی اونکی زیارت کا شرف ضرور حاصل ہوتا۔

ہمین اُنکے بے وقت انتقال سے سخت صدمہ ہوا اور اُنکے پس ماندگان سے دلی ہمدردی ہے۔

اکتوبر کے الناظر مین صفحہ ۱۵ سطر ۵ مین لکھا ہوا ہے:-

"میری مرضی کے مطابق میرے محترم دوست ملک معظم کے ایماء سے تخت جگرم میر عثمان علیخان بہادر بہت وقت سے تخت نشین کئے گئے"

اس عبارت کی صحت کرکے یون پڑھنا چاہیے۔

"میری مرضی کے مطابق برخوردار میر عثمان علیخان بہادر تخت نشین ہوے"

ہمین اس غلطی کا دلی افسوس ہے۔

۱۰ اکتوبر کو علیا حضرت جناب بیگم صاحبہ بھوپال اپنے سفر یورپ سے واپس تشریف لائین۔ ہم اپنی اُس عقیدت و ارادت کی بنا پر جو حضور عالیہ کے کارنامہ ہاے عظمت سے نہایت مخلصانہ طور پر وابستہ ہے اس موقع پر عرض مبارک باد کرتے ہین۔

سفر کی صعوبتین۔ دشواریان اور مشکلات زمانہ موجودہ کی ترقیون کی بدولت اگرچہ بقدر کم ہوگئی ہین کہ بمنزلہ نفی کے سمجھنا چاہیے لیکن ایک رئیس کا سفر خصوصاً جبکہ وہ صنف نازک سے تعلق رکھتی اور اسلامی اصول کے مطابق پردہ کی سخت پابندی کرتی ہون ظاہر ہے کہ آسانیون اور راحتون کا مرادف کسی صورت سے نہین ہوسکتا۔

علیا حضرت نے اپنے اس طویل سفر یورپ مین جن جن دشواریون اور تکالیف کا مردانہ وار مقابلہ کیا ہوگا اونکی تفصیلی کیفیت کی تو اس مختصر مین گنجائش نہین ہوسکتی لیکن اگر ہم صرف کسی ایک حالت کا اندازہ کرسکین تو انکی ہمت بلند۔ استقلال مزاج اور بزرگی مقصد کی ترانہ سنجی مین صریر کلک کا نہایت پرشور ہوجانا یقینی ہے۔

یورپ کے کثیر التعداد اخبارون کے بے شمار نامہ نگارون نے ایک طرف اور عجائب پسند خلقت کے ہجوم وانبوہ نے دوسری طرف جب سرکار عالیہ کے محل اقامت کو اس امید وآرزو مین محاصرہ کیا ہوگا کہ جس قدر اور جس قسم کے اخبار علیا حضرت اور انکے ہمراہیون کے متعلق معلوم ہوسکین حاصل کیے جائین تو یقیناً خاتونان ہند کی مسلمہ سردار کو اس سخت مشکل سے عہدہ برآ ہونے اور لیلاے کیفیات وحالات کے ان مجنونون کی تمناؤن کو برلانے مین سخت زحمت اُٹھانا پڑی ہوگی۔

چنانچہ حضور عالیہ کے دوران قیام یورپ مین انگریزی اخبارات کے ذریعہ سے جو مختصر حالات ہم تک پہونچے وہ ہمارے اس خیال کی تائید کرتے ہین۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح حضور عالیہ کی ذات ہمایون صفات طبقۂ نسوان کے لیے عموماً اور خواتین ہند کے لیے خصوصاً اپنی اعلی منزلت۔ دریا دلی۔ ہمدردی اور سچی اسلامی اسپرٹ کی وجہ سے موجب افتخار اور سرمایۂ ناز ہے اُسی طرح علیا حضرت کا یہ سفر ہمارے ملک کے تمام رئیسون۔ امیرون اور دولتمندون کے لیے قابل رشک وتقلید اور سبب تحریک وہمت افزائی ہونا چاہیے۔

اگر تمام اسلامی ریاستون کے فرمان روا ہوشمندی روشن ضمیری۔ فراخ حوصلگی۔ جوان ہمتی وسیع الخیالی اور اخوت قومی کی ایسی ہی زرین مثالین پیش کرنے کی کوشش کرین تو یقیناً تھوڑے ہی عرصہ مین ہماری قوم کی سطح اخلاقی نہایت بلند ہوجائے اور مصیبت۔ ذلت اور رسوائی کی سلری

کلفتین دور ہو جائین۔

شہر بھوپال مین کچھ عرصہ سے طاعون کی بہت شدت ہے۔ چھوٹے سے شہر کے لیے ڈیڑھ دو سو اموات روزانہ کا اوسط بہت زیادہ ہے اس تباہی کے عالم مین دارالخلافہ مین حضور عالیہ کے ورود مسعود کے موقع پر بہت کچھ اظہار مسرت و شادمانی کے سامان ہوتے مگر رعایا پرور اور ہمدردی مجسم حکمران کے دل مین اپنے حلقہ بگوشون اور ہوا خواہون کی جو محبت ہے اور اُنکی المناک پریشانیون نے اُنکے سراپا درد دل پر جو اثر کیا اُسکا تقاضا یہ تھا کہ علیا حضرت نے اس قسم کی تمام خواہشات کو رد کر دیا اور خاموشی کے ساتھ اپنے دارالخلافہ کو تشریف لے آئین۔

ایک ایسے وقت مین جبکہ بازار موت گرم ہو اور بقول بعض قبرستانون مین ہر وقت میلا لگا رہتا ہو عموماً چھوٹے بڑے سب بھاگ کر جان بچانے کی فکر کرتے ہین۔ چنانچہ سرکار عالیہ نے اپنے تمام عمال کو اجازت عام عطا فرما دی ہے کہ جو جہان مناسب سمجھے چلا جاے اور وہین ٹھیکرائی تنخواہین اور درماہے وصول کرے۔ رعایا کی محبت اور ملازمین کی دلسوزی کی یہ عملی مثال ایک طرف اور حضور ممدوحہ کے ایثار نفس۔ شجاعت اور استقلال مزاج کا یہ ثبوت کہ بلا اکراہ مبئی سے سیدہی دارالخلافہ مین تشریف لائین دوسری طرف ایسی عدیم النظیر اور فقید المثال کیفیتین ہین کہ ہمارا ہر تار نفس حضور کی مدحت سرائی اور قصیدہ خوانی کے راگ الاپتا اور تحسین و آفرین کے نغمہ سناتا ہے۔

خدا ایسی برگزیدہ خاتون کو دنیاے اسلام کے سرون پر تا دیر قائم رکھے اور اس عالم فانی کے از خود رفتہ اور بیراہ رو بندگان نفس کو اس مبارک ترین ہستی کے نقش قدم پر چل کر سعادت دارین حاصل کرنے کی ہمت دے۔

ہمارے کرم فرما حکیم سید شمس اللہ قادری کے رشحات قلم سے ہر ماہ الناظر کے اوراق مزین ہوتے رہتے ہین حکیم صاحب موصوف اُن چند نوجوانون مین ہین جنکی اوقات کا بیشتر حصہ علمی و ادبی انہماک مین صرف ہوتا ہے الناظر کے سوا اردو کے دوسرے ادبی رسالے بھی اُنکی جولانی قلم کے ممنون منت ہین۔ آجکل جناب ممدوح سلطنت آصفی کی ایک مفصل اور مبسوط تاریخ کی انضباط و تحریر مین مشغول ہین۔ اور آپ کو تاریخ سے عموماً اور تحقیق و تلاش حالات سے خصوصاً جو دلچسپی ہے وہ اس بات کی پوری کفیل ہے کہ آپ کی یہ تصنیف تاریخ و محققانہ جستجو کا اعلےٰ نمونہ ہوگی۔ ہم بڑی بےچینی سے کتاب کے تیار ہو کر شایع ہونے کا انتظار کر رہے ہین۔

اطلاع

رسالہ البرہان جسمین اسلام کی حقیت و حقیقت۔ اسکی صحیح تعلیم۔ حقیقت و ضرورت نبوت تعلیم انبیاء۔ انکے علوم و فضائل و کمالات۔ تعلیم طریقہ تعلیم بالخصوص آنحضرت صلعم اور انکے اوصیاء کرام علیہم السلام کے علوم و کمالات انکا طریق ہدایت اور اخلاق حسنہ۔ دیگر مذاہب و اصول اسلام اتفاق و اتحاد کی ضرورت۔ اسلام کے برخلاف جملہ ایرادات و اعتراضات کا رد جدید اکتشافات۔ اصول تمدن وغیرہ وغیرہ مطالب پر براہین عقلیہ سے مع مطابقت آیات و احادیث بحث کیجاتی ہے۔ اور اسمین بڑے بڑے علماء و فضلاء و گریجویٹ صاحبان کے اعلیٰ اور مفید مضامین درج ہوتے ہین۔ ہر انگریزی مہینہ مین ایک دفعہ بازار حکیمان لاہور سے شائع ہوتا ہے یہ اپنی وضع کا پہلا رسالہ ہے اسکی خوبی دیکھنے ہی پر موقوف ہے۔ اہل علم نے جیسی اسکی قدر کی ہے قابل رشک ہے۔ لکھائی چھپائی نہایت عمدہ۔ عام سالانہ قیمت ۱۲؍ فی پرچہ ۲؍

تحفۃ الاتقیاء: یعنی فخر العلماء و الفقہاء جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ علیہ الرحمہ کی کتاب مستطاب تنزیہ الانبیاء کا اردو ترجمہ۔ کتاب مذکور **تخطیۃ الانبیاء** کا جواب ہے۔ جسکے مصنف نے جملہ انبیاء پر تہمت و الزام لگانے و ایرادات اعتراضات کرنے مین کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھا حضرت آدم سے لیکر جناب خاتم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم تک اکثر انبیاء علیہم السلام پر بیجا اعتراضات کیے ہین۔ سید علیہ الرحمہ نے عصمت انبیاء پر دلائل و براہین عقلیہ قائم کرنیکے بعد ہر ایک ایراد اور شبہ کا جواب نہایت خوش اسلوبی سے دیا ہے اور ہر ایک حیثیت سے بحث کی ہے اس کتاب کی قدر و منزلت دیکھنے ہی پر موقوف ہے اصل کتاب پر اور بھی بہت سی آیات و احادیث اڈیٹر البرہان کیطرف سے اضافہ کیگئی ہین اور بعض ضروری مقامات کی تشریح بھی کی گئی ہے چونکہ سید علیہ الرحمہ نے اجمالاً بیان کیا تھا جس سے کتاب کی خوبی دوبالا ہو گئی ہے ہر مومن کے واسطے اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ یہ کتاب دفتر البرہان لاہور سے ۱۲؍ قیمت پر مل سکتی ہے۔

طریقۃ الصلوٰۃ: جسمین جملہ واجب نمازون کے طریق اور انکے احکام کو اس طرز سے نہایت سلیس و بامحاورہ اردو مین بیان کیا گیا ہے کہ معمولی لیاقت کا آدمی بھی بلا کسی کی امداد کے سیکھ سکتا ہے گویا یہ مختصر رسالہ استاد کا کام دیتا ہے نماز سیکھنے کے واسطے اس سے بہتر رسالہ دیکھنے مین نہین آیا۔ ۲؍ قیمت پر دفتر البرہان سے طلب کرنا چاہیے۔

الہیئۃ والاسلام: اس کتاب مین ہیئت جدیدہ کو تعلیم اسلام کی موافق ثابت کیا گیا ہے اور دکھایا گیا ہے کہ اسلام ان علوم کی تحقیق سے تیرہ سو برس قبل ان علوم کو بیان کر چکا ہے جو اسلام کی صداقت و حقیقت کی روشن دلیل ہے۔ یہ کتاب اپنی نظیر آپ ہی ہے اور اس مضمون کی پہلی کتاب ہے اسکا اردو مین ترجمہ زیر طبع ہے عنقریب دفتر البرہان سے شائع ہوگا۔

توحید القرآن: مصنفہ جناب عمدۃ الافاضل مولانا مولوی سید محمد ہارون صاحب ممتاز الافاضل دام مجدہ۔ قرآنی توحید کے لیے بے بہا جواہرات کا خزانہ اپنی وضع کی بالکل نئی اور پہلی کتاب ہے جو حال ہی مین مطبع ناظم الہند لاہور مین طبع ہوئی ہے۔ تقطیع ۲۰×۲۶ حجم ۲۰۸ صفحہ ۱۲؍ قیمت بلا محصول ڈاک پر دفتر البرہان و ناظم الہند لاہور مین سے مل سکتی ہے۔ **مینیجر رسالہ البرہان لاہور۔**

محاربات صلیب

باب اول

(محاربات کی ابتدا ۱۰۲۲ء لغایہ ۱۰۹۰ء)

دنیا کے وہ عظیم الشان واقعات جنکا اثر تاریخ عالم پر پڑتا ہے ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ یکایک اور اچانک واقع ہوجائین۔ اُنکے مقدمات شاذ و نادر مخفی اور ہمارے علم سے باہر ہوتے ہین۔ جب ظہور واقعات ہوچکتا ہے اور اُنکے اسباب کی جستجو کی جاتی ہے تو بہت پہلے وہ کہین نہ کہین مضمر نظر آتے ہین۔ یہی حالت بلاشبہ اُن واقعات کی تھی جنکا اب ہم ذکر کرنے والے ہین اور جنکے ظہور سے چار سو برس پہلے اُنکے اسباب کی جھلک واقعات عالم کے افق مین نظر آتی ہے۔

محاربات صلیب کی ابتدا اسلام کے عروج و ترقی کے دامن مین پوشیدہ نظر آتی ہے جبکہ یہ نیا مذہب بزور شمشیر[1] پھیلنا شروع ہوا تھا اور اندیشہ ہونے لگا تھا کہ کہین

[1] اسلام کے بزور شمشیر ترقی کرنے مین خود عیسائی مورخون مین اختلاف ہے۔ قدیم مسیحی مصنف یہی کہتے ہین لیکن زمانۂ حال کے مسیحیون نے کسی قدر تحقیق بڑھا کے یہ کہدیا ہے کہ اسلام بزور شمشیر نہین پھیلا لیکن ہم

تمام قوام مسیحی کو عالم سے نیست و نابود نہ کردے یا کم سے کم اپنا مطیع و منقاد نہ بنا لے۔

اسلام کی تعلیم خاصۃً حصول[1] فتوحات کی تعلیم تھی اور جو کامیابی اُسنے حاصل کی اُسمین نہایت حیرت انگیز سرعت کے ساتھ ترقی ہوتی گئی یہانتک کہ تھوڑے ہی عرصہ مین مسلمانون کے جھنڈے قلب یورپ تک جا پہونچے اور تمام مسیحی دنیا ہیبت و حیرت کی حالت مین ہکا بکا رہگئی اور اگر چارلس مارٹل کی نمایان فتح جسمین چہرا کہ مسلمانون کو ہزیمت ہوئی اُنکی رفتار مین حائل نہو جاتی تو بلا شک مسیحی یورپ کا وجود قطعاً ہر اسباب معرض ہلاکت مین پڑجاتا۔[2]

اہل مشرق کی مسلمان اور مغرب کی برائے نام عیسائی قومین ایک دوسرے کے مقابل پاس عزم بالجزم کے ساتھ صف آرا ہوئین کہ معاملہ یکسو ہو جائے۔ آپسمین مخالفت کی آگ مشتعل تھی ابتدائے ساتوین صدی سے زمانہ جنگہائے صلیب تک مسیحیت اور اسلام مین سخت کشاکش رہی اور جب پیروان اسلام کی دن دونی رات چوگنی ترقی سے اُسے خدشہ پیدا ہونے لگا تو اُسنے اپنے رقیب پر فتح حاصل کرکے اندلس کی چہار دیواری کے اندر محدود کردیا۔ یہی نہین بلکہ برابر کوشش جاری رکھی کہ اس قطعہ یورپ مین بھی اسلام کے قدم ٹکنے نہ پائین۔

یہی تھا وہ باہمی تنازعہ جو منتہائے کمال پر پہونچکر محاربات صلیب کی صورت مین نمایان ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ ان دونون تمدنی اور مذہبی جماعتون کے باہم نزاع مین یہ زمانہ سب سے زیادہ نازک تھا جس زمانہ مین حروب صلیبیہ کی ابتدا ہوئی بہت سے اور ایسے اسباب پیدا ہوگئے تھے جنھون نے

نہ شمشیر کو اسلام سے منفصل کہہ سکتے ہین اور نہ متصل۔ اعلائے کلمۃ اللہ مین ہمیشہ اگر کسی نے مزاحمت کی ہے تو مصداق اس مثل کے کہ لاتون کے بھوت باتون سے نہین مانتے ضرور تلوار سے کام لینا پڑا ہے ۱۲۔ مترجم

[1] اسلام کی تعلیم وحدانیت تھی اور اعلائے کلمۃ اللہ اسکا مقصد تھا۔ جو تعلیم تھی وہی اسکی غایت تھی۔ تلوار اگر کبھی اُٹھی بھی تو اپنی مدافعت کے لیے یا کبھی اُن لوگون کو ہوشیار کرنے کے لیے جنکی ظلمت کفر نے آنکھون کو اندھا کرکے اسلام کے مقابلہ مین بر سر پیکار کھڑا کیا تھا۔ اور جنکی جہالت وحشت گمراہی اور خرابی اخلاق سے دنیا کو شرم آتی تھی۔ اسلام کی تعلیم کو ہمارے یہان کا ملک الشعرا اپنے زندہ جاوید مسدس مین یون بیان کرتا ہے یعنی داعی الی اللہ (پیغمبر اسلام) یون للکار کر پکارتا ہے ؎

کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق ۔ زبان اور دل کی شہادت کے لائق ۔ اُسی کے ہین فرمان طاعت کے لائق ۔ اُسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق

لگاؤ تو لو اپنی اُس سے لگاؤ ۔ جھکاؤ تو سر اُسکے آگے جھکاؤ ۔ نصاریٰ کے مقابلہ مین اپنے لیے بانی اسلام کا یہ ارشاد تھا۔ "لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ ابن مریم فانما انا عبدہ فقولوا عبد اللہ و رسولہ" ۱۲۔ مترجم

[2] دیکھو شیگل کی کتاب فلسفہ تاریخ لکچر دوازدہم ۱۲۔

[3] دیکھو گیزو کی تاریخ تمدن یورپ لکچر شانزدہم ۱۲

ان مہمات کے برپا ہونے مین ایک حد تک حصہ لیا - یہ وہ زمانہ ہے جبکہ باہمی جذبات کی کشاکش انتہا درجہ پر پہونچ گئی تھی جنکے محرک اعلیٰ مذہبی خیالات تھے - اور گو وہ کتنے ہی فاسد اور باطل کیون نہون لیکن ہر شخص انکے نشہ مین سرشار تھا - علوم و فنون کی حالت یہ تھی کہ انھون نے راہبون کے تاریک حجرون سے باہر قدم نہین نکالا تھا محض پادری لوگون کے معلم تھے اور مسیحیت اپنی شان آسمانی کے خلعت سے معرا ہو کر جھوٹے اور نمائشی زیورات سے آراستہ نظر آتی تھی - اسکا مقدس نام نہایت درجہ باطل خیالات اور فحش ترین جرائم سے آلودہ کیا گیا تھا غرضکہ یہی خیالات ہر شخص پر غالب تھے -

مذہبی جوش اس زمانہ مین عوام کا جوش تھا لیکن ان کمینہ و باطل خیالات کے ساتھ ساتھ فوجی جوش و خروش بھی عام طور پر پھیلا ہوا تھا - تمام بڑے بڑے امیرون کی یہ حالت تھی کہ قیام و نقص امن انکی مرضی پر منحصر تھا - وہ قریب قریب ہمیشہ کسی نہ کسی سے لڑتے رہتے تھے - صرف جرأت و شجاعت ہی ایک ایسا جوہر تھا جسکی ہر جگہ قدر تھی اور جسکی وجہ سے ایک کو دوسرے پر ترجیح و فوقیت دیجاتی تھی - [1]

صلیبی لڑائیان بھی اپنے اسی زمانہ کی حالت کا نمونہ تھین - یہ زمانہ شجاعت و جوانمردی کا زمانہ تھا اور نائٹ ہونا ایسا خیال کیا جاتا ہے کہ گویا دنیا مین اس سے زیادہ کوئی اعزاز نہین ہے - بادشاہ اس خطاب کو حاصل کرتے تھے اور کوئی ایسا نہ تھا جو اسکی تمنا نہ رکھتا ہو - ہر شخص کے حوصلہ کی انتہائی پرواز یہ تھی کہ ایکدن اس مرتبہ کو پہونچے - چنانچہ اس جماعت کا نظام انھین دو جذبات پر مبنی تھا جو ہر شخص مین سرایت کیے ہوئے تھے اور جنکے اثر سے جنگہاے صلیب کی بنیاد پڑی یعنی مذہبی اور فوجی جوش جو خواہ ایک دوسرے کے ضد کیون نہون جوانمردی اور شجاعت کے اثر سے ضرور وابستہ تھے - شہر مین جو سب سے بڑا گرجا ہوتا تھا وہان عطاے مرتبہ نائٹ کی رسم ادا کیجاتی تھی اور تمام بشپ اور پادری اور دیگر نائٹ اور امیر و امرا جلسہ مین شریک ہوتے تھے - بلند آواز سے دعا کیجاتی تھی اور وہ شخص جسے خطاب عطا ہوتا تھا میز کے پاس جاکر پادری صاحب کے ہاتھ مین ایک تلوار دیتا کہ اسے لیکر برکت کی دعا دین اور مذہب اور نیکوکاری کی حمایت مین تلوار اٹھانے کا وعدہ لین اور جب وہ شخص اس بات کا عہد کرتا تھا کہ اپنے جان و مال سے حمایت دین کیتھولیک مین کبھی دریغ نہ کریگا تب اسے یہ مایۂ حیات یعنی نائٹ ہڈ کا خطاب دیا جاتا تھا [2] یہی وقت تھا جبکہ صلیبی لڑائیان ممکن ہو سکتی تھین - ان لڑائیون کے لیے جن خیالات اور جن جذبات کی ضرورت تھی وہ اب اس زمانہ کی سوسائٹی مین موجود تھے جو شئے سب سے زیادہ جنگہاے صلیب کی باعث ہوئی وہ مسیحی دنیا کے وہ عقاید باطلہ تھے

---

[1] دکھیو ہیوم صاحب کی تاریخ انگلستان جلد اول ۱۲ [2] جیمس صاحب کی "ہسٹری آف شیولری" باب دوم

...مقدس کے متعلق عوام الناس کے قلوب مین سرائت کیے ہوے تھے۔ اسکے علاوہ زیارت ارض مقدس کا شوق بھی بہت کچھ محرک تھا جو قدیم الایام سے لوگون مین چلا آتا تھا۔ چوتھی صدی عیسوی مین قسطنطین یوشلیم کی زیارت کو گیا تھا۔ اسوقت اسنے اور اسکی ماں ہیلینا نے اس بات کی کوشش کی تھی کہ اُس مقام کو بھی طرح دریافت کرین جہان انکے نئے مذہب نے پرورش پائی اور نشو ونما حاصل کی تھی[1] اسوقت سے عیسائیون مین یہ عام بات ہوگئی کہ ارض مقدس کی زیارت کو جاتے اور نجات دہندۂ بنی آدم کے مصائب وتکلیفات کے دریافت کی علامتون اور یادگارون کا پتا لگاتے۔ بالآخر جب مسیحیت مین فسق وفجور راہ پانے لگا اور خیالات انسانی پر جہل اور بیجا آوری رسومات کی تاثیر قلوب انسانی پر غلبہ پاگئی تو لوگ ان مقدس مقامات کی زیارت کو عبادت عظیم جسکا ثواب یقینی ہے سمجھنے لگے چنانچہ وہ جوق جوق زیارت کے لیے آنے لگے اور زیارت ارض مقدس مین بڑی ترقی ہوگئی۔

یہ لوگ نہایت خشوع وخضوع اور بڑے ذوق وشوق سے ارض یہودیہ کا سفر کرتے اور عیسائی زائر کوہ زیامان (ماؤنٹ زیون) کے قدیم جاہ وجلال والے مقامات مین ایک عجیب مسرت وخوشی کے ساتھ جکر لگاتا نظر آتا تھا۔ ایک فصیح البیان مصنف کیا خوب لکھتا ہے کہ "اُس پاس کے قصبات قرب وجوار کے اضلاع سب کے سب اُسکی (زائر کی) نظر مین عزیز تھے۔ ہر ایک قدر و منزلت مین اُسکے سامنے لاثانی تھا شہر کے دروازے سڑکین۔ نشیب وفراز۔ اونچی اونچی زمینین نیچی نیچی گھاٹیان سب کی سب اُسکی نگاہون مین مقدس نظر آتی تھین۔ اُس ہوا مین۔ اُس فضا مین بزرگی نظر آتی تھی۔ کیونکہ کس کے دم کے ساتھ ہوا اندر گئی ہوگی؟ کس کی آواز اس فضا مین گونجی ہوگی؟ وہ زمین اُسکی نظرون مین مقدس تھی۔ کیونکہ کسکے قدم وہان پڑے ہونگے؟ کسکا جسم وہان چلتا پھرتا ہوگا؟ اُس چشمے مین تقدس کی شان تھی۔ کیونکہ کسکے لبون تک اسکا پانی گیا ہوگا؟ اور کس کی آہ اُس کے تموج سے ہم آہنگ ہوئی ہوگی؟ جنگل اور صحرا۔ باغ اور باغات۔ پہاڑ اور ٹیلے سرتاپا مقدس نظر آتے تھے۔ اُس جگہ کی عدالت۔ اجلاس۔ ستونہاے عمارت سب مین شان بزرگی دکھائی دیتی تھی۔ اور اس راستہ مین اک بزرگی وتقدس کی شان تھی جو اس مقام مرگ تک جاتا تھا جسپر زیارت کرنے والے نے اپنی امید دین کا دار مدار کر رکھا تھا۔ اس مزار کا تاریک راستہ سرتاسر پاک ومقدس تھا جسکے خالی غار مین آسکے سامنے وہ شئے نظر آتی تھی جسپر اسقدر اسے فخر ومباہات تھا۔ جسوقت اُسکی نظر یروشلیم کے سواد پر پڑتی اسکے تمام خیالات تازہ ہوجاتے اور پرانی باتین نئی معلوم ہونے لگتین۔

[1] موسیو میکاڈ کی کتاب تاریخ جنگہاے صلیب جلد اول صفحہ ۲ [2] تاریخ چارلس نہم مصنفہ ارٹن جلد اول حصہ اول۔

یہ سب دیکھکر کچھ تو تکلیف کچھ عظمت اور کچھ مسرت کے خیالات پیدا ہوتے۔ جو جو نیا مقام نیا آسمان نئی زمین اسکی نظر مین آتی ویسے ہی افق کی وسعت کے ساتھ اسکے دل مین بھی وسعت ہوتی جاتی اور جیون جیون یہ تصویر بڑھتی جاتی واقفیت کا ایک گہرا اثر اسکے قلب مین بیٹھتا جاتا اور شہر زندہ چلتی پھرتی دکھلائی دیتی

علاوہ اس دلچسپی کے جو اس شہر کے ساتھ عام طور پر پیدا ہوتی تھی اور بہت سے اثرات تھے جو دسوین صدی عیسوی مین اکٹھا ہوکر زائرین بیت المقدس کی تعداد بڑھانے کے باعث ہوے۔ ایک عام خیال یہ پیدا ہوگیا تھا کہ اب قیامت قریب ہے اور ہر شخص اس بات کا خواہشمند نظر آتا تھا کہ اُس مقام کی جاکر زیارت کرے جہان یہ گمان تھا کہ حضرت عیسیٰ فیصلہ کے لیے ظاہر ہون گے پیروان صلیب یہ کہکر اور اپنے دل کو سمجھاتے تھے کہ اس کام سے انکے گناہ دُھل جاینگے اور حضرت عیسیٰ وعلی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشنودی حاصل ہوگی۔ پس مردون اور عورتون کے گروہ در گروہ اقصاے یورپ سے روانہ ہوکر ارض مقدس کا رخ کرنے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ صرف ایک مقام بویریا[1] (Bavaria) سے ایک ہلہ مین بارہ ہزار آدمی زیارت بیت المقدس کے لیے روانہ ہوے تھے

ایک زمانہ دراز تک جبکہ تمام ارض یہودیہ قیصران روما کے قبضہ مین تھی راستہ بالکل آسان معلوم ہوتا تھا اور مسافرین یا زائرین کی راہ مین کوئی خطرہ نظر نہ آتا تھا یا اگر شاذ و نادر آتا بھی تو بہت آسانی سے اُسکا دفعیہ ہوجاتا تھا مگر جب فلسطین مین مسلمانون کا عمل دخل ہوا تو حالت بالکل بدل گئی اور عیسائی زائر بڑی بیرحمی اور مظالم کے شکار ہونے لگے۔ باوجود اسکے زائرون کے شوق زیارت مین کوئی کمی نہ آئی بلکہ دسوین اور گیارھوین صدی عیسوی مین انکی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی اُن دنون جبکہ پاپاے روم ظلمت کے پردہ مین نہان تھے سفر کی مصیبتون اور یروشلیم پہونچکر جو تکلیف نصیب ہوتی تھی ان سب نے ملکر شوق زیارت مین اور ترقی پیدا کردی چنانچہ ان مصائب سے ایک اور تازیانہ لگا

---

[1] موجودہ مملکت جرمنی کا ایک صوبہ ۱۲ [2] سر جارج ڈریلو کابس ایم اے اپنی کتاب حروب مین زیارت بیت المقدس پر فتح عرب کو بیان کرتے دقت لکھتے ہین کہ واقعی حضرت عمر کی فتح سے سواے اسکے اور کچھ نہین ہوا کہ یہ پاک شہر دوایسی قومون کے حصہ مین آگیا جنمین سے ہرایک اسکو پاک ومقدس سمجھتی تھی اور دونون نیک ومتبرک بزرگون کے تبرکات کی عزت وحرمت کرتی تھی جنکے پاک اجسام اس سرزمین کے نیچے آرام کررہے تھے مسیحیون کو سواے اسکے اور کسی شکایت کی گنجایش نہ تھی کہ جس نجات دہندہ کی وہ پرستش کرتے تھے اُسے فاتح لوگ صرف ایک پیغمبر تسلیم کرتے تھے اور وہ بھی اس پایہ کا کہ اگر اپنے پیغمبر سے ہم رتبہ نہین تو صرف انھین سے کسی قدر کم مانتے تھے ... قحات کے سامنے مسلمانون کے برتاؤ کو ... بیان کرنا اگر کسی سے ممکن ہے تو عیسائیون سے جنکے تعصب نے قومی انصاف کو آنکھون پر تعصب کا پردہ ڈالدیا ہے۔

خدا سے بزرگ و برتر کی انجیل مقدس نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ محض ایمان لانا نجات اخروی کے لیے کافی ہے کسی عمل کی ضرورت نہین اور حضرت مسیح کی قربانی نے جو سب کی طرف سے ندیہ ہو گئی فیصلہ کر دیا تھا ایک کے لیے نجات کا سامان پیدا کر دیا ہے باوجود اسکے کسی کی نظر اس جگہ نہین پڑتی تھی اور تکالیف و وسائل سفر تحمل کر کے زیارت بیت المقدس جو لوگ اور تیشیا مین وہ شئے تلاش کرتے تھے جو سوا حضرت مسیح کے قدم مبارک کے اور انکی سچائی اور خون پر سیدھا سادا ایمان رکھنے کے اور کہین نہین ملتی تھی۔ سیکڑون ہزارون ایشیا کا عزم کرتے تھے لیکن انہین سے صرف بعض متفرق اشخاص کو لوٹنا نصیب ہوتا تھا لیکن یہ عازمان وطن جب یورپ کے شہرون مین ہوکر گزرتے تو اپنے مصائب کی کہانیان لوگون کے سامنے بیان کرتے جن سے کلیجہ منھ کو آتا تھا۔ یہ لوگ ارض مقدس سے واپسی کے بعد عجائبات سفر لوگون سے بیان کرتے اور مقامات مقدسہ کے تبرکات جو ساتھ لاتے تھے دکھاتے بلکہ بعض نفیس خود ان تبرکات اور برکت زیارت کی وجہ سے متبرک سمجھے جاتے تھے۔ جہان کہین بیٹھ جاتے لوگ جوق جوق آکر انکی کہانیان سننے جمع ہوجاتے۔ سب سے زیادہ اپنی بیتی ہوئی تکلیفون اور مصائبون کا بیان ہوتا اور اپنے بھائیون کے آلام کا ذکر کیا جاتا۔ یہ سب باتین ایسی نہین تھین جنھین سنکر کوئی بھی سننے والا ہمدردی کے جوش سے خالی رہتا۔ اسی طرح ہر سال ترکون کے خلاف عوام کے خیالات کی موجین بڑھتی گئین یہانتک کہ مسیحیون مین ضبط کا یارا باقی نہ رہا اور وہ دل کی بھڑاس نکالنے کی راہ ڈھونڈھنے لگے۔ آخر کار جنگہائے صلیبی نے کلیجہ ٹھنڈا کرنے کے لیے عالم کو اپنا جلوہ دکھایا۔ سلہ

باب دوم

واقعات ابتدائی سنہ ۹۹۹ء تا غایت سنہ ۱۰۹۶ء

صلیب کی حمایت مین مسلمانون سے جنگ کرنے کا خیال سب سے پہلے دسوین صدی عیسوی کے اخیر مین پاپائے روم سلوسٹر ثانی کے دل مین پیدا ہوا۔ اُسنے ایک خط "عام گرجا" کے نام تحریر کیا کہ کلیسائے یروشلیم تباہی سے بچایا جائے۔ اس پیام کے جواب مین صرف شہر پیسا (Pisa) کی طرف سے جواب آیا اور اسکی کوششین غارتگری کی شکل مین ساحل شام پر ظاہر ہوئین۔ یہ خیال جو اس طرح عدم سے عالم وجود مین آیا مشکل سے کوئی قابل احساس صورت

سلہ ماشاءاللہ ! سلہ رابرٹسن جلد اول نمبر ۲۲ سلہ میو ریٹر باب سوم صفحہ ۴۰۔

حرکت تھا۔ یا یون کہو کہ کسی آیندہ ظاہر ہونے والے واقعہ کا محض سایہ ہی سایہ تھا۔ آیندہ آنے والی صدی نے کوئی قابل احساس بات نہ دیکھی تھی کہ سنہ ۱۰۷۳ء کا آغاز ہوا جبکہ قسطنطنیہ کی حالت معرض خطر مین تھی اور کسی طرح اوسکی سلامتی نظر نہین آتی تھی۔ اُس زمانہ مین شہنشاہ میخائیل Michael [illegible] نے پوپ گریگوری ہفتم کے سامنے دست استمداد پھیلایا۔ جو درخواست شہنشاہ نے تقدس مآب پاپاے روم کی خدمت مین پیش کی تھی وہ نہایت درجہ ادب و تعظیم کے الفاظ مین تھی اور اسمین کلیسائے مغرب سے اپنا نہایت گہرا تعلق ظاہر کیا گیا تھا۔ گریگوری ایسے ہی موقعہ کا منتظر تھا کہ غرور الحاد کی بیخ کنی۔ یونانی و لاطینی کلیساؤن کا اتحاد اور مسلمانون پر عیسائیون کی کامیابی کی کوئی صورت نظر آئے۔ پس اُسنے فوراً ہی اس موقعہ سے کام لیا اور تمام عیسائی دنیا کے بادشاہون کو مسلمانون کے خلاف ہتھیار اُٹھانے کے لیے ورغلانا شروع کیا۔ اُسنے متعدد خطوط لکھے جنمین سے ایک شاہنشاہ ہنری چہارم کے نام تھا اور دوسرا اُن سب لوگون کے نام تھا جو مذہب عیسوی کی حمایت مین ہتھیار اُٹھانا چاہتے ہون اور تیسری ایک گشتی تھی جو تمام حامیان ملت عیسوی کے پاس روانہ[۱] کی گئی۔

پاپائے روم کو اس کوشش مین صرف اتنی کامیابی ہوئی کہ پچاس ہزار آدمی اس مہم کے لیے اُسکے پاس جمع ہوگئے۔ اس کامیابی پر وہ پھولا نہین سماتا تھا اور آیندہ فتح و نصرت کے اسقدر سبز باغ نظر آتے تھے کہ اُسنے خود اپنے لیے اس جماعت کی سرداری تجویز کی۔ لیکن یہ خیال بہت عرصتک اُسکے دل مین باقی نہ رہا کیونکہ کلیسائے مشرق کے مصائب دیکھکر اُسے اپنا خیال اس جانب متوجہ کرنا پڑا۔ حمایت صلیب مین لڑانے کے ساتھ ہی ساتھ اسنے یہ کوشش بھی شروع کی تھی کہ تمام مغربی ممالک مین کلیسائے روم کو برتری حاصل ہوجائے جسمین اسے ناکامیابی ہوئی اور اس ناکامیابی کے ساتھ جہاد کے بھی تمام خیال اُسکے دل سے نکل گئے۔

لیکن گریگوری کی تجویز اپنا اثر دکھائے بغیر نہ رہی اور گو اُسکے سپاہیون نے فلسطین کی طرف قدم نہ اُٹھایا اور ممالک ایشیا پر اسکی تیاریون نے کوئی اثر نہ ڈالا تاہم اسکا یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ تمام عیسائیون مین مسلمانون کے خلاف ایک غیظ و غضب کی آگ بھڑک اُٹھی اور اُنکے مظالم کے چرچے جگہ جگہ ہونے لگے اور یہ بات لازمی طور پر سمجھ لی گئی کہ مسلمانون پر اُسی سرزمین مین جاکر حملہ کرنا چاہیے جہان ہلال اس طرح کامیابی کے ساتھ گستاخانہ طور پر لہرا رہا ہے اور جہان صلیب نے اپنی ابتدائی کامیابیان اس شد و مد کے ساتھ حاصل کی تھین۔ جس طرح اک خاموش آتش فشان پہاڑ کی آگ اس کے

[۱] مراسلات گریگوری جلد اول باب ۴۹

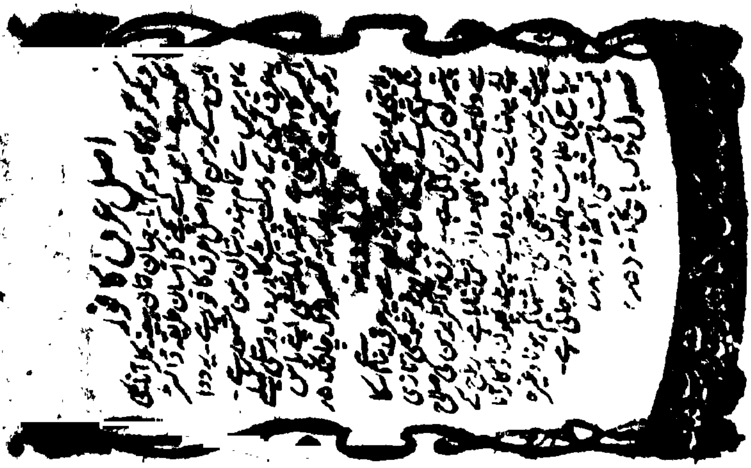
جگر مین دبی سلگتی رہتی ہے یہ جذبات نفرت وانتقام بھی مدت سے عیسائیون کے دلون مین [illegible] سلگ رہے تھے۔ گرگوری کی تجویز ہیم نے شتابہ کا کام کیا اور بہت تیزی کے ساتھ سرگرمی پیدا [illegible] وہ ساعت قریب کردی جبکہ ان تمام جذبات کی آگ غیظ وغضب کے شعلہ کی صورت مین بھڑک اٹھی

لیکن عیسائیون کو مسلمانان مشرق کے مقابلہ مین ہتھیار بند کرنے اور فلسطین کے چھڑانے کے لیے اُنھین آمادہ کرنے کا کام صرف ایک خاص شخص کے ظہور کا منتظر تھا جسنے گوشہ گمنامی سے نکل کر آگ کے اس شعلہ کو یورپ کے اس سرے سے اُس سرے تک پھیلا دیا۔ یہ پطرس راہب تھا جو ایمیس (amiens) واقع فرانس کا رہنے والا تھا۔ جوانی مین اسنے سپاہیون مین نوکری کی تھی اسکے بعد ایک شریف خاندان کی عورت سے شادی کرکے بیٹھ گیا تھا لیکن بعد مین مذہبی میلان کی وجہ سے پادری اور تارک الدنیا بنگیا۔ یہی وجہ ہے جو اسکے ہمعصر اسے راہب کے لقب سے پکارتے تھے۔ پطرس راہب ایک کوتاہ قامت کم رو آدمی تھا لیکن اُسکی آنکھون سے خاص ذکاوت وجوش وخروش کا اظہار ہوتا تھا اور اُسکی تقریر مین روانی اور زور تھا۔ طبیعت تخیل پسند واقع ہوئی تھی۔ [illegible] گرجے کے خانقاہ اور حجرون مین اسے بڑے بڑے خواب دکھائی دیتے تھے۔ اس طرح اسکی طبیعت عالم تخیل مین عمارات خیالی بنانے کی عادی ہوگئی تھی اور وہ نہایت آسانی کے ساتھ ایک نہایت ہی عجیب وغریب اور مجنونانہ خیال مین پھنسکر ایک ایسے وہم باطل کا شکار ہوگیا جس سے زیادہ دھوکا عوام کو شائد کبھی نہین ہوا ہوگا۔[1]

زیارت بیت المقدس کا اُس زمانہ مین عام خبط تھا اور یہ کوئی بعید از قیاس بات نہین ہے کہ پطرس بھی اس اثر سے مغلوب ہوگیا ہو۔ بہرحال اُسنے عزم سفر کیا اور تکالیف ومصائب سفر کو برداشت کرنے کے لیے آمادہ ہوگیا۔ طے منازل کے بعد آخرکار دروازہ شہر پر پہونچا اور محصول کی اشرفی پھاٹک پر ادا کرکے وہ مقدس شہر مین داخل ہوا۔ یہان اُسنے ایک لاطینی عیسائی باشندہ شہر کے یہان قیام کیا۔ اس عیسائی مالک مکان سے عام طور پر عیسائیون کے موجودہ مصائب کا ترکون کے غلبہ اور یروشلیم کی قدیم عظمت وموجودہ تباہی پر گفتگو رہتی۔ جس مقام کی بزرگی کا حال سنتا وہ نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ زیارت کے لیے حاضر ہوتا اور نماز ودیگر مراسم زیارت ادا کرتا یہانتک کہ اسکے خیالات وجذبات دیوانگی کی حد تک پہونچ گئے لیکن دوسرون کا صرف یہ حال [illegible] کہ ترکون کی وحشیانہ[2] بےحرمتی کی وجہ سے انکے دلون مین غصہ اور خوف کے جذبات پیدا [illegible]

---

[1] گیبون السن ثانی وی آئی جلد اول باب یازدہم۔ [2] ترکون کی وحشیانہ بیرحمی کے نتیجہ کا حالات آگے [illegible]





الناظر پریس واقع خیالی گنج لکھنؤ میں طبع ہوا

جامیست جہان نماے ہر صفحہ درین
۱۳۲۷ھ

الناظر

نمبر ۳۰ | یکم دسمبر سنہ ۱۹۱۱ء | جلد ۵

ایڈیٹر ظفر الملک علوی

دفتر رسالہ الناظر - فلاور ملز لکھنؤ سے شایع ہوا

قیمت سالانہ قسم اول للعہ/ | قیمت فی پرچہ ۸/ | قیمت سالانہ قسم دوم چار | قیمت فی پرچہ چھ

الندوہ

نمبر ۳۰ یکم دسمبر سنہ ۱۹۱۱ء

کلیلہ و دمنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ونصلی علےٰ رسولہ الکریم

اگرچہ فارسی کتابون مین کلیلہ دمنہ کا سنسکرت نام۔ کرتک دمنک لکھا ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ کتاب مذکور۔ ہتو پدیش کا ترجمہ یا اقتباس ہے۔

ہتو پدیش کے مصنف کا نام۔ وشنو شرما تھا۔ یہ باکمال ذات کا برہمن۔ مگدہ دیش کا باشندہ اور انتظام مدن وعلم جوتش کا عالم تبحر تھا۔ علاوہ ازین دیگر علوم وفنون رائج الوقت مین بھی خاصی دستگاہ رکھتا تھا۔ پنڈت چانکیہ۔ جو پاٹلی پتر (پٹنہ) کے بودھ راجہ مہاراجہ چندر گپت کا اوستاد اور مربی تھا۔ وشنو شرما۔ اوسی کا سہ پاٹھی یعنی ہم مکتب تھا۔

چانکیہ نے۔ چندر گپت کے آٹھ سوتیلے بھائیون کو جنکا دعویٰ سلطنت۔ اُنکے زعم مین نہایت زبردست تھا۔ مع اُسکے باپ مہانند کے۔ بڑے توڑ جوڑ اور دغا فریب سے مار کر چندر گپت ہی کو مالک تاج وتخت بنا دیا[1]

[1] جسوقت سکندر اعظم نے ہندوستان پر حملہ کیا ہے۔ اُسوقت مگدھ دیش کی راجدھانی راجگرہ سے پاٹلی پتر یعنی پٹنہ کو منتقل ہو آئی تھی۔ اور راج گدی پر مہانند۔ جو نند بنس کا پہلا راجہ ہو گزرا ہے بڑی شان وشوکت سے جلوہ افروز تھا۔ مہانند کے نو بیٹے تھے۔ ان میں سے ایک جسکا نام چندر گپت تھا ایک نائن مسماۃ مرا۔ کے بطن سے تھا۔ باقی آٹھ شہزادے۔ دوسری مختلف رانیوں سے تھے۔ جو نو یہ چندر گپت کو حقیر وذلیل سمجھتے اور اپنے کو نجیب الطرفین خیال کرتے تھے۔ حالانکہ خود مہانند یعنی

چندر گپت نے بھی صاحب سریر ہو کر اپنے محسن اوستاد کے اس احسان بیکران کا شکریہ اسکو وزیر اعظم اور مشیر خاص مقرر کرکے کما حقہ ادا کیا۔

چندر گپت کو راج گدی تو مل گئی۔ مگر اتنی ہی کامیابی سے کیا ہو سکتا تھا۔ چانکیہ کو سوشل اور پولیٹکل معاملات اور دونون انتظام۔ ہر قسم کے خطرات سے پاک وصاف کرنے کے لیے نہایت عقل وتدبیر کمال دوراندیشی ومآل بینی۔ اعلیٰ درجے کے فن وفریب اور بڑے بڑے مغالطون سے کام لینا پڑا۔ اور سب سے بڑا کام پرانے شاہی خاندان اور اسکے طرف دارون کا۔ کما حقہ قلع وقمع کرنا تھا۔

چانکیہ نے اس غرض کی انجام دہی کے لیے۔ قابل قابل جاسوسون اور رازدارون کو مختلف کامون پر مقرر کیا تھا۔ جو اپنے اپنے فرائض کو بڑی ہوشیاری اور حزم واحتیاط سے ادا کرتے تھے۔ وشنو شرما بھی۔ انھین منتخبہ اشخاص مین سے ایک شخص تھا۔ جس کے متعلق۔ موافقین۔ مخالفین۔ دونون گروہون کے اندرونی وبیرونی حالات کا ٹوہ لگانا تھا۔

چانکیہ نے اسکو جوگی کے بھیس مین طرفداران مخالف کے پاس بھیجدیا تھا۔ جو اپنے کو انکا جان نثار دوست ظاہر کرکے۔ ہمیشہ انکے دلی ارادہ کا پتا لگاتا رہتا اور چانکیہ کو اس سے باخبر کرتا رہتا تھا اس بات کا پتا مُدرا راکشش[1] کے اُس مقام سے چلتا ہے۔ جہان چانکیہ تنہائی مین بیٹھا ہوا آپ ہی آپ۔ اپنے اُن جانباز دستون کے نام گناتا ہے۔ جو اسکی فریب آمیز کارروائیون مین شریک اور معین ومددگار تھے۔ وشنو شرما کا نام۔ وہ بڑے اعتماد اور بھروسے کے ساتھ لیتا ہے۔

ہندوستان کی اور تصنیفات کی طرح کتاب زیر ریویو کے مصنف کا بھی ٹھیک پتہ لگانا سخت مشکل ہے مگر ایک ہندو[1] محقق وشنو شرما ہی کو۔ اس بینظیر کتاب کا مصنف قرار دیتے ہین۔

ان نادانون کا باپ بھی)۔ ایک شودری عورت سے تھا۔ دنیا مین ہنستا گھر ضرور بستا ہے۔ خدا نے چندر گپت کی حمایت پر چانکیہ جیسے چلتے پرزے کو کھڑا کر دیا جس نے مغرورون کو بیہودہ خیال کا مزا چکھا کر چندر گپت ہی کو تخت نشین کرا دیا۔ چندر گپت نے مگدہ راج کو بڑی وسعت اور رونق بخشی۔ اُسوقت ہندوستان مین۔ خال خال سورج بنسیون اور چندر بنسیون کے راجہ باقی رہگئے تھے ورنہ سارا ملک مہاراجہ چندر گپت ہی کی وسیع قلمرو مین شامل تھا۔ تواریخ مین یہ شاہی خاندان چندر گپت کی ماں۔ مُرا جاہن کے نام پر موریہ گھرانے کے لقب سے ملقب ہے۔ [1] مُدرا راکشش۔ یہ تو ایک ناٹک یعنی قصہ کی کتاب۔ مگر تاریخی پہلو لیے ہوے ہے اس نظم سنسکرت کا مصنف کبی۔ بشاکھ دت ہے۔ جو مہاراجہ پرتھی راج کا بیٹا تھا۔ پرتھی راج دہلی کا سب سے آخری ہندو فرمانروا ہوا۔ شہاب الدین غوری نے اسکو شکست فاش دیکر ہندوستان مین اسلامی سلطنت کی مضبوط بنیاد ڈالی جو تقریباً پانسو برس تک قائم رہی۔ بشاکھ دت کی ولدیت مین بوجہ اسکے باپ کے نام مین شبہہ پڑ جانے کے اختلاف ہے۔ مگر آخر کو وہ پرتھی راج ہی کا بیٹا قرار دیا گیا ہے۔ [1] راجہ شیو پرشاد۔ آئینہ تاریخ نما نمبر ۳ مین

اسکی نتیجہ خیز حکایتیں ہندوؤن کی مختلف مقدس کتابون مین جستہ جستہ منتشر اور متفرق تھین مثلاً۔ مہابھارتہ پنچ تنتر وغیرہ وغیرہ مین۔ سخن فہم ومعنی رس وشنو شرمانے۔ اُن حکایتون کو منتخب کر کے ایک کتاب کی صورت مین جمع کیا اور اُس مجموعہ کا نام۔ ہتوپدیش رکھا۔

مضامین کتاب اور دیگر لوازم تصنیفات پر غور کرنے سے یہ بات فوراً۔ دل مین اُتر جاتی ہے کہ لائق مؤلف نے اسکی تالیف وترتیب مین کمال عرق ریزی۔ نکتہ سنجی۔ دقت نظری و وسیع الخیالی سے کام لیا ہے۔

انسانون کے مختلف طبقات بلکہ حیوانون کی مختلف اجناس کی افتاد طبع کا مبصرانہ اندازہ کر کے اُنکے فطری اخلاق اور طبعی عادات کو دلچسپ قصّون کے پیرایہ مین بیان کیا ہے اور منتخبہ حکایات کو کمال دقیقہ سنجی سے اُن اوصاف پر منطبق کر کے حکایتون سے ہر قسم کے نتیجے مستنبط کیے اور اُنسے سوشل اور پولیٹیکل دونون قسم کی نصیحتین پیدا کین۔ کشاکش زندگی مین عقل وفہم کو جن جن موقعون پر لغزش ہوتی ہے نہایت غور و تامل سے اُن مواقع کا احاطہ کیا۔ اور ساتھ ہی سلاست بیان اور حسن ادا کو۔ تمام کتاب مین خوبی سے قائم رکھا ہے کہ مطالعۂ کتاب سے کسی عمر اور کسی طبقے کے آدمی کا جی نہین اکتا تا۔ لڑکے۔ جوان۔ بوڑھے عالم۔ جاہل۔ دیندار۔ دنیادار۔ مُلّا صوفی۔ فقیر غنی۔ فرمانروا۔ فرمانبردار۔ کاشتکار۔ صنّاع۔ محنتی۔ سست۔ ہنرمند۔ بے ہنر۔ الغرض جملہ طبقات اور اصناف کے لوگ اس سے فائدہ حاصل کرنے مین برابر کے حصہ دار ہین۔ یہ سب (اور اسی قسم کی اور بہت سی) باتین لائق وشنو شرما ہی کے حصے کی ہین نہ ہر ایک مولف ومصنف کے حصّے کی ؎

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

سچ ہے کلام کامل کے یہی معنی ہین کہ ہر فرقہ۔ ہر گروہ۔ ہر مذہب۔ اور ہر مشرب والا۔ اپنے اپنے مذاق کے موافق اُس سے مستفید ہو سکے۔ ؎

بہار تازہ دہنش۔ دل وجان تازہ میدارد برنگ اصحاب صورت را ببو ارباب معنی را

(باقی آیندہ)

دیانت حسین صدیقی

لکھتے ہین۔ وشنو شرما نے ہتوپدیش مین (جسکا ترجمہ کلیلہ دمنہ ہے) بیل گیدڑ اور لومڑی کی کہانی لکھی ہے۔ تو اُن کے یعنی ہندوؤن کے نزدیک اُنھین انسان کی طرح ذی عقل اور ناطق بھی جاننا چاہیے۔"

عقل انسانی

خود عقل کا مقتضا یہ ہے کہ عقل سے زیادہ کوئی شئے قیمتی نہین ہو سکتی اور کیونکر ہو جبکہ علم و تجربہ ایسی نعمت عقل ہی کے لیے ہے اگر ان دونون چیزون سے اُسکو کوئی فائدہ نہو تو یہ ایک غیر ضروری چیز تھی بالعموم تمام حکما اور عقلا اس امر کو تسلیم کر چکے ہین کہ اگر عقل کامل ہو تو ہر چیز حاصل ہو سکتی ہے چنانچہ افلاطون کا مقولہ ہے کہ سوا ے دولت کے ہر چیز عقل سے مل سکتی ہے۔ تو جب ہم کو اسکی بہت شدید ضرورت ہے بلکہ تمام معاملات کا دار و مدار عقل ہی پر ہے تو لازم ہے کہ اسکو حاصل کرنے کی (اگر حاصل ہو سکے) یا اسکو ترقی دینے یا صاف کرنے کی فکر کرین مگر ان ارادون سے پہلے اوسکی فلاسفی پر غور کر لینا ایک حکیمانہ فعل ہو گا۔

اول سوال یہ ہے کہ عقل کا ماخذ کیا ہے؟ جہانتک غور کیا جاتا ہے سوا ے روح انسانی کے اور کوئی شے نہ اسکا مصدر ہو سکتی ہے نہ کسی اور کی یہ ماتحت ہو سکتی ہے جو لوگ روح کو نہین مانتے ہین اسوقت اونکی طرف مخاطب نہین ہوں کیونکہ اگر پہلے روح کو ثابت کرون تو یہ بحث فوت ہو جائیگی۔ روح انسانی کے ماننے والے اور اُسکے اوصاف جاننے والے اس امر سے انکار نہین کر سکتے کہ عقل یا قوت ممیزہ مع قوت مدرکہ اوسیقدر درجۂ کمال کو پہونچتی جائےگی جسقدر روح انسانی کی قوت بڑہتی جائےگی اور روح کا ترقی پانا دوسرے لفظون مین نورانیت کا بڑہنا کہا جا سکتا ہے اسی حقیقت کی بنا پر روشن خیالی اور روشن دماغی کے الفاظ مستعمل ہوتے ہین۔ اسکے بعد اب ہم کو یہ فرع بساطت کے ساتھ بیان نہ کرنا چاہیے کہ عقل کسبی ہے یا فطری کیونکہ جب روح و عقل متحد الحقیقۃ ہین تو وہ انکا لیکہ روح فطری ہے عقل کیونکر اکتسابی ہو سکتی ہے مگر ترقی عقل ضرور اُسی طرح ہو سکتی ہے جس طرح روح کی۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ عقل کا سب سے اہم اور مخصوص کام کیا ہے جہانتک غور کیا جائےگا یہی متحقق ہوگا کہ جو شخص نتیجہ پر نظر رکھ کے بسر اوقات کرے اور ہمیشہ ایسے امور مین منہمک رہے جو آخر الامر مین اُسکے لیے مفید نتیجہ پیدا کرین وہی زیادہ عقلمند اور صاحب عقل کامل ہے۔ اور ایسے امور وہی ہونگے جو اخلاقاً اچھے ہونگے اور حسن اخلاق اُسی شخص کو حاصل ہوگا جسکی روح غالب یا قوی یا مصفی (جو کچھ کہو) ہوگی تو اب غالباً یہ ثابت ہوگیا کہ روح کی صفائی اور کمال عقل یہ دونون لازم ملزوم ہین۔ اگر کوئی شخص کسی ایسے آدمی کو عقلمند کہے جو منشی اور کاتیان سہ اور

ہمیشہ اپنے اغراض نفسانی مین بالمقابل دوسرون کے کامیاب ہوجاتا ہو تو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ سب سے بڑا احمق ہے کیونکہ گو وہ نتیجہ اپنے لیے مفید نکالتا ہے مگر اُس نتیجہ کا انجام ہمیشہ بُرا ہوتا ہے مثلاً ایک شخص سکہ بنانے مین بڑا ہوشیار ہے اور وہ اسقدر ذہین ہے کہ اُسکا مصنوعی سکہ بہ نسبت دوسرے قلب سازون کے خوب چلتا ہے مگر اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ دس برس تک قید سخت کی تکلیفین اُٹھائیگا اور وہ لوگ بچ جائینگے جو بنا نہین سکتے تو گو اس کا اُبلہی پن کا نام لوگون نے عقل فساد رکھا ہے اور گویا عقل کی دو قسمین کردین جسکی ایک قسم عقل سلیم ہے۔ مگر نفس الامر مین یہ دو تقسیمین ایسی ہی ہین جیسی احادیث کی اقسام ہین ایک قسم حدیث موضوع کہی جاتی ہے جو کہ درحقیقت حدیث نہین ہے اسیطرح عقل کی دوسری قسم عقل فساد قرار دیگئی ہے مگر واقعی امر یہ ہے کہ یہ بالکل خلاف عقل ہے کیونکہ عقل ہمیشہ سلیم ہوگی غیر سلیم یعنی مفسد اور بدانجام ہو ہی نہین سکتی۔

اس مسئلہ کے طے ہونے کے بعد جو کچھ مجھکو کہنا ہے اور دراصل جسکی یہ تمہید ہے وہ یہ ہے کہ عقل کے تجلیات انسان مین اسقدر مختلف ہین جسقدر تمام انسانون کے امزجہ مین اختلاف ہے گویا ہر انسان مین عقل کی ایک خاص مقدار ہے جو دوسرے مین نہین۔ اسکے ثبوت مین صرف اسقدر کہنا کافی ہے کہ کوئی دو شخص دنیا مین ایسے نہین مل سکتے جو تمام عمر مین ہر قول ہر فعل اور ہر راے مین متفق رہین۔ مین نے اس دعوے مین فعل کو بھی قول اور راے کے ساتھ شریک کرلیا ہے غالباً عام لوگون کو یہ خیال ہوگا کہ فعل کا تعلق عقل سے اسقدر نہین ہے جس قدر راے اور تجویز کا مگر یہ بڑی غلطی ہے اور چونکہ یہ ایک نازک اور غیر معمولی مسئلہ ہے اسکی مختصر گفتگو بہت دلچسپ ہے۔ تین قسم کے آدمی ہوتے ہین ایک وہ جو اچھے بُرے کا امتیاز بخوبی نہین کرسکتے اور اس بے امتیازی کی وجہ سے بعض کام اُنسے ایسے ہوجاتے ہین جنکا نتیجہ مفید اور خاطرخواہ نہین نکلتا دوسرے قسم کے وہ لوگ ہوتے ہین جو بخوبی سمجھتے ہین کہ یہ تدبیر بہتر اور فلان تجویز غلط ہے اور بالعموم نتیجہ اُنکے موافق اور نیک انجام ہوتا ہے۔ تیسرا طبقہ وہ ہے جو سمجھتا ہے مگر اپنی تجویز کے موافق عمل نہین کرسکتا اولین کی بابت تو کسی کو کلام نہین مگر آخرالذکر قسم مین سے جو شخص ہوتا ہے وہ اگر اپنے آپ کو عقلمندون مین شمار کرتا ہے تو یہ اُسکی جہالت ہے کیونکہ وہ اس فلسفہ سے شاید واقف نہین ہے کہ جو قوت غالب ہوتی ہے وہ افعال کی محرک اور اعضا و جوارح پر حاکم ہوتی ہے چنانچہ جسپر جس وقت غصہ غالب ہوتا ہے اُسوقت اُسکے اعضا وہی افعال کرتے ہین جو مقتضاے قہر و غضب ہین تمام اعضا اُسکے ماتحت اور کل قوی اُسکے محکوم اور اُس سے مغلوب ہوتے ہین یہانتک

عقل بھی اسیطرح جب محبت غالب ہوتی ہے یا کوئی اور قوت۔ تو گو وہ شخص صائب الرائے ہو اور صحیح
تجویز و تدبیر تک رسا ہو مگر چونکہ وہ اثر صحبت یا اپنے نفسانی جذبات کی وجہ سے اپنی عقل کی
تجاویز و ہدایات پر عمل نہین کر سکتا ہے لہذا یہ حکم اسکے لیے غلط ہے کہ اسکی عقل قوی تر اور
غالب نہین بلکہ دوسری قوتین جنکی تحریک سے وہ بڑے کام کرتا ہے اسکی عقل پر غالب ہین لہذا
وہ کامل العقل بلکہ عقلمند ہرگز نہین عاقل وہ ہے جسکی عقل اسکی تمام قوتون پر ہر فعل کے وقت غالب
رہے لیکن افسوس ہے کہ عقل ہر انسان مین کم و بیش ہے اور چونکہ اسکا وجود کچھ نہ کچھ ہر شخص مین ہے
اسوجہ سے ہر شخص اسکا مدعی ہے مگر روشن خیال لوگ کبھی اپنی عقل پر پورا بھروسہ نہین رکھتے اور
وہ کوئی عقلی بات دعوے سے نہین کہتے۔ علاوہ اس اختلاف کے ایک خاص فرق لوگون کی
عقلون مین اور بھی ہوتا ہے وہ یہ کہ جسکی روح کو جس خاص شئے سے مناسبت ہوگئی ہے اسکی
عقل اسی معاملہ مین زیادہ روشن ہوگئی ہے اور ایک تیسری تفریق یہ ہے کہ تغیر مزاجی کی وجہ سے
بعض وقت کسی معاملہ مین انسان کی عقل کام نہین دیتی اور بعض وقت فوراً پہونچ جاتی ہے اور یہ امر
بھی قابل ذکر ہے کہ عقل چونکہ ایک روحانی امر ہے لہذا جسکی روح مین قوت انفعالی زیادہ ہوتی ہے
وہ دوسرون کی روح کا اثر زیادہ اور جلد لیتی ہے اسی وجہ سے اکثر طلبا اپنے ہم سبقون اور استادون
کے پیرو ہوتے ہین۔ یہ سب انسانی کمزوریان جو اختلافات عقل کی پیروی مین پوشیدہ ہین ہر فلسفی کو
تنبیہ کرتی ہین کہ کوئی اپنی عقل پر بھروسا نہ کرے اور اپنی بلکہ اپنے ہم خیالون کی راے کو مخالف پارٹی
پر یقینی ترجیح نہ دے اگر ایسا کرے تو وہ مالک عقل ہے نہ صاحب علم۔

اگر مین عقل انسانی کو بے اعتبار ثابت کرنے مین کامیاب ہوا ہون تو میری یہ بات غور
کے لیے سنی جاے کہ جن اشیا کا وجود آج تک عقل کے خلاف معلوم ہوتا ہے یہ ضرور نہین کہ نفس الامر
مین انکا وجود نہو اور جو لوگ انکے قائل ہین انپر اگر سادہ لوحی کا اطلاق کیا جائے تو وہ اس قدر
بلا خوف تردید نہو کہ انکے خیالات کی مطلق نفی کر دیجاے۔ ممکن ہے کہ جو چیزین ہماری عقل مین نہین
آتین وہ فی الواقع موجود ہون۔ آنکھ اوسی طرح جسم انسان کا ایک جزو ہے جس طرح انسان تمام کائنات
کا۔ تو آنکھ جس شئے کو نہ دیکھ سکے اسکی نسبت یہ انکار کرنا کہ وہ بے اصل ہے اور محض وہم ہے اسکی
غلطی ہوگی اسی طرح جب انسانی عقل بے مادہ ترقی و تنزلی نا متناہی ہے تو اگر تمام بنی آدم کوئی
امر تجویز کرین ممکن ہے کہ غلط ہو چہ جائیکہ کوئی مختلف فیہ مسئلہ ہو لہذا اگر ہم ایک بالکل رکیک
اور مضحک واقعہ بھی پیش کرین جسکی مخالفت عام ہو تو اسکے لیے بھی ہم کہہ سکتے ہین کہ شاید یہی صحیح ہو

اور یہ خوب یاد رکھنا چاہیے کہ کسی اثبات کے لیے چند آدمیون کی شہادت کافی ہوتی ہے اور نفی کے۔ ایک کروڑ آدمیون کی تقریر نا قابل سماعت ہے اُن رکیک اور مضحک امور مین سے جنکا ذکر کرنے والا ملامت ہونے کے قابل ہے ایک امر بھوت پریت جن شیاطین کا وجود ہے اس سے بحث نہین کہ مضمون نہا کا لکھنے والا یا سننے والا وہم پرست یا اُن مخلوقات وہمی کا منکر ہے کیونکہ یہ صرف ایک مثال ہے بظاہر عقل انسانی مین نہین آتی اور مین اس مثال کے ذریعہ سے یہ دکھانا چاہتا ہون کہ خود نوع انسان بلکہ طبقۂ اہل علم مین یہ امر مختلف فیہ ہے اور اسکو بڑی معزز قدامت حاصل ہے کیونکہ ان اشیا کا ذکر قدیم رومی اور یورپین فلسفیون اور اُن مورخون نے کیا ہے جو علم و عقل اور تجربہ مین مسلم الثبوت اور صائب الرائے مانے جاتے تھے اور جاتے ہین۔

پلوٹارک[۱] کے نام سے غالباً اکثر انگریزی تعلیم یافتہ واقف ہونگے اور اُسکے جاننے والے اُسے صرف واقعہ نگار نہین بلکہ فلسفی مورخ جانتے ہین اُسنے رومیون اور یونانیون کی جو سوانحعمریان لکھی ہین تقریباً ۲ ثلث کتاب مین ان ہی واقعات اور مخلوقات کا ذکر ہے جنکے وجود سے عام مخالفت اور خال خال اُنکی موافقت و تائید ہوتی ہے۔ تھسیوس (بانی ایتھنز {شہر یونان}) کی سوانح عمری مین لکھا ہے کہ تھسیوس کے باپ ایجیس نے اپالو (ایک بت) سے مشورہ لیا تو اُسنے پیشینگوئی کی کہ اگر وہ غیر عورت کو ہاتھ لگائے گا تو اُسکی سلطنت جاتی رہے گی چنانچہ جب اُسنے لاکھوس کے اغوا سے اُسکی لڑکی کو اپنے محل مین داخل کیا تو اُس سے تھسیوس پیدا ہوا مگر ایسے اتفاق درپیش ہوے کہ ہمیشہ کے لیے اس کے خاندان سے ریاست جاتی رہی اور خود ایجیس پہاڑ پر سے گر کر مر گیا۔ اسی کے حالات مین لکھا ہے کہ زہرہ تھسیوس کا مسخر ہو گیا تھا اور وہ عورت کی شکل مین متشکل ہو کے اُسپر فریفتہ ہو گیا تھا چنانچہ لڑائی مین اُسنے مدد کی اور ایک کشتی مین خاص طور پر اُسنے مسمریزم[۲] یا ہپناٹزم یا میگناٹزم کے طور پر دور سے اُسکی مدد کی اور وہ غالب آیا اور متعدد مرتبہ تھسیوس کو الہام ہوے ہین۔

اس تھسیوس کے مد مقابل روملس بانی روم کی سوانح مین لکھا ہے کہ اسکے نانا کے بھائی نے ایک مرتبہ اپنے ایک مکان پر ایک غیر معمولی مخلوق کو جسے جن یا کوئی آسیب یا موکل کہنا چاہیے دیکھا

---

[۱] Plutarch یونان کا مشہور فلسفی اور مورخ قرونیا کا باشندہ تھا شہنشاہ ٹراجن نے اوسکی بڑی عزت افزائی کی اور صوبہ الیریا کا گورنر مقرر کر دیا ۔ وہ اپنے وطن مین سنہ ۱۲۰ء مین فوت ہوا۔

[۲] مسمریزم اپنے موجد مسمر کے نام سے موسوم ہے اس فن کا منشا ایسی نیند لانا ہے کہ عالم بیداری کی طرح خواب آلود شخص کے قواے دماغی و ذہنی کام دیتے ہین۔ ہپناٹزم اور میگناٹزم اسی کی شاخین ہین۔

پلوٹارک نے اُسے بھوت لکھا ہے) دیکھا اور یہ نہین کہ قوت واہمہ نے چند منٹ کے لیے دکھا دیا ہو بلکہ تین روز تک برابر اُسکا نظارہ ہوتا رہا اور اُس سے گفتگو بھی ہوئی چنانچہ اُسنے ایک عورت کی نوبالیش کی۔ روملس کے نانا نے اپنی بھتیجی اُسکی نذر کی تھی اور اُسکے بطن سے روملس پیدا ہوا حالانکہ روملس کی ماں کو کسی اور مرد نے ہاتھ نہین لگایا تھا اور اسکا ثبوت یہ ہے کہ وہ قید سخت مین تھی اور سواے ایک عورت کے کوئی اُسکے پاس نہ تھا اُس قید خانہ مین اُسکے روملس پیدا ہوا مگر روملس کے نانا نے جو اپنے بھائی کی تمام نسل سے اسلیے مخالفت رکھتا تھا کہ جو سلطنت اُسنے اپنے بھائی کی غصب کر لی تھی اُسکے کسی وارث کی مدد سے کہین واپس نہ لی جاے روملس کو دریا برد کرنے کے لیے ایک ملازم کے ہاتھ بھیجدیا وہ قعر دریا مین تو نہ پھینک سکا تھوڑے پانی مین ڈال کے چلا آیا۔ روملس اور اُسکا دوسرا توام بھائی ریمس دونون بہتے ہوے اُس ساحل پر پہونچے جہان اب اٹلی آباد ہے اور جو کہ پہلے روم کہلاتا تھا ان دونون بھائیون کی پرورش بھیڑنی نے دودھ پلا کے اور بڑھئی (پرند) نے اناج کھلا کے کئی برس تک کی پھر بادشاہ کا گلہ بان انھین اُٹھا لیگیا۔ اور جب یہ جوان ہوے تو دونون نے اپنے غاصب نانا کو مار ڈالا اور حقیقی نانا کو سلطنت دلائی اور ماں کو قید سے چھڑایا اور شہر روم آباد کیا اور اُسکی تمام زندگی مین بکثرت ایسے واقعات گزرے ہین جو عقل انسانی کے بالکل خلاف ہین اُس کو بکثرت الہامات و بشارات ہوے اور ہر ایک کا نتیجہ پیشینگوئی کے موافق نکلا یہانتک کہ روملس ایک روز دفعۃً غائب ہو گیا اور کوئی مستند شہادت ایسی نہ ملی جس سے یہ ثابت ہوتا کہ وہ قتل کر ڈالا گیا حالانکہ وہ ایسا معمولی شخص نہ تھا کہ باسانی اور چپ چپاتے قتل کر دیا جاتا۔ وہ ایسا زبردست بہادر تھا کہ ایکدن اپنی قوت آزمانے کے لیے اُسنے ایک مقام پر کھڑے ہو کے برچھا پھینکا تو وہ ایک پہاڑ کے اندر گھس گیا جس کو بہت سے آدمیون نے مل کر نکالنا چاہا مگر نہ نکل سکا اُسکی ڈانڈ بلوط کی تھی چند روز کے بعد قوت نامیہ نے اُس سے بلوط کا درخت پیدا کر دیا اور وہ تقریباً ہزار برس تک ہرا رہا خود پلوٹارک نے روملس کے حالات مین لکھا ہے کہ جب تک کوئی غیر معمولی قوت شریک نہو یہ ممکن نہین کہ روملس سے وہ کارہاے نمایان سرزد ہون جو خلاف قوت انسانی ہے یونانیون کا عام خیال تھا کہ روملس اور ریمس موکل مریخ کے صلب سے تھے اور اُسی کی طرف سے انکی پرورش ہوئی کیونکہ بھیڑنی اور بڑھئی دونون مریخ سے منسوب ہین اور تمام لڑائیون مین اُسنے کمک کی۔

سعید احمد ناطق

(باقی آئندہ)

رباعیات کوثر

ساجد ترا کل جہان ہے مسجود ہے تو — طالب ترا کن فکان ہے مقصود ہے تو
ہر مومن و بت پرست شیدا تیرا — صدقے ترے نام کے وہ معبود ہے تو

دشوار ہر ایک کام آسان ہو جائے — جس چیز کا سامان نہو سامان ہو جائے
تیری نظر مہر جو ہو رب کریم — ذرہ ابھی خورشید درخشان ہو جائے

ایام نشاط و کامرانی پھر آ — سرمایۂ عیش زندگانی پھر آ
پیری نے مٹائی زندگی کی لذت — اے عہد شباب و نوجوانی پھر آ

معشوقون سے ہم نے دل لگانا چھوڑا — خوش چشمون سے آنکھ کا لڑانا چھوڑا
چھوٹا جس دن سے لکھنؤ کوثر — بزم شعرا مین آنا جانا چھوڑا

افسردہ برنگ گل چمن سے نکلے — گریان صفت شمع لگن سے نکلے
کھینچے لیے جاتی ہے گیا کو قسمت — ہم گرد سفر بن کے وطن سے نکلے

یہ جاہ و حشم نہ ہوشیاری سے ملا — جو کچھ کہ ملا رحمت باری سے ملا
ذرے سے بنے مہر درخشان کوثر — ہم کو یہ عروج خاکساری سے ملا

کبتک کوئی سیر مسجد و دیر کرے — اسلام سے اُنس کفر سے بیر کرے
کوثر ہے چشم مست ساقی کا خیال — اللہ مرا خاتمہ باخیر کرے

ایام نشاط و کامرانی کب تک — آخر یہ غرور نوجوانی کب تک
گزری شب عیش صبح پیری آئی — ہشیار ہو مست سرگرانی کب تک

حیدر نائک

امن برطانیہ کی جو برکتین ہم ہندوستانیون کو بالفعل حاصل ہین اُنکی وجہ سے اس امن و آسائش کے زمانہ مین گزشتہ دو تین صدیون کے اُن پُرآشوب حالات و واقعات کا قیاس کرنا مشکل ہے جبکہ سلطنت مغلیہ چراغ سحری کی مصداق بنگئی تھی اور ملک مین ہر چہار طرف شورشون اور بےچینیون کی بلائین نازل ہورہی تھین خاصکر مرہٹیہ گردی کی وجہ سے وہ طوفان بےتمیزی برپا تھا کہ تمام ہندوستان مین کسی متنفس کی جان و مال خطرے سے خالی نہین رہے تھے اگرچہ اسوقت بھی مسلمان راجپوت اور چھتریون کی سی شریف اور معزز قومین کہین کہین برسراقتدار نظر آتی تھین مگر مرہٹون اور قزاقون وغیرہ کے استیصال اور عام امن انتظام قائم رکھنے کے لیے سب مین توی اور شایستہ حکمرانون کی ضرورت محسوس ہورہی تھی چنانچہ اس ضرورت کو برٹش گورنمنٹ کے عدل انصاف اور خوش تدبیری نے بوجہ احسن پورا کردیا لیکن استحکام سلطنت برطانیہ کے پیشتر حالت یہ تھی کہ تمام مملکت ہند مین فتنہ و فساد کے ہنگامے آئے دن برپا رہتے تھے اور ہر طرف طوائف الملوکی کا بازار گرم تھا۔ انھین پر آفات صدیون مین اکثر حوصلہ مند اور جو شیلے سپاہی زادے ایسے پیدا ہوے جو اسوقت کے بعض عیش پسند و آرام طلب سلاطین کے طفیل مین کچھ کچھ نام و نمود حاصل کرتے رہے مگر ان سب خوش اقبال و ہونہار نوجوانون مین کسی ایک کو بھی ایسی شاندار کامیابیان نصیب نہین ہوئین جیسے کہ ایک غریب سپاہی نے حاصل کین جو حیدر صاحب سے حیدر نائک ہوے اور رفتہ رفتہ نواب حیدر علیخان بہادر والی میسور کے نام سے تاریخ ہندوستان مین اپنا ذکر چھوڑ گئے۔

اس بیان کی تائید مین زوال عہد مغلیہ کی عام حالت اور حیدر علیخان کے صفات ذاتی اور مدارج ترقی کا اندازہ کرنے کے لیے فارسی زبان کی ایک تاریخ کے چند فقرے درج ذیل کئے جاتے ہین:

”اگرچہ اختلال نظام مہام دولت دہلویہ بسبب عروج چندین طرفدار و فرصت وقت غنیمت شمار گردیدہ ولیکن از میان آن ہمہ جاہ جویان نواب حیدر علیخان ممتاز بمزید قابلیت کشور کشائی و صلاحیت دارائی منحاز بود چہ این سپہدار بختیار نہ مانند دیگر نوابان و صوبہ داران پس از نیابت و باجگذاری دعوی استقلال در حکومت و طرفداری کردہ و نہ مانند قدیم راجگان ہندوستان سر از

اطاعت و فرمانبرداری برتافتہ باسترداد مرزبانی خاندانی خویش قدم ہمت برافشردہ رنگے بروے کار آوردہ بلکہ بحسن سعادت طالع و بلندی فطرت و علوے ہمت و توانائی و صلابت اعضا و تیزی و قوت حواس ظاہرہ نیز بلندی قوائے باطن و کمال تفرس و تفطن از تصنیف سپہ سالاری باوج گرانمایہ کشور خدیوی و شہریاری ترقی نمودہ"[سلہ]

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ باوجود اس تمام شہرت و قابلیت کے حیدر نائک نے دشمنوں اور فرانسیسیوں کے دام فریب مین آکر انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی سے کسی قدر مخالفت مول لینے مین غلطی کی اور یہی وہ شدید غلطی تھی جسکا تجربہ اُسکو اپنی زندگی مین خود ہو گیا تھا چنانچہ بمقام اپنی آخری شکست کے موقع پر حیدر علیخان کی زبان سے جو جملہ نکلا تھا وہ یہ تھا کہ "کاش مین ایسی قوم کے ساتھ مراسم اتحاد قائم رکھنے کی کوشش کرتا جسکے ایک سے زیادہ افسر قتل ہو جائین تب بھی اُسکا کوئی نقصان نہین ہو سکتا کیونکہ اس قوم کا ہر فرد خود افسری کے لائق نظر آتا ہے"

اسمین شک نہین کہ اگر حیدر علی کچھ روز اور زندہ رہتا تو سرکار انگریزی کا سچا دوست اور خیرخواہ ثابت ہونے کے علاوہ آج اُسکی غیر معمولی شہرت پر اسطرح پانی نہ پھر جاتا۔ چنانچہ حیدر علیخان کے حالات زندگی کو بغور دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ بذات خود انگریزی قوم کی بہادری اور امن پسندی کا معترف اور دل سے طرفدار تھا۔ مگر جب تقدیر بگڑی اور اسباب ناموافق پیش آئے تو حیدر نائک کی تمام ترقی جاہ و حشمت اور شہرت و بلند نامی خاک مین ملگئی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حیدر علی ایک شریف[سلہ] اور معزز سپاہی میر فتح علی نائک کا بیٹا تھا اور حیدر علی کی والدہ مجیدہ بیگم

سلہ کارنامہ حیدری مطبوعہ مطبع آفتاب عالمتاب کلکتہ ۱۸۴۶ء۔ سلہ حیدر علیخان کے حالات خاندانی کی نسبت مختلف بیانات ہین مگر معتبر روایت یہ ہے کہ حیدر علی کے مورث اعلیٰ حسن بن یحییٰ شریف مکہ تھے حسن بن یحییٰ کی اولاد مین ایک صاحب حسن بن ابراہیم انقلابات روزگار کی بدولت ۱۰۰۰ھ ہجری مین وارد ہندوستان ہوے اور متولی روضہ مقدس حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مہمان رہے۔ متولی صاحب نے حسن بن ابراہیم کو شرافت خاندانی اور اطوار نیک کے لحاظ سے اپنی فرزندی مین قبول کیا۔ حسن بن ابراہیم کی وفات کے بعد انکے پوتے میر محمد علی نے اجمیر کی اقامت ترک کر کے دہلی کا سفر کیا اور دہلی سے دکن مین بمقام گلبرگہ آکر توطن اختیار کیا اور گلبرگہ مین درگاہ حضرت خواجہ گیسو دراز کے سجادہ نشین ہوے۔ میر معصوم صاحب کی صاحبزادی آپکے عقد نکاح مین آئین۔ میر محمد علی کے وفات کے بعد انکے صاحبزادے میر فتح علی نے گلبرگہ کی بود و باش چھوڑ کر سپاہیانہ منصب اختیار کیا اور ناظم متعلقہ بیجاپور کی فوج مین ملازم اور نائک کے لقب سے سرفراز ہوے اسی عرصہ مین میر فتح علی کی شادی سید برہان الدین پیرزادہ تنجاور کی صاحبزادی سے ہوئی بعد ازان ۱۱۴۰ھ مین ناظم سرا کی ملازمت

ایک درویش مشرب بزرگ کی صاحبزادی تھین - میر فتح علی نائک راجہ میسور کی فوج مین معزز عہدہ پر فائز اور
خطاب نائک ممتاز تھے - مگر باپ کے انتقال کے بعد حیدر علی نے اپنی والدہ اور ماموں کے سایۂ شفقت مین
تربیت پائی اگرچہ حیدر علی کو نوشت و خواند اور علمی قابلیت حاصل کرنے کا موقع نہین ملا لیکن اسکی طبیعت
مین ابتدا ہی سے چستی اور مستعدی ذہانت اور ہوشیار مغزی کے صفات پائے جاتے تھے اور رفتار و گفتار
سے بہادری و شجاعت - ملک گیری و داد گستری کے جوہر نمایان تھے - باوجود جہالت و بیباکی کے اپنے
لڑکپن مین وہ محض اکھڑ سپاہی نہین معلوم ہوتا تھا بلکہ اسکی ذات مین خودداری - اعانت ذاتی اور عقلمندی
کے اعلیٰ اوصاف موجود تھے - مشہور ہے کہ فرانس کے ہر دل عزیز جنرل نپولین بونا پارٹ کی طرح سے
حیدر صاحب بھی اپنے ہمسن لڑکون کی فوج بنا کر کھیلا کرتا تھا اور ان سب کا سردار ہمیشہ وہ آپ بنجاتا تھا
اس طرح سپاہیانہ کھیل کود مین ایام طفلی بسر کرنے کے بعد حیدر علی اور اسکا بھائی شہباز خان جوان ہوکر
حسب استحقاق موروثی راجہ میسور کی فوج مین نائک کے عہدون پر ممتاز ہوگئے[۱] - اور اپنے بھائی شہباز علی
کے بعد انتقال ۱۷۴۹ء مین حیدر نائک اپنی جان نثاری و کارگزاری کے صلے مین راجہ میسور کی افواج کا
سپہ سالار یا کمانڈر انچیف مقرر ہوگیا -

اس زمانہ مین ہندوستان مین ایک طرح کا نظام فوجی قائم تھا لہذا حیدر نائک کو راجہ میسور کی
طرف سے علاوہ تنخواہ و منصب وغیرہ کے تعلقہ بنگلور کی قلعہ داری عطا کی گئی چنانچہ وہ اپنی ذاتی فراہم کردہ
فوج کے ساتھ قلعہ بنگلور مین بسر اوقات کرتا رہا - اُسی وقت سے اسکی بہادری و جنگ آزمائی کی شہرت
دور و نزدیک پہونچ گئی تھی جسکی بدولت اکثر چھوٹے تعلقدار یا پالیگار اپنے حریفون کے مقابلہ مین اور گروہ
مرہٹہ کے دست برد سے بچاؤ کے لیے حیدر نائک سے امداد و اعانت کے طلبگار رہتے تھے اور اسکے معاوضہ
مین حیدر نائک کو اپنے حدود متعلقہ مین اضافہ کرنے کے موقع ملتے رہے اور اسکے جاہ و منصب مین روز
افزون ترقی ہوتی گئی چنانچہ راجہ میسور کے دربار مین رفتہ رفتہ حیدر نائک کا رسوخ زیادہ ہوگیا اور
ہر مشکل موقع پر حیدر نائک کی خدمت پر بھروسہ کیا جانے لگا - یہانتک کہ ۱۷۵۶ء مین پیشواؤن نے

چھوڑ کر راجہ میسور کی فوج مین دو ہزار پیادہ اور پانصد سوار کی سپہداری پر مامور ہوگئے - اسی زمانہ مین یعنی بسال ۱۷۲۲ء
میر فتح علی نائک کے گھر مین فرزند ارجمند طالع پیدا ہوا جسکا لقب حیدر صاحب اور نام حیدر علیخان رکھا گیا - (نشان حیدری
مولفہ میر حسین علی کرمانی افسر توپ خانہ افواج حیدری)

[۱] حیدر علیخان نے راجہ میسور کی ملازمت مین سرفراز ہونے کے بعد عبد الحکیم خان ناظم کرنول کی بیٹی کے ساتھ شادی کی
اور اسی بی بی سے ٹیپو سلطان پیدا ہوا -

مملکت میسور پر چڑھائی کردی تو راجہ میسور نے فی الفور حیدر علیخان کو مرہٹون کی مدافعت کے لیے طلب کیا مگر اس زمانہ مین حیدر نائک دوسری طرف اپنے فتوحات مین مصروف تھا لہذا جبتک حیدر نائک پایۂ تخت میسور یعنی سرنگاپٹن تک پہونچے راجہ میسور نے خوف زدہ ہوکر مرہٹون سے رقم کثیر بطور خراج یا چوتھ دینے کے معاوضہ پر صلح کرلی چنانچہ اسی رقم کے مطالبہ مین مرہٹون کی متواتر یورشون نے سلطنت میسور کو ہمیشہ اوقات درہم و برہم کردیا خصوصاً حیدر علی کو مرہٹون کا یہ مطالبہ نہایت شاق گزرتا تھا جسکے لیے زمانۂ تخت نشینی کے بعد نواب حیدر علیخان بہادر کو سخت زحمتون اور دشواریون کا سامنا ہوتا رہا۔[۱]

قلعہ دار بنگلور ہونے کی حیثیت سے حیدر نائک کو پہلی مرتبہ انگریزی کمپنی کی فوج کا مقابلہ کرنا پڑا جسکی صورت یہ ہوئی کہ فرانسیسیون اور انگریزون مین باہمی جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ مین راجہ میسور کے حکم سے حیدر نائک نے فرانسیسیون کی مدد کے لیے ۱۷۵۴ء مین بمقام ترچناپلی فوجکشی کی مگر فرانسیسی افسرون کی نالائقی[۲] سے میدان سرکار کمپنی کے ہاتھ رہا۔

[۱] نواب حیدر علیخان کو جماعت مرہٹہ کے ساتھ ہمیشہ سے دلی کاوش تھی اور وہ مرہٹہ طاقت کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر چینا چاہتے مین برابر ساعی رہا چنانچہ شیخ عبد الرحیم اپنی تالیف "کارنامۂ حیدری" مین صفحہ ۳۲ پر لکھتے ہین کہ "درمیان امران عہد خویش ہمین جماعت مرہٹہ را مخل مقصد و مرام خود توہم میکرد۔ و آنچنان حیلہ و فسون برہم زدن جمعیت آن نابکاران کہ وضع خاص حکومت شان با سانی برہم خورد بکار میبرد کہ اورا بکام دل فیروز مینگردید۔ ورای این معنی مایوسی بود کہ بمقابلہ ایس ... الشان ... بیگانگی خانگی و اتفاق ایشان معطل و بیکار دارد تا آن زمان ... افزونی اقتدار دولت روز افزون خویش دست آطاول ایشان بستہ گردانند"

[۲] روایت ہے کہ اس جنگ مین فرانسیسیون کی مدد کے لیے حیدر نائک نے اپنے بھائی میر مخدوم علیخان کو بھیجا تھا جسکی ہزیمت پر وہ بیحد ناخوش ہوا اور میر مخدوم علیخان کو اپنے منصب عالی سے گرا کے معمولی سپاہیون کے درجہ پر پہونچا۔ اس سزاے سخت کو دیکھکر تمام افسران بنگلور حیدر نائک کی سیاست سے بیحد خائف ہوگئے اور سب نے متفق اللسان ہوکر میر مخدوم علیخان کی سفارش کی لیکن جب سراسر قصور افسران فرانس کا ثابت ہوا تو اسوقت حیدر نائک کی محبت برادرانہ نے جوش کیا اور وہ خود مع خدم و حشم اپنے بھائی کی عفو تقصیر کے واسطے قصر عالی سے روانہ ہوا اور جب راستہ میں اپنے بھائی کو پاپیادہ خستہ حال دیکھا تو بے اختیار ہاتھی سے اتر پڑا اور بھائی کو گلے سے لگایا اور اپنے ساتھ ہی ہاتھی پر بٹھا کر واپس آیا۔ ایوان قلعہ داری مین آنے کے بعد میر مخدوم علی خان کو خلعت و منصب و مرتبہ سے سرافراز فرمایا۔ اس واقعہ سے رعایاے بنگلور کا ہر زن و مرد متاثر تھا اور سب افسران فوج کے دلون مین حیدر نائک کی ہیبت سیاست چھاگئی تھی

(فتوحات حیدری)

۱۷۵۵ء مین جب راجہ میسور نے حیدر نائک کو مادھوراؤ پیشوا کی مدافعت کے لیے طلب کیا ہے تو اس زمانہ مین حیدر علیخان راجہ میسور کے حسب ایما ممالک کرناٹک وخطہ بالاپور وغیرہ کی تسخیر مین مصروف کار رہا تھا۔ ان تمام غیر معمولی کارگزاریون اور نمایان عظمت و اقتدار کی بدولت راجہ میسور کے بعض ارکین دربار خاصکر کہاری راؤ دیوان میسور اسکا مخالف بنگیا تھا اور حیدر علی کی گرفتاری کے لیے دیوان میسور نے یہ جال پھیلایا کہ حیدر نائک کو دھوکے سے سری رنگپٹن مین طلب کر کے قید کر دینا چاہا مگر حیدر نائک کی چالاکی و ہوشیاری سے دیوان میسور کی یہ تدبیر کارگر نہو سکی

اوسوقت سے حید رنائک قلعہ بنگلور اور اسکے متعلقات پر خود مختارانہ حکومت کرنے لگا لیکن ابھی ایک اور مرحلہ اسکو پیش آنے والا تھا جسکی بدولت وہ ریاست میسور کا مستقل فرمانروا بنگیا ۱۷۶۰ء مین راجہ میسور کی فوج نے قلعہ بنگلور پر حملہ کر دیا مگر حیدر نائک نے راجہ کی فوجون کو شکست فاش دی اسی عرصہ مین سری رنگپٹن پر مادھوراؤ مرہٹہ نے یورش کی جس سے راجہ میسور کی قوت بہت گھٹ گئی لہذا اس موقع کو غنیمت دیکھکر حیدر علیخان نے اسی سال یعنی ۱۷۶۱ء مین سری رنگپٹن پر جاکے قبضہ کرلیا اور راجہ میسور کو نظر بند بناکے تمام ریاست میسور پر خود قابض و متصرف ہوگیا۔ اگرچہ حیدر علیخان نے سابق راجہ میسور کے اختیارات سلب کر لیے تھے مگر بپاس نمک اور اس لحاظ سے کہ راجگان میسور قدیم خاندان وزیانگرم کی یادگار رہین راجہ میسور کی ظاہری عزت و توقیر بدستور قائم رکھی چنانچہ نسلاً بعد نسلاً حیدر علی کے زمانہ مین اسی راجہ کی اولاد رسوخ شاہی و آداب مسندنشینی کے ساتھ میسور کی راجگی پر برائے نام مسندنشین ہوتی رہی اور معزول راجہ میسور کے گزارے کے لیے پایتخت میسور سری رنگپٹن کے قریب ایک جاگیر بھی دیدی گئی تھی۔

۱۷۶۱ء کے پیشتر میسوری راج ایک چھوٹی سی ریاست مین محدود تھا اور عام بدنظمی و ابتری کی وجہ سے اس ریاست پر مرہٹون کو تاخت و تاراج کرنے کے اکثر موقع ملتے رہے لیکن حیدر علی خان نے میسور پر قبضہ پانے کے بعد جنوبی ہند کے اکثر زرخیز اور شاداب حصے اپنے قلمرو مین شامل کر لیے اور وسعت و آبادی کے علاوہ ملک کی اکثر بدنظمیان دور ہوگئین۔ حدود میسور مین اسنے لٹیرون و غارتگرون سے تقریباً پاک ہوگئے تھے۔ پنڈاری اور اکثر جرائم پیشہ قومون کو حیدر نائک نے اپنی فوج مین داخل کرلیا تھا اور جنگی قوت اسقدر مضبوط و مستحکم بنائی تھی کہ مرہٹہ حملہ آور برابر شکستین کھاتے رہے۔

ان تمام وجوہ سے ریاست میسور مین ۱۷۶۱ء کے بعد ایک مستقل سلطنت کی حیثیت قائم ہوگئی تھی اور حیدر علیخان کے جانشین ٹیپو سلطان کے وقت مین میسور کی رونق دوبالا ہوگئی۔ سری رنگپٹن

اور اسکے قرب وجوار مین اکثر شاندار عمارتین تعمیر ہوئین - جابجا علوم و فنون کے چرچے ہونے لگے - ترقی تجارت و زراعت روز افزون تھی - غرضکہ ہمہ وجوہ وحشی اور جاہلون مین تہذیب و تمدن کی جھلک پیدا ہوگئی یہانتک کہ تاج برطانیہ کے زیر حمایت آنے کے بعد میسوری انتظام کی خوبیان دوسری ریاستون کے لیے سبق آموز ہوگئین - چنانچہ میسور کے طبعی حالات اور تدریج ترقی کا دھندلا سا خاکہ ایک مثنوی کے چند ابیات ذیل مین نظر آئے گا -

طرب گاہ پری و آدمی را وطن گاہ نشاط و خرمی را طرب نامہ زبور سے دلنشینے … خرم زمینے

بجا رش مخزن لولو و عنبر جبالش معدن یاقوت و گوہر نسیمش پر شمیم زلف دلدار … گلستان زعفران زار

زبان و ہمہ مشک و صندل نہ ساج و آبنوس و عود و صندل گلستان در گلستان نو بہارش گلستان در گلستان لالہ زارش

کہ بر ہر خطہ دارا لی نمودند نخستین حاکمانش راجہ بودند بداغ رشک از فردوس رضوان … بیابان

کہ بنہادہ اساس ملک میسور سپہدار مہین شیر سلحشور … حیدر علی خان … زمین …

بتخت خسرو آفاق بنشست چو آن ذرای دین رخت از جہان بست سرش زیب کلہ پاش افسر تخت … بخت

طرفدار دکن سلطان ٹیپو مہی بہرام کین و مشتری خو ہمای سلطنت ظل الٰہی … زیبا شاہی

برزم اسکندر و در بزم پرویز بکین و مہرش ابر آبگین ریز دلیر ارزم کین و برق پیکار … برد بار

جہان از داد دین آباد کرد او صناعت خانہ ہا بنیا کرد او چو عہد مہدی آمد روزگارش … احمد بود کارش

کہ بست این مملکت را زان طراز زبس آرایش و سامان و سازش بسے دولت سرا بنہاد بنیاد بسے آئین شاہی کرد ایجاد

بشستہ نقش دیگر بر نشستہ زمانہ آن ورق را در نوشتہ پر از ناز و نعیم و حور و غلمان شدہ یکسر دکن چون باغ رضوان

ہمہ دلجوی و راد و پاک پیوند ہمہ خوشخوی و آزاد و ہنرمند در آمد زیر فرمان برطین کنون آن تاج و تخت از …

سخن کوتہ بسے ہشیار کارند دو روزہ زندگانی خوش گزارند

فرمانروائے میسور ہونے کے بعد ہی حیدر علیخان نائک کی عظمت و اقتدار کے تمام اقطاع ہند مین ڈنکے بجنے لگے مگر اسی اثنا مین ایک اور واقعہ جلیلہ حیدر نائک کو اعزاز و افتخار حاصل ہونے کا پیش آیا جو اُسکے حالات زندگی مین خاص اہمیت رکھتا ہے یعنی مرہٹون نے اعلیحضرت نظام الملک فرمانروائے حیدر آباد کی خدمت مین باریاب ہوکر علاقہ جات سرا و بالا گھاٹ متعلقہ صوبہ بیجاپور کا اجارہ حاصل کرلیا تھا مگر جب احمد شاہ دُرانی اور سرکار انگریزی کی بدولت دربار پیشوا کی بنیادین متزلزل ہوگئین تو اوسوقت نواب بسالت جنگ ناظم بیجاپور نے مرہٹون سے علاقہ جات مذکور الصدر مسترد کرلینے کا ارادہ کیا اور اس غرض سے نواب حیدر علیخان کی امداد طلب کی چنانچہ [illegible] مین قلعہ

ہنسو رہ متعلقہ سرا حیدرعلیخان کی امداد سے فتح ہوگیا اور علاقہ جات سرا و بالا گھاٹ مرہٹون سے چھین لینے کے
بعد نواب صلابت جنگ نے حیدرعلیخان کو زر نقد کے معاوضہ مین دیدیے۔ نیز وعدہ دوستی و اتحاد دائمی
کے ساتھ شہنشاہ دہلی کی خدمت مین حیدرعلیخان نائک کی سفارش بھی کی چنانچہ مورخ لکھتا ہے
"پس بالقضائے روزے چند سفیر محمد شاہ بادشاہ دہلی با اتحاد نامہ و سپر و شمشیر مرصع کار و پالکی جھالردار
جیغہ جواہر نگار و ماہی مراتب و کوس و علم با دیگر ہدایا و نوادر روزگار رسیدہ و آوازہ فتوحات تازہ و بلند
امکیہ اندازہ اش آویزہ گوش جہان و جہانیان گردید اکنون سپہدار نامدار بلقب غرائے نواب
حیدرعلیخان بہادر نوازندہ شدہ"[1]

اس عروج و اقبال کے بعد نواب حیدرعلیخان بہادر کے جاہ و جلال اور مال و منال مین بھی
روز افزون ترقی ہوتی رہی۔ چنانچہ ۱۷۶۱ء مین ریاست کنڑہ حیدرعلیخان کے قبضہ مین آئی جس کا
پایہ تخت قلعہ بدنور المعروف بہ حیدر نگر تھا۔ قلعہ حیدر نگر مین کثیر دولت و ثروت نقد و جواہرات وغیرہ
حاصل ہوے اور قلعہ مذکور کی تسخیر گویا نواب حیدرعلیخان کی آیندہ کامیابیون کے لیے سنگ بنیاد
ہوگئی۔ چنانچہ قلعہ بدنور کی تسخیر کا واقعہ نہایت دلچسپ ہے یعنی راجہ بدنور لاولد مر گیا تھا اور اسکی رانی
قلعہ بدنور پر داد حکمرانی دے رہی تھی مگر ایک اور دعویدار ریاست پیدا ہوا جو راجہ متوفی کا تبنّٰی
ملازم تھا۔ چونکہ بدنور مضافات علاقہ سیرا مین واقع تھا لہذا راجہ کے تبنّٰی نے اپنی ماں کے خلاف
نواب حیدرعلیخان کے سامنے استغاثہ پیش کیا۔ اوسپر حیدرعلیخان نے ان دشوار گزار کوہستانی
مقامات پر بذات خود فوج کشی کردی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ رانی نے اپنے تبنّٰی فرزند کو ریاست بدنور کا
راجہ بنادیا اور حیدرعلیخان کو معاوضہ سرپرستی قلعہ منگلور نذر کیا گیا مگر قلعہ منگلور پر تصرف کرنے کے
بعد جب حیدرعلیخان نے مراجعت کی تو معلوم ہوا کہ رانی مذکور اور اسکے جانشین نے متفق
ہوکر اس عرصہ مین ایک خوفناک سازش کے سامان کیے تھے۔ چنانچہ ملا فیروز صاحب فتوحات برطانیہ
لکھتے ہین کہ۔

سگالیدہ باہم دگر مام و پور کہ چون وا رسد حیدر از منگلور بہ کاشخے بیاوردہ او سا فسردہ
آہستہ نہان کاخ را تار و پود فرود آوریم آن سرا بر سرش بخاک اندر آید سر و افسرش
کنون حال زن بشنو اے نیکخوے کہ چون بود کار زن پس از مرگ شوے گزیدہ بکاہش سیکے برہمن
ز دو شاد ز السنان کہ زربت تمن وراخواند نزدیکش آن چارہ گر بگفت انچہ بودش بدل سربسر

[1] کارنامہ حیدری مولفہ عبدالرحیم مطبوعہ کلکتہ۔

برہمن پرستار بت خانہ بود   بہ نزدش یکے خانہ شاہانہ بود   پے حیدر آن خانہ کردہ پسند
کہ بر جانش آرد ازآن خانہ گزند   بگفتش زبت خانہ تا آن سرا   نماید زمین را تہی جا بجا
گشاید بہ زیرِ زمین رہ فراخ   رساند سرِ نقب تا زیرِ کاخ   بدانسان کہ فرمود آن شوخ زن
بانجام آورد آن برہمن   چو حیدر بہ پرداخت از منگلور   بیامد بجائے کہ بُد مام و پور
پذیرہ شدہ پور و مام و سپاہ   دران کاخش آوردہ از گرد راہ   نہفتہ دارندہ جان و تن
بکاخ اندر آمد یکے برہمن   بہ حیدر سخن گفتن آغاز کرد   سر رازِ پوشیدہ را باز کرد
نہان بخیہ افگندہ بر روے کار   بر دنقب پنہان شدہ آشکار   شنید و زدانش بر آشفت سخت

بر آن مادر و پور گم کردہ بخت

اس ناسپاسی و محسن کشی کے سد باب کے بعد راجہ بدنور کی تمام ریاست اور مال و اسباب پر نواب حیدر علیخان بہادر نے قبضہ کر لیا راجہ اور رانی اپنے کیفرکردار کو پہونچے۔ مگر اس ریاست مین چونکہ راجگان قدیم کے وقت سے خزانہ معمور تھا اسلیے یہ نعمت غیر مترقبہ حیدر علیخان اور اُسکی فوج کے افسران و ملازم وغیرہ کے حصہ مین آئی۔ اس واقعے کو نواب حیدر علیخان نے فال نیک سمجھکر بدنور کا نام حیدر نگر رکھدیا اور ریاست کنٹرہ پر تسلط قائم کرنے کے بعد قلعہ حیدر نگر کے زر و جواہر سے مالامال ہوکر پایہ تخت میسور یعنی سرنگپٹن کا رخ کیا۔ اور راستہ مین بخت و اتفاق کی بدولت جنوبی ہند کے سرسبز و شاداب خطہ ملیبار کو بھی حدود میسور مین شامل کر لینے سے حیدر علیخان کی حشمت و جاہ مین نمایان اضافہ ہوگیا یعنی علی راجہ حاکم ملیبار نے راستے ہی مین بلا طلب حاضر خدمت ہوکر بلحاظ اخوت اسلامی حیدر علیخان کی اطاعت و فرمانبرداری قبول کر لی اور اُسکو مع فوج و لشکر اپنی دارالریاست کانانور مین مدعو کیا۔ یہ مسلمان راجہ قوم ناپلہ کا ایک خوشرو نوجوان تھا جسکو کسی وجہ سے راجہ کانانور نے اپنا داماد اور جانشین بنا لیا تھا چنانچہ راجہ ملیبار کے مرنے کے بعد اسکی وصیت کے مطابق علی صاحب بخطاب علی راجہ مسند راجگی ملیبار پر متمکن ہوا۔ مگر علی راجہ کی ہندو رعایا کو غیر قوم کی حکومت سخت ناگوار تھی چنانچہ اسکی رعایا مین گروہ نائران وغیرہ اکثر شورش و بغاوت کے ہنگامے برپا کرتے رہتے تھے اسکے علاوہ مرہٹون کی خانہ برانداز یون سے علی راجہ اسقدر پریشان اور کمزور ہوگیا تھا کہ اسنے حیدر علی خان سے توسل اختیار کرنے کا موقع غنیمت سمجھا۔

چنانچہ ۱۷۶۶ء مین علی راجہ نے حیدر علیخان کو اپنا آقا و سرپرست بنا لیا۔ اس غیر متوقع کامیابی کے بعد نواب حیدر علیخان اپنے دارالملک سرینگپٹن کی طرف روانہ ہوا مگر قریب تر

زمانہ مین - یعنے وہ حدود ملیبار سے کچھ دور آگے بڑھ گیا تھا کہ دفعتہ علی راجہ کے خلاف نائر گروہ نے بغاوت شروع کردی اور ایکبارگی غریب و مسکین قوم ماپلہ کو نیست و نابود کردینے کے ارادے سے قتل و غارت کا بازار گرم کردیا۔ علی راجہ نے اس حالت کی اطلاع اپنے آقائے نامدار کی خدمت مین کی لیکن برسات کا موسم آگیا۔ اور اُس زمانہ مین سرزمین ملیبار مختلف چھوٹی بڑی گھاٹیون اور طوفان خیز دریاؤن کی وجہ سے بالکل ناقابل گذر بنگیا تھا تاہم نواب حیدر علیخان کی حمیت قومی کو اسقدر جوش ہوا کہ فساد نائرن اور تباہی قوم ماپلہ کی اطلاع پاتے ہی اپنے لشکر کو پلٹ چلنے کا حکم محکم صادر فرمایا۔

چنانچہ علی راجہ کی امداد کو پہونچنے کے لیے نہایت مستعدی و جانفشانی سے حیدر علیخان بہادر نے یہ تدبیر نکالی کہ ملیبار کے ماہی گیرون کی چھوٹی چھوٹی کشتیان تعداد کثیر مین فراہم کرلین۔ اسوقت برسات کی وجہ سے دریاے کاویری طغیانی پر تھا مگر انہی کشتیون کی مدد سے مع چیدہ افسران فوج کے تھوڑی سی جمعیت لیکر دریاے کاویری کو عبور کرگیا اور بکمال بہادری و جانبازی کے ساتھ نائرون کی بغاوتون کو جابجا فرو کرتا ہوا علی راجہ کی تسکین و تشفی کے لیے کانانور پہونچ گیا اس عرصہ مین باقیماندہ افواج حیدری جو دریاے کاویری کے پار پڑی ہوئی تھی وہ بھی آگئی جسکے سپاہی جوش انتقام مین سراسیمہ ہو رہے تھے چنانچہ ان فوجون کے اکٹھا ہوجانے کے بعد نواب حیدر علیخان نے علی راجہ کی رعایا مین مارشل لا جاری کردیا اور کچھ عرصہ تک افواج حیدری کے ہاتھون نائر لوگ تہ تیغ بیدریغ ہوتے رہے اسکے بعد عام امن و انتظام کی غرض سے اور نیز برسات کا خراب موسم گزرجانے کے انتظار مین نواب حیدر علیخان بہادر معہ اپنے لشکر کے ملک ملیبار مین اقامت گزین رہا اور اس عرصہ مین علی راجہ کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ جزائر مالدیپ کی مہم پر بھیجدیا۔[1]

واضح ہو کہ عہد مغلیہ کے زمانہ سے بیرون ہندوستان کی فتوحات کی نوبت نہین آئی تھی مگر حیدر علیخان کی خوش اقبالی سے علی راجہ بحری راستون سے جاکے جزائر مالدیپ پر فتح یاب ہوا اور

[1] قوم ماپلہ کے لوگ چونکہ دریائی سفر کے عادی تھے اور علی راجہ کے پاس چند بحری کشتیان بھی تھین لہذا حیدر علیخان نے کچھ رقم دیکر چند نئے جہازات تیار کرنے کا حکم دیا اور علی راجہ کو اپنی فوج مین امیر البحر کے عہدہ پر ممتاز فرمایا۔ ان جہازات وغیرہ کی تیاری سے بحری لڑائیون مین کام لینے کے علاوہ حیدر علیخان نے ارادہ کیا تھا کہ مختلف اطراف عالم مین تجارتی کاروبار جاری کیا جاے اور مغربی قومون کی طرح ہندوستان مین بھی تجارتی کمپنی قائم کیجائے مگر ان تمام عاقلانہ تدابیر کو عمل مین لانے کے لیے اسکو اپنی زندگی مین فرصت نہ مل سکی۔

(نشان حیدری)

وہان کے راجہ کو گرفتار کرلایا۔ لہذا یہ فتوحات بھی نواب حیدر علیخان کی مدبری اور دانشمندی کا نمایان ثبوت ہنگئے چنانچہ مؤلف کارنامہ حیدری لکھتا ہے "انتزاع ملک کنٹرہ کہ مساعی اورنگ زیب عالمگیر در تسخیر آن رائگان رفتہ بود و ثمرے نہ بخشیدہ۔ و استخلاص جزائر مالدیوہ کہ در عدد بیرون از حصر و شمار ماند و اکثر سلاطین مغولیہ را ازان آگاہی نبود۔ آنقدر در مکنت و جاہ حیدر علیخان افزودہ کہ تمامی امیران ہندوستان و سرداران آن سفیران خود را برائے رسم تہنیت و مبارکباد نزد حیدر علیخان بہادر روانہ نمودند و شاعران مدحت سرا در قصائد خود او را بہ رتبہ سکندر ذوالقرنین ترجیح دادند" ان تمام مہمات سے فارغ ہوکر حیدر علیخان اپنی فوج کو لیے ہوئے کمال عظمت و جبروت کے ساتھ روانہ ہوا۔ راستہ مین کالیکوٹہ ایک چھوٹی سی ریاست تھی جسپر قوم نایر کا راجہ زمورن برسر حکومت تھا۔ چنانچہ زمورن نے اپنی شہر پناہ سے باہر آکر حیدر علیخان کا استقبال کیا اور حاضر خدمت ہوکر تحفہ و تحائف پیش کرنے کی اجازت حاصل کی مگر بعد کو ایک ناگہانی واقعہ کی وجہ سے ریاست کالی کٹ بھی نواب حیدر علیخان کے تصرف مین آگئی جسکے متعلق صاحب جارج نامہ لکھتا ہے ؎

چو حیدر بپرداخت از رزمگاہ بسوے کلی کوٹ شد با سپاہ در آنجا کسے را کہ منشور بود
بہ نامورئ آن مرد مشہور بود بہ پیکار نفراختہ یال و شاخ نہ دروازۂ شہر بست و نہ کاخ
چو در شہر آورد حیدر سپاہ پدیدہ شد حق رائے کشور براہ روان گشت دستش گرفتہ بدست
بیاورد او را بہ کاخے نشست بگفتا این یوم فرخندہ باد بہ پیش تو چون من بسے بندہ باد
بگفتش مخور ہیچ تیمار و غم نیاید بروئے تو از من ستم بر دیوست از من زمینید گزند
بدانسان کہ بودی کنم ارجمند چو حیدر جدا گشت از پیش رائے ز کاخ اندر آمد بہ پردہ سرائے
یکے برہمن بود تر از اہرمن سراسوز و کاخ افگن و خانہ کن بگفتش کہ اے گشتہ از راہ دین
چرا مہر حیدر نمودی گزین دہی گاہ خور را سوے پیش راہ تبر زین چہ باشد بہ گیتی گناہ
بپاداش این کار نایر گروہ برنجند و گردند از تو ستوہ نمایند بیرون از قوم خویش
بدانند دورت ز آئین و کیش نباشد پر اندوہ شد جان رائے با آتش برافروخت کاخ و سرائے
خودش را دران تیز آتش بسوخت جہان را دل از کار او برفروخت

زمورن کے اس طرح جل کر خودکشی کرلینے کا واقعہ ایسا تھا جسکو سنکے حیدر علیخان بہت متاسف ہوا اور زمورن کے ارکان خاندان جنہون نے نیک طینت راجہ کو ذات برادری سے خارج کرکے خودکشی پر مجبور کیا تھا ان سب پر حیدر علیخان نے ناراض ہوکر ریاست کالیکوٹ کو مسخر کرلیا

اور کوٹنور ایک ہمسایہ ریاست تھی جسکا راجہ حیدر علیخان کا مطیع و فرمانبردار تھا لہذا ریاست کالیکوٹ کا بھی انتظام راجہ کوٹنور کے سپرد کرکے نواب حیدر علیخان بہادر نے اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دیا راستہ مین ملیبار کی دوسری چھوٹی بڑی ریاستین جو مرہٹون کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے آمادہ بغاوت پائی گئین مثل کوچین و کوہرک و ٹراونکور وغیرہ وغیرہ پر قبض و تصرف کرتا ہوا اواخر ۱۷۶۶ء مین اپنے پایہ تخت سرنگاپٹن کو واپس آگیا سال بھر کے اندر کنرہ (کرگ ناڑ) ملیبار اور بالا گھاٹ جنوبی کی فتوحات حدود میسور مین شامل کرلیگئین تھین اس کامیابی و فتح یابی کی وجہ سے حیدر علیخان بہادر کی شہرت و نام آوری دور دور پھیلنے لگی اور ہندوستان بھر مین اسکی عظمت و جاہ کا غلغلہ بلند ہوگیا یہ زمانہ وہ ہے جب ممالک ہند مین سرکار انگریزی کے قدم جمنے لگے تھے اور انکے حریف فرانسیسی لوگ بھی جابجا اپنی ریشہ دوانیان کرتے جاتے تھے انگریزی کمپنی کے صدر مقامات اسوقت تک جنوبی ہند مین فقط بمبئی اور مدراس تھے اور فرانسیسی گورنر پھلچری (پانڈیچری) مین رہتا تھا ان دونون تجارتی کمپنیون سے حیدر علیخان کو کوئی وجہ پرخاش نہین تھی بلکہ ہر دو تجارتی مرکز حدود میسور سے قریب واقع ہونے کی وجہ سے فرانسیسی جماعت اور صاحبان عالیشان دونون قومین حیدر علیخان کی دوستی اور اسکی امداد و اعانت کے محتاج تھین چنانچہ حیدر علیخان نے سامان تجارت کی حفاظت و حمایت مین کوئی کمی نہین کی تھی بلکہ اشیاء درآمد و برآمد اسکے ملک سے بلامحصول لیجانے کی دونون مغربی قومین مجاز تھین خاص کر انگریزی قوم کے ساتھ دوستی و اتحاد رکھنے کا حیدر علیخان کو زیادہ خیال تھا جیسا کہ آئندہ واقعات سے بھی ثابت ہوگا۔ مگر اس زمانہ مین مرہٹہ طاقت چونکہ شمالی ہند مین انگریزون اور پنجاب مین احمد شاہ ابدالی کی وجہ سے بالکل ٹوٹ چکی تھی اور اب صرف جنوبی ہند مین مرہٹون کا کسیقدر اثر و اقتدار باقی تھا لہذا مرہٹون کو نواب حیدر علیخان والی میسور کی روزافزون ترقیات دیکھکر خدشہ پیدا ہوگیا اور جب حیدر علیخان نے ملیبار وغیرہ کی ریاستون کا انتظام شروع کردیا جو مرہٹون کی متواتر یورشون سے تباہ اور خستہ حال ہو رہی تھین تو حیدر علیخان کی اس مدبرانہ کارروائی کو وہ ٹھنڈے دل سے نہین دیکھ سکتے تھے اسلیے کہ کسی منتظم گورنمنٹ کا وجود وہ ہمیشہ اپنے فوائد کے خلاف سمجھتے رہے ہین چنانچہ ہندوستان مین انگریزی تسلط قائم ہونیکے بعد بھی ہر جگہ مرہٹہ سد راہ ہوتے رہے مگر بدقسمتی سے خود حیدر علیخان انگریزون کا مخالف مشہور کیا گیا ہے یہانتک کہ درسی کتابین جو اسکولون کے نصاب مین داخل ہین انکے بھی اکثر مضامین سے حیدر علیخان اور انگریزون کی مخالفت ظاہر ہوتی ہے اسکے علاوہ بہت سے قصے اور کہانیان اسی طرح کی عام طور پر شائع ہوگئین ہین مثلاً کہا جاتا

کہ سرکار کمپنی بہادر کے ملازمین اکثر راتوں کو خواب مین حیدر نہین ہارس حیدر نہین ہارس دسوان حیدری آمکر چونک پڑتے تھے یا انگلستان کی دائیان ضدی بچون کو رونے دھونے سے باز رکھنے کے لیے حیدر علی کا نام لے دیا کرتی تھین اور معصوم بچے اس نام کو سُنکر سہم جاتے تھے مگر ان تمام بے سروپا قصون کو چھوڑکر واقعات پر نظر کیجاتی ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ نواب حیدر علیخان کا اصل مخالف اور دشمن صرف مرہٹون کا گروہ تھا بلکہ حیدر علیخان نے جنوبی ہند مین خود سرکار انگریزی کا راستہ دشمنون کے خس و خاشاک سے پاک کر دیا۔ چنانچہ ملیبار وغیرہ کے وسیع اور سیر حاصل مقامات پر مرہٹون کی قوت کو حیدر علیخان نے بیشتر ہی کمزور کر دیا تھا جسکے بعد رفتہ رفتہ تمام دکن مین حکومت برطانیہ کا جھنڈا لہرانے لگا۔

ن ک

آکے مجھ تک کشتی مے ساقیا اولٹی پھری
آج کیا ندی بہی اولٹی ہوا اولٹی پھری

آتے آتے لب پر آہِ نارسا اُلٹی پھری
وہ بھی میرا ہی دبانے کو گلا اولٹی پھری

مُڑکے دیکھا اُس نے اور وار ابرو کا چلگیا
اک چھری سیدہی پھری اور اک ذرا اُلٹی پھری

لاسکا نظارۂ رخسار روشن کی نہ تاب
جاکے آئینہ پہ چہرہ کی ضیا اولٹی پھری

جو بڑا بول ایکدن بولے تھے پیش آیا وہی
گنبد گردون سے ٹکرا کر صدا اولٹی پھری

راست بازون ہی کو پیسا آسمان نے رات دن
وائے قسمت جب پھری یہ آسیا اولٹی پھری

رزق کھاکر غیر کی قسمت کا۔ زنبور عسل
تو نے دیکھا حلق تک جاکر غذا اولٹی پھری

تو ستائش گر ہے اوسکا جو ہے تیرا مدح خوان
یہ تو اے مشفق ضمیر مرحبا اولٹی پھری

جس پہ آئی تھی طبیعت کی اُسی نے کچھ نہ قدر
جنس دل مانند جنس ناروا اولٹی پھری

یا تو کشتی ڈوبتی تھی یا چلی ساحل سے دور
وائے ناکامی پھری بھی تو ہوا اولٹی پھری

ہجر کی شب مجھ کو اُلٹی سانس لیتے دیکھ کر
ایک ہی دم مین وہان جاکر صبا اُلٹی پھری

جی گیا مین اُسکے آجانے سے دشمن مرگیا
دیکھ کر عیسیٰ کو بالین پر قضا اولٹی پھری

مرگیا بے موت مین آخر اجل بھی دور سے
کوچۂ قاتل کا تیلا کر پتا اولٹی پھری

ہے مرا ویرانۂ غم نظم ایسا خوفناک
موج سیل آئی تو لے کر بوریا اُلٹی پھری

علی حیدر طباطبائی

سلہ رسالہ ہسٹری آف حیدر علی خان نواب بہادر۔

نوائے عاشق

قرار جگر کو نہین آگیا کہین اصلا — کہ جلتا پھرتا ہون چارون طرف برنگ ہوا
یہین بیابان تھا ابھی او تن دور جا پہونچا — فراق یار مین وحشت سے مین ہون اور صحرا
صبا بلطف بگو آن غزال رعنا را — کہ سر بہ کوہ و بیابان تو دادۂ ما را

تپان ہے سینہ مین دل مضطرب ہے جان نزار — قرار کو کسی پہلو نہین ہے آج قرار
بدل رہا ہون مین بستر پہ کروٹین ہر بار — اٹھے وہ آہ کے شعلے کہ جل اٹھا گھر بار
نہ گویمت کہ چہ آہم بجسم و جانم کرد — نہفتہ لیکن ازین سوز کے توانم کرد

جو روکون آہ کو تو ہو لہو دل ناشاد — زبان خاک ہو جل کر اگر کرون فریاد
ادھر خطر کہ نہ روٹھے وہ بانیٔ بیداد — ادھر یہ ڈر کہ ہو جانِ ناتوان برباد
نہ حالتے ست کہ با گریہ ربط باید کرد — نہ طاقت است کہ فریاد ضبط باید کرد

جو ضبط نالہ کیا آہ نے بھری سسکی — جو روکا آہ کو تو جان ناتوان کھسکی
بچاتا ہون جو اسے تو نہین ہے خیر اسکی — سبھی مریض خبر لون مین ایک کس کسکی
نہ مونسے نہ رفیقے نہ ہمدمے دارم — حدیث دل بہ کہ گویم عجب غمے دارم

کیا ہے ضبط فغان کو مگر محن ہے وہی — کہ داغ دل سے ہرا سینہ کا چمن ہے وہی
جلا ہوا شرر آہ سے بدن ہے وہی — وہی تپش ہے وہی سوز ہے جلن ہے وہی
دلم ز نالہ فرو ماند آہ من باقی است — بہار رفتہ و سرسبزی چمن باقی است

ہوا ہے جب سے جدا مجھ سے تو مرے گلفام — یہ گھر کا گوشہ ہے اور مین ہون اور درد ہی کام
نہ رات رنج سے خالی نہ دن نہ صبح نہ شام — پلک پلک سے گریزان ہوئی ہے نیند حرام
ز اشک چشم بدامان چہا گہر بہ برم — بدین امید کہ با تو شبے بسر بہ برم

جگر فگار ہے دل ناتوان ہے تن زخمی — کھنچی ہے جان رگون سے ہوا بدن زخمی
پڑے ہین داغ لہو کے کہ ہے کفن زخمی — ہرے ہین زخم کہ مدفون ہے یہ محن زخمی
شہید عشق ز خاک لحد چسان پوشد — کہ لحظہ لحظہ ازان خاک خون ہمی جوشد

عجب بلا ہے شب ہجر اے دلِ نادان — کسی کے حال زبون کا کوئی نہین پرسان

ہے ایک شمع سو وہ بھی بہ حال خود گریان — مین اشک ریز یہان ہون وہ اشک ریز وہان
دو رنج بردہ یکے شمع یک من محزون — دو زار مردہ یکے شمع یک من محزون
چمن سے دور ہے تو اور مین کوئی یار سے ہون — جدا تو گل سے ہے پر مین اپنے گلعذار سے ہون
جو تو خفا تو مین بیزار جان زار سے ہون — نہ تو قرار سے ہے اور نہ مین قرار سے ہون
بنال بلبل اگر با منت سر یاری است — کہ ما دو عاشق زاریم و کار ما زاری است
غلط ہے مجھپہ گمان رند کا غلط الزام — مین بادہ کش ہون مجھے خشک زہد سے کیا کام
مے و سبو سے لڑی رہتی ہے نگاہ مدام — نہ کچھ حلال سے مطلب نہ کچھ خیال حرام
صلاح کار کجا و من خراب کجا — ببین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا
کیا ہے چشم فسون ساز نے تری یہ کیا — نظر جو آتا ہے ہر ایک مبتلائے بلا
ہر ایک سمت سے رونے کی آرہی ہے صدا — پڑا ہے پیٹنا گھر گھر بتون کی چاہت کا
منم بعشق تو ہرگز نہ آن چنان نالان — کہ ہست یار زدست تو یک جہان نالان
شب فراق تصور بھی آئے گر اوس کا — تو سمجھون مہر یہی مین کہ یار آ پہونچا
مگر ہے وہ بھی تو اوس بت کیطرح مجھ سے خفا — مرے نصیب مین شاید نہین ہے یہ لکھا
درآ درآ کہ ز تو کار من بجان آمد — عجب عجب کہ ترا یاد دوستان آمد
جو آ سکے دام محبت مین ہے وہ ہے آزاد — نہ فکر کچھ اسے دنیا کی ہے نہ دین کی یاد
نہ عیش سے اسے راحت نہ رنج سے فریاد — نہ لب پہ شکر ترحم نہ شکوۂ بیداد
کسے کہ کاکل پیچیدہ پاے بند تست — رہا ست از ہمہ او گرچہ در کمند تست

سید خورشید علی مہر دہلوی

تا دو گیسو عنبر افشان کردۂ — ہر دو عالم را پریشان کردۂ
دل کہ روشن از فروغ روے تست — ذرہ را خورشید تابان کردۂ
جان و دل از دست خلقے بردۂ — آشکارا لطف پنہان کردۂ
حلقہ ہاے مو بروا فگندۂ — رخنہا در کار ایمان کردۂ
از رخ خود تا برافگندی نقاب — مہر و مہ را محو حیران کردۂ
ہست میل مہر ملکت اے نجیب — لکھنو را ہمسر صفاہان کردۂ

ابو الخیر محمد نجیب اللہ نجیب لکھنوی فرنگی محلی

جامع قرطبہ

دنیا کی تاریخ کو پڑھنے والون سے مخفی نہین ہے کہ زمانہ کبھی ایک حال پر نہین رہتا۔ ہر دم اور ہر لحظہ اسکو تغیر ہے مسلمانون کے عظیم الشان تمدن کی زبردست یادگارین نہ صرف ایشیائی براعظم پر قائم ہین بلکہ یورپی ممالک بھی ہمارے اسلاف کی بے شمار یادگارون کو اپنے مین لیے بیٹھے ہین ۔

"جامع قرطبہ" اس دارالعلوم کی مقدس یادگار کا نام ہے۔ جو ہر طالب علم کو تاریخ اندلس کی صفحہ گردانی مین پیش نظر ہوا کرتے ہین ہر طالب علم اسکی کم و بیش حالت سے ضرور واقف ہوتا ہے۔ زمانہ کی نیرنگی کی تمثیل پر مین ایک مضمون لکھنا چاہتا تھا اس ضمن مین مین نے اور تو کچھ نہین "جامع قرطبہ" کے عروج و زوال پر ایک بے تکا مضمون لکھ ڈالا ہے۔ معزز ناظرین سے امید ہے کہ اس سے صرف اچھا سبق حاصل فرمائینگے ۔ اور سہو و خطا پر نظر عفو سے کام لینگے ۔

جس وقت بنی امیہ کی سلطنت کا زمانہ مشرقی بلاد سے ختم ہوا۔ اور دورۂ ملک نے سلطنت کا تاج سفاح کے سر پر (جو عباسیون مین پہلا بادشاہ ہے) ۱۳۲ھ مطابق ۷۴۹ء مین رکھا۔ تو پہلا مقصد جو اس بادشاہ نے اختیار کیا وہ یہ تھا کہ جہانتک ممکن ہو سکے بنی امیہ کو دنیا سے نیست و نابود کیا جاے تاکہ ایسا نہو کہین پھر عروج نصیب ہو جاے۔ اس بادشاہ کے جور و ستم سے اکثر اپنی جان بچا بچا کے بھاگ نکلے اور جو رہ سکے جنگل مین گرفتار ہوے زندہ نہ بچے۔ اس غیر معمولی سختی کا مقصود یہ تھا کہ اہل بیت اطہار پر بنی امیہ نے جو جو مظالم برپا کیے تھے انکا دل کھول کر انتقام لیا جاے۔ ان بھاگے ہوؤن کی تعداد مین مسمی عبدالرحمن بن معاویہ بھی ایک ہونہار نوجوان تھا۔ جسکی قسمت مین بادشاہ بننا لکھا تھا۔ جو بہزار خرابی بڑی بڑی معرکہ آرائیون کے بعد مصیبتین اور آفتین جھیلتا جان بچاتا بلاد اندلس جا پہونچا۔ وہان پہونچکر ایسی چال چلی کہ یہان کے جتنے با اثر حاکم و امرا تھے سب اسکے معتقد ہو گئے۔ اسکی حکمت عملی اور عام اخلاق کا وہان ایسا گہرا اثر ہوا کہ وہان کے لوگون نے اسے اپنا حاکم تسلیم کر لیا۔ اور اسی طرح ایک نئی خلافت کی بنیاد قائم ہو گئی جسکا آغاز ۱۳۹ھ مطابق ۷۵۶ء سے ہوتا ہے شہر قرطبہ کو اپنا پاے تخت قرار دیکر مسلمانون سے بیعت لی۔ جب قرطبہ کو اندلس کے شہرون مین دار الخلافہ بننے کی عزت حاصل ہوئی۔ تو اسکی اسقدر شان بڑھی کہ دنیا کی بڑی سی بڑی سلطنت مین بھی کوئی شہر اسکا ہم پلہ اور ہم رتبہ نہین دیکھا جاتا تھا۔ جابجا شہر مین نہرون سے پانی پہونچایا گیا۔ بحری کارخانہ جا

قائم کیے۔ علوم و فنون اور ملکی تجارت کو بڑی ترقی دی۔ اس بانی خلافت اندلس کے عہد سلطنت مین جس عظیم الشان تاریخی یادگار کی بنیاد پڑی وہ جامع قرطبہ ہے۔ جسکا مجھے ذکر کرنا ہے۔ اسکے علاوہ فن زراعت کو اسکے عہد مین بہت بڑی ترقی حاصل ہوئی۔ انار۔ کھجور۔ تاڑ۔ روئی۔ چانول۔ توت۔ نیشکر۔ پستہ وغیرہ وغیرہ اور قسم قسم کی ترکاریان رنگ برنگ کے پھولون کے درختون کے پودے دور دراز ممالک سے منگوا کر بڑے اہتمام کے ساتھ پرورش کیے جاتے تھے۔ آئین سلطنت کا وہ انتظام تھا کہ ہر مذہب و ملت کو پوری پوری آزادی حاصل تھی۔ وہان کے باشندون کے اخلاق ستودہ تھے۔ فراست و دانشمندی مین یوروپی ممالک کے باشندون کے اُستاد مانے جاتے تھے۔ فنون جنگ مین وہ کمال حاصل کیا تھا کہ یورپ کے مشہور سیاحون نے یہان آکر انکے جلال و جبروت پر فاضلانہ ریویو کیا ہے۔ فن طبابت نے یہان خاص ترقی حاصل کی تھی۔ اکثر نسوان سے بھی فن طبابت مین ید طولی رکھتی تھین۔ طالبان علم دور دراز ممالک سے تحصیل علم کے لیے اس نامور شہر مین آتے تھے اور دولت علم سے مالامال ہوتے جاتے تھے۔ یہ شہر دنیا بھر کے علوم و فنون کا سرچشمہ بنا ہوا تھا۔ دار الخلافہ مین صنعت و حرفت کا یہ عروج تھا کہ صرف ریشم بافی کا کام کرنیوالونکی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بتائی جاتی ہے مسلمانون کے قدیم دستور کے مطابق اس عروس البلاد مین ہزارہا رفاہ عام اور پبلک افادہ کی عمارات تعمیر تھین صرف پبلک حمامون کی تعداد (۹۰۰) بتائی جاتی ہے جس مین ہر خاص و عام غسل کر سکتے تھے۔ علی ہذا سولہ سو مسجدین بھی شان و شوکت کے ساتھ کھڑی اسلام کے عظیم الشان جبروت کو بتاتی تھین۔ اور دس لاکھ فدائیان اسلام تھے جو پانچون وقت موذن کی پرتاثیر آواز پر کان لگائے رہتے تھے۔ اور اُس خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت بجالاتے تھے۔ ان مساجد مین سے سب سے افضل جامع قرطبہ تھی۔ جو دنیا کے عجائبات سے شمار ہوا کرتی ہے۔ جسکی ابتدائی تعمیر کا کام ۱۷۰ھ مین شروع ہوا۔ اور جسکی تعمیر مین بیشمار دولت صرف ہوئی۔ اس مسجد کی تعمیر مین جو لکڑی صرف ہوئی وہ صنوبر کی تھی۔ جسکا دریا کے کنارے ایک گنجان جنگل واقع تھا۔ جامع قرطبہ کی تعمیر مین لکڑی اسطرح صرف ہوئی کہ بعد تکمیل اس بادیہ بے پایان کا نشان تک باقی نہ رہا۔ اسکے نہایت عالیشان اکیس دروازے تھے جو سب کے سب اعلی صناعی کے نمونے تھے۔ جو پیتل کے پترون سے جڑے ہوے تھے اندرون حصہ مسجد کے ستونون کا اونیس قطار مین تھا۔ جو شمال سے جنوب کو ایک سیدھی قطار مین چلا گیا تھا۔ یہ ستون اس ندرت کے ساتھ ایک دوسرے سے مناسب فاصلہ پر استادہ تھے۔ کہ دیکھنے والون کو محو حیرت بنا دیتے تھے۔ ان ستونون کو کوئی بھی صحت کے ساتھ شمار نہین کر سکا۔ جن سیاحون کو اس مقدس عمارت کی زیارت کرنے کا اتفاق ہوا ہے وہ بھی مختلف الرائے ہین۔ کسی نے چارسو اور کسی نے پانسو بیان کیا۔ ممبر جسپر خطیب کھڑا ہوتا تھا۔ ہاتھی دانت اور ایک خاص قسم کی قیمتی لکڑی سے بنایا گیا تھا۔

جس میں ایک خاص صفت یہ تھی کہ وقت ضرورت بالکل علیحدہ علیحدہ کر لیا جاتا تھا۔ صحن مسجد میں چار حوض بہت ہی خوشنما بنے ہوے تھے۔ مسجد کے مغربی بازو پر مسافر و مساکین کے ٹھہرنے اور آرام لینے کیلئے بیشمار کمرے بنے ہوے تھے۔ اذان دینے کے لیے جو منار بنایا گیا تھا۔ اُسکی بلندی دو سو چالیس فٹ بیان کیجاتی ہے۔ رات کے وقت مسجد میں چار ہزار چار سو فانوس روشن رہتے تھے۔ جسمیں سالانہ تین ہزار رطل تیل صرف ہوتا تھا۔ مسجد کے خدام اور ملازمین کی تعداد تین سو سے زائد بتائی جاتی ہے۔ خوشبو کے لیے عود و لوبان جو جلایا جاتا تھا اُسکی سالانہ مقدار ایک سو بیس رطل تھی دیوار و نپر جا بجا کلام پاک کی آیات تحریر تھی۔ ایک حجرہ مسجد میں مخصوص تھا۔ جسمیں کلام ربانی رکھے جاتے تھے چاندی کے جھاڑ وسط سقف میں آویزان تھے اور جس وقت اُنہیں روشنی کیجاتی تھی تو پر لطف منظر پیدا کرتی تھی۔ مقابل مسجد ایک چمن بنا ہوا تھا۔ جس میں اقسام اقسام کے میودن کے درخت نصب تھے۔ اور اس چمن کی خوبصورتی کے لحاظ سے ایک بہت بڑا لمبا چوڑا حوض بہت ہی خوشنما بنا ہوا تھا۔ مسجد کا صدر دروازہ اس چمن میں کھلا ہوا تھا جہان سے نمازی لوگ وضو کرکے برہنہ پا مسجد میں داخل ہوتے تھے۔ اور مقابل دروازہ کے ایک کمان بنی ہوئی تھی جسکی بلندی تیس فٹ اور عرض پندرہ فٹ یہ کمان باب العفو کے نام سے مشہور تھی۔ پیشانی پر جلی قلم سے کلام پاک کی یہ آیت تحریر تھی۔ "یا ایھا الذین امنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ" اس کمان پر تین سو فٹ کے قریب ایک مربع منار ایستادہ کیا گیا تھا۔ جو قرطبہ میں دور دور تک اسلام کی شان و شوکت کا اظہار کرتا تھا۔ افسوس ہے کہ ایسی حالت میں یک بیک زمانہ نے ایسا پلٹا کھایا کہ آنا فاناً معاملہ دگرگون ہوگیا۔ کہاں ہے وہ جامع قرطبہ کہ جس جگہ روزانہ دس لاکھ مسلمان خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اوسی جگہ اب توحید فی التثلیث کی تعلیم دیجاتی ہے۔ نہ وہ ممبر رہا اور نہ وہ بنیاد! انقلاب زمانہ اسی کا نام ہے جسکو بدلتے ایک لمحہ کی دیر نہیں لگتی کسی شاعر کا کیا اچھا شعر ہے۔

بیک ساعت بیک لحظہ بیک دم ❊ دگرگون می شود احوال عالم

نعمت خان

تضمین از حضرت قضا بر بیت غنی کشمیری

دنیا ہے جہنم جو نہ پورے ہوں مقاصد ❊ جینے کا مزا خاک نہیں ہے می و شاہد

آتی ہے ہنسی مجھکو تری عقل پہ زاہد ❊ با زہد و لان چند نشینی بمساجد

خمخانہ نشین باش کہ خم زندہ بگور است

دیکھو تو!

(مسلم یونیورسٹی کا شاندار مستقبل)

فلاحِ قوم کی ہاتھ آ گئی تدبیر دیکھو تو
چمکنے کو مسلمانون کی ہے تقدیر دیکھو تو

جہالت سے مٹی تھی خاک مین جس قوم کی عزت
وہ ہو گی کیمیائے علم سے اکسیر دیکھو تو

مسلمان جو بیسدی تھے فضائل اور معارف مین
وہی ہونگے بساطِ دہر پر اب میر دیکھو تو

جلائے علم سے چمکیگا روئے ملتِ بیضا
دماغ و دل مین پھیلائینگے ہم تنویر دیکھو تو

علیگڈھ قرطبہ ہونے کو ہے فضلِ الٰہی سے
علومِ دین کی ہاتھ آنے کو ہے جاگیر دیکھو تو

رواق و طاق سے اُٹھے گا شورِ اللہ اکبر کا
در و دیوارِ دین سے گے نعرۂ تکبیر دیکھو تو

یہاں سے نوجوان نکلینگے بنکر طوسی و رازی
بڑھیگی جنسے علم و فضل کی توقیر دیکھو تو

یہان ہونگے پیدا بو علی سینا و غزالی
کرینگے کشورِ حکمت کو جو تسخیر دیکھو تو

بنائے قصرِ دنیا ہو گی محکم انکی ہمت سے
بنینگے سقفِ دین کے یہ جوان شہتیر دیکھو تو

کبھی سر سید احمد خان نے جو اک خواب دیکھا تھا
سر آغا خان ہوے اُس خواب کی تعبیر دیکھو تو

نہین اس قول مین کچھ شک کہ دیر آید درست آید
ثمر در قوم کے حق مین ہوئی تاخیر دیکھو تو

خدا کا شکر ہے بنتی ہے یونیورسٹی ابہی
کہ "باب العلم" کی ہوتی ہے یہ تعمیر دیکھو تو

سر آغا خان کی ہمت کا ثنا خوان اک زمانہ ہے
اُنھین کا پڑھتے ہین کلمہ جوان و پیر دیکھو تو

کہان ہوتے ہین یون ناوک فگن سچے نشانے کے
جزاک اللہ کیا بیٹھا ہدف پر تیر دیکھو تو

لبِ معجز نما سے طرزِ جان بخشی ہویدا ہے
کہا "قم" اور زندہ ہو گئی تصویر دیکھو تو

یہ ثابت ہو گیا اسلامیو ہے جان تم مین بھی
تمہارے جود کا شہرہ ہے عالمگیر دیکھو تو

تمہارا بذلِ قومی آج افسانہ ہے دنیا مین
کہ ہے یہ ثبت لوحِ وقت پر تحریر دیکھو تو

فرائض مین جو اپنے اسطرح ہشیار ہوتے ہین
تو حل پل بھر مین اُنکے عقدۂ دشوار ہوتے ہین

سید محمد فاروق ہوشیارپوری

گورغریبان والون سے خطاب

اے عالم برزخ اور ملک عدم کے سیاحو! اور اُس وہان کے دلفریب سین دیکھکر محو حیرت ہو جانے والو! اپنی بیخودی سے چونکو! ہوش مین آؤ! حواس سنبھالو! اور ذرا اپنی اُس غفلت کو جو تم پر ایک عرصہ دراز سے چھائی ہوئی ہے دور اور رفع کرو! بہت غافل اور بے خبر رہ چکے! اب کچھ ہماری سنو! اور اپنی سناؤ! دیکھو تو تمھارے یہان سے چلے جانے کے بعد زمانہ نے کس کس طرح پلٹے کھائے! کیا کیا رنگ بدلے! اور اس عالم مین کیسے کیسے انقلاب ہوے! جنکی تمھین ذرا بھی تو خبر و اطلاع نہین!

گو کیسا ہی دلفریب منظر اور کتنا ہی دلچسپ سین تمھاری آنکھون کے سامنے کیون نہو مگر ایسی غفلت اور محویت بھی کس کام کی! تم کو گئے ہوے ایک مدت مدید گزرنے کو آئی! تمھین خواب غفلت کے بستر پر پڑے ہوے ایک زمانہ گزر گیا! مگر تم ہو کہ وہی خواب غفلت مین پڑے ہوے اب تک اُسکی میٹھی نیندون کے مزے لے رہے ہو! اور تمھین دنیا و ما فیہا کی خبر تک نہین!

اچھا ہان یہ تو بتاؤ تم وہان پہونچے کس کس طرح؟ راستے مین تمھین کیا کیا مشکلین پیش آئین؟ اور کیسی کیسی دشواریان سدراہ ہوئین؟ اب تم وہان کیسے ہو! اور تمھاری اُس جگہ کیسی گزرتی ہے؟

بھئی تم تو بڑے ہی بیمروت نکلے! اور بہت ہی بیوفا ٹھہرے! تم سے ہمین ایسی اُمید نہ تھی! کیا یہ نقط مُنہ دیکھنے ہی کی محبت تھی یا کچھ اسکی اصلیت بھی تھی؟

سامنے تو تم ہم سے بڑی بڑی ہمدردیون کا اظہار کرتے تھے! بڑی ددوں کی لیتے تھے! اب وہ دم بھرنا کیا ہوا؟ وہ محبت و شفقت جسکے تمھین بڑے دعوے تھے اور جسپر تمھین بہت کچھ ناز بھی تھا کیا ہوئی اور کدھر گئی؟ تم نے آنکھ سے اوجھل ہوتے ہی بے رخی کا کچھ ایسا پہلو اختیار کر لیا. کہ اپنے دل سے ہماری ایک رہی سہی یاد بھی بھلا دی!

کیون بھئی! مصرع ایسے گئے کہ خط بھی نہ بھیجا رسید کا؟ اور نہین تو کم از کم ایک آدھ سطر ہی سے یاد کر لیا ہوتا! تمھین پتہ بھی معلوم تھا لہذا اسکی بھی کوئی معذوری تھی! پھر سمجھ مین نہین آتا کہ یہ فراموشی اور خاموشی کیسی؟ کچھ نہین

تم ہمین بھول گئے ہو شاید ہم تمھین یاد کیا کرتے ہین

تمھین اپنی جگہ پر سوچو اور غور کرو جس کے ساتھ تمھارا عمر بھر کا ساتھ رہا ہو جو مدتون تمھاری محبت کا دم بھرنے والا رہ چکا ہو اُس سے علٰحدہ ہوتے ہی ہمیشہ کے لیے قطع تعلق کر دینا کیا یہ ایک اخلاقی جرم اور خلافِ دوستی برتاؤ نہین؟ تم وہان چاہے کیسے ہی عدیم الفرصت ہو اور چاہے ہمارے نام کا وظیفہ ہی کیون نہ پڑھتے رہتے ہو مگر ہم تو یہی کہینگے کہ تم بڑے بیوفا نکلے۔

آخر ہم سے کونسی خطا سرزد ہوئی جو تم نے قطع تعلق کر لیا! یا ہم نے تمھارے کس حکم کی تعمیل نہ کی جسکی بنا پر تم ہم سے خفا ہو گئے اور ایسے خفا کہ مُڑکے بھی نہ دیکھا؟

ہماری دانست مین تو ہم سے کوئی قصور نہین ہوا اور مانا کہ ہم سے کوئی عدول حکمی ہو گئی مگر تمھین درگزر کرنا تھا یا کم از کم ہمین اپنے جرم سے واقف کر دیتے، ہم بشر تھے، اور بشر سے خطا، قصور اور بھول چوک ہوتی ہی رہتی ہے، تمھین والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس، پر نظر کرکے ہماری غلطیون پر چشم پوشی سے کام لینا تھا، نہ کہ یون اکبارگی بغیر کسی شکوہ و شکایت کے مدتون کے دوستانہ برتاؤ اور محبت کے قدیم راہ و رسم کو ایک لحظہ بھر مین الٹا بھلا دیا کہ سلسلۂ تعلقات ہی منقطع کر دیا، تمھین ایک ذری سی بات پر قیامت تک کے لیے ہم سے یون بگاڑ کرنا، اسطرح خفا ہو جانا، اور یون روٹھ کے ہماری اُن تمام امیدون اور تمناؤن پر جو تمھاری ذات اور تمھارے دم کے ساتھ وابستہ تھین پانی پھیر دینا تو نہ چاہیے تھا۔

ہمین تو تمھارے پتہ سے بھی واقفیت نہ تھی نہ راستہ ہی معلوم تھا کہ خط بھیج کے معذرت کرتے، یا خود پہونچکر تم سے اپنی خطاؤن کی تلافی کراتے، تمھین مناتے، تم سے معافی مانگتے، اور تمھین ہمیشہ کے لیے یون خفا نہ ہو جانے دیتے!

تم تو ایسی دور دراز جگہ جا بسے جہان انسان کی طاقت نہین کہ زندہ پہونچ سکے، تمھارے شہر، تمھاری آبادی، اور تمھارے ملک تک تو سنتے ہین، لوگ مر مر کے پہونچتے ہین، اور جو جاتا ہے وہین کا ہو رہتا ہے اور گویا واپس آنا جانتا ہی نہین۔ کسی مین یہ صلاحیت ہی نہین نظر آتی جو تمھارے پاس جا کر وہان کے مفصل حال کی خبر لائے،

اول تو وہان جانا کوئی گوارا ہی نہین کرتا اگر بہ دقت تمام کوئی رضا مند کر کے بھیجا بھی جائے

تو یا خود تم ہی اُسے واپس نہین آنے دیتے اور اپنا بنا لیتے ہو یا وہان خدا جانے کون ایسی ہی دلچسپیان ہین جنھین دیکھ کے انسان ایسا گرویدہ ہو جاتا ہے کہ خود ہی اُن سے کام نہین لیتا، کبھی وہان کی خبرین سُننے اور وہان کے حالات دریافت کرنے کے لیے ہمارا جی بہت تڑپتا اور ترس ترس کے رہ جاتا ہے کیا اچھا ہوتا کہ اور نہین تو تم سے سلسلۂ خط وکتابت ہی جاری ہو جاتا تم کچھ اپنی کہتے، کچھ ہماری سُنتے اور باہمی تبادلۂ خیالات سے ہم تم ایک دوسرے کو مسرور اور محظوظ کرتے

علی احمد۔ ندوی۔ اعظم گڈھی

چند پند

ہند مین ہیں ہم مسلمانون کی آبادی قلیل — اور اس قلت پہ کچھ کم ہے اب تعلیم بھی
اس مرض کی ہے ہمارے حق مین یہ کافی دوا — ہم نصاب کہنہ کچھ اپنے کرین ترمیم بھی
علم تو حاصل کرین محنت کرین دل کھول کر — "اجتماعی قوتون" کی ساتھ ہو اسکیم بھی
کر دیا از کار رفتہ جہل نے کتنا ہمین
ایک تو کڑوا کریلا اور اس پر نیم بھی

ایضاً

زر لاؤ شرافت تو کوئی چیز نہین ہے — تہ کرکے رکھو بقچے مین اب چال چلن کو
حاصل ہے قناعت تو ہے آرام بہت کچھ — مُنھ کھول کے برباد نہ کر اپنے سخن کو
تعلیم جدیدہ نے سکھائی ہمین شوخی — آخر جو بگاڑے نہ کہین چال چلن کو
مین ناشتہ کرنے کی ہوا فکر مین مشغول — کہنے لگے صاحب کہ ہوئی دیر ٹفن کو
گھر پھونک کے دکھلائین تماشا یہ مسلمان
کوڑی نہ کبھی پاس رکھین اپنے کفن کو

خواجہ محمد عبد الرؤف عشرت لکھنوی

غزلیات

در خیالِ چشم او مستانہ میگردیم ما — صورتِ مے اندرین پیمانہ می گردیم ما
بزم گاہ و خلوت و میخانہ و دیر و حرم — شمع باشی ہر کجا پروانہ می گردیم ما
پائے رفتن گو نہ میداریم در راہِ جنون — صورتِ سیل اندرین ویرانہ می گردیم ما
در بساطِ دہر جائے ما بہ ہر دل انزوا ست — اسپِ شطرنجیم در ہر خانہ می گردیم ما
خلق را سرگشتہ دارد در جہان فکرِ معاش — آسیا آسا بہ گردِ دانہ می گردیم ما
نوخطان را نیست گر مہرے درین پیری ما — آشنائے سبزۂ بیگانہ می گردیم ما
از زبانِ حال می گوید دلِ صاحبدلان — کز صفا رشکِ دُرِ یک دانہ می گردیم ما
جان ما را جز بچینِ زلف تو نبود قرار — ہر طرف چون آہوے صحرا نہ می گردیم ما
جلوہائے نورِ[1] ما ہر جاست فائز در ظہور[2] — گل بگلشن شمع در کاشانہ می گردیم ما

فائز عمادپوری

یہ جاہ و احتشام یہ عزّ و وقارِ صبح — کرتا ہے آسمان زرِ انجم نثارِ صبح
کیا پر فضا ہے باغ میں رنگِ بہارِ صبح — ہر سو کھلے ہوئے ہیں گلِ لالہ زارِ صبح
ہر سو شبِ فراق کی چھائی ہے تیرگی — ہے پردۂ نقاب میں روئے نگارِ صبح
دیکھیں تو جو نکلتے ہیں وہ کب خوابِ ناز سے — کس وقت ٹوٹتا ہے طلسمِ غبارِ صبح
اے قافلو اٹھو سوئے راہِ طلب چلو — دیکھو ہوا کی چال چلا راہوارِ صبح
شان و شکوہ خسروِ خاور کو دیکھ کر — شبنم کے قطرے ہوتے ہیں پیہم نثارِ صبح
بسمل کی طرح کٹ جو گیا ہے گلوئے شب — نکلی نیامِ چرخ سے کیا ذوالفقارِ صبح
وعدہ کی رات آکے مصیبت میں گھر گئے — اُس رشکِ مہ کو شام سے ہے انتظارِ صبح
اوجِ حزین ہے کنجِ قفس میں اسیرِ غم — لوٹے گی عندلیب چمن میں بہارِ صبح

اوج گیاوی

---

[1] تلمیح است بنام حضرت محی السالکین مولانا شاہ نور الحق تپان قدس سرہ کہ آب امجد حضرت فائز بودند ۱۲ منہ
[2] و اینہ تلمیح است بنام حضرت غوث الدہر مولانا شاہ محمد ظہور الحق محدث عمادی قدس سرہ کہ جد بزرگوار حضرت فائز بودند رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ۱۲ منہ

شب وعدہ ہے اُلٹینگے نقاب آہستہ آہستہ
کرینگے دور وہ شرم و حجاب آہستہ آہستہ

اداؤں میں شرارت آچلی شوخی نگاہوں میں
چلا ہیں اب آتا ہے شباب آہستہ آہستہ

ہمارے زخم دل سے یوں لہو جاری ہے رہ رہ کر
کھنچے انگور سے جیسے شراب آہستہ آہستہ

نفس کے ساتھ طے کرتا ہے انساں راہ ہستی کی
ہوا کے ساتھ چلتا ہے حباب آہستہ آہستہ

ادھر ہے رعب کے مارے اُدھر ہے شرم کے مارے
سوال آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

محوی لکھنوی

کافرِ عشق بت دشمن ایمان ہم سے تھے
شکر کرتے ہیں خدا کا کہ مسلمان ہم سے تھے

جب میں کہتا ہوں کہ تم غیر کی آغوش میں تھے
کس ڈھٹائی سے وہ کہتے ہیں کہ ہاں ہاں ہم تھے

سیر جلنے کی ہمارے نہ کسی نے دیکھی
ہجر میں شمع سر گورِ غریباں ہم تھے

ہو کے بسمل جو تڑپنے کی ہمیں حسرت تھی
ساتھ قاتل کے لیے تیغ و نمکداں ہم تھے

اُسنے جب قید سے چھوڑا تو رہے گرد قفس
اپنے صیاد کے پروردۂ احسان ہم تھے

شعلۂ روئے بتاں نے بھی نہ ہم کو پھونکا
آگ نے بھی نہ جلایا وہ مسلمان ہم تھے

بیخودی تھی ہمیں بیہوش تھے یا غفلت تھی
خیر جس حال میں تھے آپکے خواہاں ہم تھے

دُرد ساقی نے ہمیں تھوڑی سی دی سب کے بعد
دور میں رات پسِ حلقۂ مستاں ہم تھے

بخشدے پھر خدا اے بتِ کافر یہ گناہ
تجھکو سجدہ نہ کیا خاک مسلماں ہم تھے

رنگ بدلا نہ زمانے کی طرح ہم نے جگر
رہ گئے یاد زمانے کو وہ انساں ہم تھے

جگر (از بمبئی)

دور کن از دل خیال اعتبار زندگی
زانکہ بر آب است بنیاد حصار زندگی

چند انفاس اند کاز آمد و شد بر لب است
بر حباب دست گل دارو مدار زندگی

دل منہ بر جلوۂ جولانی او زانکہ ہست
از کفت خارج عنان راہوار زندگی

ہست محکم تر بعالم گر کنی نیکو نظر
تار و پود عنکبوت از پود و تار زندگی

نقد وقت خویش را کن صرف در افعال نیک
زاد عقبیٰ کن فراہم در دیار زندگی

از مکافات عمل در آخرت غافل مباش
ہر چہ خواہی آن بکن در روزگار زندگی

پند صائب گوش کن شوخی کہ نیکو گفتہ است
دل منہ بر جلوۂ ناپائدار زندگی

شوخی سندیلوی

حضرت شیخ محی الدین اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت شیخ اکبر اپنے زمانہ کے اکمل الکاملین مین سے تھے۔ جسقدر رموز تصوف آپ نے بیان فرمائے کسی نے اسقدر نہین ظاہر کیے آپ قائلین وحدت وجود کے امام تھے۔ آپ سے کرامات و خرق عادات لاتعد و لاتحصیٰ صادر ہوے ہین۔ شیخ الاسلام صاحب قاموس قدس سرہ لکھتے ہین کہ مجھے آجتک نہین معلوم ہوا کہ کوئی شخص علم شریعت و حقیقت مین امام محی الدین ابن عربی شیخ اکبر کے منبع علم کو ہوپنچا ہو کیونکہ وہ ایک دریاے ناپیداکنار تھے اور انکی تصنیفات بحر زخار ہین۔ کسی نے ایسے رموز و مفید مطالب نہین بیان کیے اور انکی کتابون کا مطالعہ کرنا حق تعالیٰ سے قربت حاصل کرنا ہے۔

آپ کا اصلی نام محمدؐ ہے اور محی الدین آپ کا لقب اور عبداللہ کنیت ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام علی بن محمد عربی ہے۔ سنہ ۵۶۰ھ مین دوشنبہ کی شب سترھوین رمضان المبارک کو بمقام مرسیہ اندلس مین پیدا ہوے اور آپ کا طریقہ مالکی تھا۔

آپ کا کلام اسقدر عجیب و لطیف ہوتا تھا کہ علماے ظاہر اسکے سمجھنے سے قاصر تھے اسلیے اکثر نے آپ پر (نعوذ باللہ) کفر کے فتوے لگائے۔ علامہ قطب الدین شیرازی رح فرماتے ہین کہ حضرت شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شریعت و حقیقت دونون مین کامل اور بے نظیر فرد تھے جو لوگ انکے کلام پر طعن کرتے ہین وہ کیا کرین اسکو وہ سمجھ نہین سکتے تھے اور جو کوئی انکو برا کہتے ہین تو انکو ایسا جانو جیسے وہ لوگ ہین جو نبیون کو برا کہتے ہین۔ امام فخرالدین رازی رح فرماتے ہین کہ امام محی الدین عربی بہت بڑے جلیل القدر ولی اور اپنے زمانہ کے قطب الاقطاب تھے۔ شیخ جلال الدین سیوطی رح فرماتے ہین کہ شیخ اکبر عارفون کے مربی ہین اور حضور پرنور صلعم کے قدم بقدم چلنے والے۔ انھون نے حضرت شیخ اکبر رض کے منکرون کے جواب مین ایک کتاب بھی لکھی ہے جسکا نام تنبیہ الغبی فی تبرئۃ ابن عربی رض ہے۔ امام ابن سعد یافعی رح کہتے تھے کہ حضرت شیخ اکبر کو ولایت عظمیٰ حاصل تھی۔ امام سبکی رح فرماتے ہین کہ حضرت امام محی الدین بن عربی آیۃ من ایات اللہ تھے اور اس زمانہ مین علم و فضل کی کنجی انھین کے ہاتھ مین تھی۔ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی رح اور حضرت شیخ کمال الدین کاشی رح فرماتے ہین کہ امام محی الدین ابن عربی کامل و محقق و صاحب کرامات تھے۔ شیخ قطب الدین حموی قدس سرہ العزیز فرماتے تھے کہ دیکھو امام محی الدین عربی رض کے منکر مت ہو اور انھین برا مت کہو

کیونکہ اولیاء اللہ کا تخم مسموم ہوتا ہے اور انسے بغض رکھنے والے اکثر نصرانی مرے ہین۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ بعض نے شیخ کی عبارت مین کوئی جھوٹی عبارت داخل کردی تاکہ لوگ حضرت کو ظاہر شریعت کا مخالف سمجھنے لگین اور انکی اپنی حسد کی آگ بجھے۔ ایک شخص مسمّٰی جمال الدین ابن الخیاط یمن کا رہنے والا تھا۔ اسنے چند مسائل لکھکر بلاد اسلام مین بھیجے اور کہا یہ محی الدین عربی کے عقاید ہین آپ لوگون کی کیا رائے ہے چونکہ وہ عقائد لغو تھے اسلیے سب نے برا کہا۔ علامہ فیروزآبادی کہتے ہین کہ حضرت شیخ اکبر ان لغو عقائد سے پاک ہین اور یہ اشعار اُنکی تعریف مین کہے

وما علی اذا ما قلت معتقدی دع الجھول یظن الجہل عدوانا واللہ واللہ واللہ العظیم ومن
اقامہ حجۃ للدین برھانا ان الذی قلت بعض من مناقبہ مازدت الا لعلی زدت نقصانا

یعنی مجھے سزاوار نہین کہ اُنکو اپنا ہم پایہ خیال کرون ان جاہلون سے درگزر کرو جو جہل سے انھین دشمن سمجھتے ہین خدائے بزرگ و برتر کی قسم جسنے اُنھین حجت دین اور برہان بنایا ہے کہ مین نے اُنکی مدح و ثنا کرنے سے اُنکے مرتبہ کو بڑھایا نہین ہے بلکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہین اس مدح سے اُنکی تنقیص نہ ہوئی ہو۔ شیخ مجدالدین فیروزآبادی لکھتے ہین کہ حضرت شیخ اکبرؒ کا مکان شام مین تھا اور شیخ نے تمام علوم شام ہی مین حاصل کیے۔ شام وہ ملک ہے کہ اسکے لیے حدیث شریف مین وارد ہے کہ لا تسبوا اہل الشام فان فیھم الابدال۔

حضرت شیخ اکبر کو کسی نے برا کہا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہین اسلیے کہ بڑے لوگون کو برا کہنے والے بھی ہوا کرتے ہین۔ انبیا کو برا ہی نہین کہا بلکہ لوگون نے قتل کیا ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حال سب پر روشن ہے۔ انھین برا کہنے والے ابتک موجود ہین۔ اولیاء اللہ کو انکے زمانہ مین لوگون نے برا ہی نہین کہا بلکہ طرح طرح کی ایذا دی ہے حضرت سمنون محبؒ کو لوگون نے ایک عورت سے بدنام کیا۔ حضرت سہل ابن عبداللہ تستریؒ کو لوگون نے شہر بصرہ سے نکال دیا۔ حضرت ابوسعید فرازؒ پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا۔ حضرت جنید بغدادیؒ کا بھی یہی حال ہوا۔ حضرت محمد بن الفضل بلخیؒ کو لوگون نے بدعتی کہا اور شہر سے نکال دیا۔ ابوعثمان مغربیؒ کو لوگون نے مکہ سے نکالدیا حالانکہ وہ بہت بڑے مجاہد۔ علامہ اور صاحب حال تھے حضرت ابوبکر شبلی پر کفر کے فتوے لگائے گئے اور حضرت امام ابوبکر نابلسی کو باین فضل و کمال و استقامت فی الدین جو ملک مغرب سے مصر تک مشہور تھے زندیق کہکر بدنام کیا اور بادشاہ نے کیکے الٹا اسکا کھال کھنچوائی۔ اسی طرح حضرت ابوالحسن شاذلیؒ کو لوگون نے زندیق کہا ملک مغرب سے نکالدیا

شیخ بدرالدین ابن جماعہ سے لوگون نے ابن عربی رح کا حال پوچھا آپ نے فرمایا تم کو کیا ہوا ہے جو ایسے شخص کے بارے مین مذبذب ہو جسکے فضل وکمال اور جلالت قدر پر تمام عالم نے اتفاق کیا ہے۔
شیخ مخزومی فرماتے ہین کہ یہ جو مشہور ہے کہ حضرت عزالدین بن عبد السلام نے انکو زندیق کہا ہے تو یحض جھوٹھ ہے کیونکہ صلاح قلانسی صاحب فوائد مشائخ بیان کرتے ہین کہ ایکدن ہم لوگ شیخ عزالدین کی مجلس درس مین شریک تھے اور ردّت کا بیان ہو رہا تھا۔ قاری نے زندیق کی لفظ کو پڑھا ایک نے کہا یہ لفظ عربی ہے دوسرے نے کہا عجمی ہے۔ تب ایک عالم نے کہا یہ فارسی ہے معرب ہے اسکا اصل زن دین تھا۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو کفر چھپاتا ہو اور ایمان ظاہر کرتا ہو۔ تب ایک طالب عالم نے کہا کوئی مثال فرمائیے اسپر ایک شخص نے عزالدین بن عبد السلام کی طرف مخاطب ہوکر کہا جیسے محی الدین ابن عربی ہین۔ شیخ چپکے رہے اور کچھ نہ بولے۔ حضرت صلاح الدین فرماتے ہین کہ حضرت اُسدن روزہ سے تھے جب مین نے شام کو دسترخوان بچھایا تو دریافت کیا کہ حضرت آجکل قطب کون ہے آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ مین اس زمانہ مین سوائے ابن عربی کے کسی دوسرے کو قطب نہین دیکھتا ہون۔ مین سر نیچے کرکے تھوڑی دیر حیرت کرتا رہا بعدہ مین نے کہا کہ اُسوقت آپ نے سکوت ظاہر کرکے رضامندی کیون ظاہر فرمائی تھی فرمایا وہ عالمون کی مجلس تھی وہان سوائے سکوت کے مجھکو کوئی چارہ نہ تھا۔

احیاء العلوم مین مذکور ہے کہ جس کسی کو اس علم تصوف سے کچھ بہرہ نہین اُسکے سوء خاتمہ کا اندلشیہ ہے۔ جو لوگ کتاب وسنت سے اُسے مدلل نہ پائین تو عمل موقوف رکھین اوسکی حقیقت سے انکار نہ کرین۔ لوگون نے حضرت شیخ اکبر کے کلام کو سمجھا نہین اور اس سے انکار کیا۔ حالانکہ یہ نہایت نامناسب تھا۔ اپنی چھوٹی سی عقل تمام علوم پر حاوی سمجھنا نادانی ہے۔ خدا فرماتا ہے وما اوتیتم من العلم الا قلیلا ایک تو خود انسان کو کم علم عطا فرمایا ہے اُسپر ہر شخص کی استعداد اور نصیب ہے۔ کسی کو اگر علم کا زیادہ حصہ نہین ملا ہے تو اُسے لازم نہین کہ اُس شخص کے علم کا انکار کرے جسے خدا نے اُس سے زیادہ حصہ دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی صفت علم سے متصف ہوتا ہے تو اسکے مخالفین بہت پیدا ہو جاتے ہین۔ وہ اسرار اور علوم جنکو حضرت شیخ اکبر رض نے ظاہر فرمایا وہ ہین جنکے بارے ہین حضرت ابو ہریرہ رض سے مروی ہے کہ مجھکو رسول اللہ نے دو قسم کے علوم عطا فرمائے ہین۔ ایک کو مین نے ظاہر کیا ہے اور اگر دوسرے کو ظاہر کرون تو تقطع ھذ البلعوم (یہ حلق کاٹ ڈالا جائے) حضرت امام غزالی رح نے احیاء العلوم مین حضرت امام زین العابدین علی بن الحسین رض سے ان دو شعرون کو اسی ضمن مین نقل کیا ہے۔ ؎

یارب لجوھر علم البحر بہ + لقیل لی انت ممن یعبد الوثنا + ای پروردگار اگر مین جوہر علم کو ظاہر کرون تو لوگ مجھے بت پرست کہینگے

ولا تجعل رجال المسلمين دمى ويموت البحر ما يانونه حسناء۔ اوسکا یہی خونریزی کو جائز رکھینگے اور نیز بڑا فساد کو بھا سمجھینگے امام غزالی فرماتے ہین کہ اس سے علم لدنی مراد ہے جسے ہر کوئی نہین جانتا۔ اگر منکرین کو انکار ہے تو حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے قصہ مین تامل کرین۔ شیخ جلال الدین سیوطی فرماتے ہین کہ جب کوئی بڑا شخص ہوتا ہے تو اُسکے مقابل مین اسکا دشمن بھی ظاہر ہوتا ہے اور اشراف واہل علم ہمیشہ بلا مین مبتلا رہتے ہین۔ ایسی ہی حالت ہمارے زمانہ مین سید احمد خانؒ کی بھی تھی جنکے کفر کے فتوے مکہ و مدینہ سے لائے گئے لیکن الحق ویعلو ولا یعلی۔ انکی لگائی ہوئی بیل علی رغم انف الاعداء ایسی منڈھے چڑھی کہ لوگ خود دیکھ سکتے ہین۔

حضرت شیخ اکبرؒ کو تصوف مین ایک واسطہ سے حضرت شیخ الجن والانس سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ سے خرقہ ملا ہے اور حضرت خضرؑ سے بھی ایک ہی واسطہ مین چنانچہ وہ خود فرماتے ہین کہ مین نے اس خرقہ کو شہر موصل کے باہر ۶۰۱ھ مین ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جامع سے پہنا ہے اور ابن جامع نے حضرت خضر علیہ السلام سے خرقہ پہنا ہے اور جس مقام پر جسطرح سے ابن جامع کو خضرؑ نے پہنایا ہے اُسی مقام پر اُسی طرح سے بغیر زیادت ونقصان کے ابن جامع نے مجھکو پہنایا ہے۔ حضرت خضرؑ سے ایک دوسری نسبت بے واسطہ بھی حضرت شیخ اکبر کو حاصل ہے۔ انھون نے خود اسکا ذکر فرمایا ہے۔

آپ بہت بڑے صاحب تصانیف تھے لیکن افسوس اس زمانہ مین بہت کم کا پتہ ملتا ہے حضرت شیخ مجدالدین فیروزآبادی قدس سرہ العزیز فرماتے ہین کہ مین نے بچشم خود حضرت شیخ اکبرؒ کے ہاتھ کا ایک اجازت نامہ دیکھا ہے۔ یہ شاہ حلب کے واسطے لکھا گیا تھا۔ اسکے آخر مین یہ بھی تھا کہ اپنی کل تصنیفات کی روایت کی اجازت مین نے تمھین دی ہے اور وہ کتابین فلان اور فلان ہین جب مین نے گنا تو اجازت نامہ مین چارسو کتابین تھین۔ اسمین انکی تفسیرین بھی تھین۔ ایک نصف قرآن کی تفسیر پچانوے جلدون مین تھی اور آیہ وعلمناه من لدنا علما تک ختم کردیا تھا اور دوسری پوری تفسیر آٹھ جلدون مین تھی۔ اسمین محقق مفسرین کا طرز اختیار کیا تھا اور اسی مین ریاض الفردوسیہ فی الاحادیث القدسیہ بھی شامل تھی۔ انکے علاوہ ایک تفسیر متصوفین کے طرز پر بھی تحریر فرمائی تھی۔ اس زمانہ مین جسقدر آپ کی تصانیف موجود ہین انمین فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم سب سے زیادہ بزرگ کتابین ہین۔ شیخ سراج الدین بلقینیؒ فرماتے ہین کہ امام ابن عربیؒ نے اوائل عمر مین علم معرفت وحقائق کے دریا مین غوطہ مارا ہے اور اخیر مین فصوص وفتوحات اور تنزلات موصلیہ کے ساحل پر نکلے۔ یہ تینون کتابین آپ کی امہات کتب سے ہین۔ یہ سب کتابین لوگون نے خود شیخ سے پڑھی ہین اور سندلی ہے

فصوص الحکم آپنے حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے لکھی ہے چنانچہ ابتداے کتاب میں خود فرماتے ہین کہ اخیر عشرہ ماہ محرم ۶۲۷ھ مین بمقام دمشق میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب مین دیکھا کہ آپکے ہاتھ مین ایک کتاب ہے اور مجھ سے فرماتے ہین کہ یہ کتاب فصوص الحکم ہے اسکو لو اور لوگونپر ظاہر کرو تا کہ لوگ اس سے فائدہ اُٹھائین مین نے عرض کیا سمعاً وطاعۃً بسروچشم پس اس کتاب کو خالصۃً لوجہ اللہ لکھا اور جسقدر کہ حد حضرت سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھی اس سے مین نے نہ زیادتی کی اور نہ کمی اور خداے بزرگ وبرتر سے شیطان کے تسلط سے پناہ مانگی۔

حافظ عبداللہ ذہبی حضرت شیخ اکبرؒ کے نہایت مخالف تھے۔ ایکبار لوگون نے اُنسے پوچھا کہ امام محی الدین عربی نے فصوص الحکم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے لکھا ہے تو اُنھون نے باوجود سخت مخالفت کے جواب دیا کہ ایسا علامہ کبھی جھوٹ نہین کہہ سکتا۔ شیخ مجدالدین فیروزآبادی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہین کہ حضرت شیخ اکبرؒ کی تصنیفات کا خاصہ یہ ہے کہ جو کوئی انکا مشغلہ رکھتا ہو اُسے علوم وفنون کے دقیق مسئلے پانی کی طرح آسان ہوجاتے ہین یہ کہنا کہ انکا پڑھنا پڑھانا ناجائز ہے کفر ہے کیونکہ انکار کرنے والا اپنے فہم ناقص سے کتاب وسنت کے مطالب کا انکار کرتا ہے۔ ایکبار لوگون نے انھین شیخ مجدالدین سے پوچھا کہ فصوص وفتوحات وغیرہ جو کتابین حضرت شیخ اکبر کی طرف منسوب ہین کیا انکا پڑھنا پڑھانا درست ہے؟ اور کیا یہ شیخ سے بھی پڑھی یا سنی گئی ہین؟ اُنھون نے جواب دیا ہان یہ کتابین شیخؒ سے پڑھی اور سُنی بھی گئی ہین اور حافظ برزلی وغیرہ نے انھین خود شیخ اکبرؒ سے پڑھا ہے اور مین نے خود قونیہ مین فتوحات پر شیخ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی اجازت دیکھی ہے۔ شیخ اکبر کی کتابون کا مطالعہ کرنا اللہ تعالیٰ سے قربت حاصل کرنا ہے اور جو لوگ انکار کرتے ہین وہ راہ راست سے منحرف ہین کیونکہ شیخ اکبر اپنے زمانہ مین ولایت عظمیٰ اور صدیقیت کبریٰ پر فائز تھے۔ انکے مخالفون پر اللہ کی ناخوشی کی پہلی علامت یہ ہے کہ اوُنھین اتنے بڑے فوائد سے محروم رکھا۔ لوگون کا یہ افترا ہے کہ شیخ خلاف شریعت کہتے ہین۔ انکا مرتبہ اور تبحر علمی کبھی اسکا متقاضی نہین ہوسکتا اور ابن عربیؒ کبھی اوس رسول کی مخالفت نہین کرسکتے جنھون نے اپنی شریعت غرا کا آپ کو امین ورازدار بنایا ہو۔

غرض کہ ایک زمانہ کا انکار وہ تھا اور ایک زمانہ ایسا آیا جبکہ لوگ عود ولوبان سلگاکر نہایت مقدس جگہ مین بہت ادب کے ساتھ فصوص الحکم کا درس دیتے تھے اور بکثرت علمانے اسکی شرحین لکھی ہین جنمین سے ایک شیخ بدرالدین ابن جماعۃ بھی تھے۔ شیخ مخزومی نے بھی ایک کتاب مین شیخ اکبرؒ کے کلام پر اسرار کو ظاہر کیا ہے اور اُسکا نام کشف الغطا رکھا ہے۔

شیخ اکبر کی کتابون پر کوئی ریویو لکھنا خواہ مختصر ہی کیون نہ ہو اس مختصر مضمون کی گنجائش سے باہر ہے اسلیے صرف فتوحات مکیہ اور فصوص کے بعض مقامات اقتباس کرکے درج ذیل کیے جاتے ہین
فتوحات مکی کے باب ۳۶۷ مین شیخ اکبر اپنے ایک مکاشفہ کا ذکر فرماتے ہین کہ ایکمرتبہ مین عالم واقعہ مین حضرت ادریس علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملا اور ابتداے عالم کے متعلق اُنسے کچھ پوچھا۔ آپ نے فرمایا۔ مجھکو مدت عالم کی ابتدا کا حال نہین معلوم اور نہ یہ جانتا ہون کہ مخلوقات کس حد تک پیدا ہوتی رہین گی کیونکہ ہر نفس کے ساتھ ایک نئی خلقت پیدا ہوتی ہے اور اللہ جل شانہ کی صفت خلق ابدی ہے۔ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اور دنیا و آخرت ہمیشہ رہے گی۔ مین نے کہا یا نبی اللہ قیامت کی کوئی علامت مجھسے فرمائیے۔ ارشاد ہوا کہ تمھارے جد آدم قریب کا وجود اسکی بڑی علامت تھی۔ مین نے کہا کہ حضرت دنیا کے بعد بھی کوئی دار اسکے سوا ہے فرمایا کہ ہان ایک ہی دار دار وجود ہے اور دنیا تمھین لوگون کے سبب سے دنیا ہوئی۔

فتوحات کے ساتوین باب مین فرماتے ہین کہ عالم کی عمر کا کروڑون برس سے بھی اندازہ نہین ہو سکتا۔ پھر اسی باب مین فرماتے ہین کہ عالم طبیعی کی عمر کے اکہتر ہزار برس جب گزر چکے تب اللہ نے موالید ثلاثہ کو پیدا کیا۔

اسکے چونسٹھ ہزار برس بعد اللہ جل شانہ نے اس دنیا کو پیدا کیا اور جب دنیا کو ترسٹھ ہزار برس گزر چکے تب اللہ جل شانہ نے جنت و دوزخ کو بنایا۔ دنیا اور آخرت مین نوے ہزار برس کا تفاوت ہے اور اسکا نام آخرت اسلیے ہوا کہ وہ بعد مین آنے والی ہے۔ آخرت کی کوئی انتہا نہین کہ اسکا حصلے کیا جا سکے اور جب دنیا کی عمر کے ستر ہزار برس اور آخرت کی عمر کے آٹھ ہزار برس گزر چکے تب اللہ جل شانہ نے آدم کی مٹی کا خمیر کیا۔ تری و خشکی کے جانور پیدا کیے۔ زمین کے عفونات سے حشرات الارض کو پیدا کیا تاکہ ہوا عفونات سے پاک رہے واللہ اعلم۔

فتوحات کے باب ۳۹۰ مین فرماتے ہین کہ مجھے یہ نہین معلوم کہ کسی نے خلق عالم کی ابتدا کی حد جانی ہو اور یہ ممکن نہین ہے کیونکہ اکثر ستارے فلک اطلس مین ایسے ہین جنھین کواکب ثابتہ نہین ہین اور انسان کی عمر اُنکی حرکت کو نہین پہچان سکتی کیونکہ وہ بظاہر ثابت معلوم ہوتے ہین مگر درحقیقت ثابت بطی رفتار کے ساتھ سیر کی حالت مین ہین۔ فلک اقصیٰ کا ہر ایک ستارہ ایک درجہ کو سو برس مین طے کرتا ہے اور جس درجہ سے اسکی سیر شروع ہوتی ہے وہان تک پہونچنے مین جتنے سال لگتے ہین اتنی مدت کا ان کواکب ثابتہ کا ایک دن ہوتا ہے۔ اب حساب کرلو کہ اس فلک

ہین تین سو ساٹھ درجہ ہین اور ہر درجہ کو سو برس مین ایک ستارہ طے کرتا ہے - پھر شیخ اکبر فرماتے ہین کہ ستارہ مصر کی بنا اُسوقت ہوئی ہے جسوقت ستارہ نسر برج اسد مین تھا (بعض نسخون مین ہے کہ وہ برج حمل مین تھا) اب وہ ستارہ ہمارے وقت مین برج جدی مین ہے - اس سے تم اہرام مصری کی قدامت کا اندازہ خود کر لو - یہ نہ معلوم ہوا کہ اسکے بنانے والے کون شخص تھے اور انسان بھی تھے یا کوئی اور مخلوق تھے ؟ عبدالکریم جیلی اس کلام کی شرح مین لکھتے ہین کہ نسر طائر ایک برج سے دوسرے برج تک تیس ہزار سال مین منتقل ہوتا ہے حضرت ابن عربی رہ کا عقیدہ ہے کہ عالم یقیناً حادث ہے لیکن اسکی تاریخ کا پتہ نہین ملتا -

فتوحات مکیہ کے باب ۴۷ مین حضرت شیخ اکبر فرماتے ہین کہ عالم کبھی قطب سے خالی نہین ہوتا جیسے کہ کبھی رسولون ع سے خالی نہین ہے اور اسی واسطے اللہ جل شانہٗ نے چار نبیون کو زندہ رکھا ہے - تین انمین سے نبی مشرع ہین یعنی ادریس والیاس وعیسیٰ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اور ایک حامل علم لدنی ہین یعنی حضرت خضر علیہ السلام اور اسکی توضیح یہ ہے کہ دین حنیفی کے چار رکن ہین جیسے کہ گھر کے چار رکن ہوتے ہین اور وہ رسل اور انبیا اور اولیا اور مومنین ہین -

فتوحات کے باب ۳۸۲ مین فرماتے ہین کہ جاننا چاہیے کہ قطب سے تمام دائرۂ وجود عالم کون وفساد کی حفاظت ہوتی ہے اور دو اماموں سے عالم غیب وشہادت کی حفاظت ہوتی ہے اوتاد سے حق تعالیٰ جنوب وشمال ومشرق ومغرب کی حفاظت کرتا ہے - اور ابدالون سے حق تعالیٰ ہفت اقلیم کی محافظت فرماتا ہے - قطب ان سب کا محافظ اور نگہبان افسر ہے اور اس عالم کون و فساد کے تمام امور کا اوسی کی ذات پر دار مدار ہے - امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہین کہ جسطرح اللہ جل شانہ کے امہات صفات سات ہین اسی طرح سات ابدال بھی ہین انھین سے حفاظت جہات ہوتی ہے - شیخ اکبر فرماتے ہین کہ ہر ابدال کو مدد انبیا کی روحون سے پہونچتی ہے جو ایک ایک آسمان مین ہین - مین ان ساتون ابدالون سے مکہ معظمہ مین حطیم حنابلہ کے پیچھے ملا ہون ان سب کو رکوع کی حالت مین پایا - بعد فراغت نماز مین نے سلام کیا - اُنھون نے جواب دیا پھر مین نے اُنسے باتین کین - مین نے کسی کو اونسے زیادہ خوش رو خوش خلق اور زیادہ مشغول نہین پایا -

فتوحات کے باب ۴۳ مین فرماتے ہین کہ بڑی وراثت ختم ولایت ہے اور ختم کی دو قسمین ہین ایک اعلیٰ ہے دوسرا ادنیٰ - اعلیٰ یہ ہے کہ ولایت مطلق کا وہ خاتم ہو - ادنیٰ یہ ہے کہ ولایت مقیدہ محمدیہ کا خاتم ہو - پس مطلق ولایت کے خاتم حضرت عیسیٰ علی نبینا و

اخیر زمانہ مین نزول فرمائینگے اور ولایت مطلقہ کے آپ خاتم ہو نگے اور ولایت مقیدہ محمدیہ کے خاتم ایک شخص ملک مغرب کے ہونگے اور وہ خاندان اور ملک دونون مین اشرف قوم ہونگے - وہ آج ہمارے زمانہ مین موجود ہین اور مین نے ۵۹۵ھ مین انسے ملا تھا اور مین نے انہین ختم کی مُہر بھی دیکھی تھی جسے حق تعالی نے اپنے بندون کی آنکھون سے مخفی رکھا ہے - انھون نے اس مُہر کو مجھے جسد کھول کر بتلایا اور مین نے دیکھا کہ جو اسرار و علوم ربانی وہ بیان کرتے ہین اس سے لوگ انکار کرتے ہین -

فتوحات کے باب ۳۶۳ مین فرماتے ہین کہ یہ لوگون کی کیسی بے انصافی ہے کہ جن صفات الٰہی کو انبیا کہین اُنپر ایمان لائین اور جب انہین کو کوئی عالم اور مقرب پیر و رسول کہے تو انکار کرین یہ نہین جانتے کہ دریا ایک ہی ہے اُسی سے دونون چشمے بہتے ہین .... انہین کوشش کرنا چاہیے کہ وہ خود اس درجہ سے مشرف ہون اور براہ یقین اسکا مشاہدہ کرین -

باب الوصایا مین آپ فرماتے ہین کہ تم ائمہ مجتہدین پر طعن کرنے سے بچو اور یہ کبھی نہ کہو کہ وہ معارف و اسرار سے محجوب تھے جیسا کہ بعض جاہل اور بے علم صوفی کہا کرتے ہین - جاننا چاہیے کہ ائمہ مجتہدین کا قدم علوم غیب مین راسخ تھا - اگرچہ وہ بغلبہ ظن حکم کرتے تھے لیکن انکا ظن علم یقینی تھا - انہین اور اہل مکاشفہ مین صرف راستہ کا اختلاف ہے اور یہ لوگ تشریع کے جہت رسولون کے مرتبہ مین ہین - پھر باب ۳۶۹ مین فرماتے ہین کہ قیامت کے دن یہ علماے مجتہدین انبیا کی صفون مین ہونگے امت کی صفون مین نہونگے اور ہر رسول کی جانب مین ایک عالم اس امت محمدیہ کا ہوگا اور یہ وہ علما ہونگے جنھین احکام و حالات و مقامات و منازل مین صاحب سند ہونے کا درجہ حاصل ہوگا انکے اخیر مین خاتم ائمہ مجتہدین محمدیہ حضرت امام مہدی علیہ السلام ہونگے -

فتوحات مکیہ باب ۲۸۵ مین فرماتے ہین کہ اولیاء اللہ تعالی پر بھی وحی نازل ہوتی ہے - انکی وحی کے مختلف طریقے ہین - کبھی وہ خیال مین پاتے ہین اور کبھی وہ حس مین دیکھتے ہین - اور کبھی اپنے دل مین پاتے ہین اور کبھی لکھی ہوئی عبارت پاتے ہین اور یہ اکثر اولیاء اللہ تعالی کو واقع ہوتا ہے چنانچہ حضرت ابو عبد اللہ رح تصیب البان اور تقی بن مخلد شاگرد امام احمد رضی اللہ تعالی عنہ کو کتابت ہی کے ذریعہ سے ملک الالہام وحی پہونچاتے تھے اور جب وہ خواب سے بیدار ہوتے تو ایک کاغذ پر کچھ لکھا ہوا پاتے تھے - حضرت شیخ فرماتے ہین کہ علامت یہ ہے کہ ہر طرف سے برابر پڑھا جاتا ہے اور جب ورق اُلٹتے ہین تو کتابت بھی اُلٹتی ہے شیخ فرماتے ہین کہ مین نے خود اس کتابت کو دیکھا ہے وہ ایک فقیر مطاف مین اسی صفت پر اُتری تھی اسمین دوزخ سے اُسکی نجات لکھی ہوئی تھی - فرماتے ہین کہ کبھی

بندہ کو خاص طریقہ سے الہام ہوتا ہے اور وہ جہت ہر انسان میں حق تعالیٰ کی جانب سے ودیعت ہے۔ اس سے ملک الالہام کو بھی خبر نہیں ہوتی لیکن لوگ اس سے انکار کرتے ہیں نیز قدمی کرتے ہیں چنانچہ حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما الصلوۃ والسلام کا قصہ موجود ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے جو حضرت خضرؑ کے الہامات کا انکار کیا اوس سے وہ معذور تھے کیونکہ وہ نبی تھے اور نبی ہمیشہ سے بالمشافہ لینے کے عادی ہوتے ہیں اور چونکہ وہ صاحب شریعت ہوتے ہیں اسلیے اُنکو فرشتہ کا واسطہ ضرور ہے تاکہ اوسکی حقیقت میں وہم کو بھی دخل نہو۔ فتوحات کے باب ۴ ۲۰ ۶ میں حضرت فرماتے ہیں کہ ملک نبی اور ولی دونوں پر نزول کرتا ہے لیکن کیفیت نزول سے دونوں میں فرق ہے۔ نزول وعدم نزول سے فرق نہیں کیفیت نزول یہ ہے کہ انبیا و مرسلین پر بالذات وہ نزول کرتے ہیں اور اولیاء اللہ پر بالتبع نبی اُن امور کو سمجھانے کے لیے جو نبی لایا ہے لیکن فہم و ادراک میں نہیں آتے۔ کبھی ملک الالہام ولی اللہ پر بشارت کے ساتھ نزول کرتا ہے جیسا کہ خود قرآن پاک میں اللہ جل شانہ فرماتا ہے الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ۔ یہ اکثر موت کے وقت واقع ہوتا ہے۔ اس مسئلہ میں حضرت امام غزالی رحؒ کو اختلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی اور ولی کی وحی میں فرق یہ ہے کہ نبی پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ولی کی وحی میں فقط الہام ہوتا ہے فرشتہ کبھی نہیں نازل ہوتا لیکن شیخ اکبرؓ فرماتے ہیں کہ امام غزالی رحؒ نے غلطی کی ہے اسکا سبب یہ ہے کہ اُن لوگوں کو اسکا ذوق حاصل نہیں تھا۔ انھوں نے سمجھا کہ ہم نے تمام مقامات سلوک کے طے کر لیے ہیں اور چونکہ ملک الالہام کو نہیں دیکھا اسلیے اُسے انبیا کے ساتھ مخصوص کیا۔ ان لوگوں کا ذوق ضرور صحیح تھا لیکن یہ حکم باطل ہے۔ خود انکا قول ہے جب کوئی ثقہ آدمی کوئی بات نئی کہے تو اسے تسلیم کرنا چاہیے اور اہل اللہ جتنے ہیں سب ثقات میں سے ہیں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ ابو حامد غزالی رحؒ کو اپنے زمانہ میں اگر کسی کامل ولی اللہ سے ملاقات کی نوبت آتی اور انکو خبر دیتے کہ فرشتہ اولیاء اللہ پر بھی وارد ہوتا ہے تو ضرور قبول کر لیتے اور کبھی انکار نہ کرتے۔ پھر فرماتے ہیں کہ مجھپر ملک الالہام نے غیر متناہی علوم لیکر نزول کیا ہے۔ ہندوستان میں ایسے بہت سے بزرگ گزرے ہیں جنپر ملک الالہام نزول کرتا تھا مثلاً حضرت سیدنا شاہ عبدالرزاق بانسوی رحؒ جو اپنے زمانہ کے قطب الاقطاب تھے۔ آپ امی محض تھے اور جب آپکو کوئی بات اس طور پر معلوم ہوتی تو فرماتے "کہہ رہیت ہے کہہ رہیت ہے" اور پھر وہ کلام ارشاد فرماتے اور اکثر الفاظ کلام اللہ میں ارشاد فرمایا کرتے باوجودیکہ آپ نے پڑھا نہیں تھا۔

فتوحات مکیہ کے باب ۹۲ میں شیخ فرماتے ہیں کہ امت محمدیہ میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے افضل ہو کیونکہ جب حضرت عیسیٰؑ فرود ہونگے تو اسی

شریعت محمدی کے مطابق حکم کرینگے اور قیامت مین اُنکا حشر دو طرح پر ہوگا ایک انبیا کے زمرہ مین دوسرا اولیا کے زمرہ مین۔ اسی طرح حضرت ابو بکرؓ سواے حضرت خضرؑ علیہ السلام کے سب سے افضل ہین کیونکہ انکا مقام برزخی ہے جو ولایت اور نبوت کے بیچ مین ہے۔ ابن عربی رضؓ فرماتے ہین کہ حضرت خضر علیہ السلام نے بالمشافہ مجھ سے فرمایا ہے کہ میرا مقام صدیقیت سے اوپر اور نبوت سے نیچے ہے اسکا نام مقام قربیت ہے لیکن امام غزالی رحؒ نے اسکا بھی انکار کیا ہے۔

حضرت شیخ اکبرؓ فتوحات مین فرماتے ہین کہ مین نے سالہا سال فاطمہ بنت ولیہ کی خدمت کی ہے اور اسوقت اُنکا سن پچانوے سال کا تھا لیکن چہرہ پر رونق و تازگی ایسی ہی تھی جیسی عالم شباب مین ہوتی ہے اور مین انھین دیکھنے سے شرم کیا کرتا تھا۔ حق تعالی کے ساتھ انکا عجیب وغریب حال تھا۔ ہمارے ابناے جنس مین سے جو لوگ اُنکی خدمت مین آتے تھے اُن سب مین مجھ سے زیادہ خوش تھین اور مجھ کو خدمت مین بیٹے کو اکثر فرماتین اور میرا نام لیکر فرماتین کہ مین فلان جیسا کسی کو نہین دیکھتی اور جب مین اُنکے سامنے جاتا تو ہمہ تن میری طرف متوجہ ہوجاتین اور اکثر فرمایا کرتی تھین کہ مین اُن لوگون پر تعجب کرتی ہون جو حق تعالی کی محبت کا دعوی کرتے ہین لیکن اس سے خوشی نہین کرتے کہ اللہ انکا مشہود ہے اور ایک چشم زدن کے لیے بھی اُنسے غائب نہین ہوتا۔ فتوحات کے باب ۷۳ مین آپ فرماتے ہین کہ اولیاء اللہ مین سے ہمیشہ اکثر دیا ایک عورت صاحب مقامات ہوتی ہے جس سے بکثرت کرامات سرزد ہوتی ہین اور بندگان خدا کو نفع پہونچتا ہے۔ اسے ہر شئے پر قدرت ہوتی ہے اور وہ سب کا سردار ہوتا ہے اور ہمیشہ حق کے ساتھ رہتا ہے اور اسی کے حکم سے کام کرتا ہے چنانچہ بغداد مین ہمارے شیخ سیدنا عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ کو یہی مقام حاصل تھا مین اُنسے نہین ملا ہون لیکن اُنسے ملا ہون جو اُنکے زمانہ مین اُنھین کے ہم پایہ تھے لیکن بعض چیزون مین ہمارے شیخ سیدنا عبد القادر جیلانی رحؒ اُنسے بڑھے ہوئے تھے فتوحات کے باب ۳۰ مین فرماتے ہین کہ مجھے بہ تحقیق معلوم ہوا ہے شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ قطب وقت تھے اور تصرفات کی اُنھین اجازت تھی۔ اسلیے بے حساب کرامتین اُنسے ظاہر ہوئین۔

فتوحات مکیہ کا ذکر ختم کرکے اب مین کسی قدر فصوص الحکم کے بعض مضامین کا یہان اقتباس درج کرتا ہون۔ یہ کتاب حضرت شیخ علیہ الرحمہ کے اخیر زمانہ کی ہے اور آپ کی تمام تصنیفات کا نچوڑ ہے اسی کی وجہ سے ایک زمانہ مین آپ پر کفر کے فتوے لگے اور اسی کو اسکے بعد عود و عنبر سے جگہ خوشبودار کرکے باوضو پڑھتے تھے۔ یہی وہ کتاب ہے جسے حضرت ابن عربیؓ نے حسب الحکم حضرت سرور کائنات صلعم تحریر فرمایا اور اسی کے متعلق انکا دعوی ہے کہ مین نے اسے جون کا تون بلا کم وکاست پہونچا دیا

یہ کتاب مختلف فصوص مین منقسم ہے پہلی فص فص آدم علیہ السلام تھی اور آخیر فص فص محمدی صلعم اسیطرح ہر فص ایک ایک ایک پیغمبر کے نام سے موسوم ہے اور انمین وہی اسرار بیان کیے گئے ہین جنکا تعلق اس نبی کی ذات خاص سے ہے۔ یہ مضمون اسقدر مختصر ہے کہ اسمین اختصار کے طور پر بھی ایک فص پر علحدہ علحدہ کچھ لکھنے کی گنجائش نہین ہے۔ اسلیے مین نمونہ کے طور پر فص اول پر اجمالا کسیقدر لکھکر ختم کرتا ہون۔ اہل ذوق وشوق اصل کتاب مین جب ان مضامین کو پڑھینگے اور غور وتامل سے بار بار پڑھینگے تو خود ہی تمام اسرار کیے بعد دیگرے منکشف ہوتے جائینگے۔

فصوص الحکم مین حکمت الہیہ فی کلمۃ آدمیہ ابتداے آفرینش کے متعلق فرماتے ہین کہ اللہ جل شانہ کے اسماء حسنیٰ کی کوئی انتہا نہین اور ہر اسم اسکی ایک صفت کے ساتھ موسوم ہے۔ جب اسنے چاہا کہ حقائق اسماء یا یون کہو کہ اپنی حقیقت کا خود معائنہ فرمائے تو عالم کو بمنزلہ ایک آئینہ کے خلق فرمایا جسمین اسکی حقیقت کا مشاہدہ ونظارہ ہو سکے پس باعتبار اسکی صفت خلق کے یہ عالم مثل ایک وجود کالبد کے جو معتدل الخلق ہو ظاہر ہوا جسمین روح نہ تھی یعنی مثل آئینہ بے جلا کے تھا۔ مگر شان الٰہی یہ ہے کہ جو شئی معتدل الخلق ہو اسمین روح الٰہی کے قبول کرنے یعنی فیض تجلی دائمی کے قبول کرنے کی استعداد ضرور ہونی چاہیے اور یہ استعداد بھی عالم میں بحیثیت اپنی خلق کے موجود تھی۔ اسلیے گویا اسمین نفخ روح فرمایا یعنی استعداد قبول عطا فرمائی۔ ملحوظ رہے کہ ایسی حصول استعداد کو نفخ روح سے تعبیر فرمایا ہے۔ غرض کہ شان الٰہی اس امر کی مقتضی ہوئی کہ اس آئینہ عالم کو جلا دیجاے پس حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا جو اس عالم کی جلا اور اس کالبد کے روح روان تھے اور فرشتے اس عالم یعنی انسان کبیر کے بعض قواے روحانیہ اور حسیہ کی جگہ ہوے۔ چونکہ خلقت انسان مین جمعیت الٰہیہ ودیعت ہے اسلیے اسمین ہر مقام عالی پر پہونچنے اور رتبہ حاصل کرنے کی لیاقت موجود ہے جسکا ادراک بھی محض کشف الٰہی سے ممکن ہے۔ انھین جامع حقائق ہونے کی وجہ سے انسان کو خلیفۃ اللہ فی الارض کا مرتبہ عطا کیا گیا ہے۔ خداے بزرگ وبرتر کی بارگاہ مین انسان کی جگہ ایسی ہی ہے جیسے پتلی کی انسان کی آنکھ مین۔ اسی پتلی سے بصارت ہے اگر یہ نہین تو بصارت بھی نہین۔ اسی سے حق تعالیٰ نے اپنی خلق کی جانب نظر فرمائی اور انپر رحم فرمایا پس انسان حادث ازلی ہے اور چونکہ اللہ کی صفت خلق دائمی ازلی ہے اسلیے خلقت دائمی ابدی ہے۔ اسی انسان سے وجود عالم تمام ہوا اسکی مثال انگوٹھی کے نگینے کی سی ہے جسپر نقش وعلامت بنائی جاتی ہے کہ مہر کا کام دے اور بادشاہ کے خزانون کی حفاظت کرے۔ انھین اوصاف کی وجہ سے انسان خزانۃ اللہ ہوا اور وجود انسانی سے اللہ جل شانہ اپنی تمام مخلوقات کی حفاظت فرماتا ہے۔

پس جبتک انسان کامل عالم مین موجود رہے گا عالم بھی محفوظ رہے گا اور جب یہ نہ رہے گا تو عالم بھی نہ رہے گا پس طرح خزانہ جب اسکی حفاظت باقی نہین رہتی تو خود بھی باقی نہین رہ سکتا جب اس عالم سے انسان کامل منتقل ہوکر عالم آخرت مین جائیگا تو گویا وہان کے خزانون پر مہر لگے گی اور وہ دائمی ابدی ہوگی۔

انسان کو چاہیے کہ اپنے مرتبہ کو پہچانے۔ اسکے سامنے فرشتون کی نظیر موجود ہے جو خاص خاص اسمار کے ساتھ اللہ جل شانہ کی عبادت کرتے تھے اور انکے سوا دوسرے اسمار کا انھین علم نہ تھا انھون نے اپنے علم کو کامل سمجھکر اور آدم کی ظاہری خلقت پر نظر کرکے حق تعالیٰ سے نزاع کی کہ تو ایسی مخلوق کو خلیفہ کرتا ہے جو زمین مین فساد و خونریزی کرے گی۔ انھون نے اپنی حقیقت کو نہین پہچانا اسلیے یہ بات انسے سرزد ہوئی اگر وہ جانتے تو کبھی نہ کرتے اسیطرح یہ کہ اپنی تسبیح و تقدیس کے دعویٰ کو بھی پیش کیا اسلیے انہیں انی اعلم ما لا تعلمون کا تازیانہ لگا۔ اے انسان یہ تیرے ہی سمجھانے کو اللہ جل شانہ نے قصہ بیان کیا ہے۔ تجھے چاہیے کہ اپنی حقیقت کو پہچاننے کی کوشش کرے اور ہر حال مین ادب کو ملحوظ اور دعوے سے زبان کو بند رکھے کیونکہ جسطرح فرشتون کو بہت سے اسمار الٰہی معلوم نہین تھے۔ تجھے بھی اسکے تمام اسمار پر وقوف نہین ہے۔

امور کلی گو انکا وجود عینی نہو مگر معقول فی الذہن ضرور ہین اسی لیے انھین امور باطن سے تعبیر کی جاتی ہے۔ انکا اثر ہر وجود عینی مین ساری و جاری ہے بلکہ عین امور ہی ہین اور ہر وجود عینی کا استناد انسے کیا جاتا ہے یعنی امور کلیہ اور موجودات خارجیہ گرچہ ایک اعتبار سے تابع و متبوع۔ لازم و ملزوم اور موثر و متاثر ہین لیکن باعتبار اسکے کہ تمام حقائق کی حقیقت ذات الٰہیہ پر منتہی ہوتی ہے حقیقۃً دونون ایک ہی ہین کیونکہ یہ حقائق مرکب ہین طبیعت جوہریہ متبوعہ اور حقیقت عرضیہ تابعہ سے اور موجودات خارجہ اعراض مین اور امور کلیہ جوہر اور عرض جوہر سے علیحدہ نہین ہے جیسے علم و عالم۔ حیات و حی۔ لیکن جسطرح علم کا مقتضی یہ ہے کہ جسمین یہ صفت علم ہو اسے عالم کہا جائے اسیطرح موصوف کے لحاظ سے صفت اسکی متقاضی ہے کہ اگر موصوف قدیم ہے تو صفت بھی قدیم ہو اور اگر موصوف حادث ہے تو صفت بھی حادث ہو۔ پس اس ارتباط معقولات و موجودات عینیہ کی رو سے ہر امر کلی محکوم بہ اور وجود خارجی محکوم علیہ ہوا۔ امور کلی جب موجودات عینی کی طرف منسوب ہوتے ہین تو انپر بھی محکوم علیہ کا حکم کیا جاتا ہے اور چونکہ وہ اپنے موصوف مین بغیر تجزی کے پائے جاتے ہین اسلیے انمین تجزی ممکن نہین جیسے کہ انسانیت نوع انسان کے ہر فرد مین بغیر تجزی موجود ہے اور تعدد افراد سے تعدد ماہیت نہین ممکن ہے۔ پس جبکہ امور کلی جو غیر خارجی اور موجودات

عینی جو خارجی ہین انمین باوجود نسبت عدمیہ کے ایک قسم کا ارتباط ہے تو موجودات عینیہ مین باہم بہت زیادہ ارتباط ہوگا۔ اسی طرح حادث و محدث کا باہمی ارتباط ہے۔ حادث کو اپنے محدث کے ساتھ رشتہ احتیاج ہوتا ہے کیونکہ اُسکا وجود اسی کی ذات سے وابستہ ہوتا ہے پس حادث کی صفت ہوئی موجودات ممکنات غیر یعنی واجب بالغیر اور محدث کی صفت ہوئی موجود بذاتہ یعنی واجب الوجود پس جب ذات واجب الوجود نے چاہا کہ حادث کو وجود مین لائے تو تقاضا اس امر کا ہوا کہ کل اشیاء اسماء وصفات مین سے سوائے اسم ذات کے اسمین ودیعت رکھی جائین اور وہ حادث تمام اسماء وصفات کے لحاظ سے باستثنائے وجوب ذاتی واجب الوجود کی صورت پر ہو۔ غرضکہ جب امر الٰہی اس طرح وارد ہوا تو اللہ تعالے نے اپنی معرفت کا راستہ ہمین اسیطرح بتایا کہ اپنی حقیقت پر نظر کرین چنانچہ فرماتا ہے وفی انفسکم افلا تبصرون۔ اور خود رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ اسی طرح اللہ جل شانہ نے ہماری حقیقۃ حادثہ کے علاوہ اور دوسری حادث اشیاء کی طرف دیکھنے اور فکر کرنے کے لیے فرمایا ہے مثلاً ایک جگہ فرماتا ہے۔ سنریہم ایاتنا فی الافاق وفی انفسہم حتی یتبین لہم انہ الحق۔ ایک دوسری جگہ ہے۔ وفی الارض ایات للموقنین۔ اسی طرح بہت جگہ اپنی معرفت کا طریقہ بتایا ہے۔ پس جب بندہ اپنے نفس کو پہچانتا ہے تو اپنے رب کو بھی پہچان لیتا ہے کیونکہ جتنی صفات سے اللہ موصوف ہے بندہ بھی انھین صفات سے موصوف ہے سوائے صفت وجوب ذاتی کے اسی وجہ سے حق تعالی نے اپنا کلام اپنے بندون کی زبان مین اوتارا[1] غرض کہ جب ہم نے حق تعالی کو پہچانا اور اپنی ہر چیز کی نسبت اسی کی طرف کی پس حق تعالی نے بھی ہمارے لیے اپنی ذات کی صفت ہماری صفات سے کی اور جب ہم نے حق تعالی کا مشاہدہ کیا تو ہم نے اپنی ذاتون کا مشاہدہ کیا اور جب ہم نے اپنی ذات کو دیکھا تو اُسی کی ذات کا مشاہدہ کیا۔ اسمین شک نہین کہ ہم ہزار ہین اور وہ ایک ہے۔ یہان ہزار ہا ہزار عالم ہین اور وہان ایک ذات واجب الوجود ہے گو ہماری حقیقت جامعیہ ایک ہے لیکن ہم مین سے ہر ایک مین فرق ہے تاکہ تمیز کیا جا سکے۔ اگر یہ فرق کرنے والی شے نہ ہوتی تو کثرت مین وحدت ممکن نہ ہوتی۔ اسیطرح بندہ اور خدا مین ایک شئے فرق کرنے والی ہے یعنی ہم محتاج ہین وہ حاجت برار ہے۔ ہم حادث ہین۔ وہ محدث ہے۔ ہم مخلوق ہین

[1] کما قال اللہ تعالی۔ واقرضوا اللہ قرضا حسنا۔ واللہ یستہزئ بہم۔ وسخر اللہ منہم۔ ولنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیہ۔ الم تر ان اللہ سخر لکم ما فی السموات والارض۔ تبارک الذی بیدہ الملک۔ وما بکم من نعمۃ فمن اللہ۔ ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ ید اللہ فوق ایدیہم۔ ونحن اقرب الیہ منکم۔ اینما تولوا فثم وجہ اللہ۔ ان اللہ خلق آدم علی صورتہ۔ مرضت فلم تعدنی

وہ خالق ہے۔ نہ وہ محتاج ہے نہ وہ حادث ہے نہ وہ مخلوق ہے۔ وہ ان صفات سے ممتاز غنی و قدیم و خالق ہے اسکے لیے نہ صفت اول ہے اور نہ صفت آخر کیونکہ ان دونون سے تقیید لازم آتی ہے۔ وہ عین اپنی اولیت مین آخر ہے اور عین اپنی آخریت مین اول ہے۔ اور یہی معنی هو الاول هو الاخر کے ہین اللہ تعالے نے اپنی ذات کو ظاہر و باطن کے صفات سے موصوف کیا۔ پس اسی رعایت سے ایک عالم شہادت بنایا اور دوسرا عالم غیب بنایا تاہم باطن حق کو اپنے باطن سے اور ظاہر حق کو اپنے ظاہر سے حاصل کرین اور اپنی ذات کے لیے صفات رضا اور غضب اختیار فرمائین پس عالم کو ڈرنے والا اور امید رکھنے والا بنایا اسی لیے ہم اسکے غصے سے ڈرتے ہین اور اسکی رضا کی کوشش کرتے ہین غرضکہ اسی طرح تمام صفات کا مظہر انسان کو بنایا اور اپنے دونون ہاتھون جمال و جلال سے انسان کامل کو بنایا جو تمام حقائق و مفردات عالم کا جامع قرار پایا۔ اس طرح عالم شہادت اور خلیفہ باطن کو پیدا کر کے سلطان حجاب مین ہو بیٹھا۔ اللہ جل شانہ نے اپنی توصیف مین فرمایا کہ وہ حجب ظلمانیہ مین مخفی ہے۔ یعنی حجابات طبیعیہ مین پوشیدہ ہے۔ پھر فرمایا کہ وہ حجب نوریہ مین مستور ہے یعنی ارواح لطیفہ حاجب بارگاہ ہین۔ عالم چونکہ خود لطیف و کثیف کے درمیان مین ہے اسلیے خود ایک حجاب ہے۔ باوجودیکہ عالم حادث محتاج ہونے کی وجہ سے اپنے موجد کا دست نگر ہے لیکن چونکہ اسمین وجوب ذاتی کے لیے کوئی مختص نہین ہے اسلیے پروردگار عالم کی ذات کا ادراک کبھی نہین کیا جا سکتا۔

اللہ جل شانہ نے آدم کو اپنے ہاتھ سے اسلیے بنایا کہ انھین بزرگی عطا ہو اسی لیے ابلیس سے سجدہ نہ کرنے پر پوچھا مامنعك ان تسجد لما خلقت بیدی اور آدم کی بزرگی جسنے انھین مسجود ملائک بنایا صرف اسی مین تھی کہ اونھین صورت عالم اور صورت حق دونون کو جمع فرمایا تھا۔ ان الله خلق ادم على صورته اور یہی گویا دونون ہاتھ اللہ تعالے کے تھے اسی جامعیت کے باعث حضرت آدم علیہ السلام خلیفہ مقرر ہوے۔ اگر آدم اللہ کی صورت پر اس عالم مین نہوتے اور انمین وہ سب چیزین نہ ہوتین جو رعایا اپنے بادشاہ کے جانشین مین طلب کرتی ہے تو وہ خلیفہ ہی نہین بنا ے جا سکتے تھے۔ پس لازم ہوا کہ انمین وہ تمام چیزین موجود ہون جنکی احتیاج رعایا کو پڑتی ہے ورنہ خلافت کا صحیح اطلاق نہین ہو سکتا پس اس لفظ کا اطلاق صحیح طور پر صرف انسان کامل پر ہو سکتا ہے۔ پس اللہ جل شانہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی صورت ظاہری حقائق و صور عالم کے بموجب بنائی اور صورت باطنی اپنی صورت پر بنائی اسی لیے انسان کی شان مین فرمایا ہے کہ مین اسکی بینائی اور شنوائی ہو جاتا ہون اور یہ نہین فرمایا کہ مین اسکی آنکھ اور کان ہو جاتا ہون۔ اسکے بعد آدم کی صورت ظاہری و باطنی مین فرق فرمایا۔

اسی طرح اللہ تعالی نے موجودات عالم مین سے ہر شئے مین تعداد اوسکی استعداد کے سریان فرمایا لیکن خلیفۃ اللہ کی سی جامعیت کسی کو نہین بخشی۔ اگر موجودات عالم مین حق تعالی اس طرح اپنی صفات کے ساتھ سرایت نہ فرماتا تو اس شئے کا وجود ممکن نہوتا۔ اسی ارتباط وجودی کے سبب سے عالم کو اپنے وجود کے بارے مین حق تعالی سے احتیاج واقع ہوئی۔ غرضکہ حضرت آدم کی تخلیق اسطرح فرمائی اور انسے تمام آدمیون کو پیدا کیا چنانچہ خود فرماتا ہے۔ یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا ونساء۔ یعنی اے لوگو ڈرو اس پروردگار سے جس نے تم کو ایک ہی شخص سے پیدا کیا اور اس شخص سے اسکی زوج کو بنایا اور ان دونون سے بہت مردون اور عورتون کو عالم وجود مین لایا۔

اسکے بعد حضرت شیخ اکبر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہین کہ مین نے یہان صرف اسیقدر بیان کیا جسکے لیے مجھے حضرت رسالت پناہ صلعم کا ارشاد ہوا تھا۔ مجھے اللہ نے جسقدر علم عطا فرمایا ہے اگر اُسے بیان کرنے پر آؤن تو اس عالم وجود مین نہین سما سکتا۔

اس فص کے بعد فص شیثیہ ہے۔ پھر فص نوحیہ پھر فص ادریسیہ پھر فص ابراہیمیہ علی ہذا القیاس سے خاتم الانبیاء والمرسلین احمد مجتبی محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کی تمام حکمتین الگ الگ فصوص مین بیان کی گئی تھین۔ مخفی نہ رہے کہ ہر فص ایک ایک بحر زخار ہے جسکا سمجھنا اور حکمت الٰہی پر مطلع ہونا ہر شخص کے لیے ضروری ہے کیونکہ اس کتاب کی شان نزول ہی یہی ہے کہ لوگ پڑھین سمجھین اور علوم الٰہی پر مطلع ہون

بعض نے حضرت شیخ رح پر یہ اعتراض کیا ہے کہ آپ نے قوم نوح و قوم ہود و قوم صالح علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو اہل قرب مین سے کہا ہے حالانکہ یہ قطعی جہنمی ہین مگر اس مین بھی معترض بجائے معنی کے الفاظ پر جان دے دیتے ہین۔ حضرت شیخ نے حسب فحوائے آیۂ "نحن اقرب الیہ منکم ولکن لا تبصرون" اور "کل شئی یرجع الی اصلہ" ان اقوام کو خدا سے بمقابلہ ان لوگون کے جو اس عالم شہادت مین موجود ہین قریب تر کہا تو اسمین کونسا بخلاف نص انھین جنتی بنا دیا۔ نہ معلوم ان ظاہر پرست معترضین کا ان اقوام نے کیا بگاڑا ہے جو انھین دوزخ کے سوا کسی دوسری جگہ یہ دیکھ ہی نہین سکتے۔ یہ اللہ جل شانہ کے فضل پر منحصر ہے کہ ایک رند خرابی کو جنت مین جگہ دے اور اوسکی شان لاابالی کو اسکی کچھ پروا نہین کہ عابد ہزار سالہ جہنم مین جائے۔ خدا کے معاملے خدا ہی کے ساتھ ہین۔ کسی دوسرے کا انکے بارے مین جھگڑنا سخت بیوقوفی ہے۔ اسی طرح فرعون کے بارے مین حضرت شیخ اکبر نے ناجی فرمایا ہے اسپر بھی معترضین بہت ناراض ہین حالانکہ خود ہی قرآن پاک کو نہین پڑھتے اور سمجھتے۔ قرآن پاک مین

اللہ جل شانہ نے آسیہ زوجہ فرعون کی زبانی صاف کہلوا لیا ہے کہ انہ قرۃ عین لی ولک عسی ان ینفعنا یعنی یہ میرا اور تمھارا دونون کا قرۃ العین ہے قریب ہے کہ ہم دونون کو یہ نفع پہونچائیگا حضرت آسیہ کو تو یہ نفع پہونچا یا کہ حضرت موسیٰ کی بدولت وہ ایمان لائین اور فرعون کو بھی یہی نفع پہونچایا جبکہ اُسنے ڈوبتے وقت کہا کہ مین ایمان لایا اُس رب پر جسپر بنو اسرائیل ایمان لائے بعض مفسرین نے فرعون کا اُسوقت کا ایمان نہین قبول کیا ہے اور اس آیت سے استدلال کرتے ہین کہ فلم یک ینفعھم ایمانھم لما راوا باسنا سنۃ اللہ التی قد خلت فی عبادہٖ الا قوم یونس" لیکن یہ نہین جانتے کہ یہ آیت اسپر دلالت نہین کرتی کہ یہ ایمان انکو آخرت مین بھی نفع نہ دیگا۔ قوم یونس کا جو استثنا ہے وہ اسطرح ثابت ہوا کہ لما آمنوا کشفنا عنھم عذاب الخزی فی الحیوۃ الدنیا۔ یعنی جب وہ ایمان لائے توہم نے ذلت وخواری کے عذاب کو دنیاہی مین اُنسے اُٹھالیا یعنی جن لوگون پر یہ استثنا صادق نہین آتا اُنپر سے ذلت وخواری کا عذاب دنیاہی مین نہین اُٹھالیا گیا اور وہ لوگ عذاب دنیا مین مبتلا ہوئے چنانچہ فرعون بھی اس عذاب مین مبتلا ہوکر غرق دریا ہوا اسکی حالت مضطر یا منغرغر کی سی حالت نہ تھی جسکا ایمان مقبول نہین ہوتا بلکہ اس شخص کی سی تھی جو قتل کے واسطے لایا گیا ہو۔ پس نجات بخشی اللہ جل شانہ نے اسکی روح کو عذاب آخرت سے اور اسکے جسد کو دنیا مین بھی جیسے کہ خود ارشاد فرماتا ہے فالیوم ننجیک ببدنک لتکون لمن خلفک آیۃ اور یہ نجات بدن خود اسکی دلیل ہے کہ عذاب الٰہی اسکے ساتھ صرف حیات تک تھا اور بعد ممات باقی نرہا پس روح وجسد دونون کو نجات ملگئی۔

حضرت شیخ ابوبکر خوافی قدس سرہ فرماتے ہین۔ کہ اوائل مین فصوص الحکم کا مین بہت مشغلہ رکھتا تھا ایکدم مین رسول اللہ صلعم کی زیارت سے مشرف ہوا مین نے نہایت ادب سے پوچھا کہ آپ فرعون کے بارے مین کیا فرماتے ہین زبان حق ترجمان سے ارشاد ہوا کہ جو شیخ نے لکھا ہے وہی کہو پھر مین نے عرض کی یا رسول اللہ وجود مین آپ کیا فرماتے ہین ارشاد ہوا قدیم مین قدیم ہے اور حادث مین حادث۔

غرض کہ کسی کو بقول حضرت شیخ صلاح الدین صفدی قدس سرہ اگر علم لدنی والے کے کلام کو دیکھنا منظور ہو تو وہ شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصانیف کو دیکھے آپ کے ہمعصر یہ بزرگ تھے شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ شیخ اوحد الدین کرمانیؒ شیخ نجم الدین کبریٰؒ۔ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازیؒ شیخ صدر الدین قونویؒ۔ شیخ سویداؒ ہندیؒ شیخ ابوالحسن شاذلی مغربی۔ ابوالعباس رسی۔ ابن الفارض حموی مصری۔ عزیز الدین نسفی۔ ابن الصباغ۔ فخر الدین عراقی۔ نجیب الدین برغش شیرازی۔ برہان الدین ترمذی۔ نور الدین عبدالرحمٰن اسفرائنی۔ جمال الدین حمزہ قانی۔ سیف الدین باخرزی۔ سعد الدین۔ ابو محمد عبداللہ مغربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ کا زمانہ حضرت محی الدین ابن عربی رض کے اخیر عمر سے ملتا ہے۔ جسوقت فصوص الحکم لکھی گئی اُسوقت مولانا کی عمر ۲۴ سال کی تھی حضرت امام غزالی رح شیخ اکبر علیہ الرحمہ سے ۵۵ سال پیشتر

گذرے ہین۔ حضرت شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کل ۷۶ برس ۶ یوم اس عالم فانی مین رہکر جمعہ کی شب بائیس ۲۲ ربیع الآخر ۶۳۸ھ مین بمقام دمشق انتقال فرمایا اور آپ کا مزار شریف جبل قاسون کے دامن مین جو صالحہ کے نام سے مشہور ہے آجتک فیض بخش خاص و عام ہے۔

عبداللہ

نالۂ بسمل

ہو رہے ہین پھر مرے صبر و سکون ابن السبیل — کاروان ہوش مین برپا ہے شور الرحیل
فرش آتش ہے بساطِ آرزو میرے لیے — لوٹتا ہون مین ان انگارون پہ مانند خلیل ؑ
درد کو غم کی صدا دیتے ہین زخمون کے دہن — رقص بسمل ہوگیا ہے اینِ مریم کا مثیل
زیر کوہ غم دبا ہے یون مرا جسم نحیف — ایک مورِ ناتوان ہو جیسے زیر پاے پیل
کچھ نہین کھلتا کہ مین کیون کر ہوا خونین کفن — یہ سمجھتا ہون کسی تیغ ستم کا ہون قتیل
کردیا جس نے جہان اندھیر میری آنکھ مین — میری نظرون سے نہین پوشیدہ وہ چشم کحیل
ہے مرا روے سخن دہرِ ستم گر کی طرف — کردیا چشم عزیزان مین مجھے جس نے ذلیل
یون تصرف سے کیا مدغم مجھے اغیار مین — آب ہوجاتا ہے جس صورت ہوا مین مستحیل
جسمِ قومیت پہ اب ہر فرد ہے اک عارضہ — جسکے استخراج پر ہے حاذقون مین قال و قیل
یہ وہ حالت ہے کہ اک مستی ہو سرتاسر عدم — یہ وہ صورت ہے کہ سرتاپا مرض ہو اک علیل
آہ اس سرحد پہ پہونچا ہے تنزل قوم کا — خندہ زن ہین آج اس پر کل جو تھے اس سے ذلیل
کارنامے اپنے سب دہرِ ستم گر مٹ گئے — پیس ڈالا تو نے ہم کو گردشِ چرخ محیل
تھی یہ قومیت جہان مین درۃ التاجِ جہان — محو تھا معدوم تھا اس کا مثیل اسکا عدیل
تھی یہ قومیت زمانے بھر مین یکتاے جمال — دیکھکر نظارگان کہتے تھے اللہ الجمیل
تھی یہ قومیت مصافِ زندگی مین کامیاب — فوج مور اسکے مقابل لشکرِ اصحاب فیل
تھی یہ قومیت سپہ سالار جنگاہِ عمل — تھا نہ زنگ آلود جسکا کوئی کانٹا کوئی کیل
تھی یہ قومیت کہ جسکے علم کا دار القضا — اہل عالم کے لیے تھا ایک دیوانِ اجیل
تھی یہ قومیت کہ تھا جسکا مؤسس خیرِ خلق — تھی یہ قومیت کہ تھا جس کا ملازم جبرئیل
اس لیے عرفان کے کیفی ہوگئے صہبا پرست — اس خراباتِ جہان مین تھی یہ وحدت کی سبیل

آہ اب وہ افسانہ ماضی تھا اب یہ حال ہے
بے ہنر گر ہین تو ہم ہین۔ ہین تو ہم ہین ہین ذلیل

جیتے تھے لیکن بھروسے پر کسی کے لطف کے
دلکوڑ ہارس ہے مصیبت مین کوئی ہوگا کفیل

گرچہ اچھے دن ہماری قوم کے آنے کو ہین
شاق ہے لیکن ہمین اب جسقدر باقی ہے ڈھیل

خون ہوا جاتا ہے دل بس بس خدا کے واسطے
داستان غم ہوئی جاتی ہے اے بسمل طویل

تا بہ کے صرف شکایت حسن انداز بیان
بس اٹھا دست دعا پیش خداوند جلیل

اے کہ تو ہر دو جہان مین قبلۂ حاجات ہے
اے کہ تیرا لطف ہے ذوق اجابت کا کفیل

کب پہنچتی منزل جودی پہ کشتی نوح کی
ناخدائی ہو گئی تیری خدائی کی دلیل

گر تری رحمت نہوتی جلوہ ریز التفات
جنت الفردوس بنتی کس طرح نار خلیل

گر نہوتا فضل تیرا شامل حال کلیم
راستہ دیتا اُسے ہرگز نہ آب رود نیل

واسطہ دیتا ہون سرکار نبوت کا تجھے
دور آخر مین جو تھی جائے ہبوط جبرئیل

ہان وہی سرکار جو ہے رحمۃ للعالمین
مصدر انوار وحدت مظہر شان جمیل

وہ سراپا نور جسکی ذات اقدس کے طفیل
پائینگے ہم کوثر و تسنیم و خلد و سلسبیل

پھر اسی صورت ہرا ہو جائے گلشن قوم کا
اس زمین شعر مین پیدا ہون یہ زرع و نخیل

تیرے آگے کچھ بھی ان ہونی نہین اے کارساز
تابع فرمان ہے تیری ترقی کی سبیل

کون پا سکتا ہے تیری قدرتون کی انتہا
تیری ہر قدرت ہے مولیٰ تیری قدرت کی دلیل

مرہم الطاف کے پھاہے لگا دے ایک بار
تیرا بسمل تیرا بندہ مدتون کا ہے علیل

انت شافی انت مافی فی مہمات الامور
انت حسبی انت ربی انت لی نعم الوکیل

عبد الحکیم بسمل

گفتار بوقت خویش زر می گردد
زو ہر بد و نیک بہرہ ور می گردد

باران بہار ز اعتدال موسم
در ہر گل و در بحر گہر می گردد

—— ۰۵۰ ——

نکوئی گر رود زین دہر نیکو تر شود پیدا
چو گیرد قطرۂ راہ عدم گوہر شود پیدا

غبار خاطر دانا ست اظہار ہنر کردن
صفا بر خیزد از آئینہ چون جوہر شود پیدا

مسلمانان ہند کی معاشرت

اور

اُسکی اصلاح

نمبر ۳

واضح رہے کہ قوموں کی خوبی معاشرت و تمدن کے لیے اُنکے طریقہ ہائے بود و باش مین حسن مذاق ایسا ہی ضروری ہے جیسے کہ عمدہ دماغی و اخلاقی تعلیم و تربیت - پاکیزہ خصائل - اور حسن مذاق زندگانی

حسن مذاق

انھین آخرالذکر صفات کا نتیجہ ہے اور اُنکے ساتھ ایسی لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتا ہے کہ گویا ایک آئینہ ہے جسکو دور ہی سے دیکھنے سے افراد کی اُن خوبیون کی جھلک فوراً نظر آجاتی ہے اور ایک معیار ہے جسپر قومون کی اچھی یا بُری تہذیب کا دارومدار قرار دیا جاتا ہے اسلیئے اس موقع پر ہم اس مسئلہ پر پورے طور سے بحث کرینگے اور اول حسن مذاق بود و باش کو دکھین گے جسکے لیئے یہ ضروری ہے کہ محل و جائے سکونت پر تفصیل وار بحث کیجائے اور نتیجے اخذ کیے جائین اور کرائے طریقہ مین جو عیوب نظر آتے ہین اُنکو پہلے بیان کرکے اصلاح کی تدابیر بتائی جاوین اور یہ دیکھا جائے کہ انکا اثر معاشرت پر کیسا پڑتا ہے اور کہانتک وہ اور حسن معاشرت ایک دوسرے کے تابع اور لازم و ملزوم ہین -

ہماری زمانۂ موجودہ کی سوسائٹی باستثنائے چند افراد کے سکونت شہری کو ترجیح دیتی اور نیز اُسکو اختیار کرنا پسند کرتی ہے - لیکن بہت سے وجوہ ہین جنکے بنا پر اس عادت کو ہم قابل اعتراض

انتخاب مسکن

و اصلاح سمجھتے ہین اور بہت سی اُن بُری عادات اور نتائج کا اسکو ملزم ٹھہراتے ہین جو قومی زندگی مین بلحاظ صحت و اخلاق و اطوار ان کی بدولت پیدا ہوتے ہین - ان وجوہات پر مختصراً حسب ذیل بحث کی جاتی ہے :-

وجہ اول - بلحاظ حفظان صحت

(۱) علم تشریح کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الحقیقت ہمارا کل جسم مختلف اور ہزارون گوشت اور اعصاب کا مجموعہ ہے اور اگر اس مجموعہ کے ایک حصہ سے عضلات (Muscles) بنے ہین تو دوسرون سے ہڈیان - اعصاب - شرائین غرضکہ تمام دیگر اعضا مع اعضائے رئیسہ کے مختلف

تار ہاے (Tissues) جسمانی کی مختلف صورتین ہین اوران مین کا ہرایک تار مجموعہ ہے بہت سے
خانون کا (Cells) گو یا اس طرح اگر ہمارے جسم کو ایک عمارت تصور کیا جائے
تو یہ خوردبین سے دکھائی دینے والے خانے اُس کی اینٹین ہین جنکا شمار ہوا
خارج از حساب ہے - ہرایک خانہ جاندار ہے یعنی مادۂ اولی (Protoplasm) اپنے
اندر رکھتا ہے جو اسکی پرورش کے لیے ضروری ہے اور جسکی مدد سے اسکا نمو ہوتا ہے - بعضون مین
حرکت پیدا ہوتی ہے اور نئے خانے پیدا ہوتے ہین جو کہ مادۂ اولی کے زوال کے بعد ان کے جانشین
ہوتے ہین - ہمارے جسم کے یہ ننھے ننھے جاندار خانے اپنے مادہ اولی کی حفاظت کے لیے کس چیز کے خواستگار
ہین ؟ جسطرح ریگستان مین ایک پیاسا پانی کے لیے فریادین کرتا ہے جس طرح سوکھے ہوے پودے
مینھ کے انتظار مین اپنی چھوٹی ٹہنیون کو اُٹھاے ہوے آسمان کی طرف دیکھتے ہین اور جس طرح
شبنم کی تروتازگی کے لیے ترستے ہین بالکل اسی طرح ہرایک خانہ شب و روز یہ صدا دے رہا ہے
"آکسیجن ! آکسیجن - مجھے دو" - اور اس نعمت عظمی کو وہ رطوبات حیوانی جو اسکے چارون طرف موجود ہے
خون سے حاصل کر کے فوراً حاضر کرتی ہے - خون اسکو پھیپھڑون سے اپنے اثناے دوران مین جذب
کرتا ہے اور پھیپھڑے بذریعہ اپنی نالیون کے منھ اور نتھنون کی راہ سے ہوا کو اندر لیکر آکسیجن کو اخذ
کر لیتے ہین - آکسیجن کی قلت سے ہرایک کی حالت ردی اور تباہ ہونے لگتی ہے اسقدر کہ دماغ بخوبی
کام دینے سے منھ چراتا ہے - دل و جگر - معدہ اور گردے اپنے کو عاجز سمجھنے لگتے ہین - خون کی حالت
بدلنے لگتی ہے اور سرانجام کار اسکے نتائج اضمحلال - دھڑکن - بدہضمی - قلت خون اور کمزوری وغیرہ
کی صورتون مین ظاہر ہونے لگتے ہین - پھیپھڑے کے خانے اس کمی کو سب سے زیادہ محسوس کرتے
ہین اور رفتہ رفتہ اسقدر کم ہو جاتے ہین کہ باہر کے کسی دشمن کو نہین روک سکتے - یہ دشمن ہماری
زندگی کے درپے ہو کر افواج شیطانی کی طرح نظر سے اوجھل ہر وقت اور ہر جگہ موجود رہتے ہین اور
بقطیریا کے نام سے موسوم ہین - انمین سے ایک جسکا نام ٹوبرکل ہے خاص طور سے پھیپھڑون کے
درپے رہتا ہے اور جب انکو کمزور دیکھتا ہے تو موقع پا کر اپنے حملہ سے نہین چوکتا جسمین اگر کامیاب
ہوئی تو سل اور دق کی مہیب و خطرناک بیماریان اپنی صورتین دکھاتی ہین - ظاہر ہے کہ کھلی ہوا
جگہون اور بستی کے باہر رہنے والون کو جہان کی ہوا عمدہ اور پاک ہوتی ہے یہ اور اسی قبیل کے
دیگر عوارض کم لاحق ہوتے ہین - تیرہ و تار مکانات مین اور تنگ گلیون کے اندر خصوصاً گھر کے اندر
بند رہنے والی عورتون مین انکی بہت زیادہ کثرت نظر آتی ہے اور اسلیے دیہات کے رہنے والون کی

عمر بین زیادہ ہوتی ہین اور شہر کے رہنے والے اُنکے مقابلہ مین اعلےٰ درجہ کی تندرستی سے محروم رہتے ہین۔

یہ امر کسی سے پوشیدہ نہین ہے کہ شہر کے محلون کی ہوا بیرونی بستی سے کہین زیادہ خراب اور غلیظ ہوتی ہے اسلیے کہ اُسمین آکسیجن کی کمی ہے اور کاربن گیس کی زیادتی۔ اور اوزون جو خلاصہ ہے آکسیجن کا اور تندرستی انسانی کے لیے ہوا کا سب سے بڑا جزو ہے وہ تو نام کو نہین ہوتا۔ اور اُسمین گرد و غبار۔ غلاظت کے ذرے اور ضرر رسان بقطیریا جسکی تعداد بیشمار ہے بکثرت ہوتے ہین۔ سڑکون کی تعفن اور کوڑے گھر کی بدبو ان نقائص پر اور اضافہ کرتی رہتی ہے۔ علاوہ برین گرد و پیش کے مکانات کا دھوان بخارات فضا کو ہر وقت خراب کرتا رہتا ہے اور بلا لحاظ اسکے کہ عمارات کتنی ہی بڑی اور وسیع کیون نہون اُنکے رہنے والون کی صحت پر اطراف کی خراب ہوا کا اثر مترتب ہوے بغیر نہین رہ سکتا۔ یہ مانا کہ عرصہ دراز کی بود و باش احساس کو کند کر دیتی ہے جسکی وجہ سے فوری اثر نہین محسوس ہوتا لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اسکا اثر ہی نہین ہوتا۔ بہت سے زہر ایسے ہوتے ہین (جنمین سے ایک خراب ہوا بھی ہے) جنکا اثر بتدریج انسان کی صحت پر ایک مدت کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ بقطیریا کی افراط کی ایک عام فہم دلیل یہ ہے کہ ایسے اطراف مین زخم بڑی مشکل سے اچھے اور مندمل ہوتے ہین۔ اور فوری اثر کا حال اُن لوگون سے پوچھیے جو باہر رہنے کے بعد یکایک شہر کے اندر مسکن گزین ہوتے ہین اس تغیر سے کئی روز تک اُنھین درد سر کی شکایت رہتی ہے اور ہاضمہ اور اشتہا مین فرق آجاتا ہے۔

وہ نتائج جو بتدریج اس قابل اعتراض طرز معاشرت سے پیدا ہوتے ہین بکثرت ہین۔ اُنکی تفصیل کے لیے ایک کتاب علیحدہ لکھنے کی ضرورت ہوگی۔ دائمی بدہضمی اور خون کی خرابیون کو ایک طرف چھوڑکر سب سے بڑا اور سب سے مہلک اور موذی مرض جو خاص طور پر ہوا کی خرابی سے پیدا ہوتا ہے وہ تپ دق کے نام سے موسوم ہے جو ہر سال ہمارے ہزارون پیارے نونہالون کو لقمۂ اجل بنا کر صفحۂ ہستی سے اُنکا نام و نشان مٹا دیتا ہے۔ تپ دق کے بقطیریا اور خرابی ہوا مین ایک خاص نسبت اور تعلق ہے اسی کے سایۂ عاطفت مین وہ پرورش پاتا اور زندہ رہتا ہے۔ اور کمزور سینہ والون کو اور اُن لوگون کو جنمین قوت مدافعت کم ہے اور جنھون نے دمی تریاقات کا حصہ کم پایا ہے ذرا سا موقع پاکر اپنا مجروح و اسیر بنا لیتا ہے۔

صاف اور پاکیزہ ہوا اس ظالم کے دفع کرنے مین عجیب و غریب خاصیت رکھتی ہے مین نے کچھ دن ہوے ایک رپورٹ مین پڑھا تھا کہ لندن مین ایک محلہ ایسا تھا جہان کے باشندے ہر سال اسی بیماری مین مبتلا ہوتے تھے۔ لیکن جب اُسکو توڑکر منہدم کر دیا اور لوگون کو شہر کے باہر

...بیمار کر دیا تو اسکے دوسرے ہی سال یہ حیرت انگیز تبدیلی دیکھی گئی کہ نصف فیصدی سے بھی کم اس بیماری میں مبتلا ہوئے۔ اگر کسی کو اسکے ثبوت کی ضرورت ہے تو خود اپنی آنکھ سے ایسی بے شمار رپورٹون کا معائنہ کرکے تشفی حاصل کرسکتا ہے۔

انگریزون کی زندگی پر نظر ڈالنے سے ہمکو پتہ چلتا ہے کہ اس مہذب قوم کو عمدہ اور پاکیزہ ہوا سے کسقدر شوق و ذوق ہے اور ہم پر لازم ہے کہ اس اچھی مثال کی ضرور تقلید کرین۔ انکا یہ شوق بمنزلہ طبیعت ثانی کے ہوگیا ہے۔ جہان دیکھو یہ لوگ تفریحات کے لیے کھلے میدانون مین چند گھنٹے روز ضرور صرف کرتے ہین انکے باغات مین بکثرت لوگون کا مجمع رہتا ہے اور خصوصاً لندن کے رہنے والے سمندر کی اس ہوا کے شیدا ہین ذرا سا بھی موقع ملا اور شہر کو چھوڑکر نزدیک کے ساحل پر چلے گئے۔ گرمی کے موسم مین جانے والون کی اس قدر کثرت ہوتی ہے کہ اسٹیشنون پر تماشا نظر آتا ہے۔ ہر آدھ گھنٹہ مین بھری ہوئی گاڑیان سمندر کی طرف چھوٹتی ہین جہان موسم کے زمانہ مین بعض اوقات جگہہ ملنا دشوار ہوجاتی ہے لوگ مچھلی کی طرح کنارے پر صحت پرور ہوا اور جان بخش دہوپ سے لطف اٹھانے کے لیے غول درغول دکھائی دیتے ہین اور ایک ایسا سین نظر آتا ہے کہ ایشیا کا رہنے والا کبھی نہین بھول سکتا خراب ہوا سے انکو عموماً اتنا شک خوف اور نفرت ہوتی ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ اپنے ایک دوست کے یہان جانے کا مجھے اتفاق ہوا۔ سردی بہت شدت سے پڑرہی تھی لیکن مین دیکھتا تھا کہ انکے خوابگاہ کے کمرہ کی بڑی کھڑکی جسکا رخ باغ کی طرف تھا خواہ برف گرے خواہ پانی برسے مگر دن رات کھلی رہتی تھی۔ مین نے متعجب ہوکر پوچھا کہ کیا ان کو موسم کی سختی کی وجہ سے ایسی جگہہ تکلیف نہین ہوتی اور زکام وغیرہ مین مبتلا نہین ہوجاتے۔ اسکے جواب مین وہ ہنسکر کہنے لگے کہ پانچ سال سے مین اسی طریقہ پر رہتا ہون اور ایک دن بھی بیمار نہین پڑا۔ انفلوئنزا اور زکام گھر مین سب کو ہوچکا ہے مگر مجھکو کبھی نہین ہوا۔ کمل اور آتش دان سردی سے بچاتے ہین۔ سامنے کا سائبان مینھ سے محفوظ رکھتا ہے اور باہر کی تازہ ہوا ان تمام شکایتون کا جو دن رات لوگون کو لاحق ہوا کرتی ہین ایسا عمدہ علاج کردیتی ہے کہ آج تک کسی طبیب کو بلانے کی ضرورت نہین پڑی۔ اسی سلسلہ مین مجھے ایک اور صاحب کا قول یاد آیا جو مجھسے ایک روز کہنے لگے کہ جب سے مین نے شہر سے دور رہنا اختیار کیا ہے میرے خاندان کی صحت پر ایسا حیرت انگیز اثر پڑا ہے کہ ڈاکٹرون کا بل چوتھائی سے بھی کم ہوگیا اور علاوہ اس بڑی کفایت کے یہ کیا کم ہے کہ اپنے عزیزون کو تندرست اور خوش دیکھکر دل کو تسکین و اطمینان ہوتا ہے اور سلامت زندگی مین اوسکی وجہ سے اس قدر اضافہ ہوتا ہے کہ دنیا کی سب نعمتین اسکے سامنے ہیچ مین

مجھے ایک اور مثال یاد آتی ہے - میرے ایک شناسا ایک دن طبی مشورہ لینے کے لیے میرے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے کہ کیا کرون دو سال سے چند ایسے عجیب عوارض مین مبتلا ہون کہ زندگی تلخ ہوگئی ہے - بہت سے حکما کا علاج کیا مگر کچھ فائدہ نہین ہوا - مین اُنکو دیکھکر یہ سمجھہ نہ سکا کہ کس مرض مین مبتلا ہین اسلیئے ایک بڑے طبیب حاذق کا نام مینے بتایا جو لندن کے مشہور حکما مین سے ہین اور کہا کہ مناسب ہوگا کہ آپ وہان تشریف لے جائین کیونکہ اُنکی رائے بہت زیادہ قابل قدر ہے - غرضکہ وہ گئے اور تین دن کے بعد میرے پاس پھر آئے اور بہت کشیدہ خاطر ہوکر ناک بھون چڑھا کر کہنے لگے کہ آپنے عجیب شخص کے پاس مجھے بھیجا بسنے کامل ایک گھنٹہ تک ہر طرح سے میرا امتحان کرکے فیس کی تین گنیان اپنی جیب کی نذر کین اور ایک عجیب و غریب نسخہ میرے ہاتھ مین تھما دیا - مین نے اس نسخہ کو جو کر دیکھا تو صرف دو جملے لکھے ہوئے تھے "تازہ ہوا" اور "سمندر کا ساحل" - دو مہینہ بعد اتفاق سے پھر اُن صاحب سے ملاقات ہوئی - مجھے پہلے اُنکو پہچاننے مین دقت ہوئی کیونکہ اُنکا رنگ روپ صحت کے دلپذیر اثر سے بالکل بدل گیا تھا - حرکات مین پھرتی اور مزاج مین اسقدر بشاشت پیدا ہوگئی تھی کہ یقین نہین ہوتا تھا کہ یہ وہی شخص ہین - ہنسکر کہنے لگے کہ مین چھ ہفتہ کے سمندر کے سفر سے ابھی واپس آیا ہون - مین نے سوچا تھا کہ خیر اب آخر مین اُسی جھکی ڈاکٹر کا کہنا کر دون مگر واللہ جادو اور معجزہ کی بھی اسکے سامنے اصلیت نہین - مین ایسا تندرست ہون کہ تمام عمر مین کبھی ایسا نہ تھا اور بلا کسی دوا کے ایک خوراک پیے ہوئے میری تمام شکایتین دھوین کی طرح اوڑ گئین -

عمدہ اور پاک ہوا کے اثر کی اسی طرح ایک نہین بلکہ سیکڑون مثالین میرے سامنے موجود ہین خون ... دق کا سا موذی مرض جسکے لیے تمام دنیا کی دوائین بے سود ثابت ہوئی ہین اگر کوئی شے دبتا ہے تو وہ عمدہ ہوا ہے - ولایت مین ایسے مریض جنکو اس ملک مین لا علاج سمجھا جاتا ہے چھ ماہ کے لیے نیوزیلینڈ Davos کے قیام اور سوئٹزرلینڈ کی طرح پر فضا ہوا مین رہنے سے یا سمندر کے سفر کرنے کے بعد ایسے مضبوط اور تندرست ہوجایا کرتے ہین کہ کسی بیماری کا گمان ہی نہین ہوسکتا -

خراب ہوا شیر خوار بچون کی تندرستی پر بھی بہت جلد اپنا اثر دکھاتی ہے - اسکے معدے کی بیماریان بچپن مین طرح طرح کے عوارض پیدا کرتی ہین اور میرے خیال مین ہندوستان مین اس قدر کثرت اموات کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ ہم اپنے پیارے بچون کو محبت مین آکر لپیٹ لپیٹ کر مکانون کے اندر بند رکھتے ہین اور باہر نکلتے ہوئے سردی کے خوف سے (جو ایک سخت جاہلانہ خیال ہے)

بست پس، پیش کرتے ہین۔ اگر چھوٹے سے پودے کو کسی بند مقام مین ہوا اور روشنی سے چھپا کر رکھا جائے
تو تین چار ہی دن مین اُسکی ٹہنیان کمزور ہو جائینگی اور پتے مرجھا کر گر پڑینگے بعینہ یہی حال شیر خوار بچون کا ہے
تازہ ہوا اُنکی نشو و نما کے لیے اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ نباتات کے لیے۔

ایک مرتبہ لندن مین شیر خوار بچون کی نمائش ہوئی تھی اور سب سے زیادہ تندرست اور وزن دار
بچون کو انتخاب کرکے اُنکی ماؤن کو انعام تقسیم کیے گئے تھے۔ اس باہمی مقابلہ کے فیصلہ کے لیے بڑے
بڑے عالم اور مشہور حکما وہان آئے۔ بالآخر چھ بچے انتخاب کیے گئے اور اُنکی ماؤن سے ججون نے پوچھا
کہ تم نے کس طرح انکی پرورش کی ہے۔ کسی نے کہا میلنس فوڈ (Mellins food) کھلا کر
کسی نے کہا ویرال (Verol) کسی نے دیگر مسمن مرکبات کے نام لیے مگر جو بچہ سب سے زیادہ تندرست
تھا اور اول نمبر منتخب کیا گیا تھا اُسکی مان نے جواب دیا "ڈاکٹر! مین نے اس کو صرف اپنی چھاتی کے
دودھ اور تازی ہوا سے پرورش کیا ہے" یہ کلام اُس عورت کا اس قابل ہے کہ ہر مان اسکو سنہری
حروف سے لکھکر اپنے گلے مین لٹکائے۔

جس ملک کا مین ذکر کر رہا ہون وہان اس مسئلہ پر توجہ کی یہ حد ہے کہ تازہ ہوا کے فنڈ اور
تازہ ہوا کی سوسائٹیان غریب اور بے استطاعت باشندگان شہر کے لیے قائم کی گئی ہین تاکہ اُنکی سیر
قصبات کے لیے وقتاً فوقتاً سامان مہیا کرین۔ متوسط الحال۔ امرا اور تجار مین ہفتہ کے آخر دن شہر کے
باہر چلا جانا ایک لازمی دستور زندگی ہوگیا ہے اور جیسا مین اوپر بیان کرچکا ہون ہر چھوٹا بڑا موسم
گرما کی چھٹی کا بڑی بیچینی اور انبساط کے ساتھ انتظار کرتا ہے۔ گویا کہ عید کا دن آنے والا ہے مصنفین
مصور۔ پروفیسر۔ وکلا۔ پالٹکس مین سرگرم رہنے والے ممبران پارلیمنٹ غرضکہ سب دماغی کام کرنے
والے تازہ ہوا کے ایسے شیدا اور دل دادہ نظر آتے ہین کہ مجھے یقین ہے کہ اگر ان لوگون کی طبائع
سے یہ صحت پرور مذاق مفقود ہو جائے تو انگلستان کی سلطنت درہم و برہم ہو جائے۔ یہ مذاق اُنکا
ہندوستان تک مین موجود ہے اور شاذ و نادر ہی کبھی کوئی ایسا انگریز نظر آئیگا جو خراب اور تنگ
و تاریک مکان مین رہتا ہو یا کام سے تھک کر کھلے ہوئے مقامات مین جہان ہوا تازہ آتی ہے
تفریح کے لیے نہ جاتا ہو۔

"ڈاکٹر"

آنرا کہ نصیب از خرد و ادراک ست	در معرکۂ جہاد خود چالاک ست
ہر چند کہ زندہ پاک و مردہ است پلید	این نفس پلید چون بمیرد پاک ست

عرض مدعا

الناظر کا موجودہ حجم کسی طرح ہمارے مضمون نگار کرم فرماؤن کی جولانی طبع کا ساتھ دینے کے قابل نہین ہے جسکی وجہ سے ہم کو اُن حضرات سے بار بار نہایت شرمندہ ہونا پڑتا ہے جو مہربانی فرماکر اپنی کتابین ہمارے پاس بغرض ریویو ارسال فرماتے ہین - اور اپنے معزز معاصرین کا تو ہم کچھ بھی حق نہین ادا کر سکتے - اس پریشانی کو محاربات صلیب کی اشاعت نے اور بھی بڑھا دیا تھا لہذا ہم نے یہ تہیہ کرلیا ہے کہ جنوری ۱۹۱۲ء سے الناظر کے صفحات مین بقدر ایک جزو کے اضافہ کردیا جائیگا - اس اضافہ کا ہم ناظرین پر عام طور سے اگر کوئی بار ڈالینگے تو صرف اسقدر کہ اُن سے الناظر کی توسیع اشاعت مین اس اعانت کے امیدوار رہینگے جس کا باوجود پورا استحقاق ہونیکے اسوقت تک مطالبہ نہین کیا گیا تھا -

ہمین یقین ہے کہ ہماری اس مودبانہ التماس پر ہمارے معزز معاونین خاص توجہ فرمائینگے اور جسقدر اعانت کے لیے دست سوال پھیلانے مین ہم پست ہمت معلوم ہوے ہین اسی قدر وہ بذل کرم مین اپنے آپ کو بلند حوصلہ ثابت کرینگے -

وہ بقدر بزرگ جو ہماری خدمات کی قدر افزائی اس طور پر فرماتے ہین کہ زیادہ قیمت ادا کرکے قسم اول کے پرچہ منگواتے ہین اُنکو ہم اپنی طرف سے اس قسم کی تکلیف دینا نہین چاہتے بلکہ بجائے اُسکے قسم اول کے پرچہ کی قیمت مین خفیف سا اضافہ مناسب جانتے ہین آئندہ سے قسم اول کے پرچہ کی قیمت صہ سالانہ مع محصول ڈاک ہوگی -

---

خاکسار اوائل نومبر سے سفر مین ہے اور چونکہ یہ سفر محض الناظر کی ضرورتون کی وجہ سے کیا گیا ہے اور وسط جنوری سے پہلے ختم نہو سکے گا اسلیے اگر جنوری کا پرچہ کسی قدر تعویق سے پہونچے تو امید ہے کہ الناظر کے کریم النفس معاونین و قدردان ہماری معذرتون پر نظر کرکے چشم پوشی فرمائینگے خصوصاً اس وجہ سے کہ اس قسم کی یہ پہلی ہی درخواست ہے اور خدا کرے کہ آخری بھی ہو -

خادم ظفر الملک

ریویو

(سوانحعمری حضرت محمدؐ صاحب بانی اسلام)

نیرنگ قدرت نت نئے تماشے پیش نظر کرتی ہے جبتک مسلمانون کے سرونپر اقبال کا پرچم جنبک مسلمانون کے سرونپر لہراتا رہا علوم وفنون کی زعفران زار سلطنت اُنکے نگین حکمرانی سے سحر رہی اور تہذیب وشائستگی کی مشکبار حکومت انکی حلقہ بگوشی کا دم بھرتی رہی - مگر تقارۂ دولت کا اُنکی دربانی سے علیحدہ ہوناتھا کہ ادبار و بدبختی نے دیو پلید کی طرح چھاپا مارا اور متاع عقل وخرد اور سرمایۂ علم وہنر جو کچھ صد ہا سال کی محنت وجانفشانی سے حاصل ہوا انکے حیطۂ اقتدار اور قبضۂ اختیار سے نکل گیا

فن تاریخ مین جو کمال مسلمانون نے حاصل کیا تھا اُسکی داد دینے مین ایک عالم رطب اللسان ہے اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیے تھا اسلیے کہ اگر ہمارے اسلاف نے اس شاہراہ کو خس وخاشاک سے صاف کرنے مین اسقدر جد وجہد نہ کی ہوتی تو آج دنیا کے بہت بڑے حصہ پر تاریکی اور لاعلمی کے ایسے گہرے پردے پڑے ہوتے کہ علم الاصنام کی برقی روشنی اور آثار قدیمہ کی گیس کی تابش راہ ہدایت مین ہمین ایک قدم بھی نہ لے جاسکتی - مگر آج اس فن مین ہمارے درک کا یہ عالم ہے کہ ہماری زبان مین - اُردو مین جسکے متعلق ہمارا دعوی یہ ہے کہ وہ ہندوستان کی لنگوا فرانکا ہے اور ہمارے برادران وطن کہتے ہین کہ وہ مسلمانون کی زبان ہے - اُسمین بنی نوع انسان کے سب سے بڑے ہادی اور خدا کے بزرگ وبرتر کے سب سے بڑے نائب یعنی ہم "بزنام کنندۂ نکونامے چند" مسلمانون کے ملجا وماوا حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی سوانحعمری کے متعلق ایک کتاب بھی ایسی موجود نہین جسکو زمانہ حال کی ضروریات کے لحاظ سے ہم مستند - جامع اور قابل دید کہہ سکین -

یہ سچ ہے کہ اسکی ضرورت ایک عرصہ سے محسوس کیجارہی ہے اور اگر ہمین غلط اطلاعین نہین ملی ہین تو بعض نامور انشا پرداز اس کمی کو پورا کرنے کا سامان کررہے ہین - لیکن حق یہ ہے کہ برہمو سماج کے ایک لائق رکن جناب شرد ہے پرشاد دیوجی نے حضور سرور کائنات کی جو سوانحعمری لکھی ہے اور جسپر ہم اسوقت ریویو لکھ رہے ہین اُسکو دیکھکر جہان ہمارا دل بے اختیار ہوکر اظہار شکریہ کے لیے سر کے بل چلنے کی خواہش رکھتا ہے وہان اس بات پر اشک افسوس بہائے بغیر نہین رہا جاسکتا کہ جو ہمارا فرض اولین تھا اُسکی بجاآوری مین ملت غیر کے ایک بزرگ ہم سے گوے سبقت لیگئے - آہ! مسلمانون تمھین پستی اور ذلت کی اب اور کونسی منزل طے کرنا باقی ہے -

ہم اُردو کے سچے اور حقیقی حامی اور مسلمانون کے واقعی محسن جناب شرد ہے پرکاش دیوجی کی خدمت مین اس بیش بہا تصنیف کے لیے بصدق دل مبارکباد پیش کرتے ہین - آپ نے جس بے تعصبی فراخ حوصلگی

عقیدت مندی اور فیاضی کے ساتھ بانی اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی۔ اُنکی تعلیم۔ اُنکی سیرت اور اُنکی طرز معاشرت کی سچی روشن اور خوشنما تصویر دکھانے کی کوشش کی ہے اور ہمین جسقدر آپ کو کامیابی ہوئی ہے وہ نہایت ہی قابل تحسین و تقلید ہے۔ اگر عام طور پر تمام مذاہب کے پیرو ملت غیر کے پیشواؤن اور اُسکی تاریخ کے بنانے والون کے متعلق قلم اوٹھاتے وقت جناب شردھے پرکاش دیوجی کی طرح اپنے دلون کو تعصب کے غبار سے پاک رکھا کرین اور واقعات کی تفتیش و تلاش مین اُسیقدر جستجو اور دقت نظر سے کام لیا کرین جو صاحب موصوف کی تصنیف زیر ریویو سے ظاہر ہوتی ہے تو ہمارا خیال ہے کہ مختلف المذاہب لوگون کے درمیان آئے دن جو تصادم۔ اختلاف اور مخاصمت رہتی ہے اُس کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جاے اور دنیاے تمدن ترقی کے اُن بلند مدارج پر جلد پہونچ جائے جو تمام سچے بنی نوع انسان کی خواہشون کا مرکز ہونا چاہیے۔

ہمین امید ہے کہ ناظرین الناظر اور ہندوستان کے دوسرے مسلمان اور حق پرست اصحاب کم از کم اظہار شکر یہ ہی کی غرض سے اس بےنظیر کتاب کی ایک ایک جلد خرید فرما کر لائق مصنف کی اس اعلی کوشش کی داد دین گے۔ کتاب کی قیمت ۵ روپے اور منیجر براہمو دہرم پرچار آفس لاہور سے مل سکتی ہے۔

ایڈیٹر

خبرین

مملکت ہندوستان جس وقت سے براہ راست تاج برطانیہ کے دامان دولت سے وابستہ ہوئی ہے اہل ہند کی یہ خواہش کہ خاندان شاہی کے ارکان سے اُنکو شرف تقرب حاصل رہے اس طرح پر پوری ہوتی رہی کہ وقتاً فوقتاً متعدد ولیعہد اور شاہزادے ہندوستان کی سرزمین کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرماتے رہے۔ مگر جون جون اُنکو اپنی اہمیت اور اپنی حلقہ بگوشی کی قدر و قیمت کا احساس بڑھتا گیا اس بارہ مین اون کی پرواز تمنا کا میدان وسیع اور بلند ہوتا گیا تاآنکہ اس سال شہنشاہ ہندوستان خود بنفس نفیس تشریف لاکر اُنکے مدعاے دلی کو پورا کرنے والے ہین۔ اعلی حضرت جارج خامس دام اجلالہ کو ہندوستان کی سیاحت سے واپس تشریف لیگئے ہوے بہت زیادہ مدت نہ گذری تھی کہ دولت ابد مدت برطانیہ کا افسر شاہنشاہی آپ کے زیب سر کیا گیا انگلستان مین اس رسم کی ادائی ہو چکی اب ہندوستان کی باری ہے چنانچہ حضور ممدوح "مدینہ" نامی

جہاز پر روانہ ہو چکے ہین اور ۲ / دسمبر کو بمبئی مین نزول اجلال فرمائین گے۔

دہلی کو پایہ تخت سلطنت مغلیہ ہونے کی وجہ سے جو امتیاز حاصل تھا اُسکو برقرار رکھنے مین لارڈ لٹن اور لارڈ کرزن کی مساعی جمیلہ فراموش نہین ہوسکتی ہین مگر اس دفعہ ہز میجسٹی جارج خامس دام اقبالہ کی موجودگی جو شرف اُسکو بخشنے والی ہے اُسکی روداد ہمیشہ تاریخ عالم مین زرین حروف سے ثبت رہے گی اور اُسکی یاد وہان کے باشندون کے دلون مین ہمیشہ فخر و مباہات کے جذبات اوبھارتی رہے گی۔

اس مبارک موقع سے فائدہ اوٹھاکر مسلمانون کے برگزیدہ لیڈرون نے یہ طے کیا ہے کہ موتمر الاسلامی (محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس) کا سالانہ اجلاس اُسی زمانہ مین دہلی مین منعقد کیا جائے۔ اور مسلمانون کے مسلمہ لیڈر ہز ہائنس سر آغا خان بالقابہ کرسی صدارت پر رونق افروز ہون گے۔

آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس بھی یہین تجویز ہوا تھا مگر بعد مین یہ خیال ترک کردیا گیا۔ اور اب غالباً پٹنہ یا لکھنؤ مین ہوگا۔

مسلم یونیورسٹی کے لیے جس قدر روپیہ ہز ہائنس سر آغا خان بہادر نے قوم سے طلب کیا تھا افسوس ہے کہ اس وقت تک جب کہ ختم سال مین صرف ایک ماہ کی مدت باقی رہ گئی ہے اور حضور بادشاہ سلامت کی تشریف آوری مین صرف ایک دن کا عرصہ ہے اُس رقم مین تقریباً ایک ثلث کی کمی ہے۔ ہمین امید ہے کہ ایک تازہ اور متفقہ کوشش کرکے بقیہ رقم اس ماہ کے اندر اندر وصول کرلی جائے گی۔

ان تمام حالات وواقعات کے ساتھ پطرس نے آخرکار شمعون بطریق سے ملاقات کی۔

اس بڈھے کے دل مین بھی وہی آگ بھڑک رہی تھی۔ اسمین شک نہین کہ وہ کلیساے یونانی کا تابع تھا اسلیے بے دین سمجھا جاتا تھا تاہم راہب کی نظرون مین وہ ایک پیر ذریح ضرور تھا اور جو حال اُسنے یہان کی تباہی اور لوگون کی مصیبتون کا بیان کیا اُس سے راہب کی آنکھون سے آنسو ہی نہین بہنے لگے بلکہ اُسنے یہ بھی سوال کیا کہ آیا ان مصائب سے کسی طرح نجات حاصل کرنے کی کوئی شکل بھی ہے آخرکار خود ہی اُسنے کہا "اچھا آپ میرے آقا پاپاے روم وکلیساے روم اور بادشاہان ورئیسان مغرب کے نام خط لکھین اور اپنی مہر ثبت فرمائین اور اگر خدا نے چاہا تو مین خود طلب نجات کے طور پر ہر ایک کی خدمت مین خط لیکر حاضر ہونگا اور آپ کی تکالیف ومصائب کی داستانین بیان کرونگا اور منت کرونگا کہ ان مصائب سے چھڑانے کے لیے آپ کی مدد فرمائین" بطریق نے اس تجویز پر رضامندی ظاہر کی اور تمام خطوط لکھکر پطرس کے حوالہ کیے۔

راہب نے اگر اس سے پہلے نہین سمجھا تھا تو اب سمجھنے لگا کہ خدا کی طرف سے اُسے ایک کام سپرد کیا گیا ہے جسے ہر نہج انجام دینا چاہیے بہت سے اور واقعات بھی ایسے جمع ہوگئے جنھون نے اس خیال باطل کو مزید قوت بخشی۔ ایک مرتبہ یہ ہوا کہ کلیساے حشر یہ Church of resurrection

ہو نے ظاہر کررہی ہین ایسے مقامات کی وہ کیسے بیحرمتی کرسکتے تھے جنکی حرمت کرنا خود اُنکا جزو مذہب تھا۔ بیت المقدس مسلمانون کی نگاہ مین اس سے کہین زیادہ قابل احترام ہے جتنا کہ عیسائیون کی نگاہ مین۔۔ وہ اُنکا پہلا قبلہ اور اُنکے نبی کی معراج کی پہلی منزل ہے۔ جس عزت وحرمت کے ساتھ حضرت عمرؓ کے زمانہ مین مسلمانون نے اُسپر قبضہ کیا اور جو جو حقوق عیسائیون کو عطا کیے اور جس جس طرح پر صلاح الدین نے اُسے واپس لیا اور عیسائیون کے ساتھ جو جو مراعات مد نظر رکھین اسکا مقابلہ اگر عیسائیون کے افعال سے کیا جاے کہ حضرت عمر کی فتح کے قبل بیت المقدس کی کسقدر بیحرمتی ہوئی تھی اور نیز عیسائیون کی فتح کے بعد کسقدر کشت وخون ایسے محترم مقام پر ہوا اور کسقدر رنجش بیان عیسائی عورتون اور مردون مین پھیل گیا تو صاف معلوم ہوسکتا ہے کہ وحشی کون تھے اور بیحرمتی کس نے کی۔

اسٹینلی لین پول لکھتا ہے کہ "شہر کی نحش وآوارگی کی بو نے حضرت مسیح (لارڈ) کی ناک کو بدبو سے بھر دیا تھا اور گنہگارون کی دعائین (مسلمانون کو شہر سے بچانے کے لیے) مقام رحم تک نہین پہونچ سکین"۔ مذہبی تعصب کی سیاہ چادر کو ہٹا کر اگر دیکھا جاے تو مسلمانون کی تعریف مین خود ایک عیسائی (لین پول) کے قلم سے فتح صلاح الدین کے وقت یہ الفاظ نکلتے ہوے نظر آتے ہین "مبر نصیحت مبارک ہین رحم وکرم والے کیونکہ خود اُنکے ساتھ رحم کیا جائیگا" اسوقت معرض نسیان مین تھی جیسا کہ عیسائیون نے بیت المقدس مین کشت وخون کیا تھا لیکن خوش نصیب تھے یہ بیرحم کیونکہ نہین مسلمان سلطان کے ذریعہ سے رحم وکرم نصیب ہوا تھا۔ سر جرمان گبن دوسرا بانی رہا آ کی جلد ا

وہ ہیچ آنت سرگشتن امین تمام رات دعا مانگتے مانگتے تھک کر فرش زمین پر سوگیا جہان اُسکے خیال کے موافق حضرت مسیحؑ سامنے تشریف لائے اور اسے مخاطب کرکے فرمانے لگے "اُٹھ پطرس اُٹھ اور جلدی کر اور بدل کر ادا کرکے اس فرض کو ادا کر جو تیرے سپرد کیا گیا ہے۔ اور مین ہر وقت تیرے ساتھ ہونگا کیونکہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ میری عبادت خانون سے ناپاکی دور کردیجاے۔ اور میرے خادمون کی مدد کیجائے"۔ پطرس نے اس خواب پر آمنا وصدقنا کہا اور بلاپس وپیش یقین کرلیا کہ یہ من جانب اللہ ہے حالانکہ یہ محض ایک بے اصل خواب تھا جو اسکے حد سے زیادہ پرجوش تخیلات کا ایک قدرتی نتیجہ تھا مگر اسنے فوراً سفر کی تیاری شروع کردی اور بطریق کی دعائے کر ساحل کی طرف روانہ ہوا اور ایک جہاز پر سوار ہوکر اطالیہ کا رخ کیا۔

اطالیہ مین داخل ہوتے ہی راہب نے پاپاے روم کی ملاقات کی کوشش کی۔ اربن ثانی نے جو اس زمانہ مین رونق دہ تخت پاپا تھا اس سے نہایت الفت کا برتاؤ کیا اور حمایت صلیب مین جنگ کرنے کی تجویز عام مین بدل وجان شریک ہونے کا وعدہ کیا۔

اس طور پر اس جوش وجذبے کی مدد سے جو غلطی سے من جانب اللہ سمجھا گیا تھا ہمت باندھکر پطرس کوہستان الپس کو طے کرکے اطالیہ سے نکلا اور تمام ممالک یورپ کا سفر کرکے ایک ایک دربار ایک ایک قلعہ مین پہونچا اور مقدس شہر کی تباہی کا حال بیان کر کرکے منتین کین کہ ان آفات سے اُسے نجات دیجاے اور شریرون سے انتقام لیا جائے۔ اُسنے اپنی فریاد صرف روسا اور رئیسون ہی کی خدمت مین نہین پیش کی بلکہ شہر شہر قصبے قصبے جہان سے اسکا گزر ہوتا یہی داستان بیان کرتا جاتا اور عام طور پر لوگون کے دلون مین جوش پیدا کرتا جاتا تھا۔[۱]

راہب کی وضع قطع لباس اور چہرے مہرے مین ایک بات تھی جس سے عوام اسکی طرف جھکنے لگتے تھے۔ وہ اپنے زمانہ کے خیالات وجذبات کی مجسم تصویر تھا اور لوگون کو اسکی ذات مین تمام وہ صفات جمع نظر آتے تھے جنھین عظمت ووقعت کی نگاہ سے دیکھنے کے وہ عادی ہورہے تھے۔ ایک کمل کا لباس پہنے جسمین آستینین ندارد تھین اور ایک بھوری چادر جو ایڑیون تک لٹکتی تھی اوپر سے اوڑھے ننگے پاؤن خالی ہاتھ ایک خچر پر سوار در در مارا پھرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ رقت قلب مین راہب اپنے زمانہ کے تمام پادریون اور بشپون سے بڑھا ہوا تھا۔ کہانے مین نہ گوشت کھاتا تھا اور نہ روٹی۔ صرف شراب اور مچھلی پر بسر اوقات کرتا تھا اور اسی مین مگن تھا۔ جہان کہین جاتا لوگ

---

[۱] گیبوں المس ثانی۔ بی آئی جلد اول باب سیزدہم۔

اُسے گھیر لیتے - تحفہ تحائف کی بھرمار کرتے اور اُسکی بزرگی وثنا وصفت کرتے - فیاضی بھی اسمین بہت تھی کیونکہ جو کچھ پاتا سب نہایت دریادلی سے بانٹ دیتا تھا ہر قدم پر اسکا اثر بڑھتا جاتا حتی کہ گھرون کے خانگی معاملات تک مین یہ اثر ظاہر ہونے لگا - بعض دفعہ ایسا ہوا ہے کہ اُسنے عورتون کو جنھیں شوہرون نے چھوڑ دیا تھا پھر اپنے خاندان کے گھر پہونچا دیا اور ان لوگون مین جو باہم اختلاف رکھتے تھے پھر محبت قائم کر دی ہے - بعض اُسکو انسانون سے کچھ بالاتر سمجھنے لگے تھے - لوگ اسکے خچر کے بال اوکھیڑتے اور تبرک کے طور پر تعویذ بنا کر رکھتے تھے - اسکا وعظ نہایت زوردار ہوتا تھا - اسکی فصاحت کے سامنے قلوب کے تمام دروازے وا ہو جاتے - قومین کی قومین اسکے کہنے پر اٹھ کھڑی ہوئین اور شمشیر و نیزہ ہاتھ مین لیکر اس جنگ کی تیاریون مین مشغول ہوگئین جسکی طرف وہ انھین بلا رہا تھا -[1]

ایک تاریک و عقائد باطلہ سے پُر زمانہ کی واقعی یہ عجیب غریب مثال خود فریبی تھی ! پہلا کون کہے گا کہ اگلے زمانے آجکل سے اچھے تھے ؟ ہمارے لیے شکر و مسرت کی جگہ ہے کہ خدا کی آواز نے ہمین اسطرح پر اعمال کی مدد نہین بلکہ اس ایک قربانی کی مدد سے نجات حاصل کرنے کی تعلیم دی جو حضرت مسیح نے اپنی ذات خاص کو ہمارے گناہون کے کفارے مین صدقہ کر کے بارگاہ رب العلیٰ مین پیش کی[2] - شکر ہے کہ ہمین روح القدس نے یہ تعلیم دی ہے کہ عیسائیون کے لیے مقامات مقدسہ کی زیارت کرنے سے یہ مراد نہین ہے کہ سفر کی تکلیف برداشت کر کے جان جوکھون مین ڈال کر ایک ارض کنعان یا کسی دنیاوی شہر کو جا کر دیکھ آئین بلکہ برکت اسمین ہے کہ خدا سے بزرگ و برتر کی مرضی مین اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ رضی برضا رہین جسکے صلہ مین آسمانی ملک نصیب ہو اور ایک ایسا شہر ملے "جسکی بنیاد مستحکم اور جسکا بنانے والا اور پیدا کرنے والا اللہ ہے" - یہ بھی شکر کا مقام ہوگا اگر ہم سیکھ لین کہ ہماری لڑائی اس دنیا کی طاقتون سے جنگ و خونریزی کرنے مین نہین ہے بلکہ خود اپنی بداعمالیون - گناہون اور بہت بڑے دشمن روح سے جنگ کرنے مین ہے - کاش ہم یہ لڑائی اچھی لڑ سکین اور اپنا کام پورا کرین - اپنے مذہب پر قائم رہین اور اسکے صلہ مین وہ تاج جو دیانت داری و ایمانداری کا تاج کہلاتا ہے اور جو انصاف پسند اور راستباز حاکم ان سب کو عطا فرمائے گا جو "اسکی شکل سے محبت رکھینگے" حاصل کرین -

ادہر پطرس اپنا کام کامیابی سے انجام دیرہا تھا اودھر پاپاے روم اربن اپنے وعدہ سے غافل نہ تھا - اُسنے فوراً ایک مجلس پلیسن شیا *Placentia* مین منعقد کی اور دوسری وسط

[1] گوی برٹس جلد دوم باب ہشتم ورابرٹس مونکیس جلد اول صفحہ پنجم ۲ [2] ماشاء اللہ !

گال مین کرنے کا ارادہ کیا جو آخر کار کلرمون Clermont مین منعقد ہوئی جسمین فرانس اور جرمنی کے اتنے پادری رئیس و نواب جمع ہوے کہ پہلے کبھی سُنے نہین گئے تھے۔ سب مشتاق تھے کہ پاپاے روم کیا فرماتے ہین اور انکے حکم کی تعمیل کرنی چاہیے۔ معمولی کام ختم کر کے پاپاے روم اربن ثانی گرجے سے برامد ہوے جہان بڑے بڑے مذہبی لوگ جمع تھے اور اس بیشمار مجمع کے سامنے جو ایک بہت بڑے مربع میدان مین جمع ہوا تھا ایک ایسی دلربا فصاحت کے ساتھ جسپر اُسے اپنے زمانہ کے بہت سے لوگون کے مقابلہ مین زیادہ قدرت حاصل تھی تقریر کی۔

اُسنے بیان کیا کہ کس طرح مشرقی اقطاع مین عیسائی بھائی اُن کفار کے پاؤن تلے روندے جا رہے ہین جنھین خدا نے اپنے روح القدس کی روشنی سے محروم رکھا ہے۔ کس طرح آگ۔ غارت گری اور تلوار نے فلسطین کے خوشنما میدانون کو خاک سیاہ کر دیا ہے۔ کس طرح وہان کے باشندے غلام بنائے جا رہے ہین یا ایسے کرب و تکلیف مین مبتلا ہو کر مر رہے ہین جسکا احاطہ نہین ہو سکتا۔ کس طرح کفارون کے ہاتھ انکی عورتون کی آبرو ریزی ہو رہی ہے اور وہ اُن کے ناپاک شہوات حیوانی کا طعمہ بن رہی ہین اور کس طرح بزرگون کی قابل قدر یادگارین مٹھون کے ہاتھون مکروہ سے مکروہ برتاؤ کا نشانہ ہو رہی ہین۔ اس نے یہ سب بیان کر کے پوچھا "اب بتاؤ کس کا کام ہے کہ ان سب کا انتقام لے۔ کسکو اگر تم نہین ہو تو پھر کسکو اللہ نے قوت۔ جرأت اور روحانی عظمت عطا کی ہے؟ تمھارے اجداد کے کارنامے تمھارے سامنے ہین۔ انھین دیکھو اور ہمت کرو۔ شارلمین اور اپنے دوسرے بادشاہون کی نیکی اور فیاضی کو یاد کرو جو تمام مسیحیون کا سہارا تھے اور جنھون نے ترکون کے قدم آگے بڑھنے سے روکے۔ یہ خیال کہ حضرت مسیح جو ہمارے نجات دہندہ ہین اُنکا مزار ناپاک کافرون کے قبضہ مین ہے اور تمام مقدس مقامات کو ان بیدینون نے اپنی کفر کی گندگی سے بے عزت کر رکھا ہے چاہیے کہ فوراً ان خرابیون کے دور کرنے کے لیے تمھین آمادہ کر دے۔ اے بہادر سپاہیو! آجیت یا پورن کے پوتو! اپنے بزرگون کے لہو کو دھبہ نہ لگاؤ۔ ان بزرگون کی خوبیان یاد کرو جو تم سے آگے جا چکے ہین کیا تمھین جورو۔ بچون کی محبت ماں باپ کی مامتا آگے بڑھنے نہین دیتی؟ اپنے آقا کے الفاظ یاد کرو "جو کوئی مجھ سے زیادہ اپنے ماں باپ سے محبت کرتا ہے وہ میرے قابل نہین" اور "جو کوئی مجھ سے زیادہ لڑکے یا لڑکی سے الفت کرتا ہے وہ میرے قابل نہین" اور "جو کوئی اپنی صلیب لے کر میرے پیچھے پیچھے نہین چلتا ہے وہ میرے قابل نہین"۔ ایسا نہو کہ تمھارا مال و منال اس کام سے تمھین باز رکھے۔ جو تمھارا ملک جسکے ایک طرف سمندر اور دوسری طرف پہاڑ حائل ہین تمھاری بیشمار

آبادی کے لیے کافی نہیں ہے۔ دولت کمانا تو کجا تمھاری زندگی کی ضروریات بھی یہاں نہیں مل سکتیں یہی وجہ ہے جو تم رات دن لڑائی جھگڑے میں پھنسے رہتے ہو۔ پس اب مرقد مقدس کی راہ اختیار کرو اور اس زمین کو فتح کرو جو اب بدذات کافرون کے قبضہ میں ہے۔ اس زمین کو خداوند نے آل اسرائیل کو عطا فرمایا تھا۔ وہ زمین جہان کتب مقدس کے موافق "دودھ اور شہد کی نہریں روان ہیں" یروشلیم اسکا مرکز اور سب سے زیادہ سرسبز مقام ہے۔ جہان رہنے میں یون کہنا چاہیے فردوس برین کا لطف آتا ہے۔ وہ زمین جسے نجات دہندہ بنی آدم نے اپنی تشریف آوری سے رونق دی اور اپنے وجود با جود سے عزت عطا فرمائی۔ اپنے جذبات سے بزرگی بخشی۔ اپنی وفات سے اُسے خرید کیا اور اپنے مزار سے ممتاز فرمایا۔ وہ ملکہ امصار یروشلیم جو ناف عالم میں واقع ہے ان بیدین کافرون کی غلامی میں اسیر ہے جو اس خداوند سے انکار کرتے ہیں جسنے اُسے عزت بخشی تھی۔ وہ اب تمھارے سامنے نجات کے لیے ہاتھ پھیلائے کھڑی ہے۔ سب سے زیادہ تمھیں لوگون سے اسلیے کہ خداوند نے تمھیں تمام قومون سے زیادہ عظمت قوت دست و بازو عطا فرمائے ہیں۔ پس اب فوراً اس راستہ کو اختیار کرو جو تمھارے سامنے کھلا پڑا ہے۔ تاکہ تمھارے گناہ دہل جائیں اور آسمانی بادشاہت کی رہنے والی عظمت و شوکت تمھیں حاصل ہو جائے۔" پوپ کی اس تقریر کے بیچ ہی میں مختلف قومون کے اس مجمع سے ایک ساتھ "خدا کی یہی مرضی ہے۔ خدا کی یہی مرضی ہے" کی آواز مختلف زبانون میں نکلی۔ اربن نے بس یہی موقع دیکھا اور جیون ہی کہ شور و غل کم ہوا اسنے پھر اپنی تقریر شروع کی "پیارے بھائیو۔ آج وہ منشا پورا ہوا جسکا ہمارے آقا انجیل میں یون ذکر فرماتے ہیں "جب دو یا تین تم میں سے میرے نام پر جمع ہونگے تو میں بھی تم میں موجود ہونگا"۔ اگر آقا اسوقت تم میں موجود نہ ہوتے تو ایک کی آواز سب کی آواز نہوتی۔ جو آواز اس مجمع سے نکلی ہے اسکا منبع ایک ہی ہے۔ یعنی یہ خدا کی ذات ہے جس نے تمھارے دلون میں یہ بات ڈالی اور تمھیں منھ سے اُسکے نکالنے پر مجبور کیا۔ یہی آواز میدان جنگ میں تمھارا نعرہ جنگ ہونا چاہیے۔ اور جب تم اُسکے دشمنون پر حملہ کرنے پہ جھکو تو سب ایک ہی آواز سے کہتے جاؤ کہ "خدا کی یہی مرضی ہے۔ خدا کی یہی مرضی ہے"۔

جو لوگ بڈھے ہیں یا کمزور ہیں۔ یا لڑائی سے ناواقف ہیں۔ یا عورتیں جنکے شوہر۔ بھائی یا وارث جائز موجود نہیں ہیں انھیں سفر کرنے کی نہ ہم صلاح دیتے ہیں اور نہ حکم کرتے ہیں۔ یہ لوگ بجائے کسی کام کے ایک طرح کا بار ہونگے۔ امیرون کو چاہیے کہ غریبون کی مدد کریں اور اپنے ساتھ جتنے آدمی لا سکیں میدان میں لائیں۔ کوئی پادری بغیر اپنے بشپ کی اجازت کے قصد

نہ کرے اور نہ کوئی دنیادار بغیر اپنے پادری کی دعا کے عزم کرے کیونکہ ایسے لوگون کے لیے یہ مہم بیسود ہے - جو کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اپنی ذات کی پاک مقدس - حی و قائم اور طیب قربانی بارگاہ خداوندی مین پیش کرے اُسے چاہیے کہ اپنے آقا کی صلیب سینہ پر رکھے اور جو کوئی یہ مقدس سفر اختیار کر چکا ہو اُسے چاہیے کہ اس مبارک نشان کو پشت پر لگائے - اسطرح وہ اپنے نجات دہندہ کے فرمان کو پورا کریگا جسمین حکم ہے کہ صلیب کو لے کر اسکے پیچھے پیچھے چلے جاؤ" ان نے اب اپنی تقریر ختم کی اور جتنے لوگ جمع تھے سجدہ مین زمین پر گر گئے - ایک کارڈنل نے کھڑے ہوکر "اقبال" (کنفیشن) کی رسم ادا کی اور پاپا نے دعا دی جسکے بعد یہ بیشمار مجمع منتشر ہوگیا اور ہر ایک کا ارادہ اس مہم پر جانے مین پہلے سے راسخ ہوگیا - [1]

اس جلسہ کا جو نتیجہ ہوا وہ نہایت حیرت انگیز تھا - اسکی خبر عجیب غریب سرعت کے ساتھ تمام ممالک مین پھیل گئی - نومبر ۱۰۹۵ء مین اسکا انعقاد ہوا اور شروع موسم بہار ۱۰۹۶ء مین محاربین صلیب کی ایک بڑی جماعت فلسطین کی طرف کوچ کرتی نظر آئی - لوگون کے دل اس خبر کو سننے کے منتظر تھے اور سب کے سب تیار بیٹھے تھے - اس خبر نے گویا شتابہ کا کام کیا - کہا جاتا ہے کہ جہاد کی برق انکے دلون مین موجود تھی اور صرف ایک اشارے کی منتظر تھی کہ تمام عالم مین چمک اُٹھے یہ اشارہ جلسہ کلرمان کے انعقاد سے پورا ہوا -

جس جوش و خروش کے ساتھ پاپاے روم کی خواہشات کا جواب لوگون نے دیا اس سے زیادہ ہو نہین سکتا - یورپ بیخ و بن سے حرکت مین آگیا اور مذہبی لڑائی کا جوش قریب قریب دیوانگی کی حد تک پہونچ گیا اور صرف براعظم یورپ ہی تک محدود نہ رہا بلکہ سمندر پار دور دراز کے جزیرون تک پہونچا - ولیم ساکن مامسبری کہتا ہے کہ "ویلس (Wales) کے رہنے والے شکار چھوڑ کر کھڑے ہوگئے - ڈنمارک (Denmark) کے لوگ جلسۂ شراب و کباب سے اُٹھ کھڑے ہوئے - ناروے (Norway) کے باشندون نے اپنی کچی مچھلی یون ہی چھوڑی اور سب کے سب ارض مقدس کی مہم پر ایک ساتھ آمادہ ہوگئے [2] نائٹ اور امرا سب اس جوش سے یکسان متاثر تھے - غریبون تک بھی اس شعلہ کی آگ اس طرح پہونچی تھی جس طرح امیرون تک بہرحال کوئی ایسا نہ تھا جو اسکے اثر سے بچا ہو -

ایک شخص چشم دید بیان کرتا ہے کہ کون اُن بچون اور کمزور بیمارون کا شمار کرے گا جو

[1] رابرٹس موناکس جلد اول - [2] جلد چہارم باب دوم صفحہ ۱۶۴

لڑائی کے جوش مین بھرے میدان جنگ کی طرف روانہ ہوے اور کون ان بڈھون اور جوان عورتون کو گنے گا جو میدان جنگ کی طرف راہی ہوئین؟ اسلیے نہین کہ کچھ مدد انسے ملے گی بلکہ اس شوق مین کہ کفارون کی تلوارون کے سایہ مین تاج شہادت سر پر رکھینگے - وہ چلاتے جاتے تھے کہ اے نوجوان سپاہیو تم تو اپنے نیزون سے شکست دوگے لیکن ہمین مسیح کے واسطے اپنے درد دکھ کی وجہ سے فتح حاصل کرنے کا موقع دو[1]

یورپ بھر مین اسوقت سواے اس ایک حرکت کے اور کچھ نظر نہین آتا تھا - اس زلزلہ نے مرکز سے لیکر محیط تک ہلا دیا کوئی قوم کتنی ہی دور رہی ایسی نہ تھی اور کوئی فرقہ کتنا ہی گمنام ہو ایسا نہ تھا جسنے اس عام تحریک مین حصہ نہ لیا ہو - صرف یہی ایک مضمون تھا جس سے لوگون کے دل سویداے قلب تک جنبش مین تھے - بہت ہی قلیل عرصہ مین لوگون کی گو ہار کی گو ہار فلسطین کی جانب حرکت کرتی نظر آئی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مغربی حصہ عالم نے ارادہ کرلیا ہے کہ اب مشرق مین جا کر بسے گا -

والٹر عرف قلاش برگنڈی کا رہنے والا ایک آوارہ گرد سپاہی تھا - سب سے پہلے اسنے ایک بہت بڑی جماعت کو صلیب کے جھنڈے کے نیچے جمع کیا - خود سردار بنا اور قدم باہر نکالا اسکے ہمراہ صرف آٹھ نائٹ تھے - اتنی بڑی جماعت کی سرداری کرنا اور انتظام قائم رکھنا جسمین بالکل ادانی وارازل جمع تھے جنھین کبھی ہتھیار چلانے کی تعلیم نہین دیگئی تھی اور جنکے پاس ضروریات سفر تک کا سامان نہایت ہی کم تھا کوئی معمولی بات نہ تھی تاہم ہنگری تک بخیر و عافیت ہو نکلے جہان بادشاہ نے ہر طرح انکی مدارات کی اور اپنے ملک سے گزر کرنے کا پروانہ راہداری عطا کیا اور اپنی رعایا سے تجارت کرنے کی بھی اجازت دی - چنانچہ والٹر برابر چلا گیا یہانتک کہ ایک مقام میل ول Malleville تک پہونچا جو ملک کی سرحد پر واقع تھا - یہان یہ اتفاق ہوا کہ اسکے ہمراہیون مین دس آدمی ہتھیار خریدنے پیچھے رہگئے اور جب فوج ایک چشمہ کو جو ہنگری اور بلگیریا کی حد فاصل تھا عبور کرکے دوسری طرف ہو نکلے تو ان پیچھے رہجانے والون پر حملہ ہوا اور انکا مال اسباب سب لوٹ لیا گیا -

یہ گویا مصائب کی ابتدا تھی - بلگیریا مین جب یہ لوگ پہونچے تو وہان کے باشندون نے ان کی مدارات کرنے سے انکار کیا - شہر کے دروازے انکے لیے بند کردیے گئے تھے

---

[1] گوی برنس نامی جنٹس باب اول جلد ثانی -

اشیاے خورد و نوش بھی مول لینے کی اجازت نہ ملی - اس برتاؤ نے سرداران [illegible] کر دیا اور بھوک سے مجبور ہو کر اُنھون نے مویشیون کے گلّون کو جو میدانون مین چر رہے تھے چھین لیا - اسپر بلگیریا والون نے اپنی فوجین جمع کرکے ان مجاہدین صلیب پر حملہ کیا اور بہت سون کو تلوار کے گھاٹ اُتارا - اب گوالٹر کی فوج بہت کم رہگئی تھی لیکن وہ ایسے نامہربان میزبانون کے ملک سے برابر آگے بڑھتا گیا اور آخرکار سلطنت یونان کے حدود مین داخل ہوا جہان اُسنے بادشاہ سے اپنی فوج کو تازہ دم کرنے اور پطرس کے انتظار مین قیام کرنے کی اجازت حاصل کی۔ راہب برابر ایک ایسی جماعت کے پیچھے چلا آرہا تھا جو اپنے پیشروؤن سے بھی کم منتظم اور منضبط تھی مرد - عورتین - بچے - ہر جنس - عمر و پیشہ کے مختلف زبانین بولتے ہوے - جنکے ساتھ بھاری بار سامان کی ایک کثیر مقدار تھی سب کے سب ساتھ تھے اور کسی نے سچ کہا ہے کہ ان سب [illegible] نے پطرس کی فوج کو ایک ایسی بوجھل اور خطرناک شئے بنا دیا تھا جس سے بدتر حالت مین شاید ہی کبھی کسی فوج نے کوچ کیا ہو - یہ جماعت ممالک جرمنی اور ہنگری سے ہوکر گزری اور ہنگری کے ملک مین اُس تشدد اور دھینگا دھینگی کے عوض جو وہان کے باشندون کے ساتھ اُنھون نے کی بہت زیادہ مصائب برداشت کرنا پڑے -

بلگیریا مین سے گزرنے مین انھین اس سے بھی زیادہ مصائب کا سامنا کرنا پڑا [illegible] آوارہ گرد جرمنون نے جنسے بلگیریا کے ایک سوداگر سے خرید و فروخت مین کچھ جھگڑا ہوگیا تھا چند گرنیون اور مکانون کو آگ لگا دی - لوگ اسپر غصہ مین آئے اور ایک انبوہ کا انبوہ باہر نکلکر پہلے ان بدمعاشون پر ٹوٹا اُسکے بعد مجاہدین صلیب کی عقب فوج پر حملہ آور ہوا ایک ہنگامہ شروع ہوا جس مین پطرس کی فوج شکست کھا کر منتشر ہوگئی۔

بیچارے راہب سے زیادہ اسوقت کسی کی حالت مضطرب نہوگی - وہ اسپر مجبور ہوا کہ بھاگ کر پہاڑون مین پناہ لے - یہان وہ یکہ و تنہا یار و احباب سے جدا کئی دن تک وہ جنگل کے ناہموار ٹیلون اور بیہڑ میدانون مین ٹھوکرین کھاتا پھرا - اسوقت کیسے خیالات اُسکے دل مین آتے ہونگے! اُسکے پیرو سب تتر بتر ہوگئے تھے - [illegible] امنگ دل نے اپنا لقمہ بنایا ہوگا - خودکردہ [illegible] کسقدر اُسکا دل [illegible] کے خیال سے بھرا ہوا تھا - کامیابی سے اُسکی تمناؤن اور جذبات کا ساتھ [illegible]